رنگِ حیات

راکھی چوہدری

رنگِ حیات

راکھی چوہدری

انتساب!

وطنِ مالوف کے ان پیاروں اور دنیا جہاں کے ان عزیزوں کے نام!
جو قدرتی آفات کو سہہ گئے، جو دکھ دیکھ گئے،
جو کھو گئے، جو بچھڑ گئے،
جو بچ گئے، اور جو نہ بچ سکے۔

میں اس کتاب کو ان تمام دکھیاروں کے نام کرتی ہوں جنہیں اس کتاب کو لکھنے سے قبل میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا اور جو اس کتاب کے لکھنے کے بعد ہمیشہ میری دعاؤں اور احساسوں میں شامل ہیں۔

پیش لفظ

دردِ دل ذات کا غم ہونے کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی سوغات سا ہوتا ہے، جس کا فیض اکثر خدا کے بندوں کو حاصل ہوتا ہے یا یوں کہنا چاہیے کہ خدا اپنے بندوں کے لیے کچھ ایسے بندے چنتا ہے جو انسانیت کے سانچے میں بھرپور اترتے ہیں۔ یہ ایک ایسا مقام ہے جس میں انسان سے انسان کا غم چھپائے نہیں چھپتا۔ اس مقام میں ہر نسل و رنگ کے تعلق دار سانجھے لگتے ہیں۔ جہاں ہم کہہ سکتے ہیں،

''ہاں ہم ایک ہیں''

قدرتی آفات کے رونما ہونے کی اصل وجہ تو کوئی نہیں جانتا، شاید ان کے وقوع پذیر ہونے کا ایک سبب یہ ہے کہ ہم کبھی یہ نہ بھول سکے کہ نظر آتے چلتے پھرتے نفوس کا مالک وہ خدا ہے جو بڑوں سے بڑا ہے۔ اور وہ رب ہی ہے جو نہ فقط اپنے اچھے اور صاف ستھرے بندوں کا ہے بلکہ گنہگار مجرموں کا بھی ہے۔

اس دنیا میں آ کر ہم اس دنیا میں موجود ہر چیز کے حصار میں آ جاتے ہیں۔ کبھی کبھی انسان وہ کر گزرتا ہے جو اس نے کبھی اپنے وہم و گمان میں بھی نہ سوچا ہو گا۔ بے دردی و خودغرضی اسی دنیا کی پیداوار ہے جو دماغ کو ماؤف کیے رکھتی ہے۔ ٹھیک اور غلط سمجھ داری کے باوجود ہم سسٹم سسٹم کی رٹ لگا کر معاشرے میں ہونے والے ناسوروں کا ساتھ دے دیتے ہیں۔ زندگی بسر کرنے کے اصول بنانا اور زندگی بھر ان اصولوں کا شانہ تھپتھپاتے رہنا آسان نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی ہم اپنے بنائے ہوئے اصولوں کے آگے جواب دے ہو جاتے ہیں۔

رنگِ حیات کو لکھ کر میں ادب اور اس کے پیغام کو اجاگر کرنا چاہتی ہوں۔ ایک ادیب فقط کہانی کار نہیں ہوتا۔ اس کے کندھوں پر ادب کے پیروکاروں کا بوجھ ہوتا ہے۔ وہ ادب کا سچا پیغام قارئین کے گوش گزار اس طرح کرتا ہے کہ معاشرے میں ہوتی بے حسی کا احساس دلوں میں بس جائے۔ تاکہ صحت افزا معاشرے کی تشکیل میں اپنا حصہ ڈال سکے۔ رنگِ حیات بھی میری ایک ایسی کرید ہے کہ جسے لفظ دے کر مجھے بے حد سکون میسر ہوا۔ میں خوش ہوں کہ میں نے نہ صرف اپنے ملک کی اقلیت کے حب وطنی کے پہلو کو متعارف کروایا بلکہ یہ واضح کر دیا کہ ایک انسان سے اس کی جنم بھومی کے کس قدر روزنی فرائض منسلک ہوتے ہیں۔

راکھی چوہدری

قسط نمبر 1

پہاڑوں نے اپنے ہی لوگوں کو نگل لیا

ہفتہ 8 اکتوبر 2005ء

لوگوں کی چیخ وپکار جاری تھی۔سب ڈھے گیا تھا،ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر گیا تھا،عمارتوں کی جگہ ملبہ ہی ملبہ تھا، ہرسو آفت رسیدہ ہوئی تھی۔سب کچھ تہس نہس ہو گیا تھا،مصیبتیں ہی مصیبتیں تھیں، ہر آنکھ نم تھی...... ہر آنکھ نم۔

ہفتہ ۸ اکتوبر ۲۰۰۵ء ملک کے بالائی حصوں پر قیامت بن کر آئی تھی۔شہر کے شہر تباہ ہوئے تھے۔دیہات کے دیہات صفحہ ہستی سے اجڑ گئے، ہزاروں افراد لقمہ اجل بن گئے تھے اور وہ......

وہ بچ نکلا تھا۔اس نے خود کو بھاگتے ہوئے محسوس کیا۔

سامنے کی زمین کھسک رہی تھی۔وہ ایک کھائی میں گرنے لگا تھا۔

وہ بہت بے بس تھا بہت بے بس......فنا ہونا، تباہ ہونا، برباد ہونا،ختم ہونا،سب کچھ ختم ہونا،کیسا ہوتا ہے؟اس نے محسوس کیا تھا اور وہ یہ متواتر محسوس کرتا رہا تھا۔وہ مر رہا تھا اور اس کے گناہ اس کی آنکھوں کے سامنے برس سے رہے تھے،وہ تو سوچتا رہا تھا،ایک دن معافی مانگ لے گا لیکن اب موقع کہاں؟اب تو جانے کا وقت آن ٹھہرا تھا،وہ رخصت ہو رہا تھا،زمین بوس ہو رہا تھا،زمین منہ کھول کر انتہائی ہیبت ناک دہشت زدگی پھیلا رہی تھی اور ذہن میں یادوں کے قوضوں سے ایک تصویر نکل کر منظر پر چھانے لگی۔

وہ کہاں ہے؟اسے موت آنے لگی ہے......اور وہ......وہ کہاں ہے؟

نہ جانے کہاں ہے؟ نہیں وہ نہیں مر سکتا۔ اس نے رخ موڑ لیا۔

کھائی میں گرتے گرتے بھاگ نکلا، رفتار ایسی کہ سمتوں کا بھی اندازہ نہ ہو سکے۔

لیکن کیا کبھی کوئی اپنے مقررہ وقت سے بھی بھاگ سکا ہے؟ کوئی نہیں، کبھی نہیں، وہ بھی نہیں۔

ہاں! وہ بھی نہیں بھاگ سکتا تھا۔

سامنے ہی ایک عمارت زلزلے سے جھول رہی تھی، اس کی بنیادیں زمین سے اکھڑ رہی تھیں اور یہ دیو قامت عمارت زمین بوس ہونے کو تھی۔ عافی اس عمارت کے ڈھے جانے کی سمت میں کھڑا تھا، اب اس کا بھاگنا اور بچ نکلنا ناممکن تھا۔ وہ بھی نہیں بھاگ سکتا تھا جیسے کوئی نہیں بھاگ سکتا تھا۔

سب تباہ، سب برباد، نیست و نابود۔ اللہ اللہ۔

اس کے منہ سے چیخ نکلی، ایک بھیانک دردناک چیخ، روح کو ساکن کرنے والی، جسم سے جان نکالنے والی چیخ، آخری پکار سی، آخری آواز سی۔

''سر......سر! کیا ہوا؟ آپ ٹھیک ہیں؟''

کوئی اسے پکار رہا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔

اسے پکارنے والی آواز اس کی سیکرٹری رخسار کی تھی، جو اپنے باس کو پریشان دیکھ کر پریشان تھی۔ وہ ابھی ابھی آفس آئی تھی اور باس کو چیختے چلاتے سن کر سیدھا اندر چلی آئی تھی، اس کا سانس جلدی جلدی آنے کی وجہ سے پھولا ہوا تھا اور اس کے مہارت سے میک اپ کیے ہوئے چہرے، خصوصاً ناک سے پسینے کی بے شمار بوندیں نمودار ہو چکی تھیں۔ اس نے سفید شرٹ اور بلیک جینز پہنی تھی، اور لیرس میں کٹے بال کھلے چھوڑے تھے۔

عافی اپنی سیکرٹری کو دیکھ کر بوکھلا سا گیا۔ اس نے گہری سانس لی، اب حدِ نظر پرسکون سا منظر تھا، کوئی بھی شے زلزلے کی زد میں آ کر نہ لرزتی تھی، اس کا دل اب بھی بے حد بے ہنگم طور سے دھڑک رہا تھا۔ اس کے باوجود وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ خواب دیکھ رہا تھا، ہاں ایک خواب تھا شاید؟ ایک خواب ہی تھا۔ اس نے تحیر آمیز انداز میں اپنے ہاتھ اپنے چہرے پر رکھے اور جیسے ایک دکھ بھری سانس بھر کے رہ گیا تھا۔

2005ء سے اب تک وہ ایسے خواب اکثر دیکھا کرتا تھا۔ 2005ء سے اب تک وہ موت کے ایسے مناظر متعدد بار دیکھ چکا تھا۔ اور اس اذیت کو سہہ چکا تھا۔

''سر! آپ ٹھیک تو ہیں؟'' رخسار نے جھجک آمیز لہجے میں پوچھا تھا۔

''ہاں ٹھیک ہوں، میں بچ گیا تھا۔ میں بچ گیا ہوں، لیکن کیا میں ڈ بچ گیا ہوں؟'' عافی کھڑکی کی جانب دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں خواب کا منظر دہراتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

''سر......سر۔''

''تم میرے بیڈروم میں کیا کر رہی ہو؟'' عافی نے بے ساختہ اونچی آواز میں پوچھا۔ وہ اب تک اسی خواب کے زیر اثر تھا۔

رخسار گھبرا گئی تھی، اس کی چھوٹی خوب صورت، ہائی لائٹر سے سجی ناک سرخ سی ہو گئی تھی۔ عافی کی کڑی نگاہیں اسی پر تھیں۔

اسے دیکھ کر وہ سیدھا ہوا، اپنے ماحول کو سمجھنے کی کوشش کی۔

وہ دونوں آفس میں تھے، عافی گھر نہیں گیا تھا، رات آفس میں ہی رہ گیا تھا اور رخسار گھر سے تر و تازہ ہو کر اس نئی صبح میں ابھی دس منٹ پہلے آفس اپنے کام کرنے آئی تھی۔ اس نے کچھ کہنے کی بجائے پردے ہٹائے تو سورج کی روشنی اندر آئی۔

عافی اپنا سر تھپک سا رہا تھا۔ رخسار نے اسے پانی پیش کیا۔ اس نے گلاس تھام لیا اور جلدی سے پانی پیا، پھر یک دم اٹھ کر کہیں چلا گیا۔

رخسار اسے جاتے دیکھتی ہی رہی۔ یہ بڑے آدمیوں کی زندگی کیسے ہوتی ہے؟ عجیب سی۔

کام، کام اور صرف کام۔

پھر ڈپریشن، ڈپریشن اور صرف ڈپریشن۔

رخسار نے عافی کی ادویات کو دیکھ کر سوچا۔

☆......☆......☆

عافی آفس سے نکل کر ٹیرس پر آیا تھا۔

یہاں کا ماحول ذرا بہتر تھا۔ آسمان صاف تھا، فضا نرم سی، ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی اور اس پر اس منظر میں پرندوں کی سنگت بھلی بھلی سی لگ رہی تھی۔ اس نے گہری سانس لی اور آنکھ بند کر دی۔

پہاڑوں نے اپنے ہی لوگوں کو نگل لیا تھا۔

8 اکتوبر 2005ء

اسے کچھ دیر پہلے کا منظر یاد آیا۔ دل سے جیسے ہوک سی نکلی، دماغ میں جیسے گزرے، پچھلے ہوئے منظر بھاگنے لگے۔ اس نے بے چینی سے اپنا موبائل نکالا اور ایک نمبر ڈائل کیا۔ چند سیکنڈ کی دیری کے بعد ایک مردانہ آواز ابھری تھی۔

''ہیلو سر!''

''کچھ پتا چلا۔''

''چل جائے گا سر، آپ فکر نہ کریں۔''

''اوکے۔''

اس نے کال ختم کی، خواب کا منظر اس کی آنکھوں میں کسی فلم کی طرح رواں تھا۔ اس نے بے بسی سے آنکھیں بند کیں، وہ ملا جلا سا شور سن رہا تھا۔

کچھ اپنی حقیقت کا، کچھ اس خواب کا شور، کچھ موجودہ منظر میں اڑتے پھرتے پرندوں کا شور، دل کا شور اور موبائل کی وائبریشن کا شعور۔ اس نے تمام سماعتوں کو نظر انداز کر کے اپنی توجہ موبائل فون کی طرف مرکوز کی۔ وچن کالنگ۔

''یہ لڑکی نا!''

عافی نے سر کو چھوا اور کال سن لی۔

''کہاں ہو تم؟ میسج کا جواب کیوں نہیں دیا؟''

''پھر سے ہمیشہ کی طرح نہ ہیلو، نہ ہائے، بس شکوہ اور شکوے۔ وہ سب دفع کرو اور یہ کہو، یہ تم کیا

کرنے جا رہی ہو؟''

''کیوں، میسج تو کیا تھا نا؟ پڑھا نہیں کیا؟''

''پڑھا ہے اس لیے تو پوچھ رہا ہوں کہ یہ تم کیا کرنے جا رہی ہو؟''

''ایگزام دینے۔''

''کسی اور کی جگہ؟ پاگل تو نہیں ہوگئی ہو؟ یہ ایک جرم ہے۔ اگر پکڑی گئی تا تمہاری ڈگریاں کینسل ہو سکتی ہیں اور سزا بھی۔''

''ڈگریاں تو بہت کام آ رہی ہیں میرے؟'' اس نے جلے دل سے کہا تھا۔

''دیکھو تم ایسا مت کرو، یہ غلط ہے۔''

''میں کسی کی مدد کر رہی ہوں۔ اسے میری مدد کی ضرورت ہے۔ یہ اس کا آخری چانس ہے۔ اگر وہ فیل ہوگئی تو اس کے گھر والے اس کے ساتھ بہت برا کریں گے اور تم سوچ بھی نہیں سکتے وہ لوگ کتنے خطرناک ہیں۔''

''پہلے تم تو سوچ لو کہ وہ کتنے خطرناک ہیں؟''

''میں جا رہی ہوں۔'' وچن نے جیسے آخری بار کہا ہو۔

''اف اللہ! یہ لڑکی بھی نا؟''

اس نے فون بند کر دیا۔ وہ پھر سے اس کا نمبر ٹرائے کرنے لگا لیکن جواب موصول نہ ہو سکا تھا۔

''اوشٹ۔'' اسے غصہ آنے لگا۔

وہ کیسے بھی کر کے وچن کو اس احمقانہ حرکت سے باز رکھنا چاہتا تھا لیکن کیسے رکھتا؟ اس کے نام کے سوا اسے وچن کے متعلق پتا ہی کیا تھا؟ وہ کون ہے، کہاں ہے، اسے کچھ پتا نہیں تھا اور اسے کچھ بھی پتا کروانا بھی نہیں تھا۔ وہ بس دوست تھے انجانے سے دوست۔ آج اسے احساس ہوا اسے وچن کا اتا پتا معلوم ہونا چاہیے تھا لیکن وہ ہی تو ڈرتی چھپتی رہتی ہے، فراغ دلی کرنے والی ایک ڈرپوک سی لڑکی۔ چھپ چھپ کر نیٹ فرینڈ سے باتیں کرنے والی، ایک ہی جگہ پر ملنے کے لیے آنے والی لڑکی، ہوشیار و

ذہین مگر ڈر ڈر کر زندگی گزارنے والی لڑکی۔ عافی اکثر اپنی بے مقصد دوستی کے متعلق سوچتا؟ پر وہ کیا کرتا اس بے مقصد دوستی کے سوا اس کے پاس تھا ہی کیا؟ اس کا وچن کے بنا کوئی نہیں تھا جس سے وہ دو گھڑی بیٹھ کر باتیں کی جا سکیں یا پھر اس کی سنی جا سکے، وہ جتنی بھی الجھی ہوئی تھی مگر تھی ایک مخلص اور بے غرض سی لڑکی لیکن یہ مخلص اور بے غرض دوست آج کیا کرنے جا رہی تھی؟ کس مصیبت کو گلے لگانے جا رہی تھی؟ جیسے کسی کی مدد نہ ہوا پنے ہی ہاتھ کٹوانے ہوں۔

اف۔ وہ اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا، یہ پہلی بار ہوا تھا کہ ماضی کی دھندلی یادوں کے دریچے سے وہ خواب لوٹ آئے تھے اور وہ ڈپریشن کی دوا لینے بنا وچن کے لیے فکرمند تھا۔ وہ پشیمانی سے ہاتھ ملنے لگا۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ وچن کا وچن ضرور توڑے گا۔

عافی کو وچن کے مذہب کے سوا اس کے متعلق کچھ بھی پتا نہ تھا پر وہ اب طے کر چکا تھا اسے اس کے اگلے پچھلے اور سب ریکارڈ نکلوانے تھے۔ اور یہ طے تھا۔ اس نے موبائل نکالا اور "کل کرے سو آج کرے" والے محاورے پر عمل درآمد کرنے لگا۔

☆......☆......☆

وہ اٹھائیس برس کی لڑکی تھی، چہرہ گول لوگ سا تھا، آنکھیں بڑی بڑی، قد ٹھیک ٹھاک سا تھا اور رنگت درمیانی۔ نہ سانولی نہ گوری، درمیانی رنگت، پرفیکٹ فگر اور گہرے گھنے، کالے کمر پر ڈھلکتے سلکی بال، جو آج دو لمبی پونیوں کی صورت اس کے شانوں سے نیچے گر رہے تھے۔ آج اس نے ایک بڑے عرصے بعد ساڑھی کی بجائے یونیفارم پہنا تھا۔ ذرا پڑھا کو لگنے کے لیے ایک موٹا چشمہ بھی لگایا تھا۔ اس نے یونیفارم کو دردآگین ہو کر دیکھا، اس کی کتنی آس تھی آگے لکھنے پڑھنے کی، کتنی لگن تھی اسے تعلیم مکمل کرنے کی، پر بھاپو کو ابھی کون کچھ کہے، کون پوچھے؟ انہیں تو بس جلد از جلد اپنی بیٹیوں کو اپنے اپنے گھروں کی کرنا تھا۔ کاش بھاپو جی اسے سمجھتے؟ وہ کیا تھی اور کیا کچھ کر سکتی تھی کاش کوئی سمجھ پاتا تو آج کم از کم یہ دن تو نہ دیکھنا پڑتا۔ دیپک کی ماں کی چاکری نہ کرنی پڑتی، اور بھاپو جی کے حالات بھی ایسے نہ ہوتے۔ ایگزامینیشن سنٹر بہت دور تھا۔ وہ بس میں سفر کر رہی تھی۔ نا جانے اسے آج کیا کیا اور کیوں

کیوں یاد آرہا تھا۔ سچ تو یہ تھا کہ دل حوصلہ شکنی کا شکار تھا۔ وہ پہلی بار ایسا کر رہی تھی۔

اس نے سکینہ کی مدد کی ہامی تو بھر لی لیکن یہ بہت مشکل سا کوئی عمل تھا۔ اپنی جان کو جان بوجھ کر ''جوکھم میں ڈالنا تھا'' نا جانے اس نے کیوں ہاں کہہ دی تھی؟ کیوں اس نے سکینہ کے آنسو دیکھ کر یہ مشکل مول لی تھی؟ کیوں اس قدر کٹھن وعدہ کر لیا؟ جو نبھانا مشکل تھا؟ وہ سر ہاتھوں میں لیے نادم اور شرمساری افسوس میں بیٹھی تھی۔ بس اپنی منزل کی جانب حرکت کر رہی تھی۔ اس کا دل اب بھی اسے فرار کا مشورہ دے رہا تھا۔ وہ اب بے چینی سے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں مسل رہی تھی۔ کیا کرے کیا نہ کرے؟ بس کچھ پل کے لیے رکی تھی۔ مسافر جو اپنی اپنی سوچوں میں یہاں موجود تھے، جھٹکا سا کھا کر پھر سے مصروف ہو گئے تھے۔ وچن نے اپنا کروس بیگ اٹھا لیا اور اپنی سیٹ سے اٹھی، اسے جانا چاہیے تھا۔

وہ جوں ہی اپنی سیٹ سے اٹھی ایک ادھیڑ عمر لاغر و کمزور بدن کی عورت اس کی چھوڑی ہوئی نشست پر بیٹھی اور اسے دعائیں دینے لگی۔

''پیپر اچھا ہوگا بیٹی! فکر مت کرو، تم نے مجھے ترس کھا کر اپنی جگہ پہ بٹھایا ہے، خدا سب کو اس کی کی گئی نیکی کا صلہ دیتا ہے۔''

''ہاں! اچھا۔'' اس نے ناسمجھی میں عورت کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ وہ تو پیپر نہ دینے کا سوچ کر فرار اختیار کرنا چاہتی تھی لیکن اس عورت کو لگا تھا کہ وہ اسے اپنی نشست دے کر فراخ دلی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ فراخ دلی؟

''اس وقت تو میرے ہاتھوں کے طوطے، مٹھو سب اڑ چکے ہیں۔'' اس نے دل ہی دل میں سوچا اور بس پھر محرک ہوئی۔

وہ لاغر عورت اور دوسری خواتین جو بس میں سوار تھیں، سب وچن اور اس کی عمر کی لڑکیوں کی باتیں کرنے لگی تھیں۔ کون جانتا تھا، وچن کوئی دسویں جماعت کی لڑکی نہیں، وہ بی ایس سی پاس ایک لڑکی ہے جو شادی شدہ ہے اور اس کا ایک بیٹا بھی ہے۔

اس کے سفید براک یونیفارم کو دیکھ کر سب اسے کچی عمر کی لڑکی جان کر اس کے نشست چھوڑنے

کی وجہ سے اسے مثبت نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ اس نے یہ سب محسوس کیا تو کندھے ذرا سیدھے کیے اور اپنی جگہ پر کھڑی پیپر بورڈ ہاتھوں میں سنبھالے ثابت قدم سی کھڑی رہی۔

"کسی کے لیے کچھ کرنے سے دل کو خوشی ملتی ہے۔" اخلاقیات کا ایک سبق اس کے ذہن میں ابھرا۔ اس نے گہری سانس لی اور ڈرتے ڈرتے طے کر لیا وہ ضرور یہ پیپر دے گی۔ خواہ کچھ بھی ہو وہ وعدہ نبھائے گی۔ اس مشکل وقت میں وہ سکینہ کو تنہا نہیں چھوڑ سکتی تھی یہ اس کی زندگی کا سوال تھا۔ وہ نہیں مکرے گی، اس نے تہیہ کر لیا تھا۔

بس اپنے اسٹاپ پر رکی تھی۔ دل میں کئی قسم کی ملی جلی سی کیفیات آ جا رہی تھیں، چہرے پر بے یقینی اور اعصاب پر خوف سا سوار تھا۔ وہ بس سے اتر کر ایگزامینیشن سینٹر جا رہی تھی۔ اس کے قدم الٹے سیدھے پڑ رہے تھے لیکن سیدھ برقرار تھی۔ وہ اپنی سی جونک میں سینٹر کی جانب قدم بڑھا رہی تھی کہ کسی نے اس کے قدم سے قدم ملائے۔

وہ ایک دم رک گئی۔ سامنے وہی تھی، ایک دم وہی۔

وہی دل کش آنکھیں، وہی نقاب، وہی عبایا۔ وچن کی آنکھوں میں پہچان کی کرن ابھری تھی۔ اسے دیکھ کر وہ اس کی طرف آئی اور پوچھا۔ "اتنی دیر کیوں لگا لی؟ بس دس منٹ ہے پیپر شروع ہونے میں؟"

"ہاں، میں وہ......؟" وہ اثبات میں سر ہلاتی پتا نہیں کیا بہانہ سوچ رہی تھی۔

"چلو کوئی نہیں۔ ابھی پیپر شروع نہیں ہوا۔" عبایا والی لڑکی نے بے فکری سے کہا تھا۔

پیپر کا نام سن کر اسے کچھ عجیب سا محسوس ہونے لگا، دل اضطراب کے مارے دھڑکنے لگا۔ وہ رک سی گئی اور عبایا والی لڑکی اس سے آگے نکل گئی۔

جب اسے اپنے تنہا ہی آگے بڑھنے کا احساس ہوا تو اس نے مڑ کر دیکھا، وچن اس کے قدم سے قدم نہیں ملا رہی تھی اور اسی جگہ پر ساکن سی کھڑی تھی۔ عبایا والی لڑکی اس کی جانب سے پھر بڑھ آئی اور پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

وچن نے معصومیت سے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور خوف زدہ ہو کر پوچھا۔ "اگر پکڑی گئی تو؟"

عبایا والی لڑکی نے بے یقینی سے اسے دیکھا اور مسکرائی۔ ”یہ سوال پہلے تو کبھی نہیں پوچھا تم نے؟“

”اب تو پوچھ رہی ہوں۔ بتاؤ نا اگر پکڑی گئی تو؟ سنا ہے یہ ایک جرم ہے۔ میری ڈگریاں بھی کینسل ہو سکتی ہیں اور سزا بھی۔“ اس نے عافی کی کہی ہوئی بات دوہرائی۔

وہ پھر سے مسکرانے لگی۔ اس کی مسکراہٹ کچھ عجیب سی تھی۔ وچن کے اعتماد کے پر سکڑنے لگے۔ جیسے وہ آسمان میں اڑتے ہوئے گر پڑی ہو۔

”کیا ہوا زیادہ پیسے چاہئیں؟ یا کچھ اور؟“

”نہیں نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔“ وچن نے سچ کہنا چاہا؟ اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بے خوف ہو کر کہا۔ ”مجھے ڈر لگ رہا ہے۔“

”یہ ڈر ڈیل فکس کرتے ہوئے تو نہیں لگا تھا؟ ایک بات کہہ دوں، تم ایڈوانس لے چکی ہو دس ہزار اور پانچ ہزار کتابوں، کاپیوں کے خرچ کا بھی۔ اور تو اور اس پیپر کے بھی دس ہزار روپے دے رہی ہوں۔ اب میں نہ پیسے بڑھاؤں گی اور نہ ہی تمہاری ”نا“ سنوں گی۔ اب تم مکر نہیں سکتی سمجھی۔“ اس نے بارعب لہجے میں دانت پیستے ہوئے اس کے پاس آ کر کہا تھا۔

”ہاں ہاں! وہ میں بس ایسے ہی......“

وچن نے بے دلی سے ہاں کہہ دی۔ اس کے پاس کچھ کہنے کے لیے نا تھا۔ عبایا والی لڑکی سچ کہہ رہی تھی کسی کی مدد کی آڑ میں وہ سچ میں ڈیل بھی کر آئی تھی اس لیے بنا چوں چراں کیے آگے بڑھنے لگی۔

عبایا والی لڑکی نے اسے پکارا۔ وچن نے مڑ کر دیکھا۔

”جب تمہیں دس ہزار ایک پیپر کے دیے جا رہے ہیں تو آگے بھی آسانی ہو گی۔ فکر مت کرو اور یہ لو۔“ عبایا والی لڑکی نے اسے چند چٹیں تھمائیں۔

”یہ کیا ہے؟“

”نقل ہے۔“ وچن کے چہرے کے تیور بدلے اور اس بار وہ عبایا والی کے پاس آئی اور قدرے اعتماد سے کہا۔ ”وچن نقل خور نہیں، میں نے کبھی نقل نہیں کی۔“

عبایا والی لڑکی نے اس پر تائیدی نگاہ ڈالی اور ہاتھوں کی انگلیاں موڑ کر انگوٹھا بلند کر کے اسے آل دا بیسٹ کہا تھا۔

☆......☆......☆

وچن اب ایگزامینیشن سینٹر میں موجود تھی۔ گھبراہٹ اس کے چہرے سے چھلک رہی تھی، دل بے قراری سے دھڑکتا تھا۔ وہ بار بار حواس باختہ ہو کر اپنے ساڑھی کے پلو کو ڈھونڈتی لیکن اس کے ہاتھوں میں اس کا یونیفارم کے "وی" کا کونا آ جاتا۔ جیسے وہ ساڑھی کے پلو کی مانند گھبراہٹ میں ہاتھوں سے مسلتی رہتی۔ اس نے اسی اثنا میں ذرا سا جھنجلا کر "وی" کا کونا چھوڑا اور آس پاس نظر ڈالی۔

آج وہ ایک لمبے عرصے کے بعد پیپر دینے آئی تھی لیکن حال اب بھی وہی تھا۔ وہی لڑکیوں کی بھیڑ، کوئی فیشن ایبل، کوئی سادھی، کوئی بس ٹھیک ٹھاک سی، تو کوئی پر اعتماد، کوئی بہت زیادہ نقل چھپانے کے لیے پریشان تو کسی کی لائق فائق لڑکیوں پر نظر اور ایسی ہی لڑکیوں کو وہ بھی نظر آ گئی تھی، شکل سے ہی پڑھاکو لگتی تھی۔ اوپر سے موٹا گول چشمہ بھی رہی سہی کسر پوری کر رہا تھا۔

وہ موٹی لڑکیاں اسے دیکھ کر اس کے پاس آئیں۔ ان کے بال بھی ان کی ہی طرح صحت مند تھے، دونوں کے بھرے بھرے چہرے میں بھی مماثلت تھی۔ انداز بھی تقریباً یکساں تھا اور ہاتھوں میں ہاتھ تھے جسے دیکھ کر لگتا تھا دونوں جڑواں تھیں۔

"کیا رول نمبر ہے؟" دونوں نے ایک ساتھ پوچھا۔ انداز میں بے فکری تھی، چہرے پر حد سے زیادہ مسکراہٹ۔

وچن نے رول نمبر سلپ آگے بڑھا دی۔ لڑکیوں نے با آواز بلند اس کا رول نمبر پڑھا اور پھر اپنا رول نمبر بھی سابقہ انداز میں پڑھا اور پھر ایک چیخ ماری اور خوشی سے کہا۔

"ہمارے رول نمبرز ایک دوسرے کے آگے پیچھے ہیں۔ یعنی تم ہمارے ساتھ بیٹھو گی۔ ہاہاہا۔" وہ اتنی سی بات پر بے انتہا خوش تھیں، جیسے کسی خزانے کی کنجی دریافت کر لی ہو۔ وچن ان کو دیکھتی ہی رہ گئی۔

"یہ اس عمر کی خوشیاں بھی نا۔" وہ انہیں حسرت سے دیکھنے لگی۔ "اسٹوڈنٹ لائف کتنی خوب

صورت ہوتی ہے۔'' اس کے دل سے ہوک سی اٹھی۔ وہ دونوں بھرپور خوشی منانے کے بعد وچن کی طرف مڑی اور کہا۔

''ہماری مدد کرنا، اچھا! تم ہمارے ساتھ ہی بیٹھوگی۔ کمپلسری سوالوں میں اگر جواب ''اے'' ہو تو کان کو چھونا اور ''بی'' ہو تو ناک کو چھونا، ''سی'' ہو تو کالر کو ہاتھ لگانا اور ''ڈی'' ہو تو سر کھجانا۔ اوکے۔ سمجھ میں آیا نا؟ کمپلسری سوالات۔''

موٹی لڑکی نے پھر سے سمجھنا شروع کیا۔ وچن نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

موٹی لڑکی کے جتن من میں ٹھنڈک اتر آئی، اس نے خوشی سے دوسری موٹی لڑکی کا ہاتھ تھاما اور لڑکیوں کی بھیڑ کو ٹکریں مارتی، موٹے تازے بالوں کی پونی کو ہلاتے ہلاتے ایگزامنیشن ہال کی جانب چلی گئی۔

آج میٹرک کا اول پیپر تھا اور پہلے ہی دن ذرا ٹائم لگ رہا تھا پیپر شروع ہونے میں، دس منٹ سے زیادہ وقت گزر چکا تھا۔ ابھی تک پیپر شروع نہ ہوا تھا، کمرۂ امتحان کے اندر ٹیچرز مصروف تھیں اور اندر سے دروازہ لاک تھا، اس ایک دروازے کے باہر کھڑی چشم براہ لڑکیاں سیماب پا لگ رہی تھیں۔ وچن کے دل کا چور شعور مچا رہا تھا۔ وہ بھی باقی لڑکیوں کی طرح کمرۂ امتحان کے مرکزی دروازے کی تاک میں تھی، اس نے ایک بار پھر سے اپنے ہاتھوں میں موجود سلپ دیکھی اور وہ فوٹو بھی جس کی جگہ وہ پیپر دینے آئی تھی وہ اسی کی طرح لگ رہی تھی نا؟

ہاں عبایا والی لڑکی نے تو یہی کہا تھا اس کا گیٹ اپ بالکل پر اعتماد تھا اور وہ موٹی لڑکیوں نے بھی اسے نہ پہچانا تھا۔ اس نے سکینہ کو دیکھا تھا وہ جانتی تھی اس کو پر یہ نہ جانتی تھی کہ اس کا چہرہ اس کے چہرے سے اتنا ملتا ہے؟ اس نے دماغ پر زور ڈالا تو جواب ملا ہرگز نہیں۔ اس میں اور وچن میں ذرا بھی مماثلت نہ تھی لیکن اس فوٹو میں......

اس کا دماغ اب کام نہ کر رہا تھا۔ انتظار کی گھڑیاں بالآخر رخصت ہوئیں۔ ہال کا دروازہ نو بج کر پندرہ منٹ پر کھلا اور دروازے کے کھلتے ہی لڑکیاں دیوانہ وار کسی آفت کی طرح پچھلی اور کونے والی

نشستوں کی طرف بھاگیں۔

''آرام سے......آرام سے۔''

استانیاں بولتی رہیں لیکن سب بے قابوسی تھیں۔ بدحواس سی۔ دروازے پر کوئی چیکنگ نہیں ہوئی، سب بھاگتی ہوئی اپنی اپنی نشستیں سنبھال چکی تھیں۔ وچن کا دل اور بھی تیزی سے دھڑکنے لگا تھا، اسے کوئی نہیں دیکھ رہا تھا مگر دل کا چور دل می ہی مچلنے لگا، اندر سے آوازیں آنے لگی ہوں جیسے۔

''بھاگ جاؤ...... بھاگ جاؤ''اگر پکڑی گئی تو کیا ہوگا؟''

''بھاگ جاؤ۔''

''تم ایڈوانس لے چکی ہو عبایا والی لڑکی کی باتیں؟ سکینہ کی التجائیں؟ اس کے آنسو؟ اور نا جانے کیا کیا۔ اس کے ذہن کی دیواروں سے ٹکرانے لگا۔ اس نے محسوس کیا اس کی ٹانگیں لرزش کا شکار ہو رہی ہیں، ماتھے پر بے موسمی پسینہ جمع ہونے لگا تھا، سر جیسے بھاری ہو گیا ہو اور اس سے کھڑا بھی نہ ہوا جا رہا ہو۔ ایگزامنیشن ہال می معمول کی افراتفری تھی۔ اس کا سر چکرانے لگا۔

عبایا والی لڑکی کی باتیں، عافی کی باتیں، دیپک کیا سوچے گا؟ اور اکمل؟ اگر وہ پکڑی گئی تو گھر والوں کا سامنا کیسے کرے گی؟ اس کی ساس تو......

دل دو طرف داریوں میں مصروف تھا، نہ بھاگنے پر راضی، نہ پکڑے جانے کے خوف سے آزاد؟ دل کی تو دل کو ہی سمجھ نہ آتی تھی تو دماغ بے چارہ کیا کرتا؟

اس کے ذہن نے اب تھکاوٹ محسوس کرنا شروع کی تھی۔ اس کے اعصاب اس کی بدلی بدلی کیفیات کی ترجمانی کرنے سے قاصر تھے، اس کا سر چکرا گیا اور اس نے خود کو جھول کر گرتے ہوئے محسوس کیا۔ اب اس کی آنکھوں کے سامنے مناظر ویران سے تھے اور وہ؟

وہ نا جانے کہاں تھی؟ کچھ ہی دیر بعد......

وچن پر پانی چھڑکا گیا، وہ ہوش کے تانے بانے بننے لگی۔ اس کی آنکھیں بند ہو ہو کر کھلتیں اور بند ہو جاتیں۔ کوئی اسے جھنجلا رہا تھا، بے ہوشی سے ہوش کی دنیا میں لا رہا تھا اور پھر ذرا سی دیر کے

بعد اس کے کانوں سے مختلف آوازیں ٹکرائیں۔ پھر ایک جھماکے سے عبایا والی لڑکی اور سکینہ اسے یاد آئیں۔ اس کے اعصاب پھرے مناظر اور کیفیات کی ترجمانی کرنے لگے۔

اس نے محسوس کیا پرنٹڈ جارجٹ کے تھری پیس سوٹ میں ایک پکی عمر کی ٹیچر، ہونٹوں پر میرون رنگ کی لپ اسٹک لگائے اور میرون رنگ کا ہینڈ بیگ تھامے اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔ وہ شکل سے ہی شفیق لگ رہی تھیں۔ بہت زیادہ شفیق اور آواز اور لہجہ تو اور بھی زیادہ شفیق و نرم تھا۔

''یہ آج کل کی لڑکیاں...... ان کو تو جیسے ناشتہ نہ کرنے کی عادت ہی پڑ گئی ہے اور پھر ایگزامز کے دنوں میں ایسی لاپروائی؟''

''چلو اٹھو شاباش! یہ جوس پی لو اور کل سے ناشتہ کر کے آنا۔''

وچن نے ہلکے سے سر ہلایا اور جوس کا اسٹرا منہ میں ڈال کر سوچنے لگی۔ ''اس ٹیچر نے اسے لڑکی کہا تھا یعنی وہ لڑکی لگ رہی تھی۔ میٹرک کی کم عمر اسٹوڈنٹ؟ اٹھائیس سال کی وچن نہیں۔ نا جانے کیوں اسے خوشی ہوئی لیکن آج تو جیسے ہر خوشی حرام تھی۔ نفیس سی ٹیچر سب کی سلپ چیک کر رہی تھی اور اب وہ وچن کی جانب آ رہی تھی۔ وہ نشست چھوڑ کر تیسری پر بیٹھی تھی۔ اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا، نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی آنکھوں کی پتلیاں بے سکونی سے حرکت کر رہی تھیں، اس کی پلکیں جیسے جھپکنا بھول گئی تھیں اور نظریں تو اس شفیق سی ٹیچر سے ہٹ ہی نہ رہی تھیں۔

ٹیچر بالآخر پاس آئی اور آتے ہی دھیمے انداز میں وچن سے مخاطب ہوئی۔ ''تم نے جوس پیا؟ اپنی سلپ دو اور جوس جلدی سے ختم کرو۔'' نفیس سی ٹیچر نے اس کی سلپ اٹھا کر کہا۔

وچن کے منہ میں جوس کا گھونٹ منہ میں ہی رہا، نہ حلق سے اترا نہ منہ سے نکلا جس کی وجہ سے اس کے گال پھول گئے تھے۔ بڑی بڑی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ دل ایسے دھڑکا تھا جیسے خون کی آخری ترسیل کر رہا ہو۔ ٹیچر نے محتاط سی نظریں اس پر ڈالیں اور پھر سلپ دیکھی۔

''تمہارے چہرے پر؟'' وہ کسی سوچ میں تھی، کئی بار پلکیں جھپکائیں اور پھر سر کو ذرا جھٹکا۔ ''ہاں ٹھیک ہے۔'' کہا اور اگلی نشست میں بیٹھی لڑکی سے اس کی سلپ مانگی۔

وچن کی اندر کی سانس جیسے اندر اور باہر کی باہر ہی رہی، نگران ٹیچر جا چکی تھی۔ اگلے کئی سیکنڈ تک جوس کا بھرا گھونٹ اس کے منہ میں ہی رہا۔

پیپر شروع ہو چکا تھا۔ موٹی لڑکیاں نا جانے کہاں بیٹھی تھیں؟ آج سب اپنی اپنی مرضی سے بیٹھے تھے۔ رول نمبرز کا کوئی اہتمام نہ تھا اور ڈسپلن کی بھی کوئی رمق نہ نظر آتی تھی۔ سپرنٹنڈنٹ بے حد خفا سی تھی جس کی وجہ سے نگران ٹیچرز سیکنڈ ٹائم کے پیپر کی مکمل تیاری کی یقین دہانی کروا رہی تھی۔ وچن نے پیپر کی طرف توجہ دی، پیپر اس کے لیے بہت آسان تھا۔ اس نے ایک لمبے عرصے کے بعد پین، پیپر اور پیپر بورڈ اٹھایا تھا۔ اسے لکھنے میں مزہ آ رہا تھا۔

سب کچھ کتنا آسان تھا؟ اس کے دل کا چور اب شور کرنے کی بجائے پرسکون تھا۔ وہ آرام سے لکھ سکتی تھی۔

☆......☆......☆

پیپر ختم ہوا تو وہ موٹی لڑکیاں پھر سے نمودار ہوئیں اور آتے ہی پوچھنے لگی۔

”کہاں چلی گئی تھی تم؟ تمہیں کیا ہوا تھا؟ تم تو بے ہوش سی ہو گئی تھی۔ میں تو سمجھی کہ آج پیپر نہ ہو گا تم سے، لیکن خیر کیسے ہوا پیپر؟“

”اچھا ہوا۔“ اس نے بس اتنا کہا۔

”اب حالت کیسی ہے تمہاری؟“ دوسری موٹی لڑکی نے خوش اخلاقی سے مسکرا کر پوچھا۔

”ٹھیک ہے۔“ اس کا جواب مختصر تھا۔

”اچھا تم نے B پارٹ کے سوال نمبر چار کا جواب کیا لکھا A یا B؟“

”میں نے تو B لکھا۔“ موٹی لڑکی نے کہا۔

”میں نے بھی B لکھا، تم نے کیا لکھا؟“

”E لکھا۔“ وچن نے مسکرا کر کہا۔

دونوں کی گول گول آنکھیں اور بھی گول گول ہو گئیں؟“

''کیا غلطی ہوگئی؟'' وہ دونوں اب سوال نمبر چار کو غور سے پڑھنے لگیں۔

وچن پھر سے مسکرائی، دونوں نے اس کی طرف دیکھا، ''E'' کا آپشن نہیں تھا۔

''I am just kidding'' وچن نے مذاق کیا تھا اور اب مسکرا رہی تھی۔

وہ دونوں بھی کھل کے مسکرا دیں۔ وہ پہلی بار ساتھ ہنسے تھے، کیا پتا تھا آج کی اجنبی مسکراہٹوں میں پہچان کی کرنیں اس طرح آن گریں گی کہ پھر کئی بار دل اس ملاقات کے قہقہوں کو یاد کر کے گدگدائے گا۔

☆......☆......☆

اگیزامینیشن سینٹر سے باہر نکلتے وقت اس کی نظریں مسلسل عبایا والی لڑکی کا تعاقب کرتی رہی تھیں۔ پر وہ اسے کہیں نظر نہ آئی۔ اس نے آگے جا کر بس پکڑی اور سیدھا اپنی سہیلی کے گھر آئی جہاں اس نے اپنی ساڑھی بدل کر یونیفارم پہنا تھا اور پھر اپنے بیٹے کمل کے اسکول سے اسے لے کر گھر کی جانب چل نکلی تھی۔

ابھی وہ گلی کے نکڑ پر ہی تھی کہ اس کی ساس کملا اسے گھر کی دہلیز پر نظر آئی، وچن پل دو پل کو رکی لیکن پھر گھر کی طرف قدم بڑھانے لگی۔ کیونکہ گھر تو اسے جانا ہی تھا اور ساس کا سامنا بھی کرنا لازمی تھا یعنی اب ایک بہت بڑی زبانی WWF ہونے کا امکان تھا اور اگر ایسا تھا تو ایسا ہی سہی...... اس نے کمل کا ہاتھ تھاما اور اندر چلی آئی۔

''کہاں سے آ رہی ہو مہارانی؟'' کملا نے ہلکے سبز رنگ کی نیلون کی ساڑھی کا پلو کمر میں کستے ہوئے پوچھا تھا۔ اس کی جھریوں زدہ کمر ایک انچ جتنی نظر آئی تو اس نے پلو کو پھیلا کر کمر کے گرد اڑسا اور دونوں بازو باندھے، وچن کے روبرو آ کے کھڑی ہوئی۔

''میں نے پوچھا کہاں سے آ رہی ہو؟''

''نرگ سے......'' اس نے جل بھن کر جواب دیا اور آگے بڑھ آئی اور اپنے بائیں ہاتھ کو پلو سے ڈھک دیا۔ اس کی ساس کو اس کے کسی سخت ردعمل سے فرق نہ پڑتا تھا۔ اگر وچن جل بھن رہی تھی تو

وہ بھی صبح سے کام کر کر کے جل جل کر راکھ سی ہو گئی تھی۔

''مہارانی کہیں کی! روز گھر سے فرار ہو جاتی ہے۔''

وہ کمل کے کپڑے اتار رہی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ اپنا ہاتھ بھی چھپا رہی تھی۔

''کام چور نکمی۔'' کملا کیا سے کیا کہے جا رہی تھی۔ ''گھر کا کوئی خیال نہ کرو، کوئی احساس نہیں تمہیں ذمے داری کا۔ نا جانے گھر والوں نے کیا سکھا کر بیاہ دیا ہے؟''

وچن کی برداشت جواب دے رہی تھی۔ وہ تھکی ہوئی تھی، چلا اٹھی۔

''بس بہت ہو گیا۔ کیا کام چوری کی ہے میں نے؟ صبح ناشتہ بنایا، چائے بنائی، رسوئی بھی صاف کی، سارے کام نپٹا گئی تھی پھر آپ نے ایسا کیا کیا جو اتنے احسان جتا رہی ہو؟''

''کیا کیا ہے؟'' اس کی ساس نے انتہائی غصہ میں کہا۔

''برتن نکالے، ٹنکی دھوئی، بوتلیں مانجھیں، گھڑے، گھوڑنچیاں اور گلکیاں بھریں اور تم کہتی ہو کہ ایسا کیا کیا ہے؟''

وچن نے آس پاس نظر دوڑائی، کملا سچ کہہ رہی تھی۔ آج پانی آنے کا نمبر تھا اور وہ پیپر کی گھبراہٹ میں بھول گئی تھی۔ پر یہ ندامت اس نے خود تک ہی محدود نہ رکھی تھی، اور بنا ڈرے پوچھا۔

''اور کپڑے؟''

''میں نوکر لگی ہوں کیا؟'' اس کی ساس وچن کے سوال پر لال پیلی ہو گئی تھی۔

''اچھا کپڑے نہ دھوتی، واشنگ مشین ہی لگا لیتی، پر آپ تو؟''

''میں کیوں لگاؤں مشین، میرے کون سے کپڑے ہوتے ہیں؟ میں تو دو دن کے بعد ساڑھی بدلتی ہوں، کپڑے تو تم لوگوں کے ہوتے ہیں، تمہارے، تمہارے پتی کے اور تمہارے بیٹے کے۔''

''میرا پتی آپ کا بیٹا اور میرا بیٹا آپ کا پوتا ہوتا ہے۔ میں جہیز میں نہیں لائی ان کو۔ کہ آپ پر ان کے کپڑے دھونا حرام ہو جاتا ہے۔''

''تم جہیز میں لائی ہی کیا تھی؟'' کملا کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

وچن نے آرام کرنے کی بجائے کپڑے جمع کیے اور مشین لگائی۔ سب کے کپڑے الگ کیے، سب سے زیادہ وچن کے ہی کپڑے تھے۔

''ویسے تُو روز روز ساڑھی بدل بدل کر کہاں جاتی ہے؟'' اس کی ساس نے اس کے بہت سارے کپڑے دیکھ کر پوچھا۔

''کنویں میں گرنے...... آپ چلیں گی کیا؟'' وہ تھکی ہوئی تھی اور غصہ میں بھی تھی۔

''آنکھیں تو دیکھو؟ آنکھیں مت دکھایا کرو مجھے، کوئی تمیز نہیں سکھائی ماں باپ نے۔''

وچن نے مزید بحث میں پڑنے کی بجائے آنکھیں نیچی کر دیں اور باتھ روم کا دروازہ بند کر دیا۔ وہ اپنا غصہ کپڑوں پر نکال رہی تھی۔

''آرام سے...... کپڑے پھاڑنے نہیں، دھونے ہیں اور مجھے بے وقوف مت سمجھنا، میں پتا لگوا کے رہوں گی کہ تُو ساڑھیاں بدل بدل کر جاتی کہاں ہے؟''

وچن نے اس بار کوئی جواب نہ دیا۔ بس لانڈری سے ساس کے سارے کپڑے نکال کر باہر پھینک دیئے جس کا مطلب تھا وہ اب ساس کے کپڑے نہیں دھوئے گی۔

اس کی ساس خود کے ساتھ اتنا برا نہیں ہونے دے سکتی تھی اس نے لانڈری کا دروازہ ہلکا سا کھولا اور اپنے کپڑے اندر رکھ دیے۔

وچن اپنے پتی کی قمیض کے کالر پر ابن گھس رہی تھی، اپنی ساس کے اس عمل کے بعد اس نے صابن اٹھا کر غصے سے دروازے پر دے مارا۔ اس کی ساس پرسکون ہوگئی، اب وچن ہی اس کے کپڑے دھوئے گی۔

☆......☆......☆

عافی نے صبح سے کتنی بار وچن کا نمبر ڈائل کیا تھا مگر وہ وچن ہی کیا جو عافی کی مرضی کے مطابق کبھی اس کی کال اٹھائے۔ وہ ہمیشہ اپنی ہی کرتی جیسے اپنے من کی ملکہ ہو، اس کا دل چاہتا تو عافی کو کال کرتی، میسج کرتی اور اگر دل نہ کرتا تو بس نہ کرتا۔

وہ اپنے ہی کاموں میں مگن تھی، اسے دھلے ہوئے کپڑے چھت سے اتارنے تھے۔ کمل کو ٹیوشن سے لانا تھا، کپڑوں کو استری بھی کرنی تھی۔ رات کے کھانے کا انتظام بھی کرنا تھا۔ اگلے پیپر کی تیاری بھی کرنی تھی۔ اور سب سے زیادہ یہ جو ساڑھی بدل بدل کر کہیں جانے والا گمان، جو اس کی ساس کے من میں ابھرا تھا اس کا بھی کچھ کرنا تھا۔ پر کیا کرے؟

عبایا والی لڑکی کو وہ گھر تو بلا نہیں سکتی تھی، اس سے ملنے کے لیے وچن کو ہی مندریا ''ست سنگ'' کے بہانے سے گھر سے باہر جانا پڑتا تھا اب اسے کوئی اور بہانہ نہ سوجھتا تھا اگر اس کی ساس نے مندر کی پجاری یا پھر ست سنگ کرنے والی عورتوں سے اس کے متعلق پوچھ لیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔

''اُف یہ کیا مصیبت ہے؟ مجھے اپنے من کی کرنے کے لیے کس قدر من گھڑت بننا پڑتا ہے، نا جانے کب میں آزادی سے اپنی مرضی سے بنا ڈرے کوئی کام کر سکوں گی؟ نا جانے کب کب وضاحتوں سے جان چھوٹیگی؟

یہ کہاں اس کا مزاج تھا۔ وہ اخلاق کی پکی لڑکی تھی، پر یہاں کہاں بے رونق لوگو میں پھنس گئی تھی جہاں کوئی اس کی منطق سمجھ نہ سکتا تھا اور وہ کچھ سمجھا نہ سکتی تھی۔

''باپو! کہاں پھنسا دیا؟'' اس نے بے دل ہو کر دل ہی دل میں شکوہ کیا جو ان دنوں اس کا تکیہ کلام سا بن گیا تھا۔ خیر سندھیا کی پوجا سے پہلے اس نے تمام کام کر لیے تھے۔ وہ ایک غضب کی پھرتیلی لڑکی تھی۔ پھرتیلا پن اس کے فطری استعداد میں سے ایک وصف تھا جس کی قائل کملا بھی تھی۔ کملا کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ سارے کام نپٹا دیتی۔ بس یہی ایک خوبی تھی جو اس کی ساس کو اس میں نظر آجاتی ورنہ تو دونوں میں اکثر چھتیس کا اکڑا رہتا، ذرا ذرا سی بات پر لڑ پڑتی۔

پوجا کے بعد اس نے ساس سے چھپ کر موبائل دیکھا، عافی نے کئی کالز کی تھیں۔ اف! یہ عافی بھی نا! اس نے وٹس ایپ پر ٹائپ کرنا شروع کیا۔

''میں ٹھیک ہوں، سب ٹھیک ہے۔ میں پکڑی نہیں گئی۔ کسی کو مجھ پر شک نہیں ہوا۔''

عافی بھی اس محترمہ کے لیے ہی پریشان بیٹھا تھا اس کا میسج آتے ہی رپلائے کیا: ''اندھیر نگری

چوپٹ راج۔‘‘

’’ہاہاہا۔‘‘ وچن نے نقالی ایموجی Zany emoji سینڈ کیا تھا۔

’’لیکن محترمہ، آج پہلا ہی پیپر تھا، آخری نہیں۔‘‘ اس نے لکھ کر سینڈ کیا۔

پر وہ نا جانے کہاں مصروف ہوگئی تھی اس نے بس ہمیشہ کی طرح اپنی کرنی تھی وہ آف لائن تھی مگر اس کے باوجود عافی ین اسے اگلے میسج کے ذریعے محتاط رہنے کا لیکچر دیا۔

وچن کے گہرے نقوش کی مائل ساس پاپڑ بیل رہی تھی۔ وہ اپنے لمبوترے جسم کے ساتھ کالا کولا لگے بالوں کا اونچا جوڑا بناتی تھی۔ پاپڑ بیلتے ہوئے وہ آس پاس کے ماحول سے بے خبر ہوتی، اس کے بالوں سے گرتی بے ترتیب لٹیں پاپڑ بیلنے کی چھوٹی بیلنی کی ترتیب وا گھماؤ کی وجہ سے اس کے چہرے پر جھول رہی تھی۔

گھر کی چوکھٹ کے سامنے نظر آتی دیوار پر چورس کھڑکی نما چکور جالے کے اندر شام کے وقت جلتا دیا، ہوا کے دوپر جھلملا رہا تھا۔ وچن اس کھلے آنگن میں تنہا کھڑی کچھ سوچ رہی تھی۔

دیپک کے آنے کا وقت ہوگیا تھا۔ صبح ہونے تک اس نے اپنی ساس کے ’’ساڑھی بدل بدل کے جانے کے گمان‘‘ کا بھی کچھ سوچنا تھا۔

☆......☆......☆

صبح گھر کا معمول روزمرہ کا تھا۔ راولپنڈی پر خنکی طاری تھی جو اس شہر کی فضا کو خوشگوار بناتی تھی۔ اس کا گھر خلاصہ تھا۔ بناوٹی لحاظ سے پانچ بڑے بڑے کمروں پر مشتمل تھا۔ جن میں سے تین کمرے نیچے اور دو اوپر تھے۔ صحن اور رسوئی کی بنیاد دل کھل کر رکھی گئی تھی، صحن میں اکثر چارپائیاں بچھی ہوئی ہوتیں جن پر ستھرے موسموں میں پاپڑوں کی متعدد انواع ھوپ سیکنے کے لیے بچھائی گئی ہوتیں۔

آج صبح اس نے پہلے سے بھی زیادہ پھرتی دکھائی، سارے کام جلدی جلدی ختم کیے، ساڑھی بدلی اور گھر سے نکلنے سے پہلے ساس کو بتایا کہ وہ انیلا کے گھر جا رہی ہے۔

’’اتنی صبح صبح؟ کیوں کوئی مرگیا ہے کیا اس کے گھر؟‘‘

''نہیں ماں جی، آپ کی دشمن خیر سے ہے، بس گاؤں گئی ہے۔''

''نا جانے کب اس موئی مے اتّیم سنسکار کی خبر سنوں گی؟'' کملا نے دل کی بھڑاس نکالی اور پاپڑ چننے لگی۔ اس کے ہاتھ کے بنائے پاپڑ اس کے لیے باعثِ فخر تھے۔ یہ پاپڑ، پاپڑ نہ تھے اس پورے نگر میں اس کی پہچان تھے۔ برادری میں کوئی ایسے پاپڑ بنا کے دکھائے؟ وہ دل ہی دل میں اپنے قصیدے پڑھے جا رہی تھی۔

''انیلا اکیلی ہے، اب ایسے وقت میں اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتی نا۔'' وچن اپنے معقول بہانے کو مزید معقول بنانے کے لیے گٹھ جوڑ کر رہی تھی۔ اس نے ابھی تک اپنا ہاتھ اپنی ساڑھی کے پلو سے چھپایا ہوا تھا۔

انیلا اس کی چھوٹی بہن تھی اور اس کی ساس سے بھی کملا رانی کا چھتیس کا اکڑا تھا۔ بہانہ تو سو فیصد نفع کا تھا، اس کی ساس کہاں جانی دشمن کے گھر کی خبر رکھتی؟ اس لیے وچن بولے جا رہی تھی، وضاحتیں دے رہی تھی، آنے کا وقت بتا رہی تھی، مگر اس کی ساس اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے پاپڑوں پر ہی واری جا رہی تھی۔ وچن نے اس کی غائب دماغی کا فائدہ اٹھایا اور چل نکلی۔ اس کی ساس اب بھی پاپڑوں کے عشق می مبتلا تھی اور صدقے صدقے کہہ رہی تھی۔

''صرف کہتی رہتی ہے، کاش اپنے بنائے ہوئے پاپڑوں پر سچ میں صدے ہو جائے۔ کم از کم جان تو چھوٹے۔'' وچن نے کہا اور پھر دلی ملامتی سے بے بس ہو کر خود کلامی کی۔

''کسی کی اچھائی اور برائی کرنے سے ہم اچھے یا برے ثابت ہوتے ہیں، دوسروں کے لیے ہمارے نظریے ہی ہماری سوچ کا آئینہ ہوا کرتے ہیں۔ اف کاش میں نے اخلاقیات نہ پڑھی ہوتی۔''

اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ ساسو ماں کو اپنے حال پر چھوڑ کر وہ تیز تیز قدم اٹھاتی، ساڑھی سنبھالتے ہوئے گھر سے نکلی۔ کمل کو اسکول چھوڑا، رکشہ لیا، اپنی سہیلی کے گھر آئی، خوب صورت کام والی ڈارک جامنی اور کالے رنگ کی ساڑھی بدلی، یونیفارم پہنا اور جلدی جلدی بس پکڑی۔ کملا کی طرح اس کی دوست بھی اس کی ''سوپر وومن'' والی پھرتی دیکھ کر ناخن چبانے لگی۔

بس میں اس نے عافی کے میسجز پڑھے تھے۔ ''آج پہلا ہی پیپر تھا آخری نہیں۔

''تم پہلے دن نہیں پکڑی گئی، اس کا مطلب یہ نہیں کہ آگے بھی نصیب اچھا رہے گا۔ محتاط رہو اور میرا مخلصانہ مشورہ ہے جو کام کبھی نہیں کیا اسے اب بھی مت کرو۔''

''عافی......اف یہ عافی کتنا ڈراونا ہے۔ اس نے تو ڈرا ہی دیا تھا۔'' کتنی پر اعتماد تھی وہ اور اب رہ رہ کر اسے عافی کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔

آج پیپر ٹائم پر شروع ہوا تھا اور حسبِ توقع رول نمبر بھی قطاروں کی صورت نشستوں پر درج تھے۔ وچن کو دیکھتے ہی موٹی لڑکیوں نے ہاتھ بلند کر کے اپنی جاب بلایا۔ وہ شش و پنج کی سی کیفیت میں اپنے رول نمبر کی جانب بڑھ رہی تھی۔ اس کا رول نمبر لمبی قطار کے عین وسط میں لکھا تھا۔ موٹی لڑکیاں اس کے بعد یکے بعد دیگرے بیٹھی تھیں۔ وچن کا دل پھر گھبراہٹ کے شکنجے میں آ چکا تھا۔ پھر کل والی حالت اس پر طاری ہونے لگی تھی لیکن آج وہ بے ہوش نہیں ہوئی تھی۔

پیپر شروع ہو چکا تھا۔ سب کو سوالیہ پرچے مل چکے تھے۔ چیٹنگ چیکنگ اور رول نمبرز چیکنگ شروع ہو چکی تھی۔ آج بھی وہی شفیق ٹیچر ان کی چیکنگ کر رہی تھی۔ وہ کل والے لباس میں نظر آ رہی تھی، آج بھی میرون رگ کی لپ اسٹک لگائی ہوئی تھی ہاں البتہ ان کا ہینڈ بیگ آج سر برئی لکڑی کے ٹیبل پر سامنے رکھا تھا جہاں سپرنٹنڈنٹ بیٹھی کسی کام میں مصروف تھی۔ اس بڑے سے ہال میں سست رفتاری سے چار پنکھے رواں تھے۔

وچن کے دل کا حال محال تھا، گھبراہٹ کی وجہ سے پیشانی پر پسینہ جمع ہو چکا تھا اب بس ایک لڑکی کے بعد اس کی چیکنگ ہونی تھی۔ شفیق و خوب صورت ٹیچر کی پرفیوم کی خوشبو اس تک با آسانی آ رہی تھی، وہ بہت پاس آ چکی تھی۔ اس نے آنکھیں نیچے کر لیں اور کوئی منتر کا جاپ کرنے لگی جو اس کی ماں نے سنکٹ و خطرے کے وقت پڑھنے کو سکھایا تھا لیکن اس گھبراہٹ میں اسے سب بھول گیا تھا اور ٹیچر اس کے سر پر سوار اس کی سلپ مانگ رہی تھی۔ وچن نے کانپتے ہاتھوں کے ساتھ سلپ انہیں تھما دی اور ان کے آگے مصروفیت کی ایکٹنگ کرنے کے لیے ''سوال نمبر 1'' پیپر پر لکھا۔ چند لمحوں کے بعد وہ

اس سے مخاطب ہوئی۔

’’آج ناشتہ کیا تھا؟‘‘ سوال غیر متوقع تھا پر وچن نے سر اثبات میں ہلایا۔

’’ہوں، گڈ۔ ناشتہ کر کے آیا کرو سب۔‘‘ وہ تمام اسٹوڈنٹ کو نصیحت کرنے لگی، وچن کی سلپ ان کے ہاتھ میں تھی، اب تو اس سے کچھ لکھنے کی ایکٹنگ بھی نہ ہو پا رہی تھی۔ اس کے ذہن میں عافی کی باتیں چلنے لگیں۔

’’اگر آج پکڑی گئی تو؟‘‘

’’اگر پکڑی گئی تو؟‘‘

دل موا مرے جا رہا تھا۔ ہنومان چالیسہ، بھی گیان گن ساگر‘ سے آگے کا بھول چکا تھا۔ ٹیچر کی نظریں اسی کے چہرے پر تھیں۔

’’یہ کیا کر رہی ہو؟‘‘ انہوں نے اچانک انتہائی سخت عالم میں کہا۔

وچن نے آنکھیں بند کریں۔ مضبوطی سے جیسے بھینچ لی ہوں۔ اس کا دل ٹیچر کی خوف ناک آواز سے دہل سا گیا تھا۔ خون کا بہاؤ جیسے جسم میں رک گیا تھا۔

’’تم۔ یہ تم۔ سرخ پونی والی لڑکی۔‘‘

’’راحیلہ۔ مس راحیلہ دیکھو اس کو تو ذرا۔‘‘

مس راحیلہ اگلی لائن میں تھی اس لیے شفیق ٹیچر برق رفتاری سے سرخ پونی والی لڑکی کی طرف بڑھی اور اس کے ہاتھ سے ننھی چٹیں چھین لیں۔

’’بہت خوب، بہت خوب۔ آج اردو کا پیپر ہے، یہ ہماری مادری زبان ہے اور یہ حال ہے۔‘‘ انہوں نے طنز کیا تھا۔

مس راحیلہ بھی اب اس کے پاس آ چکی تھی اور سپر نٹنڈنٹ بھی اپنا کام چھوڑ کر اس سرخ پونی والی لڑکی کی جانب آ گئی تھی اور غصہ میں چلا رہی تھی۔

’’جس کے پاس جو جو کچھ ہے فوراً سامنے رکھ دے ورنہ اگر ہم نے نقل کرتے ہوئے کسی کو پکڑا

تو اچھا نہ ہوگا۔ آج کسی کی بھی نقل پکڑی گئی تو پیپر کینسل کر دیا جائے گا۔ جو آتا ہے وہ لکھو۔ خاموشی سے اپنا کام کرو۔"

تمام ٹیچرز محتاط سی ایک دم چوکنی ہو کر پہرہ دینے لگی تھیں۔ ہال میں وف کی فضا چھا گئی تھی۔ موٹی لڑکیو نے تھوک نگلا تھا۔ ان کا تو خوف کی وجہ سے گلا خشک ہو رہا تھا۔ وچن کا سنکٹ بھی ٹل گیا تھا۔ مس فضیلت یعنی مس شفیق نے دوبارہ آکر چیکنگ وچن کے بعد والی لڑکی سے شروع کی تھی۔

وچن نے سکھ کا سانس لیا اور پیپر پر جھک گئی۔ اب اس کے بائیں ہاتھ کی کلائی صاف واضح تھی جو بالکل سادھی تھی۔ وچن نے ایک نظر اپنی سونی کلائی پہ ڈالی لیکن یہ وقت افسوس کرنے کا نہیں تھا، پیپر لکھنے کا تھا۔

اب وچن اور سب اس شفیق ٹیچر کے نام سے واقف تھے۔ ان کا نام مس فضیلت تھا جو نقل پکڑنے میں غضب کی ماہر تھیں۔ ان کی ہی بدولت ہال میں ڈسپلن قائم رہتا۔ لڑکیاں اپنی جگہ سے ہلتی بھی ہیں۔ ذرا سا بھی کوئی چیٹنگ کا سہارا لیتا ان کی آنکھ سے بچ نہ پاتا، ہاں البتہ ہال میں اشاروں کی نقل اور ذرا سی پوچھ گچھ کو وہ نظر انداز کر دیتیں جیسے موٹی لڑکیوں کی ذرا ذرا کی اِدھر اُدھر استفہامیہ نظریں معاف کر دی جاتیں۔ وہ لاسٹ ٹائم کا بھرپور فائدہ اٹھاتی تھیں، جب ٹیچرز تھک ہار کر بیٹھ کر چائے سے لطف اندوز ہوتیں۔ وچن بھی دل کھول کر ان کی مدد کرتی۔

آج سب کو پیپر لمبا ہونے کی شکایت تھی مگر وچن نے ایک گھنٹہ پہلے ہی پیپر حل کر دیا تھا۔ وہ بس ایک آخری نظر پیپر پہ ڈال رہی تھی کہ مس راحیلہ اس کے پاس آئی اور اسے کھڑا ہونے کو کہا۔

"کیوں۔ کیا اس کی چوری پکڑی گئی تھی۔" اس کا دل دھڑکنے لگا۔

"یہ کیا ہے؟"

وچن کی نشست کے پاس ایک چٹ پڑی تھی، یہ لڑکیاں باز نہ آتی تھیں نگران ٹیچرز نے پوری کوشش کی تھی پر وہ ہے نا کہ نقل کے لیے عقل کی ضرورت ہوتی ہے بس وہی بات تھی یہاں نقل کے معاملے میں عقل ہی عقل تھی، اس مطلق سب عقل مند تھے۔

وچن نہ سمجھی۔ مس نے پھر سے پوچھا۔ "یہ کیا ہے۔" اب کی بار انہوں نے چٹ سامنے کی تھی تو وچن کو تسلی ہوئی وہ پکڑی نہیں گئی تھی۔ مس راحیلہ تو بس اس چٹ کا پوچھ رہی تھی جو کسی نے استعمال کرنے کے بعد اس کی نشست کیپاس اچھالی تھی یا کسی اور طرف منتقل کرتے وقت اس کی نشست کیپاس گر گئی تھی، یہاں چٹوں کی منتقلی عام تھی۔ وچن ایک دم پر اعتماد نظر آنے لگی اور اسی انداز میں بنا ڈرتے، ہچکچاتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"یہ میری نہیں ہے۔"

"تمہارے پاس سے ملی ہے اور تم کہتی ہو کہ تمہاری نہیں ہے؟" مس بہت غصہ میں لگ رہی تھی۔ ہال میں پیپر دیتی لڑکیاں کسی صورت باز نہ آتی تھیں۔

"مس! میں نے تو پیپر ہی ختم کر دیا ہے۔ یہ دیکھیں۔" اس نے پیپر اٹھا کر مس راحیلہ کو دیا اور چٹ کھول کر دیکھی۔ مس راحیلہ تو دیکھتی ہی رہی۔ میٹرک کی لڑکی کی ایسی ہینڈ رائٹنگ اور پورا پیپر جیسے موتیوں کی طرح چمک رہا تھا اور پھر چہرے کا اعتماد اور پورا پیپر کرنے کی خوشی۔

"مس! میں نے یہ محاورے نہیں لکھے، دیکھ لیں آپ۔"

چٹ میں لکھے محاورے اس کے پیپر میں لکھے محاوروں سے مختلف اور بچکانہ سے تھے۔ مس فضیلت بھی آ پہنچی۔ انہوں نے آتے ہی اس طرف دیکھا اور سامنے بیٹھی لڑکی کو کھڑے ہونے کا کہا جو وچن کے دائیں جانب بیٹھی تھی۔ مس فضیلت کو پکا یقین تھا کہ یہ چیٹنگ اس ہی لڑکی کی ہے۔ انہوں نے پھر مخصوص انداز میں چیکنگ شروع کی۔ لڑکی کو شوز اتارنے کے لیے کہا تو درجنوں چٹیں برآمد ہوئیں۔ چند لڑکیاں اس کی طرف دیکھ رہی تھیں اور چند لڑکیاں اپنے پیپر پر جھکی ہوئی تھیں۔ مس راحیلہ اب وچن کو چھوڑ کر اس لڑکی کی طرف متوجہ تھی۔ نقل کی چٹیں لڑکی کے جوتوں سے نکلتے دیکھ کر یہ ادھیڑ عمر مذہبی خاتون تو جیسے صدمے میں آ گئی۔ لڑکی کو کچھ کہنے کی بجائے وہ روہانسی سی ہونے لگی۔

"تمہیں یہ حرکت کرتے ہوئے ایک بار بھی خیال آیا کہ ان چٹوں میں مقدس نام بھی ہو سکتے ہیں۔" ان کی آواز رندھ رہی تھی۔ سب ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ہال میں سناٹا سا چھا گیا۔

''ایک پیپر پاس کرنے کے لیے، صرف ایک پیپر پاس کرنے کے لیے؟ کیسے کر دیا تم نے یہ؟''
''مس سوری، آئی ایم سوری۔'' لڑکی کا چہرہ ندامت زدہ تھا۔
''اب رب سے معافی مانگو۔'' مس فضیلت نے اس کا پیپر کینسل کر دیا۔
سب کے دل ٹھنڈے ہو گئے، نقل تو سب ذرا بھری کر رہے تھے لیکن علم کی بے حرمتی کوئی کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ اس نے پاؤں سے کچل کر بے ادبی کی تھی۔
وچن کو بھی مس فضیلت کے اس عمل سے سکون میسر ہوا یہ بھی کوئی اخلاق کا مظاہرہ تا۔ اسے بداخلاق لوگوں سے بہت چڑ تھی۔ اس کا مزاج ہی ایسا تھا۔
انسان کبھی کبھی اپنے مزاج سے بہت ہی مختلف ثابت ہوتا ہے۔ وہ اصول جو اس کی پہچان ہوتے ہیں، انسان نادانی میں انہیں پامال کر جاتا ہے۔ جیسے وہ کسی کی جگہ پیپر دے رہی تھی، مقصد کسی کی مدد تھا لیکن اس سے بڑی علم کی بے حرمتی اور کیا ہو سکتی تھی؟
خدا جانے یہ اس کی نادانی تھی یا پھر اصول بنانے والوں سے ان ہی کے اصول کسوٹی لیا کرتے ہیں۔ اور نہ صرف وچن بلکہ سکینہ بھی زیادہ سے زیادہ نمبرز کے خواب دیکھ کر خود کو خود ہی خوار اور رسوا کر رہی تھی۔ بیجا جنے بنا کہ خواب تو بس خواب ہی ہوتے ہیں ان کا حقیقتوں سے تعلق کچا سا ہوتا ہے۔ خوابوں کی پرکھ کی نظر کمزور ہوتی ہے یہ حقیقت کو دیکھ سکتے ہیں مگر سمجھ نہیں سکتے اس لیے خوابوں کا حقیقت سے تعلق کبھی پکا ہو ہی نہیں سکتا کہ خواب تو بس خواب ہوتے ہیں۔ خواب مکمل ہو بھی جائیں تو انسان کب مکمل ہوتا ہے؟ ہر نیا خواب یوں ہی نہیں اٹھ کر چلا آتا اپنے ساتھ تعبیر کی تڑپ لاتا ہے، پھر تڑپ چاہے کوئی بھی ہو، تڑپاتی تو جی بھر کے ہے۔ اور یہ بھی سو فیصد سچ ہے کہ ایسی حقیقتوں کا ادراک وقت رہتے شاذ و نادر ہی ہوتا ہے ورنہ تو سب کے سب بعد میں جاگتے ہیں۔ جیسے کہ وچن! جیسے کہ سکینہ۔
وچن ایگزامینیشن ہال سے باہر آئی تو عبایا والی لڑکی سامنے کی عمارت کے ایک پلر سے ٹیک لگائے اس کے انتظار میں کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا جس میں اس کا پیپر کا انعام موجود تھا۔ یعنی دس ہزار۔

وہ وچن کی جانب ہی دیکھ رہی تھی۔ وچن کو اس کے انداز پر غصہ آ گیا۔ وہ لفافہ ہاتھوں میں لہرا رہی تھی جیسے اسے چڑا رہی ہو یا کچھ جتا رہی ہو۔

''دیکھو! میں پیسوں کے لیے یہ نہیں کر رہی۔ میں نے پیسے مانگے تھے مگر صرف اس ایگزام کے لیے جتنے ضرورت تھے۔ بس اتنے پیسے...... آنے جانے کے، کتابوں کے...... اسٹیشنری کے اور بس......''

''جانتی ہوں پر تم یہ پیسے رکھ لو، کام آئیں گے۔''

''نہیں، میرا ضمیر نہیں مانتا اور پھر میں نے بچپن سے اخلاقیات پڑھی ہے۔''

''اس زمانے میں ضمیر والے لوگ بھی ہوتے ہیں؟'' عبایا والی لڑکی متاثر ہوئی۔

''چلو کینٹین چلتے ہیں۔''

وچن نے اسکی بات سن کر اپنا بیگ دکھایا اور افسوس سے گویا ہوئی۔ ''ہاں چلو، لیکن پیسے تم ہی دینا، میری ساس مجھے خرچ کے لیے گنے چنے پیسے دیتی ہے۔'' تھوڑی دیر پہلے والا غصہ افسوس میں بدل گیا تھا۔

عبایا والی لڑکی مسکرائی، یہ سیٹھ دیپک کی وائف تھی۔ وہ کینٹین چلنے پر آمادہ ہو گئی۔ وچن اسے آج اور کل کی اپنی نہ پکڑے جانے کی کہانی سنا رہی تھی کہاں کا آرڈر کیا ہوا جوس آ گیا۔ عبایا والی لڑکی نے جوس پینے کے لیے اپنے رخ سے نقاب اتارا تو وچن کی تو جیسے بولتی ہی بند ہو گئی۔ وہ دلکش چہرے کی ملکہ تھی، کوئی چاند سا چکور چہرہ تھا وہ، دیکھو تو دیکھتے رہ جاؤ۔

سفید رنگت بے داغ سی، خمدار ہونٹ، خوبصورت آنکھیں، چمکتی پیشانی، اور اس پر اس کے نچلے ہونٹ کے بھی ذرا سا نیچے ایک خوب صورت نگ۔ نگ کی نتھنی اسے اور بھی دلکش بنا رہی تھی۔ وچن نے آج سے پہلے اس کا چہرہ نہ دیکھا تھا اور اب دیکھ لیا تھا تو پوچھے بنا نہ رہ پائی۔

''تم...... تم تو بہت ہی خوب صورت ہو۔ کیا کرتی ہوں؟ نہیں وہ میرا مطلب ہے کیا لگاتی ہو؟ راز کیا ہے اس خوب صورتی کا؟''

''تم جوس پی لو ایسا نہ ہو کہ کل کی طرح بے ہوش ہو جاؤ۔'' اس نے کل کے پیپر کی کہانی سناتے

ہوئے بے ہوش ہونے والی بات دانستہ چھپادی تھی۔

''نہیں کل تو میں......لیکن ایک منٹ تمھیں کیسے پتہ چلا میں بے ہوش ہوگئی تھی؟'' اس نے ترنت سوال کیا تو عبایا والی لڑکی ہڑبڑا سی گئی۔

''میری خوب صورتی کا راز یہ ہے۔'' اس نے بات بدل لی۔ وچن الجھی ہوئی تھی۔ اس لیے اس نے بات بدلی تو اس کا ذہن بھی بدل گیا۔

''کیا ہے تمہاری خوب صورتی کا راز؟''

''یہ عبایا۔''

''عبایا؟ عبایا سے کیا ہوتا ہے؟''

''دھوپ سے محفوظ رکھتا ہے، کالے پن سے چہرہ بچ جاتا ہے، کسی کی نظر نہیں لگتی اور تمھیں پتہ ہے؟''

''بس......بس، میں عبایا نہیں پہن سکتی۔'' اس نے عبایا کے فوائد سننے سے معذرت کر لی۔

کیوں؟''

''بس کلچر چینج ہے نا، یو نو دیٹ۔''

''ہوں۔'' وہ اب جوس کی طرف متوجہ تھے۔

عبایا والی لڑکی نے اسے جوس پینے دیا اور کچھ سنیکس بھی کھانے کے لیے پیش کیے۔ اس کی حالت بتا رہی تھی کہ کس جوکھم کو جھیل کر آئی ہے۔

''دیکھو، زیادہ ٹینشن نہ لو۔ کسی کو تم پر شک نہیں ہوگا۔''

''ایسے کیسے وہاں کوئی میرا سگا نہیں ہے۔ سگا تو کیا کوئی سوتیلا بھی نہیں ہے تمھیں کیا پتا کیسا دھڑکے کا کام ہے یہ۔ پکڑی گئی تو عمر بھر کی کمائی گئی سمجھو۔''

''اس لیے تو تمھیں یہ انعام دیا جا رہا ہے۔'' عبایا والی لڑکی نے پھر سے لفافہ نکالا۔

''پر؟''

''پر، ور کچھ نہیں۔ بس لے لو اور آگے بھی لیا کرو یہ تمہارا حق ہے۔''

''پر میں تو مدد کر رہی ہوں۔''

''محنت بھی تو کر رہی ہو؟''

''ہاں محنت تو بہت ہے، صبح سارے کام جلدی جلدی نپٹا کر یہاں آنا پڑتا ہے۔''

''اور پھر یہاں بھی تو تین گھنٹے گزارنے پڑتے ہیں اس لیے کہتی ہوں رکھ لو۔''

''تم سکینہ کی سگی بہن ہو؟''

''کیوں شکل سے نہیں لگتی کیا؟'' اس کا انداز دلچسپ تھا۔

''نہیں بالکل نہیں۔ وہ تو میرے جیسی لگتی ہیڈ'' اس نے کہا تو وہ مسکرا دی۔

''میک اپ کا کمال ہے کریموں کا جادو، برشوں کا جادو۔''

''تو میک اپ کروایا تھا سکینہ کا ایسا؟''

''ہاں، میکاپ تو کرنا پڑا تھا۔''

''ایسا بھی ہوتا ہے۔'' وچن نے پرسوچ انداز میں کہا تو وہ مسکرا دی۔

''بہت کچھ ہوتا ہے، اچھا مجھے دیر ہو رہی ہے۔ یہ لو اپنے پیسے، میری جان چھوڑو اور اب انکار مت کرنا یہ پیسے کڑا بنوانے کے کام آئیں گے۔''

وچن اس کی بات سن کر چپ ہوگئی۔ اسے کیسا پتا اس کا کڑا کھو گیا ہے؟ اس نے اپنی سونی کلائی کو دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھ سکے عبایا والی لڑکی اپنے چہرے پر نقاب سجائے کہیں چلی گئی تھی۔ اسے بھی کمل کے اسکول جانا تھا ورنہ ساسو ماں نے پورا محلّہ ہنسانا تھا۔

☆......☆......☆

عافی آفس میں تھا، اس کی سیکرٹری رخسار بھی مصروف نظر آ رہی تھی۔ اس اعلیٰ درجے کی مصروفیت اور کام کے باوجود وقتاً فوقتاً وہ موبائل دیکھ لیتا۔ دراصل عافی وچن کے لیے پریشان تھا اور اس کی مدد کے لیے تیار بھی تھا۔ اس کے پرائیویٹ انویسٹی گیٹرز نے وچن کے سارے اتے پتے بیان کیے تھے۔

اگر وچن کو پتا چلا تو وہ ضرور برا مان جائے گی لیکن یہ ضروری تھا۔اب وہ وچن کے مطلق سب جان چکا تھا، وہ جو اس نے کہا تھا اور وہ جو اس نے کبھی نہ کہا تھا۔ ”انسان اندر سے بے حد گھبرا ہوتا ہے۔ اتنا گھبرا کہ تلاش سفر کی کوئی منزل کبھی نہیں آتی۔“

وہ اب تک وچن کو ایک ناسمجھ اور باتونی لڑکی سمجھتا رہا تھا اس کے انداز اور لباس سے وہ کسی امیر گھر کی ایسی لڑکی لگتی تھی جو زمانے کی دھوپ سے کوسوں دور رہی تھی، جس نے کبھی کوئی محرومی نہ دیکھی ہو، جو بس اس سے مل کر روایتی لڑکیوں کی طرح ساس کا رونا روتی رہتی۔

”آج ساسو ماں نے یہ کہا تو میں بھی چپ نہ رہی، میں نے بھی یہ جواب دیا، وہ جواب دیا۔“

عافی ہر ماہ اس کی ویسی گھسی پٹی گفتگو سننے چلا جاتا۔ناجانے کیوں؟ اور پھر رفتہ رفتہ ایک عادت سی ہوگئی۔اس کا دنیا میں تھا ہی کون جو اسے کچھ بتاتا، کچھ سنتا، کچھ سناتا۔بس ایک وچن تھی جو دل کھول کر اس کے آگے رودیتی۔وہ جتنا بتاتی عافی اتنا ہی سنتا، مزید کچھ نہ پوچھتا۔اسے کچھ پوچھنے کی اجازت بھی نہ تھی، وچن سے کچھ بھی پوچھ لینے پر وہ پل بھر میں بھڑک سی اٹھتی، اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں غصہ سمو آتا۔عافی کان پکڑ لیتا، اسے اپنی اس دوست کی باتیں بری نہ لگتی تھیں بلکہ اس کی باتیں سن کر اسے مزہ آتا۔خاص طور پر اس کی ساس سے اس کے جھگڑے۔“

وچن بھی عافی کے متعلق اس کے نام سے زیادہ نہ جانتی تھی، عافی اگر کبھی اس کی موجودگی میں آفس والوں سے، رخسار سے بات کرتا تو اسے لگتا کہ وہ شو مار رہا ہے اور اب تو عافی سمجھ گیا کہ وہ کیوں اس کا لباس دیکھ کر متاثر ہونے بجائے پوچھتی؟ دھوبی کی دکان پہ کام کرتے ہو یا درزی کی؟ جو کڑاکے کا نیا تھری پیس پہن کر چلے آتے ہو۔

وہ زور سے ہنس دیتا اور کہتا اگر دوسروں کا لباس ہوتا تو مجھے بالکل فٹ کیسے آتا؟

”پھر تو تم ضرور درزی کی دکان میں کام کرتے ہوگے یہ درزی بڑے ماہر ہوتے ہیں۔ایک سوٹ سے دو سوٹ نکالتے ہیں تم بھی دوسروں کے سوٹ کے ادھر ادھر کی سلائیاں لگواتے ہوں گے۔ یہ تو پکا ہوگیا تم درزی کی دکان پر کام کرتے ہو۔“

وہ مسکراتا اور کہتا درزی کی دکان پہ کام کرتا ہوں، ہاں؟''

''ہاں بالکل۔''

''چلو تم نے اتنا تو قابل سمجھا کہ ایک عدد درزی کی دکان کا مالک بنادیا۔''

''مالک؟ خوش فہمی ہے، اچھا تم بس کسی درزی کی دکان پر کام کرتے ہو۔''

''نہیں۔''

''ہاں، ہاں پکا۔''

''زبردستی ہے کیا؟''

''جو تم سمجھو، درزیوں کے ملازم......''

اسے وچن کی باتیں یاد آئیں تو لب مسکرا دیئے۔ دراصل وچن کے پتی دیپک کی ساڑھیوں کی دکان تھی اس لیے وہ نت روز نئی ساڑھی پہن لیتی اس چیز سے اسے اس کی ساس بھی نہ روکتی کیونکہ ایک تو چن پر ساڑھی خوب سجتی اور دوسرا دیپک کی دکان کا نام بھی بڑھتا۔ اس کے جان پہچان راستے میں ملنے والوں کو جسے بھی ساڑھی پسند آتی، وہ دیپک کی دکان کا کارڈ دے دیتی یعنی وہ دیپک کے ساڑھی سنٹر کا چلتا پھرتا اشتہار تھی۔ اس لیے تو عافی کی چمک دمک کے پیچھے اسے دال میں کچھ کالا لگتا۔ اب اگر عافی اتنا بڑا آدمی ہوتا تو اس سے ملنے کیوں آتا؟ وہ منہ پر عافی سے کہہ دیتی۔

''شومت مارو عافی، مارے جاؤ گے۔ذ

عافی جب بھی کسی فقیر یا غریب پر عنایت فرماتا وہ بنا جھجک اخلاقیات کا لیکچر دیا کرتی۔

''بس سوٹ بوٹ میں آدمی دیکھا نہیں کہ آ گئے ہاتھ پھیلانے، ہٹے کٹے ہو کسی سے کچھ لیتے ہوئے شرم آنی چاہیے اور اگر مانگنا بھی ہے تو اخلاق کے دائرے میں رہ کر مانگو ایک جگہ بیٹھ جاؤ یا کسی کونے میں کھڑے ہو جاؤ، اگر کسی کو کچھ دینا ہوگا تو وہ خود سے دے گا، یوں بداخلاقی غربا کی طرح پیچھے کیوں پڑ جاتے ہو؟''

''باجی، صبح سے بھوکا ہوں۔''

"بداخلاق...... دربار کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو اور بھوکے ہو؟ تم جھوٹے ہو، لنگر بٹ چکا ہے اوپر۔"

"وہ باجی...... میں اوپر نہیں گیا۔"

"کیا؟" ان کی بحث جاری و ساری تھی۔

عافی نے اسی اثناء میں ہزار کا نیا نوٹ اسے نکال کر دیا۔

بھکاری نے وچن کے اخلاقیات کے لیکچر کو نظر انداز کیا اور عافی کا شکریہ ادا کیا۔

وچن چند لمحات کے لیے چپ ہو گئی اور پھر عافی سے آئی بروز اچکا کے کہا۔

"مجھے پتا ہے نوٹ نقلی تھا۔" اس نے ادا سے کہا کہ عافی تو عافی وہاں اس کا لیکچر سنتا ہر شخص مسکرا دیا۔

"کتنی بار کہا ہے شومت مارا کرو۔ درزیوں کے ملازم۔"

عافی کی تو ہنس ہنس کر ہچکی بن آئی تھی۔ اور فقیر بے چارہ نوٹ لیے پریشان کھڑا سوچ رہا تھا کہ نوٹ اصلی ہے کہ نقلی؟

بس یہی ایک وجہ تھی جو وہ وچن سے رابطے میں رہتا۔ پوری دنیا میں ایک وچن ہی تھی جو اسے اس طرح دیکھتی جو اس کا اصل تھا کبھی۔ ورنہ تو اس کا میابیوں کے راستے میں ہر ملنے والا کوئی نہ کوئی غرض رکھتا، اس نے آس پاس مفاد ہی مفاد دیکھا تھا ہر کوئی مطلبی تھا، بہبود پوشیدہ ہوا کرتا ہر ایک رابطے دار کے دلوں میں، اندازوں میں۔

اور وہ تھی بے غرض سی۔ عافی اسے بتاتا کہ کوئی مدد بھی چاہیے تو بلا جھجک بتا دینا۔

وہ عافی کی سن کر دیوانہ وار ہنستی اور پھر ہنستے ہنستے کہہ دیتی ......"پہلے اپنی تو مدد کر لو۔"

"اچھا کیسی مدد کروں میں خود کی؟"

"درزیوں کے ملازم! کب تک ملازمت کرو گے؟ ذرا شو، شا چھوڑو۔ کچھ اور نہیں تو اپنی درزی گری اسٹارٹ کرو۔"

عافی کیا کہتا، بس لب کاٹ کر دل ہی دل میں ہنس دیتا، مسکرا دیتا، اور سچ تو یہ ہی تھا وہ اپنے

مصروف اوقات سے دانت نکال کر اس سے ملنے آتا بھی تو ہنسنے مسکرانے کے لیے۔ بزی شیڈول سے نکل کر فریش ہونے کے لیے۔

رخسار فائل لے کر نا جانے کیا سے کیا کہتی جا رہی تھی، آج اس کی باتیں سمجھ نہ آ رہی تھیں اس نے رخسار سے معذرت کر لی۔ اس خوب صورت ترین آفس میں اے سی کی ٹھنڈک شامل تھی۔ وہ عافی کو تنہا چھوڑ کر اس کے آفس سے چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی وچن کا میسج آیا تھا۔

"میں پکڑی نہیں گئی۔"

"آج دوسرا پیپر تھا، آخری نہیں تم پکڑی جا سکتی ہو۔ ڈ"

"چپ کرو۔ درزیوں کے ملازم، صبح اتنا ڈرایا کہ موت آ جاتی مجھے۔"

"پھر بھی تم ڈری نہیں؟"

"نہیں۔ ڈر تو خوب لگ رہا ہے لیکن وہ ہے نا کہ جو وعدہ کیا وہ نبھانا پڑے گا۔" اس نے گنگنایا تھا۔ اب وہ کال کے ذریعے ایکدوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔

"ایکبات پوچھوں؟"

"ہوں۔" وہ چاکلیٹ کھا رہی تھی۔

"کوئی معاوضہ بھی دے رہے ہیں وہ تمہیں؟"

"ایسا ویسا۔ بطور ایڈوانس دس ہزار دیئے اور اب بھی ہر پیپر کے دس ہزار دے رہے ہیں۔ ڈ"

"ہوں۔ پتا ہے مجھے۔"

"تمہیں کیسے پتا؟"

"وہ چھوڑو، جب لے رہی ہو تو زیادہ پیسے لے لیتی۔"

"ہاں۔ بس کی نا، درزیوں والے ملازم والی بات؟"

"میں کسی کی مجبوری کا فائدہ اٹھاؤں؟ یہ ممکن نہیں۔ میں نے اخلاقیات پڑھی ہے۔"

"مجبوری یا مستی۔"

''تمہیں نہیں پتا عافی، سکینہ کتنی معصوم لڑکی ہے۔ اگر میری وجہ سے اس کی لائٹ میں کچھ برا ہونے سے بچ سکتا ہے تو میرا تو پُعن پکا۔''

''پُعن معنی ثواب؟''

''ہاں۔''

''ثواب تو تمہیں ملا؟ مجھے ڈر ہے عذاب نہ مل جائے۔''

''درزیوں کے ملازم! درزی نے پگار نہیں دی کیا؟ جو عناب شناب بک رہے ہو، شب شب بولا کرو۔''

''شب شب بولنے سے شب شب ہوگا۔ نہیں ہوگا۔''

''جیسا منہ ویسی بات!''

''میرا منہ ماشاء اللہ ہے بڑا پیارا۔ ذ ذ

''ہاں درزی منہ کو سلائی جو لگاتے ہیں۔''

''کچھ بھی۔''

''کچھ بھی نہیں سچ میں۔ درزی اپنی سلائی سے منہ پر چار چاند لگاتے ہیں، تمہارا منہ اچھا نہیں ہے بس کپڑے اچھے ہوتے ہیں۔''

''چلو شکریہ۔ کچھ تو اچھا لگا تمہیں۔ اچھا بتاؤ کڑا کیسے گم ہوا؟''

''تمہیں کیسے پتا چلا؟''

''میں نے پتا کروایا اپنے پرائیویٹ انویسٹی گیٹرز سے۔''

وہ چوکلیٹ کھاتے کھاتے رک گئی اور پھر کہا۔ ''درزیوں کے پرائیویٹ انویسٹی گیٹرز بھی ہوتے ہیں کیا؟ وچن او وچن، بڑا ہی کم حوصلہ ہے تیرا۔''

''کوئی بات پیٹ میں پچتی نہیں، اب درزی کو کیوں بتایا کہ کڑا گم گیا ہے۔''

عافی اس کی بات پر ہنسنے لگا اور ہنستے ہنستے کہا۔ ''تم نے نہیں بتایا۔ ذ ذ

''کھاؤ قسم۔''

''کہا نا تم نے نہیں بتایا۔ اپنے اوپر شک مت کرو۔ تم مجھے ہرگز وہ نہیں بتاتی جو نہیں بتانا چاہتی اور میں تو یہ کہوں گا، تم اس فن کی ماہر ہو۔''

''قسم تو نہ کھائی بات بنالی۔''

''چلو قسم کھالیتا ہوں۔''

''ہاہاہا۔ اف او، عافی تم میں ذرا بھی اخلاق نہیں ہے، انسان کا اخلاق اس کی پہچان ہوتا ہے اور تمہارے اخلاق کا یہ معیار ہے کہ قسمیں جھوٹی کھاتے ہو بداخلاق درزی۔ ذرا اپنے ادھڑے پھٹے اخلاق پر اخلاقی سلائی لگاؤ۔'' وہ جیسے عافی کی جھوٹی قسم کھانے پر پھٹ پڑی تھی۔ اس کے انداز پر عافی کو ہنسی آگئی۔ اس نے ہنستے ہنستے کہا۔

''تمہاری قسم وچن، تم نے مجھے نہیں بتایا کہ کنگن چوری ہوا ہے۔''

''ہاں بداخلاق درزی۔ میری جھوٹی قسم کھائی تم نے؟'' وہ اور ہنسنے لگا تھا۔

''ہنستے رہو مجھے گھر جانا ہے۔'' اس نے کال ڈسکنیکٹ کر دی۔

عافی واقعی ہنستا رہا تھا۔ بداخلاق درزی اس کی بات یاد آنے پر وہ اور بھی زور سے ہنسنے لگا۔

''بداخلاق درزی۔''

رخسار پھر سے کسی کام کے لیے آفس میں انٹر ہوئی۔ عافی ہنس رہا تھا۔

رخسار چار سالوں سے یہاں کام کر رہی تھی۔ اس نے کافی کو کام اور صرف کام کرتے دیکھا تھا پر آج وہ ہنس رہا تھا۔

''کیا آپ کی تلاش مکمل ہو گی سر؟'' عافی کو حیرت ہوئی اس نے کبھی رخسار سے کام کے سوا کوئی بات نہ کی تھی پر وہ ایک سمجھدار لڑکی تھی۔ عافی کے ساتھ کام کرتے کرتے وہ عافی کے بن کہے بہت کچھ جانتی تھی۔

''نہیں۔''

''سر! میں دعا کرتی ہوں آپ کے لیے کہ جسے آپ دن رات یاد کرتے ہیں وہ آپ کو جلد مل جائے۔''

''ہوں۔'' عافی نے لمبی سانس لی۔اس کا انداز تاسفانہ تھا۔
رخسار چند فائل ٹیبل پر رکھ کر جانے لگی۔
''رخسار۔''
''جی سر۔''
''کیا یادوں کا کوئی ردعمل ہوتا ہے؟ کوئی نہ کوئی کنکشن؟ یا پھر یہ کوئی عمل ہی نہیں بس بے وجہ کی کوئی بے قراری ہے۔جیسے وقت کا زیاں، بے کاری کوئی عادت، یا پھر بے روح سی کوئی حقیقت۔
رخسار چند قدم آگے بڑھ آئی اور گویا ہوئی۔''سر، آپ کا سوال بہت مشکل ہے۔''اس نے پین کے سرے کو ہونٹوں کے پاس رکھتے ہوئے کہا تھا۔
''تم تو بہت سمجھدار ہو رخسار۔''
''شکریہ سر، آپ کا سوال واقعی مشکل ہے۔اس سوال کا جواب فقط ذاتی مشاہدے سے ممکن ہے۔''
''ہاں کچھ سوال وقت طلب ہوتے ہیں اور ابھی وقت نہیں آیا۔بس دعا کرنا اس سوال کے جواب حاصل میں عمر نہ گزر جائے۔''
''اوکے سر Have a good day''
''ہوں۔'' عافی رخسار کی لائی ہوئی فائلز میں مصروف ہو گیا۔
رخسار اب آفس سے باہر چلی آئی اور دل ہی دل میں گویا ہوئی۔
''ہر ایک عمل کا ایک ردعمل ہوتا ہے سر، لیکن کاش کہ نیوٹن غلط ہو۔''اس نے الجھن آمیز لہجے میں کہا تھا۔

☆......☆......☆

وچن گھر آئی تو ساسوں ماں پاپڑ بیلنے کی بجائے آنگن میں چہل قدمی کر رہی تھی۔اسے دیکھا تو دیکھتے ہی پوچھا۔''تم نے کسی بندے کو آتے دیکھا یہاں؟'' یہ کیسا سوال تھا، وچن کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔
''ہم جنگلوں میں نہیں رہتے ماں جی، یہ ایک کالونی ہے یہاں بہت سے لوگ آتے جاتے ہیں۔''

"وہ تو مجھے بھی پتا ہے۔ میرا مطلب تھا کہ وہ جو آرڈر کی ہوئی چیزیں لاتا ہے وہ بندہ تم نے دیکھا؟"

"دادی کا مطلب ہے ڈیلیوری بوائے۔" کمل نے کہا تو دادی نہال ہوگئی۔

"میرا کمل کتنا سمجھ دار ہے۔ بالکل میرے دیپک پہ گیا ہے۔"

"کیا منگوایا ہے آپ نے؟" وچن نے کولر سے پانی بھر کر کمل کو دیا اور سٹیل کے گلاس میں خود بھی پانی پینے لگی۔

"رچنا کے گھر کی طرح کا میز۔ بہت شو مارتی ہے وہ کہتی ہے میرے بچوں کو تو بنا میز کے کھانا نہیں کھانا آتا، اب ہمارے گھر میں بھی میز ہوگا۔"

کملا بہت خوش تھی۔ وچن کمل کے کپڑے اتار رہی تھی کہ گھنٹی بجی۔ کملا ایک چپل اپنی اور دوسری وچن کی پہن کر دروازے کے باہر آئی۔ وہ بہت اکسائیٹڈ تھی۔ وچن بھی ننگے پاؤں گھر سے باہر چلی آئی۔ کمل بھی ان میں شامل ہوگیا۔

دور دور تک کھانے کی میز کا کوئی اتا پتا نظر نہ آیا تو کملا نے خود ہی پوچھا۔

"کدھر ہے ہمارا آرڈر؟"

"میم۔ یہ رہا۔" ڈیلیوری بوائے نے ایک ننھا سا پارسل کملا کو تھمایا۔

"اس میں میز کے پرزے ہوں گے۔" کملا نے خوش دلی سے پارسل وصول کرلیا اور پورے دو ہزار روپے ڈیلیوری والے کو دے دیئے۔ وہ پیسے ملتے ہی جیسے اڑن چھو ہوگیا۔

"ارے ہمارا میز تو دیتے جاؤ۔" کملا ننگے سر اس کے پیچھے بھاگی اور ہانپتے ہوئے واپس آئی۔

"کوئی اخلاق نہیں ہے ان ڈیلیوری بوائز کا۔" وچن بھی کوسنے لگی۔ "میز کہاں ہے دیکھو تو، اس پارسل میں نہ ہو؟"

"ماں جی! اس میں کیسے ہوگا؟ یہ ایک پارسل ہے۔ سبق مت پڑھا۔ کھول کے دیکھ۔"

کملا دھوپ میں بھاگی تھی۔ ڈیلیوری والے کے پیچھے، اس لیے لال پیلی ہو رہی تھی۔ وچن کی بات سن کر مزید آگ بگولہ ہوگئی۔

وچن نے پارسل اٹھایا۔ اس پر تمام تفصیل درج تھی۔ اسے ہنسی آ گئی لیکن یہ مناسب وقت نہ تھا ہنسنے کا، اس لیے پہلے پارسل کھولا، جہاں سے ایک خوب صورت میز پوش نکلا۔

”آپ نے یہ منگوایا تھا؟“

”نہیں، میں نے میز منگوایا تھا۔“

”میز! دو ہزار میں؟“ وچن کی اب ہنسی نہ رکتی تھی۔ اس نے بہت کوشش کی تھی نہ ہنسنے کی لیکن اب ہنس رہی تھی۔

کملا نے میز پر بچھائے گئے میز کور کو میز سمجھا۔ اس کا بھی قصور نہ تھا، وہ پڑھی لکھی نہ تھی۔

”موئے پھر میز پوش کو زمین پر رکھ کر تصویر دیں نا! یہ میز پر میز پوش ڈال کر کیوں فوٹو دیتے ہیں؟“ اس نے میز پوش کو دیوار پہ دے مارا۔ وہ بہت غصے میں تھی اور اپنی ہی بہو کے سامنے بے وقوف ثابت ہونے پر بیحد ہتک سی محسوس کر رہی تھی۔

”الو بنایا بڑا مزا آیا۔“ کمل نے تالی بجا کر کہا تو وچن بھی زیادہ ہنسنے لگی۔ بات ہی ایسی تھی کہ رہا نہیں جا رہا تھا، دونوں ماں بیٹا بری طرح ہنس رہے تھے۔ کملا کی میز پر بیٹھ کر نوش فرمانے کی آرزو دل میں ہی رہی۔ دل کے ارمان آنسوؤں میں بہہ گئے۔

ہنسی تو کملا کو بھی آ رہی تھی لیکن وہ اس گھر کی مالکہ تھی۔ وہ اس طرح نہ ہنس سکتی تھی، اس لیے وہ ان دونوں ماں بیٹے پر کرسیلی نگاہ ڈال کر چلی آئی۔ میز پوش آنگن میں کپڑے سکھانے کی تار پر لٹکا رہا۔ اس گھر میں کوئی میز نہ تھا جس کی وہ زینت بڑھا سکے۔ اس سارے دن جب جب وچن کی نظر اس پر میز پوش پر پڑتی، وہ چھپ چھپ کر ہنس دیتی یا پھر ہنسی دبانے کے لیے لب کاٹتی پھرتی۔ شاید وہ یہ بھول گئی تھی کہ کملا کی نظر اسی پر تھی۔

☆......☆......☆

سندیا سمے ہوا تو وہ اپنے کمرے سے نکل کر آنگن میں آئی۔ وچن نے شام کا دیا جلایا تھا، خوشبو سے پتا چلتا تھا رات کا کھانا بن چکا تھا اور بیلن کی کھٹ کھٹ سے پتا چلتا تھا وہ روٹیاں بیل رہی ہے۔

وچن نے اخلاقیات سے وقت کی پابندی سیکھی تھی، وہ تمام کام وقت رہتے کرتی تھی۔ میز پوش اب تک تار پر لٹک رہا تھا۔ کملا آنگن میں خاموش بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔ دو ہزار روپے پانی میں چلے گئے، اسے دکھ ہوا اور ساتھ ہی ساتھ اسے وچن کی ہنسی بھی یاد آئی۔

''بہو ہو کر ساس پر ہنسے، واہ بہو؟ کملا نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

دیپک گھر کی طرف ہی آ رہا تھا۔ وہ لمبے قد کا خوش شکل نوجوان تھا۔ بدن ذرا سا سکڑا تھا اور پیشانی کشادہ تھی۔ اس کے دونوں ہاتھوں کی کلائی میں سرخ اور نارنجی رنگ کے دھاگے بندھے تھے، جو کملا سے باندھتی تا کہ اس کا بیٹا بری نظروں سے دور رہے اور اس کی صحت بھی اچھی رہے۔ آخر کار وہ سیٹھ دیپک تھا۔ پورے اعزہ و اقربا میں اس کا ثانی کوئی نہ تھا اور یہ وچن اور اس کا کنگلا باپ تو بالکل بھی نہیں۔

''اگر دیپک خود نہ خواہش مند ہوتا تو وہ اس کنگلی لڑکی کو کبھی بیاہ نہ آتی۔''

کملا نے دیپک کو آتے دیکھا تھا تو دروازے کا کنڈا کھول دیا اس لیے نہیں کہ دیپک با آسانی گھر کے اندر آ سکے بلکہ اس لیے کہ اسے فیملی پولیٹکس سوجھ رہی تھی وہ اس کام کی ماہر تھی۔ پلین کے مطابق اس نے دانستہ طور پر وچن کے میکے والوں کو بیٹھے بٹھائے کوسنا شروع کیا۔ وہ اسی کے لیے چائے بنا رہی تھی۔ کمل بھی کونے میں بیٹھ کر ماں کی نگرانی میں پنسل کلر کر رہا تھا۔

کملا شروع تھی ایسی کہ بس نہ ہوتی تھی۔

''یہ اب انہوں نے اچانک میرے میکے والوں کو خواب میں دیکھ لیا کیا؟'' اس نے چائے کپوں میں انڈیلتے ہوئے سوچا اور ان کے تلخ جملوں کے باوجود انہیں شام کی چائے پیش کی۔ لیکن وہ فیملی پولیٹکس کی اسکرپٹ بُن چکی تھی۔

''کنگلے، احسان فراموش لوگ، بیٹی دے کر بول گئے کہ بیٹی کے گھر بھی کچھ بھجوایا جاتا ہے۔ تمہارے باپ جیسا تو کوئی فراڈ ہو ہی نہیں سکتا۔''

وچن کی برداشت سے سب اب باہر ہونے لگا، وہ جیسے پھٹ پڑی۔

''سارا دن کام کرو، سارا دن آپ کی باتیں بھیسو، کم از کم میرے گھر والوں کو تو بخش دو۔''

''تو مت کرو میرے کام، مجھے بھگوان نے ہاتھ پاؤں دیئے ہیں، میں خود اپنے کام کرسکتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے، نہیں کروں گی، آج سے نہ آپ کے کپڑے دھوؤں گی، نہ استری کروں گی، اپنا کھانا بھی آپ خود بنائیں گی، سبزی بھی خود ہی لانا۔''

دیپک کے قدم گھر کے دروازے پر ہی رک گئے۔

''اس کا مطلب تُو مجھے آج رات کا کھانا نہ دے گی؟'' کملا نے دانستہ پوچھا۔ وچن غصہ میں تھی اس لیے بنا سوچے سمجھے بول پڑی۔

''نہیں آج بھوکی مریں آپ، لگا کر دکھائیں میرے بنائے کھانے کو ہاتھ، آج ایک پھلکا بھی نہ پکا کر دوں گی۔''

دیپک ششدر رہ گیا۔ اس کی وچن اس قدر سنگ دل تھی؟ اور اس کی بے چاری ماں؟ اسے وچن کے الفاظ بہت ہی گراں گزرے تھے پر وہ اس قدر تھکا ہوا تھا کہ غصہ بھی نہ کر پایا بس بڑے بڑے قدم اٹھا کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ وہ بہت خفا لگ رہا تھا۔ کملا من ہی من میں مسکرا رہی تھی۔ جبکہ وچن پر ان کی اس تازش کی وجہ سے شیفتگی سی چھائی تھی۔

''آپ کو تو ایوارڈ ملنا چاہیے۔''

''ایوارڈ مطلب؟''

''انعام دادی۔'' کمل نے پنسل کلر کرتے کرتے کچن سے سمجھایا۔

''تو دے دونا؟ دے سکتی ہو اتنی اوقات ہے تمہاری۔''

''اوقات۔'' وچن صدمے میں تھی، کیا اوقات تھی اس کی؟

''جاؤ، اب جا کے کھانا گرم کرو، کھڑی کیوں ہو؟''

وہ برہم زدگی کی کیفیت میں کچن میں آئی، کھانا گرم کیا اور دیپک کا انتظار کرنے لگی۔ آ ج کل کام زیادہ تھا اور پیپرز کی وجہ سے تو اسے کھانے کا ٹائم بھی نہ ملتا تھا۔ آج بھی دوپہر کا کھانا نہ کھا سکی تھی اور ڈنر پر تو دیپک کے بنا اس کے حلق سے بھی نہ اترتا۔ کافی دیر انتظار کے بعد اس نے اپنے ہی کمرے

کے دروازے پر دستک دی۔دیپک نے دستک پہچان کر دروازہ کھولا۔

''کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے، آپ آ جائیں۔''

''جو کھانا میری ماں نہیں کھا سکتی میں وہ کھانا کیسے کھا لوں وچن؟'' دیپک کا لہجہ سخت تھا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔''

''میں نے سب سنا تھا۔''

''وہ دراصل......دراصل۔''

''کہا نا، میں نے سب سنا تھا۔''

''اچھا ٹھیک ہے، میں ماں جی سے معافی مانگ لوں گی، آپ کھانا تو کھائیں۔''

''بھوک ہی اڑ گئی وچن۔یہ سوچ کر کہ میری ماں کو اپنے ہی گھر میں کیا کیا سننا اور کیا کیا جھیلنا پڑتا ہے۔''

''دیپک......'' وچن کے دل کو اس کی بات کسی تیر کی طرح چبھی۔لیکن کیا کرتی، کیسے کہتی؟ وہ اسے قصوروار ٹھہرا چکا تھا۔

''میں کیوں ہر روز دکان پہ جاتا ہوں؟ گاہکوں کے ساتھ ملازموں کے ساتھ، مال منڈی والوں کے ساتھ سر کھپاتا رہتا ہوں؟ صرف تم لوگوں کے لیے، ماں کے لیے، تمہارے لیے، کمل کے لیے۔ہم فیملی ہیں وچن فیملی......''

اس نے ہاں میں سر ہلایا۔

''کیوں وچن......کیوں؟''

دیپک کا دل خراب ہو چکا تھا۔وہ اس پر ایک کرسیلی نگاہ ڈال کر، چادر تکیہ لیے، بنا کھانا کھائے، اوپر کے ہال نما کمرے میں سونے چلا گیا جہاں اس کی ماں ڈھیروں ڈھیر پاپڑ رکھتی تھی۔

وچن کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔دل میں جیسے درد کی بمبارمنٹ ہونے لگی۔اس نے اپنے آنسو پی لیے اور بھوک جیسے ختم ہوگی پر کمل کو کھانا کھلانا تو تھا نا، وہ جیسے باہر آئی کمل احسن رغبت سے کھانا کھا رہی

تھی۔اس کے چہرے پر احساس ملکیت تھا۔سب کچھ اسی کا تھا وہ ہی اس گھر کی مالکن تھی سب پر اس کی راج دھانی تھی۔وچن صرف بہو تھی۔کھائے پیئے آرام سیر ہے اور اس کی باتوں کو کبھی رد نہ کرے۔ بہت دنوں سے بولے جارہی تھی بولے جارہی تھی،کبھی کپڑے نہیں دھوؤں گی،کبھی کھانا نہیں پکاؤں گی، امید ہے اب سب سمجھ آگیا ہوگا۔کملا کھانے کی بڑی تھالی خالی کر کے کچن میں رکھ آئی۔

وچن کا دل بہت خراب تھا۔اس نے اپنے حصے کا کھانا گلی کے کتے کے کھانے کے ساتھ رکھ دیا۔ وہ روز جورات کو بناتی اس میں سے ذرا سالن اور ایک روٹی گلی کے کتے کے لیے بناتی اور اسے خود کھلا آتی۔اس کی حالت پھر سے غصہ جمع افسوس جمع صدمے کو پینے والی تھی۔اس ڈوز کے بعد اس نے گہری سانس لی جیسے کھانا کھانے کے بعد ڈکار لی جاتی ہے اور سوچنے لگی۔

شادی سے پہلے اس نے پڑھائی کی،گھر کے کام سیکھے،وہ سلائی کڑھائی بھی جانتی تھی۔اس کی ماں نے اسے سارے گُن سکھائے۔"بجن کیرتن"

سب کچھ لیکن اگر شادی کرنی ہے تو سب کچھ چھوڑ کر فیملی پولیٹکس سیکھنی چاہیے،سکھانی چاہیے۔ جسے فیملی پولیٹکس نہ آئے اسے شادی نہیں کرنی چاہیے۔خوامخواہ ذلیل ہونا پڑتا ہے اور پھر وچن نے تو اخلاقیات پڑھی تھی،اخوت،بھائی چارہ،اچھائی،نیکی،ایمانداری،دیانتداری،سچائی،محنت،لگن،ٹھیک و غلط کی پہچان،وقت کی قدر،اپنے اپنوں کی قدر،صبر،شکر کے سبق پڑھے تھے۔اسے کہاں آتا تھا یہ سب؟ ناجانے اس کی ساس کو بیٹے اور بہو کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کر کے کیا ملتا تھا۔کوئی ایسے کیسے کرسکتا تھا؟ اور دیپک،اس نے کیا کہا،اس کو اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع تک نہ دیا۔اس کا دل ڈوبا جارہا تھا،اسے ماں جی کی بات یاد آئی۔

"کیا اوقات ہے تمہاری؟"

وچن اپنے کمرے میں آئی۔اس نے عبایا والی لڑکی کے دیئے ہوئے پیسے دیکھے۔پورے چھبیس ہزار تھے۔چار ہزار اس نے کتابیں اور دوسری چیزیں خریدنے میں خرچ کیے تھے۔

چھبیس ہزار؟ اتنے سارے پیسے۔اس نے ڈیٹ شیٹ دیکھی۔

انگلش، اردو، فزکس، میتھ میٹکس، پاک اسٹڈی، کیمسٹری، کمپیوٹر، بیالوجی، اسلامیات۔

1,23.4.5.6.7.8.9۔اس نے انگلیوں پر گنا۔اگر عبایا والی لڑکی اسے ہر پیپر کا دس ہزار دے گی تو اس کے پاس نوے ہزار ہو جائیں گے۔

ہاں! اس نے پھر سے سارے پیپر گنے اور پھر سے لے دے کے حساب نوے ہزار ہی بنا۔کچھ دیر وہ بنا تاثر بیٹھی رہی اور پھر اسے پریکٹیکلز کا خیال آیا۔تین پریکٹیکلز بھی ہوتے ہیں اگر دس ہزار اور ایڈ کیے جائیں تو؟

''ایک لاکھ بیس ہزار بنتے ہیں او مائے گاڈ۔سکینہ تیرے تو بچے جئیں، تو زندگی میں سکھ ہی سکھ پائے کبھی کوئی دکھ تیرے پاس نہ آئے، تو نے مجھے کنگلی کو لکھ پتی بنا لیا، اتنا سوچا میرے لیے؟ میں تو بس یوں ہی مدد کر رہی تھی، تُو زندگی بھر آباد رہے، شاد رہے۔'' اس کے دل سے سکینہ کے لیے دعائیں نکل رہی تھیں۔اس نے پھر ایک بار ڈیٹ شیٹ دیکھی تو اسلامیات کے پیپر پر اس کی نظر رک گئی۔

وہ اسلامیات کا پیپر کیسے دے سکتی ہے؟ اس نے تو اسلامیات کبھی نہ پڑھی تھی۔

تو اب......تو اب کیا؟ بس دس ہزار مائنس۔

ایک لاکھ دس ہزار......کیا کوئی طریقہ ہے؟ اس نقصان سے بچنے کا اس نے پھر سے ڈیٹ شیٹ دیکھی تو طریقہ بھی سوجھا اسلامیات کا پیپر لاسٹ میں تھا اور وہ ان کو کچھ نہیں بتائے گی بس خالی پیپر دے کر آئے گی، دل کا چور بڑا لالچی تھا، مگر وہ بھی وچن تھی اس نے بچپن سے اخلاقیات پڑھی تھی اس نے ٹھیک وقت پر ٹھیک فیصلے کرنے سیکھے تھے اور اب بھی ٹھیک ہی فیصلہ کیا تھا کہ وہ کل عبایا والی لڑکی کو بتا دے گی، تا کہ سکینہ کسی مشکل میں نہ پھنس جائے اور کوئی چھوٹی بات تو تھی نہیں اس کی زندگی کا سوال تھا۔ اگر وہ فیل ہوگئی یا فرسٹ ڈویژن میں پاس نہ ہوئی تو کم سن کی شادی اس بڈھے سے کر دی جائے گی جس سے وہ منسوب تھی۔

وہ کل ہی عبایا والی لڑکی سے کہہ دے گی کہ سکینہ سے کہو۔''اسلامیات کا اپنا پرچہ خود ہی تیار کر لے۔''

ایک لاکھ دس ہزار......سوچ سوچ کر اسے خوشی ہو رہی تھی۔ اندھیر نگری چوپٹ راج۔'' اسے راس ہی راس آ رہا تھا۔

☆......☆......☆

صبح کی کرنوں کے ساتھ ساتھ روزمرہ کے کام بھی نظروں کے سامنے آئے۔ جو روز صبح ہی ہوا کرتے تھے۔ ناشتہ بنانا تھا، رسوئی صاف کرنی تھی، کمل کو اسکول کے لیے تیار کرنا تھا، اس کے علاوہ بھی گھر کی صفائی ستھرائی کرنی تھی۔ وچن کو یہ سب کام کرنے کے لیے کسی روبوٹ کی مانند کام کرنا پڑھتا۔ آج اسے گھر کے روز کے کاموں سے اکتاہٹ ہونے لگی۔ روز ایک ہی کام۔

پر کیا کرتی، کرنے تو تھے اس لیے کر لیے۔ ورنہ کملا گھر کی حالت زار اور خراب کر کے فوٹو لے لیتی اور وچن کی بھابھی کو واٹس ایپ کر دیتی اور پھر اس کی بھابھی اس کے ماں بھاپو جی کو دکھاتی اور پھر سب تتر بتر ہو جاتا۔

دیپک ابھی تک روٹھا ہوا تھا۔ وہ روٹھ جاتا تو روٹھا ہی رہتا۔ خواہ پھر وچن چاہے کتنے ہی جتن کیوں نہ کر لے۔ وہ اپنے آزردہ پتی کی جانب حسرت سے دیکھ رہی تھی۔ جس نے صبح سے اب تک اس پر ایک نگاہ بھی نہ ڈالی تھی۔

آہ! باپو جی......اس کے دل میں پرانی حسرتوں کی چتا جھلتی رہتی۔

خیر اس نے وقت رہتے سب ہی کام نپٹائے اور بس پکڑ لی۔ یہاں تک آتے آتے وہ ہانپ رہی تھی لیکن ابھی تک اسے اس کی تھکن کا اندازہ نہ تھا۔ اس نے ذرا سی فراغت اور اپنے ماحول سے تنہائی کا فائدہ اٹھا کر موبائل چیک کیا۔ ہمیشہ کی طرح عافی کا گڈ مارننگ کا میسج آیا تھا۔ اس نے لکھا Bad Morning

کیوں کیا ہوا؟ اس نے ساری کتھا سنائی، رات اس کے ساتھ کملا نے اچھا نہیں کیا جو اس نے کیا وہ تو کبھی سوچ بھی نہ سکتی تھی اور پھر اپنے کیے کا ایوارڈ بھی اسے چاہیے جب میں نے کہا آپ کو ایوارڈ ملنا چاہیے تو کہنے لگی دے دو، اتنی اوقات ہے۔

دل تو کرتا ہے سچ میں دے دوں بس روان کی موتی ملتی نہیں، ملتی تو اس کو انعام میں دے دیتی۔

عافی کافی پی رہا تھا اس کا میسج پڑھتے ہی اسے ہنسی آ گئی۔

اس نے ہاہاہاہا سینڈ کر دیا۔

''تم ہنستے ہی رہو بس!''

''اچھا نہیں ہنستا۔'' اس نے بات سنبھال لی۔ اب وہ دیکھ تو نہیں رہی تھی کہ وہ اب بھی ہنس رہا تھا اور ہنستے ہنستے اس نے ٹائپ کیا، پھر تم نے کیا کیا؟ اس نے گھر کے کاموں کی لسٹ لکھ دی۔ اس نے گھر کے کام کیے اور کیا کرتی ؟ اس بار وہ سچ میں سنجیدہ تھا اسے وچن کے لیے برا لگا تھا۔ اس لیے کہتا تھا میرا آفس جوائن کر لو جتنی چاہیے، اتنی سیلری لے لینا۔

''ہاں! کاش ایسا ہوتا تو میں اپنی مرضی کی رواں کی مورت بنواتی اور ساسو ماں کی آواز دے دیتی لیکن افسوس درزیوں کے ملازموں کے آفس نہیں ہوتے۔''

ہاہاہاہا۔ عافی اس کا میسج پڑھ کر پھر سے ہنسنے لگا۔ اگر کبھی وہ اس کے آفس آئی تو اسے درزیوں کا ملازم کہنے پر ضرور معافی مانگے گی لیکن کاش کے وہ کبھی یہاں نہ آئے اور سدا کے لیے وہ اسے درزیوں کا ملازم کہتی رہے کہ کچھ حقیقتیں کھولنے کے بعد تعلقات پہلے جیسے نہیں رہتے۔

☆......☆......☆

کل فزکس کا پیپر تھا آج میتھ کا۔ دونوں سبجیکٹ وچن کے دل جانی سبجیکٹ تھے۔ وہ دونوں کی ماہر تھی کل اور آج دونوں موٹیوں نے تقریباً سارا پیپر وچن کے پیپر سے چیٹنگ کر کے لکھا تھا۔ وہ دونوں وچن سے بہت خوش تھیں آج اسی خوشی میں وچن کو لے کر کینٹین آئی تھیں اور سموسے، چاول، چھولے اور پیزا، اسے کھلائے تھے۔ چاول چھولوں کے ساتھ سموسوں اور پیزا کا کمبینیشن کچھ عجیب تھا لیکن اسے ان کے ساتھ مزہ آ رہا تھا۔ وہ دونوں اس کے مزاج کی ہی تھیں بس ذرا موٹی تھیں۔ کھاتے کھاتے وچن نے ان دونوں کے نام پوچھے تو موٹی نمبر ون نے موٹی نمبر ٹو کا نام کچھ اس انداز میں بتایا۔

''اس کا نام فرزانہ ہے اور میں اسے پیار سے فری پکارتی ہوں اور میرا نام دردانہ ہے اور یہ مجھے دردانہ ہی پکارتی ہے۔''

''کیوں، یہ تم سے پیار نہیں کرتی کیا؟'' وچن کو بھی شرارت سوجھی۔ لیکن یہ شاید ایک اہم سوال تھا۔ جو آج سے پہلے ان کے درمیان نہ آیا تھا۔

''ہاں! کیا تم مجھ سے پیار نہیں کرتی فری جو مجھے دردانہ، دردانہ کہتی ہو؟ جب کہ میں تو تمھیں پیار سے فری کہتی ہوں، اس نیا اس انداز سے سہیلی سے شکورہ کیا کہ مزاہ ہی آ گیا۔'' وچن ہنسنے لگی۔

''دیکھو! اب لوگ بھی ہنسنے لگے، تم مجھ سے پیار نہیں کرتی نا؟''

دیکھا...... دیکھا...... اس نے پھر دردانہ کہا۔ وہ دل پر لینے لگی۔ وچن کو بہت مزہ آ رہا تھا پہلے دل کیا کہ ان کا راضی نامہ کروا دیا جائے لیکن پھر رہنے دیا۔ لڑ تھوڑی رہی تھی، شکوے کر رہی تھی اور شکوے تو دوستی میں چلتے ہیں۔

''تم اس دن بھی مجھے تنہا چھوڑ گئی تھی اور اس منحوس فہمیدہ کے ساتھ چلی گئی تھی۔ تمہیں پتا ہے نا؟ زہر لگتی ہے مجھے وہ لڑکی؟''

''ہاں ہاں پتا ہے لیکن دردانہ تمہیں بھی تو پتا ہے میں اس کے ساتھ آتی ہوں وہ ساتھ نہ آئے تو امی اسکول آنے نہیں دیتی۔''

''وہ تو چھٹی ٹائم تھا نا، پر اس دن تو تم بریک میں بھی اس کے ساتھ گئی تھی اور اس دن بھی میں نے چھولے، چاول، سموسے اور پیزا منگوایا تھا۔ تم تو جانتی ہو جب ہم خوش ہوتے ہیں تو اپنے فکر کی فکر چھوڑ کر یہ سب منگواتے ہیں؟''

''تو انہیں اپنے فکر کی فکر تھی؟ بڑی بات تھی لیکن ان کو دیکھ کر لگتا تو نہیں تھا اور آج وہ خوش تھیں۔ وچن نے ان کے مشکل پیپر کو آسان جو کیا تھا اور فزکس کے نیومیریکل اومیتھ کی پروبلمز تو ان کے فکر سے بھی زیادہ کا کوئی مسئہ تھا۔

وہ دونوں شکوہ یارانہ میں مصروف تھیں۔ یہ ان کا اسکول تھا اور یہ ان کا ایگزامینیشن سینٹر بھی، اسکول کی لڑکیاں ان کی نوک جھونک سے واقف تھیں اس لیے ان کی طعن و تشنیع کی طرف متوجہ ہو کر محظوظ ہو رہی تھیں لیکن پیپر دینے آئی ہوئی لڑکیاں بھی دو دوستوں کی چھیڑ خانی سے مسرور سی لگتی تھیں،

ان کا انداز ہی کچھ ایسا تھا۔

''تم ہی کہو سکینہ (وہ وچن کو سلپ میں موجود نام سے مخاطب کرتی تھیں) کیا کوئی اپنی بیسٹ فرینڈ کو گلی کی فرینڈ کے لیے چھوڑتا ہے؟ گلی کی فرینڈ! اچھا تھا فہمیدہ نہ سن رہی تھی تو کٹائی لگ جاتی۔ ذ'

''نہیں گلی کی فرینڈ کے لیے بیسٹ فرینڈ کو نہیں چھوڑنا چاہیے۔'' وچن دردانہ کی طرف دار بن گئی۔

''لیکن گلی کی دوست کو کیسے چھوڑ دوں پھر اسکول کیسے آؤں، کیوں سکینہ؟''

''ہاں، اس کی بھی مجبوری ہے۔''

''مجبوری۔ بڑی آئی مجبور۔ سکینہ! اس سے کہو کہ کیا اسے یاد ہے ہم میٹرک کے پیپرز دے رہے ہیں اور ہمارے پیپرز بہت اچھے بھی ہو رہے ہیں۔ اب کیسا آنے جانے کا جھنجٹ؟ جبکہ اسکول کے دن ہی ختم ہو رہے ہیں۔ کیوں سکینہ؟''

''ہاں اس کی بات میں دم ہے۔'' وچن اب پھر سے دردانہ کی جانب دار تھی۔ اسے ان کا انداز دل سے بہار رہا تھا لیکن اسے جانا تھا سامنے عبایا والی لڑکی کھڑی تھی جو کل غیر حاضر تھی کل وچن کو اس کا صرف انتظار تھا آج شدید انتظار تھا۔ اسے آج دیکھ کر وچن کے ذہن میں ایک ہی سوال ابھرا۔ کیا آج وہ اسے رقم دے گی؟ وچن نے پیپرز دینے کی حامی بے شک مدد کی مد میں بھری تھی لیکن اب جب سکینہ نے پیسے دیئے تھے تو لالچ تو بری بلا ہوتی ہیں اچھے اچھے اس سے بچ نہیں پاتے تو وچن تو ساسو ماں کی ستائی عورت تھی۔

''کیسی ہو؟ سوری میں کل نہ آسکی۔''

''ٹھیک ہوں، تم کیسی ہو؟''

''ٹھیک! یہ لو۔'' اس نے لفافہ آگے بڑھایا۔

وچن کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ پہلے اسے لگتا تھا آج پکڑی جاؤں گی، کل پکڑی جاؤں گی لیکن اب لگتا تھا نہیں پکڑی جاؤں گی۔ اب تو اسے مزہ آنے لگا تھا پیپرز دینے میں اور لفافہ لینے میں۔

عبایا والی لڑکی کی بھی یہ ہی تمنا تھی کہ اسے مزہ آنے لگے۔

''گن لو، پورے بیس ہزار ہیں۔''

''مجھے تم پر اعتبار ہے۔''

''اعتبار ہی تو نہیں کرنا ہوتا ڈیئر، پتا ہے دنیا میں خوش رہنے کی کنجی کیا ہے؟''

''کیا؟''

''عادت، بے اعتباری!''

''نہیں، میں نہیں مانتی۔''

''تو بس تیار رہو کیونکہ دکھ کی کنجی عادتِ اعتباری ہے۔''

''اتنی مشکل باتیں مت کرو، گن لیتی ہوں پیسے۔'' اس نے فوراً لفافہ کھولا اور پیسے گنے۔ پانچ پانچ ہزار کے چار نوٹ تھے۔ وچن کے چہرے پر مسکراہٹ سج گئی۔ اعتبار سے بھی خوشی مل سکتی ہے۔

عبایا والی لڑکی مسکرائی اور کہا۔''ایسی خوشیاں، دراز عمر نہیں ہوتی۔''

''وہ تو ہر ایک چیز کی ایکسپائری ڈیٹ ہوتی ہے، مجھے اندازہ ہے کہ تم آج ایسی باتیں کیوں کر رہی ہو؟ تم شاید سکینہ کی وجہ سے پریشان ہو۔''

''سکینہ؟ کون سکینہ؟''

''تم تو میرے اندازے سے بھی زیادہ پریشان ہو، اتنی فکر کیوں کرتی ہو، بہتری کی امید رکھو۔ تو بہتر ہوگا میرے پیپر اچھے جا رہے ہیں تمہاری بہن سکینہ کی شادی اس عمر رسیدہ سے نہیں ہوگی۔ وہ اب آگے پیچھے چل رہی تھیں اس کی بات سن کر عبایا والی لڑکی رک گئی۔

''تو یہ کہہ کر عزت بی بی نے اس بھلی عورت کو خوار کیا ہے لیکن کوئی نہیں اس کی مدد بھی تو ہو رہی ہے۔ بے چاری کڑا خرید لے گی۔''

''کیا ہوا، کیوں رک گئی؟''

''میں سوچ رہی ہوں تم ان پیسوں کا کیا کرو گی؟''

''میں! میں!'' اب وہ اسے کیسے بتاتی، اس نے سنجیدہ ہو کر اس کے متعلق نہ سوچا تھا، بس غیر

سنجیدہ ہو کر ہی سوچتی رہی تھی کہ راون کی مورتی بنا کر ساس کو انعام دے گی۔

''تم کڑا بنوا لینا اپنا۔''

اب وچن چلتے چلتے رک سی گئی اور اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت ابھری تھی۔

''ایسے مت دیکھو۔ میں نے کڑا نہیں چرایا، تم اس دن جیولر کو کڑے کا ڈیزائن دے رہی تھی نا، میں وہاں تھی۔''

''او'' اس کے چہرے پر بکھرے حیرت کے رنگ یکدم اڑ گئے۔ وہ ہر کسی پر اعتماد کر لیتی تھی۔ اس نے پھر سے چلنا شروع کیا اور گویا ہوئی۔ ''کوئی فائدہ نہیں ہوا میں نے سوچا۔ چور اگر کڑا بیچنے آئے تو پکڑا جائے اس لیے شہر کے بڑے بڑے جیولرز کو اپنا نمبر اور کڑے کی فوٹو دے آئی۔''

''ہاہاہا۔'' عبایا والی لڑکی نے زبردست قہقہے کیساتھ وچن کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔ ''تمہیں لگتا تھا کوئی چور کڑا لے کر جیولر کے پاس جائے گا اور پھر تم تو جیسے اے سی، یا ڈی سی ہو جو تمہارے حکم کو فراموش نہیں کرے گا۔ ارے تمہارے جیولر کی دکان سے نکلتے ہی سب نے تمہارا دیا ہوا کڑے کا ڈیزائن کا پیپر پھاڑ کے پھینک دیا ہوگا۔''

''کیوں۔ جیولرز میں کوئی اخلاق نہیں ہوتا؟''

''ہاہاہا۔'' عبایا والی لڑکی اس کی بات سن کر اب جو ہنسی تو بس ہنستی ہی رہی اور کچھ دیر ہنسنے کے بعد جب وچن کا سنجیدہ چہرہ دیکھا تو خوشگواری سے مخاطب ہوئی۔ ''میرا مشورہ ہے کہ اس کڑے کو بھول جاؤ۔ کوئی چور اتنا بے وقوف نہیں کہ جس شہر سے چوری کی اسی شہر میں فوراً چوری کی ہوئی چیز کو فروخت کر لے۔ ان پیپرز کے پیسوں سے کڑا بنوا لینا۔''

''خیر مشورہ اچھا ہے تمہارا۔ میں ان پیسوں سے کڑا بنوا لوں گی اس طرح میری ساس کو اس بات کی بھنک بھی نہیں پڑے گی۔''

''کیوں تم نے گھر میں نہیں بتایا؟''

''نہیں۔اگر بتاتی بھی تو کوئی یقین نہ کرتا۔کیوں؟ کیونکہ ایک تو آج تک میں نے کوئی چیز نہیں گمائی۔'' وچن کو مذاق کرنے کی عادت تھی۔

عبایا والی لڑکی نے اسے برہمی سے دیکھا۔

''یار! اگر سچ بتاتی تو ساسی ماں سمجھتی جھوٹ بول رہی ہوں۔انہیں لگتا میں کڑا میکے والوں کو دے آئی ہوں اور جھوٹ بول رہی ہوں۔''

''ہوں۔اچھا میں چلتی ہوں۔''

''نہیں رکو،ایک بات کرنی تھی۔''

اس کی اس بات سے اس کی عادتِ بے اعتباری کی حس چمکنے لگی۔کیا اس کا لالچ بڑھ گیا ہے؟ ہاں اور کیا بات ہو سکتی تھی وہ رک کر سننے لگی مگر وچن تو وچن تھی اس نے پیسے بڑھانے کی بات کرنے کی بجائے پیسے گھٹانے کی بات کی۔

''میں اسلامیات کا پیپر نہیں دے سکتی۔میں نے کبھی اسلامیات نہیں پڑھی۔''

اس کی بات غیر متوقع تھی چند منٹ لگے تھے عبایا والی لڑکی کو اس کی بات سمجھنے میں۔

''تم اپنی بہن سے کہہ دو اسلامیات کا پیپر تیار کر لے۔ابھی ذن ہیں سب سے اینڈ میں ہے اسلامیات کا پیپر۔ذ'

''اوہ۔ٹھیک ہے۔اس دن پیپر نہیں دوں گی تو پیسے بھی نہیں ملیں گے۔'' اس نے آزمانے کے لیے کہا تو جواب ملا۔

''میں لوں گی بھی نہیں۔میں نے اخلاقیات پڑھی ہے اور میری ethics کے خلاف ہے۔''

اس کا انداز معصومانہ تھا۔عبایا والی لڑکی کے خدشات اس کے مطلق اینٹی کلاک وائس ثابت ہوئے تھے۔ وہ گہری نظروں سے اسے دیکھ کر مسکرائی اور چلی گئی۔اسے بھی گھر جانا تھا اس کا بیگ کینٹین میں موٹی لڑکیوں کے پاس رہ گیا تھا۔وہ کینٹین میں آئی تو لڑکیوں میں صلح ہو چکی تھی اور ادھر ادھر کے گلے شکوے کے بعد اب یہ طے پایا تھا کہ اب فرزانہ اپنی دوست دردانہ کو ڈری کہے گی، پیار سے۔

''دُری۔ یہ کیسا نام ہے؟'' وچن نے پوچھا تو دردانہ بولی۔
''ماشاءاللہ کہو، کتنے پیار سے فری نے میرا نام رکھا ہے۔''
''ماشاءاللہ! خدا تم دونوں کی جوڑی سلامت رکھے۔'' وچن نے دل سے دعا دی۔ ان کی دوستی انمول سی تھی۔

☆......☆......☆

گھر کے کاموں سے فارغ ہو کر اس نے لفافہ نکالا اور سارے پیسے ساتھ رکھ لیے۔ اسے بے انتہا خوشی ہو رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کی پہلی کمائی ہو اور وہ بھی برکت بھری۔

کہنے کو تو وہ سیٹھ دیپک کی دھرم پتنی تھی لیکن حال اس کا اوور کوٹ کے ہیرو جیسا تھا۔ اندر سے خستہ، خالی خالی سا۔ جیسے اس کا وجود نہ ہو کوئی خالی برتن ہو جو ہوا کے دوش پر کھڑکتا تھا۔ نت نئی ساڑھیاں، جیولری جس کے پیچھے اس کا پرانا ہینڈ بیگ اور پھٹی چپل نظر نہ آتی۔

دیپک سب اپنی ماں کو لا دیتا ہر ماہ، ہر روز پھر اسکی ماں ہی خرچہ چلاتی اور عیش بھی کرتی۔ دیپک کی پتنی کی قسمت اس کی ماں کی طرح اچھی نہ تھی۔ اگر وچن کو کچھ چاہیے ہوتا تو دو کلو پاپڑ ایک دن میں بیلنے پڑتے۔ خیر پاپڑ تو وہ اب بھی بیلتی لیکن دو کلو نہیں۔

پھر اس نے مانگنا ہی چھوڑ دیا۔ یوں بھی اسے بچپن سے صبر کی عادت تھی۔ وہ کم بہت کم میں بھی خوشی خوشی گزارا کرتی تھی۔ اور یہاں پھر کچھ آسانیاں بھی تھیں۔ ساڑھیاں اور جیولری دیپک کے دکان کی پہنتی، گھر کے پاس ہی ایک دیوار اولانگو تو دکان کی ساڑھیوں کا گودام تھا جس کی چابیاں اس کے پاس ہوتیں جہاں سے جب جی چاہے وہ کچھ بھی نکال سکتی تھی۔ گھر بھی کھاتا پیتا تھا کسی چیز کی کمی نہ تھی اس کی ساس اسے ہزار دو ہزار تہواروں پر دے دیتی تھی اس کا کام یوں ہی چلتا رہتا۔ مانگنے کی ضرورت کبھی پڑ بھی جاتی تو وہ نہ مانگتی۔ اسے دراصل مانگنا اچھا نہ لگتا تھا اور نہ ہی وہ دیپک سے شکایت کرتی، جس سے محبت ہو اس سے شکایت کیسی؟ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کا پتی کوئی اضافی ٹینشن لے۔ یوں بھی اس کی کاروباری پریشانیاں بہت تھیں اسے پریشان کرنے کے لیے۔

اس نے پیسے چھپا لیے۔ کملا اسے بلا رہی تھی کسی شادی کے گھر سے دس کلو پاپڑ کا آرڈر آیا تھا۔ اسے پیکنگ کرنی تھی۔ وچن کو یہ کام سخت ناپسند تھا لیکن کیا کرتی۔ کرنا تو تھا اس گھر میں کملا کا رتبہ بلند تھا۔ اس کی ساس نے تین ہزار ایڈوانس لے لیے تھے اور دو ہزار باقی تھے۔ وہ ایک کلو کے پانچ سو لیتی ارجنٹ آرڈر ہوتا تو سات سے آٹھ سو بھی لیتی۔ وہ اس کام کی ماہر تھی۔ شاید ہوش سنبھالتے ہی اس ہنر کی طرف راغب ہوئی تھی اور اب تک فائدے میں ہی رہی تھی۔ کئی آئے، کئی گئے پر اس کے بنائے ہوئے پاپڑوں کی شہرت میں آنچ نہ آئی۔

پہلے پہل وچن کو لگتا اس کی ساس بہت کماتی ہے۔ لیکن کیا کماتی ہے؟ یہ کیسی کمائی ہوئی؟ یہ کتنا تھکا دینے والا کام تھا۔ پہلے مختلف دالوں اور مسالہ جات کی پسوائی کرواؤ، پھر ان کو مناسب مقدار میں مکس کر کے آٹے کی صورت میں یکجا کرو، اس آٹے کو گوندھنا تو ایک بہت بڑی مہارت کا کام ہو جیسے کمزور اور لاغر عورتیں اس کام سے باز ہی رہیں تو بہتر ہے۔ آٹا گوندھنے کے بعد آٹے کے پیڑے بنائے جاتے ہیں پھر ان کو ایک ایک کر کے بیلا جاتا ہے اور یہ سب یہاں بھی بس نہ تھا بیلنے کے بعد سکھانا اور سکھانے کے بعد گن گن کر پیکنگ کرنا لیکن چونکہ اس کی ساس اس ایک ہی کام میں ماہر تھی تو ہاتھ جلدی جلدی چلاتی اور خوب کماتی۔

وچن کو یہ سب وبال جان لگتا۔ وہ ناچاری سے پاپڑ گن گن کر پیک کر رہی تھی۔ کملا لکڑی کے پتلے بیلن سے لکڑی کی چوکی پر سرسوں کا تیل مل مل کر پاپڑ بیل رہی تھی۔ وچن کا دل ایک دم خراب سا ہوا۔ وہ کیوں یہ سب کر رہی تھی اب یہ بھی کوئی کام ہے۔ کاش باپو جی اس کی سن لیتے تو وہ یہاں پاپڑ نہ بیلتی۔ وہ بہت کچھ کر سکتی تھی لیکن...... لیکن گھوم پھر کر شکوہ شار ہو جاتا۔ اسے خود کے حال پر ترس آ جاتا۔

اس نے کام کرنا بند کر دیا اور اپنے کمرے میں جانے لگی۔ اس کی ساس بخوبی واقف تھی کہ وچن کو اس کام سے چڑ ہے اور اب وہ اپنے کمرے میں چلی گئی تو واپس نہ آئے گی اس لیے دانستہ اس نے وچن کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا۔

”کڑا کہاں ہے تمہارا؟“

''کڑا! وہ کڑا...... میں نے...... وہ میں نے پیکنگ کی شاپر لے آؤں، پہلے والی ختم ہوگئی ہیں۔''

''سامنے ہی تو پلاسٹک کے تھیلے میں پڑی ہیں۔ ڈ''

''کہاں؟ اوہ ہاں یہ ہے۔'' وچن کڑے کی بات ٹالنے کے لیے پھر سے پیکنگ کرنے بیٹھ گئی۔

''باپو! رے باپو۔ کہاں پھنسا دیا؟'' وہ خود کو اس کام کے لائق تو کبھی نہیں سمجھتی تھی۔

☆......☆......☆

وقت گزر رہا تھا اس کے پاس لفافے جمع ہو رہے تھے۔ اس ''اندھیر نگری چوپٹ راج'' کے رہتے وہ پکڑی نہ گئی تھی، پکڑے جانا تو دور کی بات کسی کو شک تک نہ ہوا تھا اب سب سے ہیلو ہائے ہونے لگی تھی۔ آج اس کا آخری پیپر تھا یعنی بیالوجی کا۔ کل اسلامیات کا پیپر ہونا تھا، کل وہ نہیں آئے گی۔ موٹی لڑکیوں کی شوخ گفتگو جاری تھی، اسے عبایا والی لڑکی کا انتظار تھا مگر اس کا میسج آ گیا کہ وہ آج نہیں آسکتی اور کل اسے پیپر دینے کے لیے آنا ہے۔

''میں کیسے آؤں گی، میں نے پہلے ہی کہا ہے میں نے اخلاقیات پڑھی ہے، اسلامیات نہیں۔''

''سمجھا کرو۔''

''نہیں سمجھنا۔ اس نے بھی ٹائپ کر دیا، وہ نہیں آئے گی۔''

''تمہیں آنا ہوگا یہاں سب تم سے مانوس ہو چکے ہیں۔ سکینہ کا آنا اور پیپر دینا خطرے سے خالی نہ ہوگا۔''

''پھر وہی بات مجھے کل کے پیپر کے سوا کچھ نہیں آتا، میں کیا لکھوں گی، اسلامیات اور بس؟''

''آج جا کے تیاری کر لو۔''

''میرے لیے مسئلہ ہو جائے گا، سمجھنے کی کوشش کرو۔''

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا سکینہ؟'' فری نے اپنی گفتگو میں اسے شامل کرنا تھا لیکن اس نے کچھ نہ سنا تھا اسے اسلامیات کے پیپر کی ٹینشن ہو رہی تھی۔

''یہ کیا تم سارا دن موبائل پہ لگی رہتی ہو؟ کوئی ہے کیا؟'' ڈوری نے اسے چھیڑا تھا۔

''نہیں نہیں۔ایسی کوئی بات نہیں، میں تو میرڈ ہوں۔ٹینشن میں اس نے سچ بتا دیا جو بتانا تو نہیں چاہیے تھا لیکن کوئی بات نہیں۔'' سامنے ڈوری اور فری تھیں اس کی بات سن کر زور زور سے ہنسنے لگی۔

''میرڈ! ہاہاہاہا۔''

''میرڈ...... بالوں کی دو پونیاں بناتی ہو۔ہاہاہاہا...... میرڈ۔''

''کہتی ہے میرڈ ہوں۔'' وہ دونوں ہاتھوں پہ ہاتھ مار کے اس پر ہنسنے لگی۔

وچن نے سر پکڑ لیا۔

موٹی لڑکیاں ہنس ہنس کر پاگل ہو رہی تھیں، عبایا والی لڑکی اپنی ضد سے ٹس سے مس نہ ہوتی تھی۔اس نے وچن کو دوگنی رقم دینے کا وعدہ کیا۔سب مل کر اسے تنگ کر رہے تھے یا پھر وہ خود بے وجہ تنگ ہو رہی تھی، کیا مسئلہ ہے ایک پیپر ہی تو ہے اور آج کا سارا دن پڑا تھا، وہ تیاری کر سکتی تھی اس نے اوکے لکھا اور موٹی لڑکیوں کو خدا حافظ کہہ کر گھر آ گئی۔

☆......☆......☆

ماں جی نیا آرڈر تیار کیے بیٹھی تھی اور اس کی پیکنگ کے لیے وچن کا انتظار کر رہی تھی پر اسے پیپر کی تیاری کرنی تھی۔

اس نے سر درد کا بہانہ بنایا تو ساسو ماں میں جیسے کوئی چنڈال روح گھس آئی۔اگلے دو گھنٹے تک وہ بلند آواز میں لڑتی رہی وچن کچھ نہ پڑھ پائی اور کھانے کا وقت ہو گیا۔اسے اپنی ساس پر غصہ آ رہا تھا اور پھر سے اس نے وہی کیا جو کرتی آئی تھی۔غصہ جمع افسوس پی لیا آج البتہ وہ صدمے میں نہ تھی۔اور پھر سارا وقت کام کرنے اور پیکنگ کرنے چلا گیا۔رات کو اس نے کتاب کھولی تو ہوش میں نہ تھا، جلد بازی میں کچھ سمجھ نہ آتا تھا اس نے عبایا والی لڑکی کو میسج کیا۔میں تیاری نہیں کر سکی۔سوری۔

''تم پھر بھی آ جانا مسئلہ نہیں ہے اور میں نے تمہاری رقم تیار کر لی ہے۔'' اس نے نوٹوں کی پک سینڈ کی۔''اسلامیات کے پیپر کے بیس ہزار۔''

وہ کیا کرتی؟ نا جانے کیوں اسے آج کچھ عجیب لگ رہا تھا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' وچن نے آج پہلی بار اس کا نام پوچھا۔ میسج اسی وقت دیکھا گیا تھا دو نیلے نشان اس کے گواہ تھے مگر کوئی جواب نہ آیا۔ اس نے اسلامیات پڑھنے کی کوشش کی لیکن اس کے لیے بہت مشکل تھا، اسے نیند آ گئی۔

☆......☆......☆

آج آخری پیپر تھا، سیکنڈ ٹائم کا بھی پیپر صبح ہی ہونا تھا جس کی بدولت اسکول میں لڑکیوں کی تعداد میں اضافہ محسوس ہو رہا تھا۔ موسم کچھ بھیگا بھیگا سا تھا، رات بھر ہلکی ہلکی بارش ہوتی رہی تھی۔

معمول کے مطابق وہ موٹی لڑکیوں کے ہمراہ ایگزامینیشن حال تک آئی اور معمول کے مطابق ہی اس کی پوری لائن کی چیکنگ اسی شفیق ٹیچر یعنی مس فضیلت نے کی، وہ بھی معمول کے مطابق جارجٹ کے تھری پیس سوٹ میں نظر آ رہی تھی، جس کا رنگ سفید تھا اور نئے نئے گلابی پھولوں کے ڈیزائن بنے تھے، ان پھولوں سے میچنگ انہوں نے گلابی لپ اسٹک لگائی تھی بیگ ان کا آج بھی پہلے دن والا تھا۔ سب کے چہروں پر پیپروں سے جان چھٹنے والے تاثرات تھے، کچھ لڑکیاں مطمئن جبکہ کچھ لڑکیاں بے چین نظر آ رہی تھیں، آج بھی چند لڑکیوں سے نقل برآمد ہوئی تھی جس کی وجہ سے آج ٹیچرز فقط ڈانٹ ڈپٹ نہیں کر رہی تھیں بلکہ اچھی خاصے غصے میں تھیں۔ اسلامیات کے پیپر کے دن نقل؟

ڈوب مرو......لڑکیو......ڈوب مرو۔

ٹیچرز کے لیکچر جاری تھے اسٹوڈنٹ کی بھی من مانیاں عروج پر تھیں۔

آج پیپر آسان تھا سب کے چہرے خوشی سے چمکنے لگے تھے۔ ہال میں خاموشی طاری ہو چکی تھی۔ موٹی لڑکیاں بھی مسرور تھیں سارے یاد کیے ہوئے سوال آئے تھے سب پر سکون تھے پر وچن کا حال برا تھا، اسے چند خالی جگہوں کے سوا کچھ نہ کچھ آتا تھا، اسے عبایا والی لڑکی پہ غصہ آنے لگا۔ اس نے کہا تھا اس نے اخلاقیات پڑھی ہے۔ وچن کو پسینہ آنے لگا اس نے ادھر ادھر نظریں دوڑائی اور موٹی لڑکیوں کو پکارا۔

وہ دونوں اس کی طرف متوجہ ہوئیں اور اشاروں میں پوچھا، سب ٹھیک ہیڈ''

وچن نے نفی میں گردن ہلائی۔

''کون سا سوال نہیں آ رہا؟''

وچن نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔کوئی نہیں۔

دونوں حیران تھیں، کیمسٹری فزکس کی ماہر آج آسان پیپر کے دن دانتوں میں پین دبائے ہوئے بے بس سی بیٹھی تھی۔

موٹی لڑکیوں نے اسے تسلی دی۔

لیکن وچن ان کا پیپر نہ دیکھ سکتی تھی کیونکہ ان کے رول نمبر وچن کے رول نمبر کے بعد تھے۔فری وچن کی نشست کے پیچھے اور دُوری، فری کے پیچھے بیٹھی تھی۔ یہ اسی ترتیب سے پہلے پیپر کے بعد بیٹھی رہی تھی ہاں البتہ اسٹوڈنٹس کی جگہیں بدلتی رہی تھیں۔

فری نے کوئسچن پیپر کے پیچھے وچن کے لیے پنسل سے لکھنا شروع کیا، وہ خالی جگہ پر کر رہی تھیں اور دُوری نے سوال نمبر ایک لکھنا شروع کیا کہ شفیق ٹیچر ان کی طرف لپکی۔

وہ تینوں روز اسی لائن میں بیٹھتے تھے اور روز مس فضیلت ہی ان کی لائن کی نگرانی کرتی۔ جبکہ ہال میں چار سے چھ ٹیچرز موجود تھیں۔

''کیا مسئلہ ہے تم تینوں کو، کیا ہو رہا ہے؟''

تینوں نے بنا چوں چاں کیے شرمندگی سے نظریں نیچی کر دیں، مگر مس فضیلت آج غصے میں تھیں۔

''اٹھو، تم اٹھو یہاں سے۔'' وہ وچن سے مخاطب تھیں۔

''روز تم دونوں اس لڑکی کو تنگ کرتی ہو؟ آج میں یہ نہیں ہونے دوں گی۔ اپنا پیپر خود کرو ورنہ کینسل کر دوں گی۔''

موٹی لڑکیوں کا گلا خشک ہونے لگا۔موٹے موٹے ہاتھوں کی ہتھیلیاں گھبراہٹ کی وجہ سے بھیگنے لگی۔

وچن کو مس فضیلت نے اپنی نشست سے اٹھا کر سب سے الگ تھلگ کونے میں ایک نشست پر

بٹھایا جہاں بس ایک ہی نشست موجود تھی جس کا رخ کلاس روم کی جانب تھا جہاں اکثر ٹیچرز بیٹھ کر نگرانی کرتی۔ وچن کی آخری امید بھی ٹوٹ گئی۔

''سچ ہے جوڑے آسمانوں پہ بنتے ہیں سکینہ، اب کرو تم اس عمر رسیدہ سے شادی.....'' وچن نے ہاتھوں کو مسلتے ہوئے سوچا۔

''کم از کم جب میں نے بتایا تھا کہ میں اسلامیات کا پیپر نہیں دے سکتی اس دن بتا دیتی کہ یہ پیپر بھی میں نے دینا ہے تو کچھ نہ کچھ تو تیاری کر لیتی، اب کیا لکھوں؟''

مس فضیلت اس کے پاس آ بیٹھی اور اپنے ساتھ والی نشست پر اپنا بیگ اور چند رجسٹرز رکھ دیئے۔

وچن نے ایک بار پھر سوالات پڑھے۔ کچھ نہ کچھ تو آنا چاہیے۔ ٹھیک ہے اس نے اسلامیات نہیں پڑھی لیکن یہ کوئی اتنا بھی اجنبی سبجیکٹ نہ تھا۔ باقی سبجیکٹس میں اسلامیات سے متعلق کچھ نہ کچھ تو پڑھتی آئی تھی۔ اس نے ذہن پر زور ڈالا تو ایک دو مختصر سے جواب ذہن میں آئے۔ اس نے پین کا ڈھکن کھولا اور خالی پیپر دینے کی بجائے کچھ نہ کچھ لکھنے کا سوچا۔

پر آج وہ لکھتے وقت مطمئن نہ نظر آ رہی تھی اس کی بے چینی محسوس کر کے مس فضیلت نے اس سے پوچھا۔ ''کیا ہوا؟ آج پھر ناشتہ نہیں کیا کیا؟''

''نہیں، وہ...... وہ......'' وچن نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ شفیق سی ٹیچر نے انتہائی رازدارانہ انداز میں پرچیوں کی ایک گٹھڑی سی اس کی گود میں رکھ دی۔

وچن نے ناسمجھی میں گٹھڑی اٹھائی، سارے سوالات کے جوابات تھے۔ یک دم اس کا سر جیسے چکرانے لگا۔ وہ دنگ سی رہ گئی۔ حیرت ہی حیرت۔

وچن نے کبھی نقل نہیں کی پر اب کرنی پڑے گی۔ مس نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ سب جانتی ہیں اس کا نام بھی۔ پہلے وچن کو لگا وہ پکڑی گئی ہے اس کے اندر کی سانس اندر اور باہر کی باہر ہی رہی۔ مس نے ایک نیسلے کا جوس اپنے پرس سے نکالا اور اس کے ڈیسک پر رکھ دیا اور کہا۔

''ناشتہ کر کے آیا کرو۔''

وچن کے ہاتھ پیر کانپ رہے تھے۔اس کے ہوش کے پٹ نیم وا بند ہونے ہی لگے تھے کہ مس فضیلت نے اسے جوس میں اسٹراڈال کر دیا اور زور سے پروفیشنل انداز میں کہا۔''پچیس منٹ گزر چکے ہیں، تیز تیز ہاتھ چلاؤ۔''

اب اس کی سمجھ میں آیا وہ پکڑی کیوں نہیں گئی؟ ہر روز ایک ہی ٹیچر ہی کیوں اس کی چیکنگ کرتی تھی؟''
جو ایک پیپر کے دس ہزار دے سکتے ہیں وہ کسی کو بھی خرید سکتے ہیں۔اسے عبایا والی لڑکی کی بات یاد آئی۔

''سکینہ۔کون سکینہ؟''

وہ اس کی بہن نہیں تھی؟ کون تھی وہ اور کون ہے یہ سکینہ۔مجبور یا شاطر؟ پتا نہیں کون؟''

اسے نا جانے کیا یاد آنے لگا پر یہ یادوں میں کھونے کا وقت نہ تھا۔

لیکن کیا سکینہ مجبور تھی؟ سب کچھ جاننے کے بعد اسے نقل کر کے یہ پیپر لکھنا چاہیے کہ نہیں۔

''نہیں، نہیں اسے ایسا نہیں سوچنا چاہیے، وہ مجبور ہو گی تب ہی تو اس نے اسے اور وچن کو......''

''آدھا گھنٹہ گزر گیا آج وقت پر پیپر شروع ہوا ہے تو وقت پر ہی لیا جائے گا۔''شفیق سی ٹیچر نے اس کی جانب دیکھ کر بلند آواز میں کہا تو وچن نے لکھنا شروع کیا۔

''اس وقت خود سے کوئی بھی نتیجہ اخذ کر لینا اس کی اخلاقیات کے خلاف تھا۔''

☆......☆......☆

پیپر کے آخر میں انہیں آج پریکٹیکل سلپ ملی تھی۔ان کے گروپ کا پریکٹیکل اگلے دن سے شروع تھا لیکن اس گروپ میں فرزانہ تک ہی نام تھے۔دردانہ کا نام اگلے گروپ میں شامل تھا جو کہ دونوں کے لیے صدمے کا سبب تھا، پیپر دینے کے بعد دونوں سر جوڑے اظہارِ غم میں مصروف تھیں۔دونوں کو لگ رہا تھا ان کی دوستی کو نظر لگ گئی ہے وہ بورڈ آفس والوں کو اس ناانصافی کے لیے عمر بھر معاف نہیں کر سکتی تھی۔وہ آنے جانے والے سے فلمی انداز سے پوچھتی۔''کیا ہمارے ساتھ ٹھیک کیا ان بورڈ آفس والوں نے؟''

''تو! تم دونوں دوستی نامہ بھجوا دیتی نا؟''لڑکیوں کو بھی مذاق سوجھ رہا تھا۔

''دیکھا فری لوگ مذاق اڑا رہے ہیں۔''

''ہاں! ڈوری بس سچی دوستی کی قدر کس ہے؟ کیسے لوگ ہیں یہ لوگ، کیوں فری؟''

''ہاں دوری، نا جانے کیسے لوگ ہیں؟''

''سکینہ کا پیپر کیسا ہوا؟'' انہیں جیسے اچانک سکینہ یاد آئی۔

''کہہ رہی تھی اچھا ہوا۔''

''لیکن اس نے تو کہا تھا اسے کچھ نہیں آ رہا۔''

''ہاں ڈوری مذاق کر رہی ہوگی؟ آج کل لوگ مذاق بہت کرتے ہیں۔''

''میری تو جان نکل گئی تھی۔ ہاں ڈوری! میری بھی۔''

''لیکن میں نے دیکھا تھا اسے، وہ پیپر جھکی ہوئی تھی اوپر دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔''

''وہ دیکھو وہ رہی۔'' وچن سفید یونیفارم میں دو چٹیاں باندھے ان ہی کی جانب آ رہی تھی لیکن اس کی نظریں عبایا والی لڑکی کا نقاب کر رہی تھیں جواب بالآخر اسے نظر بھی آ گئی۔

موٹی لڑکیاں سر جوڑے بیٹھی تھی وچن کو دیکھ کر سیدھی ہوئی اور ہاتھ بلند کر کے وچن کو اپنی طرف متوجہ ہونے کے لیے بلانے لگی، مگر وچن کی آج حالت ذرا مختلف تھی وہ ان کی سنے بنا عبایا والی کی طرف آ گئی۔

دونوں کے ہاتھ ہوا میں معلق رہ گئے۔ تو آج ہم نظر انداز بھی ہوئی؟ صدمہ مزید بڑھ گیا۔ بڑا ہی کوئی منحوس دن ہے آج۔

''ہاں، ڈوری سچ کہا۔''

دونوں سر جوڑ کر بیٹھ گئیں۔ ان کا دکھ کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔

☆......☆......☆

''وہ مس تمہارے ساتھ ملی ہوئی ہے۔'' وچن نے آتے ہی سوال پوچھا۔ عبایا والی لڑکی خاموش تھی۔

''تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟ تمہاری وجہ سے میں نے پہلی بار نقل کی صرف اور صرف تمہاری وجہ سے۔''

''تم نے نہ صرف نقل کی ہے بلکہ کسی اور کی جگہ پیپر دینے کا جرم بھی کیا ہے اور پیپر دینے کا جرم نقل کرنے سے بڑا ہے۔'' اس کا انداز ایسا روکھا تھا کہ وچن ششدر سی رہ گئی۔ ہاں اس نے جرم ہی تو کیا تھا اس سے پہلے کہ اس کا دماغ ماؤف ہو، اس نے کہہ دیا جو وہ کہنے آئی تھی۔

''ٹھیک ہے جو ہو گیا سو ہو گیا لیکن میں اب مزید تمہارے کھیل کا حصہ نہیں بن سکتی، میں پریکٹیکل ہرگز نہ دوں گی۔'' اس نے سلپ عبایا والی لڑکی کے ہاتھ میں غصہ سے رکھتے ہوئے کہا۔

''ایسا تو نہیں ہو سکتا۔'' اس نے اپنے رخ سے نقاب ہٹاتے ہوئے کہا۔ وہی پری رو چہرہ اس کے سامنے تھا۔

''کیوں نہیں ہو سکتا؟ میری مرضی، میں بس جا رہی ہوں۔'' اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

''آج لفافہ نہیں لو گی؟''

''نہیں، آج میں نے نقل کی ہے۔ میں اپنی محنت کے پیسے لیتی تھی۔''

''محنت!'' خوب صورت حسینہ ہنسنے لگی۔ اس کے چہرے کی مانند اس کی ہنسی بھی قابل تعریف تھی۔ اس پر آج اس نے تھوڑی پر رنگ کی بجائے بالی لگائی تھی جو اس کے نچلے لب سے متصل سی محسوس ہوتی، جو اس کی بھلی بھلی لک کی لکشمی میں اضافہ کرتی، اس کے حسن کی تیز چمک کے باوجود وہ اس وقت وچن کو سخت ناگوار سی لگی۔ اس نے اس پر سخت گیر نظریں چسپاں کی ہوئی تھیں۔

''ارے ایسے کیا دیکھ رہی ہو، تم نے کسی اور کی جگہ پیپر دیئے ہیں میں نے نہیں۔ تم تو دفع ہو جاؤ۔'' اسے سخت غصہ آ رہا تھا۔ وہ جانے لگی۔

''جرم یا تو کرو نہیں، لیکن اگر کرو تو اسے ادھورا مت چھوڑو۔ ادھورے جرم جرم نہیں رہتے سزا بن جاتے ہیں۔''

اس نے اپنے موبائل کو اس کی طرف کیا جہاں ایگزامینیشن ہال کا منظر تھا جسے دیکھ کر وہ دنگ رہ گئی۔ وہ پیپر دے رہی تھی، وہ پیپر لکھ رہی تھی۔ وہ بے فکری تھی، وہ نقل کر رہی تھی، سامنے وال کلاک

نسب تھا جس میں آج کی ڈیٹ اور وقت واضح طور پر عیاں تھا۔

اسے جیسے پتنگے لگ گئے۔ ''تم مجھے بلیک میل نہیں کر سکتی؟''

''میں تمہیں بلیک میل کر رہی ہوں۔'' خوب صورت چہرہ، فریبی انداز، سخت الفاظ۔

اس نے نزاکت سے لفافہ اس کے ہاتھوں میں تھمایا، سحرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔ وچن ہکی بکی سی اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔ اس نے اپنا نقاب درست کیا۔ ہینڈ بیگ سے ایک اور لفافہ نکالا اور دوسری لڑکی کی جانب بڑھ گئی، یہ آرٹ گروپ کی ایک لڑکی تھی آج سیکنڈ ٹائم کا پیپر بھی فرسٹ ٹائم ہوا تھا، عبایا والی لڑکی نے اسے بھی ایسا ہی لفافہ تھمایا جیسا اسے دیا کرتی تھی۔

اب اور کیا تھا اسے ساری کتھا سمجھ آ گئی۔ کڑے کا گم جانا، بس میں ہر روز سکینہ کا ملنا، اس کا مطلب وہ شروع سے ہی ٹارگٹ تھی؟ لیکن یہ کیسے ممکن تھا؟ وہ پاپڑ بیلنے والی ایک عام سی لگتی تھی کسی کو اس کی ذہانت کے مطلق کیسے پتا چلا؟ وہ سوچتی رہی لیکن بس سوچتی ہی رہی کوئی نتیجہ اس سے اخذ نہ ہو پایا کیونکہ وہ عافی جیسے بڑے آدمی کو درزیوں کا ملازم سمجھتی تھی۔ جس کے پرسنل نمبر پر اس کا رابطہ آج کل عروج پر تھا۔

☆......☆......☆

وہ گھر آتے ہی اپنے کمرے میں چلی آئی، دماغ میں شرارے سے پھٹ رہے تھے۔ وہ یہ کیا کر بیٹھی تھی؟ نیکی کر دریا میں ڈال!

کملا اسے یوں اپنے کمرے میں جاتے دیکھ کر پریشان تھی آج اس نے کمل کے کپڑے بھی نہ بدلے تھے۔ اسے کچھ سمجھ نہ آتا تھا۔ یہ ethics ہے، وہ ethics ہے کہنے والی وچن جرم کر آئی ہے۔ اس کا سر چکرا رہا تھا اوپر سے کملا بھی شروع تھی۔ اس کی باتیں سننا بھی باقی تھا۔

''صبح ساڑھی بدل بدل کر بہنوں کے گھر جاؤ، ان کی خدمتیں کرو، پھر آ کر آرام کرو۔''

اف وہ تو چپ ہی نہ ہو رہی تھی۔ وچن غصہ سے اٹھ کر باہر آئی۔ وہ نہ آرام سے رہنے دے گی اس نے کھلے بالوں کا جوڑا بنایا اور ساڑھی کا پلو کمر میں کس کر سبزیاں کاٹنے لگی۔ کھانا بناتے وقت اس کا ذہن

مسلسل سکینہ اور عبایا والی لڑکی کی مکاریوں میں جتا تھا۔کوئی اتنا بڑا کام کیسے کرسکتا ہے۔انہوں نے مل کر اسے بے وقوف بنایا۔اس نے سکینہ کی سلپ نکالی اور سبزی بناتے ہوئے موبائل پر سرچ کرتی رہی۔

یہ سکینہ تو بہت بڑے باپ کی بیٹی تھی؟ پھر بسوں میں سفر کرنا، وہ تو کہیں سے بھی کوئی رئیس زادی نہ لگتی تھی اور اس کے تو عام سے مسائل تھے کوئی بہت ہی ٹپیکل فیملی سے اس کا تعلق تھا، جہاں لڑکیوں کی تعلیم ضروری نہ سمجھی جاتی تھی، اسے دیکھ کر وچن کو اپنا آپ یاد آتا۔ وہ بھی ایسی تھی۔ ناموں ماحول میں موزوں عزائم رکھنے والی۔

سکینہ بس میں اس سے مختلف سبجیکٹ کے سوال پوچھتی یا یوں کہو کہ وہ بس اور بس اسٹاپ میں سکینہ کو ٹیوشن دیتی۔ رفتہ رفتہ دونوں میں دوستی ہوتی گئی اور پھر ایک دن سکینہ نے عالم پشیمانی میں اسے اپنی شادی کی کہانی سنائی۔

وچن خود اپنے والدین کی اس بلیک میلنگ کا شکار ہوئی تھی۔ باپو جی نے اس کی ایک نہ سنی اور چٹ منگنی پٹ بیاہ کروادیا۔ پر اب وہ سکینہ کے ساتھ ایسا نہ ہونے دے سکتی تھی۔اس نے بالآخر پیپر دینے کی حامی بھرلی تھی۔ پر اسے کیا پتہ تھا یہ سب ایک سازش تھی۔اچھے نمبر حاصل کرنے والے اسٹوڈنٹ کی خواہش یا پھر پاگل پن؟ اس نے کھانا بنالیا، دیپک کے لیے دکان پر بھی بھجوایا اور اس سب کے دوران اس نے فیصلہ کرلیا، اس سارے عمل کو اخلاقیات کے نقطۂ نظر سے دیکھا۔سکینہ اور عبایا والی لڑکی کے ساتھ ساتھ وہ بھی قصوروار تھی۔ اسے رہ رہ کر عبایا والی لڑکی کی بات یاد آتی ''جرم یا تو کرو نہیں، لیکن اگر کرو تو اسے ادھورا نہ چھوڑو۔اسے مکمل کرو۔ادھورے جرم، جرم نہیں رہتے سزا بن جاتے ہیں۔''

''نہیں، تم غلط ہو؟ جرم بس جرم ہوتے ہیں۔ جرائم میں مکمل اور نامکمل کا زاویہ بے شک ہوتا ہوگا لیکن سزا کا اینگل برقرار ہوتا ہے، خواہ جرم مکمل ہو یا نامکمل، جرم تو بس جرم ہوتا ہے۔ میں اب تمہاری باتوں میں نہیں آؤں گی اور نہ ہی پریکٹیکل دوں گی۔آگے جو ہوگا سو ہوگا دیکھا جائے گا۔''اس نے سنک کی صفائی کرتے ہوئے سوچ لیا تھا۔

☆......☆......☆

سندھیا سمے دیپک کے گھر میں دیپک جلایا جاتا جو اس کے گھر آنے تک روشنی پھیلاتا رہتا اور رات دیر تک ٹمٹماتا رہتا پھر جب کسی پہر باتی و تیل ختم ہو جاتے تو خود بہ خود خشک ہو جاتا۔

دیپک گھر آتے ہی پہلے دیے کے رشون کرتا اور پھر ماں کے چرن چھو کر کچھ دیر ان کے ساتھ بیٹھتا۔ وہ ایک فرمانبردار بیٹا تھا۔ اس کی ماں نے اسے باپ کے مرنے کے بعد پاپڑ بیل کر پالا تھا، اتنی سی عمر میں اس نے باپ کی دکان سنبھال لی اور آج اس قابل تھا کہ لوگ اسے سیٹھ دیپک کہہ کر پکارتے۔

آج حسب معمول گھر آنے کے بعد اس نے دیے روشن کیے، ماں کے پاؤں چھوئے پر کملا کے پاس بیٹھنے کی بجائے وچن کی تلاش میں کچن میں آیا۔ وہ اسی کے لیے نئے اسٹیل کے گلاس میں پانی لا رہی تھی۔ دیپک کو یوں غیر متوقع کچن کی طرف آتے دیکھ کر وہ حیران سی رہ گئی۔ اس کا دل گھبرانے لگا۔ کیا عبایا والی لڑکی دیپک تک پہنچ گئی تھی؟ کیا اس نے سچ بتا دیا تھا؟ دیپک تو پہلے اس سے خفا تھا اس دن اس کی ماں نے جو فیملی پولیٹکس کی تھی اس کے بعد وہ وچن سے بات نہ کر رہا تھا پر آج تو نا جانے کیا ہو گا؟ وچن اپنے ادھورے جرم کی سزا سمجھنے لگی ہی تھی کہ دیپک نے پاس آ کر اس کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لیا اور سلسلۂ کلام جوڑا۔

''تمہارے باپو جی سے تمہاری بات ہوئی؟''

وچن کی ساس نے کان دھر لیے۔ بیٹے کا گھر آتے ہی یوں بیوی کے پاس جانا اسے کہاں بھاتا تھا، پہلے ماں پھر بیوی بچے۔ بیٹے کی اطاعت و فرمانبرداری کا ثبوت تھا ورنہ اسے آ گیا کارنہ مانا جاتا۔

وچن نے نفی میں گردن ہلائی۔ اس کی سمجھ کے در آج بند تھے۔

''آج تمہارے گھر کے پاس والا بنیہ ملا تھا۔ بتا رہا تھا کہ تمہارے باپو جی تمہاری ماں اور چھوٹے بہن بھائی کو لے کر ہمیشہ کے لیے گاؤں چلے گئے ہیں اور تمہارے بھیا بھی چلے گئے۔ ان پر قرض زیادہ ہوتا چلا گیا تھا جسے چکاتے چکاتے اب مکان، دکان کا کرایہ دینا مشکل ہو گیا تھا۔''

وچن کے ہوش اڑ گئے۔ باپو جی کا مایوس چہرہ آنکھوں میں اتر آیا تو جیسے باپو جی کے آنکھ کے آنسو اس کی آنکھوں میں آ گئے۔ اس نے چپ چاپ رخ موڑ لیا اور درد سے آنکھیں میچ لیں۔ اس کے میکے

میں اتنا کچھ ہو گیا اور اسے پتہ ہی نہیں چلا۔ وہ کچن میں چلی آئی، توا گرم کیا اور روٹیاں بیلنے لگی۔ اسے اپنے آنسو چھپانے تھے۔ دیپک نے بھی اس کا دکھ سمجھ کر زیادہ نہ کریدہ۔ کملا بھی چپ ہو گئی، کمل کھیل میں مصروف تھا۔

وچن آٹے کے پیڑے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں پٹخ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ آٹے میں لدے تھے لیکن ذہن ماضی کے کوزوں سے یادیں نکالنے میں مصروف تھا۔

اس کے باپو اسے بٹیا نہیں بیٹا کہہ کر پکارتے تھے۔ اگر کبھی غلطی سے بٹیا کہہ بھی دے تو وچن خفا ہو جاتی اور باپو جی ہاتھ جوڑ کر شما مانگ لیتے۔

جب وچن کی استانیاں باپو جی سے اس کی بیٹی کی ذہانت کا راز پوچھتیں تب باپو جی انہیں کہتے کہ وچن بیٹی نہیں ہے میری بلکہ پچھلے جنم کا کوئی بھلا کرم ہے۔ اس کے آنے سے میری قسمت بدلی، اس کی ذہانت کی وجہ سے میں جانا جاتا ہوں ورنہ ہم تو ایک وقت کی روٹی کھانے والے لوگ تھے۔ وچن کا ہاتھ روٹی بناتے ہوئے توے سے چھوا تھا۔ دکھ کا راگ اس کے حلق سے نکلا لیکن اچھا تھا کسی نے نہ سنا۔

اس نے درد بھری سانس لی اور تازے جلے زخم پر گھی لگا دیا۔ وچن کی ماں کہتی تھی اس گھی کے استعمال سے زخم جلدی برتا ہے۔

''باپو جی! مجھے بہت پرایا کر دیا۔ پہلے اپنا بھلا کرم مانتے تھے اور بیٹا کہتے تھے اور اب بیٹی تک نہیں سمجھتے میں بہت پرائی ہو گئی، مجھے کچھ نہیں بتایا؟'' اس کی آنکھ پھر سے بھر آئی۔

یادوں کے کوزے سے یادیں پھر نکلتی تھیں۔ اس کے باپو جی کا باوقار چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے تھا وچن کے بھیا دسویں سے آگے کی پڑھائی کی اسے اجازت نہ دے رہے تھے۔ ماں بھی بھیا کے ساتھ ملی تھی۔ بھابی اور بہنوں کی بھی یہی رائے تھی لیکن ایک باپو جی تھے جنہوں نے وچن کا ایڈمیشن خود کالج میں کروایا۔

پہلے باپو جی مانتے تھے کہ وہ بھاگیا شالی ہے، اب سارے بھائی بند اور اعزہ و اقربا مانتے تھے کہ وہ ''بھاگیا شالی ہے اس وقت تو وچن کو بھی یہ شبہ ہوتا رہتا تھا کہ وہ لکی ہے، اس کا لک ان دنوں بہت چمکتا

تھا دراصل ہر اس لڑکی کا لک اس وقت خوب چمکتا ہے جب اس کا سربراہ اس کے ساتھ ہو۔ باپو جی نے اس کا ساتھ دیا تو اس کی جانب اٹھتی انگلیاں خود بہ خود مٹھیوں میں دب گئی۔ وچن نے ایف ایس سی کر لی۔ اس دوران اس کی بڑی دو بہنوں کے بھی ہاتھ پیلے ہو گئے تھے۔ اس نے بی ایس سی میں بھی ایڈمیشن لے لیا تھا، سب کوشل منگل تھا لیکن پھر بیاہ کے چند ماہ بعد ہی اس کی دونوں بہنیں یکے بعد دیگرے گھر آ بیٹھی۔ وجہ کوئی خاص نہ ہوتی بس ان کے سسرال کی مانگیں نہ کھوٹتی۔ باپو جی ایک بیٹی کے سسرال کی مانگ پوری کرتے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتے، اپنی بیٹی کی خامیاں تعامل سے سنتے اور پھر اپنی بیٹی کو اس کے گھر چھوڑ آتے تو دوسری کے سسرال والے خبردار ہو جاتے۔ وہ بھی کوئی مانگ کرتے وچن کی بہن کو کوئی نہ کوئی غلطی کے نتیجے میں گھر چھوڑ جاتے اور پھر باپو جی کو نئی فکر لاحق ہو جاتی۔

وچن نے توا ٹھنڈا کیا اور سبزی، دال، چاول کے ساتھ چارپائی پر ہاٹ پوٹ رکھ آئی۔ دیپک کمل کے ساتھ کسی کام سے باہر گیا تھا۔ کملا بھی پارٹ سمیٹنے میں مصروف تھی۔ وہ پھر سے کچن میں چلی آئی یہاں چھوٹے موٹے بہت کام باقی تھے۔

اس کے ایگزام ہونے والے تھے کہ دیپک کا رشتہ اس کے لیے آیا تھا۔ باپو جی نے دیپک کا نام سنتے ہی ہاں کہہ دی تھی۔ وچن نے باپو جی کی منتیں کی تھیں، ہاتھ جوڑے تھے، پاؤں پڑے تھے کہ وہ ایسی جلد بازی نہ کرے۔ لیکن باپو جی نے ایک نہ سنی۔ وہ اب پہلے سے نہ رہے تھے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو بیٹیوں کو رحمت مانتے تھے اور ان لوگوں کی سوچ پہ اظہار حیرت کرتے جو بیٹیوں کی پیدائش پر برہمی کا شکار ہوتے۔ پر انہیں کیا پتا تھا کہ اولادوں میں اس بید بھاؤ کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ بیٹیاں پرائی ہوتی ہیں اور ماں باپ کی مجبوری یہ ہوتی ہے کہ انہیں اپنی لاڈلیوں کو پرایا کرنا پڑتا ہے۔ بار بار ہر بار جب جب لڑکی میکے کی جانب دیکھتی ہے اسے یہ احساس دلایا جاتا کہ اس کی جگہ اب یہاں نہیں، اس کا گھر اب یہ نہیں۔

وچن کے باپو جی تھک گئے تھے۔ بیٹیوں کو بار بار احساس بیگانیت دلا دلا کے۔

اس کی بیٹیاں اس کی نہیں تھیں کہ وہ بے بس تھا۔ یہ سماج، یہ معاشرہ، یہ ریت رواج اس کی

بیٹیوں کو اس کا نہ ہونے دیتی۔ وہ بار بار ذلت کا زہر چکھتا، بیٹیوں کے سسرال کی مانگیں پوری کرتا بیٹی کا گھر اس امید سے بسا آتا کہ اب وہاں خوش و خرم زندگی رہے گی تو وہ بھی سکھی رہے گا لیکن ایسا نہ تھا ایسا کبھی نہ ہوا۔

اس سب کا نتیجہ یہ تھا باپو تھک گئے تھے...... سارے باپو جی تھک جاتے ہیں۔

وچن کے بھیا کے ہاں جب بیٹی ہوئی تو باپو جی خوب روئے تھے اور ہاتھ جوڑ کر رب سے ارداس کی تھی کہ اب بیٹی نہ دینا پربھو میرے ونش کی لکشمیوں پر رحم کرنا اب بیٹی نہ دینا، اب بیٹی نہ دینا۔"

یہی وہ وجہ تھی جس نے وچن کی امیدوں کے پر کاٹے تھے، اسے بیٹا کہنے والے باپو جی اسے اپنا بیٹا نہ بنا نہ سکے۔

دیپک خاندانی تھا اپنا کاروبار تھا اس کا۔ باپو جی کو اور سب کو اب بھی لگتا تھا کہ وچن بھاگیا شالی ہے۔ ایسا رشتہ ان جیسے غریب گھرانوں میں کہاں آتا ہے؟ اس رشتے میں سب سے بڑی خوشی کی بات یہ تھی کہ دیپک نے جہیز لینے سے ہاتھ جوڑ کر انکار کیا تھا۔ اس بڑھائی سے سیٹھ دیپک کی واہ واہ میں مزید اضافہ ہوا تھا۔ جہیز جیسی بے نور رسم بس ایسے ہی بڑے دل والے ختم کر سکتے ہیں جو سسرال سے جہیز لینے سے منع کر دیں، کیونکہ بیٹی کے ماں باپ تو بیٹی کی خوشی کے لیے جہیز دیتے رہیں گے جو زمانہ قدیم سے اب تک دے بھی رہے ہیں۔ یہی وہ وجہ ہے کہ یہ رسم طول پکڑتی جا رہی ہے، نت نئی ایجادات کی اس رسم میں شمولیت اس طویل ترین رسم کی طوالت میں مزید اضافے کا سبب بنتی جا رہی تھی۔ پر کوئی اس کی طرف متوجہ ہی نہیں ہو رہا۔ بڑے بڑے عالم، مولوی و پنڈت، درس دینے والے، ستسنگ سنانے والے جن کی دیکھا دیکھی اثر آمیز ہے۔ جن کے ادا کیے ہوئے الفاظ انسانوں کی زندگیاں بدل رہے ہیں، ان کی بھی توجہ اس سماج دشمن رسم کی طرف نظر نہیں آتی کہ کاش بڑی بڑی باتیں سمجھانے والے اس رسم کا بائیکاٹ کر لیں تو "ہے تو یہ ایک رسم دکھاوا اور کیا؟" کاش کہ بڑی بڑی باتیں کرنے والے کبھی کہہ دیں کہ جہیز نہ لو یہ سماجی سزا ہے جو غربت میں پھنسے بیٹیوں کے والدین کو دی جا رہی ہے اور اس منفی عمل میں معاشرے کا ہر فرد کہیں نہ کہیں قصوروار ہے۔ ہم ہی زیادہ جہیز دینے والوں کو نگاہِ عزت بخشتے ہیں ان

کی مدح سرائی کرتے ہیں لیکن کاش کہ ہم چپ ہو جائیں، جہیز دیکھ کر چپ ہو جائیں تو بات شاید سنبھل جائے۔ یا پھر قانون نافذ کرنے والے ادارے اس کی طرف متوجہ ہوں، اضافی جہیز کو جرم قرار دیا جائے۔ وہ نا جانے کیا سے کیا سوچ جا رہی تھی۔ دیپک گھر آیا ہاتھ دھو کے کھانا کھانے کے لیے بیٹھا تھا اور اس کے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ نہ آئی تو کمل اسے بلانے چلا آیا۔ وہ فوراً باہر آنگن میں چارپائی کے پاس چلی آئی۔

کھانا کھانے کے دوران کملا نے ڈائننگ ٹیبل خریدنے کی خواہش ظاہر کی تو دیپک نے فوراً حامی بھر لی۔ اس نے اپنی ماں کا کوئی حرف کبھی رد نہ کیا تھا۔ نا جانے یہ اس کی خوبی تھی یا خامی۔ وچن نے تاسفاً اسے دیکھا تو یادوں کے کوزے پھر سے اس کے ذہن میں نیم وا کھلنے لگے۔ اس نے دیکھا وہ لباس عروسی میں ہے جو لال رنگ کی کام والی ساڑھی ہے۔ اس نے اس سے قبل یہ لباس زیبِ تن نہ کیا تھا اس لیے اسے ذرا مشکل درپیش تھی خیر مشکلیں تو آج کل یوں بھی بہت تھی پر آج اس کا دماغ سن سا تھا۔ شاید یہ اجنبی سا احساس ساجن کے گھر جانے کی سوچ کے سبب تھا یا پھر ماحول ہی ایسا تھا ہر سو دیپک کی باتیں تھیں۔ اس کا چرچہ تھا، اس نے شادی سے پہلے دیپک کو نہ دیکھا تھا اور اس کی اخلاقیات اسے آنکھیں موندنے کے لیے بھی "نہ" کہتی تھیں مگر دیپک کی یہ فراخدلی قابل فراموش نہیں تھی، اس نے آس باندھ لی کہ جو جہیز نہیں لے رہا وہ سطحی ذہانت تو ہرگز نہیں رکھتا ہوگا۔ یوں بھی سب اسے لکی کہتے تھے۔

دیپک بھی اس کا لک ہوگا۔ اس نے حالات کے سانچے میں فٹ ہونے کی اپنی سی کوشش کر لی، پر اس کے باوجود پھیروں سے ذرا دیر پہلے بھی اس نے باپو جی سے کہا تھا کہ وہ ان کا بیٹا بن سکتی ہے۔

باپو جی مسکرائے اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کے کہا۔ "اپنے گھر کو اپنا سرگ بنا لینا، میں سمجھ لوں گا تو میرا بیٹا ہی ہے۔"

وچن کا دل بھر آیا۔ آنکھوں میں آنسو ٹمٹمانے لگے۔

بیٹوں کے فرائض ماں باپ کے لیے بیٹیوں سے زیادہ ہوتے ہیں اور بیٹوں کو بیٹیوں کی نسبت والدین کی خدمت کے مواقع بھی زیادہ ملتے ہیں۔

''تمہیں پتا ہے وچن! بیٹیاں والدین کی خدمت کیسے کرسکتی ہیں؟''

وچن نے استفہامیہ انداز میں باپو جی کو دیکھا۔

''اپنا گھر بسا کے۔ ہاں وچن! بیٹیاں اپنے والدین کی بیٹوں کی طرح خدمت، اپنا گھر بسا کے کرسکتی ہیں۔ تمہارا اسرال جیسا بھی ہو نبھاہ لینا بٹیا، تو میں سمجھوں گا تم نے اولاد ہونے کے سارے فرض نبھاہ لیے۔''

''لیکن آپ باپو جی؟''

''میرا آشرواد سدا تمہارے ساتھ رہے گا، مجھے معاف کر دینا، میں تمہاری آگے پڑھنے کی اچھا پوری نہ کرسکا۔''

وچن کے حلق میں نوالہ پھنس گیا۔ وہ ذرا سا کھانس کر کھانا چھوڑ کر چلی گئی۔ اس کی آنکھ سے آنسو بہتے تھے۔ اب کیا ہو سکتا تھا وہ کیا کرسکتی تھی؟ اس کے بس میں کچھ نہ تھا۔ اس کے باپو جی شہر چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اسے اپنی بہن انیلا پہ غصہ آنے لگا۔ اس نے انیلا کو فون کیا، شکوہ کیا کہ اسے کیوں بے خبر رکھا گیا تو اسے پتا چلا کہ باپو جی نہیں چاہتے تھے اسے یا دیپک کو کچھ پتہ چلے، جس کی وجہ بھی وہ بہتر جانتی تھی۔ اس کے باپو جی ایک خوددار آدمی تھے اور زمانوں کی چلتی رسم کے مطابق بیٹی کے گھر کا تو پانی بھی نہ پیتے تھے۔ ایک بار دیپک نے ان کی مدد کرنے کو کہا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا کہ وہ بیٹی کے گھر سے مدد لے کر گنہگار نہیں بننا چاہتے۔ ایسے میں وچن کرتی تو کیا کرتی، اس کے پاس کیا تھا؟ وہ پاپڑ بیلنے والی معمولی سی لڑکی تھی اور ایسے گھر میں بیاہی گئی تھی جہاں اس کی ساس کی مرضی کے بنا پتا بھی نہ ہلتا تھا۔

اس نے اپنے کمرے میں بچی کچھی کوئی بچت تلاشنا شروع کی تو اسے چند ہزار ہی ملے پھر عبایا والی لڑکی کے دیئے گئے لفافوں پر اس کی نگاہ پڑی، اس نے تمام پیسے اکٹھے کر لیے اور انہیں گننا شروع کیا۔ ایک لاکھ سے اوپر کی رقم تھی اس کے پاس پر اتنی سی رقم ناکافی تھی؟ انیلا نے کہا تھا، باپو جی کی گاؤں والی زمین بھی گروی رکھی ہے جسے چھڑوانے کے لیے چھ لاکھ اور چاہیے۔

اس کا سر درد کرنے لگا۔ اسے کملا بلا رہی تھی۔

''ابھی اس وقت کیا ہوا؟'' اس نے جلدی جلدی پیسے چھپائے اور اپنے کمرے سے باہر آئی۔

دیپک چھت والے کمرے میں سونے چلا گیا تھا۔آج کمل بھی اس کے ساتھ سو گیا تھا،اس کی ساس آن لائن منگوایا ہوا ٹیبل پوش ہاتھ میں لیے ہوئی تھی۔

وچن نے ناسمجھی کی کیفیت میں اسے دیکھا۔

''یہ لو، دولوا سے۔کل کملا کے گھر میں کھانے کا میز آئے گا۔'' اس نے شاہانہ انداز میں وچن کی طرف میز پوش اچھالا۔

''کیسے ہنس رہی تھی تو اس دن؟ اب دھونا گھس گھس کر اس میز پوش کو۔'' کملا حکم دے کر چلی گئی تھی۔یہ بھی نہ اپنے نام کی واحد تھی۔

وچن نے سر پکڑ لیا۔باپو جی یہ کہاں پھنسا لیا اپنی وچن کو آپ نے؟ یہاں ہی مقدر لکھنا تھا تو اتنا پڑھایا لکھایا کیوں۔اس نے میز پوش ایریل سرف سے بھگوتے ہوئے سوچا۔بے وقت لانڈری کا کام ختم کر کے کمرے میں آئی تو فون چیک کیا۔عافی کے میسجز تھے،عبایا والی لڑکی کے میسجز تھے۔اس نے ہمیشہ کی طرح درزیوں کے ملازم کے میسجز اگنور کیے اور عبایا والی لڑکی کے میسجز دیکھے۔عافی سے اس کی بات چیت فراغت کے لمحوں میں ہوتی،وقت مل جاتا تو بات ہو جاتی ورنہ پھر کبھی۔بعد میں۔

عبایا والی لڑکی لالچ دینے کی کوئی ماہر لگتی تھی۔اس نے اس وقت وچن کو مزید پیسوں کی لالچ دی جس وقت اسے پیسوں کی سخت ضرورت تھی،اس نے کہا تھا کہ تم پریکٹیکل دینے آ جاؤ،بے شک کچھ زیادہ پیسے لے لو۔

یوں تو اس کے اخلاق کے کئی تقاضے تھے پر یہ وقت شاید ٹھیک وقت نہ تھا۔نہ باپو جی کا اور نہ ہی اس عبایا والی لڑکی بلیک میل بھی کر رہی تھی۔اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا اس نے عافی کو میسج کرنا چاہا پر پھر سوچا وہ کیا کہے گا فیصلہ اسے کرنا تھا۔اس نے بالآخر ایک حل تجویز کر لیا۔یہ بہت مشکل تھا اس کے لیے۔لیکن اس نے عبایا والی لڑکی کو i will come لکھ کر سینڈ کر دیا۔اسے اپنے باپو جی کا بیٹا بننے کا موقع مل رہا تھا تو ان کی یہ بٹیاں ذرا سا بیٹا بن جائے گی۔''اصول بنانے والوں سے ان کے اصول امتحان لینے آ جاتے ہیں۔''

وہ ہاں کر بیٹھی تھی۔ عبایا والی خوب صورت لڑکی کو جیسے ٹھنڈک میسر آئی۔ دل خوش ہو گیا۔ وہ جو چاہتی تھی وچن وہ، وہ کرتی جارہی تھی۔ پہلے اس جیسی ذہین لڑکی کو امتحان دینے پر راضی کرنا، پھر پیسوں کے لالچ میں لے آنا اور یہ پیسوں کا لالچ کب ختم ہوتا ہے؟ بڑھتا ہی بڑھتا ہے اور عبایا والی لڑکی نے اپنی مرشد خاتون عزت بی بی سے لالچ دینے کے کئی گن سیکھے تھے۔ یوں تو ہر ایک شخص لالچی ہوتا ہے۔ لیکن وچن پر تھوڑی سی محنت کرنی پڑ رہی تھی۔ پر کوئی نہیں یہ اس کا کام تھا۔ وہ وچن جیسی ذہین لڑکیوں کو جرم میں پھنسا کر نفع بخش ثابت ہو رہی تھی۔

❁ ❁

ناول **رنگِ حیات** کی اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی **20** تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

سمیعہ عمیر کا بہت خوبصورت نیا ناول

کر چلے جاں نثار ہم

ہر ماہ باقاعدگی سے کتاب گھر پر پیش کیا جا رہا ہے
نئی اقساط پڑھنے کیلئے وزٹ کریں

kitaabghar.com

عبدل باسط کا بہت خوبصورت نیا ناول

ادھورا پن

ہر ماہ باقاعدگی سے کتاب گھر پر پیش کیا جا رہا ہے
نئی اقساط پڑھنے کیلئے وزٹ کریں

kitaabghar.com

قسط نمبر2

وہ پریکٹیکل دے چکی تھی اور اب گروپ کی لڑکیوں سے ذرا فاصلے پر کھڑی تھی۔ دردانہ کا آج پریکٹیکل نہ تھا مگر وہ فری کے ساتھ وقت گزارنے کے لیے آئی تھی۔ آج دونوں غمگین اسٹائل میں سر جوڑے بیٹھی تھیں۔ ان کو دیکھ کر گروپ کی ایک لڑکی کو مذاق سوجھا تو پوچھا۔

"کیوں جوؤں کی منتقلی کر رہی ہو؟"

"یار بس ہماری دوست سکینہ، جس سے ہم بمشکل ہی ملی ہوں اور آج ہمیں اتنی پیاری ہو گئی ہو کہ لگتا ہے ہم اس کی دوستی کے بنا رہ ہی نہیں پائیں گی۔"

"ہاں، وہ تم دونوں کو اپنا پورا پیپر دکھاتی رہی ہے اور آج بھی فرزانہ کے پیپر پر ڈائی گرام اس نے ہی بنائی۔"

"ہائے ایسی دوست، ایسی مخلص دوست کو کیسے بھول سکتے ہیں ہم؟"

وچن ان سے دور تھی لیکن ان کی باتیں سن سکتی تھی۔

"تو نمبر لے لو۔ جب پاس ہو جاؤ تو ایک ہی کالج میں ایڈمیشن لے لینا۔"

"نمبر ہی تو نہیں ہے اس کے پاس۔" فری نے غمگین انداز برقرار رکھا تو دوری بھی اسی انداز میں اس کا ساتھ دینے لگی۔

"ہم نے مانگا تھا نمبر لیکن کہتی ہے اسے نمبر دینے کی اجازت نہیں۔"

دردانہ کی آنکھیں بھر آئی۔ وچن کیا کرتی، انہیں کیسے بتاتی کہ وہ وچن ہے سکینہ نہیں، کیسے بتاتی کہ اس کا نام، اس کی پہچان اس کا رول نمبر، سب بس ایک فراڈ ہے اور وہ کسی کی جگہ پیپر دینے کے جرم

میں ملوث ہے۔ ناجانے کیا ہوگا جب وہ اس کے سچ سے واقف ہوں گی۔ وہ پرسوچ انداز میں انہیں دیکھے جارہی تھی، کتنی الگ تھی وہ دونوں۔ ان کی خوش گپیاں، نوک جھونک، ان کی دوستی اپنی مثال آپ تھی، ان کی محبت اور دوستی بے مثال تھی۔ دونوں کی سنگت کا ایک دوسرے پر اتنا اثر تھا کہ دونوں جڑواں لگتیں، ملتا جلتا قد، بھری بھری پلکیں، موٹے موٹے آبروز، کالے گھنے بال، گوری سرخ رنگت، ایک سی پسند، اندازِ لباس اور ان کی ملتی جلتی صحت۔ ناجانے کیسا اتفاق تھا یا دل کو دل سے سچی مچی کی کوئی راہ تھی۔ یوں تو دور دور تک ان کے خاندانوں کی آپس میں کوئی کڑی نہ ملتی تھی۔ فرزانہ سندھی تھی اور دردانہ پشتو اسپیکنگ کی تھی۔ لیکن لگتا تھا جیسے ایک ہی ماحول میں پلی بڑھی ہوں۔ ان کے نخرے بھی ایک تھے اور پیارے سے تھے۔ ذرا سی گرمی میں اف اف کرنا، بارش کے بعد ذرا سے کیچڑ پر آخ آخ کرنا، پنکھے کی خر خر پر تنگ ہونا، گاڑیوں کے ہارن پر آنکھیں میچ لینا، ان کی ذرا ذرا سی بات پر لمبے چوڑے تبصرے۔

بھول تو وچن بھی انہیں نہ پائے گی، اس نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھ کر دل ہی دل میں کہا۔ اور ان کی دوستی کی لمبی عمر کی دعا مانگی ورنہ تو لڑکیوں کی دوستی منزلِ ہجر کے مسافروں کی سی ہوتی ہے۔ جن کے مقدر میں بچھڑنا لکھا ہی ہوتا ہے۔ جیسے وچن کی سہیلیاں ناجانے کہاں تھی یا پھر وہ سب وہیں تھی پر وچن ناجانے کہاں تھی یہاں۔ عبایا والی لڑکی کا انتظار کرتی، کبھی سوچا بھی نہ تھا وہ کسی دھو کے باز کا انتظار اس قدر بے چینی سے کرے گی اور وہ آ بھی رہی تھی۔۔

''میرا انتظار کر رہی تھی؟'' عبایا والی لڑکی مسکرا کر پوچھ رہی تھی۔ کچھ عجیب سی تھی اس کی ہنسی۔

آج اس نے کالے رنگ کی بجائے میرون اور گولڈن رنگ کا عبایا پہنا تھا، میرون رنگ کے اسکارف میں اس کی گوری رنگت کچھ اور بھی کھلی کھلی سی محسوس ہو رہی تھی۔

سورج کی چمک میں آج ذرا سا اضافہ سا لگتا تھا اس لیے ذرا سا موسم گرم تھا۔ اس نے اسکول کے گارڈن میں ایک بینچ پر بیٹھتے ہوئے اپنا اسکارف ذرا سا سرکایا تھا۔

آج اس نے نچلے لب کے عین وسط پر نفیس سی بالی پہن رکھی تھی اور ایسی ہی بالیاں اس کے کانوں میں بھی تھیں۔ وچن نے نگاہ ڈالی تو دیکھا اس کے کانوں میں یکے بعد دیگرے بالیاں اور کو کے

جیسے قطار کی صورت میں موجود تھے۔ وچن نے گن بھی لیے۔

اس نے کانوں میں چھ، چھ سوراخ کروائے تھے، جن میں اوپر کے سوراخ میں بالیاں اور پھر دو نگ والے کوکے، چوتھے سوراخ میں پھر بالی تھی۔ پانچویں میں ذرا بڑا نگ اور آخری سوراخ میں خوب صورت چھوٹے سے لمبے ائیر رنگ تھے۔ اسے اس کا انداز پسند آیا لیکن آج وہ کچھ بولی نہیں۔ وہ ایک دم خاموش لگتی تھی شاید کچھ کہنے کے لیے لفظ ڈھونڈ رہی ہو۔

''کیا سوچ رہی ہو؟''

''میں سوچ رہی ہوں یہ پہلی بار تو نہیں ہو سکتا نا؟''

عبایا والی لڑکی اس کی بات کا مفہوم سمجھ نہ پائی۔

''ایکدم پرفیکٹ کام پہلی بار نہیں ہو سکتا؟ کسی بھی کام کو ایک دم پرفیکٹ کرنے کے لیے تجربے اور پریکٹس دونوں کی ضرورت ہے، میرا نہ پکڑے جانا، کسی اور کی جگہ پیپر دینا، مجھے پیسے دینا، نقل کروانا سب پہلے سے ڈن تھا۔ سب پرفیکٹ تھا۔''

عبایا والی لڑکی مسکرائی اور اس کی جانب خوشگواری سے دیکھا۔

''اب کیا؟ اب میں جان گئی ہوں سب کچھ۔ یہ پہلی اور آخری بار والا کوئی جرم نہیں، تم اب مجھ سے یہ جرم کرواتی رہو گی، کیونکہ تمھارے پاس ثبوت ہیں، ریکارڈنگ موجود ہیں۔ ذ'

''کافی سمجھ دار ہو تم۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔ اس کا ہر انداز دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔

''میں کافی صبر مند بھی ہوں۔ اس لیے تمہیں ہرگز تنگ نہیں کروں گی۔ چپ چاپ تمہارا کام کروں گی۔ لیکن اس سب کے بدلے میں مجھے تمہاری مدد چاہیے۔''

''کیسی مدد؟'' اس نے پیارے سے انداز میں پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے طلب کیا۔

''میں، میرے باپو جی کی مدد کرنا چاہتی ہوں، ان کی زمین گاؤں میں گروی رکھی ہے۔ انہوں نے تقریباً رقم لوٹا دی ہے لیکن سات لاکھ کی رقم اب بھی رہتی ہے، دو لاکھ تک میرے پاس جمع ہو چکے ہیں۔ تم پریکٹیکل کے بھی پیسے دو گی؟ بس پانچ لاکھ کی ضرورت ہے۔ اگر تم مجھے پانچ لاکھ ایڈوانس میں دو

تو میں سکینہ کے fsc کے پیپر بھی دوں گی۔"

"اور دیٹس گریٹ۔" وہ تو جیسے خوش ہی ہوگئی۔ وچن اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

"اب کیا؟ ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟"

"نا جانے کون ہو تم، پیاری سی چڑیل؟"

"ہاں! ہاہاہاہا۔" اس کا قہقہہ جان دار تھا۔

"اف، یہ وچن کی منہ کی منہ پر پھول دینے کی عادت۔ وہ تو ہنستی ہی رہی۔

"پیاری چیل۔" اس نے اپنے حسن کی ہر انداز میں مدح و ستائشیں سنی تھیں لیکن اس کی توصیف کسی نے ایسی تو نہ کی تھی۔

"پیاری سی چڑیل! تمہیں پانچ لاکھ دینے کو تیار ہے پر تمہیں ایک اگریمنٹ سائن کرنا ہوگا کہ تم مکرو گی تو نہیں؟"

"کردوں گی، میں مکرنے والوں میں سے نہیں۔"

"ہاں پتا ہے مجھے۔ تم نے اخلاقیات پڑی ہے، ویسے تم زیادہ پیسے بھی لے سکتی ہو، آج کل اتنی سستی ڈگریاں کہاں ملتی ہیں؟"

"نہیں بس پانچ لاکھ ہی۔ ڈگریاں واقعی بہت قیمتی ہوتی جا رہی ہیں۔ لیکن میں نے اخلاقیات پڑھی ہے۔" اس نے ٹھہر ٹھہر کے کہا اور چلی آئی۔ بالآخر اسے اپنے بابو جی کا بیٹا بننے کا موقع ملا۔ لیکن کاش بابو جی اسے آگے بڑھنے دیتے تو بات ذرا مختلف ہوتی۔ کم از کم اسے اپنے اخلاقی اصولوں سے سمجھوتا نہ کرنا پڑتا۔ اسے شدید افسوس تھا، شدید افسوس..... عبایا والی لڑکی اسے جاتے ہوئے اپنی خوب صورت آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ پلکیں جھکاتی تو دل کرتا واپس نہ اٹھائے۔ اس کی جھکی آنکھوں کو دیکھنے کے نا جانے کتنے منتظر تھے۔ اس نے پلکیں اٹھائیں تو دیکھا، اس گلز ہائی اسکول کی لڑکیاں اسے کس انداز سے دیکھ رہی تھیں۔ اب اس نے پلکیں اٹھالی تھیں اور لڑکیاں دیکھتی ہی رہی تھیں۔

عبایا والی لڑکی مسکرائی۔ یہ روز کا معمول تھا۔ اس کے موبائل پر ایک نمبر چمک رہا تھا۔

''جی عزت آپا۔''

''وہ لڑکی مان گئی؟''

''ہاں مان گئی۔کافی سمجھ دار لگتی ہے۔سب سمجھ بھی گئی ہے۔اتنی جلدی ہمیں کون سمجھ سکتا تھا لیکن آپ فکر نہ کریں۔وہ اب کہیں نہیں جا سکتی۔آپ نے خواہ مخواہ مجھے بھجوایا۔یہ سب تو کوئی بھی کر سکتا تھا۔یہ سب تو میری توقع سے زیادہ آسان نکلا۔لالچ کا ایک اور منظر بہت آسان تھا۔اس نے وچن کو دور سے دیکھتے ہوئے کہا۔جو بڑی بڑی آنکھوں میں خفگی سمائے پلر سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔

''زندگی امتحان لیتی ہے تو ڈیٹ شیٹ کے مطابق نہیں۔یہاں سب غیر متوقع ہوتا ہے جیسے سرپرائز پیپر۔

ایک امتحان وہ دے رہی تھی، دوسرا امتحان ہونے والا تھا۔اس نے اپنے اصولوں کے ساتھ سمجھوتا کیا تھا ان کا بھائی کاٹ نہیں۔

☆......☆......☆

آج موسم کل سے بھی زیادہ بھڑک رہا تھا۔جاتے جاتے گرمی جیسے کہنے آئی ہو،''میں ابھی گئی نہیں۔''سورج اس نئے دن کے کنوس پر پوری ایمانداری سے چمک رہا تھا ذرا بھر بھی اس کی روشنی کسی بدلی کی اوٹ میں نہ چھپ رہی تھی۔اس کے باوجود ہوا کے جھونکوں کی مہربانی تھی کہ جب پسینہ ماتھے پر ٹپکنے لگتا تو اسکول کے گارڈن میں قطار سے لگے درخت ہوا سے جھولتے تو پسینے کی بوندوں کو سکھا جاتی۔

یہاں جیتا جاگتا live یواپریشن evaporation کا عمل جاری و ساری تھا اور ہماری فری؟ فزکس کے پریکٹیکل کے دن viva کے دوران ایگزامنر کے سوال پر ہاتھوں سے ہاتھ مسل رہی تھی۔اس کا چہرہ سرخ سرخ سا ہو رہا تھا۔

فری نے وچن کی جانب مدد طلب نگاہ سے دیکھا۔وچن اسے اشاروں میں سمجھا رہی تھی۔پر اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ایگزامنر سوال پوچھنے کے بعد کسی پیپر پر جھک کر کوئی کام کر رہا تھا۔وچن اسے سمجھ رہی تھی۔اس نے گیلے کپڑوں سے پانی نچوڑنے والے انداز میں اپنے ہاتھ گھمائے۔

موٹی لڑکی نے سمجھ کر کہا:

''سر! جیسے ہم کپڑے دھوتے ہیں۔''

وچن نے پھر کپڑوں کو رسیوں پر ڈال کر سکھانے کے انداز میں اشارہ کیا۔

موٹی لڑکی نے بے ساختہ کہا۔

''اور پھر کپڑوں کو سکھانے کے لیے تار پر ڈال دیتے ہیں۔''

''تو؟'' سر نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھ کر پوچھا۔

''تو پھر؟ کپڑے سوکھ جاتے ہیں اور کیا۔'' اس نے جواب دے دیا لیکن اپنے جواب پر وہ خود حیران تھی۔

''یہ وچن نے اس سے کیا کہلوایا۔ اس نے ناسمجھی کے عالم میں وچن کو دیکھا پر وہ تو ہاتھ کے اشارے سے ویل ڈن کا اشارہ کر رہی تھی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے اکیزمنیر کو دیکھا جو پرستائش نظروں سے اسی کو دیکھ رہا تھا۔ فری نے شرمندگی سے آنکھیں جھکا لیں۔ اسے لگ رہا تھا شامت آئی۔

''سب نے رٹی رٹائی تعریفیں سنائی ہیں لیکن تم نے جو مثال دی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارا کنسیپٹ بھی کلیئر ہے شاباش۔''

موٹے موٹے گالوں پر جیسے تبسم کے شگوفے کھل اٹھے۔ وہ اپنی تعریف پر پھولے نہ سما پا رہی تھی۔ اس کا دل چاہا وہ اٹھ کر وچن کو گلے لگائے لیکن وہ پریکٹیکل دے رہے تھے ڈسپلن کا بھی تو خیال رکھنا تھا۔

☆......☆......☆

فری کا دل خوشی سے لبریز تھا۔ اس پدر شاندار پیپر ہوا اور viva تو اور بھی زیادہ شاندار۔ وہ فزکس لیب سے لا...... لالا...... لا...... گاتے ہوئے نکلی، سامنے ہی دوری کھڑی تھی۔ دونوں موٹیاں ایک دوسرے سے تپاک سے ملیں اور پھر فری نے دوری کو بتایا، کپڑوں کا سکھ جانا cvaporation کا عمل ہوتا ہے۔

اب دوری بھی فری کی طرح لا......لالا......لا......گا رہی تھی۔ دونوں بہت خوش تھیں۔

آج پریکٹیکل alphabetivally ہو رہا تھا۔ فری کا نم ''f' سے شروع ہوتا تھا تو اس کا viva پہلے ہوا۔ وچن یعنی سکینہ کا ''s'' سے نام شروع ہوتا تو اس کا بعد میں viva ہوا۔

وچن ایگزامینر کے سارے سوالوں کا ٹھیک ٹھیک جواب دے کر جیسے انہیں ورطے میں چھوڑ آئی تھی۔ میٹرک کی لڑکی اور سارے کنسیپٹ کلیئر۔ ایگزامینر نے اس کے یکے بعد دیگرے سوالات پوچھے تو وہ کسی سوال پر کوئی گمان ظاہر کرے لیکن وچن تو چپ ہی نہ ہوتی تھی۔ نہ گھبراتی تھی نہ کچھ سوچتی تھی۔

بالآخر ایگزامینر نے ہی you can go now کہہ کر اسے رخصت کیا، اسے پورے پورے مارکس دیئے اور شاباش کہہ کر بتایا بھی کہ وہ اسے پورے مارکس دے رہا ہے بلکہ اس کے اختیار میں بس اتنے ہی مارکس تھے۔ اگر اس کا بس چلتا تو تمام اسٹوڈنٹ کے مارکس اسے دے دیتا۔

''بہت آگے جاؤ گی بچی تم۔keep it up''

وچن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کے اساتذہ بھی اسی طرح اس کی حوصلہ افزائی کرتے آئے تھے لیکن باپو جی کاش کہ سمجھ پاتے۔ کاش کہ کوئی اسے کچھ کر دکھانے کا بس ایک موقع فراہم کرتا لیکن بس۔

وہ دکھی دل لیے فزکس کی لیب سے باہر نکلی تو فری اور دوری نے اسے گھیر لیا۔ وہ دونوں گنگنا رہی تھیں اور وچن ان دو موٹیوں کے درمیان برگر کا پچکا ہوا چکن لگ رہی تھی۔ لیکن وہ ان کی سچی دوستی اور مخلص فطرت سے بھی تو بخوبی واقف ہو چکی تھی۔ اس کا من چاہتا وہ صدا ان کی اخلاص کندہ دوستی کے سائے میں رہے۔ ایسے بے کپٹ، یار صادق کہاں ملتے ہیں لیکن وہ کیا کرتی؟ کیسے ان راست بازوں کو حقیقت بتاتی۔ کاش یہ کھرے باوفا دوست ہمیشہ اس کے دوست رہ سکتے۔ خیر اگر ہمیشہ نہیں تو کل تک کا دن تو تھا وہ ان کے ساتھ رہ کر خوب انجوائے کرنا چاہتی تھی، وہ ان کے سامنے اپنا سچ نہ لا سکتی تھی لیکن وہ یہ بھی چاہتی تھی کہ وہ سدا ان کے ذہنوں میں اسی طرح رہے جیسے وہ اسے سمجھتے تھے۔ چشما ٹو، پڑھاکو، ذہین اور خوش اخلاق۔

جرم کرنا اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا مشکل ان کا اعتراف۔ وہ بھی اعتراف جرم نہ کر سکی۔ اس روز موٹی لڑکیوں نے اس چھوٹی سکینہ کے ساتھ مل کر خوب مستیاں کیں۔ سارے اسکول میں اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتے پھرتی رہیں۔ آج وہ عبایا والی لڑکی سے بھی نہ ملی، بس ان کے ساتھ ہی وقت گزارا۔ آئس کریم کھائی۔ چھوٹے چاول، سموسوں کے ساتھ بڑا کھایا۔ خوب ہلا گلہ کیا اور تھکی تھکی گھر آئی تو دیکھا گھر کے باہر محلے کی عورتوں کی بھیڑ سی تھی۔

وہ سمجھ چکی تھی۔ سیٹھ دیپک نے ماں کی تابعداری اور اطاعت کا ایک اور مظاہرہ پیش کیا تھا، اب گھر میں ڈائننگ ٹیبل موجود تھا۔

"چلو اچھا ہے کچھ دن کملا پاپڑ بیلنے کی بجائے شو مارتی رہے گی اور اسے کچھ تو آرام ملے گا۔"

☆......☆......☆

آج پریکٹیکل کا آخری دن تھا۔ یعنی اسکول کا آخری دن تھا۔ جہاں پیپروں سے جان چھوٹ جانے کی خوشی تھی وہاں دل اسکول سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جدا ہونے کے بوجھ سے دب سا رہا تھا۔ اسکول کا پہلا دن کسی کو یاد ہو نہ ہو، آخری دن سب کو یاد رہتا ہے۔ آج سب ایک دسورے کو ایسے دیکھ رہے تھے، ایسے مل رہے تھے کہ نا جانے پھر کب ملنا نصیب ہو

یہ سب لڑکیاں تھی۔ لڑکیاں تو پہلے ہی ملتی نہیں اور اگر کبھی مل بھی جائیں، آمنے سامنے سے گزر بھی جائیں تو نقاب وغیرہ کی وجہ سے ایک دوسرے کو پہچان نہیں پاتیں۔ وچن ان کو اچھی طرح سمجھ سکتی تھی۔ آج اسے اپنے اسکول کا آخری دن یاد آ رہا تھا۔ اس کی کلاس میں ایک کم تیس لڑکیاں تھیں۔ جن میں سے وہ بس سات، آٹھ لڑکیوں سے ملی تھی۔ باقی نا جانے کہاں تھیں؟ وہ اپنے اسکول کے دنوں کی یاد میں بیٹھی تھی کہ دوری اور فری اچانک سے اس کی تنہائی میں مخل ہوئیں اور چلائیں۔

"سکینہ۔"

وچن نے ان کی طرف دیکھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح ہشاش بشاش اور خوش و خرم نظر آ رہی تھیں۔ دوری کے ہاتھ میں ایک بڑا سا ہاٹ پاٹ تھا۔ اور دوسرے ہاتھ میں ایک شاپر جس میں ڈسپوزایبل

برتن موجود تھے۔

''کیا لائی ہو؟''

''بر...... یانی...... ٹن ٹرن......'' اس نے بڑے ہی شوخ انداز میں کہا۔

''اور یہاں ہے، رس گلے اور رس...... ملائی...... لا...... لا...... لالا۔''

''اوہ...... واؤ...... مجھے تو بھوک لگ گئی۔ لیکن مجھے بھی کہا جاتا کہ تم دونوں کا ون ڈش پروگرام ہے تو میں بھی کچھ بنا آتی۔''

''تم نے پہلے ہی ہمارے لیے کیا کم کچھ کیا ہے؟'' دوری نے کہا تو سب کے دل بھر آئے۔ کچھ لمحوں کے لیے وہ تینوں خاموش ہی رہے اور پھر فری نے کہا۔

''آج کی پارٹی سکینہ کے لیے۔''

ان کی عمر میں وہ بھی ایسے ہی دوستوں سے اپنی محبت کا اظہار کرتی تھی۔ وچن کو ان پر بہت سارا پیار آ گیا۔ اس نے دونوں موٹیوں کے بھرے بھرے گال پیار سے کھینچے اور دل سے ان کا شکریہ ادا کیا۔ پر ابھی کہاں۔ ابھی تو اسکول کے اس آخری دن میں ان کے پاس اپنی پیاری دوست سکینہ کے لیے بہت کچھ تھا۔ انہوں نے ''لا...... لا...... لالا'' کھاتے ہوئے وچن کو گارڈن میں بٹھایا اور خوب صورت اور نفیس پیکنگ میں لپٹے چند گفٹس اسے دیئے اور اتنا ہی نہیں ان کے پاس خوب صورت کارڈ بھی تھے اپنی سکینہ کے لیے۔

وچن نے پھر سے شکریہ کیا اور دونوں کو گلے لگا لیا۔ ان کی آنکھیں بار بار نم ہو جاتی تھیں لیکن ان کا جرأت ضبط بھی کمال کا تھا جہاں جدائی کے غم سے لب کپکپاتے وہاں وہ خوش فطرت لڑکیاں اپنے آنسو چھپا کر بڑے دل کا مظاہرہ کرتیں۔ وہ اپنی دوست کو آنسوؤں اور سسکیوں کی موجودگی میں الوداع نہیں کہنا چاہتی تھیں۔

تینوں اسکول کے برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی تھیں۔ اسکول میں ترتیب وسیکنڈ ٹائم کی کلاسز جاری تھیں۔ اس لیے اس پہر اس وقت یہاں خلافِ معمول خاموشی سی تھی۔ وچن نے کینٹین سے کولڈ

ڈرنکس اور چپس بھی منگوائے تھے۔اچھی طرح میٹھا کھایا اور انہیں بھی کھلایا۔آخر میں انہوں نے بریانی کا ہاٹ پاٹ کھولا۔

بریانی بہت لذیز تھی۔لگتا تھا دوری نے پیار گھول گھول کر بنائی تھی۔وچن کا بھی دل بیٹھا جارہا تھا کتنی محبت تھی ان کے ہر انداز میں اس جھوٹی سکینہ کے لیے؟

وچن ان کی دوستی کی دوستانہ انداز میں کھوئی سی تھی کہ بریانی کھاتے ہوئے اس کے منہ میں چکن کا ذائقہ گھلنے لگا۔اس کے دماغ میں جیسے اچانک ہی کوئی دھماکہ سا ہوا۔اس نے اپنے ماحول سے خود پر چھائی ہوئی کیفیات کا شیشہ چٹخا اور پوچھا۔

''آج کون سا دن ہے؟''

''فرائیڈے۔'' دونوں نے یکساں جواب دیا۔

''فرائیڈے۔''

''فرائیڈے۔جمعہ یعنی شکروار؟'' اس کے تو ورت چل رہے تھے وہ شکروار کو چکن کبھی نہیں کھا سکتی تھی۔اس نے عمر بھر کا ورت رکھا تھا۔بے شک کچھ بھی ہو جائے۔وہ شکروار کو نون وتج نہ کھاتی تھی اور بچپن سے آج تک نہ کھایا تھا۔

اس کا کھانا حلق میں پھنسنے لگا۔اسے شدید کھانسی لگی تھی۔فرائیڈے کا سن کر اس کا اپی گلوٹس ''epiglottis'' سینس لیس ہو گیا تھا۔فری اور دوری نے اپنی پلیٹس فوراً نیچے رکھی اور اس کے پاس چلی آئی۔فری نے اسے پانی پلایا اور دوری نے اس کی پیٹھ تھپتھپائی اور فکرمندانہ انداز میں پوچھا۔

''تم ٹھیک تو ہو؟''

''ہاں،بس ذرا مرچ لگ گئی۔جھوٹی سکینہ نے پھر سے جھوٹ بولا۔کیسے کہتی کہ وہ فرائیڈے کو چکن نہیں کھاتی اور آج ہوش سنبھالنے کے بعد پہلی بار اس کا ورت ان کی اموشنل دوستی کی وجہ سے ٹوٹ چکا ہے۔خیر اس کی ماں کہتی تھی،بھول چوک معاف ہوتی ہے۔اس نے بھی جان بوجھ کر نہیں کھایا تھا۔ ویسے بھی اس کی اخلاقیات کہاں اسے دل توڑنے کی اجازت دیتی تھی۔''

دوری نے پیار سے بریانی بنائی تھی اور اب فری اس سے زیادہ مرچوں کے استعمال پر خفا سی لگ رہی تھی۔

''لیکن میں نے تو زیادہ مرچیں ڈالی ہی نہیں؟'' دوری نے عالم پشیمانی سے کہا تو آنکھ بھر آئی۔

''تم جانتی تھی نا دوری، ہم یہ دن سکینہ کے لیے یادگار بنانا چاہتے تھے۔''

''ہاں فری very sorry یار!''

''ارے تم دونوں زیادہ سوچ رہی ہو میں ٹھیک ہوں ڈبس شاید گرم مسالے کی کوئی ثابت کالی مرچ تھی۔ بریانی بہت مزے کی بنی ہے تمہارے ہاتھ میں تو جادو ہے دوری۔'' وچن نے چکن کا پیس ہٹا کر بریانی کے چاول میں رکھتے ہوئے کہا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اپنے رب سے دل ہی دل میں معافی بھی مانگتی جا رہی تھی۔

''اچھا'' دونوں وچن کو بریانی کھاتے دیکھ کر خوش ہوگئی۔ ان کی عمر میں چھوٹی چھوٹی باتیں بھی دل اٹھا اٹھا کے رکھتی ہیں ورنہ تو معاملاتِ خیر بھی زیادہ خیر نہیں لگتے۔

وہ کھانے میں مصروف تھیں، وچن نے ان کی نظر سے بچا کر چکن کے پیس اپنے سامنے والی کیاری میں چھپا دیئے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ بے دلی سے چکن کے ذائقے والے چاول چبا رہی تھی۔ اچھا ہے دونوں مصروف گفتگو تھیں۔ اب وچن بھی ان کی باتیں سن سن کر ان کے تمام دوستوں کو جاننے لگی تھی وہ باتوں میں مصروف تھیں کہ گروپ کی دو لڑکیاں ان کی طرف بھگاتی چلی آئیں اور ہانپتے ہانپتے کہا۔

''کہاں ہو تم دونوں پریکٹیکل شروع ہے؟''

''ارے ہمیں تو پتا ہی نہ چلا۔'' وچن اور فری اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''تم دونوں جاؤ میں یہ سب دیکھ لوں گی۔'' دوری نے ان کے جانے کے بعد سب پھیلاوا سمیٹا۔ وہ دونوں بائیو لیب کی جانب جا چکی تھیں۔ دوری نے بچے ہوئے چاول اور گرے ہوئے چپس کیاری میں کیڑے مکوڑوں کے لیے رکھے تو اسے وہ چکن بھی نظر آیا جو وچن نے ان سے چھپا کر کیاری میں رکھا تھا۔ اس سب سے وہ اندھے اعتماد والی کم سن سی لڑکی کوئی اندازہ نہیں لگا سکتی تھی۔

''اگلی بار کابلی پلاؤں بناؤں گی۔لیکن کاش،سکینہ زندگی ایک اور موقع دے۔''اس کا دل بھرا بھرا سا تھا۔

☆......☆......☆

بایو لیب میں منظر جیسے اونگھ سا رہا تھا۔وہاں موجود تمام نفوس سست کام کر رہے تھے۔جیسے نیند میں جھپکی لیے جا رہی ہوں۔وچن نے اپنے پیپر کا کام ختم کیا تو دیکھا سب لڑکیوں پر جیسے غنودگی چھائی تھی۔خود وہ بھی صبح والی تازگی محسوس نہیں کر رہی تھی۔آج ان کا پریکٹیکل سیکنڈ ٹائم تھا۔اس نے کہیں ٹھیک ہی پڑھا تھا کہ ایک تحقیق کے مطابق صبح ہونے والے پیپرز پر اسٹوڈنٹ زیادہ فوکس کر پاتے ہیں بہ نسبت سیکنڈ ٹائم کے،اس کے پیچھے کی حقیقت یہ ہے کہ صبح کے وقت کم کھایا جاتا ہے اور پیٹ بھی زیادہ تر خالی رہتا ہے۔خالی پیٹ ہونے کی وجہ سے ذہن زیادہ فوکس کر سکتا ہے اس کے علاوہ صبح کے وقت انرجی بھی زیادہ ویسٹ نہیں ہوتی۔یہی وجہ تھی کہ آج گروپ کی تمام لڑکیوں کو نیند آرہی تھی تقریباً سب ون ڈش پارٹی انجوائے کر آئی تھیں اور اب سب سے پیپر لکھنا محال ہو رہا تھا۔ایگزامینر بھی سوئے سوئے سے لگ رہے تھے۔viva میں سب animals کی کلاسیفکیشن کے ایک ہی جیسے سوال پوچھے اور بس یہ جا اور وہ جا۔

سب چلے گئے۔وچن بھی لیب سے نکل کر اسکول کے گارڈن یں نرم گھاس پر آبیٹھی۔آج اسے اپنے سفید براک یونیفارم کے گندے ہونے کی فکر نہ تھی آج کے بعد یہ یونیفارم ناکارہ تھا۔ذرا سی دیر کے بعد عبایا والی لڑکی اس کے پاس آبیٹھی۔آج بھی اس نے وہی گولڈن اور میرون رنگ کا عبایا پہنا تھا اور وہی خوب صورت نفیس بالی اس کی تھوڑی پر جھول رہی تھی۔البتہ آج اس کے کان اور بال اسکارف سے چھپے تھے۔اس نے آتے ہی پوچھا۔

''کیسی ہو؟''اور اس سے قبل کہ وچن کوئی جواب دے۔اس نے عجلت میں ایک لفافہ اس کی جانب بڑھایا اور کہا۔

''پورے پانچ لاکھ ہیں۔''

اور ایک بار پھر وچن کے کچھ کہنے سے پہلے اس نے دوسرا لفافہ نکالا اور کہا۔

''یہ بھی لو تین پریکٹیکل کے تیس ہزار۔''

''تم......تم مجھے......''

''کیا ہوا؟''

''تم مجھے سچ میں پیسے دے رہی ہو؟''

''کیوں، تمہیں کیا لگ رہا تھا؟''

''ظاہر ہے یہی لگ رہا تھا کہ تم نہیں دو گی۔''

اس کی صاف گوئی لے لحاظ ہوتی، وہ مسکرائی اور کہا۔

''نہیں دیتی لیکن پھر تمہارے بابو کا پتا لگوایا تو دل نے کہا دے دوں۔ ویسے بھی یہ تمہارے ہی پیسے تھے۔''

''تم بابو جی سے ملی؟'' وچن کا چین جیسے چھم سے اُڑ گیا۔

''ارے ریلیکس۔ ہمارے پاس کئی طریقے ہیں، ملے بنا سب کچھ جاننے کے۔''

''ہمارے پاس؟ کہتی تو ایسے ہو جیسے فلموں میں گنگسٹر بات کرتے ہیں اور یہ میرے پیسے کیسے ہیں؟''

''تمہارے ہی ہیں۔'' پھر سے وہی جواب اور بے فکرا انداز۔ وچن دیکھتی ہی رہ گئی۔

''ایسے مت دیکھو۔ تمہاری آنکھیں کچھ ایکسٹرا لارج ہیں۔''

''تم سچ سچ بتاؤ گی۔ کچھ یا آدھے ادھورے جھوٹوں پر ہی میرا گزارا ہونا ہے۔'' اس نے آنکھیں مزید پھیلا کر کہا تو عبایا والی لڑکی شرارتاً گھبرائی اور اسی انداز میں کہا۔ ''بتاتی ہوں۔ اتنی بڑی آنکھیں ہیں تمہاری۔ ذرا اور پھیلائیں تو آس پاس کے تالابوں کی مچھلیاں تیرنے آنے لگیں گی۔''

عبایا والی لڑکی کی اس بات پر اس نے نظریں موڑ لیں اور کہا۔ ''میں اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''بڑی آئی۔ اتنے پیسے ہاتھ میں آگئے ہیں تمہارے اور تم ہو کہ شکریہ ادا کرنے کی بجائے نخرے

کر رہی ہو۔"

"جب پتا ہے کہ تم سے تعلق مہنگا پڑنے والا ہے تو شکریہ کیسا؟ کون سا میں کوئی اچھا کام کر رہی ہوں اور کون سا تم میری کوئی مدد کر رہی ہو۔ جب جذبہ خیر ہی نہیں تو خوش فہمی کیسی؟"

"اتنی بڑی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ میں زیادہ پڑھی لکھی نہیں۔"

وہ خاموش رہی۔ دل اداسیوں کی مالا جپ رہا ہو جیسے ایسا بوجھ تھا کہ بس۔ وہ کیا کہتی۔

"ویسے اگر میں کہوں کہ یہ پیسے تمہارے ہی ہیں تو کیا موڈ ٹھیک ہو جائے گا تمہارا؟"

"یہ تم پہلے بھی کہہ چکی ہو۔"

"او ہاں۔ تم یہی تو پوچھ رہی تھی آنکھیں پھیلا پھیلا کے۔" اسے جیسے اسے تنگ کر کے مزہ آ رہا تھا۔ وچن بھی سمجھ گئی تھی وہ بے جا اس کا سر کھپا رہی ہے۔ آج شاید فارغ تھی ورنہ اتنی بڑی باتیں کہاں کرتی تھی۔ اس نے جانے کی ٹھانی، شام ہونے کو آئی تھی۔ وہ جلدی جلدی فری اور دوسری کے کارڈز اور گفٹس سمیٹنے لگی اور جانے لگی۔

"بات سن کر جاؤ۔ میرے دل کا بوجھ کم ہو جائے گا۔"

وہ پل بھر کو رکی۔ نا جانے کیوں۔ شاید آج اسے اس کی سننی تھی۔ یا پھر شاید خود کو کوئی جواز دینا تھا۔ کوئی بہانہ تو ہو جو اس غیر اخلاقی سرگرمی کی وضاحت کر سکے۔

"تم یہ سوچ لو نا۔ ڈگریاں بہت مہنگی ہوتی جا رہی ہیں۔ میں سکینہ سے ایک پیپر کے بس دس ہزار کبھی نہیں لے سکتی تھی۔" عبایا والی لڑکی نے اس کے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے کہا تھا۔

اس کا اتنا کہنا تھا کہ وچن الٹے پاؤں چل کر جیسے عبایا والی لڑکی کے پاس گارڈن کی گھاس پر آ بیٹھی اور پوچھا:

"تم کتنے لیتی رہی ہو سکینہ سے ایک پیپر کے؟"

"یہ سوال نہ پوچھو تو اچھا ہے۔"

"کیوں؟ کیوں نہ پوچھوں؟"

''کیونکہ میں جواب غلط ہی بتاؤں گی۔''اس نے اپنی مقرر شوخ ادا سے کہا اور جانے لگی۔

''نام کیا ہے تمہارا، نام تو بتاتی جاؤ۔ذ'

''عبایا والی لڑکی ،ٹھیک ہے۔''

''لیکن؟''

''لیکن ویکن چھوڑو۔اب بس اپنے بابو جی کی مدد کرو اور تم نے اخلاقیات پڑھی ہے اس لیے میں یہ یقین کرتی ہوں کہ تم سکینہ کے ایف ایس سی کے پیپرز تم ہی دو گی؟''اس نے جیسے تصدیقی طور پر اس کی رائے طلب کی تھی اور اس نے اس کی توقع کے مطابق ہی اپنا سر ہاں میں ہلایا اور کہا۔

''ہاں۔میں نے اخلاقیات پڑھی ہے تمہارے پیسے لے کر بھاگوں گی نہیں۔ذ'

''تم بھاگ سکتی بھی نہیں۔''اس کے انداز میں بے فکری تھی۔''ویسے پانچ لاکھ ہی تو تھے زیادہ بڑی رقم نہ تھی تم کسی سے بھی مانگ سکتی تھی۔تم سیٹھ دیپک کی بیگم ہو اور اس industrial عافی سے خاصی دوستی ہے تمہاری۔''

''کیا کہا تم نے؟industrial عافی؟''

''ہاں industyial عافی۔''اس نے کندھے اچکا کے کہا اور ایسے چل دی مانو جیسے غائب ہی ہو گئی ہو۔

درزیوں کا ملازم industrial عافی۔وہ اسے سوچوں کے سمندر میں غوطے کھاتے تنہا چھوڑ گئی تھی۔اس نے فوراً اپنا موبائل نکالا۔عافی کے متعدد میسجز اور کالز آئی ہوئی تھیں۔اس نے ابھی ٹھیک سے میسجز دیکھے بھی نہیں کہ فری اور دوری اپنے مخصوص انداز میں اچانک ہی جیسے وارد ہوئی اور اس سے آ کر لپٹ گئی۔

''تمہارا vival ہو گیا؟ہمیں تمہارے لیب سے باہر آنے کا پتا ہی نہ چلا؟''

''گھر جا رہی ہو کیا؟اتنی جلدی۔''

وچن نے ابھی کچھ کہا ہی نہ تھا کہ فری کی آنکھیں بھر آئیں۔

''ہمیں جانا ہے ہی نا۔'' وچن نے فری کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''i miss u sakina۔'' دونوں نے یکساں کہاں تو وچن کی بھی آنکھ بھر آئی۔

''مجھے بھی تم دونوں بہت یاد آؤ گی۔''

''میرا گھر کرائے کا ہے لیکن فری لوگوں کا اپنا گھر ہے۔ہم نے فری کے گھر کا ایڈریس کارڈ میں لکھا ہے اور اپنا نمبر بھی۔تمیں جب موقع ملے......'' اس سے آگے کی وہ کہہ نہ سکی۔

وچن نے ایک باران دونوں کو گلے لگایا اور کہا۔''چلتی ہوں۔''

موتیوں نے دل بھینچ کر بھرے بھرے دل سے زبردستی مسکرایا اور ہاتھ ہلا ہلا کر بھائے کہا۔

وچن ان کے گفٹ اور کارڈ سمیٹ کر بھرے بھرے قدم اٹھا کر چلنے لگی۔اب یہاں روکنا محال سا تھا۔

موتیاں اسے اسکول کے گیٹ تک چھوڑنے آئیں اور اس کے گلی مڑنے تک ہاتھ ہلا ہلا کر بائے کرتی ہیں۔وچن نے بھی آخری بار انہیں بائے کہا اور آگے چل دی۔وہ جانتی تھی اب دونوں موتیاں جوؤں کی منتقلی کرنے والے انداز میں سر جوڑ کر بیٹھیں گی اور ہر آنے جانے والے سے اظہارِ غم کر کے کہے گی۔ہماری دوست ہماری پیاری دوست سکینہ چلی گئی۔

چلی گئی اور ایسا ہی ہوا تھا۔پریکٹیکل سے فارغ ہو کر آئی ہوئی لڑکیوں کے لیے وہ دونوں موتیاں جیسے پژمردگی کا نقیض ہوں۔

☆......☆......☆

آج چندرات تھی یعنی چاند کی پہلی تاریخ۔

ہر ماہ اس روز مندر میں کسی میلے کا سا سماں ہوتا ہے۔کملا ہر ماہ اس روز کمل کے ہمراہ یہاں آتی ہے اور آرتی ہونے تک یہاں رہتی ہے۔کمل اسی مندر پر پاٹھ پٹشالہ پڑھنے آتا ہے اس لیے اس مندر کے چپے چپے سے واقف ہے اس لیے وچن بھی اسے آنے سے یہاں روکتی نہیں۔وہ مندر کی سنگت کے ساتھ ہر ماہ اس روز ڈگردوارہ پنجہ صاحب'' درشن کرنے جاتی ہے جو کہ حسن ابدال میں واقع ہے۔

قدرتی حسن سے منہا منہ یہ وادی صوفیوں اور سورماؤں کی سرزمین کہلائی جاتی ہے۔ جو کہ راولپنڈی کے شمال مغرب میں تقریباً چالیس کلو میٹر کے فاصلے پر ضلع اٹک میں واقع ہے۔شمالی علاقہ جات کوملانے والی قدیم شاہراہ ریشم لاہور سے پشاور جانے والی سڑک کوحسن ابدال سے ملاتی ہے۔

وچن منی وین میں خواتین کے ٹولے کے ساتھ سوار تھی۔وین میں جگہ کم تھی اور خواتین کی تعداد زیادہ،لیکن اس کے باوجود سب پرسکون نظر آرہی تھیں۔ان میں اکثر خواتین وچن کی طرح ساڑھی میں نظر آرہی تھیں جبکہ چند ایک قمیض شلوار اور شارٹ شرٹ و جینز بھی پہنے ہوئے تھیں۔سب کے سر ڈھکے ہوئے تھے۔وین کے اسپیکر میں دل جیت سنگ کا نانک آر، نانک پار کا پنجابی بھجن سنائی دے رہا تھا۔سب میوزک سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔وچن ونڈ ویسٹ کے پاس سب سے آخر میں بیٹھی ہوئی تھی۔باہر کے مناظر میں عافی کا چہرہ بار بار نظروں کے سامنے آرہا تھا۔

عافی industrial؟

یہ کیا ہو رہا تھا۔قسمت اسے کہاں سے کہاں لیے جارہی تھی؟

وہ ایک جرم کر کے آئی تھی اور دوسرے جرم کا بھروسہ دلا آئی تھی۔اس نے پیسے لیے ہیں وہ ضرور سکینہ کے ایف ایس سی کے پیپرز دے گی۔لیکن یہ عبایا والی لڑکی؟ یہ لڑکی کس قدر شاطر تھی۔نا جانے اس نے سکینہ سے کتنی بھاری رقم ہتھیائی ہوگی اور سب سے زیادہ ایک سوال جو اسے تنگ کرتا تھا وہ یہ کہ ان سب کو وہ ہی کیوں نظر آئی۔اسے ہی کیوں چنا گیا؟ یہ ایک فطری سا عمل ہے کچھ برا یا عجیب ہو جانے پر ہم نہایت ہی بھولپن اور معصومیت سے کبھی خود سے تو کبھی اپنی قسمت سے سوال کرتے ہیں، کہ گویا جو ہوا وہ ہمارے ساتھ ہی کیوں ہوا؟ اس نے ذہن پر زور ڈالا تو خود کی مجرم خود ہی نکلی۔

وہ خود ہی اپنی ذہانت کا شوشا جھاڑا کرتی تھی۔لوگوں کو اخلاقیات یاد دلوایا کرتی تھی پر اسے کیا خبر تھی کہ اخلاقیات تو ہر جگہ ہوتی ہے۔

منی وین میں اس کے فیورٹ رنگو جی کا ست سنگ چل رہا تھا۔تمام خواتین ہمہ تن گوش بیٹھی ست سنگ سن رہی تھیں لیکن اس کا دھیان آج بھٹکا ہوا تھا۔دل پر نا جانے کتنے بوجھ تھے، کسی کی جگہ پیپر

دینے کا بوجھ، شکروار کو چکن کھانے کا بوجھ، بابو جی کے مالی حالات کا بوجھ اور انڈسٹریل عافی کو درزیوں کا ملازم سمجھنے کا بوجھ۔

اور یہ عافی؟

وہ بس اس کا ایک ''نیٹ فرینڈ'' تھا، جیسے سب کے ہوتے ہیں، دو سال پہلے عافی نے اپنی ایک یادگار فوٹو شیئر کیا تو وچن نے جگہ پہچان لی اور بس یہاں سے حسن ابدال کے حسن پر دونوں کے تبصرے شروع ہوئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں کو معلوم پڑ لیا کہ حسن ابدال سے دونوں کا پرانا رشتہ ہے۔ وچن ہر ماہ گوردوارہ پنجہ صاحب آتی اور عافی بھی اکثر بابا ولی قندھاری کے دربار پر حاضری دینے آتا تھا۔ یہ دربار ایک اونچی پہاڑی کی آخری چوٹی پر واقع ہے، جہاں کی زیارت کے لیے تقریباً چار سو سیڑھیاں اور دو کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے۔ اس راستے کی طوالت تھکا دینے والی ہے جبکہ راستے میں مختلف اسٹال اور آرام کرنے کی جگہیں بھی موجود ہیں۔

جب عافی کو پتا چلا وہ یہاں آتی ہے تو اس نے بھی اپنی مصروفیت سے وقت نکال کر یہاں آنا شروع کیا۔ کتنی بار نا جانے کتنی بار عافی نے اس سے کہا تھا کہ وہ آج اس سے ملنے کے لیے بہت ہی امپورٹنٹ میٹنگ چھوڑ کے آیا ہے۔ وہ اسے بتاتا کہ اس سے ملنے کے لیے کتنے نقصان جھیلنے پڑتے ہیں اسے، کئی مرتبہ اس نے کہا تھا۔ ایک کامیاب بزنس مین کے لیے وقت کس قدر اہم ہے اور وہ کہتی پتا ہے، پتا ہے سب پتا ہے درزیوں کے ملازم۔ سب پتا ہے اگر وقت پر گاہکوں کو درزی کپڑے نہیں دیتے تو کیا ہوتا ہے۔ کس طرح گاہک درزیوں کا جینا حرام کرتے ہیں۔

وہ مزید کچھ کہنا چاہتا تو وہ یوں ہی پوچھ لیتی، ''ویسے آج کتنے سوٹ سلنے تھے تمہیں؟''

وہ ہمیشہ کی طرح اس کا بھرم رکھتا اور مسکرا کر کہتا۔ ''تم ہی بتاؤ۔ ایک مصروف درزی کو ایک دن میں کتنے سوٹ سینے ہوتے ہیں؟''

اور وہ بڑے بے فکرے انداز میں کہتی، میں کیا جانوں، درزیوں کے ملازم تم ہو۔

آہ پانچ سال کی دوستی اور متواتر تین سالوں کی ملاقاتوں کے باوجود وہ اس کے سچ کو نہ جان پائی

اور نہ جاننے کی کوشش کی۔شاید اس لیے کہ عافی سے اس کی دوستی تھی تو مگر ایسی بھی گہری اور دل کو چھونے والی نہیں تھی کہ وہ اس کے مطلق زیادہ سوچے یا اسے سمجھنے کی کوشش بھی کرے۔عافی ہر ماہ اس سے پہاڑی پر ملنے آتا،لیکن کیوں؟

وچن نے دو دن لگا کر اس کے متعلق معلومات اکٹھا کی تھیں۔اف! سوچ سوچ کے اس کا سر دکھتا تھا اتنا بڑا آدمی اس سے ملنے کیوں آتا ہوگا؟

کیا طمع تھا؟

دوستی؟ کیسی دوستی؟ آشنائی کیسی آشنائی؟

وہ اسے خود کے لیے دعا گو رہنے کو کہتا مگر جب جب وچن دعا مانگتی عافی کے لیے دعا مانگنا ہی بھول جاتی۔

وہ ایک پڑھی لکھی لڑکی تھی۔اسے اپنے آس پاس کے لوگوں کی باتیں ناپسند تھی،کوئی ہم خیال نہ تھا۔

"وہ سب بس خبری تھے،گھر گھر کے خبری۔اس گھر کا چرچا اس گھر کی کتھا......اور......بس۔

شادی کے شروع شروع میں اس نے دوستیاں کرنے کی کوشش کی تھی،پر وہ اپنے نئے دوستوں کی محبوب باتوں سے اکتا جاتی وہ ان سب کی موجودگی میں ایسی بور ہوتی کہ اسے لگتا خود سے خود کی باتیں ہی بھلی۔

پھر کمل کی پیدائش کے بعد تو اس نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا،وہ جب جب بور ہوتی عافی کو یاد فرماتی۔اور عافی اس کے بور ہونے کا جیسے انتظار کرتا،کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ اس نے عافی کو hello سینڈ کیا ہو اور عافی نے نظر انداز کیا ہو؟

اف عافی! آج اس کی سوچیں منتشر ہو کر بس عافی پر ہی مرکوز ہو جاتیں،اور اسی اثنا میں منی ین کو ان کے مقرر کردہ مقام تک لے آئی۔یعنی "حسن ابدال" گردوارہ پنجہ صاحب۔

وہ عورتوں کے ٹولے کے ساتھ جاپ کرتی ہوئی گردوارے میں داخل ہوئی۔

گردوارے کے فرش پر پاؤں رکھتے ہی اس کا دل عقیدت سے بھر جاتا،آنکھیں نم نم سی ہو

جاتیں۔ وہ سوچتی وہ کس قدر خوش نصیب تھی جو اس متبرک ومقدس مقام کی زیارت کرسکتی تھی۔ دل جیسے نہال سا ہو جاتا اس گردوارے کے احاطے میں اسے اس کی مکتی نظر آتی، آوان گون یا تناسخ سے نجات نظر آتا۔

اس گردوارے کو پنجہ صاحب اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہاں گرو نانک صاحب جی کے پنجے یعنی ہاتھ کا نشان واقع ہے جو کہ ان کی کرامات میں سے ایک ہے، جس کی بدولت انہوں نے یہاں کے لوگوں کو پانی کے چشمے کا تحفہ عطا فرمایا تھا۔

وچن اب پنجہ صاحب کے پاس ہاتھ جوڑے کھڑی تھی۔

نیچے پانی کا چشمہ بہتا تھا، یہاں مچھلیوں کی اکثر تعداد اکٹھا ہوئی ہوتی ہیں، وچن ہمیشہ یہاں کا پانی ایک بوتل میں اپنے ساتھ بھر کر جاتی، جب کوئی علیل ہوتا وہ اسے چشمے کا پانی پیش کرتی، عافی کو بھی اس نے کئی بار اس چشمے کا پانی پلایا تھا، یہ دونوں ایک دوسرے کے مذہب کی عزت کرتے۔ عافی اسے اکثر کہتا، انسان کے مذہب کی رگیں انسان کے دل سے منسلک ہوتی ہیں جن کی بے حرمتی سے دل دکھتا ہے۔ نا جانے دل دکھانا کس مذہب میں مثبت قرار دیا گیا ہے کہ لوگ مذہبی بے حرمتیوں پر اتر آتے ہیں۔

اس نے بھی اخلاقیات میں یہی پڑھا تھا۔ ”مذہب کا تعلق انسانی عقیدوں سے ہی نہیں بلکہ انسانی روحوں سے ہوتا۔ بلکہ مذہب اور اخلاقیات ان دونوں کا سماجی لحاظ سے وجود سے ایک ہی ہے، یہ دونوں ہی سماجی بہتری اور مخصوص معاشرتی دائرہ کار میں طرزِ عمل کے قوانین منتقل کرتے ہیں، اخلاقیات کا مطلب انسانی روایات کا سائنس ہے، یہ اعلیٰ ترین نیکی کی سائنس ہے جو کہ تقریباً ہر ایک مذہب میں بیان کیے جا چکے ہیں۔“

عافی کی مذہبی ادب گری بس اتنی ہی نہیں تھی اس کے خیال اس حوالے سے وسیع تھے وہ کہتا کہ جہاں آج لوگ فرقوں و مذہب میں بٹ کر فخر محسوس کرتے ہیں وہاں ایک دن ایسا نہ آئے کہ لوگ دعا مانگیں کہ انسان کسی مذہب کو تو مانے کیونکہ ہر مذہب کا ماننے والا کرنی بھرنی کے اصول کو مانتا ہے کچھ برا کرنے سے پہلے اسے خوفِ خدا ستاتا ہے لیکن آج کل ہمارا معاشرہ نا جانے کس سمت جا رہا ہے؟ یہاں کوئی بھی اپنے مذہب سے مکمل واقفیت نہیں رکھتا اور دوسرے کے مذہب پر بھی ضرب مارنا نہیں چھوڑتا۔

یا تو انسان اپنے مذہب پر مکمل عبور حاصل کر لے اور اگر نہ کر سکے تو دوسروں کو اس کا مذہب بخش دے، کم از کم اس نے انسانی اخلاق کا دائرہ تو بلند ہوگا، کہ اپنا نہیں تو پرایا ہی سہی، نہ ہونے سے بہتر ہے۔ مذہب چاہے کوئی بھی اس پر عمل کرنے والا انسان ''وہ دشمن انسانیت'' نہیں ہوتا، ہاں اگر وہ مذہبی برتی سے باہر ہو جو کہ مذہبی ماحول کے برعکس ہے، کیونکہ فخر اور احساس برتری اس وقت پنپتی ہے۔ جب دوسرا کوئی کمتر اور حقیر نظر آئے۔ کسی کو احقر ماننا انسانیت کے خلاف ہے۔ اگر کوئی انسان خود کو بہتر اور دوسرے کو ابتر سمجھتا ہے تو سمجھ لینا چاہیے اس کی ذہانت و تربیت اخلاقی لحاظ سے علیل ہے، اور ایسا شخص اگر خود کو کسی طور پر مذہبی کہتا ہے تو ذرا سوچ کا دائرہ وسیع کر کے خود سے خود ہی یہ سوال پوچھا جائے۔

پنجہ صاحب کے درشن کے بعد وہ گردوارے میں داخل ہوئی، اس نے ماتھا ٹیکا اور ارداس کی۔

آج اس نے عافی کے لیے دل سے دعا مانگی اس کی صحت کے لیے، اس کی زندگی کے لیے، اس کی خوشی اور سکون کے لیے، جس کی عافی اشد ضرورت تھی۔

ماتھا ٹیکنے کے بعد وہ لنگر خانے کی طرف آئی۔ لنگر میں دال، چاول، سبزی، روٹی کے ساتھ ساتھ پُری اور کھیر کا بھی اہتمام تھا۔ وچن نے تمام خواتین کے ساتھ لنگر نوش کیا۔ اس کے بعد وہ سب مل کر ''سیوا'' یعنی خدمت کے لیے لنگر خانے کے برتن دھونے کے لیے چوکیاں لے کر یہاں نصب نلکوں اور ٹینکیوں کے سامنے بیٹھ گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے بس بیس منٹ میں ڈھیروں ڈھیر برتن دھل گئے، کبھی کبھی وہ سبزیاں بھی کاٹتی اور صاف صفائی میں بھی ہاتھ بٹاتی تمام خواتین خوشی خوشی اور تحمل سے یہ سب کام کرتی دکھائی دیتی۔ اس کے بعد خواتین کا یہ ٹولا بابا ولی قندھاری جی کی زیارت کی طرف روانہ ہوتا۔

بابا نانک شاہ صاحب نے پنجہ صاحب کے یاتریوں کو بابا ولی قندھاری کی زیارت کی نصیحت کی تھی۔ جس کے بعد یہ روایت عام ہے جو بھی گردوارے آتا ہے وہ پہاڑی بھی چڑھتا ہے۔

خواتین کا یہ قافلہ یہاں آ کر ذرا مختصر ہو جاتا کیونکہ ان میں سے باز خواتین اونچی پہاڑی کی زیارت کی ہمت نہ کر سکتی تھی جو خواتین نہ چڑھ پاتی، وہ بابا ولی قندھاری جی کی چلہ گاہ کی زیارت کرتی۔

وچن ان کے ہمراہ زیارت چلہ گاہ کے بعد ولی قندھاری جی کے دربار کی جانب بڑھ آتی، جہاں کی

زیارت اور ان کے درمیان 400 سیڑھیوں کا فاصلہ تھا۔ان سیڑھیوں کی شروعات میں اسٹالز موجود تھے جہاں چادریں اور مٹی سے بنی اشیاء دستیاب تھیں۔

ان خواتین میں چند خواتین پہلی بار زیارت کرنے کے لیے ان کے ہمراہ چل رہی تھی اور بس بیس سیڑھیوں پر ہی سر چکرانے کی شکایت کرنے لگی ،ٹولے کی خواتین ان کی ہمت بڑھاتی اور انہیں نام جپنے کا درس دیتے ہوئے اوپر کی جانب بڑھنے کا حوصلہ دلاتی ۔دراصل ہمارے جسم کے اندر کام کرنے اور پٹھوں و مسلز کو استعمال کرنے کی ایک حد مقرر ہوتی ہے۔یہ حد مشق کرنے سے بڑھ سکتی ہے وچن اور دیگر خواتین ان طویل ترین سیڑھیوں کو عبور کرنے کی مشق متعدد بار کر چکی تھیں اس لیے وہ مطمئن نظر آ رہی تھیں لیکن ان کے برعکس پہلی بار یہ مشق کرنے والی خواتین نڈھال نڈھال سی لگ رہی تھیں لیکن پھر بھی چلنا برقرار تھا۔جب جب ہمارا بدن حد سے زیادہ کام کرے تو اضافی لیکٹک ایسڈ کی شکایت سامنے آتی ہے جس کی وجہ سے پٹھوں میں تکلیف ہوتی ہے جیسا کہ زیادہ تیز بھاگنے اور چلنے کے بعد ٹانگوں میں درد ہے۔یہاں پہلی بار چڑھنے والے شخص کو پین کلر اور دوسری ادویات کی ضرورت بھی پڑ سکتی ہے۔ راستے میں آرام گاہیں اور کھانے پینے کے اسٹال موجود تھے۔خواتین آرام آرام سے آگے بڑھ رہی تھیں۔رفتہ رفتہ چلتے چلتے بالآخر وہ مقام بھی آ گیا جہاں عافی اور وچن ایک دوسرے کا انتظار کرتے تھے۔ٹولے کی خواتین آگے بڑھ گئیں تو وہ ذرا قدم چرا کر عافی کی جانب چلی آئی۔

آج اس نے ویسٹ کوٹ کی بجائے گرے کلر کی شرٹ پر بلیک سسپنڈرز لگائے تھے اور بلیک ہی جینز پہنی تھی۔اس کی پیشانی کشادہ تھی جس پر خوب صورت تراشے ہوئے بال بھلے لگتے تھے۔رنگ صاف صاف اور نقوش کشش آمیز تھے۔وہ اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے آج کچھ الگ طور سے اسے دیکھ رہی تھی۔انداز بھی ذرا الگ ،نیا نیا سا اور جھجک آمیز تھا۔اس کی آہٹ پر وہ مڑا تو وچن ویسے سہم کر رک سی گئی۔مانو اس کی طرف بڑھتے ہوئے قدم سمیٹ رہی ہو۔

''آ گئی تم۔آج ذرا دیر کر دی۔''

''کیوں آج تمہاری کوئی امپورٹنٹ میٹنگ چھوٹ رہی ہے کیا؟''

''وہ تو چھوٹ گئی۔'' عافی نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیوں چھوڑ دی میٹنگ تم نے عافی؟''

اس کے سوال پر وہ مسکرایا لیکن کہا کچھ نہیں۔

''کہو نا عافی؟ کیوں چھوڑ دی میٹنگ؟'' اس کا انداز چونکا دینے والا تھا لیکن عافی زیادہ حیران نہیں ہوا۔ ایک نہ ایک دن تو سچ سامنے آنا تھا۔ اس لیے اس نے لمبی سانس لی اور استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''میں...... میں سب جان گئی ہوں۔'' وچن نے اپنے موبائل میں اس کی اوریجنل فیس بک آئی ڈی کو اوپن کر کے اس کے سامنے رکھا۔ وہ کسی فیک آئی ڈی سے اس سے رابطے میں رہا تھا۔

''میں نے اس فیک آئی ڈی کے علاوہ کبھی تم سے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔''

''بول تو سچ رہے ہو لیکن ایسے سچ بھی کہاں خالص سچ ہوتے ہیں؟''

''چلو تم نے جھوٹا تو نہیں کہا۔''

''سچے بھی نہیں ہو تم۔''

''ہوں! اچھا تمہاری نظر میں سچا کیسے ہوتا میں؟ میں تو سچ بتا تا رہا ہوں۔ فیک آئی ڈی ضرور تھی لیکن میں نے سب کچھ سچ لکھا تھا۔ پر تم جھوٹ سمجھتی تھی۔''

''تو کیا کرتیمیں بتاؤ تم میری جگہ ہوتے تو کیا سمجھتے؟ اور میری نظر میں تم سچے اس وقت ہوتے جب نہ بتانے کی چیز نہ بتاتے جیسے میں نے تمہیں کچھ بتایا کچھ نہیں بتایا لیکن کبھی جھوٹ نہیں بولا۔''

''وہ اس لیے کہ میں تم سے پوچھتا رہا ہوں لیکن تم......''

لیکن وہ خود سے نتیجے اخذ کرتی رہی ہے۔ ہاں یہی سچ تھا وہ سچا تھا۔ سچ کہتا رہا تھا لیکن وہ سچ کو سچ سمجھ نہ سکتی تھی۔

اس نے عافی کی طرف دیکھا، وہ بھی اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ کیا پتا اس کی یہ دوست اس وقت نئے پرانے سب ہی تعلق چھوڑ جائے اور اس کے انداز سے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ آج جانے کے لیے آئی

ہے لیکن اس سے پہلے کہ وہ چلی جائے عافی نیا سے روک لیا اور کہا آج آئی ہو تو بیٹھ جاؤ بے شک آج کے بعد مت آنا۔ میں بہت ضروری میٹنگ چھوڑ کے تم سے ملنے آیا ہوں۔

یہی تو وہ پوچھنا چاہتی تھی اس لیے اس کی التجا پر پہاڑی کی ڈھلوان سطح پر بڑے سے پتھر بیٹھ گئی۔ عافی اس سے ذرا سے فاصلے پر دوسرے پتھر پر بیٹھا تھا۔ دونوں کا رخ پہاڑی کے سامنے کی طرف تھا جہاں سے حسن ابدال کا مکمل نظارہ کیا جا سکتا تھا۔

''اب جب جان گئی ہو تو یہ بھی جان لو، جب انسان کی تجوریاں بھرنے لگیں تو اس کے آس پاس کے سب لوگ ان تجوریوں کی کشش کے تابع ہوتے ہیں۔ میرے آس پاس کوئی ایسا نہیں جو مجھے درزیوں کا ملازم سمجھتا ہو، ایسا کوئی نہیں جو بنا کسی غرض سے مجھ سے ملنے آتا ہو۔ بس تمہاری بے غرضی مجھے بے حد انمول لگتی ہے اس لیے نقصان برداشت کر لیتا ہوں۔ آخری جملہ اس نے ذرا سی شرارت کے ساتھ ادا کیا لیکن پھر بھی اس کا موڈ ٹھیک نہ ہو سکا۔ وہ جانے لگی اور چلی بھی گئی۔ عافی اسے اپنی ساڑھی کا پلو جھاڑتے ہوئے جاتے دیکھتا رہا۔ زبردستی تو کسی کو دوستی سے قائل کوئی نہیں کر سکتا۔ وہ بہت پھرتیلا مزاج رکھتی تھی اس لیے ذرا سی دیر میں کئی سیڑھیاں عبور کر لیں اور پہاڑی کے راستے میں آنے والے موڑ میں کہیں غائب سی ہو گئی۔

عافی نے ایک بار پھر سے اپنا کوئی کھویا تھا اس نے درد سے آنکھیں میچ لیں۔ اس کے نصیب میں مخلص رشتے نہ تھے۔ شاید وچن بھی آج کے بعد ایک ایسی یاد بن کر رہ جائے جس یاد کا کوئی ردعمل نہ ہو جیسے عافی کی تمام یادیں تھیں۔ خاموش بے آواز۔

اس نے اپنی آنکھوں کی نمی صاف کی اور آگے چلنے کا قصد کر لیا۔ وہ پہاڑی کی چوٹی پر نئی تعمیر شدہ مسجد میں نماز ادا کرتا تھا۔ آج ایک عرصے بعد وہ اس پہاڑی کے اس راستے پر وچن کے بنا چل رہا تھا اس لیے ذرا وقت لگ رہا تھا ورنہ وچن کی رفتار سے رفتار ملاتے ہوئے وہ تیز تیز چلتا اور ہانپتا بھی رہتا لیکن وہ پھرتیلی عورت ذرا نہ تھکتی اور بنا رو کے چلتی رہتی۔

وہ اسے یاد کر کے آگے بڑھتے بڑھتے اس موڑ تلک آیا جہاں سے وہ آنکھوں سے اوجھل ہوئی تھی۔

لیکن یہ کیا؟ وہ اسی موڑ پر ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھی تھی۔ عافی کو دیکھ کر اس کے پاس آئی اور کہا۔

''کتنے سست ہو تم۔ میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔''

عافی کی اس موڑ تک رسائی تک اس کی اخلاقیات اور اس کا دل، عافی کو ''جھوٹا شخص'' ہونے کے الزام سے بری کر چکے تھے۔ اسے دیکھ کر عافی کی آنکھیں بھر سی آئیں۔ وہ نہیں گئی تھی اللہ کا شکر تھا وہ نہیں گئی تھی اور کاش کہ کبھی نہ جائے۔

''تھینک یو۔''

''کس بات کے لیے۔'' اس نے عافی کے ساتھ ساتھ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے پوچھا۔

''میرے پاس اخلاقیات کے طالب علموں کی شدید کمی ہے۔''

وہ اس کی بات پر مسکرائی اور کہا، بہت کچھ خلافِ اخلاق ہو گیا اس سے۔ اس نے اسے بتایا، اس نے نقل کی، پیسے لیے۔ فرائیڈے کو چکن کھایا۔ مس فضیلت ان کی شفقت ان کا رویہ، ان کا کام اور وہ عبایا والی لڑکی۔

اچھے دوست صرف دوست نہیں ہوتے روح کا سکون ہوتے ہیں۔ اسے بھی جیسے عافی کو سب کچھ بتا کے سکون سا میسر آیا، دل ہلکا ہو گیا۔ بس ان بے باپو جی کے مطلق کوئی ذکر نہ کیا۔ کیا بتاتی؟ بس نہیں بتایا لیکن عافی کو سب پتا تھا اس لیے عافی نے اس سے عبایا والی لڑکی سے پیسے لینے کے لیے غلط نہیں کہا بس اتنا کہ کہ بے فکر ہو جاؤ اور اسے اس کے پیسے واپس کر لو۔ تم سکینہ کے ایف ایس سی کے پیپر نہیں دو گی۔

''کاش کہ ایسا ہو سکتا عافی لیکن میں نے اخلاقیات پڑھی ہے۔ کسی سے پیسے لے کر اس کا کام نہ کرنا غلط ہے''

یہی وہ باتیں، یہی وہ انداز تھا جس کی وجہ سے وہ اپنا نقصان کروا کر بھی اس سے ملنے چلا آتا۔

اس کی بات سن کر وہ ہمیشہ کی طرح ہنسنے لگا اور ہنستے ہنستے ہی اس نے وچن سے کہا:

''او فار گاڈ سیک وچن۔ اب تم مجرموں کی اخلاقیات نہ تخلیق کر لینا۔''

''کیا کروں عافی؟''

''زیادہ مت سوچو، بس اس عبایا والی لڑکی کو پیسے لوٹا دو۔''

وہ سیڑھیاں چڑھتے جا رہے تھے۔

''ایسا اب نہیں ہو سکتا۔ اس کا نمبر بند ہے اور میں سکینہ کے پتے پر بھی جا چکی ہوں وہ بھی غلط تھا۔''

''ہوں۔'' وہ دونوں پہاڑی کی سیڑھیوں پر ایک طرف ہو کے کھڑے تھے۔

''ہوں۔ تم نمبر دے دو اس عبایا والی لڑکی کا میں پتا کروا دوں گا۔''

''تم؟''

''ہاں میں پتا کروا سکتا ہوں جس طرح تمہارا کروایا۔ مسز سیٹھ دیپک۔''

وہ دیکھتی ہی رہ گئی اسے۔ لیکن اب نا جانے کیوں برا نہ لگ رہا تھا۔ مگر یوں ہی مصنوعی خفگی تو بنتی تھی نا۔ دوستی میں اتنا تو چلتا ہے۔ وہ چلنے لگا تو اسے اس نے اس کا پیچھا کرتے ہوئے پوچھا۔ ''اور کیا جانتے ہو؟''

''سب کچھ...... کیوں۔''

''کیونکہ تم مصیبت میں پھنس سکتی تھی۔ اب کسی کو کیا پتا تھا یہاں سب ملے ہوئے تھے۔''

''ہاں پتا تو اسے بھی کہاں تھا۔ اندھیر نگری چوپٹ راج۔''

وہ پھر سے قدم ملا کر چلنے لگے۔ اب پہاڑی کی چوٹی زیادہ دور نہ تھی۔

''ویسے تھینک یو عافی۔ تم نے میرے متعلق اتنا سوچا۔''

وہ مسکرایا لیکن کہا کچھ نہیں پر اس کا دل کہتا تھا انسان ایک ہی غلطی ہر بار نہیں کر سکتا۔ وہ ہی جانتا تھا وہ اپنوں کے بنا کیسے زندہ تھا۔ اب خود سے منسلک کسی بھی رشتے کو کھونا اس کے لیے ممکن نہ تھا۔ وہ پھر سے خود غرض نہیں بن سکتا تھا۔

''میں دیپک کو کبھی نہیں بتا سکتی کہ میں کیا کر آئی ہوں۔'' اس نے آج پہلی بار عافی کے سامنے دیپک کا نام لیا تھا ورنہ وہ بس اپنی ساس کا ہی رونا روتی رہتی۔

"کیسا ہے تمہارا دیپک؟"

"دیپک۔ ہے تو ذرا سا ٹیڑھا میڑھا۔ پر میرا سب کچھ ہے وہ۔" دیپک کے ذکر پر اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں چمک سما آئی۔ چہرے پر دھنک کے سارے رنگ جیسے یکجا ہوئے تھے۔

وہ دیپک سے بے انتہا محبت کرتی تھی۔ اس کی محبت کی شدت کو عافی اس کی آنکھوں میں دیکھ کر محسوس کر سکتا تھا۔ عافی نے اس کی دیوانگی دیکھ کر اسے دل سے دعا دی۔

"اللہ تم دونوں کی جوڑی سلامت رکھے۔"

وہ خود بھی ایک گائل دیوانہ تھا۔ جدائی کی گھڑیوں میں صبر سے قسمت کے مہربان ہونے کے انتظار میں پھڑک پھڑک سا رہا تھا۔

"آمین۔" دعا کے بعد آمین کہتے ہیں۔ اتنا تو وہ جانتی تھی اور اب تو نقل کر آئی تھی اسلامیات کے پیپر میں پاس ہونے کے پورے چانس تھے۔ پہاڑی کی چوٹی نزدیک تر تھی۔ ٹولے کی خواتین اس چوٹی کو سر کر رہی تھیں وچن ان کو دس پندرہ سیڑھیوں کے فاصلے سے دیکھ سکتی تھی۔ وہ بہت سست رفتار تھیں، سب کی رفتار اسی ہی ہوتی تھی۔ وہ سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ وچن اور عافی اس برق رفتاری سے پہاڑی سر کر سکتے تھے اور پھر وچن کی پھرتی کے تو وارے نیارے تھے۔

خواتین کا ٹولہ پہاڑی کی چوٹی سر کر گیا تو وہ یک دم اوپر آئی۔ یہاں آ کر ایک عجیب سا سکون ہوا کے ٹھنڈے ٹھنڈے جھونکوں کے ساتھ استقبال کرتا ہے۔ وچن نے باہیں پھیلا کر اس مست ہوا کے جھونکے کو جیسے تھینک یو کہا اور لمبی سانس اندر کی جانب کھینچ کر ذرا سی مستی میں ایک عدد گول گول چکر لگائے۔ وہ ہوا کے جھونکوں کا استقبال ایسے ہی کرتی تھی، باہیں پھیلا کر، گول چکری کھا کر۔

ٹولے کی عورتیں تھکن اتار رہی تھیں۔ پہاڑی کی چوٹی کے آغاز میں کئی اسٹال موجود تھے جن میں کھانے پینے کی اشیا کے علاوہ کھلونے اور دیگر ضرورت کا سامان بھی موجود تھا۔ یہاں زائرین کے ساتھ آنے والے بچے اکثر کھلونے خرید کر تھکن اتارتے تھے، پہاڑی کی چوٹی کے کھلے میدان کے عین وسط میں دربار کی سیڑھیاں موجود تھیں۔

آج بدھ وار تھا۔ یہاں بدھ کے دن لنگر میں گوشت ہوتا ہے جس کے پکنے کی خوشبو ہوا میں شامل ہورہی تھی۔ گوشت کے لنگر کی وجہ سے پہاڑی کی چوٹی پر معمول سے زیادہ رونق لگی تھی۔ ایسی رونق اکثر جمعرات اور سکھ یاتریوں کی آمد کے دوران نظر آتی ہے۔ یہاں سکھ یاتری بیساکھی، جو کہ سال کے چوتھے ماہ 13 یا 14 اپریل کو منائی جاتی ہے۔تب تشریف لاتے ہیں یا تو بابا نانک شاہ صاحب جی کے جنم دن پر گیارہویں ماہ میں آتے ہیں۔ان کی آمد کے لیے حکومتِ پاکستان نہایت ہی خصوصی اقدام کیا کرتی ہے تا کہ ان کو ان کی مذہبی زیارت کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔

یہاں آنے والے سوالی دھاگے باندھتے اور کبوتروں کو دانہ ڈالتے ہیں۔خواتین کا ٹولہ کبوتروں کو دانے ڈال کر چائے پینے کے لیے چبوترے پر بیٹھ گیا۔وچن بھی اب ان کے ساتھ تھی۔ان خواتین کو ذرا سا بھی احساس نہ ہوا تھا کہ وچن ان سے کبھی الگ بھی ہوئی تھی۔عافی یہاں موجود مسجد میں نماز ادا کرنے چلا گیا تھا۔400 سیڑھیاں عبور کرنے کی تھکن یہاں کا موسم، ٹھنڈی ہوا، زیارت کا منظر اور یہاں کی چائے نے اتار لی۔ بابا ولی قندھاری کے دربار میں مسلم، ہندو، سکھ، سب ساتھ میں بیٹھ کر چائے پیتے ہیں۔اس خدا بیں بابا کے دربار میں ذات پات کا کوئی تعصب نظر نہیں آتا جسے دیکھنے کے لیے اکثر آنکھیں ترسی رہتی ہیں۔

ٹولے کی سنگت اب جانے کو تیار تھی، وچن کو عافی کا انتظار تھا۔وہ مسجد کی جانب آئی۔ مسجد میں ابھی کام چل رہا تھا۔باہر چندے کے لیے ایک درمیانی سائز کی پیٹی رکھی تھی۔ وچن اکثر حسب توفیق پیٹی میں کچھ نہ کچھ پیسے ڈالتی۔ وہ دھان پیٹی میں پیس ڈال رہی تھی کہ عافی آ گیا۔وہ اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔اس نے جب نگاہ اوپر کی تو عافی نے پوچھا۔

"تم بھی اللہ کا گھر بنانے میں اپنا حصہ ڈالتی ہو؟ دیکھ کر اچھا لگا۔"

"ہاں! بابو جی بھی ڈالتے تھے۔وہ کہتے تھے اگر دوسرے مذہب کو ہم نہ بھی مانتے ہوں تو بھی عبادت گاہوں کی عزت کرنی چاہیے۔پتا ہے عافی عبادت گاہیں کیا ہوتی ہیں؟"

اس نے جواب نہیں دیا۔وہ وچن کو سننا چاہتا تھا۔

''عبادت گاہیں روح کا سکون ہوتی ہیں۔ ان کی فضاؤں میں دعاؤں، سسکیوں اور معافیوں کی آمیزش ہوتی ہے۔ مجھے بچپن میں لگتا تھا سکون صرف کرشنا مندر میں ہوتا ہے پھر رفتہ رفتہ مجھے ہر ایک مندر، گوردوارے میں سکون ملا ہے۔ میں کرسمس میں اپنے عیسائی دوستوں کے ساتھ گرجا گھر میں گئی ہوں۔ وہاں بھی ایسا ہی سکون تھا اور یہ سکون عبادت گاہوں میں صرف اس لیے نہیں ہوتا کہ عبادت گاؤں میں خدا بستا ہے۔ خدا تو ہر جگہ ہوتا ہے پر عبادت گاہوں میں اس سکون کی وجہ وہ دعائیں، معافیاں اور آنسو ہیں جو انسان کو بنانے والے کے لیے انسان کی طرف سے بھیجی جاتی ہیں۔ تمہیں پتا ہے جو لوگ بنانیت کے کرائمز کرتے ہیں، ان کا یہی کہنا ہوتا ہے کہ بے سکونی اور غصے کی وجہ سے یہ بس ان سے ہو گیا۔ میں تو کہتی ہوں ہر جگہ مسجد، مندر، گوردوارے اور گرجا گھر تعمیر ہونے چاہئیں تاکہ انسان سکون میں رہے۔''

''ہوں۔ یہ سب اخلاقیات میں پڑھا ہے کیا؟''

''ہاں۔ لیکن میرا مشاہدہ بھی شامل ہے اس میں۔ کیوں تمھیں کچھ غلط لگا کیا؟''

''نہیں بالکل نہیں۔ میں نے کچھ روز قبل ایک رپورٹ پڑھی تھی جس میں ان لوگوں کے انٹرویو درج کیے گئے تھے جن کے اس دنیا میں کم دن بچے ہیں۔''

''یعنی ایسے لوگ جو جانتے ہوں ان کی موت عنقریب ہے۔'' وچن کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

''ہاں ایسے ہی لوگ......''

''ان مہمان دنیا انسانوں کا کہنا ہے جو کہ مختلف مذاہب اور دنیا کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں ان سب کا یوں تو بہت کچھ کہنا تھا لیکن ان سب میں اکثر نے پانچ باتیں یکساں کی ہیں۔ انہوں نے کہا! اگر زندگی کی رحمت انہیں پھر سے میسر آئیں یا پھر خوش قسمتی سے ان کی زندگی کے دنوں میں اضافہ ہوا تو وہ سب سے پہلے خود سے خفا لوگوں کو منائیں گے، وہ ساری عمر لوگوں کا دل کھاتے رہے۔ اگر انہیں پتا ہوتا کہ زندگی اس قدر ناپختہ چیز ہے تو وہ کبھی کسی کا دل نہ دکھاتے۔ سب کے ساتھ اچھے نبھاتے اور بہتر تعلقات استوار رکھتے۔

دوسری بات جو انہوں نے کہی: وہ یہ تھی کہ ہم نے ساری عمر جھوٹ کی کمائی کی نا جانے کس کس طریقے سے تجوریاں بھرتے رہے، اب سب اس دنیا میں رہ جائے گا اور ہماری نالائق اولادوں کو تر کے میں دے دیا جائے گا۔ کاش کہ وہ خود اس کمائی کو بھلے کاموں میں خرچ کرتے۔

تیسری بات، جو انہوں نے کہی وہ یہ تھی، کہ انہوں نے وقت ضائع کر دیا۔ اگر پتا ہوتا زندگی کی مہلت کا کچھ پتا نہیں ہوتا تو وہ اپنا وقت کبھی نہ گنواتے۔ وہ کم سوتے، کم کھاتے اور کم بولتے۔

چوتھی بات، دنیا سے رخصت ہونے والوں میں یہ تھی، کہ انہوں نے زندگی جیسی نعمت کو یوں ہی تلف کر دیا۔ کاش کہ وہ ہر لمحہ جی لیتے۔ جو انہیں میسر تھا وہ کم نہ تھا بس کم لگتا تھا۔ کاش وہ زیادہ کی رٹ نہ لگاتے اور جو تھا جتنا تھا اسے خوشی خوشی استعمال کرتے۔ یہاں اس دنیا میں حاصل شدہ ہر ایک چیز ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ کاش ہم ہر ایک چیز کی قدر کرتے۔

پانچویں بات، موت کی دستک سنتے لوگوں نے جو کہی وہ یہ کہ کاش وہ دنیا کے تمام انسانوں کو انسان ہی سمجھتے تا کہ مذہبی دوربین ہاتھ میں لیے جمع تفریق کرتے پھے۔ گنی چنی سانسیں لینے والوں کا کہنا تھا کہ اب جب وہ انسان کی سب سے بڑی حقیقت کے متعلق سوچتے ہیں تو پتا چلتا ہے تمام انسان ایک ہی طرز سے دنیا میں آتے ہیں اور ان کا انجام بھی ایک سا ہے۔ کوئی قبر میں جا کر مٹی میں ملتا ہے تو کوئی راکھ بن کر مٹی میں غرق ہوتا ہے۔ اگر انہیں کچھ دنوں کا تحفہ مل جائے تو وہ انسان کو اپنے ہی جیسے انسانوں کو انسانیت کا تحفہ دینے کو کہیں گے۔ ہر انسان کے پاس انسانیت کی ترقی کے لیے بھی کچھ نہ کچھ ہونا چاہیے۔ ہمیں انسان بن کے انسانوں کے لیے بھی کچھ کرنا چاہیے۔ ایک ایسا انسانی طرز عمل بروئے کار لانا چاہیے کہ جس کے ہوتے ہوئے تمام لوگ اپنے اپنے عقائد پر کاربند رہ کر ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔ کوئی ماں اپنی اولادوں کو مذہبی جنگوں میں نہ کھوئے کہ ماں تو ماں ہوتی ہے پھر چاہے وہ مسلم، ہندو، سکھ، عیسائی ہو۔"

"ہاں، صحیح کہا تم نے۔" وہ اس کی بات سے متفق تھا۔

"ہاں والدین تو سب کے سانجھے ہوتے ہیں۔ خواہ وہ کسی بھی مذہب سے ہوں۔ میں نے

دیکھے ہیں ایسے بدنصیب والدین جن کی اولادیں ان کا دین بھول جاتی ہیں یا غیر مذہب اختیار کر لیتی ہیں۔ ایسے والدین خوب روتے ہیں نافرمان اولادوں سے تعلق ترک کرتے ہیں لوگوں کو دکھانے کے لیے یا پھر غصے میں آ کر انہیں خود سے عاق کر دیتے ہیں لیکن پھر کبھی نہ کبھی انہیں معاف کر دیتے ہیں۔ ان پر مشکل وقت آئے تو آگے بڑھ کر ساتھ دیتے ہیں کیونکہ وہ والدین ہیں نا۔ والدین بچوں کو معاف کرنا جانتے ہیں۔ خاص طور پر مائیں تو چھوڑ کر جانے والوں کو بھی، جہاں رہے خوش رہے کی دعائیں دیتی ہیں۔"

"ہاں، تم نیبھی صحیح کہا۔ مائیں معاف کر دیتی ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ تو ستر ماؤں سے بھی زیادہ اپنے بندے سے محبت کرتا ہے تو وہ مذہب کی بنا پر کیسے سولی پر لٹکا سکتا ہے؟"

انسان کی بصارت اتنی کہاں ہے کہ وہ سب دیکھ سکے، سمجھ سکے، انسان تو اس قابل بھی نہیں کہ وہ اپنے آس پاس موجود یونی سیل یولر جاندار دیکھ سکے۔ انسان کو اپنے ہاتھوں پر پلنے والے جراثیم دیکھنے کے لیے خوردبین کی ضرورت پڑتی ہے تو اور انسان کی اوقات کیا ہے؟ خدا کی ذات بہت بڑی ہے ہم کیا ہماری بساط کیا؟ نا جانے ہم کس لائق ہیں اور کوئی کس لائق ہے بس خدا ہم گنہگاروں کے گناہ بخش دے۔ ہم جن پر نگاہِ نفرت ڈال رہے ہیں شاید وہ خدا کے نزدیک ہم سے زیادہ بہتر ہو۔"

"ہاں رب کی گت مت رب خود جانے، وہ چاہے تو ایک سیکنڈ میں سب ایک پلیٹ فارم پر آ کر یک دین ہو جائیں۔ ہم کون ہوتے ہیں فیصلے کرنے والے اور خدا کی مخلوق کو عیب دار ٹھہرانے والے۔ یہاں سب اپنے متعلق سوچیں تو ہی بہتر ہوگا۔ اگر ہر کوئی خود کا ذمے دار خود ہوگا تو ہی بہتر معاشرہ تشکیل پا سکے گا۔" وچن نے پرسوچ انداز میں کہا۔ اس کی نظریں ساتھ آئی سنگت کی خواتین پر تھیں، وہ ٹھہر ٹھہر کر پہاڑی کی ڈھلوانی سطح پر چل رہے تھے۔ کیونکہ ٹولے کی خواتین کی رفتار آج ذرا کچھوے سی تھی۔ وہ شل شل سی لگ رہی تھیں۔ وچن اس طرح کی باتیں کرنے سے گم صم سی لگ رہی تھی۔ وہ بہت حساس طبیعت رکھتی تھی۔

"اچھا اگر وہ شفیق ٹیچر اب تمہارے سامنے آئی تو تمہارا ری ایکشن کیا ہوگا؟" عافی نے اس کا

موڈ ٹھیک کرنے کے لیے پوچھا۔
''میں سلام بھی نہیں کروں گی انہیں اور انہوں نے جو جوس مجھے پلایا تھا میں اس کے پیسے انہیں واپس کردوں گی۔ کیا پتا کب معدے پر اس کا اثر ہو۔''
''ہاہاہاہا۔'' عافی نے اس کی بات سن کر ایک قہقہہ بلند کیا لیکن اسے فرق نہ پڑا۔ اس کا موڈ اس شفیق ٹیچر کا نام سن کر بجلی بجلی سا ہو گیا تھا۔ آخر کو اس ٹیچر کی وجہ سے اس نے اپنی جی کو مارا، اپنے اصولوں کے خلاف کام کیا۔ اس نے نقل کی۔
اب وہ وستار سے گزشتہ ایگزام کے دنوں کی ساری باتیں بتانے لگی۔ عافی مزے سیاس کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ دونوں اب بھی آہستہ آہستہ سیڑھیاں اتر رہے تھے۔ ایگزام اور نقل کی تفصیل کے بعد وچن عافی کو عبایا والی لڑکی کے حسن کے متعلق بتا رہی تھی۔
''میں نے اتنی خوب صورت لڑکی اپنی زندگی میں نہیں دیکھی اور اس پر جدید فیشن کی سمجھ۔ اس کا مکمل وجود دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔''
عافی اس کی بات سن کر مسکرایا اور کہا۔ ''جن خوب صورت چہروں کے حسن میں جدید فیشن کی ملاوٹ ہو ایسے چہروں کو زیادہ دیکھو تو جادو کی طرح اثر کر جاتے ہیں۔''
خدا خدا کر کے سنگت کی خواتین آنکھوں سے اوجھل ہوئی تھیں۔ وہ تیز تیز چلنے لگے تھے یہاں موجود چند حضرات راستے کے حسن، یہاں کے مناظر، لمبی سیڑھیوں کی طوالت اور اوپر سے آنے والوں کی خوشی کو کیمروں اور موبائلز میں سیف کر رہے تھے۔ وچن ان ہی سے بچ کے نکل رہی تھی کہ دو کمسن لڑکے ان کے سامنے فلمی انداز میں نمودار ہوئے اور نڈر ہو کر پوچھا۔
''آپ نے میٹرک کے پیپروں میں نقل کی اور کسی اور کی جگہ پیپر دیا۔''
''ارے، ارے۔''
وچن کے ہاتھوں سے تو جیسے طوطے اڑنے لگے۔ عافی بھی حیران تھا۔ وچن بے شک خفیہ انداز میں داستان گوئی نہیں کر رہی تھی لیکن اس کا انداز، اندازِ اعلان بھی نہ تھا کہ پیچھے آتے ہوئے لڑکوں نے

سب سن لیا تھا، یہ بھی میٹرک کے طالب علم لگتے تھے اور اچھے نمبروں کی تمنا میں چار سوسیڑھیاں عبور کر گئے تھے اور اب اترتے وقت وچن کی باتیں کانوں میں پڑ گئیں تو وہ بھی کان دھرنے لگے۔

دونوں لڑکوں نے اپنا سوال دہرایا۔

وچن نے آگے بڑھ کر ہاں کہہ دیا، اب اس جگہ کون جھوٹ بول سکتا ہے۔

وچن کا اعتراف جرم تھا کہ لڑکے جیسے پھٹ پڑے۔ کیسے وہ پڑھتے رہے، کیسے موبائل، ٹی وی سے دور رہے، والدین کی باتیں۔

وچن چپ چاپ کھڑی سنتی رہی اور جب انہوں نے اپنے سفر میٹرک پر ذرا بریک لگائی تو وہ بولی۔

''شرم نہیں آئی تم دونوں کو دوسروں کی باتیں سنتے ہوئے؟ میٹرک تک آپہنچے ہو اور مجھ سے پوچھتے ہو میں نے نقل کی، تم دونوں کو جب یہ نہیں پتا کہ دوسروں کی باتیں سننا اخلاق کے خلاف ہے تو تم بھی تو نقل خور ہوئے۔''

''نقل خور صرف وہ نہیں ہوتا امتحان میں پرچیاں ساتھ لے جاتا ہے، نقل خور وہ بھی ہوتا ہے جو علم سے کچھ سیکھتا نہیں۔''

لڑکوں کی بے عزتی ہو رہی تھی، آس پاس کے پہاڑی چڑھنے اور پہاڑی سے اترنے والے لوگ جمع ہو رہے تھے۔ وچن کا ethics کا لیکچر جاری ساری تھا۔ لڑکے معافی مانگ کر پہاڑی اترنے کی بجائے پہاڑی چڑھنے لگے۔ اب کون اس کا خصوصی لیکچر مسلسل سن سکتا تھا۔

عافی سینے پر ہاتھ باندھے اس سارے قصے کے دوران محظوظ نظر آ رہا تھا۔ لڑکوں کے رفو چکر ہونے کے بعد وہ عافی کے پاس چند قدم چل کر آئی اور اسی کے انداز میں ہاتھ باندھ کر پوچھا۔

''تم کیوں کونا پکڑ کر کھڑے ہو گئے تھے، تم بھی تو کچھ کہتے ان لڑکوں کو، کسی کی غلطی پر چپ رہنا......''

''بس بس بس، اب مجھ پر مت شروع ہو جانا اور ان لڑکوں کو تم نے کم آڑے ہاتھ لیا جو میں بھی میدان میں کود پڑتا۔ بے چاروں کو رات بھر نیند نہیں آئے گی۔ تمہارے اخلاقیات کے لیکچر یاد آتے ہوں گے۔''

”آنی بھی نہیں چاہیے۔“ اس نے کہا اور آگے بڑھ گئی۔ سنگت کی خواتین بہت آگے نکل چکی تھیں۔ وہ خرگوش کی طرح پیچھے رہ گئی تھی۔ لیکن وہ تھے تو سب پھوے ہی، ان کے سطح زمین پر پاؤں پڑنے سے پہلے وہ ان کے ساتھ تھی۔

سنگت کی خواتین اس کا ذکر کر رہی تھیں۔

”کملا کی بہت بہت ست ہے، جلدی تھک جاتی ہے، بار بار پیچھے رہ جاتی ہے۔ نا جانے کہاں رہ گئی؟“

وچن نے ان کی سنی تو بجلی کی طرح نیچے اتر آئی۔

وہ سب اسے دیکھ کر حیران تھیں۔ عافی بھی اس کی رفتار سے رفتار نہ ملا سکا۔ وہ سب سے پہلے گردوارے کے فرش پر متھا ٹیک رہی تھی۔

سورج ڈوب رہا تھا۔ مغرب کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ عافی نے دارالحکومت واپسی سے قبل نماز ادا کی۔ وچن دیگر خواتین کے ساتھ گوردوارے میں موجود تھی۔ سب کے دل یوں منور تھے کہ کسی کا جانے کو جی نہ چاہتا تھا لیکن جانا تو تھا وہ رات نو بجے کے پاس گھر آئی، دیپک بھی آ چکا تھا، چند رات کے دن گھر میں کچھ نہ پکاتے، کملا مندر سے ہی سب کے لیے اچھا خاصا پرساد لاتی تھی۔

☆......☆......☆

گھر آتے ہی وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

آج کھانا نہ پکانا تھا تو کچھ دیر آرام کر کے اس نے فری اور دوری کے گفٹ نکالے جو اس نے ابھی تک نہ کھولے تھے۔

ان گفٹ کی پیکنگ ہی ان کی محبت کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ بڑے ہی پیار سے دونوں کی پیکنگ کی پھر گلیو کی مدد سے ننھے ننھے اسٹار لگا کر وچن یعنی سکینہ کا نام لکھا، ننھے ننھے بے شمار رنگ برنگے ربن سے اپنے ہاتھوں سے پھول بنا کر لگائے کہ وچن نے گفٹ پیپر پھینکنے کی بجائے سنبھال کر رکھ دیئے۔ کسی کی اتنی محنت اور محبت کو کون پھینک سکتا ہے؟ دونوں نے اسے ٹیڈی بیر دیئے تھے، فری نے پنک اور دوری نے وائٹ بیر دیا تھا۔

ان کی محبت ان کی یادیں بھی ساتھ لیا آئی ، بہت مختصر وقت تھا جو ان کے ساتھ گزارا تھا لیکن ان دنوں کی یادیں دوستی کی چوکھٹ پر ہمیشہ کے لیے معتبر تھیں، امر تھیں۔

اس نے تمام کارڈ اپنے کمرے کی دیوار پر لگا دیئے اور بیر شوکیس میں سامنے رکھ دیئے۔

دیپک کمرے میں آیا تو وہ اپنی بہن انیلا سے باتیں کر رہی تھی۔

دیپک نے کمرے میں داخل ہوتے ہی نئی چیزوں کی موجودگی محسوس کی، وہ کارڈز کی طرف آیا۔fromدوری تمہاری دردانہ

fromفری تمہاری فرزانہ

اب یہ کون ہیں؟ دیپک نے بامشکل ہجے کر کے نام پڑھ لیے۔وہ کچھ کچھ پڑھ لیتا تھا لیکن لکھ نہ سکا تھا۔ان ناموں کو پڑھ کر دیپک نے سوچا مگر پوچھا نہیں،شاید وچن کے تعلیمی دور کے ساتھی رہے ہوں،اب اس کے بابو جی چونکہ شہر چھوڑ کر گاؤں گئے تھے تو انیلا کے گھر یہ سب رکھ گئے ہوں۔انیلا بہت دکھی لگ رہی تھی۔وچن اسے تسلی دے رہی تھی۔دیپک جانتا تھا انیلا کی طرح وچن بھی اپنے بابو جی کی وجہ سے پریشان تھی لیکن وہ کر ہی کیا سکتا تھا۔وچن کے بابو جی کٹر سے تھے ریت رواج کے پکے، بیٹی کے گھر کا پانی تک حلق سے نہ اتارتے تھے تو دیپک مدد کیسے کر سکتا تھا؟ وچن اور انیلا فون پر باتوں میں مصروف تھے۔دیپک بھی ماں کے پاس بیٹھ گیا،کمل بھی ان کے ساتھ تھا۔آج کھانا بھی کملا نے پروسا۔ دیپک نے وچن کو ڈسٹرب کرنے کو منع کیا تھا۔وہ بہن کے ساتھ باتیں کر کے دل ہلکا کر سکتی تھی۔

لیکن دل ہلکا کیا ہونا تھا میکے سے آتی جلنے کی بو بیٹی کی آسودگی کو دھواں دھواں کر دیتی ہے جس کا ترش پن دل کو چبھتا ہے، آنکھوں کو لگتا ہے وہ روتے روتے سو گئی، جب کہ اس کے پاس بابو جی کی مدد کو بہت کچھ تھا۔

☆......☆......☆

علی الصبح ہی اس نے دیپک سے میکے جانے کی اجازت لے لی تھی۔اب وہ پیکنگ کر رہی تھی کہ عافی کا میسج آ گیا۔

وہ اپنی باتوں کا پکا نکلا۔ تڑکے ہی عبایا والی کا مکمل پتا، نام اور ایڈریس سینڈ کیا۔ ''خوش دل'' تو اس کا نام خوش دل تھا اور وہ اہل شہر ہی نکلی۔ وچن کی آنکھوں میں اس کا خوب صورت چہرہ اتر گیا۔ چند لمحے وہ اسی کے متعلق سوچتی رہی، بس یوں ہی نا جانے کیوں؟ وہ تھی بھی تو ساحرہ سی۔ سچ کہتا ہے عافی ایسے چہروں کو زیادہ دیکھو تو جادو کی طرح اثر کر جاتے ہیں۔ اس نے پھر سے پیکنگ شروع کی۔ کملا دل ہی دل میں کڑھ رہی تھی۔ وچن اس کے انداز پر حیران تھی۔ ساس کو بہو کا گھر میں رہنا بھی پسند نہیں ہوتا اور میکے جانا تو بالکل پسند نہیں ہوتا۔ مصروفیت بہت تھی لیکن اس ک باوجود وہ اچھے موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتی تھی، جلدی جلدی تیار ہوئی اور کچن کی طرف آئی۔ کملا برتن دھو رہی تھی۔ اس نے دو تین گندے برتن دھونے کے لیے رکھ دیئے اور کہا۔

''مجھے زیادہ مس نہ کرنا میں دو ماہ تک تو نہیں آؤں گی۔''

کملا کے ہاتھ سے برتن چھوٹ گئے۔

''کیا...... دو ماہ؟'' دل میں جیسے اچانک کچھ ہوا پتا نہیں کیا؟ لیکن کہے تو کہے کیسے۔ اسے بہو کی پروا تھوڑی تھی، جائے جہاں جا کے مرے۔ لیکن اس کے گھر کا کام۔ دو ماہ گھر کے کام۔

وچن آگ سی لگا کر جانے لگی پر وہ بھی کملا تھی۔ کمل کے اسکول سے اتنے دن چھوٹی تھوڑی ملے گی، جلدی آجائے گی۔ اس نے آس باندھ لی اور خود کو تسلی دی پر وچن ہاتھ آیا موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتی تھی۔ جاتے جاتے اس نے دیپک سے اونچی آواز میں کہا۔

''کمل کے اسکول کی فکر نہ کرنا، میں نے آن لائن اسٹڈی کا انتظام کیا ہے۔''

''ہاں یہ کیا؟ اسی لیے وہ پڑھی لکھی بہو نہیں لینا چاہتی تھی۔ اس نے سر تھام لیا، وچن کے ہونٹوں پر مبہم سی مسکراہٹ تھی، ساسو ماں کا سانس اٹکا ہوا تھا۔ اسے اور کیا چاہیے تھا۔

☆......☆......☆

کمل کی خوشی انوکھی تھی۔

وہ نانی کے گھر جا رہا تھا۔ بچوں کے لیے یہ بہت ہی انمول ہوتا ہے۔ جبکہ نانی کے گھر جا کر انہیں

دوسرے بچوں سے مار بھی پڑتی ہے۔ان کے کھلونے بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتے ہیں، گرنے پڑنے سے چوٹیں بھی لگتی ہیں، لیکن ''نانی گھر'' تو نانی گھر ہے۔

کمل بے انتہا خوش تھا۔اس نے گرے شرٹ پر بلیو رنگ کا اسپائیڈر مین کے ٹیٹو والا بیگ لٹکایا ہوا تھا جس میں کھانے پینے کی اشیاء موجود تھیں۔ وچن کو گاؤں تک چھوڑنے دکان کا ملازم جا رہا تھا۔وہ پبلک ٹرانسپورٹ کے ذریعے گاؤں کے راستے پر سفر کر رہے تھے۔موبائل کے سگنل کبھی بائے بائے کرتے تو کبھی ہائے ہائے، لیکن اس کے باوجود وچن عافی کو میسج کرتی رہی۔عافی نے اسے کہا وہ آج نیپال جا رہا ہے اور چار دن میں واپس آجائے گا۔

''اچھا! اپنا خیال رکھنا۔اوکے، تم خوش دل کو اس کے پیسے واپس کرنا۔''

''میں گاؤں جا رہی ہوں، نو سگنل۔'' وچن نے بس اتنا کہا۔کیا کہتی کہ وہ خوش دل کو پیسے لوٹا نہیں سکتی۔اس نے ان پیسوں سے باپو جی کی مدد کرنی تھی۔نا جانے اس کے خود دار باپو جی کا اب کیا حال ہوگا اور وہ کہاں بیٹی کے دیئے ہوئے پیسے لیں گے۔نا جانے کیا کیا اور کیسے کیسے پاپڑ بیلنے پڑیں گے۔اسے اپنی بے بسی پر ترس آنے لگا۔زمانے کی رسمیں، بہرحال اسے سمجھداری کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔سب کچھ سوچ سمجھ کر کرنا ہوگا۔کچھ ایسا کہ بات زمین دار صاحب اور ان کے درمیان ہی رہے۔

سارے راستے اس کی سوچیں بھٹک کر اس کے باپو جی پر مرکوز ہو جاتیں۔نا جانے کس حال میں ہوگا اس کا میکا۔اور گاؤں والوں کی طبیعت ''تیلی کو کھنبا'' بنانے والی ہوتی ہے۔نا جانے لوگ کیسے کیسے سوال پوچھتے ہوں گے، اور نا جانے اس کے کم گو باپو جی کیسے جواب دیتے ہوں گے۔سوچوں پر آج قابو پانا اس کے لیے مشکل تھا۔اسے اپنا گھر یاد آ رہا تھا۔تب کیا تھا اس گھر میں جو آج ہوگا؟ نا جانے اس کی بھابھی اور بھائی کے بچے کیسے گزر بسر کر رہے ہوں گے؟

دل کی فکریں جاری تھیں کہ گاؤں کی حدود کا آغاز ہو چلا۔اس کا گاؤں اب پہلے جیسا خالص نہ لگتا تھا۔سب کچھ بدل گیا تھا۔جیسے تمام مناظر نے ترامیم کی ٹھان کر نیا لبادہ اوڑھ لیا ہو۔یہ گاؤں اب گاؤں نہ رہا تھا قصبے کی صورت اختیار کر گیا تھا۔پکے گھر اونچے مکان، پکی سڑکیں، لمبی بازار، متعدد

دکانیں، ارے واہ شاپنگ سینٹر اور گارمنٹس کی شاپ بھی، تانگے تھے لیکن رکشے بھی۔ پرانہوں نے پبلک ٹرانسپورٹ سے اتر کر تانگے کی سواری کی۔ تعلیمی لحاظ سے بھی خاطر خواہ تبدیلی دیکھنے کو آئی۔ اب یہاں لڑکے لڑکیوں کے لیے کالج بھی تھا اور عمارت بھی۔ انگلش میڈیم اسکول بھی نظر آ رہا تھا۔ وچن کا سپنا کسی اور نے بن لیا تھا۔ وچن پڑھ لکھ کر اپنے گاؤں میں انگلشن میڈیم اسکول کھولنا چاہتی تھی۔ نا جانے کیوں اسے اس خوشی کی بات سے خوشی نہیں ہوئی۔ بابو جی نے ایک نہ سنی تھی۔ اسے پھر اس کی ادھوری تعلیم کا دکھ ستانے لگا۔ کچھ یادیں اُمڈ آنے لگی۔ وچن کو، اس گاؤں کے مکھیا انکل استانی کہتے تھے اس گاؤں میں سب اس کی بہت عزت کرتے تھے، وہ اس گاؤں میں چند پڑھی لکھی لڑکیوں میں سے ایک تھی اور اپنی برادری کی تو واحد سپتری تھی کو آگے نکل آئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اسے دیکھتے ہی چند حضرات اس کی طرف بڑھ آئے۔ اب سے نمستے کیا اور اس کا سامان اٹھالیا۔ یہ وہ لڑکے تھے جنہیں وچن نے بچپن میں پڑھایا تھا یہ سب اب بڑے ہو گئے تھے۔

وچن ان سب کو دیکھ کر پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ گاؤں میں سب بدل گیا تھا بس گلیاں اور راستے وہی تھے۔ چند منٹ بعد وہ اس ٹھنڈے ٹھنڈے موسم میں میکے والوں سے ملنے کی تڑپ لیے گھر کے باہر کھڑی تھی۔ نا جانے کتنی یادیں تھیں جو اس چوکھٹ سے جڑی تھیں۔ نا جانے کتنے نئے پرانے احساسات تھے جو اس وقت اس سے لپٹ لپٹ سے رہے تھے۔ دروازہ اس کی بھابھی نے کھولا تھا اور اسے یوں اچانک دیکھ کے حیران تھی۔ وہ بھابھی سے مل کر برآمدے میں آئی تو اس کی ماں اسے سامنے شنے کوٹتی نظر آئی۔ وہ جیسے ماں کو دیکھتے ہی ان سے لپٹ گئی اور رونے لگی۔

''ارے پگلی! روتی کیوں ہو؟''

''آپ نے مجھے کچھ نہ بتایا اماں، میں اتنی پرائی ہو گئی؟'' وچن نے بامشکل کہا۔ وہ بچوں کی مانند رو رہی تھی۔ کمل بھی اسے روتا دیکھ کر سہم سا گیا۔

''بس نہ میری بیٹی، اس طرح نہیں روتے۔'' یہ آواز بابو جی کی تھی۔ وہ ان کی آواز سن کے مڑی۔

''بابو جی! آج بھی اپنی سفید براک پوشاک میں نسواری واسکٹ پہنے ہوئے تھے اور سب سے

خاص جو تھا ان کے چہرے کا سکون تھا وہ آج بھی ہمیشہ کی طرح خوش و مطمئن تھے اور وچن کو دیکھ کر بازو پھیلا کر کہنے لگے۔

''میری لکشمی میرے گھر آئی ہے۔''

ان کی بات سن کر تو وچن اور رونے لگی۔

''بیٹیوں کی ایسی قسمت کہاں۔ انہیں تو ان کے گھر کی خبر باہر والے دیتے ہیں۔ آپ مجھ سے ملے بنا آ گئے۔ مجھے کچھ نہیں بتایا۔'' وچن کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

''تم سسرال میں میکے کے کارن دکھی نہ ہو، اسی لیے نہیں بتایا۔'' باپو جی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور کمل کو اٹھا لیا۔

''پانی پی لو۔'' اس کی بھابھی اس کے لیے پانی لائی تھی۔ ساتھ میں گاجر اور پیٹھے کا حلوہ اور چند لوازمات بھی تھے۔ باپو جی اپنے سنسکاری نواسے سے ملنے میں مگن تھے۔

وچن نے پانی پیا۔ اب ذرا اس کی حالت بہتر تھی۔ اس نے اپنے آبائی گھر کے اطراف نظریں دوڑائیں، یہاں بھی سب کچھ نیا نیا لگ رہا تھا۔ اس نے رونا بند کیا تو ماں اور باپو جی بھی مطمئن ہو گئے۔ وہ ان کی بیاہی ہوئی بیٹیوں سے آسودہ بیٹی تھی۔ ایک وہی تھی جس کی طرف سے دونوں میاں بیوی بے فکر تھے۔ ورنہ تو سب بیٹیوں کے حال پورے تھے۔

کمل حلوے پہ سجا کا جو نوچ نوچ کر کھا رہا تھا۔ وہ بے حد کیوٹ سا بچہ تھا بڑے اسکول میں پڑھنے والا، انگریزی بولنے والا سیٹھ دیپک کے گھر کا چراغ۔ نانی اس کے بالوں میں پیار سے ہاتھ پھیر رہی تھی۔ وہ نانی کو اپنے بیگ میں رکھی چیزیں دکھا رہا تھا۔ وہ اپنے ساتھ کانٹے چمچ کا سیٹ بھی لایا تھا جو اسے کملا نے لے جانے کو کہا تھا۔ گاؤں والوں کو پتا تو چلے اب ان کے گھر میں کھانے کا میز بھی ہے اور یہ بھی کہ وہاں جا کر کھانا کھانے کے آداب جو کملا نے سکھائے ہیں وہ بھولے نہیں ہیں۔

نانی اپنے چھوٹے شہزادے کی باتیں سن کر ہنسنے لگی۔ وچن ہاتھ منہ دھو کر آئی تو چند بندے ''یو ایس اور سولر'' فٹ کرنے آئے۔ اس نے آس پاس اطمینان سے نظریں ڈالیں تو منظر اس کی توقع سے

برعکس نکلا، باپو جی گاؤں شفٹ ہوئے تھے مگر ذرا شہری انداز میں۔ اس کا گاؤں کا گھر تو شہر والے گھر سے بھی خوب صورت لگ رہا تھا، ذرا آگے جا جنے پر تو نقشہ ہی مختلف ہوگیا۔ گھر کی دیواریں پکی تھیں، چھتیں اور فرش خوب صورت بنے تھے اور بھابی کے کمرے سے اے سی کی ٹھنڈک بھی آ رہی تھی۔ وہ جی جانب جہاں کبھی وہ مرغیاں اور دیگر مویشی پالتے تھے وہاں بھی کام چل رہا تھا۔

''وچن اووچن۔'' یہ آواز اس کی چاچی کی تھی۔ وہ اس کی تلاش میں اس کی جانب لپکی اور تپاک سے گلے لگ گئی۔ وہ اسے دیکھ کر بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ بلکہ وہ سب کو دیکھ کر خوش نظر آ رہی تھی اور بار بار اپنی باتوں سے خوشی کا اظہار بھی کر رہی تھی جبکہ ایسے موقع میں تو چاچی سے اچھے رویے کی تمنا نہ کی جا سکتی۔ وچن نے ماں کی جانب دیکھا۔

چاچی اس کے بھائی نیلش کا رشتہ اپنی بھتیجی کے لیے لائی تھی اور جب سے آئی تھی اسی کے گن گا رہی تھی۔ وہ نیلش کی نوکری کی بھی بات کر رہی تھی۔ وچن کی حیرت میں مزید اضافہ ہوا۔ لیکن یہ چاچی جائے تو وہ ماں سے بات کرے مگر وہ کر بھی کیا سکتی تھی۔ مہمان تھی کھانا وانا کھایا اور پھر کہیں چلتی بنی۔

وچن نے ماں سے بات کی تو ماں بولنے لگی۔

''براوقت آندھی کی مانند آیا اور طوفان کی مانند گزر گیا۔''

اس کی حیرت میں مزید اضافہ ہوا۔

''نیلش کی پڑھائی ختم ہوتے ہی نوکری پکی ہوگی۔''

''نیلش کی؟ پر ابھی تک تو اس کے بی ایس کا رزلٹ بھی نہیں آیا۔''

''وہ پتا نہیں مگر نوکری پکی ہوگئی اور اس نے لون لے کر زمین بھی آزاد کروالی۔''

''کیا کہہ رہی ہو اماں؟ ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔ اتنی جلدی نوکری اور پھر لون؟''

''بس رب کی مہر سمجھو۔ سارا قرض بھی اتر گیا اور اب فصل کی کٹائی بھی ہو رہی ہے۔ تمہارے بھیا نے شمسی سمان کی دکان بھی کھول لی جو ہاتھوں ہاتھ بکی، یہاں کے گرمی کے مارے لوگوں نے ایسی آسانی دیکھی تو سب دیکھا دیکھی میں شمسی لینے لگے۔''

''دشمسی...... شمسی تو سمجھ میں آیا لیکن نیلش ......اس نے؟'' اسے فکر ہونے لگی۔ اس نے نیلش کے پاس فون کیا لیکن فون بزی تھا۔ اس کی الجھن بڑھنے لگی۔ نا جانے کیسے کیسے لوگ ہیں، کوئی یوں ہی تو پیسے نہیں دیتا۔ اسے سکینہ اور عبایا والی لڑکی کا دھوکا یاد آیا۔ اس نے جلدی جلدی واٹس اپ پر نیلش کو وائس میسج کیے، پر اس کا اسٹیٹس دیکھ کر وہ چپ ہوگئی۔

نیلش کی پک میں وہ عافی کی کمپنی کے باہر کھڑا تھا۔

''عافی...... عافی۔''

''ہاں، میں پتا کروا سکتا ہوں، جس طرح تمہارا کروایا۔ مس از سیٹھ دیپک۔''

''عافی...... عافی۔''

وہ مطمئن سی ہوگئی۔ نیلش عافی کی کمپنی میں تھا۔ ضرور عافی نے پتا کروایا ہوگا کہ میں پیپر دے کیوں رہی ہوں اور پھر اس نے نیلش کو نوکری دے دی۔ لون بھی۔ تب ہی تو اس نے خوش دل کا ایڈریس اسے دیا تا کہ وہ اسے پیسے دے دے۔

باپو جی بیٹیوں کے گھر کا پانی بھی نہ پیتے تھے اور قدرت نے ان کا ساتھ دیا۔ وچن نے بھی پیسے لانے کا ذکر کیا۔ یہاں سب ٹھیک تھا اس سے پہلے اس کے باپو جی تک عافی پہنچا تھا اور کسی مسیحا کی طرح سارے مسئلے حل کر دیئے تھے۔

''عافی؟ کیا تھا یہ شخص، کون تھا یہ شخص؟ نہ اس شخص میں تعصب تھا نہ کوئی فخر؟ بن مانگے مدد کرنے والا، کتنے خوش نصیب ہوں گے اس کے اپنے اس کے ماں باپ، اس کی بیوی بچے، جو شخص معمولی سی دوستی کو اس حد تک نبھاتا ہے وہ رشتے دار کتنا اچھا ہوگا۔ وہ عافی کے متعلق ہی سوچ رہی تھی کہ نیلش نے کال بیک کی۔ اس نے اسے نوکری کی مبارک باد دی جو اس نے خوش دلی سے قبول کی۔ وچن نیلش کی فورٹ دیدی تھی، اس نے ہی بچپن سے اسے پڑھایا تھا۔ وچن کی ماں اسے مطمئن دیکھ کر اور بھی زیادہ بے فکر ہوگئی۔ کہیں کہیں اسے بھی کھٹکا سا تھا کہ نیلش کہیں کسی غلط کام میں نہ پڑ ھا ہو لیکن وچن نے ٹھیک کہا تو سب ٹھیک ہوگا۔ نیلش بار بار وچن کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔ اس کے تعلیمی میدان میں اس کی

دیدی ہی اس کی رہنما تھی۔ لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ اس جاب کی بھی کڑی کسی نہ کسی طور سے وچن سے ہی جا ملتی تھی۔

''تو ہمارے دن بدلنا چاہتی تھی وچن، دیکھ تیری سن لی گئی۔ سچ کہہ رہا ہے نیلش تو ہی اسے رات رات بھر جاگ کے پڑھاتی تھی۔ اس کے پرچے ہوتے تو سسرال چھوڑ کر میکے آ جاتی۔ تیرے باپو جی نے تجھے پڑھا لکھا کر بہت اچھا کیا۔'' یہ وچن کی ماں تھی جو اس کی تعلیم کی سب سے بڑی دشمن تھی۔ اسے فکر رہتی وہ گھر ہستی کیسے چلائے گی۔ لیکن آج اسے وچن پر فخر تھا اور گاؤں میں سب بچیوں کو وہ اب پڑھنے کی نصیحت کرتی رہتی۔ وچن کی نیت پڑھ لکھ کر ماں باپ کی مدد کرنے کی تھی اور اس نے نیت کی مراد بھی پائی تھی۔ وہ اس خاطر خواہ تبدیلی سے بہت خوش ہوئی تھی۔ اسے دل سے سب جان کر اچھا لگا تھا۔ بس باپو جی اسے پڑھنے دیتے تو برا وقت کبھی نہ آتا۔ اس کی آس آنے بہانے منہ دکھائی کرتی رہتی۔

وچن کو آج اس انسانی behaviour کی سمجھ آئی تھی۔ انسان کی خواہشات نہ پوری ہوں تب بھی دکھ ہوتا اور اگر اس کی جگہ کوئی اور ان خواہشات کو پورا کر لے یا مانو دل سے اس کی خواہشات چرا لے تب بھی بہت دل دکھتا ہے کہ کچھ خواہشات زندگی میں زندگی کی مانند رچ بس جاتی ہیں۔ گاؤں میں کسی نے انگلش میڈیم اسکول کی بنیاد رکھی تھی، گاؤں کی تمام بچیاں اب پڑھنے لگی تھیں۔ باپو جی کے تمام مسئلے نیلش نے حل کر دیئے تھے۔

لیکن خواہشات باقی تھیں۔

وہ جب جب ماں سے شکایت کرتی۔ اپنے آگے نہ پڑھ پانے کا سوگ مناتی۔ اس کی ماں اسے پیار سے سمجھاتی، پوچھتی۔

''تو کیوں پڑھنا چاہتی ہے وچن؟ تیرا پتی کماتا ہے، نام ولا، پیسے والا گھر ہے تیرا اور تجھے کیا چاہیے؟''

ماں آج بھی اسے شکر کرنے کا اپدیش دے رہی تھی۔ اور آج اس نے سوچا تھا، سمجھا تھا پھر یہ جانا بھی تھا کہ علم کی پیاس خالص پیاس ہوتی ہے۔ ہم بے وجہ اس میں خواہشات کی ملاوٹ کرتے ہیں۔ پڑھ لکھ کر یہ کر لیں گے، وہ بن جائیں گے، خوشیاں لوٹ لیں گے، دولت بٹور لیں گے۔ پر

درحقیقت علم کی پیاس ایک خالص پیاس ہے جو وجہ بے وجہ دل میں پڑ سکتی ہے۔

اب وچن کے پاس کوئی بہانہ نہ تھا۔ جو وہ یہ کہتی کہ کاش باپو جی آگے پڑھنے دیتے تو وہ ان کے دن بدل سکتی تھی۔ گاؤں میں انگلش میڈیم اسکول کھول سکتی تھی۔ اب اس کے دل میں علم حاصل کرنے کی خواہش بالکل خالص بالکل نرمل تھی۔ جب انسان کے دل میں علم حاصل کرنے کی خواہش بے وجہ نشو نما پالے تو ہی انسان اصل معنی میں علم حاصل کر لیتا ہے۔ خواہ پھر کتابیں ہوں یا کتابِ زندگی وہ ہر ایک چیز سے سیکھتا ہے۔

☆......☆......☆

عافی نیپال سے جب واپس آیا تو اس نے وچن کو میسج کر دیا۔ وہ اسی کے میسج کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے عافی کا شکریہ ادا کرنا تھا، اس لیے عافی کا میسج پاتے ہی اس نے ریپلائے کیا۔ عافی حیران رہ گیا۔ وچن سے ایسی پھرتی کی تو امید نہیں تھی۔ وہ تو اس کے میسج کا جواب دو دن کے بعد بھی دیتی اور کبھی کبھی ایک ہفتہ بھی لگ جاتا۔

''میں کیسے تمہارا شکریہ ادا کروں عافی؟''

''جیسے تمہیں سمجھ آئے۔ لیکن تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں نیپال سے تمہارے لیے کچھ لایا ہوں؟''

''مجھے نہیں پتا، نا جانے کوئی کسی کا پتا کیسے لگواتا ہے؟ مجھے تو سمجھ نہیں آتا اور ایک بات تو بتاؤ میری شناخت کا کیا کہیں اشتہار آتا ہے۔ جو سب کو سب کچھ پتا چل جاتا ہے؟''

''ہاہاہا۔'' عافی ہمیشہ کی طرح اس کی بات سن کر ہنسنے لگا۔

''بتاؤ عافی، کوئی کیسے کسی کے متعلق اتنا کچھ جان سکتا ہے؟ پہلے وہ سکینہ، اس نے کیسے جانا کہ میں اس کے پیپر دے سکتی ہوں، پھر وہ عبایا والی، کیا نام بتایا تھا تم نے اس کا، خوش دل۔ ہاں وہ خوش دل تو ایسے جانتی ہے مجھے جیسے میرے پچھلے جنم کی ساتھی ہو۔''

''ہاہاہا۔'' عافی پھر ہنسنے لگا۔

''اور تم عافی، تم نے کیسے جان لیا سب کچھ اور نیلش کو نوکری بھی دے دی۔''

”سچ بتاؤں۔“

”تو اور کیا جھوٹ بولو گے۔“

”چلو بتاتا ہوں۔ سچ تو یہ ہے مجھے بھی نہیں پتا کہ کیسے کسی کی انفارمیشن لی جاتی ہے۔“

”جھوٹے، تو تمہیں کیسے پتا چلا سب کچھ؟“

”میں نے کسی کو پتا کروانے کے لیے کہا اور اس نے اپنا کام کیا۔“

”یعنی کوئی اور بھی جانتا ہے میرے متعلق سب کچھ۔ اف۔“ اس نے سر پکڑ لیا۔

”اچھا سوچو، میں کیا لایا ہوں گا تمہارے لیے۔“

”میں نے کہا نا مجھے کچھ پتا کروانا نہیں آتا اور میں اب تم سے کچھ نہ لوں گی۔“

”کوئی بڑی چیز نہیں ہے میں راستے سے گزر رہا تھا تو ایک نیپالی بچی نئی نئی ڈبیہ بیچ رہی تھی۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ یہ سندور ہے، مجھے تم یاد آئی تو میں نے خرید لیا۔“

”میں سندور استعمال نہیں کرتی۔“

”لیکن میں نے تو اکثر دیکھا ہے۔“

”وہ ریڈ لپ کلر پنسل ہوتا ہے۔“ اس نے بے فکری سے کہا تھا۔

”مطلب؟“

”مطلب کیسے سمجھاؤں۔ بس تم سمجھو شارٹ کٹ۔ مانگ بھرنے اور خود کو شادی شدہ ظاہر کرنے کا آسان طریقہ اور پھر سندور پھیل جاتا ہے۔ چہرے پر گر بھی جاتا ہے۔ سندور کا استعمال ذرا سا مشکل ہے پر اس کی جگہ ریڈ کلر لگانا آسان ہے۔“

”اچھا ٹھیک ہے جب تمہیں ضرورت پڑے لے لینا۔“

”اب میں تم سے کچھ نہیں لوں گی عاقی۔“

”لیا تو کیا ہو جائے گا؟“

”تمہیں دینے کا فخر اور مجھے لینے کی عادت پڑ جائے گی۔“

''اف یہ لڑکی اور اس کے اصول۔ ارے تم نے مجھ سے کبھی کچھ نہیں لیا۔''

''میں لیتی بھی نہیں کسی سے۔ باپو جی سے بھی شادی کے بعد کچھ نہیں لیتی۔''

''پتا ہے اس لیے تم سے ساس خفا رہتی ہے جبکہ تم ایک سگھڑ لڑکی ہو۔''

''پتا ہے پتا ہے۔''

''ہاں کملا مہارانی۔'' اس نے اس انداز میں ساس کا نام لیا کہ عافی کو ہنسی آ گئی۔ اس کا موڈ وچن سے باتیں کر کے خوش گوار ہو جاتا تھا۔ یہ بات اس کی سیکرٹری رخسار نے بھی نوٹ کی تھی جو اس وقت لمبی پونی اور خوب صورت ڈریسنگ میں اپنی گھری پلکوں پر مسکارا لگائے، پلکیں جھپکاتی ہوئی عافی کو دیکھ رہی تھی۔ عافی زیرِ لب مسکرا رہا تھا۔ اسے ایسی تبدیلی کبھی کبھی دیکھن کو ملتی تھی۔ چلو اچھا تھا آج سر کا موڈ اچھا تھا، اس لیے بری خبر دیتے ہوئے اسے ڈانٹ نہیں پڑے گی۔''

''سر! انویسٹی گیٹرز نے معذرت کے ساتھ پیسے واپس کر دیے ہیں۔''

عافی کا موڈ یک دم خراب ہو گیا۔ اسے غصہ آنے لگا۔ اس سے پہلے عافی بہت زیادہ غصہ کرے رخسار نے جانا مناسب سمجھا۔ عافی بہت غصے میں لگ رہا تھا وہ اپنے آپے سے باہر آ چکا تھا۔ رخسار باہر تھی لیکن وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اندر کیا کچھ ٹوٹ رہا تھا۔ عافی نے سارا آفس الٹ دیا تھا۔ نا جانے کون تھی وہ جس کی تلاش ممکن نہ تھی۔ نا جانے کہاں تھی وہ جس کا کوئی پتا نہ تھا۔ اس نے فائل میں موجود لڑکی کا اسکیچ دیکھا۔ پتا نہیں یہ لڑکی اب اس دانیا میں اپنا وجود رکھتی تھی یا نہیں۔ عافی نا جانے کتنے پیسے خرچ کرتا تھا اس گمشدہ کی تلاش میں۔ خود رخسار نے بھی اپنے طور سے اس لڑکی کو تلاشنے کی کوشش کی تھی لیکن سب کی طرح وہ بھی ناکام رہی تھی۔ اس نے بھی سب کی طرح اس لڑکی کا ڈیتھ سرٹیفکیٹ دیکھا تھا لیکن عافی کو کون سمجھاتا کہ مرے ہوئے لوگوں کو کھو جو بھی تو وہ مرے ہوئے ہی ملتے ہیں۔

لیکن اگر وہ زندہ ہوئی تو؟

تو وہ کہاں تھی۔ کیا وہ اس تڑپ سے بے خبر ہو گی۔ کیا اسے نہیں پتا ہو گا کہ عافی کی سانس سانس اسے پکارتی تھی۔ کیا سچ میں یادوں کا کوئی ردعمل نہیں ہوتا۔ کسی کا کسی کو یاد کرنا دنیا کا سب بے کار عمل

ہے۔ یہ ایک بے مقصد تڑپ ہے، لاحاصل کوشش، ایک تھکا دینے والا عمل۔

ناجانے یاد آنے والے سامنے کیوں نہیں آتے؟ اور اگر وہ سامنے نہیں آتے تو ان کے ہونے کا احساس دل سے کیوں نہیں جاتا؟ کیوں ان یادوں کا کوئی ردعمل نہیں ہوتا؟ کیوں یاد آنے والوں کو یاد کرنے والے کا احساس تک نہیں ہوتا۔ کیوں کوئی کھپ رہا ہوتا ہے اور کوئی بے خبر۔

رخسار رات کو چلی گئی تھی۔ صبح آئی تو عافی بکھرے ہوئے آفس میں ایک کونے میں سمٹا ہوا نیند میں بڑبڑا رہا تھا۔

''پہاڑوں نے اپنے ہی لوگوں کو نگل لیا ہے۔ پہاڑوں نے اپنے ہی لوگوں کو نگل لیا ہے۔''

''سر، سر!'' اس نے عافی کو پکارا اور پکارتی رہی۔

وہ رات بھر کسی کی جدائی میں تڑپتا رہا تھا۔ پتنگے کی مانند جلتا رہا تھا۔ جدائی میں جلنا، پچھتاوے میں جلنا، یادوں کے سائے تلے جھلسنا کیسا ہوتا ہے، وہ کوئی آ کر عافی سے پوچھے یا پوچھے بھی نہیں بس اسے دیکھ کر سمجھ جائے کہ وہ کیسے زندہ تھا۔

پھر سے نینداس کی آنکھوں سے کوسوں پرے تھی۔ شاید اسی لیے اس نے سلیپنگ پلز لی ہوگی جس کی وجہ سے اسے گہری نیند آئی اور پھر وہی بار بار ستانے والا خواب۔

''سر، سر!'' رخسار نے اس پر پانی کے چند قطرے گرائے تو وہ ہوش کی دنیا میں واپس آیا۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا حال بے حال سا تھا۔ تنفس تیز تھا۔ رخسار نے اسے پانی پیش کیا۔

اس بار عافی نے کوئی اوٹ پٹانگ سوال نہ پوچھا اور چپ چاپ آفس سے باہر نکل گیا۔

ناجانے کسی کو انہیں اس قدر رنجانے سے کیا ملتا ہے۔ وہ سوچتی رہی، اسے آج بہت کام تھے۔ سارے آفس کو پھر سے پرانی حالت میں واپس جولانا تھا۔

☆......☆......☆

بیٹی جتنے دن بھی میکے میں رہے پرا سے جانا تو اپنے گھر ہی ہوتا ہے۔ وہ بھی بالآخر گھر واپس آ گئی۔ کمل کی پڑھائی گاؤں کے بے حال و کمزور انٹرنیٹ سگنلز کی وجہ سے درہم برہم ہوئی تھی۔ وہ صبح سے

ہوم ورک ہی کر رہا تھا۔ اس نے نانی گھر جا کر جتنے مزے کیے اس سے زیادہ ہوم ورک کی سزا پائی، اب تو وہ ننھا وجود مزید ہوم ورک کرنے سے انکاری تھا اور منہ پھلائے بیٹھا تھا۔ کملا بھی بہو کے اتنے زیادہ دنوں کے لیے میکے جانے پر صبح سے گرج برس رہی تھی۔ نا جانے دادیوں کو اپنے بچے ننھال سے آتے ہوئے کمزور کیوں لگتے ہیں؟

وہ انرجی ڈرنک بنا کر پوتے کو پلا رہی تھی اور کمل بھی دادی کو دیکھتا تو دادی کا ہو جاتا تھا۔

وچن نے دونوں کو تنہا چھوڑا اور دارالحکومت کی سمت نکل پڑی۔ اسے عافی سے مل کر اس کا شکر ادا کرنا تھا۔ عافی اسے آفس میں دیکھ چونکا تھا اور وہ عافی کا آفس دیکھ کر حیران تھی۔

"کیسے آنا ہوا؟"

اس نے اپنی ساڑھی کا پلو ہاتھوں میں دبوچا اور گویا ہوئی۔ "عافی! تم تو باس ہو باس، کیسے اتنے بڑے آدمی بن گئے؟"

"یہاں کیسے آئی؟"

"کسی بڑے آدمی کے بیٹے ہو نا۔"

دونوں کا انداز استفہامیہ تھا۔ سوال ہی سوال۔

"اچھا کیا لوگی؟"

"کہا نا عافی، اب میں تم سے کچھ نہ لوں گی۔"

"اچھا چلو کافی پیتے ہیں۔"

"اوکے کافی پی لوں گی۔" شکر ہے اس نے کسی بات کا جواب تو دیا۔ کافی آنے تک اس کی باتوں سے کافی کا موڈ بہتر ہو گیا تھا۔

"ویسے تم کسی بڑے آدمی کے بیٹے نہیں لگتے عافی۔"

"کیوں، میں شکل سے سڑک چھاپ لگتا ہوں؟"

"وہ تو پتا نہیں، میں نے تمہیں اس اینگل سے نہیں دیکھا کبھی۔"

''ہاہاہا۔کیا مطلب سڑک چھاپ لگتا ہوں کہ نہیں۔''

''نہیں۔''

''شکر ہے۔''

''لیکن تم کسی بڑے آدمی کی اولاد بھی نہیں ہو سکتے۔''

''ارے وہ کیوں؟''اس نے کافی پیتے ہوئے پوچھا تھا۔

''تم مددگار ہو عافی۔مددگار وہی ہوتا ہے جو کبھی خود مدد کا طلب گار رہا ہو۔''

''ہوں۔''عافی نے اثبات میں سر ہلایا اور کہا۔''بہت عقل مند ہو تم۔''

''ہاں اسی لیے تو پاپڑ بیلتی ہوں اور دوسروں کی جگہ پیپر دیتی ہوں۔''اس کی خوشی منٹوں میں افسوس میں بدل گئی۔وہ سچ میں عقل منداور ذہین لڑکی تھی۔

''تم کہو تو میں اس لڑکی خوش دل کو اس کی دھوکہ دہی کے لیے اس کے انجام تک پہنچا سکتا ہوں، لیکن اگر تم اجازت دو تو۔''

''تمہیں کب سے اجازتوں کی ضرورت پڑ گئی عافی؟ تم تو ہیرو بن کر انٹری کرتے ہو اور داد وصول کرتے ہو۔پھٹا پوسٹر نکلا ہیرو۔''اس نے ہوا میں پوسٹر پھٹنے کا اشارہ کیا تھا۔

''ہاہاہا۔''

وچن کی صاف گوئی ہی تو اس کی پہچان تھی۔اس نے اس انداز میں اسے ہیرو کہا کہ وہ مشکلوں سے اپنی ہنسی روک کر اس سے پوچھنے لگا۔

''اچھا اب بتاؤ اس لڑکی کا کیا کرنا ہے؟''

''تم چھوڑو عافی، اس نے میرے ساتھ دھوکا تو کیا لیکن میری مدد بھی کی۔اس نے مجھے باپو جی کی مدد کے لیے پیسے دیئے تھے۔''

''تو......''

''تو اگلی بار پیپر دے دوں گی۔''

''یعنی تم اس جرم سے باز نہیں آؤ گی؟''

''میں باز آ جاتی عافی، اگر جو تم مجھے بتا دیتے کہ تم نے باپو جی کی مدد کی ہے اور تم اتنے بڑے آدمی ہو۔''

''تو میں نے نہیں بتایا تھا؟''

''نہیں، تم نے تو بتایا تھا لیکن میں تمھیں درزیوں کا ملازم سمجھتی تھی۔''

''ہوں۔''

''پر عافی، تمہیں میں جب بھی درزیوں کا ملازم کہہ کر پکارتی تھی تو تم بھی آگے سے ''جی جی'' کرتے تھے، یعنی تم نہیں چاہتے تھے کہ مجھ پر تمہاری حقیقت عیاں ہو۔ کیوں عافی۔'' وہ کافی سمجھدار تھی لیکن عافی بھی کہاں بے ہوش الفاظ بولتا تھا۔

''کیوں مجھے کوئی اور درزیوں کا ملازم نہیں پکار سکتا تھا۔''

''عافی! تم اتنے بڑے آدمی ہو۔'' وہ پھر سے کی ہوئی باتیں دہرانے لگی۔ ''ایک باس، عافی باس۔''

''اچھا تم چھوڑو یہ سب بس اس لڑکی سے ملو اور اس کی رقم واپس کر دو۔''

''ہوں۔ میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔''

عافی نے صحیح فیصلے پر اس کی ہمت افزائی کی۔ سچے اور اچھے دوست ہوتے بھی وہی ہیں کو سچی اور اچھی راہ دکھائے۔

شام دارالحکومت پر حاضر ناظر تھی۔ آج پھر موسم ست رنگا تھا۔ ذرا دیر پہلے بارش ہو چکی تھی۔ سارے مناظر بھیگے بھیگے تھے اس لیے سب کچھ اجلا اجلا اور نکھرا نکھرا نظر آ رہا تھا۔ وچن عافی کا آفس، اس کی شان و شوکت دیکھنے کے بعد اب اس کی بڑی سی گاڑی دیکھ رہی تھی وہ کچھ کچھ خوش اور کچھ کچھ حیران تھی۔

''چلو تمہیں جڑواں شہر ''پنڈی'' چھوڑ آتا ہوں۔''

''نہ نہ نہ۔''

''کیوں، کیوں نہیں؟''

''نہیں عافی، اگر تم مجھے چھوڑنے چلے آئے تو لوگ مجھے چھوڑ دیں گے۔ پہلے تمہاری بڑی گاڑی دیکھ کر میرے کردار کو ہدف بنائیں گے اور پھر مجھ پر مذہب کی ادلی بدلی کا الزام ٹھوک دیں گے۔''

''ہاں۔'' وہ غضب کی صاف گو تھی۔ عافی اس کی بات سن کر اپنی ہنسی روک نہ پایا۔

''الزام ٹھوک دیں گے۔'' وچن اب خود بھی اپنی کہی ہوئی بات پر ہنس رہی تھی۔

رخسار محو حیرت عافی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ وچن کے ساتھ بہت خوش تھا۔ کون تھی یہ عورت، جا بجا اس کے دل سے سوال اٹھا تھا۔ جبکہ وچن اپنے حوالے سے اپنے مذہب کی عکاسی کرتی تھی۔ ساڑھی، چوڑیوں سے لدی کلائی، پیروں میں پڑے پازیب، پیشانی پر لگا ٹیکہ اور سر کے وسط میں بھری ہوئی مانگ جو اس کے بقول سندور نہ تھا بلکہ سندور کا شارٹ کٹ تھا یعنی لپ پنسل۔

☆......☆......☆

اس کا حسن ایک دم چونکا دیتا تھا۔ وہ عبایا میں کیا کم خوب صورت لگتی تھی، جو شرٹ اور جینز میں نہ لگتی۔ آج اس نے ٹھوڑی پر لگ اور بالی کی بجائے اسٹار نمار کوکا لگا رکھا تھا اور عبایا کی جگہ کالی چکن کے کپڑے کی کام دار چادر اوڑھ رکھی تھی۔ وچن اسے دیکھتی ہی رہ گی۔ اس کا حسن اس قدر متاثر کن تھا کہ وہ جو کہنے آئی تھی وہ بھول گئی تھی۔

''کیوں بلایا مجھے؟ اور میرا یہ نمبر کہاں سے آیا تمہارے پاس۔'' اس نے سوال پوچھا تو اس کے سحر کا شیشہ جیسے چٹخا اور وہ کام کی بات پر آئی۔

''میرے پاس تمہارا ایڈریس ہے خوش دل۔'' اس نے بات کے آغاز سے قبل اس کا نام نہایت ہی نرمی اور محبت سے لیا۔

خوش دل......؟ اس نے کب اسے اپنا نام بتایا تھا۔ وہ تو اتنی سیدھی نہیں جتنی وہ اسے سمجھ رہی تھی۔

''تم کیسے جانتی ہو؟''

''تم پتا کروالو جس طرح تم مجھے کچھ بتانے کی پابند نہیں اس طرح میں بھی نہیں۔ تم نے مجھے کبھی

نہیں بتایا کہ تم لوگوں نے مجھے کیوں چنا؟'' اس کا تو انداز ہی مختلف تھا۔ خوش دل سے کہیں نہ کہیں کچھ چھوٹ گیا تھا۔ اس نے اس کے متعلق ٹھیک اندازے نہیں لگائے تھے۔

''ہوں تو تم یہ سننا چاہتی ہو کہ تمہیں......''

''نہیں نہیں۔ مجھے پتا ہے تم کوئی کہانی درلوگی اس لیے جانے دو، جو ہو گیا سو ہو گیا۔''

''تو تم......تم ڈیل کینسل کرنے آئی ہو؟''

''ہاں۔''

''پر تم ایسا کیسے کر سکتی ہو۔ میں تمہیں بہت ساری رقم دی اور تم؟''

''میں سارے پیسے واپس کرنا چاہتی ہوں۔''

''تم......تم نے اخلاقیات پڑھی ہے آتا جاتا خاک نہیں تمہیں۔'' اس کے خوب صورت چہرے پر غصہ سمو آیا۔ آنکھوں میں نفرت تھی اور وہ اپنے موتی نما دانت پیس پیس کر اس سے مخاطب تھی۔

''تم ایک فراڈ لڑکی ہو۔''

''خوش دل! میں اس کام سے خوش نہیں ہوں۔''

''کیوں نہیں ہو تم خوش؟''

''یہ غلط ہے۔''

''کیوں......کیوں غلط ہے۔ بتاؤ مجھے کیوں غلط ہے؟ تم نہیں کرو گی تو کوئی اور کرے گا۔ یہ سب ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔''

''جو غلط ہے سو غلط ہے۔ غلط کو صحیح نہیں کہا جا سکتا اور میں اس سب کا حصہ نہیں بننا چاہتی۔ تم یہ لے لو۔'' اس نے پیسوں بھرا چھوٹا بیگ اسے واپس کر دیا۔

اس بیگ کو دیکھ کر خوش دل کو جیسے پتنگے لگ گئے۔ وہ اب تک کڑوی باتیں لحاظ داری سے ادا کر رہی تھی لیکن اب وہ غصے میں تھی۔ تم نے کہا تھا تمہارے والد مصیبت میں ہیں، میں نے تمہاری مدد کی۔ تم چپ چاپ اب تک ان پیسوں کا استعمال کرتی رہی اور اب واپس دے رہی ہو۔ تم میں اخلاق نام کی

کوئی چیز نہیں، تم تو دھوکے باز ہو۔ مکار ہو اور چالاک بھی۔"

"ارے مجھے نہیں کرنا تمہارے ساتھ کوئی کام۔"

"تو پہلے کیوں کہا تھا؟"

"تم مجھے سکینہ سے ملواؤ۔ میں اس سے بات کروں گی۔"

"اب بات وات نہیں ہوگی۔ جو بات ہوئی تھی بس ہوئی تھی۔"

"تم دھمکی دے رہی ہو؟"

"ہاں یہی سمجھ لو۔" اس کی بات سن کر وچن بھی غصہ میں آ گئی۔

"بڑی آئی۔ بڑی باتیں کرنے والی اخلاق کی باتیں کرتی ہو۔ تم میں ذرا سا بھی اخلاق نہیں۔" وہ اس کے دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ رہی تھی تا کہ وہ مان جائے۔

"یہ اخلاق ہی ہے۔ صحیح وقت پر اپنی غلطی کا ادراک کر لینا اخلاق کے زمرے میں آتا ہے اور تم صرف اور صرف چہرے کی خوب صورت ہو، دل تمہارا بالکل کالا ہے۔"

خوش دل کی دال یہاں نہ گلنی تھی۔ وہ بیگ چھوڑ کر جانے لگی۔

"کالی کلوٹی کہیں کی۔" وچن نے اسے جاتے دیکھ کر با آواز بلند کہا۔

"بد اخلاق۔" اس نے جاتے جاتے اس کے اخلاق پر وار کیا تھا۔

اتنے حسین چہرے والی لڑکی کو آج تک کسی نے کالی کلوٹی نہیں کہا تھا۔ وہ اپنے لیے کالی کلوٹی سن کر حیران تھی اور اخلاقیات پر لیکچر دینے والی وچن اپنے لیے بد اخلاق سن کر حیران تھی۔ یہ پیسے اب وچن کے گلے پڑ گئے تھے۔

☆......☆......☆

وچن کے ہاتھ میں کافی کا مگ تھا۔ شام پھر سے دارالحکومت کے جوبن پر اتر آئی تھی۔

عافی اس کی باتوں سے ہمیشہ کی طرح محظوظ ہو رہا تھا۔

"تم اس کا چہرہ تو دیکھتے عافی، وہ اتنی خوب صورت ہے کہ...... اور کام دیکھو...... باتیں سنو......"

”میں کیوں دیکھوں؟ تم ہی دیکھو،تم ہی سنو۔“

”عافی۔“اس نے پیسے نہیں لیے اور دھمکی بھی دی۔

”تم اس کی دھمکی سے ڈر گئی؟“

”نہیں، میں نہیں ڈرتی۔اس کے پاس جو ثبوت ہیں وہ بس مجھے ڈرانے کے لیے ہیں۔اگر وہ میرے خلاف کوئی ایکشن لیتی ہے تو سکینہ کا نام آئے گا اور سکینہ کا نام وہ کبھی بدنام نہیں کرے گی کیونکہ وہ ایک طرح سے اس کی کلائنٹ ہے۔“

وچن سچ میں بہت سمجھدار تھی۔

”پر وہ ذاتی وار تو کر سکتی ہے؟“

”ہاں۔وہ دیپک تک جائے گی۔یہی اس کی دھمکی کا مطلب ہو سکتا ہے۔“

”تو تم دیپک کو بتا دو۔“

”یہی تو میں نہیں کر سکتی عافی۔“

”اگر تم نہیں کرو گی تو وہ کر دے گی۔“

”نہیں عافی، ہر گز نہیں، دیپک نہیں۔“

”تم سمجھا لینا اسے۔“

”یہی تو مسئلہ ہے۔وہ سمجھ نہیں سکے گا۔“

”تو......“

”تو سوچتی ہوں۔اب اس نے پیسے نہیں لیے تو کچھ تو وقت دے گی۔“

”اس کا پیسے واپس نہ لینے کا مطلب تمہیں آزمائش میں ڈالنا ہے۔“

”صحیح کہتے ہو۔وہ سوچ رہی ہو گی کہ میں ان پیسوں کو خرچ کر دوں گی اور پھر مجبور ہو کر اس کا کام کروں گی لیکن میں ایسا نہیں کروں گی۔“

”ویل ڈن۔“

''ویسے عافی! پیسے لے کر کسی کا کام نہ کرنا بااخلاقی ہے نا؟''

''تم خود کو بداخلاق سمجھتی ہو۔ ہاہاہا۔''

''کہو نا عافی، میں غلط تو نہیں؟''

''تمہارا دل کیا کہتا ہے؟''

''وہ سب ملے ہوئے ہیں۔ میں نے خوش دل کو دوسری لڑکیوں کو بھی لفافے پکڑاتے ہوئے دیکھا۔ یہ ایک کاروبار بنتا جا رہا ہے۔ زیادہ سے زیادہ نمبر حاصل کرنے کا حرص نوجوان بچے بچیوں سے نا جانے کیا کیا کروائے جا رہا ہے اور نہ فقط بچے اس میں والدین بھی شامل ہیں۔ وہ ہی بچوں کو زیادہ سے زیادہ نمبر لانے کو کہتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ نمبر حاصل کرنے کی تمنا ٹیبو بنتی جا رہی ہے اور اس کے ذمے دار اور کوئی نہیں ادارے ہیں۔ اگر تعلیمی ادارے percentage کی بجائے پرفارمنس پر فوکس کریں تو یہ مسئلہ ہی حل ہو جائے گا۔ بچوں کے ذہنوں سے نقل کا آپشن ہی ڈیلیٹ ہو جائے گا۔''

''ہوں۔'' عافی امپریس تھا۔ ''پرسنٹیج کی بجائے پرفارمنس...... اگر ایسا ہو تو ہی تعلیمی معیار بہتر ہو سکتا ہے۔ رشوت اور سفارش بھی اسی کی پیداوار ہے۔ کہیں ہے تو مسئلہ ہے لیکن اگر نہیں ہے تو بھی اسٹوڈنٹ کو اس کا خوف ضرور ہے۔ بہت سے افراد تو اس خوف سے محنت ہی نہیں کرتے کہ ان کے پاس نہ ہی تو رشوت ہے، نہ سفارش تو وقت ضائع کیوں کرنا۔ اس لیے وہ رخ بدل دیتے ہیں۔ اچھے اچھے برائٹ اسٹوڈنٹ تعلیمی سرگرمیاں چھوڑ کر چھوٹے موٹے کام کر لیتے ہیں اور نا جانے کہاں کہاں بھٹکتے ہیں۔''

''اس لیے تو میں اس سب کا حصہ نہیں بننا چاہتی۔ دل تو کرتا ہے اس خوش دل کو پیسے بھی نہ دوں اور پیپر دینے سے بھی مکر جاؤں۔'' اس نے غصے میں ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارتے ہوئے پرسوچ انداز میں کہا تو عافی نے کافی کا مگ رکھتے ہوئے ترنت کہا۔

''آئیڈیا اچھا ہے۔''

''ویسے نہیں عافی...... میں...... میں ایسی نہیں ہوں۔ کبھی نہیں۔''

اسے جیسے صدمہ پہنچا تھا وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ بس کہہ سکتی تھی جو اس نے ایسے ہی کہہ دیا تھا۔

''ہاں...... ہاں'' پتا ہے'' مجھے تم نے اخلاقیات پڑھی ہے۔ میں بس اس لڑکی سے تمہاری جان بچانے کا مشورہ دے رہا ہوں۔''

''ہوں اچھا۔'' اس کی جیسے سانس میں سانس آئی۔ ''لیکن کیا وہ مان جائے گی اس طرح؟''

''تم کوشش کر کے دیکھ لو، اس کا کام آسان نہیں، وہ تمہیں نہ کھونے کی پوری کوشش کرے گی، اس لیے کسی کو ٹارگٹ بنانا آسان نہیں۔ اس نے بہت سوچ سمجھ کے تمہارا انتاب کیا ہے۔ تم تعلیم کے معاملے میں سیریس ہو، اس لیے اسے پکا یقین تھا کہ جو تمہارے ساتھ ہوا وہ تم دوسروں کے ساتھ نہیں ہونے دو گی اس لیے اس نے سکینہ کی شادی کا ڈرامہ رچایا۔''

''ہاں وہ ڈرامے باز خوب صورت چہرے والی عورت، اسے پکا یقین تھا کہ میں سکینہ کی شادی اس عمر رسیدہ شخص سے نہیں ہونے دوں گی، لیکن اب ملے مجھے یہ سکینہ، اولڈ ہاؤس کے کسی بڈھے سے اس کے پھیرے پڑھوا دوں گی، ملے تو، ملے مجھے۔'' اس کا ل آگ کی لپیٹوں کی زد میں تھا۔ ''ابھی میسج کرتی ہوں اس کالی کلوٹی کو۔''

وہ غصے ہی غصے میں عافی کے آفس سے نکل آئی۔ اس کی کافی ادھوری رہ گئی تھی۔ دل ہی اتنا جل رہا تھا کہ کافی حلق سے اتر نہ رہی تھی۔

عافی نے اس کے جانے کے بعد رخسار کو بلایا اور تاکید کی کہ آئندہ جب بھی یہ میڈم آئے ایک کیپ بلوا لیا کرو۔ اس نے تابعداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جی سر کہا۔

عافی نے اس کے جانے کے بعد اپنے ڈرائیور کو اس کے پیچھے جانے کو کہا، وہ بذریعہ ٹیکسی جا رہی تھی۔ کتنی فکر تھی اس لڑکی کی عافی کو؟ رخسار حیران تھی۔ نا جانے کیا بات تھی۔ کہ نہ افی اسے چھوڑ نے جا سکتا تھا اور نہ تنہا جانے دے سکتا تھا۔ وہ کافی دیر تک وچن کے متعلق سوچتی رہی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا۔ نہ جانے کون تھی یہ لڑکی اور نہ جانے کون ہے وہ لڑکی؟ جس کی تلاش میں عافی کسی بھٹکے ہوئے مسافر کی طرح بے چین ہوتا ہے۔ اس نے اس لڑکی کا اسکیچ دیکھا تو اس کے چہرے کی کوئی رمق وچن کے چہرے پر نظر نہ آئی۔

یعنی وچن اور اس لڑکی میں کوئی مماثلت نہ تھی، لیکن پھر بھی عافی کے لیے پریشان کیوں ہو جاتا تھا، کیوں نہ جانے کیوں؟

پنڈی کی سڑکوں پر معمول کی آجا ہی تھی۔ راستے کی ہر چیز نظر انداز کرتی اپنی سوچوں میں غلطاں سی وہ گھر آئی، تو شام کی آخری گھڑیاں چل رہی تھیں۔ گھر کا حال بھی روزمرہ کا تھا بس آنگن کے منظر سے ساسو ماں غائب تھی۔ وچن نے اس طرف دیکھا تو درمیانی کمرے سے ٹی وی کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے گہری سانس لی۔ اس کا انداز تاسف بھرا تھا۔ ہم نے کئی کرداروں کو اصل زندگی میں دیکھا ہے، جو فلمی کرداروں کے ساتھ روتے ہنستے ہیں، کملا بھی ان ہی میں سے ایک تھی۔

کملا رو رو کر سسکیاں بھر رہی تھی۔ فلمی کردار انسان کے فطری عواطف و میلانات جیسے رنج، خوشی، غصہ وغیرہ سے ملے جڑے تو ہوتے ہیں لیکن یہ ان پر بیت نہیں رہا ہوتا، جس کی سمجھ کمل کو تو تھی مگر دادی کو نہیں تھی۔ وہ زار و قطار روئے جا رہی تھی۔ روئے ہی جا رہی تھی، کمل ٹشو پیپر سے دادی کے آنسو صاف کرتا ہی تھا کہ دو جے آ جاتے۔

"مت روئی دادی it is not real"

پر دادی کو کون سمجھائے؟ وچن ہینڈ بیگ رکھ کر منہ ہاتھ دھونے چلی آئی، آتے ہی اپنے لیے کافی بھی بنائی، عافی کے آفس کی کافی تو وہ چھوڑ آئی تھی۔ وہ کافی کا مگ لے کر آنگن کی سیھیوں پہ آ بیٹھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، یہاں سے درمیانی کمرہ مکمل طور پر عیاں تھا۔ فلم میں اب دکھ کے دن بیت چکے تھے۔ ہیرو غموں کی تاب لا کر جوشیلا ہو کر سامنے آیا تھا، اب انتقام کا وقت تھا، جیسی کرنی ویسی بھرنی کا منظر نامہ تا، ویلن ہیرو کے ہتھے چڑ تھا تھا اور کملا بے ساختہ بے حد پر جوش ہو کر کہہ رہی تھی۔

مار...... مار...... اور مار۔

مار ہی ال اس منحوس کو...... مار مار کے چٹنی بنا اس موئے کی

مار اور مار

گھر اجاڑ دیا...... تباہ کر دیا...... برباد کر دیا...... مار...... مار...... اور مار...... ہاں...... مار...... اس

کو......یہی بے غیرت تھا۔

ہاں......ہاں......یہی تھا وہ جس نے تمہارے باپ کو مارا تھا۔

مار اور مار......کیسے کسی کے باپ کو مارتا ہے......مر مر......مر جا......مر ہی جائو۔

گھر اجاڑ دیا، زندگیاں برباد کر دیں، عورتوں کی عزتیں لوٹ لیں۔ مر جا......مر جا، تجھے جینے کا کوئی ادھیکار نہیں۔

''دادی......دادی۔'' کمل پکارتا ہی رہا۔

it is not real کہتا ہی رہا لیکن کملا بنا کسی کے سنے بے وجہ کے انتقام میں جھلس رہی تھی۔

وچن نے سر پکڑ لیا۔

اب تو ضرور کچھ نہ کچھ ٹوٹے گا۔ وچن کو یاد آیا، دیپک کو کل شادی پر جانا تھا اور اس نے کسٹر سیٹ بطور گفٹ پیک کر کے اسی کمرے میں رکھا تھا۔ وہ کافی چھوڑ کے کسٹر سیٹ بچانے گئی لیکن انتقام کی آگ کسٹر سیٹ کو نگل گئی تھی۔ پورا سیٹ چکنا چور ہو گیا تھا۔

وچن کو پہلے شدید غصہ آیا، پھر شدید افسوس ہوا، اس کے بعد شدید صدمہ لگا۔ اب وہ دیپک سے کیا کہے گی، وہ بنا تحفے کے کہیں نہیں جاتا تھا۔ پر ساسو ماں کو اس سے کیا؟ وہ انتقام کے بعد انجام کی منتظر تھی۔

وچن نے غصہ جمع صدمہ جمع افسوس پی لیا اور دل پہ ہاتھ رکھ کے مٹھیاں بھینچ کر باہر چلی آئی اور کیا کرتی۔ یہ ساسو ماں تھی۔ وہ چپ چاپ دیپک کی شان کے مطابق کوئی گفٹ ڈھونڈنے اوپر کے کمرے کے اسٹور میں گئی۔

فلم اپنے اختتام پہ تھی۔ ہیرو اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تھا۔ سارے حساب چکتے ہو گئے تھے۔ سارے بدلے لیے جا چکے تھے۔ یہ ایک ہپی اینڈنگ تھی۔ کملا کی رگ و پے میں ٹھنڈک اتر آئی تھی، اس نے بالآخر کمل کا لایا ہوا ٹھنڈا پانی پی لیا تھا اور خود بھی ذرا ٹھنڈی ہوئی ہی تھی کہ آنگن میں کامنی آنٹی شور مچانے آ گئی۔ وچن اس کی آواز سن کے بھاگی بھاگی اسٹور سے نکل آئی۔

سرخ ساڑھی میں ملبوس کامنی آنٹی کچھ زیادہ ہی سرخ سرخ ہو رہی تھی۔ وچن کو دیکھتے ہی اس

نے پاپڑوں کا ڈھیر اس کی طرف اچھالا۔ پاپڑ بے چارے خستہ تھے، ریزہ ریزہ ہو کر آنگن میں کھر گئے۔

''یہ سب کیا ہے؟'' وچن اچھنبے سے بولی۔

وچن کے سوال پر کامنی آنٹی جیسے پھٹ پڑی۔

''تین کلو پاپڑ کہے تھے؟ یہ کیا دیئے ہیں، نہ وزن میں پورے ہی اور نہ ہی تازے ہیں۔ ارے آدھے تو نم لگے ہیں، توڑو تو ٹوٹتے نہیں، پھٹ جاتے ہیں دیکھ دیکھو۔'' اس نے ایک ٹوٹا پاپڑ توڑتے ہوئے دکھایا۔

کملا بھی آنگن کی طرف آئی تھی، وچن نے اپنی ساس کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ جو ذرا ٹھنڈی ہوئی تھی کامنی کی وجہ سے پھر سے لال پیلی ہوئی تھی، ہلکے رنگ کی ساڑھی کا پلو کمر میں کس کر وہ کامنی کے روبرو آئی اور کمر پر ہاتھ ٹکا کر بولی۔

''جیسا آٹا دو گی پاپڑ ویسے ہی بنیں گے نا۔''

''نہ نہ، یہ مت کہنا کملا۔ میں نے جیکب آباد سے آٹا منگوایا، تازہ پسوائی کروائی، تُو نے دھوکا دیا ہے کملا۔ گندے آٹے کے پاپڑ بنائے تُو نے۔''

''ارے جا جا۔ اپنے الزام اپنے پاس رکھ۔ ساری برادری می میرے پاپڑ مشہور ہیں اور تیرا بھی سب کو پتا ہے، ہر وقت تیرا منہ کھٹا رہتا ہے۔''

کامنی کو تو جیسے بجلیاں لگ گئیں۔ ایک سیر تھی تو دوسری سوا سیر۔

وچن نے پاپڑ کا ایک ٹکڑا اٹھایا۔ ان پر تو فنگس کے بھی آثار تھے یعنی پاپڑ بہت پرانے تھے اور کامنی آنٹی سچ کہہ رہی تھی۔ وچن نے اپنی ساس کو اشارے اشارے میں فنگس لگے پاپڑ دکھائے لیکن کملا اپنی غلطی تسلیم کرنے والوں میں کہاں تھی، وہ تو مکر گئی کہ پاپڑ ان کے ہاتھوں کے بنے ہی نہیں ہیں۔ کامنی کوئی پرانے پاپڑ لائی ہے۔ کملا کا اتنا کہنا تھا کہ کامنی تو جیسے گلا پھاڑنے لگی۔ کملا کے پاس بھی اس کے تمام سوالوں کے جواب تھے۔ کمل ہوم ورک چھوڑ کر ان کی آوازیں سن کر آنگن میں آیا تھا۔ اس کی دادی پھر غصے سے بھری پڑی تھی۔ it is real fight وہ سمجھ کے اندر چلا گیا لیکن وچن کو تو کچھ کرنا تھا۔

اسے پکا یقین تھا کہ کامنی آنٹی صحیح کہہ رہی تھی۔ کیونکہ پاپڑان کے گھر کے ہی لگ رہے تھے۔ پھر بھی وہ کچن میں آئی، آرڈر والی الماری کھولی، اس میں صرف چھ کلو پاپڑ موجود تھے۔ جو اکثر ہی ہوا کرتے تھے۔ پھر اس نے آٹا دیکھا جو کل رات ہی آیا تھا اور ابھی تک سیل تھا۔ پھر اس نے کچن کی کھڑکی سے آنگن کی چارپائی پر سفید چادر پر قطار در قطار رکھے پاپڑ دیکھے تو اسے اندازہ ہو گیا کہ یہ نئے پاپڑ کامنی آنٹی کے پاپڑ کے آٹے سے بنائے گئے ہیں۔ کیونکہ رات کو منگوایا ہوا آٹا ابھی سیل تھا۔ اس نے گہری سانس لی اس کا انداز تاسفانہ تھا۔ اسے اپنی ساس پر غصہ آنے لگا پھر سے سابقہ حالت تھی۔ شدید غصہ، شدید افسوس، شدید صدمہ۔

اف۔ اس نے پھر سے وہی کیا جو کرتی آئی تھی۔ اس نے غصہ جمع صدمہ جمع افسوس پی لیا اور کامنی کے تین کلو پاپڑ الماری سے نکال کر اس کے سپرد کر دیے اور معافی بھی مانگی اور ساری غلطی کا ذمہ اپنے سر لے لیا کہ اس سے پیکنگ کرتے وقت غلطی ہوئی تھی۔ کامنی نے بے یقینی سے اسے دیکھا اور پھر آنگن کے بیچوں بیچ بیٹھ کر پاپڑ چیک کیے۔ وہ جوں جوں پاپڑ چیک کر رہی تھی اس کے ماتھے کے بل درست ہوتے جا رہے تھے۔ جب کامنی آنٹی نے مکمل اطمینان کر لیا تو وچن کے پاس آئی۔ اس کی پیٹھ تھپتھپائی اور کہا۔

"تُو پڑھی لکھی ہے اس لیے سمجھ دار ہے، اس لیے تو سب کہتے ہیں پڑھی لکھی بہو پا کے اس گھر کے اور دیپک کے بھاگ کھل گئے۔"

وہ خوشی خوشی جانے لگی، دیپک بھی گھر آ چکے تھے۔ کامنی نے دیپک سے کملا کی شکایت تو نہ کی لیکن وچن کی تعریف ضرور کی۔ دیپک نے کامنی کو کوئی جواب نہ دیا اور فریش ہونے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ کملا زخمی ناگن کی طرح پھنکارے بھر رہی تھی۔ ابھی کامنی آنٹی گلی پار کر کے گئی بھی نہ تھی کہ کملا نے وچن کے اڑتے تھڑے کر دیے۔

"یہ غلط ہے ساسو ماں، آنٹی نے پورے پیسے دیے تھے، پیسے پورے لیے اور پاپڑ نہ دیے، یہ تو دھوکا ہوا نا؟"

''میں نے دوکھا نہیں دیا بس بدلہ لیا ہے۔''

''بدلہ......کیسا بدلہ؟''

''تجھے پتا ہے اس کی بیٹی کی شادی میں اس نے راجا گلی والی بڑھیا سے پاپڑ بنوائے تھے اور شادی میں آنے والے مہمانوں کو کہتی رہی پاپڑ ہوں تو ایسے۔ پاپڑ ہوں تو ایسے۔''

''تو ابھی تو آپ سے بنوائے ہیں، ابھی کیا مسئلہ تھا؟''

''وہی تو اب کیوں بنوائے؟ جب پہلے بڑھیا سے بنوائے تو اب کیو چلی آئی ہمارے پاس؟''

''تو آپ منع کر دیتی۔ نہ بناتی کامنی آنٹی کے لیے پاپڑ۔''

''ابھی بھی کہاں اس موئی کے لیے پاپڑ بنائے تھے۔ جو کچرا پڑا تھا وہی دیئے تھے پر تُو بڑی آئی دھانی کہیں کی۔ اٹھا کے دیئے پورے تین کلو پاپڑ۔''

''کون سا مفت میں دیئے تھے؟ اس نے پیسے دیئے تھے۔ اگر آپ اسے پیسے واپس کرتی تو ٹھیک تھا لیکن......''

وچن اور اس کی ساس کے درمیان بحث جاری تھی کہ دیپک منہ ہاتھ دھو کے باہر آیا۔ وہ یوں بھی ماں کو کچھ نہ کہتا تھا تو آج کیوں کہتا۔ جب آج اس نے کامنی کے منہ سے وچن کے لیے پڑھی لکھی ہونے کا سنا تھا۔ جب وچن کو لوگ پڑھا لکھا کہتے تو اسے لگتا لوگ اسے ان پڑھ کہہ رہے ہیں۔ اس کا موڈ آتے ہی خراب ہو گیا تھا اور اب جو وچن پڑھے لکھے لوگوں کی طرح یہ باتیں کر رہی تھی۔ اسے زہر لگ رہی تھی۔ کملا بے حد غصے میں تھی، وچن کے میکیوالوں کو بھی کوسا جا رہا تھا۔ وچن کا پارہ یوں بھی ٹھنڈا ہی رہتا۔ وہ غصہ پی بھی جاتی لیکن اس کے باپو جی کو کوئی کچھ کہے تو اس سے برداشت نہ ہوتا تھا۔ دونوں کی بحث جاری تھی۔ بحث کے دوران وچن نے دیپک کو کچن کی طرف آتے دیکھا تو اس کے لیے پانی لیتی آئی۔ دیپک نے پانی لیا، وچن اب بھی اپنے موقف پر قائم تھی۔

دیپک کو اس کا یہ انداز انتہائی ناگوار گزرا۔ اس نے پانی گلاس سمیت اٹھا کے آنگن کی طرف غصے سے پھینک دیا، گلاس اسٹیل کا تھا آواز بھی خوب ہوئی۔ وچن ناسمجھی سے دیپک کو دیکھتی رہی۔

دیپک نے اس پر ناگواری نظر ڈالی اور ماں کے پاس آیا اور اپنی ماں کا ہاتھ تھام کر کہنے لگا۔

''مجھے معاف کرنا ماں، مجھے پتا ہوتا یہ پڑھی لکھی ہے تو کبھی اسے اس گھر میں نہ لاتا۔''

وچن کے تو ہوش ہی اڑ گئے۔خود کملا بھی حیران رہ گئی۔

اس کے بعد گھر میں کسی نے کچھ نہیں کہا۔بس کھانا بناتے وقت وچن دبی دبی سسکی کے ساتھ رو دیتی۔کاش اس کے باپو جی اسے بیاہتے نہیں، لیکن اگر بیاہتے بھی تو کم از کم وہاں جہاں اس کی تعلیم اس کے لیے طعنہ نہ بنتی۔

اس کا دل بہت دکھا تھا۔اسے رہ رہ کر دیپک کی بات یاد آتی۔ساری رات سا ے نیند نہ آئی۔

دیپک نے شادی سے کچھ ماہ پہلے ہی اسے فون کر کے اس کی تعلیم آگے جاری کرنے سے منع کیا تھا۔اس نے سمجھا کہ شاید گھر والوں کا پریشر ہوگا، لوگوں کا خوف ہوگا۔شادی کے بعد وہ اسے سمجھا لے گی، ظاہر ہے جو شخص جہیز نہیں لے رہا، وہ اتنا بلند مزاج تو ہوگا کہ بیوی کی بات سن لے۔لیکن آگے پڑھنے دینا تو دور کی بات، دیپک اس برائٹ اسٹوڈنٹ کو ٹیوشن تک نہ پڑھانے دیتا اور اس کے گھر کوئی اخبار تک نہ آتا اور نہ ہی وچن کو کوئی کتابچہ گھر میں پڑھنے کی اجازت تھی۔اسے ہر قسم کی تعلیمی سرگرمی سے دور کر دیا گیا تھا۔

دیپک ایک مہربان شخص تھا، مگر اس تک آ کر ظالم ہو جاتا۔ساری برادری اس کے گن گاتی، وہ ایک مددگار تھا مگر وچن اس سے مدد نہ مانگ سکتی تھی۔ وہ دینے والے ہاتھ رکھتا، دھان دکشنا خیرات سب کرتا، لیکن وچن کا من خالی رہتا۔اس اجلی سوچ رکھنے والے دیپک کی روشنی اس تک نہ پہنچی۔ وہ دیپک تھا۔ دیپک ایک چراغ، سچ مچ کا چراغ لیکن وچن کے لیے چراغ تلے اندھیرا سا تھا۔ وہ آنسوؤں کی سنگت میں سوچوں کے پٹ کھولے بیٹھی تھی۔سوچوں کا یادوں سے تعلق گہرا ہوتا ہے۔یا پھر ہماری سوچیں ہماری یادوں کی پرکھ سے ہی نشوونما پاتی ہے۔نتیجے اخذ بھی ایسے ہی کیے جاتے ہیں۔ وہ سوچ کے باک سفر میں ماضی کی یادوں کی گٹھڑی کھول بیٹھی تھی۔

دیپک نے وچن کو ایک رشتے دار کی شادی میں دیکھا تھا۔اسے وہ دل سے بھا گئی تھی۔اس نے آوارہ لڑکوں کی طرح حال احوال نہ کیا بس گھر آیا، ماں کو اس کے گھر رشتہ لے جانے کو کہا، کملا وچن کے

باپو جی کے مالی حالات کی وجہ سے نہ مانی، لیکن پھر بیٹے کے موہ میں آکر رشتہ لے گئی اور بات پکی کر آئی۔ منگنی کی مبارک باد وصول کرتے وقت اسے معلوم ہوا کہ وچن پڑھی لکھی ہے اور نہ صرف پڑھی لکھی، وہ کالج بھی جاتی ہے۔

دیپک سوچ میں پڑ گیا تھا۔ وہ پانچویں فیل تھا اور وچن گریجویٹ۔

ایک بے جوڑ جوڑا۔

وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا، اتنے غریب گھر کی لڑکی اتنا پڑھ سکتی ہے اور صرف پڑھنا ہی کیا وہ سیدھی سادھی نظر آنے والی لڑکی ایک مقبول اور اپنے آپ کو منوانے والی لڑکی تھی۔ ہر طرف اس کی ذہانت کے چرچے تھے۔ دیپک اچھی طرح اس بات سے واقف تھا کہ وچن کامیابی کی راہ میں ترقیاں پانے کی ہمت رکھتی ہے۔ جو اس سے بس ذرا سے فاصلے پر تھا۔ وچن کو اپنے خوابوں کو مکمل کرنے کے لیے بس ایک موقع چاہیے تھا اور دیپک اس سے وہ مواقع چھین چکا تھا۔ سیٹھ دیپک کی پہچان اس کے لیے معتبرانہ تھی، وہ کسی کامیاب لڑکی کے نام سے جانا پہچانا جائے۔ یہ اس کی شان، اس کے وقار کے خلاف تھا۔ اس لیے اس نے وچن کے اردگرد کچھ حدود کھینچی تھی۔

وہ گھر کا سارا خرچ ماں کو دیتا۔ وچن کو مانگنے کی عادت نہ تھی۔ ایک بار پھر بھی مانگے، تو آگے سے جواب ملا، ماں سے مانگ لو۔ ماں نے تو دینے نہیں تھے، وہ چپ رہ گئی پھر کچھ نہ مانگا۔ اس کا پتی دیپک تھا لیکن اس دیپک کی روشنی دوسروں کے لیے تھی۔ اس کے مقدر میں تو چراغ تلے اندھیرا تھا لیکن وہ پرامید تھی کہ ایک نہ ایک دن سب ٹھیک ہو جائے گا۔ دیپک سب سمجھ جائے گا۔ پر اسے کیا پتا تھا چراغوں کو جلانے میں کبھی کبھی انگلیاں بھی جلتی ہیں۔

☆......☆......☆

آج صبح بیداری پھر سے خوابوں کی صحبت سے ہوئی تھی۔ یہ خوابوں میں آنے والے لوگ نا جانے حقیقت میں کیوں سامنے نہیں آتے؟ جو خوابوں میں اتنے پاس ہوتے ہیں درحقیقت وہ بہت دور ہوتے ہیں یا پھر ہوتے ہی نہیں۔ عافی پھر یادوں کے دریچے سے اسے دیکھ رہا تھا۔ 18 اکتوبر 2005ء

میں آنے والے زلزلے میں اس کا سب کچھ زمین بوس ہوا تھا۔ کچھ نہ بچا تھا سوائے اس کے، لیکن وہ بھی تو نا جانے کہاں تی؟ تب سے اب تک اس نے وفاؤں کی مانند یاد کیا تھا۔ عبادت کی طرح یاد کیا تھا۔ جیسے اس کی یادیں نہ ہوں کسی یوگی کا یوگ ہو، کسی تپسوی کا تپ ہو۔

وہ آفس آیا تھا۔ آج اسے بابا ولی قنداری کے دربار پر بھی حاضری دینی تھی۔ وچن نے بھی آنا تھا۔ آج چندر رات تھی۔ پہلے وہ صرف اسی دن ملتے تھے اور وچن جتنا غصہ جمع افسوس جمع صدمہ گھر میں پی آتی، وہ یہاں آکر نکالتی، پر اب چونکہ عافی سے ملاقات ہوتی رہتی تھی تو وہ دل بھی ہلکا کر لیتی۔ عافی لنچ کے بعد آفس سے نکلا، وہ بہت زیادہ فریش اور خوش باش لگ رہا تھا۔ اس نے تیز نیلے رنگ کا لباس پہنا تھا، اوپر سے سفید اون سے بونا ہوا سلیولیس سویٹر پہنا تھا۔ کلائی میں مہنگی گھڑی تھی، ہاتھ میں لیٹس ایپل موبائل تھا۔ دربار کی زیارت سے اسے سکون میسر آتا۔ یوں بھی چار سو سیڑھیوں کو عبور کرنا اسے فٹ رکھتا۔ اس پہاڑی راستے سے اسے گہرا لگاؤ تھا۔ اس کی ماں اسے اکثر یہاں لایا کرتی تھی۔ یہ ایک دردناک مقام تھا جب آپ کے سب ہی اپنے بس یاد بن کے رہ جائیں۔

آج درگاہ کے راستے پر معمول سے زیادہ چہل پہل تھی۔ وچن سنگت کیساتھ پنجہ صاحب اور پھر بابا ولی قنداری جی کے چلاگاہ سے ہوکر پہاڑی کے راستے آئی۔ اس نے پیچ کلر کی ساڑھی کے اوپر کالا فل سلیوز سویٹر پہنا تھا۔ جو پہاڑی چڑھتے وقت اس نے اتار کر ہینڈ بیگ کے ساتھ اپنے بازو کے سپرد کر دیا تھا۔ اسے سنگت سے علم ہوا کہ کوئی بہت ہی تاب والیبا بابا جی دربار کی زیارت کے لیے تشریف لائے تھے۔

وہ عافی کے ہمراہ پہاڑی کی چوٹی کی جانب بڑھ رہی تھی۔ بھیڑ اس قدر زیادہ تھی کہ وہ بابا جی کو دیکھ بھی نہ پائی۔ وہ معمول کے مطابق زیارت کر رہے تھے، وچن نے کبوتروں کو دانے ڈالے اور سنگت کے ساتھ بیٹھ کر چائے پینے لگی، عافی بھی نماز ادا کرنے کے بعد ذرا فاصلے پر بیٹھ کر چائے پی رہا تھا، لنگر بانٹنے والا شخص عافی کی خوب خدمت کرتا۔ پہلے وچن نے زیادہ دھیان نہ دیا تھا لیکن اب وہ عافی کی سخاوت سے واقف تھی۔ سنگت کچھ دیر آرام کے بعد واپسی کے لیے تیار تھی۔ بابا جی سے ملاقات بھیڑ کی

وجہ سے مشکل لگتی تھی۔ تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد عافی اور وچن بھی واپسی کے لیے تیار تھے۔ وہ ابھی چند زینے ہی اتر آئے تھے کہ پہاڑی کے ایک طرف موجود بھیڑ میں سے ایک بابا تیزی سے نمودار ہوئے۔ شاید بابا جی بھی واپس ڈھلوان کی طرف بڑھنے کا قصد کر چکے تھے۔ ان سے چند قدم پیچھے پیچھے اس کے مرید چل رہے تھے۔ وچن اور عافی انھیں دیکھ کر مؤدب ہو کر ایک طرف ہو گئے تا کہ انہیں راستہ دیا جائے۔ ان کے پیچھے سوالیوں کی ایک ٹولی سی تھی۔ فقیر بابا ان دونوں کے پاس آ رکا۔ وچن نے ہاتھ جوڑ کر انہیں نمستے کیا۔ عافی نے بھی سلام کیا اور اپنے پاکٹ میں موجود تمام رقم ان کے کشکول میں سر جھکا کر رکھ دی۔

بابا نے غور سے عافی کو دیکھا اور گویا ہوئے۔

''تو دعاؤں کا پھل ہو، تیرا سب کچھ دعاؤں کا پھل ہے۔''

عافی نے حیرت سے بابا جی کی طرف دیکھا، جیسے اندر ہی اندر کسی کی مانگی ہوئی دعاؤں کا ہر ایک حرف ذہن میں بجنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے بابا جی کا ہاتھ تھاما اور آنکھوں سے لگایا اور بے تابی سے پوچھا۔

''وہ اب کہاں ہے، کہاں ہے وہ، میں اسے تلاشتے تلاشتے تھک سا گیا ہوں۔''

بابا جی ذرا سی دیر چپ ہوئے۔ وہ بڑے غور سے عافی کے چہرے کو تک رہے تھے اور پھر ذرا سا ہنکار بھری اور تیز ترین آواز میں گویا ہوئے۔

''دعائیں تو تمہارے کھاتے میں جمع ہیں تو اپنی تلاش جاری رکھ۔ مولا تیری مدد کرے گا۔''

''وہ اب بھی دعا مانگتی ہے میرے لیے، پر اب کیوں؟'' وہ سوال پہ سوال پوچھتا جا رہا تھا۔ بزرگ آگے بڑھ گیا۔ عافی اس کے پیچھے پیچھے کسی گم شدہ کے متعلق کچھ اور سوال کرنے لگا۔

''میں معافی مانگنا چاہتا ہوں۔ وہ معاف کر دے گی؟ کیا وہ نفرت نہیں کرتی مجھ سے؟''

بزرگ آگے بڑھتا جا رہا تھا جیسے عاف کی سن نہ رہا ہو۔ وچن بھی تیز تیز آگے بڑھ رہی تھی گو کہ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔

عافی مزید سوال پوچھتے پوچھتے لڑھکنے سا لگا تھا مگر قسمت اچھی تھی کہ بھیڑ زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ نیچے کی طرف زیادہ اترا تھا۔ وچن کی تو چیخ سی نکلی۔ یہ سب دیکھ کر بزرگ کے ساتھیوں میں سے کوئی عافی کے پاس آیا اور کہا۔

''ولی صاحب! زیادہ نہیں بولتے۔ انہوں نے جو تمہیں بتانا تھا بتا دیا۔ اب مزید کچھ نہ بتائیں گے۔'' اس شخص نے اس کا شانہ تھپتھپا کر کہا مگر وہ کیا جانتا تھا۔ عافی کے اندر سلگتی آگ بھڑکی تھی۔ اب کہاں وہ ہوش مندوں سا کام کرتا؟ آج اس نے وہ سنا تھا جو اس کا دل ہمیشہ سے کہتا تھا۔ ہاں دل اس کا کہتا تھا وہ زندہ ہے۔ اس نے کئی بار اس کا ڈیتھ سرٹیفکیٹ دیکھا تھا لیکن دل نہ مانتا تھا۔ وہ آگے بڑھ رہا تھا وچن اسے پکار رہی تھی۔

عافی کی حالت عجیب سی ہو رہی تھی۔ وہ سوالیوں کے درمیان سے گزرتا بہت تیز آواز میں ناجانے کیا کیا سوال پوچھ رہا تھا۔ اس وقت کوئی دیوانہ سا نظر آ رہا تھا۔ ایک بار پھر سے وہ لڑکھڑایا تھا اور گرا بھی تھا۔ اس کا موبائل بھی اس کے ساتھ نیچے گرا، وچن بہت تیزی سے اس کی طرف آئی۔ اسے پکارا، اس کا موبائل اٹھایا لیکن عافی آج کسی کی نہ سنتا تھا۔ وچن کو سنگت کا بھی خوف تھا۔ اس لیے وہ اپنے ساتھیوں سے نظر بچا کے اپنے دیوانے دوست کے پیچھے چل رہی تھی، یہ بھی اچھا تھا لوگ کثیر تعداد میں موجود تھے جس کے باعث با آسانی خود کو محفوظ کیا جا سکتا تھا ورنہ آج تو عافی پگلا سا ہو گیا تھا۔

تقریباً دو سو سیڑھیاں باقی تھیں، بزرگ اس کے سوال پہ رو کے ان کا انداز پہلے سے مختلف تھا۔

''تُو نے بہت سوال پوچھے۔''

''آپ نے آج وہ بتایا جو میرا دل کہتا ہے، وہ زندہ ہے؟ ہے نا؟'' عافی نے نڈھال ہو کر پوچھا۔ اس کا حال بے حال سا تھا۔ صدیوں کی تھکن سی اس کے انداز میں جیسے اتر آئی ہو۔ وچن بے حد حیران تھی۔

دل میں رب بستا ہے، علم غائب پر بھی اس کی ذات قادر ہے سجدوں میں گرا کر وہ معاف کرتا ہے تو بھی معاف ہو جائے گا۔

عافی کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اس کے چہرے پر پچھتاوے جیسے بہہ رہے ہوں، اب تو اس سے کوئی بات بھی نہ ہوتی تھی پھر بھی اس نے روندتی حلق کی چار دیواری سے ٹکراتی گھبراتی کانپتی ہوئی آواز کے ساتھ پوچھا۔

"آپ میری مدد کریں، میرا سب کچھ لے لیں۔"

بزرگ مسکرایا اور کہا۔ "تیرا سب کچھ دعاؤں کا پھل ہے۔ تیرے حصے کی تڑپ تجھے ملنی ہے ابھی وقت نہیں آیا جب وقت آتا ہے تو آ جاتا ہے کوئی کسی کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ میں بھی نہیں۔ ٹھہر جا اپنی جگہ پر ٹھہر جا، پیچھے مت آ...... جا جا......" وہ یہ کہہ کر چلا گیا تھا۔ عافی کا سر اس کے جانے کے بعد چکرا سا گیا۔ بار بار یاد آنے والا چہرہ۔ وہ اس کا سسکنا، وہ اس کی سسکیاں سب یاد آنے لگی، اس پر بے ہوشی طاری ہونے لگی۔ وچن کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔

وہ عافی کو پکار رہی تھی۔ لوگ اب ان کے ارد گرد جمع ہو چکے تھے۔ سنگت کی عورتیں پیچھے رہ گئی تھی لیکن وہ کسی بھی وقت نمودار ہو سکتی تھیں۔ وچن نے پنجتہ صاحب سے لی ہوئی پانی کی بوتل اپنے بیگ سے نکالی اور عافی پر چھڑکنے لگی۔ عافی کے دماغ میں جیسے شرارے پھوٹ رہے تھے۔ وہ اپنے اختیار سے باہر لگتا تھا۔

وہاں موجود لوگوں کی مدد سے وچن کو ایک آرام گاہ کی طرف لائی۔ عافی کا موبائل بج رہا تھا۔

ڈرائیور کالنگ۔

وچن نے فوراً فون اٹھایا۔ عافی کی حالت کی خبر ڈرائیور کو دی۔ اس نے فوراً پہاڑی پر بلایا اور عافی کی جانب آئی۔ یہاں موجود لوگ اپنے اپنے مشورے پیش کر رہے تھے۔ ایک من چلے نے تو جوتا سنگھانے کا مشورہ دیا۔ جس پر وچن نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے اسے یوں گھورا کہ نوجوان مزید کچھ کہنے بنا نو دو گیارہ ہو گیا۔ سنگت بھی آرام گاہ کی طرف متوجہ ہوئے بنا ہی چلی گئی۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور عافی کو اپنے پاس موجود پانی کی بوتل سے پانی پلایا۔ عافی کے ذہن میں ہوش کے در کھلے تو، مگر وہ اس حالت میں نہ تھا کہ مزید سیڑھیاں اتر سکتا۔

شام پہاڑی کو اپنے آغوش میں لیتی ہوئی گہری ہورہی تھی۔ عافی کے جسم کا رواں رواں، اس کی ادھڑی ادھڑی سانسیں، سہمی سہمی حالت صاف صاف اس کے آرزوؤں کی داستان بتا رہی تھی۔ وچن کے تو جیسے رونگٹے ہی کھڑے ہو گئے ہوں، یہ وہ عافی نہ تھا جسے وہ جانتی تھی جو اس کی ہر بات پر ہنستا مسکراتا تھا۔ یہ مددگار شخص آج مدد کا طلب گار تھا۔ وچن اب اس کے لیے آرام گاہ سے قہوا بنا کر آئی تھی۔ جسے پینے کے بعد وہ تھوڑا سا بہتر محسوس کر رہا تھا۔ ڈرائیور بھی ابھی آیا تھا۔

سنگت اتر چکی تھی۔ اب وچن کے موبائل پر مختلف نمبروں سے کالز آرہی تھیں۔

اس نے عافی کو پانی کی بوتل دی اور تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگی۔ عافی کے ساتھ اس کا ڈرائیور تو تھا لیکن وہ پھر بھی عافی کے لیے پریشان تھی۔ شام کے اترتے ہی ٹھنڈ کا احساس ہونے لگا تھا۔ اس نے اپنا کالا سویٹر عافی کے پیچھے بھاگتے بھاگتے کھو دیا تھا۔ نیچے اترنے سے پہلے اس نے کھلونے والے اسٹال سے ڈھیروں کھلونے خریدے۔

وچن کے ہاتھ میں کھلونے کی تھیلیاں دیکھ کر کسی نے اس سے دیر ہونے کا سبب نہ پوچھا۔ وہ سب اب پنڈی کی جانب جاتی ہوئی سڑک کے مناظر تک رہے تھے۔

☆......☆......☆

رات بھر وہ عافی کے متعلق سوچتی رہی۔ اس کی حالت، اس کے سوال، اس کی بے چینی۔

کون ہوگی وہ لڑکی؟ جو عافی جیسے شخص کو چھوڑ گئی تھی، کیسی بدنصیب تھی جو ایسی محبت سے محروم تھی۔ آج کل جب وفا برائے نام اور محبت برائے طلب بن کے رہ گئی تھی وہاں کون یادوں کے دیے جلاتا ہے۔ جب ایک طرف گھر والی اور دوسری طرف باہر والی کا سسٹم آن ہو تو وہاں خلوص کی تڑپ کیسی؟ یہ کیسی ملن کی آرزو تھی جو وہ اپنا سب کچھ دان کرنے پر تلا تھا۔

اسے دیکھ کر لگتا تھا محبت ہر دور میں چولہ بدلتی ہے۔ اس کا وجود کبھی فنا ہوگا۔ بے شک دنیا فحاشی کی طرف قدم بڑھاتی رہے، یہ ہر دور میں عاشق ڈھونڈ نکالے گی۔ دلوں میں رچ بس جائے گی کہ محبت کا جنم ہی راجدھانی کے لیے ہوا ہے، اس کی ہر ایک دور میں حاضر ناضر راجدھانی رہے گی۔

وچن صبح ہی صبح عافی کے آفس آئی۔لیکن وہ آج آفس نہ آیا تھا۔اسے مایوس لوٹنا پڑا۔اس نے اسے کئی کالز، کئی میسجز کیے پر جواب موصول نہ ہوا۔عافی نے چپ دھر لی تھی۔ایسی چپ جو اس کی شخصیت کا خاصہ تھا وہ اکثر کہیں کھو سا جاتا تھا، چپ ہو جاتا تھا۔

وچن اس کے بعد روز عافی کی سیکرٹری رخسار سے مل آتی، اسے روز ایک ہی جواب ملتا۔

''عافی سر کسی کام کی وجہ سے کہیں گئے ہوئے ہیں۔''

وہ پوچھتی۔''کہاں۔''

تو جواب ملتا۔''کراچی۔''

اس نے نیلش سے بھی پتا کروایا تھا اور رخسار کی آنکھیں دیکھ کر بھی لگتا تھا کہ عافی کراچی میں نہ تھا۔ہوتا تو رخسار کے چہرے پر ایسی مایوسی نہ نظر آتی، یہ وہی آنکھیں تھیں جن کے اٹھنے جھکنے کے انداز دیکھو تو دیکھتے رہ جاؤ۔لیکن آج یہاں کچھ نہ تھا۔نہ وہ چمک، نہ خمار مسکارے کی کوئی رمق، نہ کاجل کا کوئی نشان، نہ آئی شیڈ۔

بس بے رونق آنکھیں، پریشان چہرہ، کیچر میں دبے گیسو۔

عافی، کیسے سمجھتی وہ عافی کو؟ اس نے رخسار کی آنکھوں میں اس کے لیے احساس ہی احساس دیکھا تھا او عافی کا بھی اتنی خوب صورت، اتنی ذہین، انرجیٹک سیکرٹری سے صرف اور صرف باس والا رویہ دیکھا تھا۔نا جانے اسے کیا کیا میسر تھا؟ قسمت نے اسے بھرپور نوازا تھا، اگر وہ اس دن عافی کی تڑپ نہ دیکھتی تو اسے ناشکرا کہہ دیتی، پر اب؟

اس کی سوچوں کا مرکز آج فقط ایک عافی کے اردگرد گھومتا رہتا، اسی اثنا میں چولہے پر رکھا دودھ اس کی موجودگی میں ابھر آیا۔وچن کی ساس نے شور مچانا شروع کر دیا تھا۔صبح بھنڈی، آلو کی سبزی جلی تھی، چاول بھی کچے پکے رہ گئے تھے۔وہ ہفتوں سے متواتر تمام کاموں میں بے برکتی ہو رہی تھی، کبھی نل کھلا رہ جاتا، کبھی پانی کی موٹر چلتی رہ جاتی، کبھی پاپڑ کے آرڈر میں ردوبدل ہو جاتی تو کبھی کیا تو کبھی کیا۔

کملا غصے میں شور مچا رہی تھی۔

’’کل تم نے ایک سیر کی بجائے سوا سیر پاپڑ کرشنا مندر والی چنکی کو دیئے تھے، وہ بھی اچھا تھا میں نے باقی پاپڑ گنے تو واپس لے آئی، دھیان کہاں رہتا ہے تمہارا؟ بھنگ تو پینا نہیں شروع کر دی تو نے۔ جو سدھ بدھ کھوئی ہو؟‘‘

’’یہ اماں بھی نا؟ توبہ۔‘‘ اس نے کچھ نہیں کہا۔ اس کا موڈ نہ تھا کوئی جواب دینے کا۔ وہ کافی دنوں سے خاموش خاموش سی لگ رہی تھی۔ وچن کو یوں خاموش دیکھ کر کملا خود چپ ہوگئی اور فکرمندانہ انداز میں اس کے قریب آئی، اس کی پیشانی کو چھوا، نبض دیکھی اور پرسوچ انداز میں کہا۔

’’اری سن تو۔‘‘

وچن اسی کی جانب دیکھ رہی تھی۔

’’کہیں پاؤں تو بھاری نہیں تمہارا؟‘‘ ان کی نگاہوں میں عجیب سا کچھ تھا۔

وچن پہلے سے پریشان تھی اس کے سوال پر جیسے پھٹ پڑی اور غصے سے کہا۔

’’نہیں۔‘‘

اور پھر اپنے کمرے میں چلی گئی، یہ ساسو اماں بھی دردِ سر تھی۔

ناول رنگِ حیات کی اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 20 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

قسط نمبر 3

پورا اک ماہ ہوگیا، عافی کا کوئی ریپلائے نہ آیا، اس نے ابھی اسلام آباد آنا جانا چھوڑ دیا، یوں بھی چاندرات قریب ترتھی، وہ بابا ولی قندار ی کی زیارت کو ضرور آئے گا۔لیکن اگر نہ آیا تو؟

پتا نہیں......؟

وہ گھر کے کاموں میں بزی ہوگئی۔ اس کے گھر کا وہی حال تھا اس کی ساس اسے ستاتی اور پیا ماں کے گن گاتا۔

اب تو دیپک سے بات بھی نہ کر رہی تھی، پہلے ایسی شروعات دیپک کرتا اور اب وہ بات نہ کرنے میں پہل کرتی، اس نے ٹھیکہ اٹھا رکھا تھا کیا؟ سارا دن ایسے کام کرو جو آپ کرنا نہیں چاہتے۔ اوپر سے کوئی سمجھائے بھی نہ سمجھے۔ ایسے ہوتے ہیں رشتے؟ ایسے ہوتے ہیں اپنے؟ نا جانے عافی کی دیوانگی نے اس پر اثر کیا تھا؟ یا پھر دیپک کی ناسمجھی نے؟ اسے بس اتنی سی تو خواہش تھی کبھی تو دیپک بھی اسے سمجھے۔

وہ کچن کے کاموں میں مصروف تھی کہ اس کا فون بجنے لگا۔ وہ آٹا گوندھتے ہوئے ذرا کو پیچھے ہوئی۔ اسٹینڈ پر رکھے موبائل پر ایک نگاہ ڈالی۔ کالنگ نام دیکھ کر جیسے یقین نہ ہوا۔ اس نے آنکھیں رگڑیں اور پھر دیکھا۔ آٹا اس کے چہرے پر آن چپکا تھا۔

”عافی کالنگ؟“ اس نے بے یقینی کی کیفیت میں کال لی۔

کملا رانی اس کے سر پر سوار تھی اس لیے وہ محتاط رہی۔ عافی جس طرح غائب ہوا تھا اس سے لڑھکنا تو بنتا تھا لیکن وہ بس ہاں ہوں میں بات کرتی رہی۔ اسے عافی نے آج ہی بلایا تھا اور وہ آج ہی

جانے کے لیے تیار تھی، پر گھر کا کام ابھی باقی تھا۔اس نے گھر کا کام ختم کیا، سالن روٹی، چاول بنائے، دیپک کا کھانا ٹفن میں پیک کیا، رات کے لیے بھگوئے ہوئے چھولے بھی ککر میں سیٹی لگوائے اور جلدی جلدی تیار ہو کر گھر سے نکلی۔پنڈی تا اسلام آباد کا سارا سفر عافی کے متعلق سوچتے ہوئے گزرا۔اس نے آج طے کر لیا تھا کہ وہ عافی سے ان تمام سوالوں کے جواب لے گی جو اسے اس کی غیر موجودگی میں تنگ کرتے رہے ہیں۔

ایک گھنٹے کے بعد وہ عافی کے آفس کے باہر کھڑی تھی۔آس پاس کے سب ہی لوگ اسی کی طرف متوجہ تھے۔وچن تھی ہی ایسی ایک دم اسٹار پلس کی ہیروئن جیسی۔اسے کوئی نظر انداز نہ کرتا تھا۔یہ اس کے لیے روزمرہ کی بات تھی۔اس لیے وہ کسی کو خاطر نہ لاتی بس اپنی سیدھ میں چلتی رہتی۔

اب وہ رخسار کے عین مقابل کھڑی تھی۔آج پھر سے وہ چہک رہی تھی، زندگی کے تمام آثار اس کی اداؤں سے لپٹے تھے اور اچھی بات یہ تھی کہ وہ بھی اسی کی جانب دیکھ رہی تھی، اور آفس ورکر بھی۔

رخسار کو اپنی طرف متوجہ پا کر اس نے عافی کے متعلق پوچھا تو اس نے نہایت ہی پروفیشنل انداز میں کہا۔

"میم! عافی سر آپ کے ہی منتظر ہیں۔گزشتہ ایک گھنٹے میں دو بار آپ کی آمد کے متعلق پوچھ چکے ہیں۔"

وچن ہلکی سی مسکرائی، اسے رخسار پر ترس سا آ گیا۔بے چاری بیک وقت دو، دو ڈیوٹیز ادا کر رہی تھی۔آفس کی بھی، دل کی بھی۔

کیبن کی جانب جاتے ہوئے اسے نا جانے کیوں کچھ عجیب سا لگا، وہ پل بھر کو رکی، پر سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔پھر بھی کوئی الگ سی بے چینی تھی۔

کوئی غیر مانوس سا خدشہ، کوئی الجھن، کچھ مختلف سا،اس نے چند لمحے سوچا اور پھر عافی کے کیبن آئی۔

وہ بالکل ٹھیک ٹھاک اور مطمئن نظر آ رہا تھا۔اسے اس قدر مطمئن دیکھ کر وہ بھڑک اٹھی۔

"کہاں تھے تم؟ میں کتنی پریشان ہوئی؟"

عافی کی بھی سب کی طرح اس پر نظر ٹھہر گئی، وچن کے سوال سوال ہی رہ گئے۔ عافی نے اسے غور سے دیکھا اور پھر ہنسنے لگا۔

وہ بہت زیادہ ہنس رہا تھا۔ وچن حیران تھی۔

''پاگل ہو گئے ہو کیا عافی۔''

وہ ہنستا رہا۔

''اس دن دیوانے ہو گئے تھے آج پاگل لگ رہے ہو۔''

عافی ہنستا رہا، وچن اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ہنستے ہنستے عافی نے اپنا والٹ نکالا جس میں ایک شیشہ نصب تھا اور اس کی جانب بڑھا دیا۔

وچن کے سامنے اسی کا چہرہ تھا لیکن یہ کیا؟ اس کے سر کے وسط میں آج سرخ کی بجائے کالا رنگ نظر آ رہا تھا۔ عافی نے پھر سے ہنسنا شروع کیا۔

دراصل وچن نے آج جلدی میں اپنی مانگ کے وسط میں سرخ پنسل کی بجائے کالی آئی لائنر پھیری تھی، یعنی کالی پنسل سے مانگ بھری تھی۔ اور اس کے جیسے ہوش خطا ہوئے تھے۔

کالی مانگ......

ہائے ہائے۔ کہاں کہاں سے وہ ہو کے آئی تھی اس لیے آج سب اسے عجیب عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

کالی مانگ والی لڑکی۔

''چچ چچ، یہ کیسا اپ شگن ہو گیا؟'' اس نے ساڑھی کے پلو سے مانگ صاف کرتے ہوئے کہا۔

عافی اب بھی ہنس رہا تھا، جسے دیکھ کر اسے اور بھی غصہ آنے لگا۔

''چپ رہو تم، یہ سب اپ شگن تمہاری وجہ سے ہو رہے ہیں، کبھی دودھ گر جاتا ہے، کبھی کانچ ٹوٹ جاتا ہے اور اب یہ؟ ہے بھگوان دیپک کی رکشا کرنا۔''

اس کی اس بات پر عافی کو اور بھی زیادہ ہنسی آ گئی۔ اس نے ہنستے ہنستے کہا۔

''اور شارٹ کٹ اپناؤ، اچھا بھلا گفٹ لایا تھا میں نیپال سے۔'' اس نے پھر ہنسنا شروع کیا۔
وہ سر کے وسط میں ٹشو پیپر رگڑ رہی تھی۔
''ہاہاہا'' عافی کے قہقہے بلند ہو رہے تھے۔ نا جانے آج کیوں وہ اپنی ہنسی پر قابو نہ پا سکتا تھا، اس کے سامنے کالی مانگ والی لڑکی بیٹھی تھی جس نے اب رگڑ رگڑ کر اور بھی برا حال کر دیا تھا۔
''تم تو چپ ہو جاؤ ورنہ......''
''ورنہ کیا، کوئی اور شارٹ کٹ اپناؤ گی؟ ہاہاہا۔''
''دفع ہو جاؤ۔'' وہ غصے سے اٹھی، اسے عافی کا ہنسنا برا لگ رہا تھا لیکن عافی تھا کہ......
''مجھے یہاں آنا ہی نہیں چاہیے تھا، جا رہی ہوں میں۔''
عافی نے ہاتھ کے اشارے سے ہنستے ہوئے اسے رکنے کو کہا۔ وہ پل بھر کو رکی، عافی نے ٹیبل کے دراز کے آس پاس کچھ ڈھونڈا اور چند ہی لمحوں میں ایک سندور کی پیاری سی ڈبیہ ٹیبل پر رکھ دی اور کہا۔
''اسے لے جاؤ کالی مانگ والی لڑکی۔'' وہ پھر سے ہنسنے لگا۔
وچن غصے میں باہر نکل آئی۔ وہ خود کو اب اپنی دونوں بے وقوفیوں پر کوس رہی تھی، گھر سے نکلنے سے پہلے ایک بار خود کو دیکھ تو لیتی؟ اور نکلی ہی کیوں؟ اسے کیا فرق پڑتا ہے کسی کی زندگی سے، اف وہ بہت زیادہ غصے میں تھی۔ اسکا موڈ سخت خراب تھا، اس نے ٹیکسی روکی اور عجلت میں روانہ ہو گئی۔ کیا تھا یہ عافی، کیسا شخص تھا، وہ کیوں گئی تھی اس سے ملنے، کیا سوچ کے گئی تھی، اس کے جانے کا مقصد کیا تھا، عافی سے ملنے سے پہلے اس کی کیا کیفیت تھی، کیسی کیسی سوچیں تھیں؟
اور وہ کس قدر چالاک تھا۔
ہوں، تو وہ جانتا تھا کہ وہ کیوں آ رہی تھی، اس کے آنے کا مقصد، اس کی کیفیت، وہ ہر چیز سے واقف تھا۔ اس لیے تو اس نے وچن کو ایک سوال بھی پوچھنے نہ دیا تھا۔ آج وہ سمجھ گئی تھی کہ اس نے اتنی کامیابیاں کیسے حاصل کر لیں؟ دراصل وہ جو چاہتا تھا وہی کرتا، کوئی اور تو اس کے آگے کچھ کر بھی نہ سکتا تھا، جیسے وہ بڑی سیانی بن کر اس کا دکھ بانٹنے گئی تھی او دکھ بڑھا آئی۔ کالی مانگ...... اپ شگن...... ہائے

ہائے......اسے شدید پچھتاوا ہوا پر یہ عافی کیسا تھا، کس قدر گہرا......انسان اگر سمندر سے بھی گہرا ہوسکتا تھا تو اس کی مثال عافی تھا جس میں طاقت کا ذرا بھر بھی عنصر نہ تھا۔ کیسا آدمی تھا وہ؟ کیا وہ عافی کو جانتی تھی، عافی کون تھا، کیا تھا؟ پہلے اگر اس کے پاس اس کی باتوں کے ٹھیک ٹھیک جواب تھے تو اب سب غلط تھا، وہ عافی کو نہیں جانتی تھی، جب جان نہیں تو پہچان کیسی؟ وہ اب عافی سے کبھی نہیں ملے گی، کبھی نہیں۔ وہ بس عافی کو اتنا جانتی تھی جتنا عافی چاہتا تھا۔ اگر ایسا تھا تو ایسا ہی سہی......وہ طے کر چکی تھی اب عافی سے کبھی نہیں ملے گی۔ یوں بھی پہلے کی بات الگ تھی، وہ اس سے کبھی کبھار بات کرتی جیسے سب اپنے نیٹ فرینڈ سے ٹائم پاس کے لیے بات کرتے تھے لیکن اب زیادہ باتیں ہو رہی تھیں۔ پہلے پیپرز کی وجہ سے اور پھر باپو جی کی مدد اس نے کی تھی، لیکن اگر اس سب کا پتا دیپک کو لگا تو اس کے لیے اچھا نہ ہو گا۔ اسے محتاط رہنا ہوگا، وہ اپنے باپو جی کا مان تھی۔ اسے اپنے باپو جی کا سر نہیں جھکانا تھا۔

لڑکیاں اپنے والدین کے لیے بہ ظاہر اتنا نہیں کرتیں جتنا بیٹے کر سکتے ہیں لیکن ان کا یہ سسرال میں بنے رہنا کہ ان کی وجہ سے ان کے والدین کو شرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑے، اپنے آپ میں والدین کے لیے اپنے فرائض ادا کرنا ہوتا ہے جو بیٹے کبھی نہیں کر سکتے۔ بیٹیاں بہت اپنی ہوتی ہیں دور رہ کر بھی اپنے پاس، ہر وقت والدین کے متعلق سوچنے والیں۔

☆......☆......☆

خربوزہ، خربوزے کو دیکھ کر رنگ بدلتا ہے۔ نا جانے اس بات میں کتنی صداقت تھی لیکن اس نے تو عافی کو دیکھ کر رنگ بدلا تھا۔ اس نے عافی سے بول چال بند کر دی تھی پر اس کا کلیہ اپنا لیا تھا، اپنی کرنے کی ادا سیکھ لی تھی اور اب اسی پر آزما بھی رہی تھی، اس دن سے اب تک اس نے عافی سے کوئی بات نہ کی تھی اور آج چندر رات تھی، وہ بابا ولی قنداری کے چھلا گاہ سے واپس گردوارے آئی۔ آج لنگر خانے میں بہت کام تھا۔ اس نے سبزی کاٹنے والی عورتوں کا ہاتھ بٹانا چاہا یہ بھی ایک خدمت خلق تھی۔ دور دور سے آنے والے مسافر تھکے ہارے گوردوارے میں لنگر کھاتے تھے۔ اس نے تو ایسی ایسی خواتین کو یہاں سر جھکا کر سیوا کرتے ہوئے دیکھا تھا جن کی سونے سے بھری کلائیاں دیکھ کر لگتا تھا انہیں برتن

مانجھنا تو کیا منجن اٹھانا بھی نہ آتا تھا۔ وہ تو پھر وچن تھی پھرتیلی۔ اس نے عورتوں کے دیکھتے دیکھتے ساری سبزی اس مہارت سے کاٹی کہ وہ سب دیکھتی ہی رہی، صرف اتنا ہی نہیں اس نے لنگر صاحب کا فرش بھی دھولیا اور چھوٹے موٹے مزید کام بھی کر لیے۔ اس کے باوجود بھی اس کے پاس ٹائم بچا تھا وہ گوردوارے کے لان میں آبیٹھی اور اپنا موبائل چیک کیا۔ عافی کے بہت سارے میسجز آئے تھے، اس نے اس دن سے اس کے کسی میسج کا جواب نہ دیا تھا۔ کچھ میسجز کی تو اس نے پڑھے بنا ہی جان لے لی تھی یعنی ڈیلیٹ کر دیا تھا۔

عافی اس کا انتظار کرتا رہا تھا۔ ہمیشہ کی طرح سنگت پہاڑی چڑھ کر اتری تھی، یہاں سب کچھ معمول کے مطابق تھا بس ایک وچن نہ تھی۔ عافی نے وچن کو بہت مس کیا۔ اس کے لیے وچن ایک انمول دوست کی مانند تھی۔ سنگت اب جانے لگی تھی عافی نے وچن کو منی وین کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ وچن نے بھی عافی کو اس کی بڑی گاڑی کے ساتھ دیکھا تھا، لیکن اب وچن کو اس سے کیا، وہ باقاعدہ ناراضگی کا اعلان کر کے عافی کے پاس سے گزر گئی اور اسے دیکھا بھی نہیں۔

وہ جانتا تھا وچن اس سے ناراض ہے لیکن اس کے بچپنے انداز پر اسے پھر سے ہنسی آ گئی۔

''کالی مانگ والی لڑکی۔'' اس نے زیرِ لب کہا۔ ذرا تھکن اتاری اور اسلام آباد کے راستے چل دیا۔

☆......☆......☆

وچن نے عافی کا من مانی کرنے والا کلیہ پوری ایمانداری سے اپنایا تھا۔ اس کے دکھ کی وجہ وہ خود تھی۔ اسی نے لوگوں کو اپنی بے قدری کی عادت ڈالی تھی، لیکن اب اور نہیں ہرگز نہیں۔ اس نے من مانیاں شروع کی تھیں۔ جس کا اثر اس کے گھر پروار پر سب سے زیادہ ہوا تھا، آج اس نے اپنے لیے پزا منگوایا اور کمل کو بھی دیا۔ کھانا پکانے کے ٹائم وہ سو گئی، اس کی ساس نے اپنے لیے کھانا خود بنایا اور بیٹے کے لیے بھی ٹفن بنایا۔ وچن سو کر اٹھی تو پاپڑ بیلنے کی بجائے قلم کاغذ اور ایک چاٹ لے بیٹھی۔ اس نے خوش نویسی سے چارٹ پر بڑے بڑے اکھروں کے ساتھ لکھا، ''ٹیوشن سینٹر'' اور گھر کے باہر چسپاں کیا۔ اس کے بعد وہ اپنے کمرے میں آئی۔ وہ فارغ نہ رہتی تھی۔ جو لوگ فارغ نہیں رہتے وہ فارغ رہ نہیں

سکتے ،انھیں کام کرنے کی عادت ہوتی ہے وہ کام کرتے رہتے ہیں۔وچن کا من بھی بیٹھے بیٹھے نہ لگتا۔ اس نے موبائل پر گیمز کھیلنا شروع کی۔اس نے metero 60 secand کھیلنا شروع کی اور پھر کھیلتی رہی۔حتیٰ کہ دیپک کے آنے کا وقت ہو گیا۔وہ اب بھی گیم کھیل رہی تھی،اسے مزا آ رہا تھا۔

کملا سارا دن کام کرتی رہی تھی،اسے اب اس کا بدلہ لینا تھا،اس کی فیملی پولٹکس کی سمجھ چمک رہی تھی۔دیپک آ رہا تو کمل کھیل چھوڑ کر اس کے پاس آیا اور اس سے لپٹ گیا۔وہ کمل کا ہاتھ تھامے خوشی خوشی گھر کی طرف بڑھ رہا تھا کہ اس نے چاٹ دیکھی،اس نے اٹک اٹک کر پڑھا۔

"ٹیو......شن......ن......سن......ٹر؟" اسے یقین نہ ہوا،اب کمل نے پڑھا۔ٹیوشن سینٹر......

دیپک کا سر چکرا گیا۔اسے شدید غصہ آنے لگا۔اس نے چارٹ اتار کر پھاڑ دیا اور گھر کے اندر آیا۔کملا نے اسے آتے دیکھا لیکن کاش یہ بھی دیکھ لیتی کہ وہ غصے میں ہے تو اپنی چال نہ چلتی اور فیملی پولٹکس سے دور رہتی،لیکن اس نے سارا دن کام کیا تھا اور اب بہو سے بدلہ لینا تھا،وہ نہیں جانتی تھی کہ بہوں سے لیے ہوئے بدلے صرف بہوں تک محدود نہیں رہتے۔ان کے اپنے بیٹے بھی اس بدلے کی آگ میں جل جاتے ہیں اور صرف بیٹے ہی کیوں،کئی بار تو ان کا سارا خاندان اس آگ کی زد میں آ جاتا ہے۔

وہ کچن میں روٹیاں پکا رہی تھی،دیپک کو دیکھتے ہی اس نے گرم توے پر گھی پھینکا،سارا گھر دھواں دھواں ہو گیا،وہ کھانسنے لگی،دیپک بھی کھانس رہا تھا۔اس نے خود کی فکر چھوڑی ماں کو اپنے مضبوط بازوؤں میں بھر لیا،آنگن میں اسے لایا،پانی پلایا،پیٹھ تھپتھپائی،کھانسی کی دوا دی اور غصے میں وچن کو بلایا۔

وچن کا دل یوں بھی گیم کھیل کھیل کے اکتا گیا تھا۔اس نے دیپک کی آواز سنی،اب وہ ساسو ماں کو اس کی گیم میں ہرانے کو تیار تھی۔وہ جیسے اپنے کمرے سے نکلی،کچن میں چلی آئی وہ دھواں دیکھ کے سمجھ گئی تھی ساسو ماں نے کون سی چال چلی تھی۔اس نے کچن میں آتے ہی توا تپانے کے لیے چولہا جلایا۔

دیپک بہت غصے میں تھا،اس نے آتے ہی پوچھا،

"کہاں تھی تم؟ ماں کی حالت تو دیکھتی،ذرا سا خیال نہیں رکھا جاتا،تمھارے ہوتے ہوئے وہ روٹی بنا رہی تھی،کیوں؟"

''کیونکہ انہیں ڈرامہ کرنا تھا۔''

''کیا، کیا کہا تم نے؟ تمہارا ماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟''

''ہاں ڈرامہ کرتی ہے آپ کی ماں۔''

''وچن۔'' اس نے غصے میں اسے پکارا تو وچن نے بنا ڈرتے ہوئے تپتے توے پر گھی پھینک دیا جس سے پھر دھواں کسی پھوار سا اٹھنے لگا۔

''اب پتا چلا کیسے ڈرامہ کرتی ہے تمہاری ماں؟''

''تمہیں شرم آنی چاہیے وچن۔ تم میری ماں کے متعلق یہ سب کیسے بول سکتی ہو؟''

''اور آپ مجھ سے اس طرح کیسے بات کر سکتے ہیں؟''

''وچن، ہو کیا گیا ہے تمہیں اور یہ سب کیا ہے؟'' اس کا سوال چارٹ کے لیے تھا۔ ''کس چیز کی کمی ہے تمہیں۔ کیا ضرورت ہے تمہیں اس سب کی؟''

''ضرورت ہی تو ہے دیپک۔''

''کیا مطلب، کہنا کیا چاہتی ہو تم؟''

''بس اتنا کہ دو ماہ کے بعد جو آپ کی ماں مجھے کچھ ہزار دیتی ہے اس سے میرا گزارا نہیں ہوتا۔''

''تو اور مانگ لو۔''

''کیوں مانگوں میں ان سے؟ میں نے ان سے بیاہ نہیں کیا آپ سے کیا ہے، ان سے کیوں مانگوں۔ سارا دن پاپڑ بناؤں پیسے وہ لے جائے، سارا دن نوکروں کی طرح آپ کے گھر کے کام کروں، اور چھوٹی موٹی ضرورتوں کے لیے ہاتھ پھیلا کے مانگوں؟ کیوں مانگوں میں؟ جب میں خود مختار ہو سکتی ہوں۔''

''بہت بولنے لگی ہو تم وچن۔ میرا سب کچھ تمہارا ہی تو ہے۔''

آپ کا سب کچھ آپ کی ماں کا ہے۔''

''وہ ہماری ماں ہیں وچن۔''

''نہیں دیپک، یہ صرف آپ کی ماں ہے بلکہ آپ کی ماں بھی نہیں ہیں، ہوتی تو آپ کو اپنی پتنی

سے لڑواتی نہیں اور اب باہر کھڑی ہو کر ہماری باتیں نہ سنتی بلکہ گھر کی سکھ شانتی قائم رکھتی۔" وچن نے انتہائی غصے میں کہا اور اپنے کمرے میں چلی آئی۔

کملا حیران سی تھی۔ اس کے بیٹے کے آگے اس کی پول کھلی تھی لیکن کوئی نہیں وہ اپنے بیٹے کو سمجھا سکتی تھی لیکن یہ وچن تو اس کا......؟ اسے اب بھی وچن پر غصہ آ رہا تھا مگر اب وچن کو فرق نہ پڑتا تھا۔ آج تو اسے دیپک کے رویے سے بھی فرق نہ پڑا تھا۔ اس نے آگے بڑھنے کی سوچ لی تھی۔ وہ ٹھیک تھی یا غلطی؟ لیکن من مانیوں میں اپنا ہی مزہ تھا، اسے اچھا لگ رہا تھا، اس کا بس چلتا وہ سب سے کہتی۔

"من مانیوں سے روح خوش ہوتی ہے کبھی کبھی من مانیاں کرنی چاہئیں۔"

پر وہ یہ نہیں جانتی تھی من چاہی دنیا کبھی نہیں ملتی، خوابوں کی طاق میں جو منزل نظر آتی ہے وہ منزل کبھی حقیقت میں خوابوں جیسی نہیں ہوتی۔

☆......☆......☆

دیپک نے چارٹ پھاڑ دیا تھا لیکن اس کا حوصلہ ابھی باقی تھا۔ اس نے مختلف اسکولوں میں اپنی سی وی جمع کی تھی، کمل کے اسکول میں بھی۔ یہاں جان پہچان پہلے سے ہی تھی، سب جانتے تھے وہ ایک ذہین عورت ہے وہ اکثر پیرنٹس میٹنگ میں عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ کرتی اس لیے اسے فوراً انٹرویو کے لیے بلایا گیا۔ کمل پرائمری کا اسٹوڈنٹ تھا اور یہاں موجود تمام ٹیچرز ہائی کلاسز کی لگتی تھیں۔ وچن نے پرنسپل کے بنا کسی اور کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

انٹرویو اسکول کی ہیڈ مس لے رہی تھی۔ شاید وہ پرائیویٹ سیکٹر کی بنیاد پر اس اسکول کی اونر تھی اور ان کو دو مزید ٹیچرز اسسٹ کر رہی تھیں۔ یہ پرنسپل آفس کا کونا تھا جہاں دیوار کے پاس تین کرسیوں کا انتظام کیا گیا تھا جس پر وہ تینوں ٹیچرز براجمان تھیں۔ ان کے عین سامنے کوئی میز نہ تھا، بس دو سائیڈ ٹیبل تھے جس پر گرین ٹی کے خالی کپ رکھے تھے۔ وچن آفس کے وسط میں رکھی کرسی پر بیٹھی جہاں اسے بیٹھنے کا کہا گیا تھا۔ کچھ رسمی سوالات کے جوابات سے ہی وہ انہیں اپنی ذہانت سے قائل کر چکی تھی۔ وہ مطمئن لگ رہے تھے، وچن بھی مطمئن تھی۔ اینڈ میں اسے ایک کتابچہ دے دیا گیا اور ایک پیج کھولنے کو

دیا گیا۔ ساتھ میں کہا گیا اسے اونچی آواز میں پڑھو۔ وچن حیران ہوئی تھی۔ اردو ریڈنگ۔ وہ کوئی بچی نہیں تھی جو پرائمری کلاس کے لیے ٹیسٹ دینے آئی تھی وہ تو انٹرویو دے رہی تھی۔

خیر اسے پڑھنے کا کہا گیا تو اس نے با آواز بلند پڑھا۔

''سیرتِ نبوی ﷺ کی تاریخی اہمیت۔''

اس نے کتابچے میں موجود عبارت کو پڑھنا شروع کیا اور جس جس جگہ نبی ﷺ کا نام آیا اس نے مکمل نام لیا۔ ہیڈ مسٹریس صاحبہ امپریس لگ رہی تھی۔ وہ مذہبی تنفر رکھنے والی کسی ٹیچر کے ہاتھ میں بچوں کا مستقبل نہ دے سکتی تھی۔ اس لیے اس نے کتابچے میں لکھی عبارت وچن سے پڑھائی۔

''آپ کے نزدیک مذہب کیا ہے؟'' سیدھے ہاتھ کی جانب بیٹھی ٹیچر نے اپنے چشمے کو سیدھا کرتے ہوئے سوال پوچھا۔

وچن نے لمحے بھر کو سوچا اور پھر کہا۔

''مذہب رحم کا بیٹا ہے۔ باپ نہیں، تو بیٹا بھی نہیں، یعنی اگر ہم رحم دل نہیں تو ہم مذہبی نہیں۔''

وہ زیرِ لب مسکرائی تھیں اور ایک دوسرے کی جانب وچن کے نظریے سے متفق ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔

وچن کو جاب مل گئی تھی۔ وہ نویں جماعت کی نئی استانی تھی۔ جس کی شروع شروع میں تنخواہ تیس ہزار مقرر کی گئی تھی۔ دیکھا جائے تو انٹرویو کے انداز اور اتنے بڑے اسکول کی استانی ہونے ے اعزاز ک عوض تنخواہ بہت کم تھی۔ پر اپنی چیز اپنی ہوتی ہے۔ اور وہ تو ہاتھ پھیلائے بنا پانچ، چھ ہزار میں گزارا کر لیتی تھی۔ تو تیس ہزار تو...... وہ بھی اپنے تیس ہزار، جنہیں جہاں چاہے وہاں خرچ کرے۔ محنت کی عظمت والے تیس ہزار۔ وہ بہت خوش تھی جس کا مطلب تھا سسرال والے ناراض تھے۔ اس نے دیپک اور اپنی ساس کی فکر کیے بنا ٹیچنگ شروع کی۔ اسے بہت مزہ آ رہا تھا وہ ٹیچنگ لائف انجوائے کر رہی تھی، بچوں کا اسے مس مس کہنا، عزت دینا، تابعداری کا مظاہرہ کرنا اسے بہت اچھا لگتا تھا، سب سے زیادہ اچھا تو اسے سیلری لینا لگ رہا تھا اور اس سے بھی اچھا محلے والوں کا رویہ لگ رہا تھا۔ وہ اس محلے کی واحد

پڑھی لکھی بہو تھی جوان کے بچوں کو اسکول میں پڑھاتی تھی۔فرق تو پڑا تھا اور یہ فرق اسے پسند آرہا تھا۔اس کی زندگی ہی بدل گئی تھی صبح صبح اٹھ کر تیار ہونا، قمیض شلوار پہننا، نئے نئے دوست بنانا، اسکول کی ٹیچرز کے ساتھ گھومنا پھرنا، شاپنگ کرنا، پکنک پہ جانا۔

اب تو اس نے پرانی گیمز بھی کھیلنا چھوڑ دی تھی۔وہ اب پپ جی، جی ٹی اے وغیرہ کھیلتی اور ٹک ٹاک پر وڈیوز بناتی، اس نے کمل کی وڈیو بنانا شروع کر دیا تھا اور وڈیوز وائرل بھی ہو رہی تھی۔من مانیاں من کو لبھا رہی تھی سب کچھ ٹھیک تھا لیکن دیپک؟

دیپک اس سے بات نہ کرتا تھا حتیٰ کہ وہ جو کپڑے اس کے لیے کبڈ سے نکالتی وہ وہی کپڑے نہ پہنتا۔خود سے کوئی دوسرا جوڑا پہن لیتا۔تیار ہو کر چلا جاتا۔

تو دھلوائے بھی نہیں نا، استری بھی نہ کروائے، اس نے اپنے منتخب کپڑے پھر سے کبڈ میں رکھتے ہوئے جل کر کہا۔من مانیاں سزا بھی دیتی ہیں، دیپک اس کی کل دنیا تھا اور آج کل اس کی دنیا اس سے خفا خفا، جدا جدا تھی۔اس کے دل کو دیپک کے رویے سے بہت دکھ ہوتا تھا، لیکن پھر وہ دل بڑا کر دیتی، کچھ نہیں بس کچھ دنوں کی بات ہے۔اس کے دیپک کو اسے اس کے اصل روپ میں اپنانا ہوگا، وہ ایک تعلیم یافتہ لڑکی تھی۔یہ اس کی حقیقت تھی اسے پاپڑ بیلنے سے خوشی نہیں مل سکتی تھی۔اس کی خوشی تعلیمی سرگرمیوں سے وابستہ تھی۔

☆......☆......☆

آج کے موسم میں دل کی تمام تنہائیاں جیسے سمٹ آئی تھی، نہ دھوپ تھی نہ گرمی تھی، نہ بارش تھی اور نہ ہی ہوا کے جھونکے تھے، اور نہ ہی وچن تھی۔وہ تنہا ہی دربار کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔آہستہ آہستہ۔

آج وچن نہ تھی تو اس کی رفتار سے سیڑھیاں اترنے چڑنے کی تھکن بھی نہ تھی۔آج تو وہ سنگت کا حصہ بھی نہ تھی لیکن یہ کیسے ممکن تھا؟ عافی سوچ میں پڑ گیا، وہ کبھی بھی پنجہ صاحب کی حاضری سے نہ چکی تھی۔سردی، برف باری، طوفان، گرمی، لُو، بیماری خواہ کچھ بھی ہو وہ زیارت سے نہ چکی تھی پر آج......؟

عافی کو اب اس کی فکر ہو رہی تھی۔

اس کی خبر تو لینی چاہیے وہ عافی سے خفا تھی، عافی تھوڑی اس سے خفا تھا اس نے فون اٹھایا ایک نمبر لگایا اور بس عافی کے لیے کیا مشکل تھا؟ لیکن سب آسان بھی کہاں تھا؟ اسے رات تک پتا چل گیا محترمہ ٹیچنگ کر رہی ہے لیکن یہ ممکن کیسے تھا؟ ضرور وہ ضد میں آ گئی تھی۔ عافی کو اس کی اب سچ میں فکر ہونے لگی وہ اس کا ایک مخلص دوست تھا۔ بس وہ عافی کو سمجھ نہ پا رہی تھی۔

اپنی غلطی تسلیم کی جا سکتی ہے لیکن گناہ تسلیم کرنا، گناہ کرنے سے بھی زیادہ مشکل ہوتا ہے اور وہ بھی تب جب آپ پل پل اپنی کیے ہوئے گناہ کی سزا بھگت رہے ہو، کیونکہ گناہ کرتے وقت ہمیں اندازہ نہیں ہوتا کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ پر سزا کاٹتے وقت ہمیں پتا چل جاتا ہے کہ ہمارا گناہ کتنا بڑا تھا؟

عافی کی تڑپ ابھی جاری تھی اور وہ خود کو اس حوالے سے خوش نصیب سمجھتا کہ اسے اس کے کیے کی سزا اسی دنیا میں ملی بس وہ اس دنیا میں خالی ہاتھ نہ جائے اسے اسی کی فکر تھی۔

☆......☆......☆

آج صبح ہی صبح خوش دل کا میسج آیا تھا۔ اسے کالی کلوٹی کہنے کے بعد یہ اس کا پہلا میسج تھا، وہ تو اپنی خوشی میں اپنا جرم بھول گئی تھی۔ اس کا میسج ذرا طویل تھا۔ اس نے میسج پڑھنے سے قبل اسے کالی کوٹی کہنے کے لیے معافی مانگی۔

"تم نے تو اخلاقیات پڑھی ہے۔" اسے بھی اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

"ہاں بالکل، کے جی سے لے کر بی ایس سی تک۔"

خوش دل نے ہنس کر نڈھال ہونے والے ایموجی سینڈ کیے تو اس نے بھی کالے چشمے والا ایموجی سینڈ کیا۔

خوش دل نے اسے ملنے کے لیے بلایا اور، اور جو جو کچھ بتایا تھا اس کے تو ہوش ہی اڑ گئے۔

"سکینہ نے ٹاپ کیا تھا۔"

"کیا؟"

"ہاں۔"

''تم مذاق کر رہی ہو؟''

''رول نمبر چیک کر لو۔''

اس نے فوراً رول نمبر چیک کیا۔ رزلٹ آن لائن موجود تھا۔ سکینہ نے واقعی ٹاپ کیا تھا، اسے یقین نہ ہو رہا تھا۔ یہ انگلیاں منہ میں دبانے اور ناخن چبانے والی بات تھی۔ سکینہ نے ٹاپ کر لیا؟ یعنی وہ ٹاپ کر سکتی تھی۔ اس نے ٹاپ کیا تھا، وہ اتنی قابل تھی۔

''ہے بھگوان۔'' اسے خوشی ہونے لگی۔ وہ چھلانگیں مارنے لگی۔ اس نے ٹاپ کیا تھا۔

آج کا دن اس کی خوداعتمادی کے لیے موزوں ترین تھا۔ اسے رہ رہ کے یاد آتا ''سکینہ نے ٹاپ کیا ہے۔'' وہ خود سے ہم کلامی کر رہی تھی۔ سکینہ نے ٹاپ کر لیا۔ اس کے اسکول کی ٹیچر نے سن کر کہا۔

''ہاں سکینہ نامی لڑکی نے ٹاپ کیا ہے ہمارے ہی شہر سے ہے۔ صبح نیوز پیپر میں پڑھا تھا اور گروپس میں بھی اس کے ہی چرچے ہو رہے ہیں۔

وہ کیسے اس ٹیچر کو بتاتی کہ اس نے ٹاپ کر لیا تھا۔ وہ بہت خوش تھی، پر وہ یہ خوشی بانٹے کس سے؟ اس نے سنا تھا، خوشیاں بانٹنے سے بڑھتی ہیں، اسے بھی اس خوشی کو بانٹنا تھا۔ لوگوں کو بتانا تھا، داد حاصل کرنی تھی، اپنی ذہانت اپنی کارکردگی کے لیے بہتری و برتری کا طرہ اپنے سر چمکانا تھا۔

دیپک اس سے خفا تھا اور وہ عافی سے خفا تھی؟ خیر خوش دل ابھی اس دنیا میں موجود تھی اسے شاباشی دینے کے لیے..... تو خوش دل ہی سہی، وہ اس سے اپنی خوشی بانٹ سکتی تھی۔ داد شاد وصول کر سکتی تھی، اپنی ذہانت کا رعب جھاڑ سکتی تھی۔

اسکول کے بعد وہ خوش دل سے کافی شاپ میں ملی، آج وہ پہلے سے بھی زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ اس نے بلیک جینز کے ساتھ بلیک کام دار نگ والی شورٹ شرٹ پہنی تھی، کانوں میں قطار سے بلیک نگ اور بالیاں پہنی تھی اور ٹھوڑی کے پاس بھی بلیک بالی لٹک رہی تھی، اس کے ہاتھوں میں بلیک بریسلیٹ اور بلیک نگ والی انگوٹھیاں تھیں اور بلیک ہی ہیلز تھے۔

وچن خوش دل کو دیکھ کر چند منٹ کے لیے بھول گئی، اس نے ٹاپ کیا تھا یہ تو اس نے آتے ہی

مبارک دی تو اسے یاد آیا، اس نے ٹاپ کیا تھا۔ خوش دل آج اس کی منشا کے مطابق اس کی تعریفیں کیے جا رہی تھی۔ کیے جا رہی تھی اور وہ بھی خوشی خوشی لب پھیلائے اس کی تمام باتیں مزے سے سن رہی تھی۔ ہائے یہ اپنی تعریفیں سننے میں کتنا مزہ آتا ہے۔ اب کافی آ چکی تھی۔

خوش دل نے گرم گرم کافی پینی چاہی تو وچن نے اس سے پوچھا۔

''اور بتاؤ سکینہ کا کیا حال ہے۔ وہ کیا کہہ رہی تھی؟''

''سکینہ بہت خوش تھی وچن اور تمہاری تو لاٹری ہی نکل آئی۔ وہ تمہاری بہت تعریفیں کر رہی تھی، سب حیران تھے۔ تم نے تو معجزہ کر دکھایا۔ ہماری لائن میں آتے ہی چھا گئی تم۔ تم نے خود کو منوا لیا اور میرا بھی فائدہ کیا ہے۔ اب لوگ مجھ پر اور زیادہ ٹرسٹ کریں گے۔''

''تم پر کیوں؟'' اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

''وہ اس لیے کہ تمہیں میں نے ڈھونڈ نکالا تھا۔''

''واہ بھئی کام ہمارا، نام سکینہ کا اور دام تمہارا۔''

''اور نہیں تو کیا۔''

''اب تو مجھے بتاؤ، مجھے کیوں چنا تم نے؟ کیسے؟''

''وچن، وچن تم نے ابھی ابھی میٹرک میں ٹاپ کروایا ہے، بہت ذہین ہو تم۔ سب کچھ سمجھ گئی ہو، آگے بھی سمجھ جاؤ گی۔''

''ایک تو یہ تمہاری فلمی گینگسٹروں والی باتیں، یعنی تم آج بھی نہیں بتاؤ گی؟''

''نہیں، لیکن میں جو تمہیں بتاؤں گی تمہارے ہوش اڑانے کے لیے کافی ہے۔''

''کیا؟''

''تم نے بی ایس سی کی ٹھیک۔''

''ہاں۔''

''سوچو سال میں کتنے پیپرز ہوتے ہیں، جماعت نہم سے لے کر بی اے سی تک؟ کبھی سپلی، کبھی

سالانہ......" خوش دل اپنے پیارے سے ہاتھ میں کافی کا مگ لیے ہوئے کہہ رہی تھی۔ بات کرتے وقت اس کے لب سے متصل بالی جھول جاتی تھی۔

"تو؟" وچن کو سمجھ نہ آیا۔اس کی کافی ٹھنڈی ہو رہی تھی۔

"اگر تم ہم سے ہاتھ ملا لو تو سوچو، چند سالوں میں کہاں سے کہاں تک پہنچ جاؤ گی اور پکڑے جانے کا تو ڈر ہی دل سے نکال دو۔"

"یعنی میں ٹھیک تھی۔تمہارے سکینہ کے علاوہ اور بھی کلائنٹ تھے؟"

"جی بالکل، ویسے آج کل سنا ہے تم ٹیچنگ کر رہی ہو۔"

"اف، اب یہ کہاں سن لیا تم نے؟ ایک منٹ تم میرا پیچھا کرتی ہو؟"

"پیچھا، ہاہاہا۔انویسٹی گیشن۔"

"ہاں۔" وہ گھبرا گئی۔

"یار! تم گھبراؤ تو نہیں بس میں نے جو کہا اس پر غور فرماؤ، رنگ جاؤ گی۔"

"تم رنگ گئی ہو؟"

"میں تمہارے جتنی پڑھی لکھی اور ذہین نہیں، میری تو بس تنخواہ فکس ہے۔"

"یعنی تم سے اوپر اور لوگ ہیں اور تمہارا کام بس کلائنٹ کو دیکھنا ہے، اوپر کے کام یعنی سینٹر بدلنا، ٹیچرز سے معاملات طے کرنا وغیرہ دوسرے لوگوں کا کام ہے، لیکن اگر تمہارے کلائنٹ کو دیکھنا ہے تو تم سکینہ کو کیسے جانتی ہو اور کیا تم دونوں طرف کے کلائنٹ کو فیز کرتی ہو؟"

"یار! تمہیں میرے کاموں میں الجھنے کے لیے کون کہہ رہا ہے، تم بس اپنے کام پر توجہ دو۔ تم پر قسمت مہربان ہے۔تم نے ٹاپ کروا دیا۔" اب اس کا انداز شرارتی سا تھا۔

"قسمت مہربان تو ہے لیکن یہ کام ذرا؟"

"ارے تم کن باتوں کو لے کر بیٹھ گئی؟ یہاں تو پیپر شروع ہونے سے قبل پرچے آؤٹ ہوتے ہیں، کمرۂ امتحانات میں کھلم کھلا نقل چلتی ہے، موبائل پر دس منٹ کے اندر ہی تمام پرچہ حل ہو کر

اسٹوڈنٹ کی جیب میں ہوتا ہے۔"

"تو جب اتنا کچھ ہو رہا ہے تو میرے جیسے جعلی پیپر دینے والوں کی ضرورت کیا تھی؟" وچن نے پرسوچ انداز میں پوچھا۔

"نقل تو سب کرتے ہیں وچن، لیکن اگر نقل عقل سے کی جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟"

"یہ نقل نہیں ہے یہ تو کسی اور کی جگہ......" ابھی وچن کا جملہ مکمل نہ ہوا کہ وہ بولی۔

"یہ تو تمہیں لگتا ہے نا، لیکن بات تو ایک ہے، پرچیوں یا موبائلوں سے دیکھ کر لکھو یا پھر کسی اور سے لکھواؤ" اس نے شانے اچکا کر کہا۔

"تو تمہیں یہ کام غلط نہیں لگتا؟"

"ہاں نہیں لگتا، غلط تب لگتا جب ہم کچھ ٹھیک دیکھتے لیکن یہاں سب غلط ہے اور جو ہم کر رہے ہیں وہ غلط میں سب سے خاص ہے، یعنی دماغ کا استعمال کر رہے ہیں، اب تم بتاؤ پرچیوں سے دیکھ کر لکھو یا پھر دوسروں سے لکھواؤ، کرنی تو نقل ہی ہے نا؟"

وچن کا دماغ کسی اور سمت چلنے لگا وہاں جہاں خوش دل چاہتی تھی۔

"یقین کرو وچن، رنگ جاؤ گی، اتنے پیسے کماؤ گی کہ آگے کی زندگی آرام سے گزرے گی اور یہ سب چہرے پر عمر کے آثار نمایاں ہونے تک ہی تم کر سکتی ہو، تمہارا چہرہ قدرتی طور پر معصوم سا ہے، انجوائے کرو یار۔"

وچن سوچ میں پڑ گئی۔

"ویسے جب سکینہ کے ایف ایس سی کے پیپر دو گی سیکنڈ ٹائم کے بھی پیپر دے دینا۔"

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی۔

"فکر مت کرو سینٹر چینج کرواؤں گی اور اسی شہر میں ہی پیپر ہوں گے؟"

"سیکنڈ ٹائم اکثر آرٹ کے پیپر ہوتے ہیں، مجھے خاک نہیں آتا اب ہر سبجیکٹ میں تو میں ماہر نہیں ہوں اور میں نقل تو بالکل نہیں کروں گی۔"

''اچھا اچھا ٹھیک ہے مت کرو نقل، تمہاری مرضی، صرف تمہارے سبجیکٹ کے ایک سال میں آٹھ بار پیپر ہوتے ہیں۔''

''آٹھ بار؟''

''ہاں، نہم دہم کے سپلی اور سالانہ ہوئے چار بار اور چار بار گیارہویں بارہویں کے سپلی اور سالانہ۔''

''یہ تو واقعی سارے سال کا کام تھا۔''

وچن کی سوچ کے پٹ بہتر مستقبل کی روشنی کی جانب نیم وا کھلنے لگے۔

خوش دل اب مطمئن لگتی تھی اس نے اپنا موبائل نکالا، کسی کا میسج تھا جسے دیکھ کر وہ اور بھی زیادہ خوش لگنے لگی۔

''کیا بات ہے؟ کس کا میسج ہے؟'' وچن کو شرارت سوجھی۔

''جیسا تم سوچ رہی ہو ویسا۔''

''ہاں ہاں اب تم کہو گی ہی کہ جیسا میں سوچ رہی ہوں ویسا بالکل نہیں ہے۔''

''نہیں، میری اتنی مجال کہاں کہ اتنی ذہین لڑکی سے بحث کروں۔ دراصل میرے بوائے فرینڈ نے میرے لیے گفٹ بھجوایا ہے۔ وہ بھی آن لائن میری پسند کا ڈیزائنر ڈریس۔''

''واؤ، تمہارے بوائے فرینڈ بھی ہیں؟''

''صرف آٹھ۔''

''ہاں، آٹھ بوائے فرینڈ؟''

''ہاں، بس آٹھ بوائے فرینڈ لیکن اس سال کے اینڈ تک بارہ ہو جائیں گے۔''

''بارہ۔'' وچن کا حیرت کے مارے برا حال تھا۔ ''پر بوائے فرینڈ بارہ کیوں؟''

''مجھے اب صرف سال کے آٹھ ماہ ہی من چاہا گفٹ ملتا ہے، کیونکہ میرے صرف آٹھ ہی ایسے بوائے فرینڈ ہیں جو مجھے گفٹ دیتے ہیں لیکن بہت جلد سال کے بارہ ماہ مجھے 25 تاریخ کو گفٹ ملا

کرے گا۔ وہ ایکسائٹڈ تھی اور وچن حیران۔

''کیا کہہ رہی ہو؟''

''دراصل میں نے ہر بوائے فرینڈ کو اپنا برتھ ڈے مختلف بتایا ہوا ہے، میں بھی تھوڑی تو ذہین ہوں اس لیے مجھے ہر ماہ اپنی برتھ ڈے پر گفٹ ملتا ہے۔ بس اب صرف چار ماہ رہ گئے ہیں۔'' اسے چار ماہ کا دکھ تھا۔

''تم بہت خوب صورت ہو خوش دل، لیکن خاک سیرت ہو۔''

''کیوں؟'' اسے برا لگ گیا۔ ''کیوں تمہارے بوائے فرینڈز نہیں ہیں؟''

''نہیں۔ بھگوان نہ کرے۔''

''بڑی آئی۔''

''سچ میں۔ مجھے تو ابھی آگے پڑھنا تھا اور باپو جی نے شادی کروادی۔ دیپک میری زندگی میں آنے والا پہلا شخص ہے۔''

''پہلا؟ ہاں ہوسکتا ہے بٹ آخری تو نہیں ہے نا؟''

''کیسی باتیں کرتی ہو تم؟ میں تو دعا مانگتی ہوں میں سواگن ہی مروں۔''

وہ ناسمجھی کی سی کیفیت میں اسے دیکھ رہی تھی اور وہ جذباتی سی ہو کر کہہ رہی تھی کہ میں چاہتی ہوں جب میں مروں تو دیپک کے نام کا سندور میری مانگ میں ہو اور ان کے نام کا منگل سوتر میرے گلے میں......''

خوش دل کو ہنسی آ گئی، اس نے ہنستے ہنستے کہا۔ ''بس بس ہاں بس رونا نہیں یہاں۔''

''دیپک کے نام کا منگل سوتر۔'' وہ ہنس رہی تھی اس پر۔

''تم نہیں سمجھو گی خوشدل۔''''

''کیوں نہ سمجھوں؟ اتنے بڑے بڑے آدمی ہیں تمہاری زندگی میں؟ کیا نام تھا اس کا۔'' چند لمحے کو اس نے سوچا اور پھر کہا۔ ''وہ عافی...... بڑا آدمی؟ گفٹ نہیں لیتی تم اس سے؟''

چچ چچ چچ۔ اسے یہ سن کر افسوس ہوا۔ سچ کہتے ہیں جو جیسا ہوتا ہے ویسا ہی دوسروں کو سمجھتا ہے عافی میرا ایک اچھا دوست ہے۔''

''دوست؟ ہاہاہا۔''

''قسم سے یار وہ بس دوست ہے جیسے بھائی ہوتے ہیں، خیر خواہ ہوتے ہیں، میری زندگی میں دیپک کی جگہ اس جنم تو کیا اگلے سات جنم تک کوئی نہیں لے سکتا۔''

''جذباتی، ذہین مگر احمق لڑکی۔''

''بس جو جیسا ہوتا ہے......''اس کا جملہ ابھی نامکمل تھا کہ وہ فوراً بولی۔

''ہاں نا بس بس تم بہت اچھی ہو، اپنی چھوڑو اپنے اس بھائی نما عافی کا کہو۔ وہ کیسا ہے؟ میرا نو نمبر کا بوائے فرینڈ بنے گا۔''

''عا......فی......کبھی نہیں۔''

''کیوں کیوں؟ کیا کمی ہے مجھ میں؟ تم خود ہی تو کہتی ہو میں ماشاء اللہ بہت خوب صورت ہوں۔''اس نے یہ جملہ ایک خاص ادا سے ادا کیا۔

''ہاں! بے شک لیکن عافی ایسا نہیں وہ خود کی بہت عزت کرتا ہے۔ یوں ہی دل پھینک لڑکوں کی طرح ہر کسی کو میسر نہیں ہے وہ۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے اچھے اچھوں کو میسر نہیں وہ۔ اس کی سیکرٹری اس قدر حسین و ذہین ہے لیکن میں نے کبھی عافی کو نگاہ بھر کے اسے دیکھتے نہیں دیکھا۔''

''ہاں ہاں ایسے ہی تم مجھے تو سچ بتاؤ، کوئی شیخی بگاڑ لگ رہی ہو، ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ تمہیں ایک تو کیا سات جنم تک دیپک چاہیے اور اس عافی کو بڑی اپنی عزت عزیز ہے۔ دیکھو عافی سے ملواؤ مجھے، وعدہ کرتی ہوں اس کا گفٹ آدھا آدھا بانٹ دیں گے۔''

''چلو مان لو اگر اس نے تمہیں کوئی مہنگا ڈریس دیا تو مجھے کیا دو گی؟ دوپٹہ یا قمیض؟''

''تمہیں؟''اس نے پل بھر کو سوچا اور پھر شرارتاً کہا۔''تمہیں نہ دوپٹہ دوں گی نہ قمیض۔''

''تو پھر؟''

''شلوار دوں گی۔ تم سیٹھ دیپک کی دکان سے اس کا میچنگ لے لینا۔''

''ہاہاہا۔ پھر تو عافی کو بھول جاؤ، سچ میں وہ بہت مختلف ہے۔''

''اچھا ٹھیک ہے بھول گئی۔ پر تم میری باتیں مت بھولنا وچن، میری بات مان لو، رنگ جاؤ گی۔'' اس نے ایک آنکھ دباتے ہوئے کہا اور اپنا نقاب درست کر کے چلی گئی۔ وچن اس کی ادا دیکھتی رہ جاتی۔ بات تو اس کی صحیح لگ رہی تھی سات جنم والی نہیں بلکہ نقل کے طریقے میں طریقہ خاص کی۔

☆......☆......☆

وہ گھر آئی تو کمل اس سے لپٹ گیا۔

''مما۔ مما! میری ڈیسنٹ ویڈیو کو ون ملین لائیک ملے ہیں۔''

''اچھا'' وہ فوراً لیپ ٹاپ آن کر کے بیٹھ گئی۔ ''ون ملین لائیک...... کمل تُو تو چھا گیا بیٹا۔''

کملا کونے میں پاپڑ بیل رہی تھی۔ اس دن کے بعد اس نے وچن سے اور وچن نے اس سے کوئی بات نہ کی تھی مگر آج اس نے سوچ لیا تھا وہ اپنی بہو سے بات کرے گی۔ آخر کب تک یہ سب کچھ چلے گا۔ وہ تو دیپک سے بھی بات نہ کر رہی تھی۔

دونوں ماں بیٹے اگلے اسکرپٹ ڈسکس کر رہے تھے کہ کملا کمر پر ہاتھ ٹکائے لڑنے والے انداز میں وچن کے سر پر آن کھڑی ہوئی۔ جیسے مکمل لڑنے کے موڈ میں ہو جیسے اکھاڑا تیار ہو اور پہلوان للکار رہا ہو۔ لیکن وچن آج بہت خوش تھی اس نے ساسو ماں کو آج زیادہ اہمیت نہ دی، بس معذرت کر کے اپنے کمرے میں چلی آئی اور اندر سے ہی آواز لگائی کہ وہ کچھ دیر آرام کر لے، آ کے سالن بناتی ہے۔

کملا اس کی بات سن کر بے دلی کی کیفیت میں اپنی جگہ کھڑی رہی، وچن آج بھی گھر کے سارے کام باقاعدگی سے کر رہی تھی سوائے کملا کے ساتھ بیٹھ کر پاپڑ بیلنے کا کام۔

وچن اپنے بیڈ پر ذرا دیر آرام کرنے کے لیے لیٹی تو اس کی نظر فری اور دوری کے دیئے ہوئے کارڈز اور گفٹس پر پڑی۔ وہ دونوں نرالے، انوکھے دوست ان کی یاد نے وچن کو آرام سے لیٹنے نہ دیا۔ وہ فوراً اٹھی اور کمرے سے باہر آئی۔ کملا فرصت سے بیٹھی تھی نا جانے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کیا سوچ رہی تھی،

وچن نے لیپ ٹاپ اٹھایا، فری اور دوری کے نمبر چیک کیے۔

دونوں کے بہترین نمبرز تھے۔

مبارک ہو دوستو، تم پاس ہو گئی۔"

وچن کو آج ان کی بہت یاد آ رہی تھی اور اسے پتا تھا وہ دونوں بھی آج اسے یعنی سکینہ کو بہت مس کر رہی ہوں گی۔

جہاں اپنے بہترین نمبروں کو لے کر خوشی سے اچھلتی کودتی ہوں گی وہاں سر جوڑ کر اداسی سے سکینہ کو یاد کر کے روتی بھی ہوں گی اور اس کے ٹاپ کرنے پر خوشی بھی مناتی ہوں گی۔ پارٹی تو ضرور ہو گی وہاں۔ ون ڈش پارٹی۔ کاش وہ ان کے ساتھ رہ سکتی۔

☆......☆......☆

کافی کا انویسٹی گیٹر تگڑا سا تھا۔ وہ اب وچن کی تمام تر انفارمیشن اسے مہیا کر رہا تھا۔ اس کے بیٹے کا یوٹیوب چینل، گھر کا حال، دیپک کی ناراضگی وغیرہ اس نے سارا کچھ عافی کو بتایا۔

کال آفس کی لین لائنڈ پر تھی۔ دوسرے فون سیٹ کا ریسیور رخسار نے کانوں پر رکھا تھا۔ وہ بے آواز ہو کر ان کی باتیں سن رہی تھی۔

کتنی خوش تھی وہ۔ اب وچن آفس نہ آتی تھی، موقع ملا تو اس نے عافی ک وچن کو بھیجے ہوئے میسج بھی پڑھے تھے۔ وہ عافی کے متعلق سب جانتی تھی۔ اس کا آگے پیچھے کوئی نہ تھا بس کبھی کبھی مس از مجاہد آتی تھی۔ عافی کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھ کر اسے دعائیں دیتی۔

وہ ان کے مرحوم دوست کی بیوہ تھی۔ اس لیے عافی ان کے لیے مہربان تھا لیکن یہ وچن۔ وچن کون تھی جس کی پل پل کی خبر رکھنے کے لیے عافی کو انویسٹی گیٹر کی ضرورت پڑ رہی تھی۔

"دن دکھی کو دکھ جے گت نہ موکھ۔"

رخسار کے دل پر بھی دکھ کی سی بمبارمنٹ ہو رہی تھی۔ عافی انویسٹی گیٹر کو مزید کچھ بتا رہا تھا کہ اسی وقت انویسٹی گیٹر کا میسج اس کے پرسنل نمبر پر آیا۔

''کوئی ہماری کال سن رہا ہے۔''

دوسرے فون پر رخسار تھی۔عافی نے فون رکھا۔اس کا دل بوجھل سا ہو گیا۔اس نے رخسار کو بلایا۔

وہ فوراً آ گئی۔عافی نے اس پر غصہ کرنا تھا لیکن وہ تو پہلے سے ملول سی نظر آ رہی تھی۔اس کے خوب صورت چہرے پر غم تھا۔

عافی اس تھکی ہوئی کو اور کیا تھکاتا۔اسے پہلے کون سا آسرا تھا اس کا جو وہ اس سے اس کی چھت کھینچ لیتا۔عافی نے اسے کچھ نہ کہا۔بلانے کا کوئی بہانہ بنالیا۔

''بندہ میں غواضی خداوند توں

دکھی کو کرنہار خور سندتوں''

وہ جس محبت کے حصار میں تھا اس محبت سے کون بچ سکتا ہے۔سانپ ستاوے دکھیا۔تو وہ کیا کرے؟ کرتو وہ کچھ نہیں سکتا تھا اس نے پوری کوشش کی تھی اسے نظر انداز کرنے کی،وہ جان بوجھ کر بھی اسے فراموش کرتا رہتا لیکن رخسار......

اگر مصور کسی دیوار پر کوئی اپنی کلا نصب کر دے تو اس کلا کو ہم اور وہ خود جدا کر سکتا ہے،لیکن اگر مصور نے اپنی کلا کسی دیوار پر ہی بنائی ہو تو نہ ہم اس کلا کو جدا کر سکتے ہیں نہ وہ مصور۔

محبت بھی تو ایسی ہی ہوتی ہے۔اس میں بھی تو کسی کی تصویر مکمل طور پر دل و دماغ پر چھا جاتی ہے۔جو اترے نہیں اترتی،تو عافی کیا کرتا؟ اسے رخسار کے ارادوں کا پتا تھا لیکن عافی اپنے حصے کی محبت کر چکا تھا۔

عافی نے اسے جوڑا نٹنے ڈپٹنے کے لیے بلایا تھا اب وہ اسے کام دے رہا تھا۔مشغول کر رہا تھا،مصروف کر رہا تھا۔یہ جتائے بنا کہ اس نے اس کی کال سنتے دیکھ لیا تھا۔

☆......☆......☆

من مانیاں،من مانیاں اور من مانیاں......من خود کی خودی میں مشغول تھا۔

اس نے بھیس بدلا،ساڑھی چھوڑ خوب صورت فینسی ڈریس اپنائے،بندھے بالوں کے جوڑے

کو آزاد کیا، کھلے بالوں کو تراشا، کبھی اسٹریٹ کیے تو کبھی موٹے موٹے رول بنا دیئے۔

یہ میک اپ بھی ایک آرٹ ہے، کوئی جادو جیسے، برشوں کا جادو۔ کریموں کا جادو۔

میک اپ، صرف کیا سے کیا بنانے کا نام نہیں بلکہ خود سے خود کی عاشقی کا نام ہے۔ کیونکہ میک اپ اور برشوں سے وابستہ لوگ خود کی خود میں لگے رہتے ہیں۔ انہیں خود سے محبت ہو جاتی ہے۔ یہ حسین بن سکتے ہیں یہ حسین بنا سکتے ہیں۔ خود کو خود اعتمادی کا چولا پہنا سکتے ہیں، کچھ دن ہوئے تھے، وچن نے خوش دل کی مشکل آسان کر دی یعنی سکینہ کے ایف ایس سی کے پیپر دینے کی ہامی بھر لی، جس سے خوش ہو کر خوش دل نے اسے اپنے گھر بلوا کر اس کا ایسا میک اپ کیا کہ وہ خود کی خود میں لگ گئی۔

اسے ہمیشہ لگتا تھا وہ بس ٹھیک ٹھاک سی عام لڑکی ہے۔ جب اسے بتایا گیا وہ دیپک کا انتخاب ہے تو اسے خود پر ہی یقین نہ آیا۔ اسے لگتا تھا دیپک نے ضرور اس کی ذہانت سے متاثر ہو کر اس کے پاس رشتہ بھجوایا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنے لائف پارٹنر کی پسند ہونے پر اترائے، دیپک نے اس کے پر ہی جیسے کاٹ دیئے تھے۔

وہ خود کو دیکھتی رہ گئی جیسے وہ اکثر خوب صورت لڑکیوں کو دیکھتی تو دیکھتی رہ جاتی۔ اور پھر یہ اس کا مشغلہ سا بنتا گیا وہ خود کو دیکھتی ہی رہتی۔ اب اس نے اپنے مشین کی رفتار سے چلتے ہاتھوں کو صرف اپنے لیے استعمال کرنا شروع کیا۔ مینی کیور، پیڈی کیور، کلنزنگ، کلر، نیل پینٹ وغیرہ گھر کے کاموں کے لیے آٹو میٹک آلات کی خرید و فروخت جاری تھی۔ ایک دو کام والیوں کو بھی گھر کا در دکھا دیا۔

شروع شروع میں کملا نے خوب اعتراض کیا، شور مچایا۔ لیکن اب اس کی سنے کون۔

ہمیں برا لگتا ہے جب کوئی ہمیں کہہ دے لیکن برا تو تب لگنا چاہیے جب گھر میں سب ہوں اور کوئی کچھ کہنے والا نہ ہو۔

کملا کو بھی برا لگتا، اس کی بات پر آنکھیں دکھانے والی اخلاقات پر بڑے بڑے بھاشن دینے والی بہو یوں بدلی تھی کہ نہ شکل پہلے جیسی لگتی تھی اور نہ عقل۔ اب تو وہ، وہ تھی خود کمانے والی اب کیا اسے ہوش کے ناخن لے لو، یہ کر لو، وہ کر لو۔

وہ بار بار خود کو کوستی، کاش وہ اس تپتے توے پر گھی نہ گراتی تو آج خود نہ تپ رہی ہوتی، اسے لگتا اس سے بڑی غلطی ہوئی لیکن اسے کیا پتا تھا وچن نے من مانیوں کا سبق کہاں پڑھا؟ کہاں سیکھا؟

اسے تو دیپک کا غم کھائے جا رہا تھا۔ وہ بھی کچھ نہ کہتا، کچھ نہ بولتا۔ وچن کی من مانی نے تو اس کی جیسے بولتی بند کر دی تھی۔ وہی ہو رہا تھا جس بات کا اسے خدشہ تھا۔ برادری کے لوگ کبھی اس کے پاس آ کر بیوی کی ملازمت کی مبارک باد دیتے تو کبھی اس کی بیوی کی ذہانت اور پڑھے لکھے ہونے کی داد پیش کرتے؟

دیپک کو لگتا لوگ اس پر ہنسنے کے لیے آتے ہیں۔ وہ خود کبھی نہیں چاہتا تھا وہ ہی اس کے لاکھ نا چاہنے کے باوجود ہو رہا تھا۔ اس کا موڈ بے حد خراب رہتا۔

آج تو کملا سے پاپڑ بھی نہ بیلے جا رہے تھے۔ یوں بھی اس کا کاروبار اب اپنے زوال کو تھا۔ اس کے ہی محلے میں جیکب آبادی فیملی آئی تھ وہ بھی پاپڑ بنانے میں ماہر تھی اور آٹا بھی اپنا پسوائی کرتی۔ اب ان کا دور تھا۔

یوں بھی ہر شے کی عمر مقرر ہوتی ہے اس کے کاروبار کی بھی بس عمر تمام ہوئی۔ وہ یہ سوچ کر دل بڑا کر دیتی اور یوں ہی بس وقت گزاری کے لیے چند پاپڑ بیلتی۔ ویسے بھی اب بیٹا، بہو، پوتا سب کماؤ ہو گئے تھے۔

پر کچھ کاموں کی عادت زندگی میں زندگی سی ہوتی ہے۔ اس نے زندگی بھر پاپڑ بیلے تھے۔

☆......☆......☆

اس نے کامیابیوں کی آڑ میں سب کچھ جیسے ترک سا کر دیا، زندگی کی چمک دین و دنیا دونوں سے دور کر دیتی ہے جس کے بعد زندگی زندگی نہیں رہتی۔ اس کے مزید پلان میں بی ایڈ اور ماسٹر کی ڈگری حاصل کرنا تھی۔ اس نے فارم جمع کروا دیئے تھے۔ جی ٹی اے گیم کھیل کھیل کر اسے ڈرائیونگ کا بھی شوق جاگا۔ اس نے میٹرک کے سکینہ کے پیپرز سے کمائے پیسوں سے ایک ڈ کار لے لی۔ اس نے طے کر دیا تھا کہ اب وہ نہ صرف سکینہ کے پیپر دے گی بلکہ اسی طرح مختلف امیدواروں کے پیپر زدے گی

اور خود کمائے گی۔اب اسے کسی اور کی جگہ پیپر دینا بداخلاقی نہ لگتا بلکہ سسٹم کا حصہ لگتا تھا۔

اس نے نہ صرف گوردوارے آنا چھوڑ دیا بلکہ آنگن میں دیا جلانا تک چھوڑ دیا،اسے وقت ہی نہ ملتا تھا۔اس ہستی کو یاد کرنے کا جو ہم سب کے وجود کا سبب ہے۔

دین بہت لازمی ہوتا ہے۔بے دینی ناسمجھی ہوتی ہے۔دین سے پرے لوگ ناسمجھ ہوتے ہیں۔دراصل نیکیوں اور بدیوں کا خلاصہ تمام مذاہب میں موجود ہے۔اچھائی،نیک نیتی، دیانتداری،ماں باپ کی فرماں برداری،وفا،سچائی،پاکیزگی،صاف ستھرائی،ایمانداری،رحم دلی،دینا، بانٹنا،بندگی،تمام تر مذہب میں ان کا ذکر اور ان پر عمل پیرا ہونے کی نصیحت ملتی ہے جبکہ گناہ،قتل وغارت، بددیانتی،نافرمانی،بدسلوکی،غیبت،عیب جوئی،دکھ دینا،بددیانتی،بے رحمی،زنا،چوری چکاری،جھوٹ، مکاری،ان تمام انسان دشمن احکامات سے دور رہنے کی صلاح تمام مذاہب میں موجود ہے۔اس کے علاوہ جیسی کرنی ویسی بھرنی،اعمال کا ردعمل بھی تمام مذاہب میں موجود ہے،مذاہب کی بڑی تفریق کی بڑی وجہ خدا کی ہستی کا ذکر ہے۔عبادت کے طریقے کار منفرد ہیں۔اگر ٹھنڈے دماغ سے سوچا جائے تو ہر ایک اپنے بنانے والے کی تلاش میں ہے،کیونکہ ہم اس ذات سے بچھڑے تو ہیں لیکن وہ ذات ہم سے جدا نہیں۔

جس طرح والدین سے جدا ہو کر بھی ان کے خدوخال اور ان کا جنٹکس ہم میں شامل ہے اسی طرح ہمیں بنانے والے کا بھی تو کچھ نہ کچھ ہمارے اندر ہوگا؟اب کیا پتا وہ کیا ہے شاید ہمارے گوشت پوست والے جسم میں موجود زندگی وہی ہے،کیونکہ وہ نہیں تو کچھ بھی نہیں نا؟اپنے بنانے والے کی یاد اور ان تک رسائی حاصل کرنے کی تمنا ایک بہترین جذبہ ہے،ایسے جذبات کی قدردانی انسان کے آنے جانے کو کامیاب بنا سکتی ہے۔

کہ آنا جانا بے کار نہ جائے۔زندگی تو آگے ہے،دنیاداری تو بس 60 سے 70 سالوں کا ایک کھیل ہے۔یا اس سے بھی کم۔

آج کل ایوریج لائف زیادہ سے زیادہ 70 سال ہے،اس کے بعد اگر کچھ ہے بھی تو بیماریاں

ہیں، تھکاوٹ، پچھتاوے ہیں۔ جب بات صرف 70 سال کی ہے تو سفر صرف 70 سال کا ہے تو یہ کیا اور وہ کیا؟ کون اچھا اور کون برا؟ ہمیں سب کچھ چھوڑ کے اس بات کو سمجھنا چاہیے کہ ہمارا اس دنیا میں آنا جانا فیل نہ ہو بس آنا جانا کامیاب ہو جائے۔

انسان کو آنے جانے کی کامیابی اس وقت ہی میسر آسکتی ہے جب وہ پرکھنا چھوڑ دے۔ ہر قسم کا پیمائشی چشمہ اتار کر رکھ دے اور خود کو اس رب کے دربار کا سوالی سمجھے۔ عافی کو اسے یہ سب سمجھانا تھا وہ ہرگز اسے وہ غلط دہرانے نہیں دے سکتا تھا جس کی سزا وہ آج تک بھگت رہا تھا۔ ہمارے جواب اپنے ہوتے ہیں وہ صرف اپنے نہیں ہوتے، وہ اس 70 سالہ زندگی کے سفر میں ہمارے ساتھی ہوتے ہیں۔ بس 70 سال یا پھر اس سے بھی اور کم سے بھی کم۔ بس اتنی، ذرا سی، مختصر سی زندگی اور اس کے عارضی ساتھی۔

جب جب ہمارے اپنوں میں ہمیں نقص نظر آنے لگے تو سمجھنا چاہیے دید کا فرق پیدا ہو گیا ہے۔

ہم اپنے مہمانوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں کہ مہمان ہیں چلے جائیں گے اور اپنی مہمان زندگی سے اس قدر بیر رکھتے ہیں کہ کچھ سمجھ نہیں پاتے۔

آج عافی کا کوئی انویسٹی گیٹر اس کا تعاقب نہ کر رہا تھا بلکہ عافی خود اس کا پیچھا کرتے کرتے اس کے سامنے آیا تھا۔

”یہ کیا بدتمیزی ہے عافی؟“

”تم سے بات کرنی ہے۔“

”مجھے نہیں کرنی تم سے بات، ہٹو آگے سے۔“

”وچن! یہ تم کیا کر رہی ہو؟“

”ارے نظر نہیں آ رہا کیا، ڈرائیونگ کر رہی ہوں؟ کیسی ہے میری کار، تمہاری گاڑی جیسی بڑی نہیں لیکن وہ بھی لے لوں گی؟“

”ہاں لے تو لوگی، لیکن کروں گی کیا؟“

''گھوموں گی پھروں گی، جہاں دل چاہے گا وہاں چلی جاؤں گی۔'' وہ بہت خوش تھی اس لیے عافی سے بات کر رہی تھی ورنہ اس کا کوئی موڈ نہ تھا عافی سے بات چیت کرنے کا۔

''وچن، تم جو کرو گی اور جو کرنا چاہتی ہو، وہ میں کر رہا ہوں۔ اتنی بڑی گاڑی ڈرائیو کر رہا ہوں، جہاں چاہے وہاں جا بھی سکتا ہوں لیکن تم کیا جانو، میں کتنا تنہا ہوں۔

''عافی! تم تنہا ہو کیونکہ سنگل، شادی کرلو، کسی اچھی سی رخساری لڑکی سے۔''

''کیا؟ رخسار؟''

''ہاں، تمہاری سیکرٹری؟''

عافی ہنسنے لگا۔ اس کی ایسی باتوں سے تو وہ متاثر تھا، اس لیے تو عافی کی اس کے لیے نیک تمنائیں تھیں اسی لیے تو اس کی ناراضگی کے باوجود وہ اسے سمجھانے آیا تھا۔

''آئی مس یو وچن، اللہ کرے تم اسی طرح مسکراتی رہو اور مجھ بھی ہنساتی رہو۔''

''عافی! تمہاری ہنسی کھوکھلی ہے۔''

''تم کافی سمجھدار ہو وچن۔''

''ہاں، وہ تو میں ہوں عافی، تمہیں پتا ہے میں نے ٹاپ کرلیا، وہ خوش دل اور اس کے ساتھی سب حیران ہو گئے۔ اگلی بار دوسرے طالبات کی جگہ پیپر دینے کے لیے میری منتیں کر رہے ہیں اور من چاہی رقم بھی دینے کے لیے تیار ہیں۔'' اپنی تعریفیں کرتے وقت وہ بھول گئی کہ وہ عافی سے خفا بھی تھی۔

''سکینہ نے ٹاپ کیا ہے وچن، تم نے نہیں۔''

''بات تو ایک ہی ہے عافی۔''

''اگر بات ایک ہی ہے تو تم نے کبھی ٹاپ کیوں نہیں کی؟''

''وہ......وہ......وہ میں بھی کرلوں گی ٹاپ۔ ابھی تو آگے بہت کچھ ہے۔''

عافی اس کی بات سن کر مسکرایا اور کہا۔

''تم کبھی ٹاپ نہیں کرو گی وچن۔ کیونکہ تم جب بھی اپنے پیپر دینے جاؤ گی تمہارے ساتھ تمہاری

ہی طرح کے لوگ ہوں لیکن اگر تم اپنے سے کم طالبات کا پیپر دینے جاؤ گی تو وہ تم سے کمزور ہوں گے، کمزوروں میں زور آور بننا کون سی بڑی بات ہے؟ تم نے بی ایس سی کی ہے، تمہارے لیے میٹرک کے پیپر بہت آسان تھے۔"

"عافی، سب نقل کرتے ہیں میں نے نقل نہیں کی۔"

"تم نے نقل کی وچن۔"

"وہ تو اسلامیات کے پیپر میں......" وچن کہتے کہتے چپ ہو گئی، عافی اب بھی دھیمی ہنسی ہنس رہا تھا۔

وہ کچھ دیر کے لیے چپ ہوئی اور پھر کہا۔ "کیا عافی، کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"تم بدل رہی ہو وچن۔" عافی نے اس کے لباس اور اس کی نئی لک کے ساتھ ساتھ اس کے دل کے بدل جانے کی بات چھیڑی تھی۔

"ہاں، کیونکہ میں تھک گئی ہوں۔ سب کی مان مان کے میں تھک گئی ہوں۔" وہ سڑک کے ایک پار اپنی گاڑیوں کے پاس کھڑے تھے۔ ہوا چل رہی تھی۔ دھوپ ٹھنڈی تھی۔

"نہیں وچن، تم غلط ہو، ساتھ ساتھ چلتے چلتے تھکنا تھکا نہیں دیتا، تنہا چلنا تھکا دیتا ہے۔ تم تنہا چل رہی ہو وچن۔"

"تم چپ رہو عافی۔ تم کچھ نہیں جانتے۔"

"میں بس اتنا جانتا ہوں، جب ہمارا اپنا کوئی ہو تو اسے ہمیں اپنا لینا چاہیے، دل سے دماغ سے ایمان ہے۔"

"تو تمہیں کیا لگتا ہے میں اپنے اپنوں کو اپنا نہیں سمجھتی؟"

"سمجھتی ہو لیکن اپنے اپنوں کو اپنا نہیں لیتی۔"

"کوئی مجھے بھی تو اپنائے جیسی میں ہوں، میں ہی کیوں خود کو بدلتی پھروں۔" اس نے کہا اور اپنی گاڑی کی طرف چل دی۔ سڑک کے بیچوں بیچ ہوا بہت تیز تھی، اس کا دوپٹہ پھٹ پھٹ کر کے ہوا میں اڑ رہا تھا۔

عافی اپنی کار سے ٹیک لگائے ابھی تک کھڑا تھا، اسے اتنی جلدی سمجھایا نہ جاسکتا تھا۔ وہ کچھ مزید سوچ رہا تھا کہ اس نے گاڑی ٹرن کی اور اس کے سامنے بریک لگا کر کہا۔

''زیادہ مت سوچو، کسی اچھی سی رخسار سے شادی کرلو۔ تم چاہو تو میں تمہارا رشتہ لے جاسکتی ہوں۔'' وہ سنجیدہ تھی۔

عافی اسے دیکھتا رہا۔ اور پھر کہا۔ ''اب رشتے لے جانے کا کام کب سے شروع کیا تم نے؟''

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے، میں بس دوستی کا فرض نبھا رہی تھی کل کو تم نے ہی کہنا تھا کہ کسی دوست کو تمہاری تنہائی کا خیال نہ آیا؟''

''بہت شکریہ۔ دوستی میں خیال رکھنے کا اور دوستی بحال رکھنے کا۔''

اس نے کندھے اچکائے اور چلی گئی۔

وہ ذرا دیر کے بعد آگے نکل گیا۔ ہمیشہ کی طرح یادوں کا بھنور اس کے ساتھ تھا۔ اور اب تو اس بابا کی باتوں کا مان بھی اس کے اعتماد میں شامل تھا۔ ''دعائیں تو تمہارے کھاتے میں جمع ہیں، تُو اپنی تلاش جاری رکھ۔''

☆......☆......☆

وہ گھر آئی تو کملا پھر جیسے اکھیڑا تیار کیے ہوئے لڑنے کے موڈ میں کھڑی تھی، آج تو لرکارا بھی نہیں اور روچن کو کوسنے لگی۔

وہ فریش ہونے کے لیے اپنے کمرے میں آئی۔ کملا بولے جا رہی تھی، سنائے جا رہی تھی۔

وہ باہر آئی، اپنے لیے کافی بنائی اور اب آنگن میں بیٹھ کر کافی پینے لگی۔ کملا کا دل ابھی تک ٹھنڈا نہ ہوا تھا۔ وہ دل کی بھڑاس نکال رہی تھی، اب اس کے طعنوں کا رخ اس کے باپو جی کی طرف تھا۔ وچن کہاں باپو جی کے متعلق کچھ سن سکتی تھی۔ وہ بھی کافی کا مگ چھوڑ کر اکھاڑے میں جیسے اتری اور کہا۔

''کیا ہوا آپ کو، کس بھٹکی روح کی آتما آپ کے اندر گھس گئی ہے؟''

''چڑیلوں کے گھر میں ہوتے ہوئے روحیں نہیں بھٹک سکتیں۔ تم ہو چڑیل اس گھر کو کھانے کے

لیے آئی ہو؟''

''گھر کو کیوں کھاؤں گی! گھر میں کیا رکھا ہے؟ کھانا ہوا آپ کو کھاؤں گی۔'' وچن بھی کسی سے کم نہ تھی۔

''کھا تو رہی ہو اور بچا کیا ہے مجھ میں؟''

''آپ کی زبان...... دراز زبان۔''

''جب تیری بہو آئے گی نا تب پوچھوں گی تم سے؟ بیٹا تمہارا بیمار ہو اور بہو گلی گلی بھٹکتی پھرے؟''

''کیا کہا۔ کیا ہوا ہے دیپک کو؟'' دیپک کا نام سن کر وہ بے چین ہوگئی۔

''کیسی پتنی ہو تم، اپنی پتی کے حال سے بے خبر۔ نہیں بتاؤں گی میں بھی۔''

وچن حیرانی سے کھڑی کملا کر دیکھتی رہی۔۔

''نہ نہ مت دیکھ مجھے اس طرح۔ مجھ پر سے اپنی بڑی بڑی آنکھیں۔ تُو اس لائق ہی نہیں تجھے کچھ بتایا جئے۔'' کملا چپ نہ ہو رہی تھی، بولے جا رہی تھی۔ وچن کو دیپک کی صحت کی فکر کھائے جا رہی تھی۔ اس نے کملا کی سنی ان سنی کی اور موبائل نکال کر دیپک کا نمبر ٹرائے کیا، لیکن شاید وہ بزی تھا۔

اس نے بے چینی میں اس کا نمبر پھر سے ڈائل کیا۔

اور اس بار دو چار رنگز کے بعد دیپک نے ہیلو کہا۔ کتنے دنوں بعد اس نے دیپک کو کال کی تھی، کتنے دنوں بعد اس نے اپنے مخصوص انداز میں ہیلو کہا تھا۔

''آپ کی طبیعت کیسی ہے اب؟''

''میں ٹھیک ہوں، میری فکر نہ کرو۔''

''بخار آیا ہے؟''

''تم فکر مت کرو وچن، میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے اتنا کہہ کر سلسلۂ کلام توڑ دیا۔

وچن کا دل اس سے بات کر کے تو جیسے بیٹھ گیا۔ وہ کس قدر اس سے خفا ہوا تھا کہ ایک ہی گھر میں وہ ایک دوسرے کی طبیعت تک سے ناواقف تھے۔

"ساتھ چلتے چلتے تھکنا، تھکا نہیں دیتا، تنہا چلنا تھکا دیتا ہے۔ تم تنہا چل رہی ہو وچن۔"

اسے عافی کی بات یاد آئی۔ وہ واقعی تنہا راستوں کی مسافر بنتی جا رہی تھی۔ تنہا سفر، تنہا راہیں، تنہا مسافت، تنہا منزل اور تنہا وہ۔

وہ تن تنہا سی اپنے کمرے میں چلی آئی۔

کملا اس کا چہرہ دیکھ کر اس کے دل کا سمجھ سکتی تھی۔ آج اس نے پھر سے چال چلی تھی فیملی پولٹکس کی تھی، لیکن آج اس کی چال بیٹے اور بہو کی دوریوں کو کم کرنے کے لیے تھی۔

☆......☆......☆

گھر کے آنگن میں دیئے کی روشنی ٹم ٹم کر رہی تھی۔ وہ آنگن میں بچھی چارپائی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اوپر کھلا تاروں سے جگ مگ کرتا آسمان تھا، اڑتے پھرتے جگنو بھی اپنی اپنی اڑان میں مصروف تھے۔ موسم میں خنکی کی سانسیں گھر رہی تھیں۔ اس کا دل نا جانے کیوں عجیب عجیب سا ہو رہا تھا۔

کبھی کبھی اپنے اپنوں کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی ان کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ اور تو اور کبھی کبھی آنکھوں کے سامنے ہوتے ہوئے بھی کچھ اپنے یادوں میں حاضر ہوتے ہیں۔ دیپک اس وقت گھر میں موجود تھا ہمیشہ اس وقت وہ ماں کے پاس ہوتا آج اس کی ماں اس کے پاس تھی۔ وہ کل صبح نہا دھو کے فوراً دکان پر چلا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے اسے ٹھنڈ لگ گئی تھی۔ وہ اب بھی سردی سردی کر رہا تھا۔ کملا اس کے سر میں گرم سرسوں کے تیل کی مالش کر رہی تھی۔

بڑی مدت کے بعد وہ آج اپنی ماں سے کوئی خدمت کروا رہا تھا۔

دیپک نے شادی کے چند دن بعد ہی اسے بتایا تھا کہ وہ ایک غیر صحت مند بچہ تھا، جس کا اس کی ماں کے سوا کوئی نہ تھا۔ اس کی ماں نے بہت اس کی تیمارداری کی، اسے پالا بھی اور نیکی کے پاٹھ بھی پڑھائے۔ اس کی ماں نے بنا باپ کے سا کی پرورش کی، اس کی خدمت کی اور اب وچا ہتا ہے وہ اس کی خدمت کرے۔

پر وہ ہمیشہ اس کے ساتھ نہیں رہ سکتا تھا لیکن وہ چاہتا تھا کہ وچن اس کے ساتھ رہے، اس کی جگہ

اس کی بیوی اس کی ماں کی خدمت کرے، ہمیشہ اس کی ماں کا خیال رکھے۔

اور بس اتنا......

اس نے وچن سے اس کے سوا اور کچھ نہ مانگا تھا، وچن تو کیا کبھی وچن کے میکے والوں نے بھی نے کچھ نہ مانگا تھا، وہ جب کبھی وچن کے گھر جاتا اس کی ماں تھال سجا سجا کر دیپک کے لیے کھانے کا اہتمام کرتی مگر وہ اپنے لیے ایک کٹوری اور ایک پلیٹ کچن سے لے آتا اور کہتا، ''جب ایک روٹی ایک سالن سے پیٹ کی آگ بجھائی جاسکتی ہے تو اتنے ذائقے کیوں؟''

''آپ ہمارے داماد ہیں دیپک بابو۔'' ماں اپنے چہرے کی جریوں میں پریشانی سمو کے کہتی، تو وہ ہنس کر جواب دیتا۔

''آپ بھول کیوں نہیں جاتیں میں آپ کا داماد ہوں۔ اگر آپ بھول نہیں پا رہی تو مجھے ہی بتا دو میں ایسا کیا کروں کہ آپ کو نیلش اور بھیا جیسا لگوں۔''

اس کی بات سن کر ماں ٹمٹماتی آنسو سے بھری آنکھوں سے دیپک کے سر پر ہاتھ پھیرتی اور کہتی، آپ ہمارے بیٹے ہی ہو دیپک بابو، ہماری وچن نے ضرور کوئی بھلا کام کیا ہوگا کہ آپ جیسا پتی پایا۔''

ماں کے کہے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے تو وہ اٹھ کر دیپک کے پاس چلی آئی۔

وہ سو چکا تھا۔ اس نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ اب بخار ٹھیک لگ رہا تھا۔

دیپک سو گیا تھا۔ دل میں عجیب سا خالی پن تھا۔ اپنے آپ کو ثابت کرنا اپنا آپ منوانا کس قدر مشکل تھا؟ سارا محلّہ اس کے گن گاتا تھا، اسکول میں بھی اس کی سمجھداری اور اس کی ذہانت کا چرچہ تھا۔ اسے بولتے منہ بھی بند کرنے آتے تھے۔ کوئی اسے کچھ کہتا تو وہ ایسا جواب دیتی کہ سامنے والا لاجواب ہو جاتا۔ وہ ہر فن مولانہ تھی تو بنتی جاتی تھی لیکن نا جانے روٹھوں کو منایا کیسے جاتا تھا؟ نا جانے اپنی انا سے سمجھوتہ کیسے ہوتا تھا۔ نا جانے اس دل کے خالی پن سے نجات کیسے حاصل کی جاسکتی تھی؟ دیپک اپنی ماں کے کمرے میں آرام سے سو رہا تھا اور وہ بے چین بے چین سی تھی۔

کملا بھی اب باہر کڑھ رہی تھی۔ اسے بہو پر غصہ آرہا تھا۔ کیا ہوتا پتی کا حال پوچھ لیتی تو؟ مگر

مہارانی منہ میں مونگ بھرے بیٹھی ہے۔ وہ شدید غصے میں تھی۔

وچن نے ساس کے طعنوں سے بچنے کے لیے ہیڈ فون لگا لیے۔ ماں کی چڑ چڑ دیپک کے کانوں میں بھی پڑ رہی تھی، بس ماں کی عظمت تھی کہ وہ جو دل میں آتا کہہ جاتی، پر دیپک سے کچھ کہا نہ جاتا۔ اسے لب سلنے کی عادت تھی۔

☆......☆......☆

کروٹ بدل بدل کر رات تمام ہوئی، اب صبح کا دھندلا سویرا اس کے کمرے میں جھانکتا تھا۔ اس نے صبح صبح عافی کو میسج کیے؟

''کیوں جا رہی ہو اس وقت؟''

''تم بھی تو جاگ رہے ہو عافی؟'' سوال پر سوال۔

''میری بات الگ ہے۔ سونے کے وقت سونا بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اس نعمت کی قدر کرو وچن۔ مت لوٹو اپنا چین وسکون۔''

''تم سے ہی تو سیکھی ہیں میں نے من مانیاں؟''

''مجھ سے؟'' عافی کو حیرت ہوئی۔

''ہاں تم سے۔'' وہ ٹائپنگ میں بھی پھرتی دکھاتی۔

''میں گناہوں کے بوجھ میں ڈوبا ہوں۔ ایک گناہ گار ہوں۔ مجھے مزید گناہ گار مت بناؤ۔''

''عافی! آج پہلے سے دل کو نا جانے کیسی کیسی کیفیات نے آن گھیرا ہے اب تم تو ایسی باتیں نہ کرو۔''

''کیوں کیا ہوا؟ تمہیں تو لگتا تھا جو تم کر رہی ہو وہی درست ہے۔''

''وہ تو مجھے اب بھی لگتا ہے جو میں کر رہی ہوں وہ بالکل ٹھیک ہے۔ میں ایسی ہی ہوں عافی، میں نے بہت محنت کی ہے۔ ایک غریب گھر سے ہونے کے باوجود میں نے گاؤں میں کس طرح تعلیم حاصل کی، یہ میں ہی جانتی ہوں۔ دیپک مجھے بے علموں کی طرح رکھنا چاہتا ہے۔ میرا یہ احتجاج میری سیلف رسپکٹ کا ہے۔''

عافی اس کا میسج پڑھ کے ہنسنے لگا۔ وہ سمجھ چکا تھا وچن کی سوچ اس کی سمجھ ابھی ناپختہ ہے۔ خواب اپنے اپنی جگہ لیکن تعلیم حاصل کرنے کا مقصد کمانا کیوں؟ اگر ہم کما سکتے ہیں تو تعلیم حاصل کرنا کامیاب رہا اور اگر تعلیم حاصل کر کے کچھ نہیں کما سکتے تو ہمارا تعلیم حاصل کرنا بے کار تھا۔ دراصل یہ کنسپٹ ہی ہمارے معاشرے کا دیمک ہے۔ کہ پڑھ لکھ کر کچھ بن جاؤ۔ پڑھ لکھ کر ہم پڑھے لکھے بن رہے ہیں، پڑھنا لکھنا اپنے آپ میں کچھ بننا ہوتا ہے۔ ایک پڑھا لکھا شخص ہر ایک کام میں اپنے شعور کے در کھلے رکھتا ہے۔

''تعلیم کا مطلب اچھی نوکری پانا نہیں، اچھی زندگی گزارنا ہے۔''

اس وقت وچن کو یہ سمجھ نہ آ رہا تھا اسے بس روشن مستقبل نظر آ رہا تھا۔

''عافی! دیپک جبراً اپنی مرضی مجھ پر مسلط کر رہا ہے۔ مجھے گھر میں قید کر کے۔''

''تم قیدی ہو وچن۔ اگر قید نہ ہوتی تو اس وقت مجھے میسج تک نہ کرتی۔ تم آزاد ہو جاہس چاہے واں آ جا سکتی ہ۔ کوئی تم سے پوچھنے والا نہیں، کسی کو پتا نہیں تم خوش دل جیسی لڑکی سے ملتی ہو، اور کیا کیا پلیننگ ہیں تمہاری۔ تم قیدی نہیں ہو وچن۔''

''ہاں یہ تو تھا لیکن پھر نا جانے کیا مسئلہ تھا، جو بھی تھا کچھ غلط تھا۔'' اس کی سمجھ یہی کہتی۔

''اچھا چھوڑو۔ یہ بتاؤ کس سے گوردوارے آ رہی ہو؟''

''یاد نہیں۔ بہت چھوٹی تھی میں باپو کے ساتھ آتی تھی۔''

''اب کیوں جانا چھوڑ دیا؟''

''ٹائم نہیں ملتا۔ کام بہت ہیں۔''

''کام تو چلتے رہتے ہیں یہ ختم نہیں ہوا کرتے انسان ختم ہوا کرتے ہیں، گردوارے جاؤ، وچن اپنے خدا کو یاد کرو کہیں جانے کا وقت نہ آ جائے۔'' اسے عافی کی بات اچھی لگی، وہ بھی یہی سوچ رہی تھی۔

''تمہاری بے چینی کا سبب یہی ہے۔ تم نے خود کو بنانے والی ذات کو بھلا دیا ہے۔''

''تھینک یو عافی۔ تم سب سے مختلف ہو عافی اور سب سے اچھی بھی ہو۔''

''جس طرح کسی کی برائی نہیں کیا کرتے وچن اس طرح کسی کی اچھائی بھی مت کرو، ہم کسی کو

مکمل طور پر کہاں جانتے ہیں؟''

عافی اوراس کی مشکل باتیں؟

''میں گردوارے جارہی ہوں۔آج اسکو سے رخصت لے لیتی ہوں۔''اس نے طے کرلیا۔

☆......☆......☆

عافی سچ کہتا تھااس کے دل کی بے چینی کا سبب پنچہ صاحب سے غیر حاضری تھی۔اس نے جوں ہی یہاں ماتھا ٹیکا، دل کے میل جیسے چھوٹ گئے۔

آج اس نے نہ سیوا کی اور نہ ہی لنگر خانے کی طرف گئی۔بس ایک کونے میں بیٹھ گئی۔اس کے من کی شانتی آج لازوال تھی، آج تو اس کے کچھ مانگنے کے لیے بھی ہاتھ نہ اٹھ رہے تھے۔اس کے پاس خدا کا دیا سب کچھ تو تھا، گھر، پیسہ، بیٹا، اور وہ سواگن تھی۔پھر بھی نا جانے کیسے جنجال پال بیٹھی تھی؟ خوش دل کی مان رہی تھی، جاب کر رہی تھی جبکہ دیپک نے اس سے کہا تھا اس کا سب کچھ اس کا ہے۔ آگے کی ڈگریاں، اتنے منصوبے، دلی بے چینیاں؟

جب انسان کے پاس سب کچھ ہو تو اسے کچھ اور پانے کی بجائے اپنی خوش قسمتی کو تسلیم کرنا چاہیے اوخدا سے بس اتنا عرض کرنا چاہیے کہ ان کی ایسی رحمت ہو کہ ہم زمانے بھر کے جنجال چھوڑ کر اس کے ہو جائیں...... کہ دنیا اور دنیاداری محض ستر سالوں کا قصہ ہے۔ستر سالوں کے بعد زیادہ تر لوگ ہوتے نہیں اور اگر ہوتے ہیں بھی تو روگی ہوتے ہیں۔یہ روگ، وہ روگ۔

وہ کافی دیر یہاں بیٹھی رہی پھر بابا قندار ی جی کے چلہ گاہ کی زیارت کرنے چلی آئی، اور اس کے بعد وہ پہاڑی کا راستہ عبور کرنے لگی۔آج نا جانے کیوں اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ خود نہ آئی ہو بلائی گئی ہو۔یہ وہی راستہ تھا جو اسے لفظ بہ لفظ یاد تھا لیکن نا جانے کیوں آج اسے سب کچھ مختلف لگ رہا تھا۔

سردی اور اور سرد ہوائیں من مانیاں کر رہی تھیں۔شاید وچن کی من مانیوں کا آج آخری دن تھا۔ سردی کی وجہ سے اس کی رفتار سست تھی۔وہ بہت سست روی سے پہاڑی کے زینے چڑھ رہی تھی۔اس نے شنیل کی ہری شال پہنی تھی اور لباس بھی شنیل کا تھا مگر پھر بھی سردی شدید تھی۔اسے سویٹر یا کوٹ

بھی پہننا چاہیے تھا۔

پہاڑی پر سردی کی ہی موجودگی تھی آس پاس کوئی خاص چہل پہل نظر نہ آ رہی تھی۔ آج یہاں دل کو چھونے والی محسوس کن خاموشی کا پہرہ تھا۔ وچن اس خاموشی کو دل میں اتارتے پہاڑی عبور کر آئی۔ اس نے حاضری دی، کبوتروں کو دانا ڈالا اور دربار کی سیڑھیوں پر آ بیٹھی۔ صبح کی دھوپ واضح طور پر پوری پہاڑی کو روشن کیے ہوئے تھی لکن سرد ہوا کی وجہ سے آج کی دھوپ گرمی کے اثرات سے عاری تھی۔ وہ اندر چلی آئی۔ ہمیشہ کی طرح بابا ولی جی کی وکھٹ پر مسلم، ہندو اور سکھ سب ساتھ بیٹھے تھے اور یہاں کے قہوے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ قہوے کے ساتھ ''میری بسکٹ'' بھی موجود تھے۔ جن کو پلیٹ میں قہوے کی مدد سے ڈوبا کر ایک دکھیاری ماں اپنے بیٹے کے حلق سے اتارنے کی بے سودی کوشش کر رہی تھی۔

وچن اس ماں کے پاس آئی۔ وہ اکثر یہاں مصیبت زدوں کو دیکھا کرتی تھی لیکن آج تک کسی کی مصیبت طلب نہ کی تھی۔ پر آج کر بیٹھی۔ وہ اس دکھین کے پاس آ بیٹھی اور پوچھ بیٹھی۔

''آنٹی! کیا ہوا ہے آپ کے بیٹے کو؟''

بیٹے کے موہ میں زخمی عورت نے وچن بے سوال پر اسے دیکھا۔ وہ سردی کی وجہ سے پہلے سے ہی سرخ سرخ ہو رہی تھی اور اب اس کی مشکل پوچھنے اور اس کے اس تعجب سے خود کو غور نے پر اور زیادہ سرخ ہو گئی۔

وہ عورت اب بسکٹ کی پلیٹ فرش پر رکھ کر موٹے موٹے آنسو ٹپکانے لگی۔ کیا ضرورت تھی اسے کیوں وہ اس کو رولا بیٹھی؟ وچن اپنے سوال پوچھنے پر پچھتا رہی تھی لیکن یہ تو شروعات تھی پچھتاوے کی ناگن نے تو اسے اب ڈسنا تھا۔

میری بکسٹ اپنے زرے زرے میں قہوے کو سمو کر پھیل چکے تھے۔ لڑکے کی ماں نے وچن کو اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا اور کہا۔

''اسے دیکھو، تمہیں کیسا لگ رہا ہے؟''

ماں کے کہنے پر وچن نے لڑکے کو غور سے دیکھا۔
وہ ایک صحت مند، خوش شکل نوعمر لڑکا تھا۔ اس کی آنکھوں کا رنگ بھورا تھا۔ جبکہ اس کی ماں کی آنکھیں کالی تھیں۔ وہ بہ ظاہر تندرست لگ رہا تھا لیکن اگر اسے توجہ سے دیکھا جائے تو صاف لگتا تھا کہ اس کا انداز ابنارمل سا تھا۔ وچن کی آنکھوں کی تپش محسوس کر کے وہ ناخن چلانے لگا۔ اس کی ماں اسے اس عمل سے روک رہی تھی۔ اس کی باقی انگلیوں پر بھی بینڈ ایج لگا تھا۔
''ایسا نہیں کرتے شان، تم تو جینیس ہو۔ ایسا نہیں کرتے بیٹا۔''
اس کی ماں نے اسے پانی پلایا۔ ماں کا جملہ سن کر وہ ذرا بس میں آیا اور بے بس ہو کر بیٹھ گیا۔
اس کی ماں نے تاسفاً سانس لی اور وچن سے کہا۔
''تم تعلیم یافتہ لگتی ہو، اس سے کوئی سوال پوچھو۔ اس نے ابھی ابھی میٹرک پاس کی ہے۔''
اس کی ماں کے موبائل میں اس کی ڈیٹیل مارک شیٹ تھی۔ جسے دیکھ کر وچن دنگ رہ گئی۔ اس کے تو اتنے مارکس تھے جتنے اس کے اپنے بھی میٹرک میں نہ تھے۔ وچن کا گلا خشک ہونے لگا۔ اس نے ٹھنڈا قہوہ پیا اور پھر سے اس لڑکے کی جانب دیکھا۔ کیا وہ واقعی ابنارمل تھا؟ ہاں وہ ایسا ہی تھا۔ اس کا انداز نارمل نہ تھا۔ وہ کسی کی آنکھوں میں یا چہرے کی جانب نہ دیکھ سکتا تھا۔ وچن حیران تھی۔
''تم سوال پوچھو اس سے کوئی؟''
وچن کو اور کچھ یاد نہ آیا بس فزکس کی رو سے وسکوسٹی پوچھ لی۔
لڑکے نے ترنت جواب دیا اور پھر سے ناخن کترنے لگا۔ وچن نے ایک اور سوال پوچھا، پھر دوسرا، تیسرا۔ اس نے صحیح صحیح جواب دیئے اور پھر سے ناخن کترنے لگا۔
اس کی ماں کے چہرے پر عجیب سی معنی خیز ہنسی کسی گہرے دکھ کے ساتھ تھی۔ وچن اس کی جانب اپنی بڑی بڑی آنکھوں میں سوال لیے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اس نے وچن کا سوال سمجھ کر کہا۔
''یہ سولہ سال کا ہے۔ سولہ سال بہت بڑا عرصہ ہوتا ہے اپنے بچوں کو بڑا کرنے کے لیے۔ ان کی تعلیم، ان کی صحت، ان کے اخراجات اٹھانے کے لیے ماں باپ کیا نہیں کرتے؟ ان سولہ سالوں

میں، میں نے اپنی اکلوتی اولاد کے لیے جو جو ہوسکتا تھا، وہ سب کیا۔ وہ بھی کر گزرے جو ہم غریبوں کی دسترس سے باہر تھا۔ ہم نے خواب دیکھ لیے جو ہمیں نہیں دیکھنے چاہئیے تھے۔ ہم نے خواب دکھا لیے جو ہمیں نہیں دکھانے چاہیے تھے۔"

وچن اس دوران کبھی ماں کی جانب دیکھتی تو کبھی بیٹے کی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا اور کاش کہ وہ آج اس کی سمجھ میں یہ نہ آتا۔ وان کوان کے حال پر چھوڑ کے چلی جاتی لیکن وہ نا جانے کیوں ان کے پاس سے اٹھ نہ پا رہی تھی جبکہ اسے شدید سردی بھی لگ رہی تھی۔ باقی عورتیں آگ جلا کر ایک کونے میں بیٹھی تھیں اور وچن اس طرف اس ماں بیٹے کے پاس بیٹھ کر ہمدردی جتا رہی تھی۔

"یہ بہت جینئس بچہ ہے میرا۔" عورت کچھ دیر کی خاموشی کے بعد بیٹے کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہنے لگی۔

"بچپن سے اس نے شاندار کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ میں جب بھی اس کے اساتذہ سے ملتی میرا سر فخر سے بلند ہو جاتا۔ اس کے لیے ہمیشہ ستائشی جملے سنتی آئی ہوں میں۔ کوئی کہتا یہ بہت آگے جائے گا۔ کوئی کہتا اس کا مستقبل روشن ہے۔ کوئی کہتا کامیابیاں اس کے قدم چومیں گی لیکن اب دیکھو اس کو۔ لوگ کہتے ہیں میں ایک خوش نصیب ماں ہوں جس کا بیٹا اتنا ذہین ہے۔ لیکن مجھے دیکھو میں کس حال میں ہوں، بھٹک رہی ہوں دربدر۔ کبھی کسی ڈاکٹر کے پاس، کبھی سوالی بن کر درباروں میں۔ میں بھٹک رہی ہوں، سچ میں، میں بھٹک رہی ہوں۔"

اس کے لب و لہجے میں دنیا بھر کا کرب سا آبسا تھا۔ وچن کی بھی آنکھ بھر آئی۔ وہ ماں سسکیاں لے کر رونے لگی اور روتے روتے بیٹے کے ہاتھ پکڑ لیے تاکہ وہ ناخن نہ چبائے۔

"مت کرو ایسا میری جان، مت کرو۔" اس نے روتے روتے التجا کی تھی۔ "کیا کر دیا ہے تو نے اپنا حال۔ گھنٹوں ایک جگہ پر بیٹھا رہتا ہے۔ دھوپ کا، سردی کا، گرمی کا احساس تک نہیں ہوتا، کبھی دو دو دن بھوکا رہتا ہے، کبھی کھانے پر آتا ہے تو کچھ نہیں چھوڑتا۔ اس نے اپنا بستہ، اپنی کتابیں، اپنا یونیفارم کتر دیا ہے۔ کچھ نہیں چھوڑا۔"

''ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟'' وچن نے سمجھدارانہ سوال کیا۔

''ڈاکٹر کہتے ہیں اسے صدمہ لگا ہے۔اس نے نہم کا امتحان حیرت انگیز نمبروں میں پاس کیا تھا۔ اسکول کا پرنسپل اسے خود پڑھاتا اور کہتا، اسکول کا نام روشن کرنا ہے۔ یہ دن پھر اس ایک مقصد کے پیچھے گوا دیتا۔ نہ کھانے پینے کا ہوش، نہ دوستیاں، نہ ٹی وی، نہ موبائل بس یہ اور اس کی کتابیں۔ پرچے بھی بہت اچھے ہوئے تھے۔سب اسے رزلٹ سے پہلے ہی ٹاپر کہتے۔''

وچن کے ماتھے پر بے شمار بل پڑتے جا رہے تھے اور وہ عورت اس کے چہرے کے سکڑتے پھیلتے عضلات دیکھے بنا بولے جا رہی تھی۔

''اس کا رزلٹ اب بھی بہت اچھا ہے۔ یہ ٹاپ نہ کر سکا، اس کا دوسرا نمبر ہے۔ راولپنڈی کی ایک لڑکی نے ٹاپ کیا۔ خدا کو یہی منظور تھا۔ پر اس لڑکی نے نہ صرف ٹاپ کیا ہے بلکہ اس سے پورے بائیس نمبر زیادہ لیے ہیں۔ سچ کہو تو ان نمبروں کے فرق نے اس کی زندگی بدل دی۔ اول از یہ دن بھر سوچتا رہتا تھا کہ اتنے نمبروں کا فرق کیسے پڑ گیا۔ دن رات یہ یہ کیے ہوئے پیپر حل کرتا رہتا۔ بہتر سے بہتر، بس دن رات لکھتا رہتا۔ اس نے دل پہ لے لیا، بہت زیادہ سوچا۔ یہ ایسا نہ تھا یہ جینئس تھا۔ میرا شان جینئس تھا لیکن اللہ کو کچھ اور منظور تھا۔ اللہ کے کاموں میں بہتری ہوتی ہے۔ لوگ کہتے تو ہیں، لیکن کیا بہتری ایسی کیسی بہ..... تر...... ی۔'' اس کے آنسو بے پروا ہو کر رواں تھے۔ وچن کے آنسو اس کی آنکھ میں ہی جم گئے تھے۔ وہ عورت اب بھی کچھ بول رہی تھی لیکن وچن سن نہ پائی۔ اس میں اس سے زیادہ کی سننے کی سکت نہ تھی۔ سماعتوں کی بھی تو حد ہوتی ہے اور بصارت کی بھی حد ہوتی ہے۔ وہ اب ان کو دیکھ بھی نہ سکتی تھی بلکہ اب اس کا یہاں ٹھہرنا بھی ممکن نہ تھا۔ وہ عورت اب بھی بول رہی تھی۔

''میرے شان کو جو جینئس کہتے تھے اب نفسیاتی کہتے ہیں۔''

وہ جانے لگی، وہ جانا چاہتی تھی لیکن اس کے پیر جیسے شل ہو رہے تھے۔

''ارے بیٹی!'' وہ عورت اس کی جانب آئی۔ اسے گرنے سے روکا۔ ایک پل کو وچن کو اس ماں بیٹے سے کراہت سی محسوس ہوئی۔ وہ ان کو دیکھنا تک نہیں چاہتی تھی۔ اپنے کیے گئے گناہ کو کوئی نہیں دیکھ

سکتا۔ وہ بھی نہیں دیکھ پا رہی تھی یا پھر شدید بے یقینی کا شکار ہو چکی تھی۔ ایسا کیسے ہو سکتا تھا۔ عورت بیٹے کو چھوڑ کر اس کے لیے پانی لائی۔

وچن نے پانی پیا۔ اس ماں کے چہرے پر اب اس حساس لڑکی کے لیے فکر تھی۔

''تم کیوں پریشان ہوتی ہو بیٹی؟''

اب وہ کیا کہتی، وہ شان کے لیے نہیں، اس ماں کے لیے نہیں بلکہ اپنے لیے پریشان تھی۔ اس نے کچھ نہیں کہا بس چپ رہی۔ عورت نا جانے کیا سے کیا کہے جا رہی تھی۔ اس کی سدھ بدھ سو رہی تھی۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ارے مت جاؤ۔ تم ٹھیک نہیں ہو۔''

''میری فکر نہ کریں۔ آپ اس کا خیال کریں۔'' وچن نے جلدی میں کہا تھا اور جانے لگی تھی۔ اب ایک دو زینے نیچے اتری ہی تھی کہ واپس مڑ آئی۔ اس نے اس آنٹی کا فون نمبر لیا تھا۔ یوں ہی نجانے کیوں۔ جب کہ ان کا دوبارہ سامنا کرنے کی اس میں رتی بھر بھی ہمت نہ تھی۔ وچن رخ بدل چکی تھی۔

''کوئی بہت ہی بھلی لڑکی ہے۔'' کسی نے اس کے پیٹھ پیچھے کہا تھا لیکن وہ مڑی نہیں چلتی رہی۔ اسے شروع میں کبھی لگتا وہ غلط کر رہی ہے لیکن پھر کسی کی زندگی کا سوچتی تو دل کو سمجھا دیتی۔ پھر جب خوش دل کی حقیقت اس کے سامنے آئی تو اسے لگا اس نے جرم کیا ہے لیکن پھر اس نے اپنے جرم کو سسٹم کا حصہ سمجھ کر دل بہلا لیا۔ سارے پیسے خرچ کر لیے۔ خوش دل کے کہنے پر وہ دوسرے ان کے کلائنٹ سے بھی مل کر ایڈوانس لے چکی تھی۔ لیکن اب کیا کرتی؟ اب اس کا گناہ اس کے سامنے آیا تھا۔ اس نے جرم نہیں گناہ کیا تھا۔

جرموں کی سزا تو اس دنیا کے قانون نے بھی بتائی تھی لیکن گناہ کا کھاتہ تو اگلی دنیا میں کھلتا تھا۔ یہ کیسا پاپ ہو گیا اس سے؟ اس نے کسی کی زندگی تباہ کر دی اور مزید زندگیاں تباہ کرنے کا ایڈوانس لے چکی تھی۔

وہ بنا مڑے پہاڑی کے زینے اترنے لگی۔ اب بھی ہوا سرد تھی لیکن اسے کچھ نہ محسوس ہو رہا تھا۔ نہ سردی نہ تنہائی نہ کچھ۔ اسے بس اپنا گناہ نظر آ رہا تھا۔ عورت کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

''یہ جینئس ہے...... یہ جینئس ہے۔''

وہ سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ اترتی جا رہی تھی۔ اس کی رفتار تیز تھی۔ اس نے اخلاقیات پڑھی تھی۔ اخلاقیات پر تقریریں کی تھیں، اب کیا کہتا تھا اس کا اخلاق؟ کون سی سزا تھی اس کے لیے؟ اس کا دماغ جیسے ماؤف سا ہو رہا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ سیڑھیاں اتر آئی اور گردوارے صاحب واپس آئی۔ اس نے سجدے میں سر جھکا دیا۔ اب جا کے اسے احساس ہوا آج وہ یہاں آئی نہ تھی وہ تو چندر رات کو آیا کرتی تھی آج وہ بلائی گئی تھی۔ اس کی بے چینی، اس کی شب بیداری بے سبب نہ تھی، کوئی سبب تھا۔

قدرت سے زور آور کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ سجدے میں سسک رہی تھی، معافی مانگ رہی تھی۔

اسے دیکھ کر گرو کا ایک سکھ اس کے پاس آیا اور پوچھا۔

''کیوں رو رہی ہو بیٹی؟''

''اپنے گناہ رلا رہے ہیں سردار جی۔'' اس کی بڑی بڑی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

''یہاں آئی ہے تو رو نہیں بقشو۔ اپنے پاپ نو۔''

''میں نے جانے انجانے کسی کی حیاتی اجاڑ دی ہے۔ میں کیسے بقشی جاؤں گی؟ بہت بڑا پاپ ہو گیا مجھ سے۔ یہ میں نے کیا کر دیا۔ اب کیا ہو گا اس نوجوان بچے گا، اس کی ماں کا؟'' وہ خود بھی ایک ماں تھی وہ اس ماں کا دکھ سمجھ سکتی تھی۔ سولہ سال کا ہے۔

اس کا ایک ایک جملہ کانوں میں گونج رہا تھا۔

''رونے سے کچھ نہیں ہو گا۔ اپنی غلطی درست کرو۔ اگر کر سکو تو۔ وائے گرو بھلی کریں گے۔''

سکھ صاحب چلے گئے۔ وہ ٹھیک کہہ گئے تھے۔ اسے اس کی غلطی درست کرنی تھی۔ وہ کافی دیر بیٹھ کر سوچتی رہی اور پھر گردوارے سے باہر آئی اور راولپنڈی جانے کی بجائے سیدھا عافی کے پاس اسلام آباد آئی۔ اس نے آتے ہی عافی کو شان اور اس کی ماں کے متعلق بتایا۔

وہ اس وقت شدید خود ترسی میں مبتلا تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔ اس نے اتنے سارے

پیسے خرچ کر لیے۔اب اس کے پاس کچھ نہ تھا۔عافی نے اسے تسلی دی،مشورہ بھی دیا کہ گاڑی بیچ دو۔
اسے عافی کا مشورہ سود مند لگا۔گاڑی بیچنے سے آدھا مسئلہ تو حل ہو سکتا تھا اور باقی جو پیسے بچے وہ اپنے زیور بیچ دے گی۔وہ بعد میں زیور بنا سکتی تھی۔
اب تھوڑی مطمئن لگ رہی تھی لیکن شان اور اس کی ماں؟اور خوش دل؟
''وہ آسانی سے کہاں مانے گی۔اس کے آٹھ بوائے فرینڈ ہیں عافی۔بہت بڑے لوگوں میں اٹھنا بیٹھنا ہے۔اب یہ گناہ میرے گلے پڑنے والا ہے عافی۔مجھے تو لگتا ہے اب یہ گناہ میرے ساتھ چمٹا رہے گا۔میں اس سے کبھی آزاد نہیں ہو پاؤں گی۔اب تو یہ گناہ شمشان تک میرا پیچھا کرے گا۔اف،اف۔یہ میں نے کیا کر دیا۔''اب نے غم زدہ ہو کر اپنے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔
''عافی!تم دیکھتے تو اس ماں کو۔''وہ اب اپنا ہاتھ پچھتاوے کے عالم میں اپنے سر پر پھیر رہی تھی۔وہ کرسی پر اکڑوں بیٹھی پچھتا رہی تھی۔
''وچن،وچن!تم سنبھالو اپنے آپ کو۔کچھ کام خدا خود کرتا ہے۔اب جیسے تم دربار بے ارادہ چلی گئی۔ہم سب گناہگار ہیں اور وہ معافی دینے والا،رحم کرنے والا۔پروردگار سب کا بانی ہے۔اس کا کوئی ثانی نہیں۔اور تم نے جو بھی کیا انجانے میں کیا،اگر تمہیں شان کے متعلق پہلے سے علم ہوتا تو تم کبھی پیپر نہ دیتی۔''
''ہاں!اگر دیتی تھی تو ایسے کہ وہ سکینہ فیل ہو جائے۔''اس کا دل جل رہا تھا۔وہ کچھ دیر سوچتی رہی۔
عافی نے اسے تسلی دی اور کہا۔
''خوش دل سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔اور جس عورت کا کردار کھلا ہو اس سے تو ڈرنے کی بالکل ضرورت نہیں۔ایسی عورتوں کا دین ایمان پیسہ ہوتا ہے۔تم بے فکر ہو جاؤ وچن۔اور شکر مناؤ کہ بہت جلد تمہیں قدرت نے تمہاری غلطی کا احساس دلایا۔تمہیں اپنی غلطی کا ادراک وقت رہتے ہو گیا۔اب بھی زیادہ کچھ نہیں بگڑا۔میں شان کا پتا کرواتا ہوں،اس کا بھی علاج ممکن ہے۔شکر کرو وچن،اس بات میں کہ تم بلوائی گئی۔تمہاری کوئی نیکی ہو گی وچن کہ بہت جلد تمہیں پتا چلا گیا کہ غلطی کیا ہے اور اس کا

حل کیا ہے۔ ورنہ گناہ گار تو ہم سب ہوتے ہیں، سزا بھی سب کو ملتی ہے۔ کچھ لوگ سزا پانے کے بعد پانی غلطی مانتے ہیں اور کچھ لوگ گناہ کر کے توبہ کر لیتے ہیں۔ کسی کسی کی تو توبہ بھی قبول نہیں ہوتی۔'' عافی کے دل کا درد ان جملوں میں صاف واضح تھا۔

''عافی! دل کا بوجھ ہلکا کر لو۔ میں کچھ اور نہیں تو دعا تو کر سکتی ہوں تمہارے لیے۔'' اسے عافی کی تسلیوں سے فرق پڑا تھا۔

''تم بہت کچھ کر سکتی ہو وچن، لیکن میرے مرنے کے بعد میری قبر پر آ جانا۔ میرا کوئی اپنا نہیں ہے۔''

''عافی! ایسی باتیں مت کرو پلیز۔'' اس کی آنکھیں بہت زیادہ رونے کی وجہ سے سرخ ہو چکی تھیں۔

''تم آنا وچن۔ آنا پلیز۔ آؤ گی نا؟''

اس نے ہاں کہہ دی۔ ساتھ میں اس کے ذہن کی دیواروں سے کئی سوالات جیسے ٹکرائے ہوں۔

''عافی! کیوں اتنے اکیلے ہو؟ کبھی کچھ بتاؤ تو؟''

''ایک غضب اپنے گناہ کا دیکھ آئی ہو، ایک غضب میرے گناہوں کا دیکھنا چاہتی ہو؟''

''عافی، تم بہت اچھے آدمی ہو۔''

''ہم سب گناہگار ہیں وچن۔''

''کیسا گناہ عافی؟ کیا بھول چوک ہوئی ہے تم سے؟''

''بھول چوک ہی نہیں ہوئی نا وچن۔ بھول چوک ہوتی تو میرا خدا بھی وقت رہتے مجھے بھلا لیتا، توبہ کروا لیتا لیکن مجھے تو سزا ملی، سزائیں ملیں اور ملتی رہیں۔ جب سزا برداشت سے باہر ہوئی تب میرے منہ سے توبہ نکلی۔ جانتی ہو کیوں؟''

وچن نے نا سمجھی میں نفی میں سر ہلایا۔

''کیونکہ وہ دعائیں مانگتی تھی میرے لیے۔ مجھے معاف کرواتی تھی۔ وہ لوگ خوش نصیب ہوتے ہیں جن کو خدا گناہگار کرنے کے فوراً بعد توبہ کرواتا ہے۔ وہ لوگ بھی خوش بخت ہوتے ہیں جن کو اس دنیا کے کیے کی سزا اس دنیا میں ملتی ہے۔ وہ سزا پا کے بالآخر توبہ کر ہی لیتے ہیں۔ اس فزیکل دنیا کی سزا

ہماری یہ فزیکل باڈی ہمارا یہ دل برداشت کر دیتا ہے کیونکہ اس دنیا کی سزائیں ایسی ہی ہوتی ہیں جو ہمارے گوشت پوست کا جسم برداشت کر سکے، مگر اس دنیا کے بعد روحانی جہاں ہے۔ روح تو بس روح ہوتی ہے اس میں ہمارے جسم کی طرح زخم بھرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ یہ اس کی مانگی ہوئی دعائیں تھیں کہ مجھے اس دنیا کے کیے کی سزا اس دنیا میں ملی اور مل رہی ہے۔ ورنہ نا جانے اس دنیا میں میرے ساتھ کیا ہوتا؟ نا جانے میری روح کا کیا حشر ہوتا؟ روح کی لطفت سے تو سب واقف ہیں۔''

''عافی!'' اس کی باتیں دل چیرتی تھیں۔ وہ اب اپنے آفس کی کھڑکی کے پاس چلا آیا، اس کے عین سامنے اسٹینڈ ایبل واچ رکھی تھی جو اس وقت بند تھی۔ اس میں بتایا ہوا آخری وقت کل شام چار بجے کا تھا۔

اس کی یادوں کے بھنور میں بھی دل کی کشتی ہر روز اسی سے پار اترتی تھی۔ جب ''دریائے کنہار'' کو اپنے دل میں بہانے والا سر سبز و چوڑے دامن والے پہاڑوں کا شہر وادی بالاکوٹ والے عافی کے گھر کے برآمدے کے وسط میں لگا گھڑیال چار بار گھنٹی بجاتا تھا اور دادا جی کہتے تھے۔

''لو، چار بج گئے۔ ہماری چائے کا وقت ہو گیا۔''

اور اگر دادا جی کبھی نہ بھی کہتے تو صحن میں چارپائی پر براجمان دادی جی کہتیں۔

''ان کی چائے کا وقت ہو گیا۔''

جس پر ان ہی سے ذرا فاصلے پر بیٹھی زندگی بارعب انداز میں کہتی۔

''دادی ماں! آہستہ، بچے پڑھ رہے ہیں۔''

وہ چاچی کے بچوں سمیت محلے بھر کے بچوں کو ٹیوشن پڑھایا کرتی تھی۔ اس کی بس ایک آواز کافی ہوتی تھی اور سب خاموش ہو جاتے تھے کیونکہ اس کے غصے کے آگے کسی کو معافی نہیں ملتی تھی۔ وہ اپنے موڈ کی لڑکی تھی، ہر ایک کام اپنے وقت پر کرنے والی، کھلی آنکھوں سے خواب دیکھنے والی اور پھر ان خوابوں کے سفر پر منزلیں پانے والی، مگر وہ پگلی یہ کہاں سمجھتی تھی کہ منزل کے بعد دوسری منزل ہماری راہ تکتی ہے اور یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہتا ہے۔ نہ خواب مک جاتے ہیں نہ منزلیں ختم ہوتی ہیں۔ انسان کو مکنا ہوتا ہے۔ کام کاج چلتے رہتے ہیں اور انسان چلا جاتا ہے۔

''میری چائے کا وقت ہو گیا بندگی بیٹا۔''
بس دادا جی کی ایک آواز اور وہ دوڑتی چلی آتی۔ اس کے نازک ہاتھوں میں بڑا سا ٹرے ہوتا جس میں سب کے لیے چائے ہوتی۔ جو وہ روز اپنے ہاتھوں سے بناتی تھی۔
''تمہارے ہاتھوں سے بنی چائے کی تو بات ہی الگ ہے۔ جیتی رہو بندگی بیٹا۔''
''آپ کے ساتھ پیارے دادا جی۔''
''آمین۔''
''ثم آمین۔'' سفید ہلکی شیو والے دادا جی نے مسکرا کر کہا۔ وہ دراز قد تھے جن کی جسامت درمیانی تھی۔ سر پر اکثر سفید ٹوپی ہوتی، ہاتھ میں کالے رنگ کی گھڑی اور سیدھے ہاتھ کی درمیانی انگلی میں سرخ نگینے والی انگوٹھی ہوتی تھی۔ چہرہ پر وقار تھا۔ پیشانی کشادہ جن سے اوپر ان کے سفید بال۔ اور آگے سے بس خالی سر۔ ان کے پیچھے کے بال اتر چکے تھے۔
بندگی نے دادا جی کے بعد دادی، چاچا جی، اپنی بہن زندگی کو چائے پیش کی اور چاچی کی چائے ان کے کمرے میں دے آئی۔ وہ کھانا کھانے کے بعد لیٹنے کی عادی تھی۔ اب اس کے نازک سے ہاتھوں میں موجود ٹرے میں چائے کے دو ہی کپ تھے جس میں موجود چائے اس کے شوخ قدموں کے ساتھ جھول رہی تھی۔
آج اس نے ہمیشہ کی طرح لمبی قمیض اور شلوار پہنی تھی، اس کے بال بھی اس کے دوپٹے کے ساتھ ہمیشہ کی طرح ڈھکے ہوئے تھے۔ وہ سادگی کی ایک مورت سی تھی جس کا چہرے بے پناہ کشش کا حامل تھا۔ وہ صرف نام کی ہی بندگی نہ تھی اس کے احکامات بھی بندہ نواز تھے۔
یہ گھر کا بوسیدہ سا حصہ تھا جس کے انگ انگ کو مرمت کی اشد ضرورت تھی۔ سب اسے پرانی بیٹھک کہا کرتے تھے۔ یہاں آس پاس گھر کی بے کار اشیاء اور کباڑ کی وافر مقدار دیکھنے کو ملتی۔
یہ پرانی بیٹھک ہی عافی کا اس گھر میں ٹھکانہ تھا۔ جہاں وہ شام کے چار سوا چار بجے روز آتی اور اس کے لیے چائے لاتی۔

عافی ٹوٹے پھوٹے فرش پر پھٹی کارپٹ کا سوا ایک میٹر کا کارپٹ بچھا کر بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک عدد استری تھی جو کہ کئی بار ٹھیک کرنے کے باوجود ٹمپریچر ہائی کر دیتی اور کپڑے جلاتی۔ عافی اس استری کا مستری بنا بیٹھا تھا، اسے اس استری کا نقص آج ہی درست کرنا تھا ورنہ چاچی مہر نے تماشا برپا کرنا تھا۔

بندگی آج بھی ہمیشہ کی طرح اس کے پاس بیٹھنے کی جگہ تلاش کر رہی تھی لیکن اس سوا ایک میٹر کی بوسیدہ کارپٹ میں اس کے بیٹھنے کی جگہ نہ تھی۔ چاروں اطراف استری ٹھیک کرنے کے اوزار پڑے تھے۔ وہ اس کباڑ خانے میں عافی سے ذرا سے فاصلے پر نا قابل استعمال اپنے باپ کی پرانی کار کے پرانے ٹائرز پر بیٹھ جاتا۔ عافی کو اس کی چائے کا انتظار رہتا تھا یہ ایک کپ چائے اس کے لیے زندگی بخش ہدیہ کی مانند تھا جس کا ذائقہ دل خوش کر دیتا۔ وہ دن بھر کی باتیں اسے پوری ایمانداری سے بتاتی اور عافی بے ایمانی کرتا، کچھ سنتا اور کچھ نہ سنتا۔

وہ ہر ایک بات اسے بتاتی ہر ایک بات۔ آج تک اس نے عافی سے کچھ نہ چھپایا تھا سوائے ایک بات کے۔

صرف ایک بات جو اس کی ذات میں اس کی ہستی کی مانند تھی۔ وہ ایک بات جس کے اردگرد اس کے قلب کی ہر دھڑکن گشت کرتی تھی۔ وہ ایک بات جس کے وجود سے اس کی روح طراوت افزا تھی۔

وہ ایک بات......بس ایک بات......وہ ایک بات جو وہ کبھی کہہ نہ سکی، کبھی بتا نہ سکی۔

وہ ایک بات، جس کا دل بار بار اشتہار دیتا اور وہ شرما کر، مسکرا کر دل ہی دل میں اس بات کی تکریم کرتی، کہ اسے عافی سے محبت تھی، محبت تھی۔ ہاں، ہاں محبت تھی۔

یہ عافی اس کی کل حیات، کل موجودات، کل کائنات، بس اتنی سی بات تھی۔

اور یہ بات ابھی تک بس ایک بات تھی۔

کوئی گہرا راز جیسے یہ گہری بات، جیسیڈ

وہ کیسے بتاتی عافی کو کہ وہ اس کے لیے ہے کیا؟ کیسے کہہ دیتی کہ اس نے اپنے دل کو سمیٹ کر

اس کی ذات میں جیسے منتشر کر دیا ہے، وہ کیسے بتاتی، کیسے بتاتی ؟

ایک طرف اس کے دل کی بے ضبط دھڑکیں اور دوسری جانب اس کا یہ مغرور و مصروف عافی۔ اسے تو پتا ہی نہ تھا کہ وہ کتنی محبت سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی، اور وہ تھا کہ استری کے نقص چن رہا تھا۔

اس نے چائے پی لی تھی اور اپنا کپ بندگی کی جانب بڑھایا۔ وہ اس سے مخاطب تھی، اسے بتا رہی تھی کہ دادا اور دادی کے درمیان کل رات پھر سے جھگڑا جھگڑی چھڑ گئی تھی۔ بات وہی پرانی تھی دادا جی کو اس کے چھوٹے بیٹے یعنی چاچے میں جو نقص تھے وہ نظر آ رہے تھے اور دادی تھی کہ اس کے عیبوں کا پردہ رکھ رہی تھی، حقیقت پسند بنو، حقیقت کو سمجھو اور حقیقت کو اپناؤ۔

''تمہارا یہ بیٹا نہ صرف نکما ہے بلکہ چرسی موالی ہے۔ اسے جوئے کی لت ہے اور یہ شراب نوشی جیسی حرام چیز سے بھی نہیں کتراتا......''

وہ دادا جی کے انداز میں ان کے کہے الفاظ دہرا رہی تھی لیکن یہ بھی کوئی بتانے کی بات تھی؟ عافی نے اسے جھڑکا تو نہیں لیکن ہاتھ جوڑ کے بے زارکن انداز میں کہا۔

''تم جاؤ یہاں سے بندگی، سر مت کھاؤ۔''

وہ دل پسوز کر خاموش ہو گئی۔ جلدی جلدی اپنی چائے تمام کی اور عافی کا کپ لیتی چلی۔

جاتے جاتے اس نے روک کر جی بھر کر عافی کو دیکھا اور اس کے لیے حسبِ معمول دعا کی۔

دعائیں مانگنا اور دعائیں دینا اس اطاعت پذیر لڑکی کی فطرت کا خاصا تھا۔ وہ یوں دعا گو رہتی جیسے دعائیں نہ ہوں خدا سے اس کی خود کلامیاں ہوں۔ یوں بھی وہ مزاج کی احساس اور طبیعت کی دلبر لڑکی تھی۔

زندگی اور بندگی دونوں بہنیں تھیں۔ ان میں عمر کا فرق بس ڈھائی سال کا تھا، زندگی بڑی اور بندگی چھوٹی تھی۔

بڑی ہونے کی وجہ سے اس کی فطرت میں رعب سا تھا۔ وہ بندگی اور عافی کو بچپن سے حکم دیتی آئی تھی۔ بندگی فطرتاً عاجزانہ مزاج رکھتی۔ زندگی کو جہاں سگو لڑکیاں زہر لگتیں وہاں اس کی بہن ڈپٹی

نذیر احمد کی جیسے اصغری ہو۔ سگھڑ، سلیقہ مند، ہنر مند لڑکی۔ بندگی میں گھر سنبھالنے کا ہنر تھا تو زندگی ایک کپ تک نہ سنبھال پاتی، بندگی کے سر پر ہمیشہ دوپٹہ رہتا اور زندگی کا دوپٹہ نہیں کہاں رہتا۔

دادی اسے چھوٹی بہن کے نقش پر چلنے کو کہتی اور وہ بڑی شان سے نہ فقط دادی کے احکامات کی خلاف ورزی کرتی بلکہ بے دھڑک دادی کو ان کی عمر کا احساس دلواتی۔

آپ کیوں خود کو نو عمر تصور کرتی رہتی ہیں۔ مان کیوں نہیں جاتی کہ آپ بوڑھی ہو گئی ہیں اور آپ کا دور گزرتے گزرتے بالآخر گزر گیا ہے اور اب آپ کا ٹکٹ بھی آج یا کل کٹنے والا ہے۔"

دادی کے ہوش گم جاتے لیکن وہ کہاں چپ رہنے والی تھی۔

"اس بندگی کو کہو ہوش کے ناخن لے، بھری جوانی میں یہ کیسا حلیہ بنا کے رکھا ہے اس نے؟ کہو اس سے مجھ سے کچھ سیکھ لے، ذرا سی ماڈرن بنے، ناخن بڑھاء، نیلز پینٹ کرے لیکن یہ مونجو دڑو کے دور کی ملکہ ناخن تو ایسے کاٹتی ہے جیسے zombie زونبی موس نوچتے ہیں۔ تم سے بہت اچھی لگتی ہے تم ساولی چڑیل ہو اور میری بندگی گوری چٹی خوب صورت اور من موہنی ہے۔"

"رنگ کی بات نہ کریں دادی، آج کل رنگ کا امتیاز نہیں رہا، مہنگی مہنگی کریموں نے یہ مسئلہ آسان کر دیا ہے۔ ادھر کریمیں لگائیں ادھر بس پندرہ منٹ میں ہو گئی میں گوری گوری...... گوری گوری......" اس نے ناچتے وگاتے ہوئے کہا۔ دادی نے سر پکڑ لیا۔ اس لڑکی کو سمجھانا مشکل ہی نہیں، ناممکن ہے۔

"تو آپ ہی سمجھ جائیں کہ آپ کا دور گیا...... گیا...... اور گزر ہی گیا۔" اس نے شرارت سے کہا اور بھاگ گئی۔

بے شرم کوئی لحاظ کوئی سمجھ نہیں، کسی کو خاطر میں نہیں لاتی یہ لڑکی۔ جب سے بڑے کالج سے پاس ہو کر آئی ہے۔ نا جانے خود کو کیا سمجھنے لگی۔ زندگی ہوں تو خود کو زندگی ہی سمجھوں گی نا؟ اور بھلا کیا سمجھوگی؟"

"اف توبہ تجھ سے، تو پھر آ گئی کمبخت ماری۔" دادی نے اس بار چپل اتاری اور اس کے نشانے پر اڑا دی۔

جس سے وہ بچ گئی۔ وہ دادی کو تنگ کر رہی تھی اس لیے انہیں مزید زچ کرنے کے لیے آگے بڑھ آئی اور کہا۔

''جہاں سے میں کامیابی حاصل کر آئی ہوں وہاں کا نام تک نہیں آتا آپ کو۔ اس جگہ کو بڑا کالج نہیں یونیورسٹی کہا جاتا ہے۔ دیکھو مجھے، میں یونی پاس کر آئی اور ایک آپ ہیں کہ جاہلوں کی طرح چپل اڑاتی ہیں۔''

''تیری تو۔'' دادی نے ایک اور چپل نکالی اور پھر سے اس کی جانب اڑا دی۔ پر وہ شوخ فطرت سانولی حسینہ بھاگ نکلی۔

''دیکھا کہیں سے؟ کہیں سے بھی نہیں لگتا آپ ایک پڑھی لکھی پوتی کی دادی ہیں۔'' وہ پھر سے دادی کے مقابل آ کھڑی تھی۔

''بے لحاظ، بے شرم، بے باک لڑکی۔ نافرمانی کے سارے گن اس میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔''

''اور آپ میں؟ آپ میں کون سا گن ہے؟ یہ دیکھو کیسا چھ سال پرانا سوٹ پہنا ہے؟ اور پتا بھی ہے آپ کو اس کا دوپٹہ پھٹا ہوا ہے۔'' زندگی نے زور سے کہا اور اپنے کمرے میں آ ئی۔

دادی کا فرسودہ لیکچر جاری تھا۔ اس نے اپنا کمرہ لاک کیا، اس کی ایک سہیلی نے اسے گفٹ دیا تھا۔ اس نے کھول کر دیکھا تو اس میں ایک آڈیو سی ڈی تھی۔ جس کے فرنٹ پر لکھا تھا۔

''پرستش البم......احمد جہانزیب۔ بیسٹ آف 2003ء''

''آں ہاں۔'' پھر ایک زوردار چیخ۔ احمد جہانزیب اس کا من پسند سنگر تھا اور اس کی دوست نے اسے اس کے فورٹ سنگر کا ہی البم گفٹ کیا تھا۔ اس کے پاس سی ڈی پلیئر موجود تھا جسے اس نے اسپیکر سے اٹیچ کر رکھا تھا۔ اس نے اب سی ڈی پلیئر آن کیا تھا۔

پورے گھر میں احمد جہانزیب کے جدید سونگ گونج رہے تھے۔

''اب لگن لگی کی کریے......اب لگن لگی کی کریے......نہ جی سکیے نہ مریے......اب لگن لگی۔''

دادی نے سر پکڑ لیا۔ اس کا کچھ نہیں ہو سکتا تھا، وہ جانتی تھی اس کی پوتی احمد جہانزیب کے ان نئے گانوں پر کمرہ بند کر کے رقص فرما رہی ہو گی۔

☆......☆......☆

پھر وہی شام کا فسوں تھا۔ زندگی کا ٹیوشن کے بچوں کے ساتھ سر کھپانے کا وقت تھا۔ چاچے کو پہلے دادا جی کوس رہے تھے اب چاچی مہران پر اضا غصہ نکال رہی تھی۔ وہ عام سینقوش کی مائل عورت تھی۔ رنگ صاف تھا، بس چہرے پر ذرا سی چھائیاں نمایاں تھیں، جنہیں ٹھیک کرنے کے لیے وہ ذرا پریشان رہتی۔ انہیں زیور پہننے کا شوق تھا۔ ان کی کلائیاں، گلا، کان کبھی سونے نہ رہتے۔ چوڑیوں کی کھن کھن تو جیسے اسے اپنے ہونے کا احساس دلواتی۔

چاچے پر غصہ نکالتے وہ پرانی بیٹھک کی طرف آئی۔ آج بھی انہوں نے بھڑکیلے سے رنگ کا چھچھاتا سوٹ پہنا تھا اور لمبے بال بنا کنگھی کیے ہوئے موٹے سے کیچر میں دبائے تھے۔ عافی نے استری ٹھیک کر لی لیکن تار نہ بدلی تھی۔ جس پر چاچی مہر لال پیلی ہو رہی تھی۔ وہ یوں ہی اکثر عافی پر اپنا غصہ نکالتی۔ ایک تو چاچا کماتا نہ تھا۔ گھر زندگی اور بندگی کے والد کی پنشن اور ان کے بینک میں موجود پیسوں سے چلتا۔ ہاں دادا جی کی بھی پنشن تھی لیکن مہنگائی کا گانا تو ہر دور میں عوام گاتی رہتی ہے اور پھر اس دور میں ملک بھر میں آمریت کا بول بالا تھا۔

چاچی اب بھی زہر اگل رہی تھی، اسے عافی اس گھر میں اضافی بوجھ محسوس کرتا تھا۔

چاچا بالکل ویسا ہی لگتا تھا جیسے نشئی لگتے ہیں۔ ان کے کپڑوں پر کئی جگہ پر سگریٹ سے جلے ہوئے چھوٹے چھوٹے ہول نظر آتے۔ جسم لرزش کا شکار رہتا۔ آنکھیں نشہ کر کر کے بے حد سرخ ہو گئی تھیں۔ بال چیچپے، جلد خشک، ہونٹ کالے...... ہاں لباس وہ صاف رکھتے تھے اور کلائی میں گھڑی ضرور پہنتے تھے۔

''کسی کو تو چین سے جینے دو مہر بیگم۔'' چاچے نے ہاتھ جوڑتے ہوئے اونچی صدا بلند کی۔

''ہوں۔'' چاچی نے منہ بنالیا۔

عافی کا دل ڈوبا ہوا تھا۔ بندگی ہمیشہ کی طرح چائے کا کپ اس کے لیے لائی تھی۔ وہ بالکل خاموش تھا جسے دیکھ کر وہ کومل سی لڑکی آنکھوں میں آنسو چھپا کر اس کے سامنے آئی اور گداز پن میں گویا ہوئی۔

''عافی! چاچی کی باتوں کو دل پر مت لو پلیز۔''

''دل پہ نہیں لے رہا بندگی، دماغ پر لے رہا ہوں۔ وہ سچ ہی تو کہتی ہے، میں اس گھر میں کسی غیر ضروری شے کی مانند ہوں اور یہی سوچ ہے۔''

''نہیں عافی، یہ سچ نہیں۔ دادا جی آپ کو اس گھر کا بیٹا مانتے ہیں۔''

''پر سچ تو یہ ہے میں اس گھر کی نوکرانی کا بیٹا ہوں۔ جسے ترس کھا کے پالا گیا اور ترس کھا کے اس گھر کا ایک بوسیدہ سا حصہ دیا گیا۔''

''نہیں عافی، آپ کی ماں ایک خدمت گزار خاتون تھیں۔ دادا جی ان کی بہت تعریفیں کرتے ہیں۔ ان کی وجہ سے ہی میں اور زندگی آج زندہ ہیں ورنہ اماں اور ابا کی طرح ہم بھی جاں بحق ہو جاتے۔ یہ آپ کی ماں تھیں جن کی وجہ سے ہم بچ گئے تھے۔ دادا جی کہتے ہیں ابو کا کار ایکسیڈنٹ بہت خطرناک ہوا تھا۔ امی اور ابو موقع پر ہی اس جہان فانی سے کوچ کر گئے تھے۔ آپ کی اماں بھی اسی حادثے کا شکار ہوئیں لیکن آخری سانسیں لینے کے باوجود انہوں نے جلتی ہوئی گاڑی سے ہم دونوں بہنوں کو نکالا اور ایک مقامی عورت کے گھر کے اتے پتے کے ساتھ ہم دونوں کو ان کے حوالے کیا اور خود کی روح کو اس کے جسم کے ناطے سے آزاد کر کے اس دنیا سے رخصت ہوئیں۔ کیسی ہمت والی والدہ تھی آپ کی۔ اور آپ کی عظمت کو یوں نظر انداز کر کے خود ترسی کا شکار ہوتے ہو؟ اور آپ کو ان کی وفا کے عوض دادا جی نے نہیں پالا، وہ تو آپ کو بیٹا تسلیم کرتے ہیں۔''

دادا جی سے تو عافی کو بھی کوئی شکایت نہ تھی۔ ان کے ہاتھ تو اس کے لیے دستِ شفقت تھے۔ جس نے اتنی بڑی دنیا میں تنہا ہونے کے باوجود تنہا نہ بھٹکنے دیا، مگر چاچی مہر......

''ہم سب تمہارے ساتھ ہیں عافی۔'' وہ ہمیشہ اس کی دل جوئی کرتی۔ جب جب چاچی مہر اور گھر یا خاندان کا کوئی فرد عافی کی موجودگی کو نشانِ تنقید بناتا وہ فوراً عافی کی پشت پنائی کے لیے کوشاں ہو جاتی۔ یہ رفیق القلب لڑکی ہر مقام پر اس کا ساتھ دیتی تو تھی لیکن عافی بھی دادا جی کے ساتھ رہ رہ کر اس بات پر عمل کر چکا تھا۔ حقیقت پسند بنو، حقیقت کو سمجھو، حقیقت کو اپناؤ۔

اور حقیقت یہ تھی وہ اس گھر کی نوکرانی کا بیٹا تھا، جس کی قسمت میں یہ بوسیدہ بیٹھک تھی، اس گھر

کے کام کاج تھے۔ وہ اس گھر کا ملکینک تھا، پلمبر تھا، سودا، راشن لانے کا کام بھی وہی کرتا، کبھی کبھی چاچی مہراس سے صفائیاں بھی کرواتی، گھر کے پنکھے، اونچی دیواریں، جالے وہ ہی صاف کرتا۔ پانی کبھی نہ آتا تو سڑک کنارے لگے نل سے پانی بھر آتا۔ چاچی کے بچوں کو اسکول لے جانے اور لے آنے کی بھی ذمے داری اس کی تھی۔ وہ ہر طرح کے کاموں کے لیے ماہر مانا جاتا لیکن اسے اس گھر کا بیٹا بس دادا جی ہی مانتے تھے۔

وہ اپنا اور عافی کا کپ لے کر جانے لگی۔ اس کے چہرے پر عافی کی روح کی محرومی جیسے چمٹ گئی تھی۔ اس نے پھر سے عافی کی خوشیوں کی دعائیں مانگنا شروع کیں۔ کاش وہ عافی کا دکھ لے لیتی اور اس کے دامن کو خوشیوں سے بھر دیتی لیکن کاش کہ ایسا ہوتا، کاش کہ ایسا ہوتا۔

☆......☆......☆

سورج کی روشنی شمالی علاقہ جات کے اس شہر بالاکوٹ سے رخصت لے رہی تھی۔ زندگی نے تمام بچوں کو چھٹی دے دی تھی بس چاچی کے بچے اور محلے کا ایک شرارتی بچہ جسے سب نوٹی کہتے تھے مرغے بنے ہوئے تھے۔

ایک طرف احمد جہانزیب کے سونگ فل والیم میں چل رہے تھے، دوسری جانب چاچی نے ٹی وی آن کیا ہوا تھا۔ دادی اور زندگی پھر الجھ بیٹھی تھیں۔

بندگی نے بچوں کی سزا ختم کی اور انہیں بھاگ جانے کو کہا۔

"لیکن بندگی باجی آپ؟ اگر ٹیچر کو پتا چلا تو وہ آپ کو بہت ڈانٹے گی۔" نوٹی نے معصومیت سے کہا تو چاچی کے بچے راحت اور نصرت نے بھی اپنے دوست کا ساتھ دیا۔ راحت اور نصرت قمیض شلوار میں تھے جب کہ نوٹی ہاف پینٹ اور شرٹ میں موجود تھا۔ نوٹی ذرا گورا تھا اور شرارتیں زیادہ کرتا تھا۔ جبکہ راحت اور نصرت سانولے سے کیوٹ سے بچے تھے اور کم شرارتی تھے۔

"مجھے وہ کچھ نہیں کہے گی۔ تم سب بھاگو یہاں سے۔" بندگی کا اتنا کہنا تھا کہ تینوں نے استفہامیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا اور بندگی سے پوچھا۔

''پکا؟''

''پکا۔''

''جیتی رہو، خوش رہو۔'' یہ نوٹی تھا تو نگی فلمی۔ اس کیوٹ سے بچے کو نا جانے کتنے فلمی ڈائیلاگ یاد تھے۔ یوں تو ان دنوں انڈین چینل ''اسٹار پلس'' کی دھوم مچی تھی اور پھر کیبل سروس کی شروعات بھی 2001ء سے ہو چکی تھی۔ جس کی وجہ سے انڈین ڈراموں کی پاکستان بھر میں مقبولیت تھی۔ خاص طور پر نیا ڈرامہ ''کہیں تو ہوگا'' بے حد مقبول ہوا تھا۔ اس کے کردار سب خاص تھے لیکن مرکزی کردار ''کشش'' کے سب دیوانے تھے۔ اس کے علاوہ بھی چاچی سارے ہی ڈرامے دیکھا کرتی تھی۔ جن میں ''سون پری، گُم گُم، ہش کوئی ہے، ساس بھی کبھی بہو تھی، کہانی گھر گھر کی'' کی شامل تھے۔ نہ صرف چاچی بلکہ ان ڈراموں کے سب ہی دیوانے تھے۔ اب نوٹی اور چاچی کے جڑواں بچے بھی چائلڈ پروگرام ''شاکالاکا بھوم بھوم'' دیکھنے کے لیے بھاگے تھے۔

سب اپنے اپنے مشغلوں میں مصروف تھے۔ دادی بھی زندگی سے لڑلڑ کر اسٹار پلس دیکھ رہی تھی۔ بس ایک بندگی تھی جو مغرب کی نماز کے بعد کچن میں مصروف تھی۔

زندگی ابھی لڑلڑ کے کمرے میں گئی تھی کہ پانی پینے پھر سے کچن کی طرف آئی اور پھر شور شروع۔

''ماں نہیں ہے نا ہماری؟ ماں ہوتی تو ایسا ہوتا کیا؟ سب آرام کرتے اور بس میری معصوم بہن کچن میں خدمتِ خاندان کرتی رہتی۔''

''باجی...... باجی کچھ نہیں ہے بس ذرا سا کام ہے۔ میں......''

''تم چپ رہو۔ ماں نہیں ہے نا ہماری۔ بس ماں نہیں ہے۔''

''یہ ڈائیلاگ بہت چلتا تھا۔ چاچی ڈرامہ چھوڑ کر کچن میں چلی آئی۔ زندگی کے آگے تو چاچی کی بھی دال نہیں لگتی تھی وہ بھی اپنا منہ بند ہی رکھتی۔ سارا گھر اس کے ماں باپ کی پنشن پہ چلتا۔ اس سے کون الجھ سکتا تھا؟ کل کو سب کچھ ہڑپ کر لے تو کیا ہوتا؟ چاچا تو تھا ہڈ حرام۔

چاچی فوراً کچن میں آئی، زندگی نے بندگی کا ہاتھ تھاما اور اسے اپنے کمرے میں لے آئی۔

اس زمانے میں میچنگ کا تصور بے حد مقبول تھا۔ یہی وجہ تھی کہ زندگی کے روم کی ہر ایک چیز گرے کلر کی تھی۔ گرے بیڈ، گرے فرنیچر، گرے پردے، گرے ہی ڈیکوریشن کا سامان۔ یہ گھر پرانی تعمیر کے طرز پر تھا لیکن یہ کمرہ کوئی خوابوں کا کمرہ تھا، جس کا ثانی اس گھر میں تو کیا اس پورے محلے میں نہ تھا۔ بندگی اس کے کمرے میں آئی تو اس نے سی ڈی پلیئر کا والیم کم کر دیا۔

''باجی! چاچی کو ڈرامہ دیکھنے دیتی نا؟''

''انہیں تو ڈرامہ دیکھنے دیتی لیکن خود تمہیں کیسے سارا دن کام کرتے ہوئے دیکھ سکتی ہوں؟''

''بہت خیال کرتی ہیں میرا۔''

''کیا کروں، کرنا پڑتا ہے نا؟ ماں نہیں ہے نا میری۔'' اس نے شرارتاً انداز میں ایک آنکھ بند کر کے کہا۔

''آپ بھی نا باجی......''

''یہی تو میں کہنا چاہتی ہوں تم سے کہ تم بھی نا بندگی سارا دن کچن میں پڑی رہتی ہو۔ روز عمدہ کھانا بناتی ہو، ہر کام پرفیکٹ کرتی ہو کبھی میری طرح بن جاؤ۔ کام بگاڑ دو۔ کھانا جلا دو۔ ہائے ہائے باجی، آپ کھانا خود جلاتی ہیں۔''

''ہاں اور نہیں تو کیا۔ کام سیکھنے کا مطلب یہ تو نہیں ایک بار کام سیکھ لو اور دوسروں کے لیے ہر وقت حاضر رہو۔''

''لیکن باجی، آپ جلاتی کیسے ہیں کھانا؟'' وہ سوچ میں پڑ گئی اور انتہائی رازدارنہ انداز میں پوچھا۔

''کھانا جلانا بہت آسان ہے۔ اگر تم بہت کم وقت میں بہت اچھی طرح کھانا جلانا چاہتی ہو تو میری بات غور سے سنو۔''

وہ بھی دھیان لگا کر سننے لگی۔ زندگی کو اس کے انداز پر ہنسی آ گئی۔

''ارے پانی اور گھی کم ڈالو اور آنچ تیز کر دو۔ ٹن ٹرن جل گیا سالن۔''

بندگی کی آنکھیں گول گول گھوم گئیں، وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی اس کی باجی کھانا خود جلاتی تھی۔

''صرف اتنا ہی نہیں میں تو کہتی ہوں ایسا کام کروں جو گھر والے آپ کا کچن میں داخلہ ہی بند کر دیں۔ سالن زیادہ مہنگا نہیں ہوتا اس لیے گھر والوں کو عقل نہیں آتی۔ اس لیے ''پریشر ککر'' اڑا دو۔ دھاڑڑڑڑ مم مم۔''

''کیا...... باجی...... آپ خود ککر کا دھماکہ کرتی ہیں؟'' اس کے معصوم چہرے پر بے پناہ حیرت تھی۔

''ہاں، بہت آسان ہے۔ ککر میں بھر بھر کر پانی ڈالو۔ اگر سوڈا پڑا ہے تو سالن میں وہ بھی ڈالو جو مل جائے اس میں ڈال دو۔ مطلب بس پورا بھر دو اور ڈھکن چڑھا کر آنچ فل کر دو۔ بس پھر ہوگا ڈھاڑڑڑڑم ڈھارم۔'' اس نے خوشی سے اپنی تعریف کرتے ہوئے کارنامہ سنایا۔

بندگی کے تو ہوش ہی اڑ گئے۔ وہ نازک طبع تو ایسا کچھ کرنے کی خواب میں بھی نہ سوچ سکتی تھی۔ اس سے تو کچھ کہا ہی نہ گیا وہ بس زندگی کو دیکھتی رہی۔ اور وہ ہمیشہ کی طرح اسے چالاک بننے کا سبق پڑھاتی رہی۔

''سب کچھ بنو، بس معصوم ہرگز مت بننا۔ اگر معصوم بنے تو بے وجہ کا نوالہ بن جاؤ گے۔ سمجھ رہی ہو تم؟''

''ہاں۔''

''تو جاؤ، جاؤ کچن میں اور پھیلا دو تباہی۔''

وہ اپنی جگہ پر ساکت سی بیٹھی رہی۔

''جاؤ! جاؤ نا۔ پہلے آ نہیں رہی تھی اب جا نہیں رہی ہو۔''

''نہیں باجی، مجھ سے کہاں ہوگا۔ رزق ضائع کرنا گناہ ہے۔''

زندگی نے اس کی بات سن کر سر پکڑ لیا اور کہنے لگی۔

''اللہ میاں مجھے تو نے سب کچھ دیا۔ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے بس یہ ایک اپنی گائے جیسی بہن نہ دیتا تو کیا ہو جاتا، آپ کی گائے تھی آپ ہی رکھ دیتے۔ مجھے کیوں دے دی۔ ایک تو ماں نہیں ہے میری۔''

''باجی! ایسی باتیں نہیں کی کرتے۔''

''ہاں بس ابھی شروع مت ہو جانا۔''

''آپ سنیں تو باجی۔ آپ کو بھی ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ ذرا سوچو اگر آپ تنہا ہوتی تو......تو بھی تو سارے کام خود کرنے پڑتے نا؟ خود کے لیے تو ہم کام کرتے ہی ہیں۔ اگر ذرا سا کام گھر والوں کے لیے بھی کرلیں تو کیا ہوگا؟ یوں بھی اولاد کا فرض ہوتا ہے والدین کی خدمت کرنا۔ ہمیں دادی اور دادا جی نے پالا ہے تو ان کی خدمت ہمارا فرض ہے۔''

''چلو ٹھیک ہے۔ مانا فرض ہے لیکن وہ چاچی۔ اس کے بچے...... چاچا چچی۔ کیا سب تمہاری ذمے داری ہیں؟''

''نہیں وہ میری ذمے داری نہیں۔ وہ ہمارے رشتے دار ہیں۔ اور آپ کو پتا ہے رشتے دار کون ہوتے ہیں۔''

''رشتے دار۔'' زندگی نے لمحے بھر کو سوچا اور کہا۔

''رشتے دار کوئی نہیں ہوتے بس سر درد ہوتے ہیں۔''

''نہیں باجی بالکل نہیں۔ ایسا کچھ نہیں ہوتا۔''

''تم پھر شروع ہوگئی۔ میں نے ہی ہتھوڑا اپنے پاؤں میں ماردیا۔'' اس نے بندگی کو سمجھاتے سمجھاتے زچ ہوتے ہوئے کہا۔

''ہائے باجی کب؟ لگی تو نہیں آپ کو؟''

''نہیں......نہیں لگی مجھے۔ بے وقوف محاورے بھی نہیں سمجھتی۔ جاؤ تم بس جاؤ، کرو کچن میں کام اور میرے لیے کچھ اچھا بنانا۔ اور ایک اچھا سا سوٹ بھی استری کردینا۔ جاؤ بڑی بہن کا فرض نبھاؤ اور جان چھوڑو۔ تم کبھی نہیں سمجھو گی، اللہ میاں کی گائے۔''

وہ دیکھتی رہ گئی۔ زندگی ابھی پیار سے سمجھا رہی تھی اور ابھی ہی غصے میں آگئی تھی۔

''باجی؟ کیا ہوا پھر محاورہ سمجھ نہیں آیا۔ اللہ میاں کی گائے؟''

''نہیں، نہیں سمجھ آگیا لیکن میں اللہ میاں کی گائے نہیں ہوں۔''

''برا بھی لگتا ہے کیا تمہیں؟ نہیں برا کیوں لگے گا۔ کاش کہ میں اللہ میاں کی گائے ہوتی لیکن ہم

سب گنہگار بندے ہیں۔ وہ پھر فرط جذبات میں بولنا شروع کر رہی تھی لیکن زندگی نے اسے روک لیا اور جانے کے لیے کہا۔ وہ بھی جانے لگی جاتے جاتے مڑی اور کہا۔

''باجی! ہمارے رشتے دار سر درد نہیں ہوتے، ہمارے رشتے دار ہماری آزمائش ہوتے ہیں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو تو آزمائش میں پاس اور برا سلوک کرو تو آزمائش میں فیل۔''

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے اب تم جاؤ اور میرا ایک ڈریس استری ضرور کر دینا، کل صبح انٹرویو ہے میرا۔''

''سچی باجی، کون سا جوڑا استری کروں؟ وہ عید والا۔'' وہ خوش ہوگئی۔

''نہیں، تم وہ ڈریس استری کرو نسواری رنگ والا۔ یا رہنے دو کسی دوست سے مانگ لیتی ہوں۔ ہاں یہ ہی ٹھیک رہے گا۔''

''لیکن باجی، مانگنا بری بات......''

''تم جاؤ......بس جاؤ......'' اس نے بندگی کو کمرے سے ہاتھ پکڑ کر نکال دیا۔ اس کے پاس اس کے لیکچر سننے کا وقت بالکل نہ تھا۔

☆......☆......☆

شام ہوگئی تھی وہ صبح کی نکلی ابھی تک گھر نہ آئی تھی۔ ٹیوشن والے بچے بھی واپس چلے گئے۔ آج اس کا انٹرویو تھا۔ بندگی چائے وائے چھوڑ کر بہن کے لیے دعائیں مانگنے میں مصروف تھی۔ عافی اس کی دوست کے گھر سے ہو آیا تھا جس کے ساتھ اسے جانا تھا پر وہ وہاں بھی نہ تھی اور اب اس کی دوست بھی دادا، دادی کے ساتھ بیٹھ کر پریشان ہو رہی تھی

یہ وہ دور تھا جب موبائل فون ہر کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ یہ صرف کھاتے پیتے گھرانوں کے افراد ہی اپنے پاس رکھتے۔ ٹیلی فون کی سہولت موجود تھی لیکن سوال یہ تھا فون کیا جائے تو کسے؟

یوں ایک گھنٹہ وسوسوں کی موجودگی میں تمام ہوا۔ سب برآمدے میں بیٹھے تھے۔ عافی بھی ان کے ساتھ ہی تھا۔ دادا جی عافی کو اس کی ایک اور سہیلی کے گھر جانے کے لیے بھجوا ہی رہے تھے کہ وہ ناچتی کودتی داخلی دروازے سے انٹر ہوئی، اس کے ہاتھ میں مٹھائی کا ایک ڈبہ نہیں بلکہ درجن بھر ڈبے تھے۔

''کہاں تھی تم؟'' پہلا سوال دادی نے کیا۔
''نوکری پر۔ یہ لو یہ کھاؤ۔'' اس نے لڈی دادی کے منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔
''لیکن تم تھی کہاں۔ آپ لڈو تو کھاؤ، شوگر فری ہیں۔''
''تم کہاں رہ گئی تھی زندگی بیٹا؟'' یہ دادا جی تھے۔
اب بندگی بھی آ گئی تھی اور آتے ہی اس کے گلے لگ گئی، وہ تو اس کے لیٹ آنے پر گھبرا گئی تھی۔
''بندگی، بندگی! دیکھو اب رو رو کر بور نہیں کرنا تم؟ مجھے جاب مل گئی ہے اور میں آج کے بعد اسی وقت آیا کروں گی۔''
''سچ میں؟''
''ہاں سچ میں۔''
''لیکن کہاں نوکری ہوئی تمہاری۔'' اماں پریشان تھی۔
اس نے دادا جی کو اپنا اپائنمنٹ لیٹر دکھایا۔ دادا جی نے اسے مبارک باد دی تو سب اسے مبارک باد دینے لگے۔
''تھینک یو...... تھینک یو۔''
''لیکن یہ جاب تو عارضی ہے نا؟ زندگی، اس کے لیے تم اتنی مٹھائی کیوں لائی؟'' یہ اس کی دوست تھی جس کے سوال کا جواب دادا جی نے دیا۔
''اب یہ جاب اس سے اس وقت کوئی واپس نہیں لے سکتا جب تک یہ خود نہ چاہے۔ جاؤ بھئی عافی، محلے میں مٹھائی تقسیم کر آؤ۔''
عافی نے تابعداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہاں کہا اور سارے مٹھائی کے ڈبے زندگی سے لے کر گھر سے باہر آیا۔ زندگی سے وہ بھی ذرا کترا کر رہتا، کیا جانے کب کس چیز پر آگ برسا دے۔
عافی محلے بھر میں مٹھائی بانٹ رہا تھا۔ وہ بھی جانتا تھا زندگی کو، اب جاب ملی ہے تو بس مل ہی گئی ہے۔ اب اسے کوئی اس جاب سے نہ نکال سکتا تھا۔ یعنی مضبوط انٹری۔

☆......☆......☆

زندگی کی جاب کے ساتھ ٹیوشن کے بچوں کو پڑھانے کا بھی مسئلہ ہو گیا تھا، اب اس سے ٹیوشن نہیں پڑھایا جا رہا تھا۔ اس نے بندگی سے کہا تھا کہ عافی سے کہہ دے ان بچوں کو پڑھائے۔ وہ آج شام کی چائے کے ساتھ زندگی کا پیغام عافی کے لیے لائی تھی۔

عافی خود ایک اسٹوڈنٹ تھا۔ اس کا ان دنوں فوکس بس "سی ایس ایس" کے پیپرز تھے۔ وہ بندگی کی بات سن کر خاموش ہو گیا تو بندگی نے اپنی بات پھر سے دہرائی۔

"باجی نے کہا ہے کہ آپ بچوں کو پڑھا لیں گے؟"

وہ طنزاً مسکرایا اور کہنے لگا۔ "نوکر کیا تے نخرہ کیا۔"

"عافی۔" اس نے اس درد سے اسے ایسی باتیں کرنے سے روکا کہ عافی کا موڈ خوشگوار ہو گیا۔ اپنے اندر کی مایوسی جب وہ اس کے چہرے پر دیکھتا تو مایوسی مایوسی نہ رہتی بلکہ ایک تازہ سی مسرت بن جاتی۔

دل کے ایسے حالات کہاں چھپتے ہیں؟ کچھ باتیں الفاظوں کو کہاں کھوجتی ہیں؟ کچھ ساز بے وجہ ہی بج اٹھتے ہیں۔ جیسے بندگی کے دل کی وہ ایک بات بھی، بس ایک بات نہ رہی تھی۔

وہ ایک بات تھی بھی تو ایسی کہ "یہ بہت خاص سی لڑکی، اس کو اپنا دل دے بیٹھی تھی۔"

جس میں معصومیت کی انتہا تھی، جسے باتیں بنانے کا ہنر نہ آتا تھا اور جسے باتیں چھپانے کا سلیقہ نہ تھا۔ عافی اسے دیکھ کر من ہی من میں مسکرا رہا تھا، اس کا ماضی اس کا حال خواہ کیسا بھی رہا ہو، لیکن مستقبل شاندار تھا، اس کی ہم سفر بندگی جیسی لڑکی ہو گی تو اسے اور کیا چاہیے تھا؟

☆......☆......☆

زندگی نے جاب حاصل کرتے ہی گھر کی طرف توجہ دی۔ اس نے گھر کا جیسے نقشہ بدل دیا۔ سب کچھ نیا نیا تھا۔ اس گھر میں کچھ بھی پرانا نہ چھوڑ رہی تھی۔ آج ایک ابو کے زمانے کے فوٹو فریم کو بے دردی سے اکھاڑ کر فرش پر پھینکا۔

"باجی! کیوں پرانی یادوں کو ہٹا رہی ہو؟"

"تاکہ نئی یادیں یاد کی جا سکیں۔"

"پران سب کی ضرورت کیا ہے؟"

"ضرورت تو ہے۔اس دنیا میں کامیاب وہی ہے جو اس ضرورت کو سمجھ لے بندگی۔اپنے دور کی نزاکت کو سمجھنا ہی ترقی پانا ہے۔ ہر ایک دور کی اپنی اسٹوری ہوتی ہے۔ جو اس اسٹوری کو سمجھ لیتا ہے کہ وہ جس دور میں ہے اس دور کی ڈیمانڈ کیا ہے، اس کے ہی دن بھر آتے ہیں۔اب دیکھو تم گھر کے کام کرتی ہو جو میرے کاموں سے زیادہ تھکا دیتے ہیں۔اور تم ہمیشہ یہ ہی کام کرتی رہو گی۔ مجھے دیکھو میں نے گھر کے کاموں کو ترجیح نہ دی اور آگے بڑھ گئی۔آج ہر کوئی میری جگہ لینے کو تیار رہتا ہے۔اور خود کو دیکھو اس فوٹو فریم کا ماتم منا رہی ہو۔ میں نے تو سوچا تھا کچرے والے کو دوں گی لیکن تمہاری حالت دیکھ کر اتو اسے ہاتھ ہی نہ لگاؤ گی۔ لے جاؤ اسے، گھر کے کباڑ کے ساتھ رکھ دو کہیں پرانی یادوں کا غم نہ کھا جائے۔"

عافی نے فریم اٹھا لیا۔اس کے دوسرے ہاتھ میں ہتھوڑا تھا جس سے وہ نئے فوٹو فریم کے لیے کیلیں درست و مضبوط کر چکا تھا۔ زندگی کی بات سن کے وہ فوٹو فریم اپنے ساتھ لایا اور اپنے آشیانے کے آس پاس پڑے کباڑ کے ساتھ رکھ دی۔

عافی کے جانے کے بعد زندگی نے نئے فریم کی تعریف کی اور با آواز بلند کہا۔

"آج ہم ڈنر باہر کریں گے۔"

"کہاں باجی؟"

"وہاں جہاں تمہارے من پسند کدو نہیں ملتے۔"

"باجی؟"

"اور نہیں تو کیا؟ جب دیکھو سبزیاں بناتی رہتی ہو ڈ ذ

"باجی! کل ہی تو بریانی بنائی تھی۔"

اس کی بات سن کے وہ ہنسی تو دادا جی بھی مسکرا دیئے اور مسکراتے ہوئے کہا "کل اس نے بریانی بنائی تھی۔وہ بھی آلو بریانی......"

"ہاہاہا۔" دادا جی اور زندگی ہاتھ پہ ہاتھ مار کر ہنسنے لگے۔

"دادا جی! آپ بھی؟" بندگی نے شکوہ کیا تو دادا جی کو بھی مذاق سوجھا۔

"ویسے زندگی، ایسا نہیں کہتے۔ اسے سبزیاں پسند ہیں تو ایسا ہی سہی، ہمیں اس کی پسند کا احترام کرنا چاہیے۔"

"لیکن دادا جی، کوئی اتنا سبزی خور کیسے ہوسکتا ہے؟"

"کسی اور کا تو پتا نہیں پر ہماری بندگی کے سر پر سبزی خور کا تاج پہنایا جاسکتا ہے۔" دادا جی نے خوشگوار لہجے میں کہا تھا۔

"ہاں بالکل دادا دی۔ یہ تو اتنی سبزی خور ہے کہاسے فنگر چپس بھی کیچپ کے ساتھ نہیں بلکہ سلاد کے ساتھ پسند ہے۔ یعنی ویج کے ساتھ بھی ویج۔ ہاہاہا۔" وہ دونوں پھر سے ہنسنے لگے اور بندگی بھی برا ماننے کی بجائے ان کے ساتھ کھڑی ہنس رہی تھی۔

"ارے اب خود پر مت ہنسو۔ جاؤ سب سے کہو کہ آج ڈنر پر جانا ہے اور ہاں راحت اور نصرت کو میرے پاس بھجواؤ، میں انہیں خود بتاؤں گی کہ آج ڈنر پر جانا ہے اور ذرا مینرز بھی سکھاؤں گی۔"

☆......☆......☆

وہ ڈنر کر کے آئے تھے۔ سب کے ذہنوں پر ریسٹورنٹ کی خوب صورت اور لذیذ کھانوں کا سحر تھا۔ بندگی نے آج ویج کی بجائے نون ویج کو ترجیح دی اور ذرا سا کھا کر اپنا کھانا عافی کے لیے پیک کروا دیا اور اب اسے دینے بھی جا رہی تھی کہ زندگی نے اسے پکارا۔

"کہاں جا رہی ہو؟"

"وہ...... یہ عافی کو دینے...... آج گھر میں کچھ بنا نہیں نا۔"

"وہ کیوں نہیں آیا؟"

"آپ نے بلایا ہی نہیں۔"

"ہوں۔ بھول گئی میں اسے۔ اگلی بار گئے تو تم بلا لینا اسے۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ خوشی خوشی عافی کے پاس کھانا لے آئی۔

عافی نے پارسل کھولے تو سارا کھانا جسے بس چکھا ہوا تھا۔ اس نے اپنے لیے الگ کیا اور پوچھا۔

''تم نہیں کھاؤ گی؟''

''میں تو کھا کے آئی ہوں۔ اتنا بڑا ریسٹورنٹ تھا، اتنی زیادہ لائٹس تھیں۔

''یہ لو۔'' اس نے اپنے لیے کھانا نکال کر باقی اس کی جانب بڑھا دیا اور کہا۔'' اتنا بڑا ریسٹورنٹ تھا، اتنی ساری لائٹس تھیں لیکن......''

''لگتا ہے تم بس پانی پی آئی ہو؟''

''نہیں تو۔'' دل کا بھید کھل جانے کے ڈر سے اس نے فوراً انکار کیا اور وضاحتیں دینے لگی'' کھانا زندگی نے آپ کو دینے کو کہا اور یہ بھی کہا کہ آئندہ میں آپ کو اپنے ساتھ آنے کا کہوں۔''

عافی زیرلب مسکرایا اور کہا'' ٹھیک ہے۔''

وہ اسے زیادہ تنگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ بھی باقی کھانے لے کر اپنے کمرے میں آئی، اس نے واقعی وہاں بس پانی ہی پیا تھا اور اب بھوک لگ رہی تھی۔

عافی اس کے جانے کے بعد سوچنے لگا کہ جب اسے پتا چلے گا کہ وہ اس کے دل کا حال ہمیشہ سے جانتا تھا تو اس کا کیا حال ہوگا ذرا سی بات پر سرخ پیلی ہوگئی تھی تو تب کیا ہوگا جب اسے پتا چلے گا کہ وہ کبھی اپنے دل کا حال عافی سے پوشیدہ نہ رکھ پائی تھی اور نا جانے کب ایسا ہوگا؟ یا پھر ہوگا بھی یا نہیں؟

کہاں وہ اور کہاں عافی۔ دادا جی کبھی نہیں مانیں گے۔ وہ تو اسے دل دے کر معتبر بنا بیٹھی تھی لیکن اس کے پاس کیا تھا جو وہ اسے دے سکتا تھا؟ وہ اس گھر کا ملازم تھا۔ دادا جی کیسے اپنی پوتی کی محبت اسے بخش دیں گے؟ اور وہ خود کیسے اس کی محبت قبول کر سکتا تھا؟ خود تو وہ اس کباڑ خانے میں رہتا تھا اسے کہاں رکھتا...... نہیں نہیں، وہ کبھی اس معصوم پر ایسا ظلم نہ کرے گا۔ اگر وہ کچھ بن پائے گا تب ہی اس پر ظاہر کرے گا کہ وہ سب جانتا تھا لیکن اگر وہ کچھ نہ بن پایا تو خاموشی سے اس گھر کے وفادار خادموں کی طرح اسکی شادی کے کام کر لے گا۔

عافی نے اپنے جنم کے بعد سے محرومیوں کے اتنے رنگ دیکھے تھے کہ اسے قسمت کی مہربانیاں کسی اور ہی کائنات کی بات لگتی۔

☆......☆......☆

گھر میں سب موجود تھے لیکن سب کی موجودگی کے باوجود گھر میں خالی خالی سی خاموشی تھی۔
اس خاموشی کی موت زندگی کے آتے ہی اپنے آپ ہو جاتی۔ وہ شام ہوتے ہی گھر آئی اور شور مچا دیا۔ آج وہ خبر خیر لائی تھی۔ اس کے ہاتھ میں پھر سے مٹھائی کا ڈبہ تھا۔
''لگتا ہے، تمہاری جگہ عارضی طور پر کام چھوڑنے والے کا کام تمام ہو گیا ہے؟'' دادا جی نے پوتی کی خوشی سمجھ پر پہیلی بوجھی۔
''ہاں دادا جی، یہی سمجھو، لیکن اسے چھوڑو میری سنو تو حیران رہ جاؤ گے۔''
سب اس کی طرف متوجہ تھے۔
''آج بنک کے منیجر نے میٹنگ بلائی تھی جس میں میرے کام کی اتنی تعریفیں ہوئیں کہ سب دیکھتے اور سنتے رہ گئے اور تبا ہی نہیں، مجھے ترقی مل گئی ہے۔''
''واہ واہ۔ دل خوش ہو گیا'' دادا جی بہت خوش تھے۔ اس کی اپنی خوشی کی تو کوئی انتہا نہ کی تھی۔ وہ بندگی سے خوشی سے لپٹ گئی اور ہاتھ پکڑ کر اسے صحن میں لے آئی۔ دونوں ہاتھوں میں ہاتھ دے کر گول گول چکر لگا رہی تھیں۔ وہ اپنی بہن کی ترقی کی خبر سن کر ایسے خوش تھی جیسے خود اسے ترقی مل گئی۔ سب خوش تھے بس ایک دادی تھی جن کی سوچیں کسی اور نہج پر جم رہی تھیں۔
''کیا سوچ رہی ہو؟'' دادا جی نے اپنی شریکِ حیات کو یوں گم صم پایا تو پوچھ لیا۔ وہ بھی دادا جی سے کچھ کہاں چھپاتی تھی۔ نہ بھی پوچھتے تو اپنی فکریں ان کو ہی بتاتی تھیں۔
''اسے ترقی مل گئی لیکن گھر کون سا ملے گا؟ جہاں جاتی ہوں سب بندگی کا پوچھتے ہیں اس کے متعلق تو خود آ کے بتاتے ہیں۔ آپ کی پوتی نوکری کرتی ہے اور پتا نہیں کیا کیا؟''
''تم فکر کیوں کرتی ہو، بس جائے گا اس کا گھر بھی، جہاں بسنا ہوگا۔ اور ویسے بھی زمانہ بدل گیا ہے۔''
''نہیں جی، زمانہ ابھی نہیں بدلا۔ آپ اور میں ابھی زندہ ہیں ہمیں پیدا ہوئے کوئی سو سال نہیں ہوئے۔ ہر گھر و خاندان میں آپ کے اور میرے جیسے موجود ہیں۔ اور شادی بیاہ کے معاملے پر بزرگوں کی رضامندی کا خیال بھی سب کو ہوتا ہے۔ اگر وقت بدل بھی جائے تو ذہنوں میں خدشات تو رہتے

ہیں۔نئی نسل کو پرانے خیالوں کو بھی خیال رکھنا چاہیے۔لیکن کہے کون؟ مانتا کون ہے؟ گھر تو ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا پیسے کی تنگی کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔کوئی ضرورت نہ تھی بیٹی کو نوکری کرانے کی لیکن کوئی سمجھتا کہاں ہے۔ہمارا معاشرہ بدلنے کا ڈھونگ رچتا ہے لیکن بدلتا نہیں، گھر سے باہر نکلنے والی عورت آج بھی تنقید کا اور نا جانے کس کس چیز کا وار برداشت کر رہی ہوتی ہے؟"

دادا جی چپ تھے۔چھوڑتے تو لوگ انہیں بھی نہ تھے، پوچھ گچھ تو جاری رہتی تھی۔

☆......☆......☆

شام کے چار بجے تھے، گھر کے داخلی دروازے پر رہ رہ کر دستک شروع ہو جاتی۔ٹیوشن والے بچے اب خوشی خوشی پڑھنے آتے۔زندگی کی نسبت عافی ایک نرم ٹیچر تھا، بچے اس سے خوش تھے۔راحت اور نصرت تو بہت زیادہ خوش تھے لیکن چاچی کو نا جانے کیا مسئلہ تھا۔وہ روز روز ایک ہی بات دہراتی کہ جب زندگی بچوں کو پڑھا نہیں پا رہی تھی تو ٹیوشن کو ختم کرو۔خواہ مخواہ سارا صحن گندا ہو جاتا ہے۔کوئی مٹی والے پاؤں لے آتا ہے، کوئی چیز چھپ چھپ کے کھاتا ہے، بستے بھی یہاں صاف کرتے ہیں۔کسی کی پنسل کا گند اٹھاؤ تو کوئی باتھ روم خراب کر جاتا ہے۔

چاچی بہت غصے میں تھی۔بندگی نے چائے لا دی تھی مگر غصہ ہی اتنا تھا کہ بالاکوٹ کی شاموں میں اترتی خنکی بھی ان کا جی ٹھنڈا نہ کر پا رہی تھی۔دراصل عافی کے پرچے ہونے والے تھے اور وہ اب ٹیوشن کی وجہ سے کمانے بھی لگا تھا۔چاچی کو ڈر تھا کہیں عافی ان کے ہاتھ سے نہ نکل جائے۔اگر ایسا ہوا تو سارا کام کاج رہ جائے گا اور بوجھ بھی بڑھ جائے گا۔وہ جان بوجھ کر عافی کا سکون تباہ کرتی رہتی۔صاف پنکھوں کو صاف کرنے کا حکم دیتی۔پانی کیموٹر کا تیل بدلواتی، بلبوں کی تبدیلیاں، پانی کی ٹنکیوں کی صفائیاں اور ایسے بہت سے غیر ضروری کام جو ابھی کرنا لازمی نہ تھے مگر اس سے کروائے جاتے۔

بندگی کچھ کہہ نہ پاتی بس چپ چاپ عافی کا ہاتھ بٹاتی، جتنا ہو سکتا اس کے کاموں میں اس کا ہاتھ بٹواتی، کبھی کبھی تو چھوٹا موٹا سودا بھی خرید آتی۔ہر طور سے عافی کا خیال رکھتی، اس کے لیے چائے، کافی، جوس اور سنیکس بنا بنا کے لاتی، اپنے اور عافی کے کام ختم کرنے کے بعد وہ آرام سے عافی کی

کامیابیوں کی دعائیں مانگتی، یوں بھی وہ اتنی دعائیں مانگتی جیسے دعائیں نہ ہوں، اللہ میاں سے اس کی خود کلامیاں ہوں۔ وہ بعض اوقات دعا مانگنے میں ایسی کھوئی رہتی کہ دل میں مانگی دعائیں زبان سے باآواز بلند نکلتی۔ وہ اس طرح دعائیں مانگا کرتی کہ سب لوگ اپنا کام چھوڑ کر اس کی دعائیں سنتے اور آمین کہتے۔ وہ اب بھی عواطفِ قلبی میں مشغول ہو کے باآواز بلند دعائیں کیے جا رہی تھی۔

"یا اللہ! تو قبول فرمانے والی واح ذات ہے، ہم نا جانے کیسے کیسے بھٹکے ہوئے ہیں، تو جتنے پاس ہے ہمارے، ہم تجھ سے اتنے دور ہوتے جا رہے ہیں، ہمیں دنیا میں ذرائع معاش کی فکر سے آزاد کر دے، دو گھڑیاں سارے دن میں ایسی بنا جو ہم دل سے اپنے روح کی گہرائیوں سے اپنے وجود کے ذرے ذرے سے تجھے یاد کرنے کے قابل ہو جائیں۔ نہیں کر سکتے ہم گنہگار پوری ایمان داری سے عبادت...... خیال بھٹکاتے ہیں ہمیں، فکریں ستاتی ہیں ہمیں۔ ہاں بس تیرا شکر کر سکتے ہیں اپنا شکر کرو، اتارہ ہم سے اور ہم کیا کر سکتے ہیں؟ ہمیں پانچ وقت کی نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرما۔ ہمیں قوتیں عطا کر ہمارے اللہ اور ہماری قوتوں سے ہمیں محنت سکھا، ہماری محنت قبول فرما۔ جس طرح زندگی باجی کی محنت قبول فرمائی، اسی طرح عافی کی مشکل بھی آسان کر دو، اسے اتنی کامیابیاں دو کہ لوگ اس کی کامیابیوں کو یاد رکھیں۔"

"آمین...... آمین...... آمین۔" سب نے اس کی دعائیں سن کر کہا۔

دعائیں۔ دل سے نکلی ہوئی دعائیں، ایسی دعائیں عبادت سی ہوتی ہیں، انسان کسی بھی حال میں دعا سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ دعا اللہ تعالیٰ کے دربارِ عالیہ میں بہت باعزت تحفہ ہے، کہ بس اس رب کی ذات سے ہی مانگنا اور کسی کو اس لائق نہ سمجھنا۔ اس سے بڑی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ انسان کسی اور سے لینے کی جرأت ہی نہ کرے۔ خدا سے مانگنا، خدا سے لینا، اس کا دعاؤں پر عقیدہ پکا تھا۔ عافی تو عافی وہ کل جان داروں، بے جان اشیاء کے لیے بھی دعائیں مانگتی۔ وہ سب گھر والوں کے لیے دعائیں مانگتی، اس کی وجہ سے گھر کا ماحول عبادت کی پرسکون فضا میں حاضر ناظر رہتا۔ اس کی دعائیں دل کو ٹھنڈا کر دیتی۔ دادا، دادی، زندگی اس کی دعائیں سن رہے تھے۔ راحت اور نصرت بھی اس کے پاس بیٹھ کر آمین آمین کر رہے تھے۔ عافی بھی سن رہا تھا۔ کبھی کبھی اس کی دعائیں سن کر وہ اشک بار ہو جاتا، وہ

جب جب سوچتا اس کا اس دنیا میں کوئی نہیں اسے بندگی کی دعائیں یاد آ جاتیں۔ اس کا دل اس کی دعائیں سن کر خودترسی و مایوسی سے نجات پاتا۔ اس کی دعائیں اسے نئی راہ پر لے چلتیں۔ خواب دکھاتیں، محنت کا حوصلہ بخشتی، آگے بڑھنے کا حوصلہ بخشتی، وہ ساری باتیں بھول کر ایک بات یاد رکھتا، اسے زندگی کی طرح کامیابی حاصل کرنی تھی۔ "زندگی کی طرح"

زندگی کی طرح۔

☆......☆......☆

وہ ایک سرمئی سی شام تھی جس کی جگمگ کرتی تارے بھری رات تھی۔ اس رات میں چاند چمکتا تھا، دل کا کونا کونا روشن تھا۔

آج زندگی کو تنخواہ ملی تھی، آج پھر سے پارٹی ٹائم تھا۔ آج وہ ذرا لانگ ڈرائیو کر کے شہر سے دور ایک ریسٹورنٹ میں آئے تھے، عافی ڈرائیو کر رہا تھا یہ گاڑی زندگی نے خریدی تھی۔ زندگی، بندگی، چاچا، چاچی اور بچے سب بہت خوش تھے۔ دادا، دادی آج سردی سردی کرنے کی وجہ سے نہیں آئے۔ زندگی کی گاڑی تھی تو میوزک تو ہوگا ہی، اب بھی وہ سب احمد جہانزیب کے سونگ سن کر لطف اندوز ہو رہے تھے۔ رات کے اندھیرے اور چاند کی چاندنی میں چمکتا دریائے کنہار کا تازہ بہتا پانی ان کے ساتھ ساتھ جیسے رواں تھا۔ زندگی کے پیر میں درد تھا اس لیے گاڑی آج عافی کے ہاتھوں میں تھی، وہ خاموشی سے زندگی کے بتائے راستوں پر آگے بڑھ رہا تھا، تقریباً آدھے شہر کے چکر کے بعد وہ اپنی منزل پر پہنچ چکے تھے۔ آج بھی وہی رسٹورنٹ تھا۔

زندگی نے عافی کو اپنے ساتھ اندر آنے کو کہا اور ساتھ میں نارمل برتاؤ رکھنے اور سب کے ساتھ ڈنر انجوائے کرنے کی بھی تاکید کی۔

آج عافی آیا تھا تو بندگی نے اپنی پسند کا ویجی، ویجی ڈنر آرڈر کیا اور بڑے مزے سے وہ اپنے ویج سوپ پر جھکی ہوئی تھی۔ راحت اور نصرت اس سے بس قد میں چھوٹے تھے لیکن انداز اس کے بچوں سیملتے تھے۔

عافی اسے دیکھ کر مسکرایا۔

اس کے برعکس زندگی کا شاہانہ انداز آج بھی اس کے ساتھ تھا۔اس نے سچ مچ اپنے وقت کی ضرورت کو سمجھ کر اپنے آپ کو موجودہ دور کے سانچے میں فٹ رکھنے کی پوری پوری کوشش کی ہوئی تھی جو اس کے انداز اور اس کی ہر کروٹ سے چھلکتی بھی تھی۔خوب صورت سا لباس، میچنگ جیولری، میچنگ سینڈل اور میچنگ ہینڈ بیگ اور ذرا ذرا سے میک اپ میں وہ بہت مختلف اور فیشن ایبل لگ رہی تھی۔وہ اداؤں کا پیکر تھی۔جس کی ہر ادا دیکھنے لائق تھی۔

چاچی کا بھی باہرداری کا برتاؤ سلیقے مند تھا۔وہ کانٹے چمچ کا استعمال کرتی اور نیپکن سے ہونٹ تھپتھپاتی رہتی،انہیں دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا اپنے گھر میں یہ خاتون برتن بھی چاٹتی ہیں۔

چاچا تو تھا اپنی مست میں مست رہنے والا،آدھا ہوش میں اور ادھا مدہوشی میں،کھانا ایسے کھاتا جیسے کسی شاعر کو شاعری لکھ رہا ہو۔ہر نوالہ دیکھ کر،ہر نوالہ سوچ سوچ کر،نا جانے کس سوچ میں ڈوبا ہوا، نا جانے کس چیز کے مہاتم میں گم؟

بچے تو پھر بچے ہوتے ہیں،وہ اسی طرح سے کھانے پینے میں مصروف تھے جیسے عام طور پر سب ہی بچے کھاتے ہیں۔ذرا ذرا سا گرا گرا کر،کچھ داغ کپڑے کے سپرد کر کے۔

عافی سمجھداری کا مظاہرہ کر رہا تھا۔وہ سلیقے کا دامن تھامے ہوئے تھا،نظریں اس کی اب بھی جھکی جھکی تھیں،ذرا پل بھر کو اس نے نگاہ بلند کی تو زندگی کی نگاہوں کو خود پر پایا،اس نے پھر آنکھیں جھکا لیں، اس کے بس میں کہاں تھا اس سانولی حسینہ کی آنکھوں میں دیکھنا۔اس نے اسی کو دیکھا جس کی ادائیں اس کی ہونی تھیں۔بندگی اب بھی سوپ پر جھکی تھی اس نے اس طرح سوپ چٹ کیا تھا کہ جو شو مارنے کے لیے میک اپ کے نام پر ہلکی سی لپ اسٹک لگائی تھی وہ بھی اب بے ڈھنگی سے سوپ پینے کی وجہ سے پھیل گئی تھی۔

”بندگی!یہ کیا طریقہ ہے؟“زندگی نے اسے ٹوکا۔

”کیا ہوا؟“اس نے سہم کر معصومیت سے پوچھا۔

''منہ صاف کروا پنا۔'' زندگی نے اپنے پرس میں سے میڈورا کی فیس پاؤڈر کی ڈبیہ کا شیشہ اس کی طرف کر کے کہا۔

''اوہ سوری، سوری۔'' اس نے ہڑ بڑی میں اپنے دوپٹے سے اپنا چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

''بندگی۔'' زندگی نے دانت پیس کر اسے سختی سے پکارا۔

''جی، جی!''

''بندگی! ٹشو اور نیپکن یہاں موجود ہیں۔''

''اوہ ہاں، سوری سوری۔'' اس نے اس بار ٹشو منتخب کیا اور چہرہ ایسے صاف کیا کہ جو شو مارنے کے لیے لپ اسٹک لگا آئی تھی اس کے آثار بھی گم ہو گئے۔

عافی من ہی من میں اس کی نادانیوں پہ مسکرا رہا تھا، لیکن زندگی نے برہمی سے اس کی طرف دیکھ کر نفی میں سر ہلایا اور کہا۔ ''بچوں سے بھی گئی گزری ہو؟''

''یعنی ہم سے بھی گئی گزری۔ یہ راحت تھے۔''

''بندگی باجی کے گریڈز گر رہے ہیں۔'' یہ نصرت تھے۔

''ان کے گریڈز بڑے کب تھے؟'' دونوں جڑواں بچوں نے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے شرارت سے کہا تو بندگی نے بھی ان کے کان پکڑے اور کہا۔ ''گھر چلو، دکھاتی ہوں چاچی کو تمہارے ٹیسٹ پیپر......''

دونوں چپ ہو گئے، ز دونوں کے منہ بند ہو گئے۔ اب سب نے کھانا تمام کیا اور تھوڑا بہت انجوائے کرنے کے بعد گھر کی طرف چل دیئے۔ راستے میں عافی نے ٹیوشن سے کمائے ہوئے پیسوں سے سب کو ٹھنڈے موسم میں ٹھنڈی آئسکریم کھلائی تو جا کر چاچی کو آرام میسر آیا۔ ورنہ تو عافی کا من پسند کھانا دیکھ کر وہ دل ہی دل میں کڑھ رہی تھی۔ نوکر کیا اتنا مہنگا کھانا کیا؟ چلو کچھ بھی تھا اب چاچی مطمئن تھی۔ جس دن عافی چاچی کو مطمئن نہ کرتا وہ خوابوں میں بھی طعنے دیتی نظر آتی۔ اضافی بوجھ...... دردِ سر...... بے وجہ کی مصیبت۔

سب خوشی خوشی گھر آئے تھے۔ زندگی نے عافی کو گاڑی پارکنگ میں کھڑی کرنے کو کہا تھا جس پر اس نے ہمیشہ کی طرح ہاں کہہ دی تھی۔

ناجانے کیوں وہ اس کے آگے اپنی بات نہ رکھ سکا تھا۔ اس کا ارادہ گاڑی کالونی میں ہی ٹھہرانے کا تھا لیکن زندگی نے کہا تو وہ کچھ نہ کہہ سکا۔ ناجانے کیوں وہ اس کی ہر بات مان لیتا؟ شاید اس سے بحث میں آج تک کوئی جیتا نہیں تھا اس لیے یا پھر اس نے وہ منزل پائی تھی جو عافی خوابوں میں دیکھا کرتا تھا۔

☆......☆......☆

اب خنکیاں سردیوں کا روپ دھارن کر چکی تھیں، آج کل صحن مثل لق دق سا تھا۔ وہ بھی تھر تھر کانپتی ہوئی سیدھا ٹی وی لاؤنج کی جانب آئی۔ یہاں بھی کوئی نہ تھا۔ سب اپنے اپنے کمرے میں تھے۔ تو وہ کچن میں آ گئی۔ آج کچن سے کباب پکنے کی مہک آ رہی تھی۔ بندگی کباب فرائی کر رہی تھی۔

''ارے واہ کباب؟'' زندگی نے آتے ہی کباب پر حملہ کیا۔

''باجی! ابھی کچے ہیں۔''

''کیوں کچے ہیں مجھے بہت بھوک لگی ہے۔''

''ابھی ٹائم لگے گا تھوڑا سا۔''

زندگی کو سچ میں بہت بھوک لگی تھی۔ کباب بھی وقت مانگ رہے تھے اور یہ بندگی اسے باجی کیوں کہتی تھی؟ اسے اب غصہ بھی لگنے لگا۔

''اب سے تم مجھے باجی کہہ کر دکھاؤ؟ آج کے بعد مجھے باجی مت کہنا۔''

''کیوں باجی، بس پانچ منٹ؟'' اس نے جلدی جلدی کباب پین سے نکالے اور پلیٹ میں ڈال کر رائتے کے ساتھ اسے فوراً دیئے۔ وہ بھی گرم گرم کباب کھانے لگی۔

''کیسے بنے ہیں؟'' زندگی نے بھرے منہ سے کچھ کہا نہیں، بس ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

زبردست۔

''اچھا تو اب باجی کہہ سکتی ہوں نا؟ اب تو کباب جلدی بنا کے دے۔''

''ہاہاہاہا۔'' وہ اپنی بہن کی سادگی پر ہنسنے لگی۔

''یار! کباب میرے لیے بنا رہی ہو تو مجھے ہی تو دیتی۔ اپنے لیے تو تم نے ٹنڈے شنڈے بنائے ہوں گے۔''

''اس موسم میں ٹنڈے کہاں ملتے ہیں؟ میں نے آج لوبیا چاول بنائے ہیں۔'' اس نے اس انداز سے کہا جیسے ٹنڈے کا نام سن کر جی للچایا ہو۔

''لوبیا چاول۔ خوشی سے کھانا، لوبیا چاول اور پھر بعد میں ان کے ہضم ہونے کی دعا بھی مانگنا۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے مزید کباب پلیٹ میں رکھتے ہوئے کہا۔

زندگی کو ہنسی آ گئی۔ ''یعنی کھانا ہضم ہونے کے لیے بھی دعا مانگو گی؟ ہاہاہاہا۔''

''ہم ہر چیز کے لیے دعا مانگ سکتے ہیں۔ یعنی سب کچھ دعاؤں سے ہی مانگنا اور خود کچھ مت کرنا۔ انسان کو خود بھی تو کچھ کرنا چاہیے نا؟''

''باجی! انسان خود کچھ نہیں کر سکتا۔ ہر ایک چیز میں اللہ تعالیٰ کی رضا شامل ہوتی ہے۔ اس کی مرضی کے بنا تو پتا بھی نہیں ہل سکتا۔''

''اور تم لوبیا چاول بھی نہیں بنا سکتی۔'' اسے مذاق سوجھا تھا۔

''ہاں میری کیا مجال؟ میری کیا ہستی، میرا مالک ہی ہمت دیتا ہے، سمجھ دیتا ہے تب ہی تو میں کام کر سکتی ہوں۔'' بندگی سنجیدہ تھی۔

''تم تو سیریس ہو گئی، خیر ہم کہاں تھے؟'' اس نے سوچا۔

بندگی نے مزید دو کباب اس کی پلیٹ میں رکھے جو زندگی نے فوراً اٹھا لیے۔

''آرام سے باجی۔ گرم ہیں۔''

''ہاں۔ یاد آیا تم آج کے بعد مجھے باجی کہہ کر دکھاؤ؟''

''ہائے ہائے باجی، اب باجی کو باجی نہ کہوں تو اور کیا کہوں؟''

''نام لے لو میرا؟''

''آپ کا نام کیسے لے لوں؟''

''جیسے اپنا لیتی ہوں، تمہارے اور میرے نام میں ''ز'' اور ''ب'' کا ہی تو فرق ہے۔''

''لیکن امی نے آپ کو باجی کہنا سکھایا تھا۔''

''اور وہ تمہیں کیسے پتا؟ ان کے ایکسیڈنٹ کے وقت تم بس تین سال کی تھی۔''

''دادی نے بتایا تھا۔''

''ایک تو یہ دادی بھی داستان گو ہے۔ جب دیکھو پرانی داستانیں سناتی رہی ہیں۔ خیر تم آج کے بعد مجھے باجی ہرگز نہیں بولو گی۔''

''لیکن آپ کا نام لیتے ہوئے مجھے شرم آئے گی۔''

''اف تمہاری شرم؟ اب اس کا میں کچھ نہیں کر سکتی، تمہاری شرم ہے، تم ہی اس کا کچھ کرو، لیکن آئندہ مجھے باجی مت کہنا ورنہ میں کباب نہیں کھاؤں گی، بھوکی ہی رہوں گی۔''

''لیکن آپ نے تو کباب کھا لیے ہیں۔''

''یار! مجھے اب بھی بھوک لگی ہے۔ صبح سے کچھ نہیں کھایا۔''

''اچھا اچھا میں آپ کو نام سے پکارنے کی کوشش کرتی ہوں اور آپ کے لیے دوسرے کباب بھی بناتی ہوں لیکن مٹن کا قیمہ ختم ہو گیا۔ اب چکن کے شامی بناتی ہوں۔''

''ہاہاہا۔'' زندگی ہنسنے لگی، بندگی بھی نا۔ اس نے اپنی بہن کو اپنے حصار میں لے لیا اور کہا۔

''میرے لیے ابھی چکن کے بھی کباب بناؤ گی۔ اوسو سویٹ آف یو، تم کتنی اچھی ہو بندگی۔''

''آپ بھی اچھی ہو یا نہیں زندگی۔''

''ہم دونوں ہی اچھے ہیں، ہم جیسا کوئی کہاں؟'' اس نے آنکھ بند کر کے کہا اور اپنے بیگ سے ایک سی ڈی نکالی اور گانا گانے لگی۔

''کوئی مل گیا۔''

''نئی فلم؟ ہاں ہاں چلو دیکھتے ہیں۔''

''لیکن آپ کے لیے کباب تو بنا لوں۔''

''بس کرو، مارو گی کیا؟ اتنے تو کباب کھلائے ابھی۔ میرا پیٹ، پیٹ ہے، کوئی مارکیٹ تو نہیں۔''

''ہاں!'' وہ نا سمجھی میں تکتی رہی۔ زندگی نے برنل آف کیا اور لائٹ بھی آف کی۔ اسے لے کر اپنے کمرے میں آئی اور اپنا کمپیوٹر لاؤنج میں داداجی کی رنگین ٹی وی کی جگہ رکھا۔

فلم کی آواز سنتے ہی سب اپنے اپنے کمروں سے نکل آئے۔ یہ 2003ء کی ایک ہٹ انڈین فلم تھی جو ہمارے پاکستان میں بھی خوب چلی تھی۔

☆......☆......☆

عافی فلم دیکھنے نہ آتا تھا تو آج شام کی چائے کے ساتھ بندگی سے نئی فلم کی اسٹوری سنا رہی تھی، تمام بچے بھی ٹیوشن سے دل چرا کر دلچسپی سے فلم کی اسٹوری سن رہے تھے۔ وہ اسٹوری سنا کر جانے لگی تو فیضی سکندر شاہ عرف نوٹی نے اسے روکا اور کہا۔

''یہ تو بس جادو کی اسٹوری ہوئی نا، آپ نے روہت کی لو اسٹوری کا تو بتایا ہی نہیں۔''

اس بات پر راحت اور نصرت نے بھی نوٹی کا ساتھ دیا۔ وہ تینوں اب بتا رہے تھے کیسے روہت نے گرل فرینڈ بنائی اور کیسے اینڈ میں ان کی میرج ہو جاتی ہے۔ وہ ستارے ایک ایک سین میں حقیقت کی جیسے روح پھونک کر بتا رہے تھے۔ عافی بھی بڑے مزے سے سن رہا تھا اور پھر کیا ہوا؟ پھر کیا ہوا؟ کہتے ہوئے بچوں کی اسٹوری مکمل کرنے پر اکسا رہا تھا۔

بندگی شرما کے بھاگ گئی۔

وہ بھی مسکرانے لگا، اس کا مقصد بس ذرا سا اسے چھیڑنا تھا۔

اس کے پیپر ہو چکے تھے، وہ پر امید تھا، وہ فیل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے تمام سبجیکٹ کا سلیبس مکمل کر دیا تھا، کچھ نہ چھوڑا تھا، راتوں کا جاگا تھا، دن بھر پڑھتا رہا تھا۔ جب کبھی تھک بھی جاتا تو اسے خواب اسے تھکنے نہ دیتے، اور پھر بندگی کی توجہ بھی اسے اپنے مقصد سے ہٹنے نہ دیتی۔ وہ بھی اس کے لیے شدید محنت کرتی رہی تھی اس کی ہر چیز کا خیال رکھ رکھ کر۔ دونوں نے کٹھن محنت کی تھی اور اب دونوں کو بے صبری سے رزلٹ کا انتظار تھا، قسمت کی نوازشوں کا انتظار تھا۔

☆......☆......☆

سردیوں نے باہیں پھیلا رکھی تھی، کہیں باہر جاؤ تو لب کپکپاتے تھے، شام کے بعد تو کہیں جانے کو دل ہی نہ چاہتا، زندگی بھی باہر کا کھانا کھا کھا کے تھک گئی تھی۔ اس لیے آج باہر کے پکوانوں کو انجوائے کرنے کی بجائے اپنے ساتھیوں کے ساتھ شاپنگ کے لیے اسلام آباد چلی گئی اور اب جب گھر آئی تو اس کے ہاتھوں سے شاپنگ کے تھیلے گرتے جاتے تھے۔ اس نے بہت زیادہ شاپنگ کر لی تھی، سب گھر والوں کے لیے بھی آج ہی شاپنگ کر آئی تھی۔ نصرت اور راحت تو اپنے نئے کپڑے دیکھ کر بے حد خوش تھے، باقی بھی دلچسپی سے اس کی سب کے لیے کی گئی شاپنگ دیکھ رہے تھے۔ سب کو اس کی خریدی ہوئی ہر ایک چیز پسند آئی، اس کی پسند ہی ایسی مختلف اور منفرد تھی۔

اس کی اپنی باری تھی، اس نے اپنے لیے خریدی ہوئی خریداری دکھائی تو دادی کے ساتھ ساتھ سب حیران رہ گئے۔ دادی جی تو کچھ سمجھ ہی نہ آیا۔

''ہو، ہاں باجی...... آپ؟ مردوں کی طرح شرٹ پینٹ پہنو گی؟''

''پھر باجی؟ تمہیں کتنی بار کہا ہے مجھے باجی مت کہو۔''

''اچھا سوری۔'' بندگی تو چپ ہی ہو گئی پر دادی شروع تھی، اور ایسے بری طرح سے شروع تھی کہ اب خلاصی مشکل تھی

''شرم ہوتی ہے عورت کا زیور، یوں بے شرموں کی طرح اچھی لگو گی تم؟ ہائے ہائے میں لوگوں کو کیا کہوں گی؟ پہلے سے لوگ پوچھتے رہتے ہیں، بیٹی کی کمائی کا طعنہ دیتے ہیں، پہلے تم بہت اچھے کپڑے پہنتی تھی، جواب یہ سب...... پائنچے ٹخنوں تک، گلے گہرے، بازو غائب، دوپٹہ ناپید۔ اور اب تو دیکھو قمیض کی جگہ شرٹ؟ اور...... شلوار کی جگہ پینٹ۔ لوگ تو تھو تھو کریں گے، میں کیا کیا نا جھوٹ بولتی پھروں گی۔ کیسی کیسی شرمندگی برداشت کروں گی؟''

''دادی! آپ کا دماغ تو اپنی جگہ پر موجود ہے؟ کیسی باتیں کر رہی ہو؟ کپڑے مجھے پہننے ہیں اور بے وجہ شرمندگی آپ برداشت کریں گی؟''

''کیوں، تم کوئی غیر ہو؟ اس گھر کی بیٹی ہو اور میں اس گھر کی بڑی ہوں، لوگ مجھ سے ہی سوال جواب کریں گے نا؟''

''تو نا خبریں لیا کریں نا، دوسروں کے گھروں کی، سب کو ان کے حالات میں خوش رہنے دو، آپ ہر گھر کی چھان بین کرتی ہیں تو ہمارے گھر پر بھی سب کی نظریں ہوتی ہیں۔''

''یہ سب تمہارے کام ہیں۔'' دادی پہلو بدل کر سامنے آئی تھی اور کمر پر ہاتھ ٹکا کر بولے جا رہی تھی۔ ''سب ہی تمہارے کام ہیں۔ تمہاری وجہ سے سب کی نظریں ہمارے گھر پر رہتی ہیں۔ کتنے لڑکے تمہیں بس دیکھنے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔'' دادی لحاظ داری رکھنے کے موڈ میں نہ تھی اور اسے بھی لحاظ و احتیاط کی عادت نہ تھی۔

''تو میں کیا کروں؟ دیکھتے ہیں تو دیکھتے رہیں، مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''شرم کر لو زندگی، شرم کر لو۔''

''کیوں میں کیوں شرم کروں؟ میں تو کسی کو نہیں دیکھتی، وہ شرم کر لیں جو دوسروں کی بہو بیٹیوں کو دیکھتے ہیں۔ شرم کے زمرے میں فقط عورتیں ہی نہیں آتیں، مرد کے لیے بھی شام کے کچھ اصول ہوتے ہیں، پچھ کھاتے مردوں کی شرموں کے بھی کھلتے ہیں۔ یہ کہاں لکھا ہے جس بھی گھر سے عورت باہر نکلے مرد پر فرض ہے کہ اس عورت کو نا دیدوں کی طرح دیکھے۔''

''تو مردوں کو ان کی شرم یاد کروائے گی تو تھک جائے گی؟ اپنی شرم کر لے، ڈھنگ سے گھر سے نکل، سیدھا لباس اختیار کر، اور ایسے خاکے جو تُو نے بنائے ہیں نا ایسے تو مرد ہوتے ہی نہیں۔''

''ہوتے ہیں ایسے مرد ہوتے ہیں، میں نے دیکھے ہیں۔''

''خواب دیکھے ہوں گے لڑکی، خواب۔''

اب وہ کیسے کہہ دیتی کہ دیکھ لو عافی کو ہی، دیکھ لو وہ بھی تو ایک مرد ہے لیکن وہ اپنی شرم کے دائرے میں ہی رہتا ہے نا کہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہے، وہ کیسے کہہ دیتی؟ کیسے دے دیتی عافی کی مثال؟ اس نے چپ رہنا ہی مناسب سمجھا اور اپنے کپڑے سمیٹ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

بندگی اپنی جگہ سہمی ہوئی کھڑی تھی جبکہ چاچی تو مانو کا منا ہی جیسے پوری ہو گئی۔ جو وہ سنا نہیں سکتی تھی زندگی دادی کو سنا دیتی، چاچی کو کیا خوب لگا تھا زندگی نے دادی کو دو ٹوک کہہ دیا۔ وہ دوسروں کو ان کے حالات پہ خوش رہنے نہیں دیتی۔ دل خوش تو ہو گیا تھا، اللہ تیرے دل کی مرادیں پوری کرے زندگی۔

اس نے دل ہی دل میں کہا اور اپنے بچوں کے کپڑے لے کر اسٹار پلس کے ڈرامے دیکھنے چلی آئی۔

دادا جی آج پہلی بار پریشان لگ رہے تھے۔ اسے دادی کی باتوں میں اب جا کے صداقت نظر آنے لگی تھی۔

''اس کی عمر کی تمام لڑکیاں اپنے اپنے گھر بار بسا چکی ہیں لیکن زندگی کا آج تک کوئی رشتہ خاندان سے یا خاندان سے باہر سے نہیں آیا۔''

''وہ اس لیے کہ یہ لوگ مجھے ڈیزرو ہی نہیں کرتے، کوئی میرے لائق ہوگا تو میرے لیے رشتہ بھجوائے گا نا؟ سب کو پتا ہے میں ایسے ویسے کسی انسان سے شادی نہیں کروں گی۔'' اس نے اپنے کمرے سے ہی جواب دیا۔

''تمہارے لیے کوئی شہزادہ ہم کہاں سے ڈھونڈیں گے؟''

''میں خود ڈھونڈ لوں گی۔''

''لو بھئی، حد ہوگئی بے شرمی کی۔ اب لڑکا بھی خود ڈھونڈے گی، ہم تو اس کی شادی میں مہمان ہوں گے اور لوگوں سے پوچھ رہے ہوں گے، ہمارا داماد کون ہے، کہاں ہے، کیا کام کرتا ہے؟''

زیادہ خوش نہ ہوا کریں، میں مہمان بھی نہیں بلواؤں گی، سیدھا کورٹ میرج کروں گی بس۔''

اس بات پر تو دادی نے دوپٹے کا پلو منہ میں دبا دیا، یہ لڑکی کیا کہہ گئی تھی؟ دادا جی سمیت سب سن ہو گئے تھے، چاچا کے بھی نشے پتے اس بات سے اڑ گئے۔ سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو اور وہ خوی سے کمرے کا دروازہ لاک کر کے نئے کپڑے ٹرائے کر رہی تھی۔

❀ ❀

ناول رنگِ حیات کی اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 20 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

قسط نمبر 4

اسے اپنی پسند کے کپڑے پہننے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا، صبح صبح وہ اپنے نئے بیٹ اپ کے ساتھ گھر سے نکلی تھی، آج گھر سے نکلنے پر اسے دادی کی بات یاد آئی۔ ''کتنے لڑکے تمہیں بس دیکھنے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔''

اس نے ادھر ادھر دیکھا، واقعی بہت سے لوگ تھے۔ وہ ایک لڑکے کے پاس آئی اور پوچھا۔

''یہاں کیوں کھڑے ہو؟''

وہ ہڑبڑا سا گیا۔ زندگی کا یہ عمل خلافِ معمول تھا اور غیر متوقع بھی، جیسے کوئی قصہ نا فراموش ہو۔

سب ان کی طرف متوجہ تھے۔ لڑکے کو کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ زندگی کا اعتماد ہی ایسا ہوتا کہ سامنے والے کے اعتماد کی دھجکیاں یوں چٹکیوں میں ہو جاتی۔

''تم صاحبِ روزگار ہو؟''

اس نے الفاظ کی ادائیگی کیے بنا نفی میں سر ہلایا۔ لڑکے کے چہرے پر عجیب سی جھجک اور خوف کے تاثرات تھے۔

''گڈ۔ یہ لو کچھ رقم ایڈوانس۔ اور بھی دوں گی لیکن مجھے یہاں میرے آنے جانے کے اوقات میں کوئی نظر نہ آئے اور اگر مجھے یہاں کوئی نظر آیا تو میں ہراسمنٹ کا کیس درج کروا دوں گی۔ یہ دو، دو ٹکے کے لوگ جب خود کچھ کر نہیں پاتے، وہ دوسروں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ اگر کوئی مرد پڑھ لکھ کر آگے بڑھ جاتا ہے تو وہ مثال بن جاتا ہے لیکن اگر کوئی عورت آگے بڑھ جائے تو اس کے کردار پر حملہ کرتے ہیں تا کہ اڑان بھرنے والی لڑکیاں زمین پر آن گر جائیں۔'' اس نے باآواز بلند کہا۔ سب ادھر

سے اُدھر ہونے لگے۔

''سمجھے تم۔''

''ہاں، ہاں۔''

لکے کو پتا نہ تھا، اس نے بتایا تھا کہ پوچھا تھا۔ بس ہاں کہہ دیا، اس کی تو حواس باختگی دیکھ کر کچھ پلے نہ پڑ رہا تھا۔ زندگی کو اتنے قریب سے دیکھنا اور اس سے مخاطب ہونا کیا کم تھا کہ اس نے اس دیوانے کو کام بھی دے دیا تھا۔ لوگوں کو اس کیگھر سے دور رکھنے کا۔

''چلو، اماں کو اب کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔''

سارے محلے میں بات پھیل گئی تھی۔ اب ان کے گھر کے باہر لڑکے کھڑے نہ ہوتے تھے۔ یوں بھی وقت کون ضائع کرتا، زندگی کو پانا ایک آس تھی جو آس ہی رہتی۔ ایسی اڑان بھرنے والیوں کو دیکھا تو جا سکتا تھا لیکن ان کی اڑان کے ساتھ اڑان کون ملا سکتا تھا؟ سب سمجھ دار تھے اور سمجھ سکتے تھے۔ ایسی لڑکیاں قدم سے قدم ملانے والوں کو چنتی ہیں یا پھر ان افراد کو جوان سے بھی ایک دو قدم آگے چلتے ہوں۔

یہی وجہ تھی اب تک اس کے لیے کوئی رشتہ نہ آیا تھا جبکہ بندگی کے لیے رشتے لے آنے والی خواتین کو دادی چائے پلا پلا کے تھک گئی تھی۔

☆......☆......☆

چار موسم ہم سب نے دیکھے ہیں، اس کے علاوہ بھی موسمی اقسام کا ہم سب ہی کو علم ہے۔ ہم سب دھوپ کو، سردی کی دھوپ کو، گرمی کی دھوپ کو، یخ باری، تاروں کی سنگت، بادلوں کی موجودگی، بارش کا شور، برف باریاں، اولے باری، ٹھنڈی ہوائیں وغیرہ......ہم سب دیکھ چکے ہیں لیکن ایک موسم عشق آمیز موسم ہوتا ہے۔

ایسے موسم میں دلوں میں بسنے والے دل کی گہرائیوں سے نکل کر بھی یاد آتے ہیں۔ بھول جائیں تو بھی یاد آتے ہیں، کسی پیارے کو بلانا چاہیں اور کامیابی بھی حاصل کر لیں تب بھی یاد آتے ہیں، غرض کہ بھولے بسرے ہم نوا، دماغوں کے کوزوں میں بند کیے ہوئے پیاروں پر بھی پیار آنے لگتا ہے۔

اور ایسے موسم ہوتے ہیں۔ سچ میں ہوتے ہیں۔
دل میں بھولی بسری محبت یاد آنے لگے تو سمجھو یہ موسم آگیا ہے۔ آج بھی کچھ ایسا ہی موسم تھا۔
"عشق آمیز۔"
اس موسم کے زیر اثر دادی کا بھی موڈ اچھا تھا۔ آج چاچا، چاچی بھی لڑتے دکھائی نہ دے رہے تھے بلکہ آج تو چاچا بائیک چلا رہا تھا اور چاچی ان کے ساتھ بائیک پر بیٹھی تھی۔ وہ دونوں ذرا گھومنے جا رہے تھے۔
عافی کے دل کا عالم بھی آج کچھ عجیب سا تھا، ٹیوشن پڑھانے کے وقت آج اسے بندگی کی کمی شدید محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے نوٹی کو بھجوایا تھا کچن میں۔
نوٹی کے کچن میں آتے ہی بندگی نے کہا۔ "آج چاچی کہیں باہر گئی ہے۔ فریج لاک ہے، دودھ نہیں ہے، میں چائے نہیں بنا سکتی۔"
نوٹی نے سیم ٹو سیم بات کاپی کر کے عافی کے سماعتوں تک پہنچا دی۔ اسے چائے کا انتظار کہاں تھا، اسے تو بندگی کا انتظار تھا؟ اس نے نوٹی کو پھر بھجوایا اور کہا۔ "گرین ٹی چلے گی۔"
وہ تھوڑی ہی دیر کے بعد گرین ٹی لیے اس کے سامنے تھی۔ وہ اس کی مطیع داری دیکھ کر اور بھی خوش ہو گیا۔ کتنا خوش نصیب تھا وہ کہ اس پر اس مہربان لڑکی نے اپنی محبت کی مہر کر رکھی تھی۔ اس نے عافی کو چائے کی پیالی پیش کی اور اپنی چائے ذرا سے فاصلے پر بیٹھ کر پینے لگی۔ عافی اسے ہی دیکھ رہا تھا کہ نوٹی نے نوٹنکی شروع کی۔
"مجھے چھوٹی دونا سر، میرا پیٹ دکھ رہا ہے۔"
"یہ شاکالاکا بھوم بھوم' چلنے کے وقت ہی تمہارا پیٹ کیوں دکھتا ہے۔ سب کو اسٹار پلس کے ڈراموں نے نکما کر دیا ہے۔"
"نہیں سچی۔ میرا پیٹ بہت دکھ رہا ہے سر۔" اس نے درد سے حقیقی معنوں میں ناٹک کیا کہ بندگی چائے چھوڑ کر اس کے پاس آئی۔ اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور عافی سے کہا۔

”عافی! چھٹی دے دو اسے۔ اس کے پیٹ میں درد ہے۔“
عافی نے بندگی کی جانب گہری نظروں سے دیکھا اور کہا۔
”ٹھیک ہے، تمہاری چھٹی ہوگئی، تم جاؤ۔“
”میں کب سے کہہ رہا ہوں لیکن بندگی آپی نے صرف ایک بار کہا اور آپ مان گئے۔“
عافی اس کی بات سن کر مسکرایا اور بندگی کی جانب ہی دیکھتے ہوئے پیار سے کہا:
”اس کی ہر بات ماننی پڑتی ہے۔“
کچھ تو موسم کا اثر تھا۔ اس کے علاوہ عافی کی بات اور اس کی بظاہر خاموش لیکن چیختی شور مچاتی آنکھوں کو دیکھ کر وہ جس جگہ کھڑی تھی اسی جگہ ٹھہر گئی۔
عافی نے سب بچوں کو چھٹی دی اور اس کی جانب آ کر پوچھا۔ ”کچھ اور بندگی؟“
بندگی نے ناسمجھی اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اس کی جانب ذرا سا دیکھا ہی تھا کہ نوٹی بھاگتے ہوئے واپس آ گیا۔
”سر، سر!“ اس کی سانس پھول رہی تھی۔ ”آپ پاس ہو گئے۔ ٹیچر نے کہا ہے آپ پاس ہو گئے ہیں۔“ وہ زندگی کو اب بھی ٹیچر کہتا تھا۔
عافی اور بندگی نے ایک دوسرے کو لمحے بھر کو دیکھا اور ٹی وی لاؤنج کی طرف چلے آئے جہاں دادا جی اسے بائیں پھیلائے فخر سے اس کے استقبال کے لیے کھڑے تھے۔
”مبارک ہو عافی، تم نے بالآخر خود کو ثابت کر دیا۔ جیتے رہو، جیتے رہو۔“
”واقعی، پہلی ہی بار میں سی ایس ایس پاس کرنا بہت بڑی بات ہے۔ مبارک ہو تمہیں۔“ یہ زندگی تھی اور آج پہلی بار اس سے اس انداز میں بات کر رہی تھی۔
”ارے عافی تو ہمیشہ پاس ہوتا ہے، لیکن تم سب آج اتنا خوش کیوں ہو؟ نوکری لگ گئی کیا عافی کی؟“ دادی اماں ذرا حیران تھی۔
”بس یہی سمجھو۔“ دادا جی نے اس کی پیٹھ تھپتھپا کے کہا۔

''لیکن ابھی ایک اور مرحلہ رہتا ہے دادا جی۔'' زندگی نے یاد دلوایا۔

''ارے جب پہلا مرحلہ پاس ہو گیا تو دوسرا بھی پاس ہو جائے گا۔ ہمارا عافی بہت محنتی ہے۔''

دادا جی نے پھر سے اسے گلے سے لگایا اور دعا دی۔ وہ اسی انداز سے بندگی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اب اسے پانا اتنا مشکل نہ رہا تھا۔ وہ اسے پا کے ہی رہے گا۔ اس نے من ہی من میں طے کر لیا۔ موسم کے اثرات کے ساتھ ساتھ اب دل کے طے شدہ ارادے بھی اس کی نظروں میں سما آئے تھے۔ بندگی نے شرما کے نظریں جھکا لیں۔ محبت کرنے کا معاملہ اپنے ہی دل کے ساتھ طے ہوتا ہے لیکن اظہار کا مرحلہ اپنی ذات سے باہر اپنے دل کی بات کی گونج سننا ہوتا ہے۔ اس کے تو رونگٹے ہی جیسے کھڑے ہو گئے، جسم کا سارا بہتا خون جیسے منجمد ہو گیا۔

وہ ایک بات، وہی ایک بات جس کے گرد اس کی کل ہستی گردش کرتی تھی، وہ بات بس بات نہ ہی تھی۔ عافی مان چکا تھا کہ اسے عافی سے محبت تھی۔

یا اللہ...... اس کے دل میں جیسے صدیوں کا اضطراب اتر آیا۔ اس نے اس اضطراب کے عالم میں اپنی معصوم محبت کی دعا مانگی اور وہاں سے کچن میں چلی آئی۔ چاچی اب آ چکی تھی اسے سب کے لیے چائے بنانی تھی۔ دل اب بھی دھڑک رہا تھا لیکن اسے اب بھی خود کو بھرم میں پرونے کی عادت تھی۔ نہیں کافی؟ عافی نہیں جانتا ہو گا۔ وہ نہیں جا سکتا تھا۔ جو اس نے محسوس کیا وہ اس کا وہم ہو گا۔

ہاں وہم ہی ہو گا لیکن اگر کبھی عافی جان لے کہ وہ اس کی جان کا ٹکڑا سا ہے تو......؟

تو وہ تو اپنی جان سے جائے گی۔ پکا...... اس نے چائے کپوں میں ڈالتے ہوئے سوچا۔

☆......☆......☆

دادا جی اس کے پاس ہونے کے بعد سینہ پھلائے پھرتے تھے۔ سب سے عافی کی تعریفیں کرتے نہ تھکتے تھے۔ دادی کا مزاج تو برسوں پہلے ہی چاچا سے مایوس ہونے کے بعد عافی کے ساتھ پیوستہ ہو گیا تھا۔ پہلے اسے لگتا، دادا جی نے مصیبت پال لی لیکن اب لگتا جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے۔ ایک قابل بیٹا بھری جوانی میں خدا کو پیارا ہو گیا اور دوجے نے نشے پتے سے پیار کر لیا۔ اب ان کے بڑھاپے کا

سہارا عافی ہی تھا۔وہ برسوں پہلے یہ سمجھ چکی تھی لیکن کبھی جتایا نہ تھا۔اب تو عافی کے پاس ہونے کے بعد وہ جتا بھی لیتی اور عافی کو خوب دعائیں دیتی۔عافی بھی ان کے ساتھ وقت گزار کر خوش ہوتا۔

ذرا ذرا سی ترقی نا جانے کتنے ادھڑے ہوئے رویوں کو بھر آتی ہے۔اب تو چاچی کے رویے میں بھی سکون کی آمیزش سی تھی۔وہ بے وجہ عافی کو تنگ نہ کرتی اور اب عافی اچھی طرح سے انٹریو کی تیاری کر سکتا تھا۔اس نے ٹیوشن کے کمائے ہوئے پیسوں سے ایک سادہ بٹن والا موبائل بھی خریدا۔ اب تو دوستوں کے بھی دل خوش کرنے والے میسجز آتے۔

''واؤ عافی بسٹ آف لک۔تم نے کر دکھایا۔مجھے تم پر فخر ہے۔مبارک ہو۔پارٹی کب دے گا؟ تو تو چھپا رستم نکلا۔اتنا بڑا امتحان پاس کر لیا۔''

وہ بہت خوش تھا اور آگے کامیابی حاصل کرنے کے لیے دن رات محنت کر رہا تھا،لیکن جس کے لیے وہ اتنی محنت کر رہا تھا آج کل وہ ذرا احتاط محتاط سی رہتی۔اب سردیاں زور بھر آئی تھیں،بچوں کی بھی چھٹیاں چل رہی تھیں۔راحت اور نصرت گھر میں ہی ہوتے۔اور اب ان کے ذریعے عافی کا خیال رکھا جاتا تھا۔عافی کے نزدیک ذرا مصروف رہنے کی اداکاری بھی کی جاتی تھی۔

وہ سوچتا وہ اسے بتا ہی دے کہ اس کے آگے اس کی اداکاری بس صفر تھی۔زیرو۔اس کا دل عافی کے دل سے منسلک ہو چکا تھا۔محبت کا یہ مقام جب دل کسی سے اس قدر منسلک ہو جائے تو پھر دل سے دل کی باتیں چھپائے نہیں چھپتیں۔

☆......☆......☆

ایک تو انٹرویو کی ٹینشن اور یہ سگھڑ بندگی۔

کبھی کبھی زندگی سے عافی متفق سا نظر آتا۔کیا ضرورت ہے بندگی کو گھر داری میں طرا گاڑنے کی؟ سلیقہ مندی کی مثال بننے کی؟ آج اس کا بہت ہی بڑے،عزت دار،امیر اور پڑھے لکھے لڑکے کا رشتہ آیا تھا۔

سب اس کی قسمت پر ناز کر رہے تھے لیکن کوئی عافی سے پوچھے اس کے دل پر کیا بیت رہی تھی۔

وہ خاندان، وہ گھرانہ اور وہ لڑکا سب دیکھا بھالا تھا تو کوئی عافی سے کیوں پوچھتا؟

آج زندگی کا باربی کیوں کا پلان تھا۔ چاچی نے بڑی بڑی لکڑیوں کو کاٹنے کو کہا تھا لیکن وہ لکڑی کاٹ نہیں رہا تھا بلکہ اس کے ہاتھوں سے ننھی منی لکڑیاں جیسے پھل رہی تھیں۔ اور وہ اس سردی میں موسم کی تاب کو نظر انداز کیے، بنا شرٹ کے لکڑی کے ٹکڑوں پر کلہاڑی برسا رہا تھا۔ لڑکے کی ماں دادی کے پاس بیٹھی تھی۔ نہ جہیز کی لالچی تھی نہ تو کچھ مانگتی تھی۔

بندگی اداس سی اپنے کمرے میں بیٹھی دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہی تھی۔ اس کا اللہ تو اس کے دل کی جانتا تھا نا تو کیسے نہ سنتا؟

''اچھا چلتی ہوں کل آؤں گی تو منہ میٹھا کر کے جاؤں گی۔''

''ان شاءاللہ۔'' دادا اور دادی نے یکساں کہا اور انہیں باعزت گیٹ تک چھوڑ آئے۔ وہ گئی ہی تھی کہ چاچے نے نشے میں انٹری ماری۔ دادا جی کا تو اسے اس حالت میں دیکھ کر موڈ ہی خراب ہو گیا۔ چاچے کو دیکھتے ہی چاچی بے ساختہ ہو گئی۔

''اس وقت ہی آنا تھا ذرا بعد میں آجاتے۔ اب کیا سوچے گی بندگی کی ہونیوالی ساس۔''

''بندگی کی ساس، ہماری بندگی؟'' چاچے نے نشے میں پوچھا۔

''ہاں۔''

''بس تو پھوٹی قسمت میری بھتیجی کی۔''

سب کو چاچے کی بات سخت ناگوار گزری۔ ابھی تک تو بات پکی نہ ہوئی تھی اور اس نشئی چاچے کی نشے میں کی ہوئی باتیں۔ سب کو غصہ آ گیا۔

''نحوست نہیں پھیلا رہا۔ نشے میں ہوں تو اپنے نشے کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ لڑکے کے چکر ہیں۔'' اس نے پوشیدہ انداز میں کہا۔

''ہاں۔ مان لی ہم نے تیری نشے میں کی ہوئی بات۔'' دادی جی نے منہ بنا کے کہا تو چاچے نے نوے کی دہائی کے کسی فلمی شرابی ہیرو کی طرح ڈائیلاگ مارے۔

''ہاں ہوں میں نشے میں۔'' وہ لڑکھڑا رہا تھا۔''ہاں ہوں میں نشےمیں لیکن پھر بھی یاد ہے مجھے بندگی......بندگی......میری بندگی۔''

وہ چاچے کے اس طرح پکارنے پر اپنے اور چاچی کے بچوں کے مشترکہ کمرے سے باہر نکل آئی۔ وہ اس تیزی سے باہر نکلی کہ بچوں کے لوہے کے بنے بنکر بیڈ سے ٹکرائی۔ اسے خدا پر بھروسہ تھا۔ جس کا ایمان پکا ہو وہ یوں ہی دیوانے ہو کر بھاگتے ہیں۔ اس نے ایک بار بھی نہ سوچا، چاچا موالی ہے۔ اس کی کون سنے گا؟ وہ جانتی تھی جب خدا کی مرضی ہو تو چاچا تو کیا بے آوازوں کی آواز بھی کانوں میں پڑ جاتی ہے۔ چھپے ہوئے، دبے ہوئے بھی نظر آ جاتے ہیں۔ وہ اپنی چوٹ کو نظر انداز کر کے چاچے کے سامنے آئی۔

''میری بندگی میرے بھائی کی امانت ہے۔ نشے والے نشہ کر کے کہاں خوش ہوتے ہیں؟ کسی کو پتا نہیں لیکن نشئی بھی نشہ چھوٹنے کی دعا مانگتے ہیں۔ جب ہماری دعا پوری نہیں ہوتی تو ہماری زبان صادق ہو جاتی ہے۔ میں سچ کہتا ہوں۔ یہ رشتہ نہیں ہو سکتا۔ یہ رشتہ میں ہونے نہیں دوں گا۔''

عافی کے کانوں پر بھی چاچے کی باتیں پڑیں۔ لکڑیاں کچلتے اس کے ہاتھ جیسے تھم گئے۔ وہ شل سا لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ غصہ تھا۔ بے بسی تھی، اکتاہٹ سی تھی۔ اسے اب بھی سردی کا کوئی احساس نہ ہوا تھا۔ وہ بس پرانے ٹائر پر شل سا بیٹھا چاچے کی باتیں سن رہا تھا۔

''بندگی! میں نشے میں ہوں لیکن اگر میں تم سے ایک بات کہوں تو مانو گی؟'' چاچے کے پاس شراب کی بو وافر مقدار میں تھی۔ گو کہ وہ بندگی تھی۔ نشے کی لت بعض اوقات نشہ آور شخص کی مجبوری ہوتی ہے۔ اس لیے بندگی کبھی اپنے چاچے سے کراہٹ محسوس نہ کرتی۔

''تم مانو گی نا؟ تم میری بھتیجی ہو؟ میرے بھائی...... بڑے بھائی...... کی...... کی...... کی امانت......'' وہ گرنے لگا۔

''چاچا!'' بندگی نے اسے سنبھالا۔

''ارے کیا اس نشئی کا ڈرامہ دیکھ رہے ہو؟ لے جاؤ اسے اس کے کمرے میں۔'' دادی نے زچ

ہو کے کہا۔

''اماں! پچھتائے گی تُو......پچھتائے گی۔''

وہ لڑھکتا ہوا کہتا چلا گیا۔ یہ سچ تھا یا چاچے کی پھیلائی نحوست؟ مگر دل تو سب کا باز آ چکا تھا۔ اس رشتے سے محتاط ہو چکا تھا۔

عافی نے خلاؤں میں کہیں جھانکا تھا۔ بندگی نے شکرانے کے نفل پڑھنے کی ٹھانی تھی۔ سب کے چہرے پر آتی خوشی کے جانے کی پرچھائیاں تھیں۔ لیکن وہ دن ''دل ہی دل میں مسکراتے تھے، یہ فتح عشق تھی، اسے عاشق مناتے ہیں، اس فتح میں عشق رنگ بھرتا ہے۔ دل جھوم جھوم جاتا ہے۔ اور انسان دل کے ہاتھوں مگن ہو کر رہ جاتا ہے۔

ہم سب اس دنیا کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ چاہیے نہ چاہیے یہ رگ ہم پر چڑھ ہی جاتے ہیں۔ محبت بھی اس دنیا کا ایک عنصر ہے۔ اس دنیا میں آتے ہی ہم اس دنیا کے پھندوں، دھندوں میں پھنس جاتے ہیں۔ اس دنیا کے رازوں میں ایک رازِ محبت ہے۔ مانو کہ ایک طلسم جو کئی بار خود کو کھونے کا سبب بنتا ہے تو کئی بار خود کو خودی سے متعارف کرواتا ہے۔

☆......☆......☆

سردیوں کی چھٹیوں کی وجہ سے ٹیوشن کے بچوں کی تعداد ذرا کم ہوئی تھی اور جوان کے سلے بس کا بوجھ تھا وہ بھی نہ رہا تھا۔ اب وہ بس اپنی اپنی کمزوریوں پر عبور حاصل کرنے اور رائٹنگ درست کرنے آیا کرتے تھے۔ عافی کے پاس ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے ٹیوشن کی ویلیو بھی بڑھ گئی تھی۔ اسے چھٹیوں میں بھی منہ مانگی رقم دی جاتی اور نوٹی کی ماں نے تو اس کی بہتر کارکردگی کی وجہ سے دگنی فیس دینے کا وعدہ کر لیا تھا۔

اس کے پاس اب کافی رقم جمع ہو گئی تھی جو اس نے سنبھال کر رکھی تھی۔ وہ جس دن کامیاب ہو گا اسی دن بندگی کا ہاتھ دادا جی سے مانگ لے گا، اسے یقین تھا دادا جی نا نہیں کریں گے۔ اگر کریں گے تو وہ گڑگڑا کر اسے مانگ لے گا۔ اس نے تمام رقم سنبھال کر رکھی تھی۔ وہ اپنی شادی کا خرچہ خود کر سکتا تھا۔ ہاں وہ بندگی کو زیادہ مہنگا لباسِ عروسی نہ دے سکتا تھا۔ پر اس کی بندگی کو اس سب کی ضرورت ہی کیا تھی وہ

تو سادگی میں بھی حسن کا پیکر لگتی۔ اور پھر اتنی عبادت گزار تھی کہ اس کے چہرے پر نور ہی نور تھا۔

وہ اس نومولود صبح میں اسی کے متعلق سوچ رہا تھا کہ ایک آہٹ سی کچن کی طرف سے آئی۔ اس نے کتاب کو ایک جانب رکھا اور مڑ کر دیکھا۔ وہ کچن میں نہیں تھی بلکہ کچن سے باہر کی طرف آ کر اسی کی ہی جانب بے اختیاری دیکھ رہی تھی۔ عافی کے اس پرانے خطے میں اس وقت زرد رنگ کا بلب اپنی زرد روشنی کے ساتھ جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ اسے اس شدتِ بے ساختگی سے اپنی طرف متوجہ پا کر، اس کے خوشگوار خیالات کی تازگی مٹھاس میں بدل گئی۔

وہ صبح جلدی اٹھتی تھی نماز کے لیے۔

لیکن آج بہت ہی پہلے بیدار ہوئی تھی۔ اتنے دنوں سے اس نے عافی کو نہ دیکھا تھا۔ وہ بے قرار سی دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر دبے پاؤں چلی آئی تھی اور اب عافی کو اپنے سامنے پا کر ہڑبڑا سی گئی تھی۔

وہ دونوں بازو سینے پہ لپیٹ کر اس سے شرارتاً پوچھ رہا تھا۔

''تم یہاں؟ تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟''

اس کے اس سوال پر وہ جیسے بے خبروں کی دنیا سے نکل کر اپنی اس کشش ثقل والی دنیا میں داخل ہوئی اور اب جواب ڈھونڈنے لگی تھی۔

وہ میں...... میں...... اف اس سے تو بہانے بھی نہ بن پاتے تھے۔ وقت آنے پر اکثر میں، میں کرتی اور جب وقت کٹ جاتا تو سوچتی رہتی، یہ کہہ دیتی، وہ کہہ دیتی، کاش کچھ تو کہہ دیتی، پتا نہیں کافی کیا سوچتا ہوگا؟ کہہ دیتی تارے دیکھ رہی ہوں، موسم دیکھ رہی ہوں۔ کچھ تو کہتی۔

''اچھا چلو چائے بنا لو میرے لیے۔''

وہ چپ تھی تو اس کی مشکل عافی نے ہی حل کر دی۔

''ٹھیک ہے۔'' وہ کچن میں چلی آئی۔ وہ اپنی اس حرکت پر اب خود کو ہی کوس رہی تھی۔

عافی نے اسے اندر بھیج کر اچھا نہیں کیا۔ وہ کچن میں چلی گئی تو عافی نے سوچا۔ آج کتنے دنوں بعد وہ اس کے سامنے آئی تھی، اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، وہ بنا سوچے سمجھے کچن کی جانب بڑھنے لگا۔

وہ فریج سے دودھ لینے آئی تھی کہ عافی کو یوں اس طرح اپنے عین مقابل پا کر ذرا بوکھلا سی گئی۔ اس بوکھلاہٹ میں اس کے قدم لڑکھڑائے اور وہ لگ بھگ کرنے ہی لگتی تھی کہ عافی نے اسے تھام لیا۔

عافی اس کے اس قدر قریب تھا کہ وہ اس کا لمس اپنے بازوؤں پر محسوس کر سکتی تھی۔ وہ اور زیادہ گھبرا گئی۔

فوراً سیدھی ہوئی اپنے پیر سے پھسلی ہوئی چپل پہنی، اپنا دوپٹہ درست کیا اور رخ بدل لیا۔ اس کا تنفس بے حد تیز تھا۔ آنکھیں گھبراہٹ اور ہتک کا شکار لگتی تھی، اس لیے پلکیں پھدکتی تھیں، نظریں تڑپتی تھیں۔

عافی نے بات سنبھال لی اور کہا۔ ”چائے میں چینی ذرا زیادہ ڈالنا۔“

اس نے یہی کہا اور کیا کہتا کہ اس کی کشش اسے کچن کی جانب کھینچ آئی تھی۔

اس نے اسے دیکھے بنا ٹھیک ہے کہا اور جلدی جلدی پین چولہے پر رکھا۔ عافی کچن سے باہر چلا آیا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ صحیح وقت پر کچن میں پہنچا تھا ورنہ وہ گر جاتی اور وہ کیا کچھ کھو دیتا۔ یہ وہ لمحہ کھو دیتا۔ یہ لمحہ لازوال تھا یادوں کی بارات میں اس لمحے نے جیسے امرس پی لیا ہو اور سدا سدا کے لیے یادداشتوں میں امر ہو گیا ہو۔ ہماری زندگیوں میں ایسے کئی لمحے ہوتے ہیں جنہوں نے امرس پی لیا ہوتا ہے کہ زندگیاں مرکھپ جاتی ہیں لیکن یہ لمحے سدا کے لیے پوری نزاکت اپنے پورے جوبن کے ساتھ ہمارے ذہنوں میں، ہماری یادوں میں یاد رہ جاتے ہیں۔

آہ! وہ اس لمحے ایک دوجے کے پاس، بہت پاس تھے۔

گھر کی فضا میں اب گرما گرم جوش بھرتی چائے کی خوشبو سمانے لگی تھی۔ عافی ن اس خوشبو کو جیسے گہرائیوں میں اتارا ہو۔ یہ خوشبو اسے اپنی اپنی سی لگتی۔ جن کا کوئی نہیں ہوتا وہ یوں ہی کئی چیزوں کو اپنا بنا کر رکھتے ہیں۔ اور پھر اس خوشبو سے تو کبھی نہ ٹوٹنے والا تعلق جوڑنے والا تھا۔ وہ پر اعتماد تھا۔ بندگی اس کی ہی تھی بس۔ اس اعتماد نے جہاں امید کے نئے در کھولے تھے وہاں دل کے بھید بھی دل ہی دل میں مچلتے تھے۔ وہ چائے لا رہی تھی۔

اس کے خود کی جانب بڑھتے قدموں کی چاپ اسے، اس کی عمر بھر کی تنہائیاں بھلا لیتی۔ وہ

ٹرے میں دو کپ رکھ کے آئی تھی۔

''کون سا کپ میرا ہے؟''

''کوئی بھی اٹھالو۔''

''میں نے شکر زیادہ ڈالنے کو کہا تھا۔''

''ہاں تو شکر زیادہ ڈالی ہے۔''

وہ اس کی بات سن کے مسکرایا اور کہا۔

''یعنی دونوں کپوں میں میٹھی چائے ہے؟''

اس نے معصومیت سے ''ہاں'' کہا تو عافی کی جیسے روح ہی کھنچ آئی۔ وہ بے صبری میں اس کی طرف کچھ قدم بڑھ آیا اور پوچھا۔

''اب اس سے دل کی بات دل میں دبائی نہ جاتی تھی اس لیے پوچھ بیٹھا۔

''دونوں کپوں میں میٹھی چائے ہے۔ یعنی تمہاری اور میری پسند ایک ہے۔ یا پھر جو میری پسند ہے وہی تمہاری پسند ہے؟''

بندگی اس کے سوال پر حیران رہ گئی۔ اس کی آنکھوں میں غضب کی شرارت تھی، اس سے عافی کی آنکھوں میں دیکھا نہ گیا اور وہ پھر سے اپنا سوال دہرانے لگا۔ بتاؤ نا بندگی کیا میری پسند تمہاری پسند بھی ہے؟''

وہ کیا کہتی۔ عافی کا انداز، اس کی آنکھیں، اس کا لہجہ۔ اسے کچھ سمجھ نہ آیا سوائے وہاں سے بھاگنے کے۔ پر اس نے آج اسے بھاگنے نہ دینا تھا۔ عافی نے اس کا ہاتھ تھام کے اسے روک لیا۔

''عافی! ہاتھ چھوڑو میرا۔'' اس کے لہجے میں التجائیں سموآئیں۔

''کیوں نہیں چھوڑو گے؟'' وہ گھبرا گئی تھی۔

''کیونکہ اب تمہارے ساتھ چائے پینے کی عادت سی ہوگئی ہے۔ یہاں بیٹھ جاؤ بندگی۔''

وہ عافی کی جانب دیکھے بنا ہی وہاں ذرا سے فاصلے پر ایک پرانے صندوق پر بیٹھی اور گرم گرم

چائے ایک ہی گھونٹ میں گھٹک کر وہاں سے بھاگ نکلی۔ آج اس نے کپ پرانی بیٹھک میں چھوڑ دیئے تھے۔

عافی نے مسکرا کر دل کی بے تابی کی گواہی میں سر دیوار سے ٹکا کر بے اختیار اسے خود کو سوچا۔

☆......☆......☆

عافی سے اس کی محبت، محبت نہ ہو جیسے کوئی عقیدت ہو، عبادت ہو۔ وہ سمجھتا تھا اسے۔

بس ذرا سی مجبوریاں تھیں۔ پر وہ پر اعتماد تھا۔ اسے بہت جلدی تھی کامیاب ہونے کی۔ ایک مدت ہو گی کہ اس نے سن رکھا تھا۔

یہ اس کی ماں ہے اور عافی اس کا بیٹا۔ اس کا اس کی ماں کے سوا کوئی نہ تھا اور ماں کے جانے کے بعد کبھی کسی نے اسے کسی کا اپنا نہ کہہ کے پکارا تھا۔ وہ تو کسی کے دور دور کا بھی کوئی رشتے دار نہ تھا۔ نہ آگے کا کچھ پتا تھا نہ کوئی جان پہچان والا تھا۔ وہ تنہا تھا بس تنہا۔

لیکن بہت جلد بندگی کو لوگ اس کے حوالے سے جاننے لگے۔ وہ عافی کی مس از ہو گی اور عافی اس کا مسٹر۔ کس قدر دل کو گدگدانے والا احساس تھا یہ؟ وہ رہ رہ کے لب کشیدہ کر لیتا تھا، ذرا ذرا مسکرا لیتا۔

اور بندگی آج کل نانا، ہاں ہاں کی سی کیفیت میں رہتی۔

اب تو کچھ تھا اس کے اور عافی کے درمیان۔ لیکن کیا ایک دن کبھی کچھ نہ ہو گا؟ عافی بدل گیا تھا کہیں وہ سب جان تو نہیں گیا تھا اور اگر وہ جان گیا تھا تو کبھی نہ کبھی تو اس سے سچ پوچھ لے گا تو وہ کیا کرے گی؟ کیا صاف صاف مکر جائے گی؟ ہاں وہ ایسا ہی کرے گی۔ لیکن اگر اس نے اپنی قسم دے کے سچ کہنے کو کہا تو؟ کیا وہ اس بندہ پرور کی جھوٹ قسم کھا لے گی؟

نہیں نہیں کبھی نہیں۔

تو کیا اس کے دل کی گہرائیوں میں موجود سب ہی راز ایک دن افشاں ہو جائیں گے؟ وہ ذرا ذرا سی خوش، ذرا سی حیران اور ذرا ذرا سی گھبرانے لگی۔ دل کی باتوں کو دل سے نکال کر کسی اور دل تک رسائی مہیا کرنا بڑا ہی کٹھن ہے۔ محبت کرو یا انا کرو لیکن خود سے محبت کرنے والے کا احترام ضرور کرنا چاہیے۔ اس

مطلق اس کی سوچ بے پرواتھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی عافی اس کی محبت کا بھرم رکھ لے گا۔
پہلے اسے بس ایک خدا پر بھروسہ تھا۔ اور جتنا اس خدا پر بھروسہ تھا۔ اب اتنا ہی بھروسہ عافی پر ہونے لگا تھا، اپنی محبت پر ہونے لگا تھا۔

☆......☆......☆

زندگی آج پھر سے شاپنگ کر آئی تھی سب گھر والوں کے لیے۔
اپنے لیے شاپنگ کرنے والا بیگ اس نے دادی سے بچا کر رکھا تھا لیکن وہ بھی زندگی کی ہی دادی تھی، فوراً بہا پھڑلی پوتی کی اور بیگ الٹا دیا جس میں سے ایک بلیو جینز نکلی جو کہ دادی کے نزدیک ایک گھٹنوں سے پھٹی تھی اور ایک سفید شرٹ جو کہ آف شولڈر تھی۔
''دادی! اب شروع مت ہونا۔ اور کے۔''
''کیسے چپ رہوں؟ پہلے اس کا دوپٹہ گیا، چل کریں اور آرام سے سوچیں میرا کیا ہوگا؟''
''اب میں چلی۔'' وہ آزاد خیال کہاں کسی کی باتوں کی گرفت میں آتی تھی۔
وہ تو چلی گئی لیکن دادی سوچ میں پڑگئی۔ کون اسے اس حال میں اپنے گھر لے جائے گا۔ زندگی کے لچھن اور دادی کے سوالوں نے اب سب کو سوچنے پر مجبور کیا تھا کہ اب اس کا ہوگا کیا؟ کم از کم یہ ہمارے معاشرے میں تو گھر نہیں بسا پائے گی۔
اونچی اڑان اڑنے والے ہم سفر بھی اپنے ساتھ اڑنے والے چنتے ہیں یا پھر ان سے بھی آگے، تیز تیز قدم چلنے والے۔ ایسا کوئی ادادی کی نظر میں نہ تھا۔ سب پریشان تھے اور اس پریشان عالم میں بندگی نے وہی کیا جو وہ کیا کرتی تھی اس نے دعائیں مانگنا شروع کیں۔
''یا اللہ! میری زندگی باجی کے نصیب اچھے کرنا، یا اللہ اسے ایک اچھا، شریف اور نیک شریک حیات عطا کرنا، اس کے بھاگ کھول دیں میرے اللہ، ان کا ہم سفر بالکل ایسا ہو جیسا وہ چاہتی ہیں، وہ باجی کی ہر بات مانے، انہیں کبھی نہ ٹوکے۔ یا اللہ۔''
''بندگی آپی!'' نصرت اور راحت نے اسے پکارا۔

''یا اللہ! انہیں باجی کی کوئی بات بری نہ لگے۔''

''بس کریں نا آپی۔ ہم آمین آمین کہہ کہہ کر تھک گئے۔'' بچوں کے پکارنے پر اس نے آنکھیں کھولیں اور باآواز بلند دعا مانگنا بند کیا، لیکن دل ہی دل میں وہ اپنی باجی کے بہتر مستقبل اور اچھے جیون ساتھی کی دعائیں دل سے مانگتی رہی۔

وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ دربارِ اعلیٰ میں اس کی دعا اپنی باجی کے لیے ہی مانگنے کی دیری تھی۔ اس کی دعا مانگتے ہی اس کی قسمت کے در نیم وا کھلتے کھلتے کھلنے ہی والے تھے۔ نا جانے کون سی مراد کب بھر آئے؟ نا جانے کون سی مانگی گئی ہماری دعا کس طور سے قبول فرما دی جائے۔

☆......☆......☆

دیکھ سکتا ہے بھلا کون یہ پیارے آنسو
میری آنکھوں میں اتر آئے یہ تمہارے آنسو

زندگی آج بار بار احمد جہانزیب جی کا یہ سونگ آگے پیچھے کر رہی تھی۔ وہ گھر میں ہوتی تو احمد جہانزیب کے نغمے گھر کی فضا میں موتیوں کی مانند پروئے ہوئے محسوس ہوتے۔ وہ ایک ہی سونگ کو نا جانے کتنی بار آگے پیچھے کر کے سنتی۔ دادا جی بھی والیم کم کرنے یا پھر سونگ بند کرنے کا نہ کہتے۔ انہیں لگتا ''یہ جیو سچے کنٹھ سے گاتا ہے'' اب تو انہیں بھی اس آواز کی کشش کھینچنے لگی تھی۔ انہوں نے خود کو متعدد بار زندگی کے من پسند سنگر کے گائے ہوئے گانے گاتے ہوئے سنا تھا۔

دن بہت کٹھن تھے ایک تو سردیاں پھر انٹرویو کی تیاری اور آج آخری شام۔

کل اس کا انٹرویو تھا۔ دسمبر بھی بائے بائے کرتا تھا۔ برف کے گولے چپکے سے آسمان سے جدا ہو کر زمین سے ملتے تھے۔ ہر سو قدرت نے سفید چادر بچھا سی دی تھی۔

رات اور نصرت موٹے موٹے اونی کپڑے پہنے ابھی ابھی اسے آل دا بیسٹ کہہ کر آئے تھے۔ اور بتا رہے تھے عافی بھائی کے سر میں درد ہے۔

بندگی نے اس صبح کے بعد عافی کا حال نہ پوچھا تھا۔ اس نے دل کا بھیج کھولنے کے ڈر سے پھر

پرانی بیٹھک کا رخ نہ کیا تھا۔ یوں بھی اب عافی کی نگاہوں کو جھیلنا اس کے لیے ممکن نہ تھا۔ پر اس کے سر میں درد ہے یہ سن کر وہ پرانی بیٹھک کے اس واسی کے پاس آئی جس کی حالت ابھی بے حد بوجھل سی معلوم ہوتی تھی۔ وہ ایک ہفتے سے بنا رکے پڑھ رہا تھا۔ پڑھ پڑھ کے اس کے ہونٹ خشک ہو چکے تھے۔ وہ وقتاً فوقتاً اپنے لبوں پر اپنی زبان پھیر لیتا، لیکن اس کے باوجود لبوں کی خشکی کا کچھ نہیں بگڑتا، اس کے بال بھی بے توجہی کا شکار تھے۔ آج تو صبح سے اس نے کنگھی تک نہ کی تھی۔ آنکھیں تو پڑھ پڑھ کے سوج گئی تھیں۔ ساتھ میں آنکھوں کی سفیدی پر سرخ رنگ واضح نظر آ رہا تھا۔ تھکاوٹ اور بوجھل پن کا احساس اس کے وجود سے چمٹا تھا۔ اس نے کڑی محنت کی تھی اپنی طرف سے کسی گنجائش کی بھی گنجائش نہیں چھوڑی تھی۔ جو جو جتنا جتنا وہ کر سکتا تھا اس نے اس سے کئی گنا دو گنا کیا تھا۔

بندگی اس کا یہ حال دیکھ کر خود کو کوسنے لگی۔ اس بار اس نے عافی کو مکمل طور پر تنہا چھوڑ دیا تھا۔ اس نے اس کی خبر تک نہ لی تھی۔ چائے بھی بچوں کے ہاتھ بھجوا دیتی۔ لیکن اب، اب اور نہیں وہ اس کے پرانے آشیانے میں چلی آئی اور آتے ہی اس سے اس کی کتاب چھین لی۔

"یہ کیا ہے بندگی؟ کتاب دے دو مجھے۔"

"بس نا عافی، کتنا پڑھو گے؟ حال تو دیکھو اپنا۔ کل انٹرویو ہے اب اس ایک شام میں اور کتنا پڑھو گے؟ بس جتنا پڑھ لیا اتنا بہت ہے۔"

"میں پڑھ نہیں رہا بس کوئیک ریڈنگ کر رہا ہوں۔ جلدی سے کتاب دو مجھے۔ نو بجے پھر نیوز بلٹن بھی سننا ہے۔" اس نے کتاب حاصل کرنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا لیکن بندگی نے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔

عافی نے پھر سے وہی کوشش دہرائی اور اس نے بھی سابقہ عمل دوہرایا۔

"اس بار تو کتاب لے کر ہی رہوں گا۔"

"میں نہیں دوں گی حال تو دیکھو اپنا۔"

"بندگی! میرا ایک ایک منٹ قیمتی ہے۔ جلدی سے کتاب دے دو۔" اس نے ہاتھ کتاب کی

طاق میں بندگی کے ہاتھ کی جانب بڑھا دیئے، پر وہ بھی چونکی تھی اس نے کتاب کو فوراً ایک ہاتھ سے دوجے ہاتھ میں پلٹا۔

پر عافی بھی نامراد نہ رہا، اس کا ہاتھ بھی خالی نہیں تھا۔ وہ کتاب تو حاصل نہ کر سکا پر یہاں کچھ اور ہوا تھا۔ جو کہ غیر ارادتاً تھا۔ دونوں نے یہ کہاں سوچا تھا؟

کتاب کی بجائے اس کے ہاتھ بندگی کا دوپٹہ لگا تھا۔ وہ فوراً گھبرا گئی۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اس نے اب اپنا رخ موڑ لیا تھا۔ عافی مسکرایا تھا اور پوچھ بیٹھا تھا۔

"اب تم کیا کرو گی، چلو کتاب واپس کرو۔"

بندگی نے بنا چوں چاں کیے اس کی کتاب اس کی طرف بڑھا دی۔ اس کا رخ اب بھی دیوار کی طرف تھا۔ اس نے آج ٹھنڈے موسم کی نزاکت کے زیر اثر تیز جامنی رنگ کی پرانی شنیل کی قمیض شلوار پہنی تھی۔ جس کا دوپٹہ بھی شنیل کا تھا اور اس وقت عافی کے ہاتھ میں تھا۔

عافی آگے بڑھا تھا۔ اس نے کتاب پر اپنی پکڑ ہلکی کر دی تھی۔ پر عافی نے کتاب نہ لی بس اسے دیکھتا ہی رہا۔

بندگی کے ہاتھ سے کتاب گر گئی۔ وہ اس سے بس ذرا سے فاصلے پر تھا، اس نے اس کے پاس آ کر سرگوشی سی کی۔

"بندگی! آج مجھ سے وہ کہہ دو جس کو سننے کے لیے میری سماعتیں نا جانے کب سے ترس رہی ہیں۔" اس کے لہجے میں عجیب سی ایک تڑپ سی تھی۔

"کیا؟" وہ جان کر انجان بننے کا ہنر آزما رہی تھی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

"آج بھی مکر جاؤ گی بندگی؟ آج بھی نہیں بتاؤ گی مجھے سب؟"

وہ چند لمحے تو ساکن سی رہی، جیسے کوئی سانپ ہی سونگھ گیا ہو اور چپکے سے جیسے اس کی روح اس کے جسم سے پرواز بھر رہی ہو۔

"میں سب جانتا ہوں بندگی۔"

اس کے الفاظ سن کر اس نے آنکھیں میچ لیں، اس سے شرم کے مارے اب اس دنیا کا کوئی منظر دیکھا نہ جاتا تھا۔ وہ اب بھی آنکھیں موندے دیوار کی جانب کھڑی تھی۔ عافی اس کا چہرہ دیکھ نہ پا رہا تھا۔ اس لیے پھر سے اس کا حال دل پوچھ بیٹھا۔ اور بس...... وہ اپنی سابقہ حالت میں ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''ارے تم......تم تو رونے لگی۔''

اسے اور زیادہ رونا آنے لگا۔

''مت رویا کرو بندگی۔ یہ لو اپنا دوپٹہ۔'' عافی نے اس کا دوپٹہ اس کے سر پر رکھا اور اس کے پاس آ کر اس کے آنسو پونچھے۔

''میں اب کبھی بھی آپ کو پڑھنے سے منع نہیں کروں گی۔'' اس نے روتے روتے کہا۔

''تو کون منع کرے گا؟''

''پتا نہیں پر میں آپ کو پڑھنے سے کبھی نہیں روکوں گی جتنا پڑھنا چاہتے ہیں آپ، پڑھ لیں۔''

''ہوں اچھا۔ چاہے پڑھ پڑھ کے پاگل بھی ہو جاؤں تو بھی نہیں روکو گی؟''

اس نے نظریں اٹھائیں اور اس کے جملے کے مکمل ہونے کے ڈر سے اپنا ہاتھ اس کے لبوں پر رکھ لیا، جسے عافی نے عقیدت سے چوما تھا۔

''مجھ سے وعدہ کرو بندگی، مجھ سے ایسے ہی محبت کرتی رہو گی، تمہاری محبت ایسے ہی رہے گی۔ بالکل ان چاند تاروں کی طرح جو ہم سے بہت دور ہیں لیکن پھر بھی ہمیں نظر آتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں تم ہمیشہ مجھ سے ایسی ہی محبت کرو خواہ میں اور تم دور ہوں یا پاس لیکن تمہاری محبت مجھے نظر آتی رہے۔ میرا تمہارے سوا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے بندگی۔''

اس کی نظریں اس پر ہی تھیں۔ اس نے سر ہلا کے شرما کے ہاں کہہ دیا اور وقت ضائع کیے بنا وہاں سے بھاگ گئی۔ کچھ دیر وہاں رہتی تو دل کا بھید کھل جانے کی خوشی میں مر ہی جاتی۔

"دیکھ سکتا ہے بھلا کون یہ پیارے آنسو
میری آنکھوں میں اتر آئے یہ تمہارے آنسو
صاف اقرار محبت ہو زبان سے کیونکر
آ گئے آنکھ میں یوں شرم کے مارے آنسو
یہ آنکھیں، یہ آنسو......"

احمد جہانزیب کے سُر ان کے دیوانے دلوں کو چھو کر کچھ اور بھی دیوانہ کر رہے تھے۔ بندگی وہاں سے چلی آئی تھی لیکن وہ لمحہ اس سے جاتا نہ تھا، اس نے کہاں سوچا تھا دل کے بھید یوں بھی کھلتے ہیں۔ عافی سب جانتا تھا۔

دل کے ایسے بھید وجود کے ذرے ذرے سے بیان ہوتے ہیں، کسی کے نام کو جپنے والی سانسیں اپنی پہچان خود ہی کراتی ہے۔ اس رات وہ چاہ کر بھی سو نہ سکی۔ نیند آنکھوں سے جفا اور یادوں سے نباہ کر رہی تھی۔ تمام شب وہ اٹھ اٹھ کر اس دوپٹے کو دیکھتی، اسے خود سے لگاتی، اس دوپٹے کو عافی نے چھو کر اس کے لیے مقدس بنا دیا تھا۔ وہ ہمیشہ اسے یوں ہی سنبھال کر رکھے گی۔ نا جانے کیسے کیسے اجلے اجلے جذباتوں کی دل سے بارات نکلی تھی۔ وہ شدت احساس سے اپنے ہاتھ کو دیکھتی، کبھی شرماتی، کبھی مچل جاتی، اس کے ہاتھ پر عافی کے ہونٹوں کا لمس اب تک برقرار تھا۔ اسے اپنے ہی ہاتھ پر آج بار بار پیار آ جاتا۔

دیوانگی کی انتہا سی تھی، اس شادماں رات میں وہ رات بھر جاگتی رہی۔ رات بھر برف باری ہوتی رہی۔ برف کے سرد گولے اس کے دل پر جیسے رفتہ رفتہ گرتے رہے۔ محبت کی چادر اس کے دل کی چار دیواری سے اونچی اٹھنے لگی۔ نا جانے صبح کس پہر عافی کو یاد کر کے اس کی آنکھ لگی تھی۔

رات بھر برف باری ہوئی تھی اور صبح آسمان صاف تھا، لیکن زمین برف ہی برف تھی۔ آج سویرا بڑا چمکیلا تھا۔ سردی کی دھوپ کی فراخ دلی اس صبح کے روئے روئے پر نمایاں تھی لیکن ہوا بہت سرد تھی۔ دادا دادی لونج میں کھڑکیوں پر موٹے موٹے پردے گرائے ہوئے تھے جس کی وجہ لونج میں اس چمکیلی صبح کے باوجود اچھا خاصا اندھیرا تھا۔ چاچا بھی اپنی ذات کو خود میں سمیٹے ہوئے کونے میں سگریٹ کا

دھواں اڑا رہا تھا۔اب اسے کوئی نہ کہتا۔''تمبا کونوشی مضر صحت ہے۔''جس دن وہ اپنی الت کی پکار نہ سنتا اس دن تمبا کونوشی گھر بھر کی صحت کے لیے مضر صحت ثابت ہوتی۔

زندگی ہلکی پھلکی ورزش کرنے کے بعد تیار ہو کر اپنے کمرے سے نکلی، آج اس نے بلیک جینز پر ہائی نیک نما اونی شرٹ پہنی تھی۔دادی نے اسے دیکھ کر سرد موسم کا شکریہ ادا کیا۔یہ سردیاں ہی اسے بے پردگی سے باز رکھ سکتی تھیں۔ورنہ دادی کی باتیں تو اب پرانی گھسی پٹی داستان لگنے لگی تھی، زندگی کی زندگی میں ایسا نہیں ہوا تھا کہ وہ صبح جگی ہو اور بندگی سوئی ہوئی؟ وہ پریشان سی ہوگئی اور سیدھا بندگی کے کمرے میں آئی جسے پارٹیشن کی صورت بانٹھ کر درمیان میں ہارڈ بورڈ لگا کر چاچے کے بچوں کے کمرے کا بھی اہتمام کیا ہوا تھا۔جس پر وہ بنکر بیڈ پر اوپر نیچے قطار سے سوئے تھے۔ان کی چھٹیاں چل رہی تھیں۔بندگی کمبل کی آڑ میں منہ چھپائے گہری نیند سو رہی تھی۔زندگی نے اس کے رخ سے کمبل ہٹایا اور اس کے ماتھے کو چھوا، اسے بخار تھا۔جیسے خوشی کے آنسو ہوتے ہیں۔ویسے ہی خوشی کا بخار بھی ہوتا ہے۔اور اسے خوشی کا بخار تھا۔زندگی پریشان ہونے لگی اور اسے ذرا ذرا سا چھو کر اٹھانے لگی۔وہ ساتھ بھی اس کا نام بھی لے رہی تھی۔

''بندگی...... بندگی۔''

اس نے زندگی کی آواز سنی تو ہلکے ہلکے سے آنکھیں کھولیں۔زندگی اس کے سر پر تھی وہ فوراً اٹھ بیٹھی۔

''باجی! آپ۔''وہ تذبذب کی کیفیت میں تھی۔

''تمہیں بخار ہے۔''

''نہیں تو۔''

''میں پوچھ نہیں رہی بتا رہی ہوں۔تمہیں بخار ہے۔''

''اچھا۔''اس نے خود کو چھو کر کہا اور پھر وال کلاک کی جانب دیکھا۔آٹھ بجنے والے تھے۔

''اتنی دیر ہوگئی، اُف باجی، آپ کا ناشتہ۔دادا، دادی کا ناشتہ۔''اس نے عافی کا نام نہ لیا اور بس چپل پہن کر اٹھنے لگی۔

''آرام کرو تم۔ میں ناشتہ بازار سے منگواتی ہوں۔''

''پر باجی، دادا جی کیا کھائیں گے؟'' وہ پھر سے اٹھنے لگی۔

''کہا نا آرام کرو تم۔ آج کل کوئی بات نہیں مانتی۔'' زندگی کو اس کے آرام نہ کرنے اور پھر سے باجی کہنے پر غصہ آ گیا۔ وہ مزید کچھ کہے بنا وہاں سے چلی آئی۔ بندگی اس کا غصہ دیکھ کر واپس بیڈ پر بیٹھ گئی۔

کل کی حسین شام کا منظر پھر سے آنکھوں میں چلنے لگا۔ اس نے پھر سے اپنے ہاتھ کو دیکھا اور اپنے دوپٹے کو بڑی محبت سے خود پر لپیٹ لیا۔ اس کی خوشی کا بیان ممکن نہ تھا۔ اس کے دل میں بسنے والی محبت کو اس نے دل سے قبول کیا تھا۔

لیکن قسمت کے معاملے دل نہیں طے کرتا، دل بس قبول کرتا ہے اور اس قبولیت کا زور بھی بس دل پر چلتا ہے۔ قسمت ایک طاقتور رقیبِ محبت ہے جس کے آگے دل اور محبت صدا سے بے بس ہیں اور بے بس رہیں گے۔

☆......☆......☆

وہ دن بالآخر آ گیا تھا جس نے نا جانے کب سے بے صبریوں کو اس کی ذات میں منتشر کر رکھا تھا۔ وہ انٹرویو کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ اس نے نیشنل ڈریس یعنی قمیض شلوار پہنا تھا جس کا رنگ سفید تھا اور اس پر بنا کالر والا بلیو سوئٹر پہنا تھا۔ دونوں ہی چیزیں وہ کسی دوست سے لایا تھا، بندگی نے بڑے احتیاط سے استری کی تھی۔ وہ بہت فریش اور الگ الگ نظر آ رہا تھا۔ یہ دن اس کے لیے بہت خاص تھا، آج کا یہ میٹھی دھوپ کا مالک سنہرا دن اس کی قسمت کو اپنی مٹھیوں میں بھر کر لایا تھا۔ زمین پر بچھی برف کی تہہ اب رفتہ رفتہ ٹوٹ رہی تھی۔ نا جانے مقدر کا کیا فیصلہ تھا؟ دل میں کچھ عجیب عجیب سا ٹھہراؤ بھی بے ساختہ سا اتر رہا تھا۔ دادا، دادی جی، چاچا اور آج تو چاچی نے بھی اسے دعا دے کر رخصت کیا تھا لیکن بندگی کہاں تھی۔ اس نے اسے آل دا بیسٹ نہ کہا تھا۔ وہ جانتا تھا وہ اس کے لیے دعائیں مانگ رہی تھی اور وہ جب تک واپس نہ آئے گا وہ دعائیں مانگتی رہے گی۔ چاچی اسے زبردستی کام پہ لگا دے گی لیکن لبوں پر اس کے دعا ہی ہو گی۔ آج تو چاچی بھی زندگی کے حکم پر اسے ڈسٹرب نہیں کرنے والی تھی۔

صبح ہی خبر پھیل گئی تھی اسے بخار ہے۔ وہ آرام سے دعائیں مانگ سکتی تھی۔ دعا ایک نادیدہ خزانہ ہے۔ یہ قبول ہوں بھی نیکی، نہ قبول ہو بھی نیکی او دعا کی عادت تو سب سے بڑی نیکی۔

جو بگڑی نظر آئے دعا مانگ لینا، جو بنتی نظر آئے بھی دعا مانگ لینا کہ بگڑی بھی وہی بنا سکتا ہے اور بنتی بھی وہی بنا کے رکھ سکتا ہے۔

عافی اب داخلی دروازے کے پاس تھا، راحت اور نصرت بھی اٹھ کر اسے آل دا بیسٹ کہنے آئے۔ وہ جانے کو ہی تھا کہ اسے اپنے عقب میں کوئی آہٹ سنائی دی۔ اس نے بے تابی سے مڑ کر دیکھا، پر اس کے عقب سے غیر متوقع طور پر بندگی کی بجائے زندگی نمودار ہوئی۔

وہ ٹھٹھر سا گیا۔ اس نے اپنی نظریں سمیٹ لیں۔ وہ سامنے آئی اور بولی۔

''اس وقت تمہیں خود اعتمادی کی اشد ضرورت ہے۔''

اس نے نظر جھکا کر جی کہا۔

وہ اونچے تلے والے بند شوز پہنے سفید برف پر اپنے پاؤں کے نشان چھوڑتی جا رہی تھی۔ لیکن پھر اچانک مڑ کر عافی کے پاس آئی، اسے ایک نظر دیکھا۔ آل دا بیسٹ کہا اور پھر سابقہ انداز سے اس سے بھی پہلے گھر سے اپنے مخصوص اور دلچسپ انداز میں نکل آئی۔ اس کی گاڑی باہر کھڑی تھی۔ اب وہ اپنی گاڑی میں بیٹھی تھی اس نے سیاہ چشمہ آنکھوں پر سجایا اور ذرا سا شیشہ سرکا کر اسے پکارا۔

وہ گھر سے باہر جاتے جاتے ذرا رک گیا۔

''گاڑی میں بیٹھ جاؤ، تمہیں ہم چھوڑ آتے ہیں۔'' اس کے لہجے میں شان توابی سی تھی۔

''نہیں۔ میرے دوست آرہے ہیں۔ میں ان کے ساتھ جاؤں گا۔'' وہ لہجے میں قناعت پسند تھا۔ سانس اندر اور باہر کی باہر ہو۔ اس نے سیاہ چشمہ اتار دیا۔ اس کی نظریں عافی پر تھیں۔ زندگی جانتی تھی اس کے کسی دوست نے نہ آنا تھا اور نہ ہی عافی جیسے کبھی بن سکتے تھے اس کے دوست۔ لڑکیوں کو ٹکر ٹکر دیکھنے والے مرد۔ پر عافی ان جیسا نہیں تھا بلکہ وہ تو اپنی مثال آپ تھا۔ وہ تو مردوں کے معاشرے میں ایک ایسا مرد تھا جس کی آنکھوں میں حیا اور وجود سے لحاظ ٹپکتے ہوں۔ ایک ایسا مرد جس کی شرافت پر

کوئی بنا سوچے سمجھے قسمیں کھا لے۔اگر یہ دریافت ناممکن تھی تو اس نے یہ دریافت کر لی تھی۔
اس نے اب مڑ کر دیکھا تا، عافی گلی کی جانب بڑھ رہا تھا، زندگی کے لب اسے دیکھ کے مسکرا دیئے۔

☆......☆......☆

اس کا انٹرویو اچھا رہا تھا۔اس سے یکے بعد دیگرے سوالات پوچھے گئے تھے۔چند سوالات اس کی ذات سے بھی منسلک تھے۔اس نے جوابات کا انتخاب سوچ سمجھ کر کیا۔وہ پرامید تھا۔
وہاں بیٹھا ہر شخص پرامید تھا۔وہ چار امیدوار تھے جن میں سے کسی ایک کی قسمت کو چمکنا تھا۔پر سوال یہ تھا کہ یہاں آنے والے کسی بھی شخص نے کیا کسی دوسرے شخص سے کم محنت کی ہوگی؟
تو اس کا جواب ہوتا ہے ”جی نہیں۔“ کیونکہ یہاں تک رسائی ہی محنت کشوں کو مہیا کی جاتی ہے۔کسی کی محنت کسی سے کم نہیں ہوتی، اور اللہ تو سب کا گواہ ہے۔سب کا مالک ہے۔وہی جانتا ہے سب سے زیادہ ضرورت مند کون ہے؟

☆......☆......☆

دو دن گزر گئے پر بندگی کی حالت ایسی ہی رہی۔اس شام نادان کے بعد وہ اس کے سامنے نہ آئی تھی اور ایسا بھی نہیں تھا کہ آنا نہ چاہتی تھی پر اظہارِ محبت کے بعد سامنا بے حد مشکل تھا۔حیا دھنک کے رنگوں کی مانند خیالوں سے چپکی رہتی۔اس کے دل کا تو وہ حال تھا، وہ حال تھا کہ نا جانے کیا ہی حال تھا؟
آج اس نے ڈارک پنک کلر کا کاٹن کا لباس پہنا تھا، اس کا چہرہ بھی اس گلابی لباس کی مانند گلابی گلابی سا ہوئے جا رہا تھا۔لب بات بے بات ہنستے تھے۔اس کے دلی جذبوں نے انگڑائی لے کر اسے جیسے اور بھی تازگی بخشی ہو۔وہ اب پہلے سے بھی زیادہ خوب صورت لگ رہی تھی۔دراصل ہمارے اندر کا تعلق ہمارے باہر سے ہوتا ہے۔ہم اپنے ذہن سے سوچوں و خیالوں کے ذریعے جو جو کچھ اپنے دل کو اور جسم کو مہیا کرتے ہیں۔وہی کچھ ہمیں بیرونی طور پر بھی مل جاتا ہے۔اگر ہمارا دل اور ہمارا دماغ تناؤ کا شکار ہے تو اس کے اثرات ہمارے چہرے سے نمایاں ہوتے ہیں اسی طرح اچھے خیالات کا بھی

چہرے پر اچھا تاثر ہوتا ہے بلکہ اچھے اور پوزیٹیو خیالات جیسی تو کوئی بیوٹی کریم ہی نہیں، خوشی جیسی کوئی دوا ہی نہیں۔

چاچی تو اسے دیکھتی ہی رہی اور اماں اپنی پیاری فرماں بردار پوتی پر دم کر رہی تھی۔ بلائیں لے رہی تھی کہ کہیں نظر نہ لگ جائے۔ وہ نہ دکھائی دے رہی تھی تو اس نے ہی ان فراغت کے لمحوں میں اسے دیکھنے کا، اس سے بات کرنے کا حل سوچا۔ سردیاں تو یوں بھی بہترین بہانہ تھا۔ وہ ٹیوشن کے بچوں کو ٹی وی لاؤنج میں لایا، آج چاچی نے بھی کچھ نہیں کہا اس کے اپنے بچے بھی یہاں بیٹھ کر پڑھ رہے تھے۔ سردی بھی تو بہت تھی۔ گھڑیال میں چار بار گھنٹی بج چکی تھی۔

دادا جی پرویز مشرف کا انٹرویو نیوز چینل پر سن رہے تھے۔ یہ دور فوجی دور تھا۔ دادا جی کو آج چائے بھی بھول گئی تھی لیکن بندگی کیسے بھول سکتی تھی۔ وہ وقت پر دادا جی کے لیے اور سب کے لیے چائے بنا آئی تھی۔ اس نے عافی کی چائے چپکے سے اس کے پاس رکھی اور دادی کے پاس بیٹھ گئی۔ عافی کی نظریں اسی پر تھیں۔ اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں عافی کو باز رہنے کی منت کی۔ جو اس نے بڑی ڈھٹائی سے رد کر دی اور اسے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

بندگی نے فوراً نفی میں گردن ہلائی۔

"آجاؤ، ورنہ میں آجاؤں گا۔" عافی نے اسے دھمکایا اور وہ اس کی دھمکی میں بھی آ گئی۔ دادی کے عقب سے اٹھ کر عافی کے پاس بیٹھے بچوں کے پاس بیٹھ گئی۔ عافی کو اب جا کے تسلی ہوئی۔ آج وہ بہت ہی اچھے موڈ میں تھا۔ ایک تو ایک طویل عرصے کے بعد کتابوں سے نجات ملی تھی، دوسرا رزلٹ بھی مثبت توقعات کے مدنظر تھا۔ بس ایک بار رزلٹ اس کے حق میں آجائے تو وہ دادا جی سے اسی دن اسے مانگ لے گا۔

عافی نے ایک بچے کی رف کاپی اٹھائی ایک چٹ کاپی۔ یہ زمانہ چٹوں کا ہی زمانہ تھا، موبائل ہر کسی کے پاس موجود نہ ہوتا تھا، تو چٹ ہی حال دل کی زبان ہوتی۔

"ناراض ہو؟" اس چٹ میں لکھا تھا۔ بندگی نے پڑھ کر نفی میں سر ہلایا۔

''لگتا تو یہی ہے؟'' دوسری چٹ پر لکھا تھا۔اس نے پڑھ کر پھر سے نفی میں سر ہلایا۔

''تو پھر کہونا۔''

''کیا۔''

احمد جہانزیب کے سونگ کا آخری انترا چل رہا تھا، زندگی بھی آج گھر ذرا جلدی آئی تھی۔

''کہو اک دن

کہ جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے سب کچھ تمہارا ہے۔

کہو اک دن......

اگر سب کچھ یہ میرا ہے تو سب کچھ بخش دو اک دن

وجود اپنا تم دے دو، محبت دو اک دن

میرے ہاتھوں پہ رکھ کے ہاتھ

یہ روح کھینچ لو اک دن

کہو اک دن......''

عافی نے نہایت ہی مدھم آواز میں احمد جہانزیب کی آواز کے ساتھ اپنی آواز ملائی۔

اس کا گلابی رنگ اور بھی گلابی پڑنے لگا۔

عافی نے اب بھی باز نہ آنا تھا۔اس نے اب کی بار چٹ کے ساتھ کاپی پین بھی اس کی طرف فرش پر رکھ دی۔

اس نے چٹ اٹھائی۔پھر سے وہی بات۔

''کہو نا محبت ہے......''

وہ اور زیادہ شرما گئی اور نظریں جھکا دیں۔دونوں کی چائے کے کپ بنا چھوئے پڑے تھے۔

''کہو نا محبت ہے......'' یہ آواز نوٹی کی تھی۔اس کے منہ سے سردی کی وجہ سے دھواں بھی نکل رہا تھا۔اور یہی حال سب کا تھا۔

عافی اور بندگی نے تعجب سے سر اٹھائے اور اور اس کی جانب دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں عافی کی لکھی چٹ تھی وہ ان دونوں پر نا جانے کب سے نظریں جمائے بیٹھا تھا اور دونوں کے اشارے بھی بخوبی سمجھ رہا تھا۔ سا نے نئی پرانی ساری فلمیں دیکھ رکھی تھیں۔

چٹ اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے پھر سے چٹ پڑھی اور کہا۔

''یہ غلط ہے۔ فلم کا نام تو ''کہونا پیار تھا۔''

''یہ کیا بک رہے ہو بچے؟'' دادی نے اس سے پوچھا تو وہ بولا۔

''فلم کا نام بول رہا ہوں۔ سر کو تو فلموں کے نام بھی ٹھیک سے نہیں آتے۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہے عافی نے اس کے کان پکڑ لیے اور اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

بندگی کا دل تو جیسے دھڑکنا ہی بھول گیا ہو۔ اس کی آنکھیں محبت کے چرچے کے خوف سے پھڈ کنے لگی۔

''چلو اپنا ہوم ورک کرو۔'' عافی نے کہا اور تو اماں بھی بولی۔

''ہاں ہاں۔ بچے اپنا کام کر...... ویسے تو ٹھیک ہی کہتا ہے۔ عافی کو کہاں فلموں کے نام آتے ہیں؟ ارے یہ تو بڑا محنتی بچہ ہے۔ بچپن سے ذہین ہے۔'' نوٹی بے حد نوٹی تھا اماں کی بات سن کے مسکرایا اور بندگی کے پاس آ کر زیر لب کہا۔

''سر کو فلموں کے نام واقعی نہیں آتے۔ ان ناموں کی تو فلمیں ہی نہیں۔''

''ناراض ہو؟ لگتا تو یہی ہے۔ تو پھر کہونا۔ کہو اک دن۔'' ساری چٹیں نوٹی کے پاس تھیں۔

بندگی کی آنکھیں حیرت سے گول ہو گئیں۔ اب اس کا یہاں رہنا ناممکن تھا۔ وہ وہاں سے نظر بچا کے بھاگ ہی نکلی۔ بندگی کے جانے کے بعد عافی نے ساری چٹیں نوٹی لے لیں۔ اس نے بھی دے دیں۔ ساتھ میں اس کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ جو بتا رہی تھی یہ فلمی بچہ سب سمجھ گیا ہے۔

☆......☆......☆

آج سنڈے تھا، نئے نویلے سال کا پہلا سنڈے......3 جنوری 2004ء

زندگی گھر میں تھی پر دن چڑھے اپنی خواب گاہ میں آرام فرما رہی تھی۔ سب اپنے اپنے کاموں میں بزی تھے۔

عافی چھت پہ تھا۔ اسے پانی کی ٹنکی کا مسئلہ سمجھنا تھا۔ بار بار لیک ہو رہی تھی جس کی وجہ سے پانی ضائع ہو رہا تھا۔ وہ اپنے کام میں مصروف تھا۔ اسے ٹنکی کے پانی رسنے کے سوراخ دریافت ہو چکے تھے اور وہ اب میچک چپکا رہا تھا۔

گلی میں اس کی موجودگی سے بے خبر نوجوان محلے کے لڑکوں کا ٹولہ کھڑا زندگی کا ہی چرچا کیے جا رہا تھا۔ آج سنڈے تھا تو ہر کوئی اس کے گھر کے پاس سے بنا روک ٹوک کے گزر سکتا تھا، وہ لڑکا بھی چھٹی پر تھا جسے گھر کے باہر نگرانی کے لیے رکھا گیا تھا۔

وہ بلا کسی خوف کے دل کی باتیں کر سکتے تھے اور کر بھی رہے تھے۔ کوئی اس کا نام لے کر دن پر ہاتھ رکھ رہا تھا تو کوئی نام ہی نہ لیتا تھا کہ وہ تو چاند تھی۔ اور چاند صرف دیکھنے کے لیے ہوتا ہے ہم چاند کو دیکھ سکتے ہیں لیکن اسے پانے کی جستجو نہیں کر سکتے۔

زندگی بھی ایک ایسا چاند تھی جسے دیکھ تو سب لیتے تھے لیکن اسے پانے کا تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ نہ کوئی اس سے بات کر سکتا تھا نہ دوستی۔ نہ ہائے نہ ہیلو۔ حتیٰ کہ اب تو کوئی اس کے آس پاس بھی نہیں بھٹک سکتا تھا۔

شروع شروع میں اسے بھی تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ جمی اور گھسی پٹی سوچوں کی چنگاریوں کو سہنا پڑا تھا۔ اس کے خلاف، اس کے اخلاق اس کے کردار کے خلاف بھی شک کے تیر اچھالے گئے تھے لیکن وہ ثابت قدم رہی۔ اس نے اپنا راستہ نہ بدلا، نہ منزل کی تلاش کو ترک کیا۔ بلکہ اپنی مستقل مزاجی سے لوگوں کو ورطے میں ڈال دیا۔ لوگ باتیں کر کر کے تھک گئے اور حیرت میں کھونے لگے۔ لڑکیاں بھی ترقیوں کی جانب اتنے بڑے بڑے قدم بھر سکتی تھیں؟

مثال بننے والے افراد پہلے مذاق، پھر حیرت اور پھر جا کے وہ مثال بنتے ہیں۔

وہ بھی اب ایک مثال تھی۔وہ اتنا کما لیتی تھی جو وہاں کے لڑکے بھی نہ کماتے۔
پہلے پہل شو مارنے کے لیے من چلے لڑکے کہہ بھی دیتے تھے کہ زندگی کا نمبر ان کے پاس ہے اور وہ ان سے باتیں کرتی ہے۔لیکن اب اگر کوئی ایسا سفید جھوٹ بولے تو آگے سے جواب ملتا ''شکل دیکھی ہے اپنی'' زندگی اب تم کو لفٹ دے گی؟ تم سے بات کرے گی؟ وہ تو جس سے بات کرے گی وہ کوئی اپنے نگر کا راجہ ہوگا۔جو بہت خاص یا پھر خاص سے بھی کوئی خاص ہوگا، وہ ہم جیسا تو ہو ہی نہیں سکتا؟ نا جانے وہ کون سا شہزادہ ہوگا؟

''ارے بس بھی کرو کتنا دل جلاؤ گے؟ چلو کہیں اور چلتے ہیں جہاں دل نہ جلے۔''

لڑکوں کا ٹولہ روانہ تھا، بہت جلد ان دل پھینک عاشقوں پر ان کے سوالوں کا جواب عیاں ہونا تھا۔زندگی کی بندگی جیسی بہن جو تھی، وہ دل سے اس کے لیے دعا گو تھی۔

عافی چپ چاپ اپنا کام کرتا رہا وہ زندگی کے معاملات سے جتنا دور رہ سکتا تھا رہتا۔زندگی کو کب کچھ برا لگ جائے یہ کوئی بھی نہیں جانتا تھا لیکن لڑکوں کے سوالوں نے عافی کے دل کو بھی لمحے بھر کے لیے سوچنے پر مجبور تو کیا تھا۔

وہ سچ کہتے تھے، تھی تو وہ چاندسی، سب سے الگ۔اور یہ بھی سچ تھا کہ چاند کو دیکھا تو جا سکتا ہے لیکن اسے پانے کی جستجو کوئی نہیں کر سکتا۔اور وہ کیسا شہزادہ ہوگا جس پر زندگی جیسی لڑکی نظر ڈالے گی؟

نا جانے ایسا کوئی ہوگا بھی یا نہیں؟ اماں کی باتیں تو اس نے بھی سن رکھی تھیں۔نا جانے یہ چاند بھی زندگی بھر اس چاند کی طرح پورے آسمان پر تنہا ہی چمکنے والا تھا۔

عافی کو بھی اس کے جوڑ کا لڑکا کہیں نظر تو نہیں آتا تھا۔میجک کر دیا تھا اب ٹنکی سے پانی رسنا بند ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

زندگی شب خوابی کے نیلے کالے لباس میں منہ ہاتھ دھو کر ٹی وی کے پاس رکھے صوفے پر آ بیٹھی۔اس کے چہرے پر اب بھی منہ دھونے والی نمی اور آنکھوں میں غنودگی تھی۔بندگی نے اسے فوراً

ناشتہ پیش کیا۔ وہ اس کے لیے آملیٹ کے ساتھ پراٹھا بنا آئی تھی، ساتھ میں چائے بھی تھی۔

''دن کے کھانے میں آپ کیا کھائیں گی؟''

جب وہاسے باجی نہ کہتی تو کچھ بھی نہ کہتی بس ہوں ہاں میں بات کیا کرتی۔ دادی اماں کونے میں فلور کشن پر بیٹھ کر تسبیح پڑھ رہی تھی۔ اس کی نظر جوں ہی اس کے اس شب خوابی کے لباس پر پڑی، دل ہی بھٹک گیا۔

اور وہ پھر شروع تھی۔

زندگی نے جواب دینے کی بجائے سارا دن گھس گھس کر برتن مانجھنے والی اس خوب صورت اور باپردہ بہن کے ہاتھ دیکھے تو دیکھتی رہ گئی۔ اس نے پھر اپنی آنکھوں کو رگڑا اور اسے غور سے دیکھا۔

''بندگی...... بندگی! تم کتنی چمک رہی ہو؟ کیسا گلو ہے تمہارے چہرے پر؟ چلو بتاؤ کون سا ٹوٹکا آزما رہی ہو؟''

''نہیں تو، کوئی نہیں۔''

''اتنا گلو ماشاءاللہ، ایسے کیسے اھ جاتا ہے؟ جلدی بتاؤ کیا لکھا رہی ہو؟''

''سچی کچھ نہیں لگا رہی۔''

''ہاں، ادھر آؤ۔'' زندگی نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ کے مقابلے میں رکھ کر دیکھا۔ یہ ایک نظر آنے والا محسوس کرنے والا فرق تھا۔ بندگی کے گھر کے کام کرنے والے نرم و نازک گورے چٹے ہاتھ اور اس کے قلم کا غذ اور کی بورڈ پر تیزی سے چلنے والے سخت ہاتھ۔ بہت زیادہ فرق تھا۔

''جلدی بتاؤ کیا لگا رہی ہو؟''

وہ کہہ چکی تھی۔ ''کچھ بھی نہیں۔''

''چل جھوٹی۔''

''مان جا، مان جا۔ اس کے پاس وقت کہاں ہوتا ہے ٹوٹکے شوٹکے آزمانے کا؟ سارا دن یہ بس سب کی خدمتیں کرتی رہتی ہے۔'' دادی ماں نے تیکھے لہجے میں کہا تھا۔

''سب کی خدمت کے ساتھ ساتھ خود کی خدمت بھی کر رہی ہے۔ ہاتھ تو دیکھو اس کے اور چہرہ؟ پاؤں ہی دیکھ لو۔ ماشاءاللہ۔ ماشاءاللہ۔''

دادی اماں مسکرائی اور کہا۔

''ارے شرم و حیا کی چمک ہے۔ وہ حسن تو چمکے گا ہی جو غیروں کی نظروں سے پاک ہو۔ نظروں کا بھی طلسم ہوتا ہے بلکہ ہر نظر ایک طلسم ہوتی ہے۔ ہم پر جتنی نظریں پڑیں گی جتنے لوگ ہم کو دیکھیں گے ہمارا ہی نقصان ہوگا اور روپ رنگ کو تو نظریں دیمک کی طرح چاٹ کھاتی ہیں جیسے تمہارے رنگ کو کھا گئی ہیں۔''

''کیا۔'' زندگی حیران رہ گئی۔

''ہاں بالکل۔ تمہارا حسن اور بھی جاتے جاتے جاتا رہے گا۔ لڑکی تم نے جو لباس اختیار کیا ہے۔ یہ مختلف نظروں کو مجبور کرتا ہے، تمہیں نظر بھر کے دیکھنے کے لیے، اس پر خوب سارا میک اپ بھی۔ اب بے وجہ مردوں کی نظر پڑے گی تو روپ تو جائے گا ہی نا؟''

زندگی کی حیرت اب غصے میں بدل گئی۔ وہ ناشتہ کیے بنا جانے لگی۔

''سچ کڑوا ہوتا ہے۔'' بڑی اماں باز نہ آئی۔

بندگی نے بہن کا ہاتھ تھاما اور اسے منت کی چپ رہنے کی اور کہا۔

''ناشتہ تو کرلو یہاں آ کر بیٹھ جاؤ۔''

''کیا ناشتہ کرلوں، موڈ ہی خراب کرلیا۔'' زندگی نے بازو چڑھاتے ہوئے بے دلی سے کہا۔

''تمہارا موڈ ٹھیک کب ہوتا ہے؟''

''اماں......'' اس بار بندگی نے انہیں چپ رہنے کی التجا کی۔

''ہوں۔'' بڑی اماں نے سینے پر ہاتھ باندھ کے رخ موڑ لیا۔ ان کی اس حرکت پر زندگی پھر ناشتہ چھوڑ کے جانے لگی۔

''آپ بیٹھ جائیں ناشتہ کر کے جائیں رات کو بھی آپ نے کچھ نہیں کھایا تھا۔''

''بندگی! سنا تم نے کیسی باتیں کرتی ہیں یہڈ اپنے آپ کو بہت زیادہ سمجھ دار سمجھتی ہیں۔ یہ کیسی منطق ہے ان کی؟''

''وہ ہماری بڑی ہیں نا؟ کچھ کہہ دیا تو کیا ہوا؟'' بندگی کا وہی محبت بھرا انداز او مہذب لہجہ۔

''فضول منطق نہیں ہے میری، سو فیصد سچ ہے۔'' ماں نے پھر رخ بدل لیا۔ ان کا چہرہ غصے سے لال تھا، آواز بلند اور تیکھا لہجہ۔

''ہماری بڑی ہیں تو کچھ بھی کہہ دیں۔ میں اپنی تذلیل کرنے کا حق کسی کو نہیں دیتی۔''

''تو اپنی عزت کرلو۔''

''کیا کیا ہے میں نے؟ جا کو نکلو گھر سے باہر! لوگ میری مثالیں دیتے ہیں۔ محنت کی ہے میں نے ایکسٹرا کام بھی کرتی رہی ہوں۔''

''کیوں کی ہے بے وجہ محنت؟ کیا نہیں دیا ہم نے بچپن سے تمہیں۔ ہاں بس واہیات لباس نہ دے سکے۔''

''آپ معاشرے کے ان بونے لوگوں میں سے ہیں جہاں دراز قد عیب بن جاتے ہیں۔ میں نے اپنا قد بلند کرلیا ہے۔''

''تو ہم بونے لگتے ہیں تمہیں؟''

''باتیں جو ایسی کرتی ہیں آپ۔ میں سچ کہتی ہوں ہم سب کے اعمال ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں۔''

''ایک اور غلط بات...... اچھا ہے ہم نے پڑھ لیا ورنہ آپ تو ہمیں غلط فہمیوں پر پی ایچ ڈی کرواتی اور اوپر سے کہتی شاباش، شاباش، بس تم نے پڑھ لکھ لیا اور سب جاہل ہو گئے سب کی باتیں فضول ہو گئیں۔''

''سب نہیں آپ جاہل ہیں اور آپ کی باتیں ہی سب سے زیادہ فضول ہیں۔'' زندگی بے لحاظ ہو گئی تھی۔

''ذرا شرم کرلو، کل کو سسرال جانا ہے تمہیں؟''

''سسرال جائے میری جوتی، میں کیوں جاؤں سسرال؟ سسرال وہ لڑکیاں جاتی ہیں جن کے اپنے گھر نہیں ہوتے؟ میں محنت کرتی ہوں، پیسے کماتی ہوں، میں اپنے لیے گھر خود بناؤں گی۔''

''دیکھا! بندگی کیسی منہ زور ہوتی جاتی ہے۔ بس کردیں ایسی بحث سے کیا فائدہ؟'' بندگی نے صلح کرنے کی کوشش کی۔

''کیسے بس کردوں میں؟ جو باتیں یہ کرتی ہے کرنے لائق ہیں؟ کہتی ہیں سب کے اعمال ایک دوجے سے جڑے ہوتے ہیں لوگوں کی نظر پڑھے تو حسن کم ہوجاتا ہے۔''

''تجربہ ہے میرا؟ تجربے غلط بھی ہوتے ہیں اور آپ کے تو بالکل غلط ہوتے ہیں۔ بے کار ہی بال سفید کیے عمر ہی گوادی۔''

''ہائے ہائے دیکھو تو؟ دادی کو سفید بالوں کا طعنہ دل پہ لگا تھا، مہر چاچی بھی آگئی، دادا جی تو کب سے آئے تھے اب عافی بھی ان کا شور سن کے آگیا۔ مہر چاچی کا تو کلیجہ ہی ٹھنڈا ہوگیا۔ زندگی ہی اس کی ساس کو ٹھیک کرسکتی تھی۔

''بے وجہ بکواس کرتی ہیں اس دنیا میں ہر ایک اپنے اعمال کا ذمے دار ہوتا ہے، کسی کا کسی کے اعمال سے کوئی لینا دینا نہیں۔ مجھے جو اچھا لگتا ہے میں وہی کرتی ہوں۔ پہننا، اوڑھنا، کھانا پینا انسان کی بیسک ضروریات ہیں، اگر کوئی اپنی مرضی سے پہن، اوڑھ اور کھا پی نہ سکے تو اس کی زندگی کیسی زندگی؟ اور نظروں کا طلسم اس وقت اثر انداز ہوگا جب ہم کسی کو نظر بد سے دیکھتے ہیں، ہر کوئی اپنے اپنے اعمال کا ذمے دار ہوتا ہے۔ کسی کی نظر اگر کسی کو لگتی ہے تو خود اپنی۔ ورنہ دوسروں کے دیکھنے سے کچھ نہیں ہوتا، اگر میں کسی پر بری نظر ڈالوں تو میرے حسن کو کچھ ہوگا وگرنہ دیکھنے والے غیر لڑکیوں کو دیکھنے کے لیے اپنے اعمال کا خود سوچے۔''

''ایسا کوئی نہیں سوچتا پگلی، اور میں نے کتنی بار تم سے کہا ہے تو مردوں کو ان کی حدود یاد نہیں دلا سکتی۔ ایسے مرد ہوتے ہی نہیں ہیں۔''

''ہوتے ہیں۔''اس نے عافی کی جانب دیکھ کر کہا۔''ہوتے ہیں، میں نے دیکھے ہیں۔''

عافی نظریں جھکائے کھڑا تھا۔

اماں نے کہا۔''کبھی نہیں...... میں نہیں مانتی۔ایسے مرد نہیں ہوتے۔''

''یہ اماں بھی نا...... وہ اب کیسے عافی کا نام لے لیتی؟ دیکھ تو رہی تھی وہ عافی کی طرف، کاش اماں خود ہی سمجھ جائے کہ وہ کس مرد کی بات کرتی تھی اور اس کی بات کا مطلب کیا تھا؟ پر یہ اماں اور ان کی دلیلیں؟ اف...... اف۔''

''سچ میں بے کار ہی بال سفید کر دیئے۔عمر گوا دی۔کچھ نہیں سمجھتی یہ۔بس بولتی رہتی ہیں۔''

''بس ماں نہیں ہیں نا میری؟''زندگی کا آخری اموشنل جملہ......اور اماں چپ۔

بات ختم، جھنجٹ ہی ختم۔

☆......☆......☆

سب بچے ریاضی کے سوالوں پر جھکے ہوئے تھے کہ نوٹی نے عافی کی مصروفیت سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے پوچھ لیا۔

''سر! میں اندر جاؤں؟''

اس نے سر ہلا کے اجازت دی۔وہ کمر ہلاتا ہلاتا بندگی کی تلاش میں کچن میں آیا۔

''پانی چاہیے؟''بندگی نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

''کولر باہر ہے۔''

''واش روم جانا ہے؟''

''واش روم بھی باہر ہے۔پہلی بار تھوڑی آیا ہوں۔''

''ہوں، تو خود ہی بتاؤ کیوں آئے ہو؟ چائے بنا رہی ہو آپ؟ تو ایک کپ میرے لیے بھی پلیز۔''

''ارے واہ! یہ آج تمہیں چائے کی طلب کیسے ہوئی۔طلب تو روز ہوتی ہے اتنی اچھی خوشبو جو ہوتی ہے۔لیکن پہلے چائے مانگنے کا موقع نہیں ملا۔اب مل گیا ہے۔''

بندگی نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ یہ بچہ اس کی سوچ سے کوسوں دور تھا جس کا اعتراف وہ خود بھی کررہا تھا۔

''آپ ملکے میں مت لینا مجھے۔ مجھے سب کچھ یاد ہے۔ ناراض ہو۔ لگتا تو یہی ہے۔''

زندگی نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا، جو اس نے ڈھٹائی سے پرے کھسکایا اور کہاں پتا ہے، پتا ہے مجھے، منہ بند رکھنا ہے لیکن ایک کپ چائے......''

''ہاں۔'' اس نے کیپ ترچھی کرتے ہوئے فلمی انداز میں کہا۔ اور ٹیوشن کے بچوں کے ساتھ آ بیٹھا۔ یہاں ابھی تک ساتویں کلاس والے طلب مسئلہ فیثا غورث سمجھ رہے تھے۔ نوٹی کو سمجھ نہ آتا تھا کہ جب سمجھ نہیں آرہا تو نہ سمجھے۔

وہ ٹھوڑی پر ہاتھ جمائے بیٹھا تھا کہ بندگی چائے کے ٹرے کے ساتھ حاضر ہوئی۔ اس کا دل باغ باغ ہوگیا۔ اس نے جلدی جلدی اپنی کتابیں سمیٹیں او چائے پینے کی تیاری کی۔ وہ پینٹ پیسٹ بسکٹ کا ایک ٹکی پیک بھی اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس نے دادا، دادی کے بعد چاچا چاچی کو چائے پیش کی اور پھر عافی کو اس کی چائے تھمائی، دونوں کی نظریں ملیں، مسکراہٹوں کے تبادلے ہوئے، آنکھوں آنکھوں میں باتیں کیں اور بندگی چلی گئی۔ بندگی چلی گئی اور اس کی چائے......وہ نہیں لائی؟''

دل کے ارمان آنسوؤں میں بہہ گئے۔ اس نے بندگی کو سنانے کے لیے گایا۔ بندگی مسکرائی اور پھر سے عافی کے پاس آئی اور اس سے پوچھا۔

''میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں؟''

عافی نے ہاں کہہ دیا۔ وہ خوشی سے لب کاٹنے لگا اور بنا وقت ضائع کیے الٹے سیدھے قدم اٹھاتا کچن میں آیا۔ اس کے آتے ہی بندگی نے اسے چائے پیش کی۔ اس نے مسکراہٹوں کے جماکوں پر مشکل کنٹرول کیا اور بھنویں چڑا کر پوچھا۔

''باہر کیوں نہیں دی؟''

''باہر ایک تمہیں کیسے دیتی؟ وہاں سب بچے بیٹھے ہیں اور اس وقت کی چائے لیے بس اتنا ہی

دودھ موجود ہوتا ہے۔"

"اواچھا!" وہ سمجھ گیا اور بسکٹ دبا کر کھائے، ساتھ میں بندگی کی تعریف بھی کی۔ "آپ بہت اچھی ہیں آپی!"

"پر تم اچھے نہیں ہو۔ بلیک میلر۔" اس نے محبت سے کہا تو وہ مسکرایا تھا۔

☆......☆......☆

انسان میں محنت کا حوصلہ ہو، تھکن کو ہشاش بشاش میں بدلنے کا سلیقہ ہو، اور وقت پر کام کرنے کا طریقہ ہو، ترقیاں، کامیابیاں دور کہاں؟ زندگی لگن اور جوش وخروش کے جذبے کے ساتھ ریاضت کشی سے آگے بڑھتی چلی آرہی تھی۔ اس مختصر سے عرصے میں اس نے اپنی قابلیت، رسائی ذہین اور تجربہ کاری پر داد حاصل کی تھیں۔ وہ سب کے لیے ایک آموز کار تھی، جس کی ترقی پر کسی شک کی گنجائش نہ تھی، یہی وجہ تھی کہ منزل قریب سے قریب تر ہوتی جاتی تھی۔ وہ بہت خوش تھی، یوں بھی اس نے ضدیں چھوڑ دی تھیں۔ وہ دل کے ہاتھوں مجبور تھی۔ یوں بھی دل کے احکامات کو وہ دل سے سختی سمجھتی، اپنی منشا کے لیے سختیوں کو نظر انداز کرنا اسے خوب آتا تھا۔ اور اب تو دل آسانیوں کے ڈگر کا مسافر تھا۔ پہلی بار اس کے دل نے آسان ضد ٹھان لی تھی۔ وہ کس قدر سرل تھا۔ سادہ، معصوم، نیک، شریف عافی۔

اس کا عافی...... وہ سوچتی تو مہک اٹھتی، دل کی بے تاب دھڑکن بہک اٹھتی۔ اس نے خود کو آئینے میں دیکھا، اس کی سانولی رنگت سلونی لگتی تھیں۔ محبت ہو تو محبت کا نور بھی وجود سے لپٹ پڑتا ہے۔ آنکھیں چمک جاتی ہیں کسی ایک چہرے کو دیکھنے کا ابیاس کر کر کے، دھڑکن جب کسی ایک نام کی لے کا پریاس کرتی ہے، دلوں میں اس پریاس سے ایک جوت جگتی ہے، اس جوت کی روشنی وجود کے ذرے ذرے کو چمکا دیتی ہے۔ دل چم چماتا ہو تو روپ رنگ بھی چم چم کرتا ہے۔

محبت بھی ایک محنت ہے۔ محبت محنت کشوں کا کام ہے، حوصلے والوں کی مشقت، صبر کرنے والوں کی ریاضت، محبت ایک سبق زندگی بھی ہے۔ ایک راہ ہے ایک راستہ ہے۔ دلوں کی مات کا، دلوں کی جیت کے بعد کا ایک نظریہ حیات ہے۔ محبت بے ربط زندگی کا ایک ٹھہراؤ ہے۔ جس کے پس پشت

کچھ اور باقی کہاں رہتا ہے؟ ایک اسی کی پسپائی سے ڈر لگتا ہے، ہم خود کو ان سانچوں میں ڈھال دیتے ہیں جو ہمارے لیے کبھی بنے ہی نہ ہوں۔

یہ دل اسے بھی کہیں کا نہیں چھوڑے گا۔ کہاں اس کی ادا بے نیازی اور کہاں یہ اپنے کمرے کی کھڑکی کے نیم وا پٹ کھول کر اسے گھنٹوں گھنٹوں نظریں بھر بھر کے دیکھنا۔

عافی صبح جلدی اٹھنے کا عادی تھا۔ صبح ایک گھنٹہ اس بوسیدہ مقام میں ورزش کرنا اس کا معمول تھا۔ اسے کبھی خواب تک میں بھی نہ آیا ہوگا کہ کسی کی بے تاب آنکھیں اسے اس کی تنہائی میں نہارتی بھی ہیں۔ کوئی اس کے ہر لمحے میں رچ بس جاتا ہے، کوئی اس کی ہر ایک عادت سے واقفیت رکھتا ہے۔ کوئی اس کی کڑی محنتوں کا گواہ بھی ہے، کوئی تنہائی میں بہتے ہوئے آنسوؤں سے، اس کی دھندلی یادوں کے دریچوں میں اس کے ساتھ اترتا بھی ہے، وہ جب جب اپنی ماں کا فوٹو لے کر ان کی یاد میں آنکھیں بھر لیتا۔ زندگی کو بھی اس کی ماں یاد آ جاتی، ان کے دکھ سانجھے تو تھے۔ دکھ ہی کیوں؟ ان کے سکھ بھی سانجھے تھے۔ دونوں کھلی آنکھوں سے خواب دیکھتے تھے، محنت سے نہ گھبراتے تھے۔ ایک بہتر مستقبل کے لیے آگے بڑھنا دونوں کے لیے بے حد اہم تھا اور یہ زندگی ہی جانتی تھی کہ عافی اس کے لیے کتنا اہم تھا۔

☆......☆......☆

ہاں وہ سچ میں بے حد اہم ہو گیا تھا۔

اب نوی تنہا چائے پینے کچن میں نہ آتا تھا، عافی کا لکھا چھوٹا رقعہ بھی اپنے ساتھ لے آتا تھا۔ ایسا کوئی رقعہ نہ تھا جو اس نئے موصوف نے پڑھے بنا بندگی کے سپرد کیا ہو۔ اور آج تو وہ اپنے ساتھ پین کاغذ بھی لایا تھا کہ وہ اس کے بے چارے سر کے لیے کچھ لکھے۔

نہیں نا؟

لکھے نا پلیز...... چپ رہو بدمعاش۔ اس لیے تو کہہ رہا ہوں لکھ دیں لکھنے سے کوئی سنتا نہیں ہے۔ اس نیراز دارانہ انداز اپنایا ہوا تھا۔

''تم پڑھنا چاہتے ہو میں کیا لکھتی ہوں۔''

''نہیں...... بالکل نہیں۔میں پڑھتا تھوڑی ہوں۔مجھے تو سب پتا ہے۔''

''چل جھوٹے۔کل بھی پڑھا تھا تم نے،میں نے خود دیکھا تھا۔''نوٹی نے پکڑے جانے پہ اپنی زبان دانتوں تلے دبا دی لیکن غلطی نہ مانی کہنے لگا۔''میں پڑھتا تھوڑی ہوں۔خود بہ خود الفاظ آنکھوں کو دیکھ جاتے ہیں۔''

روز روز الفاظ آنکھوں کو دیکھ جاتے ہیں؟

''ہاں!ہر روز لفظ آنکھوں کو دیکھ جاتے ہیں لیکن میں پڑھتا نہیں ہوں۔اس نے اس ندارت سے کہا کہ وہ کھل کے مسکرا دی۔اور پھر سے عافی کا پڑھا ہوا رقعہ پڑھنے لگی۔

''اتنا نہ ستاؤ بندگی...... سامنے آجایا کرو...... مجھے کبھی جواب لکھ دیا کرو،یوں چپ نہ دھرلو، مجھے بتا دونا سب جو میں سننا چاہتا ہوں؟''

بندگی نے اسے کچن کی کھڑکی سے دیکھا،وہ بھی اسی کی تاک میں تھا۔اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور ہاتھ جوڑ لیے۔یہ التجا حال دل بیان کرنے کے لیے تھی۔

اس کی اس التجا میں نا جانے کیسی التجا تھی۔اس کی ذات کی سب ہی ضدیں اپنی موت آپ مرگئی اور محبت نکھر نکھر کر دل کے کونوں سے نکل کر خود کو منوانے چلی آئی؟کہاں یہ اس کی بساط تھی کہ عافی کو ستا سکے۔اس نے تو بس خود سے فرار حاصل کرنی تھی۔جب سے اظہار محبت ہوا تھا۔عافی جیسے شیر ہو گیا تھا۔بے لحاظ سا ہو گیا تھا۔بات بات پر ہاتھ تھام لیتا؟اظہار محبت کرنے کو کہتا۔اس لیے وہ اس سے چھپتی پھرتی،سامنے نہ آتی۔شام کی چائے بھی نوٹی کے ساتھ کچن میں پیتی۔ایک ہی گھر میں اس کی محبت میں آنکھ مچولیاں بہت ہی خوب چل رہی تھیں لیکن اس التجا بے رحم نے اس کے اندر کی تمام تر سختیوں کو محتاط سی فطرتوں کو شل سا کر دیا۔اس نے پین کاغذ نوٹی سے لیا اور لکھنے کے لیے بیٹھ گئی،یوں بھی محبت اس سے ہی تھی تو یہ اس کا حق بھی بنتا تھا۔اگر دیکھا جائے تو اس کا مطلوب اس قدر خرافت زدہ بھی نہ تھا۔اس نے دھڑکتے دل سے جو قلم کاغذ پر چلانی شروع کی تو حال دل تمام لکھ دیا۔اس نے لکھا۔

''عافی صرف ایک نام ہی نہیں اس کی صبح شام ہے،اس کی زندگی ہے۔اس کی ہر خوشی ہے۔

اس کے دل کی دھڑکن کی حیاتی اب بس اس کے نام اس کی ذات سے ممکن ہے۔ وہ ہی اس کی روح کا سکون اور وہ ہی اس کی محبت ہے۔ عافی کی بندگی کو اپنے عافی سے بہت محبت ہے۔"

نوٹی گاچتا گاتا اس کے لیے محبت کا پیغام لایا تھا۔ اسے تو جیسے یقین نہ ہوا۔ پر نوٹی نے اللہ کی قسم کھالی۔ تو یقین آتے آتے آ ہی گیا۔ عافی نے ٹیوشن کے تمام بچوں کو چھٹی دی تھی، نوٹی تو ان کے کہے بنا بیک لے کر بائے بائے کرنے لگا۔ اس نے فلمیں دیکھ رکھی تھی، اب ہیرو کہاں پڑھوا سکے گا۔ لہٰذا آج کا یہ سلسلہ یہی برخواست ہوا تھا اور عافی وہ کاغذ لیے اس کے بوسیدہ سے جہاں میں بڑی شان سے داخل ہوا۔ کسی کی محبت کا پیغام اس کا اپنی ذات میں کسی جیت کا اعتراف ہوتا ہے، یہ ایسا شاداماں سا احساس بادشاہت ہے کہ دل کی راجدھانی ہو، اپنا سنگاسن ہو، وہ ایک شخص فقط ایک شخص نہ ہو، اس کے حکم کے تابع پوری سینا ہو، مکمل ریاست ہو، چاہے جانے کا احساس دنیا کا سب سے منفرد احساس ہوتا ہے اس کی مٹھائی کوئی ثانی نہیں۔

بالآخر اس نے اسے اپنا کہا تھا اپنا سب کچھ...... اس کا دنیا میں کوئی نہیں تھا اسے یہ ہم اس کی زندگی سے ہمیشہ رہا تھا، مگر آج اس نے اس کو اپنا کہا تھا۔ مانو یہ غم تو آج جیسے زندگی سے صدا کے لیے رخصت ہوا تھا۔ کوئی اس کا تھا...... اس کا اپنا...... اس کا پیارا...... اس سے محبت کرنے والا۔

☆......☆......☆

آج سنڈے تھا۔ دادی ماں فلور کشن پر بیٹھ کر حسبِ معمول تسبیح پڑھ رہی تھی۔

زندگی کا دروازہ ابھی تک بند تھا۔ پرانا گھڑیال بارہ گھنٹیاں بجا چکا تھا لیکن دادی اموش تھی۔ انہوں نے طے کر لیا تھا وہ اب زندگی کے معاملات میں چپ رہے گی۔

کہتے ہیں جن کے متعلق سوچا جائے اور وہ عین اسی وقت ہی حاضر ہوں تو حاضر فرد کو دراز زندگی کا تحفہ مل جاتا ہے۔ اماں زندگی کے متعلق سوچ رہی تھی اور وہ آ گئی۔ اسے آج بھی ویسا ہی ذرا مختلف ڈارک پرپل کلر کا شب خوابی کا لباس پہنا ہوا تھا۔ اماں نے منہ موڑ لیا۔ بندگی نے ہمیشہ کی طرح اسے ناشتہ پیش کیا۔ آج ناشتے میں سنڈوچ تھے۔ ناشتہ اس کی پسند کا تھا لیکن دل آج اپنی پسند پہ نہ آ رہا تھا۔ اس نے ناشتہ پرے کھسکایا اور دادی کے پاس فور کشن پر آ بیٹھی اور دادی سے مخاطب ہو کے کہا۔

''آپ جب کچھ کہتی ہیں تو مجھے برا لگتا ہے۔ لیکن آپ جب مجھے کچھ نہیں کہتی تو مجھے اور بھی برا لگتا ہے اماں۔''

اماں نے جواب نہ دیتے ہوئے تسبیح پڑھنا جاری رکھا اور رخ موڑ لیا۔

زندگی فلور کشن چھوڑ کر ان کے مقابل آ بیٹھی تھی۔ ور ان کی گود میں سر رکھ دیا۔

''اماں! میں وعدہ کرتی ہوں کبھی ایسا کوئی کام نہیں کروں گی جس سے آپ کو شرمندہ ہونا پڑے۔'' اس نے اماں کی گودی میں سر رکھتے ہوئے ان کی زانوں پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

اماں کی آنکھیں بھر آئیں۔ انہوں نے خود پر ضبط قائم رکھنے کے لیے لب کاٹے تھے۔

''آپ کو یقین نہیں ہے مجھ پر؟'' اب ضبط مشکل تھا، وہ سارے ہنر جانتی تھی۔ روٹھوں کو منانا، اختلافات ختم کرنا، خود کی طرف اٹھتی انگلیوں کی سمت بدلنا، غلط فہمیوں کو خوش فہمیوں میں بدلنا۔

کامیابی حاصل کرنے کے لیے محنت، لگن، خود اعتمادی کے ساتھ ساتھ مطمئن کرنے کا ہنر بھی آنا چاہیے۔ اور دادی اب مطمئن لگتی تھی۔ انہوں نے بلش کرتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔

''تجھ پر اعتبار ہے، پر لوگوں سے ڈر لگتا ہے۔ کسی کی خوش بختی کو یہ لوگ بدبختی میں بدل دیتے ہیں۔''

زندگی مسکرائی۔ ''آپ تو کہتی ہیں مقدر کے لکھے کوئی نہیں مٹا سکتا تو رکھنے دیں لوگوں کو اپنے ہاتھوں میں ربڑ۔ مٹا مٹا کے تھکنے دیں۔ اور آپ میری پیاری بڈھی دادی ہیں۔ سارا دن تسبیح پڑھتی ہیں، گھٹنوں کے درد کی مریضہ ہیں لیکن پھر بھی نماز کی پابند ہیں آپ سب کچھ اللہ پہ چھوڑ دیں نا، لوگوں کو بھول جائیں اللہ کو یاد کر لیں۔''

اب دادی کیا کہتی، مان ہی گئی۔

بندگی ناشتے کے برتن لینے آئی تو دونوں کو ساتھ میں دیکھ کر خوش ہوئی اور ڈسٹرب کیے بنا وہ زندگی کا ناشتہ واپس لے گئی۔ اس دن اس نے اماں کی خار میں ناشتہ نہیں کیا تھا۔ آج اماں کے پیار میں ناشتہ نہیں کرنے والی تھی۔

☆......☆......☆

آج نوٹی اپنی ماں کے ہمراہ وقت سے پہلے ہی ان کے گھر حاضر تھا۔اس کی مدر اماں کے ساتھ بیٹھی تھی۔وہ ایک ماڈرن خاتون تھی اور اپنا بیوٹی پارلر چلاتی تھی۔

آج اس نے بندگی کو پارلر آنے کی تجویز دی لیکن وہ گھر داری میں خوش تھی۔

''اچھا کوئی نہیں ،کبھی اگر گھر سے نکل کر کوئی کام کرنا چاہو تو پارلر چلی آنا۔تمہاری پرسنالٹی پر یہ کام سونے پہ سہاگا کا سا کام دے گا۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔''

''ماشاءاللہ بہت پیاری ہو تم۔تمہیں دیکھ کر کسٹمر کی لائن لگ جائے گی۔''

بندگی کی آنکھوں میں حیرت اتر آئی۔اس نے معصومیت سے پوچھا۔

''وہ کیسے؟''

''ارے کبھی پارلر آئی بھی ہو؟''

''باجی کے ساتھ آتی رہتی ہوں۔''

''کبھی کوئی سروس کروائی ہے؟''

''ہاں کروا لیتی ہوں کو باجی کہتی ہیں۔''

''اچھا اگر کبھی چہرے پر پمپل نکل آئے ہوں اور تم پارلر بہتری کے لیے چلی آؤ۔اور وہاں پہلے سے ہی ایک پمپل والی لڑکی کو دیکھو؟ تو کیا ایسی لڑکی کو پارلر میں دیکھنے کے بعد بھی اسی پارلر سے سروس کروا لوگی؟ یا یہ سوچو گی کہ جب پارلر میں موجود لڑکی اپنے چہرے کو درست نہیں کر سکتی تو مجھے کیا کرے گی؟''

بندگی تذبذب کی سی کیفیت میں جواب تلاش کر رہی تھی۔

نوٹی کی ماں کو ہنسی آ گئی۔

''اچھا چھوڑو،جب کبھی اپنی جی کے بنا پارلر آنا پھر جواب ڈھونڈ لینا۔پر میرا مشورہ کبھی نہ بھولنا۔''

اس نے ہاں کہہ دیا۔

بندگی سے ملنے کے بعد وہ عافی سے ملی اور اسے بتایا۔

''وہ لوگ شفٹ ہو رہے ہیں۔''

ان کی بات سن کر اس نے نوٹی کی طرف دیکھا وہ بجھا بجھا چہرہ لیے کل سے مسکرائے جا رہا تھا۔ پورا ہیرو تھا۔ دکھ میں مسکرانے والی اداکاری کیا خوب نبھا رہا تھا۔

چند رسمی کلمات کی ادائیگی کے بعد نوٹی کی ماں چلی گئی تھی۔ ان کے جانے کے بعد عافی نے نوٹی کو اپنے پاس بلایا۔ وہ کچی زمین پر پرانے ٹائرز پر بیٹھا نوٹی بھی اس کے پاس ہی آ کر بیٹھ گیا تھا۔ سارے گھر سے دھوپ رخصت لے چکی تھی۔ بس آخری ٹاٹا اس کچے حصے کا باقی تھا۔ جہاں ٹائروں کے آس پاس خودرو گھاس اور چند پودے اگے تھے۔ نوٹی اپنے استاد کے پاس آ کے بیٹھ گیا۔

''اداس ہو؟''

''نہیں تو۔''

''جا تو رہے ہو؟''

''ہاں۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''اچھا تو خوش ہو تم۔''

''ہاں۔ آپ کو پتا ہے ہمارا نیا گھر بہت بڑا ہے اور میرا الگ کمرہ بھی ہے وہاں۔''

ایکٹنگ کی داد دینی چاہیے تھی اتنا سا پوکٹ اور ایسی اداکاری۔ آنکھوں میں آنسو، لبوں پہ ہنسی۔ عافی نے پرستائش نظروں سے اسے دیکھا اور پوچھا۔

''اسکول بھی چینج کر رہے ہو؟''

''نہیں۔''

''ہوں۔ دادی والے بھی شفٹ کر رہے ہیں؟''

''نہیں، وہ یہاں ہیں اسی گھر میں۔''

''تو بس مسئلہ ہی حل۔ تم اسکول آ جایا کرنا اس کے بعد دادی کے پاس آ جانا اور پھر ٹیوشن بھی پڑھ لینا۔''

''ہاں یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔'' وہ جیسے خوش ہو گیا۔

''چلو تمہارا مسئلہ حل ہو گیا۔''

''مسئلہ تو پہلے بھی نہیں تھا۔'' ہیرو، ہیرو پنتی کر رہا تھا۔ عافی کو ہنسی آ گئی۔

''اچھا بتاؤ، اگر چلے جاتے تو سب سے زیادہ کسے مس کرتے؟''

''بندگی آپی کو۔ وہ چائے پلاتی ہے اس لیے نا؟''

''نہیں وہ بہت اچھی ہیں اس لیے۔ آپ کی تو لائف سیٹل ہے۔ میں آپ کی شادی میں خوب ناچوں گا۔''

''اور میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔ خوب ناچنا۔'' عافی کے دل میں بھی اپنی شادی کا سن کر لڈو پھوٹ پڑے تھے۔

☆......☆......☆

اس کا رزلٹ آج کل میں آنے والا تھا۔ عافی کو بے حد بے صبری سے رزلٹ کا انتظار تھا۔ سب کو اس کی قابلیت پر یقین تھا۔ اس کی کڑی محنت سب نے دیکھی تھی۔ سب پر امید تھے۔ سب سے زیادہ زندگی۔

اسے جیسے پتا تھا وہ کامیابی حاصل کر لے گا۔ لیکن اگر وہ کامیاب ہوا اور پھر اس کے دل میں بسیرا کرنے والی محبت کا عافی کو ذرا سی بھنک بھی پڑی تو وہ تو سمجھے گا کہ زندگی کی زندگی میں اس کی جو بھی اہمیت ہے اس کی وجہ صرف اور صرف اس کی کامیابیاں ہیں۔ اور یہ بالکل سچ نہیں تھا۔ اف وہ کیا کرے۔ اسے تو عافی جیسا بھی تھا قبول تھا۔ اس کے لیے اس کی کامیابی کوئی معنی نہ رکھتی تھی۔ وہ ایک خود مختار لڑکی تھی۔ لیکن وہ اس سب کا یقین کسی کو کیسے دلوائے گی؟

تو وہ وقت آ گیا تھا۔ ہاں یہ ہی صحیح وقت تھا۔ اس وقت اس سے اظہار کرنا ہی ٹھیک تھا ورنہ اس کی محبت پر سو سو خدشات کا خطرہ تھا۔ اسے یوں بھی ہر ایک کام وقت پر کرنے کی عادت تھی۔

☆......☆......☆

نوٹی نے عافی کی بات مان لی تھی۔لیکن آدھی ادھوری۔وہ ٹیوشن سے پہلے گھر آیا اور پھر سیدھا اسکول بیگ تانے پہلے صحن عبور کر کے برآمدے میں آیا جسے ذرا بھرا مرمت کر کے ٹی وی لاؤنج بنایا گیا تھا۔اس کے بعد وہ کمروں کی طرف آیا یہاں سائیڈ میں کچن میں جھانکا۔بندگی کچن میں نہ تھی تو یہاں سے پھر پرانی بیٹھک کی طرف آیا، عافی اسی کچی زمین میں خودرو گھاس کے پاس پرانے ٹائرز پر بیٹھا تھا۔آج دھوپ اس پورشن میں نکھری تھی۔عافی ناراضگی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔سردیوں کی دھوپ اور نارنگیاں۔کیا خوب لطف ہوتا ہے۔نوٹی آیا تو اس کا سایہ عافی پر پڑا وہ آتے ہی کل والی جگہ پرآ کر بیٹھا تھا۔

”تمہیں دادی کے گھر جانے کا مشورہ دیا تھا یہاں آنے کا نہیں...... پتا ہے لیکن میں یہاں آ گیا...... پوچھ سکتا ہوں کیوں؟“

”آپ کا خیال آ گیا۔سوچا یہاں آپ کے ساتھ بندگی آپی کے ہاتھ سے بنا ہوا کھانا کھاؤں گا تو آپ بھی اپنا کوئی پیغام خود دے دینا۔اب کب تک میں......“

اوہو۔اوہو۔تو یہ ہیرو گھر کی باتیں گھر سے باہر نہیں کرتا۔اس کی دادی اور اس کی امی میں بھی ساس بہو والا اکڑا تھا۔اس کی امی نے اسے دادی کے گھر جانے کی اجازت نہ دی تھی۔تو گھر کی بات بتانے کی بجائے عافی پہ احسان جتایا جا رہا تھا۔

”ہاں یار ویسے کہہ تو تو صحیح رہا ہے۔کب تک تو قاصد بنا رہے گا؟ کچھ تو کرنا ہوگا مجھے۔آخر بندگی کے سوا میرا ہے ہی کون؟“

”ہاں نا کر لیں، بچے کی بات مان لیں۔“نوٹی نے معصومیت سے ننھے ہاتھوں سے سر کو چھوتے ہوئے کہا۔جیسے عافی کو سمجھا سمجھا کر تھک گیا ہو۔

”توبہ ہے تجھ سے۔تُو بچہ ہے۔“

”تو کیا ہوں؟“اس نے معصومیت سے پوچھا تھا۔

”تو بڑوں سے بھی بڑا ہے۔“

”آپ تعریف کر رہے ہو یا......“

”تعریف نہیں کر رہا۔تم بچے نہیں ہو۔“

”میں بچہ ہی ہوں۔“

”اچھا ایک ثبوت دے دو۔“

”میں دس سال کا ہوں، اسکول جاتا ہوں اور آپ میرے ٹیچر ہیں۔“

”دیکھا کہا تھا ناتم بچے نہیں۔“

”ہاں۔“ نوٹی حیران ہوا۔

”اتنا اچھا اور سچا ثبوت تو دیا۔“

”یہی تو...... اگر تم بچے ہوتے تو اتنا اچھا ثبوت نہ دیتے۔تم بس عمر میں چھوٹے ہو۔“ عافی نے اسے چھیڑنے کے لیے کہا تھا۔

اور اس کی اداکاری پھر شروع تھی۔

☆......☆......☆

صبح کا پورنور سویرا پھیلنے والا تھا۔چاروں جانب عجیب سی خاموشی تھی۔ایسی خاموشیاں بے چین دلوں کی بے چینی بڑھا دیتی ہے۔وہ آدھی شب سے ہی رات آنکھوں آنکھوں میں کاٹ رہی تھی۔لیکن اب اس سے اپنے شاندار بیڈ پر لیٹا نہ جا رہا تھا۔وہ اٹھ بیٹھی اور فوراً اپنے کمپیوٹر پر سی ایس ایس کے رزلٹ کو چیک کرنے لگی۔

ابھی تک کچھ پتا نہ چل رہا تھا لیکن کبھی بھی کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

اس نے بے کار میں وقت کو اپنی ہتھیلیوں سے پھسلنے نہ دیتا تھا۔اس نے عافی کو دن رات محنت کرتے دیکھا تھا، وہ عافی سے بھی زیادہ عافی کے لیے پرامید تھی۔اسے ڈر تھا اگر رزلٹ مثبت آیا اور اس کے بعد اس نے عافی سے اس کے دل کی بات کی تو لوگ سمجھیں گے۔اس نے سمجھداری کی ہے لیکن کسی کو کیا پتا اس نے محبت کی تھی۔خالص اور بے غرض محبت۔

عافی اج کسی عہدے پر نہ تھا تو بھی اس کے دل کا بادشاہ تھا اور عافی جب کسی عہدے پر فائز ہوگا بھی تو اس کی محبت میں کمی نہ آئے گی۔ اس سوچ کے ذہن میں پہنچتے ہی اس نے ارادہ باندھ لیا۔ خواہ کچھ بھی ہو وہ آج ہی عافی سے اپنے دل کی بات کرے گی۔ اور جو آج کرنی تھی۔ وہ بات ابھی کیوں نہیں۔ وہ عجلت میں اٹھ کر کھڑکی کے پاس آئی۔

پرانی بیٹھک کا زنگ آلود لوہے کا دروازہ ابھی تک بند تھا۔ اس نے دو گرے رنگ اور سنہری رنگ کے پرندوں کی چونچوں میں تھام ہوئے ٹائم پیس کی طرف دیکھا۔ ابھی صبح کے چھ بجے تھے اور وہ ساڑھے چھ بجے آج کل بیدار ہوتا تھا۔ اس نے دل کو سمجھا کر انتظار کرنا شروع کیا۔ پر یہ انتظار بے حد کٹھن تھا۔ وہ اضطرابی میں بار بار اپنے ہاتھ مسل رہی تھی اور نچلا لب دانتوں تلے دبایا ہوا تھا۔ اس کی نظریں مسلسل پرانی بیٹھک کے دروازے پر تھی۔ وہ کھڑکی سے ہٹ نہیں رہی تھی۔

لحہ لحہ بے صبری سے گزر رہا تھا۔ اسے آج احساس ہو رہا تھا ایک منٹ میں پورے ساٹھ سیکنڈ ہوتے ہیں۔ اف...... کاش کہ وہ ایک ایک منٹ کے کچھ کچھ سیکنڈ چرا سکی ہوتی۔ پر اس ٹائم کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اور پھر محبت میں انتظار کی قربانی دینی ہی پڑتی ہے۔

وقت بھی اتنا سنگ دل نہیں ہوتا کہ ٹھان لو اور آئے نہ دیر سویر آ ہی جاتا ہے۔ بس شرط صرف اور صرف انتظار ہے۔

زندگی نے وقت آنے کے لیے وقت کا انتظار کیا اور وقت آ گیا اور ذرا پانچ منٹ پہلے ہی آیا تھا۔ عافی کی پرانی بیٹھک کا دروازہ ساڑھے چھ سے پانچ منٹ پہلے ہی سرکا تھا۔ اس نے عافی کا خوش رو چہرہ دیکھ لیا تھا۔ وہ خوشی سے دیوانی سی ہوتی تھی۔ اس نے فوراً اپنا کوٹ نما سویٹر اٹھایا، پہنا، جوتے تلاشے......لیکن یہ سیدھے پیر کا جوتا کدھر چلا گیا تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا تو اسے جوتا نہ ملا۔ پھر اس نے اپنے سینڈل والا دراز کھولنا چاہا لیکن اس کی چابی بھی پتا نہیں کہاں تھی۔ اس نے چابی ڈھونڈنے کا تکلف نہ کیا اور شال اوڑھ کے ایک ہی جوتے کے ساتھ پرانی بیٹھک کی طرف دوڑ لگائی۔

اس کا نرم پاؤں ٹھنڈے فرش کی تاثیر سے بے خبر آگے بڑھا جا رہا تھا۔ وہ بھاگے چلی آئی تھی۔

ایک پاؤں میں جوتا تھا اور دوسرے میں نہیں۔

عافی سامنے تھا۔ وہ اس کے عقب میں تھی۔

صبح کی روشنی اجلی اجلی سی تھی اور اس پر دل کی حالت؟ اور اس پر بھی یہ اتنے سارے پرندے۔ ان کا اس قدر شور۔

شاید یہ سب اس کے دل کا احوال سننے آئے تھے۔

زندگی نے چاروں اطراف نظریں دوڑانے کے بعد اسے پکارا۔

''عافی۔''

اس کی پکار میں غیر مانوس سی جھجک تھی۔ عافی ورزش کر رہا تھا۔ زندگی کو یوں یکا یک، نگاہ پا کر بھونچکا سا لگا تھا۔ پہلے تو وہ ہکا بکا سا کھڑا رہا اور پھر اس نے خود کی طرف خود کی توجہ مائل کی۔

او! اس کی شرٹ سامنے پڑی تھی۔ وہ فوراً اپنی شرٹ کی جانب بڑھا اور شرٹ پہن لی۔ اور متعجب سا اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔ آج اس طرح اسے یہاں پا کر وہ اس قدر حیران ہوا تھا کہ اس کے آگے ادب سے نظریں جھکانا ہی بھول گیا۔ عافی کی پریشان نظریں زندگی کے چہرے پر تھیں۔ وہ بھی عافی کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

''عافی۔'' اس نے پھر سے پکارا۔ عافی کی آنکھوں میں حیرت مزید ابھر آئی۔

اس کی نظریں اسی پر تھی۔

''اماں سچ کہتی ہے نظروں کا بھی طلسم ہوتا ہے۔ بلکہ ہر نظر ایک طلسم ہوتی ہے۔''

عافی کی نظریں بھی طلسم آمیز ثابت ہوئی تھیں۔ اس کے اعتماد کے رنگ ڈھلنے لگے۔ بکھرنے لگے۔ وہ جس قدر و شوق سے حالِ دل سنانے آئی تھی اتنے ہی غیر مستحکم انداز میں چلی بھی گئی۔

وہ حالِ دل بتانے آئی تھی۔ یعنی دل کی دید سے دل کو دکھانے آنے آئی تھی۔ حالِ دل بتانا اتنا آسان ہوتا، دل کو دکھانا اتنا سرل ہوتا تو دل بھی آنکھ، ناک، کان وغیرہ کی طرح نظر آنے والا عضو ہوتا۔ لیکن دل کو خدا نے چھپا کے رکھا۔ اس کا احوال آسان نہیں۔ اس لیے اظہارِ محبت بھی اتنا آسان

نہیں۔اس میں تو اچھے اچھے پیچھے رہ جاتے ہیں۔عمریں گزر جاتی ہیں۔

اظہر محبت دنیا کا وہ سچ ہے جس کے پہلی بار زبان پر آنے سے زبان لڑکھڑا جاتی ہے۔لفظ گم ہو جاتے ہیں۔جیسے ذہن میں سمائے تمام حرف نیا جنم لے رہے ہوں۔اور کسی بھی شے کے جنم کے لیے وقت تو درکار ہوتا ہی ہے۔یوں ہی تو زندگیاں نہیں ملا کرتیں؟ یوں ہی تو سانسیں نہیں ملا کرتی۔اس کی محبت بھی اس کے دل میں رہی تھی۔ابھی تو اس محبت نے جنم لینا تھا۔

ابھی تو اس محبت نے سانسیں لینی تھیں۔ایک مکمل زندگی جینی تھی۔اس دنیا میں سفر کرنا تھا۔جس طرح ہر دل کی محبت کو اس دنیا کا سفر کرنا پڑتا ہے۔نرم و نازک اور سخت سے سخت موسموں سے گزرنا پڑتا ہے۔

کہ ابھی تو محبت کا جنم باقی تھا۔

☆......☆......☆

زندگی کا اس طرح آنا اور آ کر چلے جانا؟

عافی کے لیے عجیب نہیں بے حد عجیب تھا۔لیکن کہاں وہ اور کہاں زندگی؟

جیسے ایک زمین اور دوجہ آسمان، جیسے سمندر کے دو کنارے، جیسے دن اور رات۔

دونوں کا ملن ناممکن...... عافی کبھی بھولے بسرے بھی سوچ نہ سکتا تھا کہ زندگی اس کی طرف کیوں آئی تھی۔بس ذرا سا اندازہ لگا لیا اور وہ بھی غلط سلط سا ایک اندازہ۔

''کچھ گم ہو گیا ہوگا ڈھونڈنے آئی ہوگی۔''

ویسے دیکھا جائے تو عافی کا غلط سلط اندازہ بھی کچھ اتنا بھی غلط سلط نہ تھا۔کچھ کچھ تو درست تھا کہ زندگی کا کچھ ایسا ویسا تو گم نہ ہوا تھا جسے وہ ڈھونڈ رہی تھی۔اس کا تو دل گم گیا تھا جس کی وہ خبر دینے آئی تھی، کہنے آئی تھی کہ میرا دل تمہارے پاس آیا ہے خیال رکھنا اب۔پر بے خبروں کو خبر کہاں؟ عافی نے ہمیشہ اس کی عزت کی تھی۔وہ تھی ہی ایسی کسی عظیم سلطنت کی عظیم سی بادشاہ زادی۔اس کے وجود سے ایسی نفاست چھلکتی جو اپنا آپ منوا لیتی تھی۔کچے پکے گھر کے احاطے میں وہ ماربلز اور خوب صورت ٹائلز والے کمرے میں رہتی۔اس نے میٹرک کے دوران ہی کمانا شروع کیا تھا۔ٹیوشن پڑھائے تھے۔

کتابوں، کاپیوں پر جلدیں چڑھائی تھیں۔ خوش خطی سیکھ کر خطاطی کی کلاسز دی تھی۔ بچوں کو آرٹ ورک بھی سکھایا تھا اور محلے بھر کے بچوں کو اسکول کے لیے چارٹ بھی بنا کر دیتی رہی تھی۔ اپنا کماتی، اپنا کھاتی، نہ ہاتھ پھیلاتی نہ کسی کی مانتی۔ اس نے خود کے لیے بہتری سوچی اور سب بہتر ہو گیا تھا۔ اس کی ہر ادا نرالی تھی۔ اب دیکھو کیا کر بیٹھی تھی؟ گھر کے نوکر پہ دل ہار بیٹھی تھی۔

☆......☆......☆

حسبِ معمول نوٹی کچن میں بیٹھ کر چائے پی رہا تھا۔ بندگی بھی اس کے پاس موجود تھی اور بظاہر خالی کپ لبوں پہ رکھ کر چائے کی چسکیاں لے رہی تھی کہ راحت اور نصرت بھاگتے ہوئے آئے اور بندگی سے ٹکرا گئے اور راز کھل گیا۔

''آپ چائے نہیں پی رہی تھی؟ کپ تو خالی تھا؟''

''وہ میں ذرا مستی کر رہی تھی آج تمہارے ساتھ۔''

''بندگی آپی! میں جھوٹ سمجھ لیتا ہوں۔'' نوٹی نے خفگی سے کہا تو بندگی نے پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور کہا۔

''وہ دراصل چاچی مہر کپ گن گن کر دودھ دیا کرتی ہے اور ذرا سا بھی دودھ پانی کی مقدار میں کمی بیشی ہو تو خفا ہو جاتی ہے۔ تم تو سمجھ دار ہو نا، سمجھ سکتے ہو؟''

''ہاں سمجھ گیا...... یہ چاچی مہر...... ولن ہے......'' اس نے جملہ پر سوچ انداز میں ادا کیا۔ اور طے کر لیا وہ اپنی بندگی آپا کی اس قربانی کی قدر کرے گا اور آج کے بعد وہ چائے نہیں پیئے گا اور کھانا تو کبھی بھی یہاں نہیں کھائے گا۔ اب جب چائے بندگی اسے اپنے حصے کی دیتی تھی تو کھانا بھی اپنے حصے کا کھلاتی ہو گی۔

اس شام کے بعد زندگی ہر روز نوٹی کو بلایا کرتی مگر وہ نہ جاتا۔ جاتا تو وہ اسے اپنی چائے پلاتی نا۔ وہ بس نہیں جائے گا۔ اگر چہ بندگی اور اس کی باتیں، اس کی چائے، کھانے کا ذائقہ۔ وہ ہر ایک چیز کو مس کر رہا تھا لیکن پھر بھی اس نے دل بڑا کرنے کی جو ایک بار ٹھان لی تھی تو ٹھان ہی لی تھی۔ تھا تو وہ ہیرو۔ ہیرو کی

خوبیوں میں ہی ایک خوبی ہوتی ہے نا کہ ہیرو کا دل بڑا ہوتا ہے۔نوٹی کا بھی دل بہت بڑا تھا۔
عافی نے محسوس کیا تھا وہ اسے بلاتی تھی اور وہ اس سے کتراتا تھا۔آج تو عافی نے پوچھ ہی لیا۔
''کیا ہوا ہے؟ اور بس اس کے دل کا حال پوچھنے کی ہی دیری تھی کہ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔وہ ہی جانتا تھا اس نے بندگی کو ہر بات کے لیے کیسے منا لیا تھا اور کتنا اسے مس کیا تھا۔
''کیا ہوا ہیرو، اپنے استاد کو نہیں بتائے گا، ناراض ہو بندگی سے؟''
'نہیں نہیں میں ان سے ناراض کبھی نہیں ہو سکتا۔وہ تو پیاری سی کوئی آپی ہیں میری۔بس میں چاہتا ہوں وہ کھاتی پیتی رہے۔''
عافی نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔تو اس نے بھی سچ اگل دیا۔اب استاد سے جھوٹ تھوڑی بول سکتا تھا۔ہیرو تو سچ اور سچائی کا پیکر ہوتے ہیں نا اور وہ ہیرو تھا۔
''ہوں تو اب تم کیا چاہتے ہو؟''
''میں کیا کر سکتا ہوں ولن کے ساتھ؟'' وہ مہر چاچی کو کھا جانے والی نظر سے دیکھتے ہوئے کہے جا رہا تھا۔
''ولن ہیں تو ان کے ساتھ وہ کرو جو ہیرو ولن کے ساتھ کرتے ہیں۔''
''ہیرو تو ولن کو مار مار کے پچکا دیتے ہیں۔'' اس نے اس انداز میں کہا جیسے مہر چاچی کی گردن اس کے ہاتھ میں دبوچی ہوئی ہو۔
عافی کو ہنسی آ گئی۔کنٹرول ہیرو......کنٹرول......ذرا صبر۔
''صبر نہیں ہو رہا سر۔آپی کی بہت یاد آتی ہے اور مجھے ان کے ہاتھوں کی چائے بھی پینی ہے۔بس۔''
عافی پھر مسکرایا اور بولا۔
''یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ذرا سی تعریف کر لو مہر چاچی کی۔''
''میں نہیں کرنے والا ولن کی تعریف شاریف۔'' نوٹی نے بات سنے بنا ہی فیصلہ کر لیا۔
''ارے جذباتی بشر! سن تو لو پوری بات۔پہلے تم سے جتنی بن پائے چاچی کی تعریف کرنا۔وہ

خوش ہونے لگے تو اور خوش ہونے کے لیے کہنا کہ وہ اسٹار پلس کی ہیروئن کشش سے ملتی ہیں، بس ذرا سی کشش سے موٹی ہیں تو بس دیکھنا وہ کیسے ڈائٹنگ پر اتر آتی ہیں۔"

"ہاں۔" اسے تو سن کر مزا ہی آ گیا۔ اس نے چپل پہنی اور کہا۔

"ابھی جاتا ہوں چاچی کی تعریف کرنے۔"

"ارے نہیں ابھی نہیں کل کر لینا چاچی کی تعریفیں۔ آج بندگی کو یہ دے آؤ۔" عافی نے ایک خط اس کی پاکٹ میں رکھا تھا۔

"لو لیٹرررر۔" اس نے چمکتی آنکھوں سے کہا تو عافی نے اس کا منہ بند کر لیا۔

"قاصد خاموش رہتے ہیں۔"

"ہاں تو ٹھیک ہے میں چلا۔" وہ الٹے سیدھے قدم اٹھا کر ایک کونے میں آیا۔ خط نکالا اور پڑھنا شروع کیا۔ لیکن خط میں مشکل الفاظ تھے۔ اور وہ اردو کے الفاظ معنی کبھی یاد نہ کیا کرتا تھا۔ پیپروں میں بھی دوستوں نے پوچھا تھا لیکن آج کے بعد وہ اردو کے الفاظ معنی ضرور یاد کرے گا۔ آخر کو وہ ہیرے تھا کل کو اسے بھی تو کسی کو خط لکھنا پڑ سکتا تھا۔

☆......☆......☆

نوٹی خط پڑھنے کے بعد سیدھا بندگی کے پاس آیا اور اسی انداز میں سرگوشی کی۔

"لو لیٹرررر۔"

بندگی اسے ہاتھ سے پکڑ کر اپنے کمرے میں لے آئی اور پوچھا۔

"کیا لکھا ہے اس میں؟"

"یہ تو میں سمجھ نہیں سکا بس یہ پلے پڑا کہ رزلٹ آنے کے بعد وہ دادا جی سے آپ کا ہاتھ مانگے گا۔"

بندگی کا تو جیسے دل ہی خوش ہو گیا۔ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ خط کی تہیں کھولیں اور پڑھنا شروع کیا۔

اس خط کی ایک ایک لائن مقدس تھی۔ وہ دن میں کئی کئی بار اس خط کو پڑھتی۔ خوش ہوتی۔ اسے

بے صبری سے رزلٹ کا انتظار تھا۔ وہ اللہ سے دعا مانگتی، جلدی رزلٹ آجائے۔

اور زندگی...... زندگی کی تو یہی دعا تھی کہ رزلٹ میں ذرا سی دیری ہو تو اچھا ہے۔ وہ ذرا اپنے دل کا کچھ کر لے۔ پر اب تک وہ جان گئی تھی کہ یہ اتنا آسان کام نہ تھا۔

لیکن اسے کچھ تو کرنا تھا اگر وہ عافی سے براہ راست مخاطب نہ ہو سکتی تھی تو کوئی اور حل تو ہو گا۔

اس نے رائے بدل لی اور سوچوں کی پرواز کو کسی دوسری نہج پہ مرکوز کیا۔ تو حل مل گیا تھا۔ دادی...... اس کی پیاری دادی۔

دادی کا خیال آیا تو وہ ساری فکریں دادی کے سپرد کرنے کی غرض سے سویرے ہی سویرے ان کے کمرے میں حاضر ہوئی۔ دل میں نا جانے کتنے خوش کن خیال انگڑائیاں بھر بھر لیتے تھے۔

اسے دیکھ کر تو دادی کی جیسے روح ہی تازہ ہو گئی۔ اس کے سر پر دوپٹہ تھا ضرور نماز پڑھی ہو گی ورنہ دوپٹے کا تو اسے دھیان ہی نہیں ہوتا تھا۔

”آجا...... فجر پڑھ کے آئی ہے؟“

اس نے ہاں کہا تو دادی نے اسے پاس بلا کر گلے لگا لیا۔

”آج اتنا بدلاؤ کیسے؟ آپ ہی تو کہتی ہیں اگر میں نے عادتیں نہ بدلیں تو سسرال کیسے جاؤں گی؟“

”ارے واہ! آج اچانک سسرال کی یاد کہاں سے آ گئی تجھے؟ تُو تو کہتی تھی تو سسرال جائے گی ہی نہیں اپنا گھر بنائے گی۔“

”ہاں دادی! میں اپنا گھر بناؤں گی۔ آپ ہی تو کہتی ہیں اپنا گھر اپنا ہوتا ہے۔ ہاں وہ تو ہے لیکن سسرال بھی تو ضروری ہوتا ہے اب وہ کیسے سمجھاتی۔ دادی سوچ میں پڑ گئی۔ اس کا دل تو کہتا تھا دادی کچھ نہ سوچیں بس پوچھ ہی لیں کہ کون سا سسرال ڈھونڈ آئی ہو؟ پر دادی لمبے بھاشن کے موڈ میں نظر آتی تھی۔ کہنے لگی۔

”بیٹا! سسرال عورت کی ازدواجی زندگی کی بنیاد ہوتا ہے۔“

اُف یہ بڑی اماں بھی نہ صرف سمجھاتی رہتی تھی، سمجھتی کچھ نہ تھی اور پوچھتی تو کچھ بھی نہ تھی۔ اگر وہ

کچھ پوچھ لیتی تو زندگی کے لیے سب کچھ بتانا ذرا آسان ہوتا۔ وہ ابھی تک سمجھا رہی تھی۔ سسرال پر ان کی مضمون نویسی جاری تھی۔ اب تو زندگی کو ہی کچھ کرنا ہوگا۔

''اماں، اماں! عورت شادی سسرال کے ساتھ رہنے کے لیے نہیں کرتی نا؟'' اس نے بالآخر اماں کو مضمون نویسی سے روکا اور ٹوکا۔

''ہاں کہتی تو تو بھی ٹھیک ہے۔'' اماں اس کی بات مان گئی۔ قائل ہوگئی اور چپ ہوگئی۔ اور چپ چاپ اس کے سر پر ہلا ہلکا تھپتھپاتے لگی۔

اماں قائل ہوگئی، اتنی جلدی چپ ہوگئی؟ ایسا تو کبھی نہ ہوا تھا۔ اُف یہ اماں اتنی سیدھی سادی کیوں تھی۔ اس کا مسئلہ جوں کا توں تھا۔ حال دل، دل میں دبا تھا۔ اماں اب بھی چپ تھی۔

اس نے اماں کے بالوں کی طرف دیکھا۔ بے کار ہی بال سفید کیے، عمر گنوا دی لیکن اسے وقت نہیں گنوانا تھا اس لیے اس نے سیدھی راہ اپنائی۔ ادھر ادھر دیکھا۔ دادی کا کمبل تان لیا، منہ چھپا لیا، ایک گہری سانس لی اور اگلی سانس میں ایک جملہ کہا۔

''اماں! مجھے محبت ہوگئی ہے۔''

''کیا؟'' اماں نہ سمجھی۔ نا سمجھی میں تو اماں نے حد ہی کر لی۔ زندگی کو پھر سے بتانا پڑا۔

''اماں! مجھے......محبت......ہوگئی ہے۔''

''ہاں؟ ہائے، ہائے اللہ۔'' اماں کی تو آنتیں منہ کو آگئی ہوں جیسے۔ کوئی پوتی اپنی دادی سے ایسا کہتی ہے بھلا؟

زندگی نے کمبل مضبوطی سے تھامے رکھا، اماں کو اپنا چہرہ نہ دکھایا اور کمبل تانے ہوئے پوچھا۔

''پوچھیں گی نہیں؟ محبت کس سے ہوئی ہے؟''

''تم......تم مذاق کر رہی ہو نا؟''

وہ اماں کی بات سن کر کمبل کی اوٹ میں سے باہر آئی۔ چند لمحے چپ سی رہی اور پھر بولی۔

''اماں، اماں! آپ ایسی کیوں ہیں، سمجھ جائیں نا۔ پلیز یہاں میری جان پہ بنی ہے اور آپ کو

لگتا ہے میں مذاق کر رہی ہوں۔اور میں نے کبھی مذاق کیا بھی ہے آپ کے ساتھ؟''

''تو پھر؟''

''ہائے اللہ اماں؟ آپ کی سادگی؟ تو پھر.....تو پھر کیا اماں،آپ ہاتھ مانگیں اس کا میرے لیے،میرا رشتو بولوا سے۔''

''کک.....ک.....کسے؟''

''شکر ہے۔اب کیا پتے کا سوال۔''زندگی اماں سے ذرا دور ہوئی۔نا جانے نام سننے کے بعد اماں کا ردعمل کیا ہو؟

''عافی؟''

''کیا؟''

''ہاں وہی......''

''کیا کہہ رہی ہو تم؟''

''اماں!ابھی تو سب کہا۔ابھی دوبارہ کیسے کہوں؟''

اماں جتنا حیران ہو سکتی تھی اس قدر حیران تھی۔ان کی بے یقینی کی اس وقت کوئی تشریح نہ ہو سکتی تھی۔انہیں اپنے دیکھنے،سننے،سوچنے،سمجھنے حتیٰ کہ جاگنے پر بھی شک ہو رہا تھا۔انہیں لگا وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے۔ایک عجیب خواب۔

''یہی سچ ہے اماں۔میں عافی سے شادی.....کرنا چاہتی ہوں۔''اس نے بڑی مشکل سے یہ آخری جملہ کہا اور آنکھوں پر ٹھیکری رکھ کر نو دو گیارہ ہو گئی۔

☆......☆......☆

کبھی کبھی چند حقیقتیں بے حد وزنی ہوتی ہیں۔ان کے بوجھ تلے جیسے انسان دب سا جاتا ہے۔زندگی بھی چلی گئی تھی لیکن دادی اماں ابھی تک جیسے اس بوجھ کو ڈوئے ہوئے تھی۔زندگی کی بات کو گرہ میں باندھ رہی تھی۔وہ حیران،پریشان،پشیمان سب تھی،انہیں زندگی کی بات سے دھچکا لگا تھا۔وہ بے

تحاشا متحیر تھی۔ انہیں رہ رہ کر اپنا دور یاد آتا۔

وہ چھ سال تک دادا جی سے منسوب رہی لیکن کبھی انہیں نظر بھر دیکھا تک نہیں۔ کبھی ان کی آواز نہیں سنی۔ منسوب ہونے کے ایک سال بعد انہیں دادا دی کے نام کا پتا چلا تھا۔

ہائے وہ بھی کیا دور تھا کہ منسوب ہونے کے بعد لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کی گلی تک سے نہ گزرتے تھے۔ بھلے بڑے بڑے راستوں سے گزر جاتے لیکن منسوب شدہ کا گھر نہ پھلانگتے۔ آج دیکھو تو؟ ان کی ہی پوتی، ہاں ہاں سگی پوتی۔ کیسے یہ سب کہنے آئی تھی۔ اُف؟ اُف کیا دور آ گیا ہے، کیسا دور آ گیا ہے۔ وہ دانتوں میں انگلیاں دباتی، کانوں کو چھوتی، توبہ، توبہ کرتی۔ نہ جانے کیسا دور آ گیا ہے۔

یہ زندگی نے کیا کہہ دیا تھا۔ ان کا تو جیسے ہنگا تھونکنا ہو گیا ہو جیسے سکتہ سا طاری ہو گیا تھا۔ وگرنہ تو ایسی بات پر دادی زندگی کو بے نقط سناتی۔

دادا جی بھی نماز پڑھ کر آئے۔ دادی کو یوں گم صم، کسی خیالوں کی دنیا میں پا کر سبب پوچھا؟ لیکن وہ کیا بتاتی۔ کیسے بتاتی؟ پر اتنی بڑی بات کیسے نہ بتاتی، کیسے چپ رہتی؟

''اُف! یہ لڑکی زندگی بھی نا! بڑی اماں کی ساری بڑائی ایک ہی لمحے میں ہڑپ کر لیتی تھی۔

☆......☆......☆

''برسوں کے بعد دیکھا ایک شخص دلربا سا

اب ذہن میں نہیں ہے ارمان جلا بجھا سا

برسوں کے بعد......

برسوں کے بعد......

اس کے دل کو کب اب جا کے سکون آیا تھا، بے قراری میں ذرا قرار آیا تھا جیسے دل میں اٹھتے طوفان ٹھہر گئے تھے، مچلتے جذبوں کو ذرا راحت ملی تھی۔ اس نے اپنا سر درد دادی کے حوالے کر دیا تھا۔ اب دادی کچھ نہ کچھ تو کرے گی۔

اس نے اپنے کمرے کی خوب صورت کھڑکی سے گرے رنگ کے پردے سرکائے۔

عافی ٹونی کے ساتھ بیٹھا تھا، اس کی آنکھوں میں شفقت سی تھی۔
کاش دادی جلدی کچھ کرے۔ اسے بس اس بات کی جلدی تھی۔ خیر وہ تو صرف اس کا تھا۔ اس کا عافی۔ اس نے جھوم کے کہا تھا۔

☆......☆......☆

نوٹی نے پلین کے مطابق مہر چاچی کو اپنی تعریفوں کا نشانہ بنایا تھا۔ عافی اسی گھر میں رہتا تھا ہر ایک کی نفسیات سے واقف تھا۔ مہر چاچی سچ میں کشش کی طرح کی لوک حاصل کرنے کے لیے ڈائٹنگ کرنے لگی تھی۔ دوپہر کا کھانا کھانا چھوڑ دیا اور دودھ والی چائے کا بائیکاٹ کر کے گرین ٹی کی چسکیاں بھرنے لگی تھی۔ نوٹی کی تو جیسے امنگیں بھر آئی ہوں۔ اب وہ آرام واطمینان سے بندگی کے ہاتھوں کی بنی چائے پی سکتا تھا اور اس کے ساتھ وقت گزار سکتا تھا۔
عافی کا رزلٹ ایک ہفتہ اور سفر کر رہا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کی بے قراری طول پکڑ رہی تھی۔
بڑی اماں اب تک حیران تھی پر آج وہ زندگی کے دادا کو سب کچھ بتانے کی ٹھان چکی تھی۔ اب اس بے یقینی کو ان سے تنہا نہ جھیلا جاتا تھا۔
آج دن کے کھانے کے بعد دادا جی جیسے آرام کرنے کے لیے آئے۔ دادی نے انہیں پکارا۔ وہ جب متوجہ ہوئے تو دادی اماں چپ ہوگئی۔ زندگی جو بات کہہ گئی تھی وہ بات کرنا دادی کے لیے مشکل تھی۔
دادا جی یوں بھی انہیں پریشان دیکھ چکے تھے، اس لیے ان کی پریشانی کا سبب ٹٹولنے کے لیے ان کی حوصلہ افزائی کرنے کے لیے ان کے پاس آ بیٹھے اور کہا۔
''میں دیکھ رہا ہوں تم کچھ پریشان ہو؟ اور مجھے یقین ہے اس پریشانی کی وجہ ضرور زندگی ہے؟''
''آپ کو کیسے پتا چلا؟'' دادا جی سن کر مسکرائے اور گویا ہوئے۔
''ایک وہی ہے جو بچپن سے تمہیں پریشان کر رہی ہے ورنہ کسی کی اتنی مجال کہاں جو ہماری بیگم کی پریشانیوں میں سما سکے۔''
''نہیں اب ایسا بھی نہیں ہے پریشان تو سب کرتے ہیں۔ آپ بھی پریشان کرتے ہو لیکن

زندگی کو؟"

"اب کیا کیا ہے اس نے؟"

"اب کیا تو کچھ نہیں بس کرنا چاہتی ہے۔"

"کیا؟"

"شادی۔"

"ہیں؟"

"ہاں، وہ شادی کرنا چاہتی ہے۔"

"او میرے خدا۔" دادا جی نے سر پکڑ لیا۔

"یہ نہیں پوچھیں گے کس سے آپ کی لاڈلی شادی کرنا چاہتی ہے؟"

"ہاں، ہاں بتاؤ کس سے۔" وہ بے حد پریشان تھے۔

"اپنے عافی سے۔"

"کیا؟"

"ہاں عافی سے...... ہمارے عافی سے۔"

"ہاں، ہاں، ہمارے عافی سے۔" دادا جی کی پریشانی اب حیرت میں بدل گئی۔

"تو کیا عافی بھی؟"

"نہیں میرا تو خیال نہیں، مجھے نہیں لگتا کہ عافی ایسا ہے۔"

"لگتی تو زندگی بھی ایسی نہیں تھی پر یہی تو آج کل کے بچوں کا مسئلہ ہے ہم جو سوچ بھی نہیں پاتے وہ کر دکھاتے ہیں۔"

"اب ہم کیا کریں؟" دادا جی واقعی پریشان تھے۔

"ہم کیا کر سکتے ہیں؟ ہم تو بوڑھے ہو گئے ہیں۔ بس عافی سے بات کرتے ہیں ہم یہی کر سکتے ہیں، اب یہی ہمارا فرض ہے۔ جب زندگی نے خود شادی کا فیصلہ کر دیا ہے، لڑکا بھی خود ہی پسند کیا ہے تو

باقی معاملات بھی خود ہی طے کر لیے ہوں گے۔''

''ہاں آپ سچ کہتے ہو تو کب کر رہے ہیں آپ عافی سے بات؟''

''کب کروں؟'' ان کے لیے بھی یہ بات کچھ آسان نہ تھی۔

''جب مناسب لگے تب ہی بات کر لو۔''

''ٹھیک ہے میں موقع دیکھ کر عافی سے بات کرلوں گا لیکن مجھے نہیں لگتا عافی سے بات کرنے کی ضرورت ہے۔شاید وہ زندگی کی طرح خود ہی آ کر ہم سے بات کرلے۔ہمیں ذرا صبر سے کام لینا ہوگا۔''

''اس کا مطلب آپ کو بھی یقین ہے عافی خود آئے گا بات کرنے۔''

''ہاں۔اتنی بڑی بات زندگی یوں ہی تو نہیں کر گئی ہوگی۔ضرور کوئی بات تو ان کے درمیان پہلے سے ہی طے شدہ ہوگی۔''

''ہوں۔'' دادی ٹھوڑی پہ ہاتھ رکھے سوچ رہی تھی۔

☆......☆......☆

کچن سے برتن دھونے کی آوازیں آ رہی تھیں، بندگی اس قدر سردی میں بھی رات کے کھانے کے برتن دھو کر سوتی تھی۔عافی کو اس کے اتنے کاموں سے کوفت ہوتی، کم از کم اس وقت تو سو جائے، سب سو چکے تھے۔

اب کرلے جتنی چاہے من مانی جب وہ اس کے نکاح میں آئے گی تو وہ ہرگز اسے کام کرنے نہیں دے گا۔اس نے سوچ لیا تھا وہ سوچوں کے دیپ جلائے خیالوں سے جیسے مستقبل کا سفر کر رہا تھا کہ راحت اچانک سے بنا دستک دیئے اس کے کمرے میں آیا اور آتے ہی با آواز بلند کہا۔

''زندگی باجی آپ کو اسی وقت اپنے کمرے میں بلا رہی ہیں؟''

''یا اللہ خیر۔اس وقت؟ اس وقت کیا کام پڑا ہے۔''

اس کے کام بھی تو ایسے ہوتے تھے لیکن اس وقت اس نے بلایا تھا تو عافی کو تو جانا ہی تھا۔اس نے ہلکی سی ٹی شرٹ پہنی تھی۔باہر سردی سے بچنے کے لیے ایک جیکٹ پہن لی اور راحت کے ہمراہ

زندگی کے کمرے میں آیا۔

وہ کمپیوٹر کے پاس بیٹھی تھی۔

عافی ہمیشہ کی طرح نظریں جھکائے کھڑا تھا۔اس نے اسے دیکھا اور کہا۔

''تمہارا رزلٹ آیا ہے عافی۔لیکن نا جانے کیا مسئلہ ہے پیج اوپن نہیں ہو رہا۔''

عافی کا دل دھڑک سا گیا۔انٹرنیٹ کا سرکل گول گول گھوم رہا تھا۔اس وقت کا انٹرنیٹ ایسا ہی سلو ہوتا،اس سرکل کے ساتھ دونوں کے دل بھی جیسے گول گول چکرا رہے تھے۔لیکن اب اور انتظار بھی تو ممکن نہ تھا۔وہ خود کمپیوٹر کے پاس آیا،سارا عمل دھڑکتے دل کے ساتھ پھر سے دہرایا۔اس کے ہاتھ پاؤں ذرا ذرا سے لرزنے لگے تھے۔تنفس میں بھی عجیب سی اتھڑن پتھڑن تھی۔

مونیٹر کی نیلی روشنی دونوں کے چہروں پر پڑ رہی تھیں۔دونوں کا اضطراب ایک سا تھا۔پھر کچھ لمحے انتظار کے سپرد ہوئے اور بالآخر وہ سب کچھ ان کی آنکھوں کے سامنے تھا جس کے وہ منتظر تھے۔

سیریل نمبر کی لسٹ زیادہ بھی نہ تھی بس کچھ ہی نمبر درج تھے اور کچھ ہی نام تھے۔

کچھ ہی نام۔

ایک بار بے تاب دھڑکن نے سارے نام پڑھ لیے۔

اور پھر پڑھ لیے۔

پھر سے پڑھے گئے سب نام۔

سب ہی نام؟ پر عافی کا نام کہاں تھا؟

او میرے خدا!

او میرے خدا!

اس نے بہت محنت کی تھی۔زندگی کا دل جیسے ڈوب گیا۔وہ چپ چاپ خاموش قدموں سے جانے لگا۔

عافی!عافی!عافی!

زندگی نے اسے پکارا۔ لیکن اس کی تو ساری سماعتیں گم صم ہو چکی تھیں۔

''عافی! سنو تو؟'' وہ دوڑ کر اس کے سامنے آئی اور کہا۔ ''ہار جیت چلتی رہتی ہے زندگی میں۔ تم ایک سمجھدار شخص ہو۔ جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے۔ شاید تمہارے نصیب میں اس سے بھی بڑا کچھ ہو۔'' اس کا اشارہ اپنی طرف تھا۔

اس نے نظریں جھکائے ہوئے گردن بنا کچھ سوچے سمجھے ہاں میں ہلا دی۔ آج وہ اس کے احترام میں آنکھیں جھکائے نہ کھڑا تھا۔ وہ تو اپنے آنسو چھپا رہا تھا۔ زندگی نے اور بھی کچھ کہا تھا۔ نا جانے کیا کیا؟ اس نے نا جانے کچھ سنا تھا یا نہیں۔ پر ہمیشہ کی طرح وہ جب گئی تو اس نے سکھ کا سانس لیا اور آنکھ کا آنسو آنکھ میں سمائے اپنے اس مقام میں ہمیشہ کے لیے واپس آ گیا جہاں اب وہ خود کو محض چند دن کا مہمان سمجھنے لگا تھا۔ یہ جانے بنا کہ مقدر کے کھیل سب سے زیادہ انوکھے ہوتے ہیں۔

☆......☆......☆

بندگی نے ابھی برتن دھونے کے بعد گھر کے دروازے کھڑکیاں چیک کرنے تھے، پانی کے نل، گیس کے وال، گیزر، ہیٹر اور...... اور بھی بہت کچھ۔ وہ کام ختم کر کے جوں ہی اپنے کمرے کی طرف جانے لگی۔ راحت بوکھلاہٹ میں اس سے ٹکرایا۔

''ارے۔ ارے تمہیں لگی تو نہیں۔ ٹھیک ہو تم؟''

''بندگی آپی! وہ عافی بھائی کا رزلٹ آیا ہے۔ وہ فیل ہو گئے ہیں۔ انہوں نے اپنا رزلٹ زندگی باجی کے کمپیوٹر پر دیکھا ہے۔''

''اچھا......'' اس نے بنا کسی تاثیر کے چند لمحے گزارے اور پھر سنبھل کر راحت کو سونے جانے کے لیے کہا۔

''ہاں میں سونے ہی جا رہا تھا۔'' اس نے اپنے کمرے کی طرف دوڑ لگاتے ہوئے کہا تھا۔

بندگی کو تنہائی کے اس پل میں عافی کا وہ خط یاد آیا۔ جس میں اس نے رزلٹ آنے کے بعد اس کا ہاتھ دادا جی سے مانگنے کا لکھا تھا۔

اور بھی اس کی باتیں......اف وہ کتنا پرامید تھا اور اس وقت اس پر کیا گزر رہی ہو گی؟ اس نے سوچا تو اس نے رہا نہ گیا۔ جب سے دل کا بھید کھلا تھا وہ یہاں نہ آئی تھی اور کاش وہ آج بھی یہاں نہ آتی۔ محبت نصیبوں کو راس آئے یا نہ آئے، لیکن اگر نزدیکیاں زیادہ دیر تک سمٹی رہیں تو جسم و جان تو اپنی جگہ روحوں پر پڑے شرمیلے لبادے بھی کھینچ لیتی ہیں۔

پر اسے ایسی سمجھیں کہاں تھیں، اور پھر محبت کچھ سوچتی کہاں ہے؟ وہ جو سوچے، سمجھیں اور جان جائے؟ محبت دماغ کے تحفے سے سدا سے محروم ہے۔ محبت کو بس دل دیا گیا ہے اور دل بس اپنا کام کرتا ہے۔

عافی کی بے حالی کے خیال سے وہ تڑپ کر پرانی بیٹھک کی طرف دوڑی چلی آئی تھی۔ یہاں اس نے ساری بتیاں بجھا رکھی تھیں۔ بندگی نے اسے پکارا تھا لیکن وہ کوئی جواب نہ دے رہا تھا، شاید صدمے میں تھا، سکتے میں تھا۔

وہ اندھیرے میں لائٹ کے سوئچ ڈھونڈنے لگی، دو تین چیزوں سے ٹکرانے کے بعد بالآخر اسے سوئچ مل گئے مگر یہ ناکارہ تھے، عافی نے یہاں موجود ساری روشنیاں توڑ دی تھیں۔ دراصل وہ چھپنا چاہتا تھا۔ سب سے......خود سے۔

بندگی کے ہاتھ سختی سے سوئچ بورڈ پر پڑ رہے تھے۔ اور پھر ایک ٹیوب لائٹ پل بھر کے لیے مدھم روشنی کے ساتھ روشن ہوئی اور پھر گل ہو گئی۔ اس لمحے اس کی بے تاب نظروں نے عافی کی چھان بین کر لی۔ وہ اس بیٹھک کے پرلے کونے میں کباڑ کے پیچھے ہر ایک چیز سے چھپ کر بیٹھا تھا۔ بندگی فوراً اس کی طرف آئی۔ اسے پکارا عافی! عافی!

وہ اب تک چپ تھا، اسے دیکھ کر جیسے اس کا سکتہ ٹوٹا تھا مگر صدمہ ابھی باقی تھا۔

''بندگی......میرا......رزلٹ......'' وہ کہہ نہ پایا۔

''میں......میں......سلیکٹ......نہیں......''

''عافی! مجھے معلوم ہے۔ سب کچھ ٹھیک ہے۔ نارمل ہے۔ کچھ نہیں ہوا۔ یہ زندگی ہے، ہماری زندگی میں جیت ہار تو چلتی ہی رہتی ہے۔''

''جیت؟ نہیں بندگی جیت نہیں۔کبھی نہیں .....صرف ہار...... ہار اور ہار۔''

''ایسا مت کہو عافی۔''

اس کی بات سن کر وہ درد بھرا مسکرایا۔اسی دوران بند پڑی ٹیوب لائٹ مدھم سی روشن ہوئی۔درد کی شدت اتنی تھی کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔اس نے بے رحمی سے اپنے آنسو پونچھے اور بندگی سے معافی مانگی۔ وہ اس کے آگے بھی رونا نہیں چاہتا تھا، جیسے زندگی کے آگے رویا نہیں تھا لیکن اس کے بنا ایسا تھا کون جس کے سامنے بیٹھ کے وہ غم اور غصہ کر سکتا۔غصہ بھی ان پر کیا جا سکتا ہے جو اپنے ہیں اور غم تو ہوتا ہی اتنا ہی خاص ہے یہ صرف اور صرف اپنوں کو دکھایا جاتا ہے۔خوشیوں سے ڈھول بجتے ہیں۔غموں کے سناٹے شعور مچاتے ہیں، وا سے اپنے اندر کے سناٹوں کے شعور میں لیے جا رہا تھا۔

''عافی!'' عافی کا درد جیسے بندگی کی آواز میں اتر آیا تھا۔

''سب کچھ...... بندگی سب کچھ...... ختم سمجھو...... اب کیا ہوگا؟''

''کچھ نہیں ہوگا عافی، اللہ بہتر کرے گا۔''

''بندگی! تمہارے اچھے اچھے گھروں سے رشتے آ رہے ہی ہیں۔سب کچھ تہس نہس ہونے کو ہے میرا۔''

''عافی! دیکھو میری طرف، دیکھو تو سہی۔آپ کو لگتا ہے میں آپ کو چھوڑ جاؤں گی؟''

''بندگی! کیا کہتی ہو تم؟ تم نہیں جانتی میں کچھ اور کسی کو پانے کے لیے نہیں ہوں۔تم نے میری ماں نہیں دیکھی تھی؟''

اس نے بچپن سے محرومیاں دیکھی تھیں۔کبھی کبھی کچھ غم ایسے بھی مل جاتے ہیں جو عمر بھر کی محرومیوں کی یاد دلواتے ہیں۔اسے بھی آج اس کی یادداشت جہاں سے تھی وہاں تک سے اب تک کی ساری محرومیاں یاد آ رہی تھیں۔یاد...... محرومی...... ایک ایسی خود ترسی ہے جو نہ صرف ہمارے دلوں کو ڈسے ہوئے ہوتی ہے بلکہ ہماری ساری زندگی کی خوشیاں ہڑپ لیتی ہے۔اسے ناشکری کہنا غلط نہ ہوگا۔

وہ یادداشتوں سے محرومیاں گن گن کر یاد کرنے لگا۔گن گن کر بتانے لگا۔

''جب میں پیدا ہوا تھا نا بندگی...... میرا باپ......'' وہ اتنا کہہ کے سسک گیا۔ آگے بتا نہ پایا کہ اس کے پیدا ہوتے ہی اس کا باپ مر گیا تھا۔ اس کی ماں نے اسے تنہا پالا تھا۔ وہ دوسروں کے گھر کی ملازمتیں کیا کرتی تھی۔

''اور میری اماں......'' اس نے ایک درد بھری سانس لی۔ آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں۔

''اماں کی ان کی مالکن مجھے اپنے ساتھ لانے کو منع کرتی تھی۔ نا جانے کیوں انہیں میرا اماں کے ساتھ ہونا برا لگتا۔ اور میں...... میں ان کے خوف سے اماں سے چمٹا رہتا۔ اماں کئی بار مجھے خود سے جدا کرتی، کبھی پیار سے، کبھی غصے سے...... لیکن میں ان سے دور نہ ہوتا۔ شاید اسی لیے ان کا کام ٹھیک سے نہ ہو پاتا تھا۔

''ہاں، ہاں! یہی وجہ تھی جو وہ بڑے گھر کی خواتین اماں کو مجھے اپنے ساتھ لانے کے لیے منع کرتی تھی۔ یا پھر...... انہیں لگتا تھا ان کے بچے مجھے دیکھ کر خراب ہو جائیں گے۔''

''عافی......'' اس نے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن عافی آج سنتا نہیں تھا۔ بس بولے جا رہا تھا اسے شدید صدمہ ہوا تھا خود ترسی کا دورہ پڑا تھا جیسے...... جب اماں گھروں میں جا کر کام کرتی اور میں باہر ہی کھڑا رہا تھا تو میں...... میں...... بہت سہم جاتا تھا۔ اس بات پر اس کے آنسو پھر بہہ نکلے تھے۔ تو ڑی مڑی سی ٹیوب لائٹ کی مرتی بجھتی روشنی دوبارہ بجھی تھی اور پھر بجھتے بجھتے اور بھی زیادہ ڈھم ہو گئی تھی۔

پھر ایک دن اماں کو ایک ایسا گھر ملا جہاں تنخواہ کم تھی لیکن رہنے کی جگہ بھی فراہم کی جا رہی تھی اور انہیں میرے اماں کے ساتھ ہونے پر بھی اعتراض نہ تھا۔ پتا ہے وہ جگہ کون سی تھی بندگی؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ بھی روہانسی سی ہو رہی تھی۔ وہ تو اتنی حساس تھی کہ مکھی یا دوسرے کسی حشرات کو پانی میں گر کر تڑپتے دیکھتی تو خود بھی تڑپ جاتی، ہر ممکن کوشش کرتی اس حشرات کو زندہ رکھنے کی تنکو پر بٹھا کے اٹھاتی، دھوپ کی گرمی میں سکھاتی، ان کی ذرا سی زندگی کو ذرا اور بڑھانے کی دعا کرتی تو پھر تو یہ عافی تھا۔ اس عافی میں اس کی جان سی بستی تھی۔

وہ گھر؟ وہ گھر یہ تمہارا گھر تھا بندگی۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں میں اپنی اماں کے ساتھ رہنے آیا تھا۔''

اس نے اس قلیل لائٹ میں بھی اس کمرے کے چاروں اطراف دیکھا۔

''ابھی مجھے اماں کے ساتھ ہونے کا پکا یقین ہوا ہی تھا کہ تمہارے اماں ابا کے ساتھ وہ بھی اس ایکسیڈنٹ میں......''

''عافی...... گزر گیا نا جو گزرنا تھا۔ آپ بھول جائیں نا پلیز۔'' اس نے آنکھوں میں سینکڑوں پانی کی بوندیں بھرتے ہوئے کہا تھا۔

''گزر گیا؟ ہاں وہ سب گزر گیا۔ لیکن کاش کہ وہ لمحے نہ گزر گئے ہوتے، ہم ہی گزر جاتے تو عمر بھر کی تڑپ کی حصے داری سے بچ جاتے؟ کاش...... اے کاش...... وہ جو ہم پر گزرا وہ کبھی نہ گزرتا۔''

دادی کی باتیں...... چاچی کی باتیں...... اس کے مطلق اس کے ہی رشتے داروں کی باتیں......

اف وہ سب بہت مشکل تھا۔ عافی کا درد بڑا تھا۔ بہت بڑا تھا۔ اور بندگی کا دل بہت چھوٹا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

دادا جی نے اس کی ماں کے مرنے کے بعد اس کے رشتے داروں کو عافی کی ذمے داری دینی چاہیے تھی لیکن کسی نے اس پر ترس نہ کھایا تو دادا جی نے ہی اس پر ترس کھا لیا۔ گھر میں جگہ دے کر...... اس برے حال میں بھی ایک مہربان کا ملنا رحم قدرت تھا لیکن اسے آج بس درد چننے تھے۔ اسے درد ملا تھا تو وہ زندگی بھر کے دردوں سے ملنے آیا تھا۔ میں زندگی بھر گالیاں ہی کھاتا رہا، طعنے سنتا رہا...... حکم مانتا رہا...... وہ کچھ لمحات کے لیے چپ ہوا تھا۔ ٹیوب لائٹ اب بھی جل بجھ رہی تھی۔ روشنی آ جا رہی تھی۔ اس کباڑ خانے نما کمرے میں ہر طرف سائے ہی سائے تھے۔ اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ اس نے عجیب سی چپ دھر لی تو بندگی نے اس کے ہاتھ کو ہلا کر اسے پکارا۔

''عافی!'' ساتھ ساتھ وہ رو بھی رہی تھی۔ اس نے اپنا نام سن کر آنکھیں درد سے بند کی تھیں۔

اس نے پھر سے پکارا۔ ''عافی!''

''عافی...... عافی...... تمہیں پتا ہے بندگی، جب تم میرا نام لیتی ہو تو مجھے کتنی اپنی اپنی سی لگتی ہو۔'' اس نے حسرت سے کہا اور اسے دیکھا۔ پھر طنزاً مسکرایا۔ بندگی کے ہاتھ سے خود کا ہاتھ آزاد کیا اور کہا۔

''میں بھی نا......کتنا پاگل تھا بندگی، کیا کیا سوچے جا رہا تھا۔ مجھے کچھ راس آیا ہے جواب آئے گا۔تم......تم میری قسمت کی لکیروں میں ہو ہی نہیں......کوئی نہیں ہے۔''

وہ اس اندھیرے میں اچانک کھڑا ہوا اور اسے خود سے دور دھکیل دیا۔

''چلی جاؤ تم بندگی......چلی جاؤ......تم میری قسمت میں نہیں ہو۔''

''نہیں عافی ایسا نہ کہو۔''

''میں تمہارا ملازم ہوں۔''

''نہیں ملازم بھی نہیں۔ ملازم تو وہ ہوتے ہیں جو کام کرنے آتے ہیں اور تنخواہ بھی لیتے ہیں۔''

میں غلام ہوں، ایک غلام جسے خریدا گیا ہے۔ وہ بھی عوض رقم نہیں عوض احسانات......میں کیسے تمہارے لائق ہو سکتا تھا بندگی۔ کیسا خواب دیکھ لیا میں نے؟ تم چلی جاؤ......چلی جاؤ۔''

''نہیں عافی میں نہیں جا رہی......کہیں بھی۔''

''کیوں نہیں جاؤ گی تم۔ دیکھو تو کیسے کیسے گھروں سے رشتے آ رہے ہیں تمہارے۔ تم کیسے نہیں جاؤ گی۔'' اس نے پھر سے اسے پرے دھکیلا اور پھر سے اپنی چوٹوں کو نظر انداز کر کے اس کے پاس آئی تھی۔

وہ شل سا تھا۔تم گئی تو بندگی میں کیا سے کیا ہو جاؤں گا۔ میں اب نہیں دیکھ سکتا اور میرا دل چاہتا ہے میں اس روز مرمر کے جینے والے سلسلے کو ختم کر دوں۔ خود کو ختم کر دوں۔

''نہیں عافی نہیں۔'' اس نے روتے روتے کہا تھا۔ ''نہیں، اللہ میری تو جان ہو تم۔ ایسی مایوسی کی باتیں مت کرو میں نہیں سن سکتی۔ میں نہیں سن سکتی۔ عافی، مت کرو ایسی باتیں بس کرو۔ اب پر سکون ہو جاؤ۔ میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گی عافی۔ تم بھول جاؤ، سب کچھ مجھے دیکھ کے بھول جاؤ۔ میں تم بن بے آسرا ہو جاؤں گی۔ کبھی اپنی زندگی سے مایوس نہ ہونا عافی میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم اپنے سارے غم مجھے دے دو اور میری ساری خوشیاں لے لو۔'' اس نے سسکیوں کی سنگت میں کہا تھا۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ جب ایسے سودے کرنے پڑ جائیں تو بڑے بڑے گھاٹے پڑ جاتے ہیں۔ کسی کو اپنی خوشیاں دے کر بدلے میں غم نہیں مانگے جاتے۔ خوشیوں کے بدلے خوشیاں مانگی جاتی

ہیں۔ پر محبت...... محبت تو دماغ کے تحفے سے سدا سے محروم ہے۔ محبت کو بس دل دیا گیا ہے اور دل بس اپنا کام کرتا ہے۔

اس نے عافی کو تڑپنے کے لیے اس رات تنہا نہ چھوڑا کہ کہیں وہ اپنی جان نہ لے لے۔ آج رات وہ صرف زبان سے کہتی نہ رہی تھی کہ وہ اس کی تھی، وہ اس کی ہو ہی گئی تھی۔ اس تلخ سی محرومیوں نے عافی کی خودترسیوں نے، اس کے دل کو چھو کر نجا سا دیا تھا۔ عافی کی بدنصیبی نے ان کے درمیان کے سارے فاصلوں کو نزدیکیوں میں بدلا تھا۔ اس نے اس کی قربت میں درمیان کے سارے فاصلے سمیٹ لیے تھے۔ وہ رات اس کے پاس اور بہت پاس رہی تھی۔ برف کے گولے پھر آسمان سے گرتے تھے۔ گہرے سناٹے اس سفید برفانی چادر کے سپرد ہوتے تھے۔ آج پھر سے چاند کہیں چھپ گیا تھا اور تاروں سے بھی کوئی بات نہ ہو پاتی تھی۔

☆......☆......☆

کچھ صبح بظاہر تو عام سی لگتی ہے جیسے آج کی صبح لگ رہی تھی۔ سب ہی اپنے اپنے خاص و عام کاموں میں مصروف تھے لیکن کون جانتا تھا آج کا طلوع آفتاب کیسی تاب خود میں سمائے ابھرا تھا۔

نا جانے کل کاں ڈسیا تنے حوصلوں کی افزائش سرزد ہو گئی تھی اور آج ایک بھی حوصلہ دل جوئی کرنے نہ آ رہا تھا۔ وہ باشعور جانتے تھے۔ ان سے انجانے میں کیا کچھ ہوا ہے اور اس کا نتیجہ کس حد تک خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

عافی نے جن آنکھوں میں خود کے لیے سدا سے محبت دیکھی تھی اب وہ آنکھیں ندامت سے جھکی ہوتی۔ بندگی اس سے کوئی بات کرنا تو دور اسے دیکھ تک نہ رہی تھی۔

اف۔ وہ ایسے میں کرے تو کیا کرے؟ پہلی خودترسیاں تھیں، خود کو وہ ہر الزام سے بھری رکھتا سارے دوش قسمت خراب کہہ کر چھپا لیتا تھا۔ لیکن اب...... اب وہ کیا کرے؟

''اف یہ بوسیدہ کمرہ؟ اور پھر کل جو اس نے توڑ پھوڑ کر کے اس کا حال کیا تھا۔ اس سے مزید پریشانی ہو رہی تھی، کل کی جلتی بجھتی ٹیوب لائٹ بھی اب دم توڑ گئی تھی۔ اسے یہاں عجیب گھٹن ہو رہی

تھی۔اب وہ وہاں نہیں رہ سکتا تھا۔یہی صحیح تھا وہ چلا جائے گا تو بندگی کو بھی ذرا اسپیس مہیا ہو گی۔

187 لیکن وہ یوں بھی تو جا نہ سکتا تھا۔اسے بندگی کا ساتھ تو نبھانا ہی نبھانا تھا۔آخر اس پوری دنیا میں ایک وہی تو اپنی تھی اس کی۔اس نے پیکنگ کر لی اور اپنی شادی کے لیے تنکا تنکا کر کے جوڑے ہوئے پیسے بھی اٹھا لیے۔

اس نے شرٹ نما سفید جرسی پہنی تھی اور جینز بلیک تھی۔یہ ڈریس وہ تب ہی زیب تن کرتا جب وہ کہیں جا رہا ہو۔بندگی کچن میں تھی۔چاچی بھی اس کے ساتھ تھی۔اس نے کوئی بات نہ کی بس دو منٹ رک کر چل نکلا۔بندگی نے اب بھی اسے نہ دیکھا۔اس کی پلکیں اس کی آنکھوں پر اب بھی پچھاوے برسا رہی تھی۔لیکن اسے احساس ہو گیا تھا وہ کہیں جا رہا ہے۔اس نے نیلے رنگ کا ایک بیگ کندھے پر تانا ہوا تھا۔وہ کچن سے نکل کر فوراً دادا جی کے کمرے کی طرف آیا۔دروازہ کھلا تھا۔دادا جی آف وائٹ لباس پر دادی کے ہاتھ سے بنا سرمئی رنگ کا سوئٹر پہنے کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھے۔ان کے کمرے میں آتش دان آگ برسا رہا تھا اور باہر آسمان پھر سے ٹھنڈی برف۔

عافی اندر چلا آیا۔اس نے دادا جی کو اپنے آنے کی خبر نہ دی لیکن پھر وہ بھی وہ اس کی آہٹ سے اسے پہچان گئے اور اسے دیکھ کر شعر پڑھنے لگے۔

گرتے ہیں شاہ سوار ہی میدانِ جنگ میں
وہ طفل کیا گرے جو گھٹنوں کے بل چلے

اس کے دل پر بے حد بوجھ تھا۔دادا جی کا حوصلہ مندانہ انداز دیکھ کر اس کا دل بھر آیا۔عافی ان کے قدموں میں آ بیٹھا اور ان کے ہاتھ چوم لیے۔

''عافی بیٹا!'' اس نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا۔''تم ہار نہیں مانو گے،تم ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہو۔''

عافی نے نظر جھکا کر ہاں کہہ دی۔انہوں نے اس کے شانے تھپتھپائے اور کہا۔

''اگلی مرتبہ پھر سے اپلائے کرنا۔ان شاء اللہ کامیاب رہو گے۔پہلے تمہارے پاس صرف

محنت، لگن اور چاہ بھی، اب تجربہ بھی ہے ناکام تجربے کامیابیوں کے لیے بے حد ضروری ہوتے ہیں۔''

اس نے ہاں کہا اور چپ سا ہو گیا۔ دادا جی کو دادی کی کہی بات یاد آئی تو انہوں نے عافی سے طلب فرما ہی لیا۔ جو کئی دنوں سے باعث الجھن بنی تھی۔

''تم کچھ کہنا چاہتے ہو عافی؟''

''ہاں دادا جی۔ ایک بہت ضروری بات ہے۔''

دادا جی مسکرائے اور کہا۔

''اگر میں کہوں کہ تمہاری ضروری بات سے میں واقفیت رکھتا ہوں تو؟''

دادا جی نے اس کی مشکل ہی آسان کر دی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ دادا جی جانتے تھے کہ وہ آج یہاں ان کی پوتی کا ہاتھ مانگنے آیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں نا جانے کتنے احساسات اتر آئے۔ شاید بندگی نے اپنے دادا جی سے اس سے پہلے ہی بات کر لی تھی۔

''میں آپ کی پوتی کو خوش رکھنے کی پوری کوشش کروں گا۔''

دادا جی نے ایک گہری سانس لی اور گویا ہوئے۔

''ایسا نہیں ہے کہ تم پر اعتماد نہیں لیکن تم دونوں جس عمر میں ہو اس عمر کا تقاضا اکثر غلط فیصلوں کا فساد کھڑا کر دیتا ہے۔ میں تم دونوں کی طرح جلد بازی بالکل نہیں کر سکتا ہوں۔ مجھے میرے تمام رشتے داروں کو اس رشتے کے لیے مطمئن کرنے کیل یے بڑی محنت درکار ہو گی۔''

''دادا جی......'' وہ تڑپ اٹھا تھا۔

''سچ کہوں تو عافی، میں ایسا سوچ بھی نہ سکتا تھا۔ میں نے ہمیشہ اپنی پوتیوں کے اچھے نصیبوں کی دعا کی ہے۔ میں ان کو بہت اچھے اچھے سسرالیوں میں بیاہنا چاہتا تھا لیکن......''

''لیکن کیا دادا جی؟'' اس کی بے چینی بے انتہا تھی۔ وہ بے حد بے بسی محسوس کر رہا تھا۔

''میں نے سوچا نہیں تھا عافی ایسا ہو گا اور نہ ہی اس ارادے کے تحت تمہیں اپنا بیٹا بنایا تھا۔ تم جانتے ہو میں نے تمہیں ہمیشہ سے اپنا بیٹا ہی سمجھا ہے اور اب بھی سچ ہے کہ بیٹے میں داماد دیکھنا بہت

مشکل ہے۔"

عافی کے دل میں سے جیسے دل ہی رخصت لینے لگا۔

"میں سوچ نہیں پا رہا جس طرح تم دونوں نے سوچ لیا ہے۔ آج کل کے نوجوان......" وہ چپ ہو گئے۔

"مجھے معاف کر دو دادا جی۔ میں آپ کا دل نہیں دکھانا چاہتا تھا۔"

"ہوں...... کہیں جا رہے ہو؟" دادا جی نے اس کی تیاری دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں دادا جی...... جانا چاہتا ہوں۔ اور اب تب ہی آؤں گا جب آپ خود بلائیں گے۔"

دادا جی نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا...... تو وہ بلیک میلنگ کر رہا تھا...... دادا جی کو زندگی سے کوئی توقعات نہ تھی لیکن عافی سے بہت امیدیں تھیں۔ کہیں نہ کہیں انہیں یقین تھا عافی کبھی بھی ایسی بات ان کے سامنے نہیں کرے گا لیکن وہ بات بھی کر رہا تھا اور بضد بھی تھا۔ اور اب تو بلیک میلنگ...... دادا جی اس کا یہ روپ دیکھ کر چپ ہو گئے۔

عافی بھی چپ چاپ نکل آیا۔ سوچا تو عافی نے بھی نہیں تھا وہ اس طرح دادا جی کے مقابل کھڑا ہو کر ایسی بات کرے گا، لیکن وہ بندگی کو اب تنہا بھی تو چھوڑ کر نہ جا سکتا تھا کہ اب بات فقط محبت کی نہ تھی، کھونے پانے کی نہ تھی۔ اب یہ بات آگے...... بہت آگے بڑھ چکی تھی کہ ساری حدیں ٹوٹ چکی تھیں۔

وہ جا رہا تھا بندگی نے اسے جاتے دیکھا۔

اس نے دل کے تمام تر بوجھل احساسات کو اس لمحے تھام لیا اور اس کی خیریت سے واپسی کی دعا مانگی۔ برف کے گولے اس کے وجود سے ٹکرا رہے تھے۔ چند ہی لمحوں میں جیسے اس نرم گولوں نے اسے گھیر لیا اور اس کے قدم اپنی جگہ پر سیل سے ہو گئے ہوں۔

کاش اسے احساس ہو جاتا کہ کبھی کبھی کچھ سفروں کے اختتام، زندگی کے اختتام ثابت ہوتے ہیں۔ ہاں سانسیں اپنے مقررہ وقت تک چلتی رہتی ہیں۔ کاش وہ جان جاتی کہ اس کی آمد پر اس کی زندگی اس سے چھن جائے گی او وہ بس فقط سانس لے گی۔

اس نرم دل نے اس دکھی دل کی صحت میں سختیوں کو نہ اپنانا تھا بلکہ جان سے ہی جانا تھا۔ دنیاوی دستور کہتا ہے انسان ایک بار جیتا اور مرتا ہے، پر یہ سچ جیسے ادھوا سا کوئی سچ ہے۔ انسان ایک ہی زندگی میں متعدد بار جیتا اور مرتا ہے۔ یہ عمل چلتا رہتا ہے۔ کبھی ایسی خوشی ملتی ہے کہ انسان جی اٹھتا ہے کبھی ایسا غم کہ انسان لاشوں کی مانند رہ جاتا ہے۔ لیکن یہ دو عمل بھی چلتے رہے نا، جنم اور مرن...... جب ان میں ایک عمل ہو اور دوجہ ہتا ہی نہ ہو، تو پھر کیا کیا جائے؟ صرف ایک عمل...... غم ملے اور دل مرے...... پھر غم ملے اور دل مرے...... پھر مرے مرے اور مرتا ہی جائے...... کسی خوشی کا ملنا اور جی اٹھنا کہیں دور تک دکھائی ہی نہ دیتا ہو تو انسان مرتے مرتے مر ہی جاتا ہے اور پھر جو سانس لیتا ہوا وجود ہمیں نظر آ رہا ہوتا ہے وہ پہلے جیسا تو رہ ہی نہیں سکتا۔ ہم اس انسان سے مل ہی نہیں پاتے۔ غم ملے دل مرے اور مرتے مرتے انسان کے اندر کا انسان ہی مر جائے...... بندگی نہ جانتی تھی اب وہ اپنی زندگی میں عافی کو دیکھنے والی تو تھی، پر اب وہ اپنے اس عافی سے مل نہ پائے گی۔ یہ غم اس کی ذات کو منتشر کر دے گا۔

☆......☆......☆

عافی سا گھر سے نکل آیا تھا۔ کبھی وہ سوچتا تھا اس گھر سے نکل کر جاؤں گا کہاں۔

پر آج جب وہ نکل آیا تھا تو لگتا تھا زمین بہت بڑی ہے۔ وہ پبلک ٹرانسپورٹ میں بیٹھا موبائل چیک کر رہا تھا۔

اس کے دوست اسے حوصلہ دے رہے تھے۔

''دل چھوٹا مت کرنا۔ اس میں ہی خدا کی مصلحت ہوگی۔ جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے۔''

اس نے طنزیہ مسکرا کر موبائل آف کر دیا۔ پھر کھولا...... اور پھر آف کر دیا۔ اب زمین پر بچھی برف کی چادر پیچھے رہ گئی تھی۔ زمین اپنی اصلی شکل میں تھی لیکن آسمان یہاں بھی کالی گھٹاؤں سے جتا تھا۔

اس کے ساتھ والی نشست پر بیٹھا پکی عمر کا شخص اس کی اس حرکت پر مسکرایا تھا۔

''کہاں سے شکست خوردہ ہو کے نکلے ہو نوجوان؟''۔

عافی نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ اس کے ساتھ شاید اس کے میسج پڑھ رہا تھا۔

''کہاں سے جیت پاتے پاتے مات لے آئے ہو؟''

عافی نے سفری کرسی کی پشت پر سر ٹکایا اور کہا۔

''ہر جگہ سے..... ہر ایک مقام سے۔ تعلیمی میدان میں آگے بڑھنا اور کچھ حاصل کرنا ہی کامیابی نہیں ہے۔ میں سی ایس ایس کے پرچوں میں سلیکٹ نہ ہو پایا......اور...... سارے خواب جیسے تنکا تنکا ہو کر بکھر گئے۔ تو سچ تو کہہ رہے ہیں تمہارے دوست۔ 'ہر ایک چیز میں خدا کی مصلحت ہوتی ہے۔' اور پھر کامیابی کسی ایک نقطے کا نام ہی نہیں۔ کامیابی تو لکیریں ہوتی ہیں تعلیم کامیابی نہیں، تعلیم سے کامیابی ہے۔

عافی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور پھر کہا۔

''سب کی اپنی اپنی سوچ ہوتی ہے میں یہ نہیں سوچتا۔ مجھے لگتا ہے کہ اگر تعلیمی میدان میں کامیابی حاصل نہ کرسکو تو تعلیم حاصل کرنا فضول ہے۔''

''تعلیم حاصل کرنا کبھی فضول نہیں ہوتا۔ لیکن لگتا ہے تم نے تعلیم اس لیے ہی حاصل کی ہے کہ پڑھ لکھ کر کوئی جاب حاصل کرسکو۔''

عافی چپ ہو گیا۔

''بندہ اور کیوں تعلیم حاصل حاصل کرتا ہے؟ بچپن سے ہی یہی ذہنی معیار تھا، پڑھو گے لکھو گے بنو گے نواب' پر یہ موصوف...... ہمیں تعلیم حاصل کرنی چاہیے پر اپنا معیار بڑھانے کے لیے نا کہ دنیا کو دکھانے کے لیے۔ آج کل کے نوجوان نوکری نہ ملنے کو انا کا مسئلہ بنائے بیٹھے ہیں۔ ذرا سی بات ہے ملک صرف سرکاری نوکر ہی نہیں چلا سکتے۔ ملک تب چلتا ہے جب یہاں ہر طرح کا شعبہ ہر طرح کا بزنس چلانے والے لوگ ہوں اور نہ ہی یہاں کوئی ایسی نوکریاں پڑی ہیں کہ یہاں ڈگری حاصل کی اور وہاں اعلیٰ نوکری ہاتھ میں۔''

اس نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔ عافی خاموش تھا۔ اس کے پاس کچھ نہیں بچا تھا یہ سوچ سوچنے کے لیے کافی تھی ایسے میں کون سوچتا۔

''علم یہ ہے، یہ نہیں۔''

وہ بس سن رہا تھا جس کا اندازہ اسے بھی تھا جو سنا رہا تھا۔ اس لیے اس نے جاتے جاتے اسے اپنی جیب سے ایک کارڈ نکال کر دیا۔

''میرا نام مجاہد ہے۔ مجھے نہیں پتا تم کیا سوچ رہے ہو لیکن اگر نوکری حاصل کرنے کا سوچ رہے ہو تو یہاں آ سکتے ہو۔''

''آپ کی کوئی ایڈ ایجنسی ہے؟''

''نہیں، اس ایجنسی کے عین سامنے میری کریانے کی دکان ہے۔ پڑھے لکھے نوجوان کو یہاں کام کرنا پسند نہیں آیا یا شان کے خلاف لگتا ہے لیکن جب پیٹ کی آگ ستاتی ہے تو کیا سے کیا کر گزرتے ہیں۔ تو دکانداری بہتر ہے، اپنا کاروبار ہے اپنے مزے ہیں۔''

ہاں یہ بات اس کی عافی کو سمجھ آئی۔ اسے نوکری کی ضرورت تھی یہ موصوف کہاں جانتا تھا کہ عافی شروع سے پڑھا لکھا نوکر رہا ہے اور اسے کسی بھی کام کرنے میں کوئی شرم و حیا محسوس نہیں ہوتی تھی۔

عافی آج ہی اس کے ساتھ چل نکلا، اس کی قسمت جسے وہ کوستا تھا اس نے اسے ایک دن بھی رولنے نہ دیا۔ اس کی دعا نہ سنی گئی تھی مگر خدا نے اسے نامراد بھی نہ رکھا تھا۔

اس نے وہاں کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ ابھی تک قدرت کی مصلحت کو نہ سمجھا تھا۔ اسے مصلحت کہیں نظر نہ آتی تھی۔ اس نے افسری کرسی پر بیٹھنے کے خواب دیکھے تھے اور وہ آٹے، چینی کے بورے لاد رہا تھا، گھی، تیل تول رہا تھا؟ وہ سوچتا مصلحت کہاں ہے؟ یہ تو برا وقت ہے۔ اور پھر زخمی دل سے ان چاہا کام کرتا۔ مجاہد کی مدد سے اسے ایک کمرہ رہائش کے لیے ملا تھا۔ جو بہت اچھا بھی نہ تھا پر کوئی کباڑ نہ تھا۔ یہ ایک صاف ستھری جگہ تھی، پرسکون ماحول، ایک کشیدہ بیڈ، نرم گداز، ملائم کمبل...... وہ اپنی منشا کے مطابق پرانی بیٹھک سے نکل چکا تھا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے، لیکن اسے مصلحت نظر نہیں آتی تھی۔ یہ تو برا وقت تھا...... برا وقت۔

☆......☆......☆

وہ نہ تھا تو سارے موسم جیسے ویران ہو گئے تھے۔ شامیں، درازسی سنسان سی ہو گئی تھیں۔ آنگن میں سناٹے گونجتے اور پرانی بیٹھک جیسے ماتم زدہ تھی۔

بندگی بالکل چپ سی ہو گئی تھی۔ اور زندگی غصے میں رہنے لگی تھی۔ چاچی بھی گھر کا کام اور بازار کا کام کر کر کے چڑچڑی ہو رہی تھی، اور بچے بھی ہوم ورک بھی غلطیاں کرتے پھر رہے تھے...... اب شام کو دروازہ بار ہا نہ بجتا تھا۔ اب کوئی بچہ ٹیوشن پڑھنے نہ آتا تھا، دادی کا چشمہ دو دن سے ٹوٹا پڑا تھا اور اب وہ سب کی شامت لالا کے دادا جی کو سنانے آئی تھی۔

''دو دن سے دھکے کھاتی پھر رہی ہوں کوئی نہیں جو احساس کر لے۔ اس گھر میں نر کے نام پر ایک عدد موالی، دو جہ بیمار اور کمزور بڈھا اور دو بچے ہیں۔''

دادا جی کو کل رات سے بخار تھا۔ دادی کی بات سن کر اٹھ بیٹھے۔

''کس لو، جتنے طعنے کسنے ہیں بانو بیگم۔''

''طعنے نہیں کس رہی، حقیقت بتا رہی ہوں۔ اس گھر کو عافی جیسے مرد کی ضرورت ہے۔ کتنا کہتی تھی میں تم سے کہ بے وجہ کا جنجال مت پالو، چھوڑ آؤ اسے کسی یتیم خانے لیکن آپ نہیں مانے تو اب کیوں ضد کیے بیٹھے ہیں۔ اب تو ہم نے اسے پالا ہے، پوسا ہے، ہمارا حق بنتا ہے اس پر اور آپ نے اب رخصت کر دیا اسے گھر سے؟''

''میں نے نہیں نکالا اسے، وہ خود گیا ہے۔''

''آپ کو کہہ کے گیا ہے آپ بلائیں گے تو آ جائے گا اور دیکھا جائے تو اس کا مطالبہ صرف اس کا تو نہیں زندگی بھی اس فیصلے میں شامل ہے جب وہ دندناتی پھر رہی ہے تو عافی کیوں نہیں ہے یہاں، ہمیں اس کی ضرورت ہے۔''

دادا جی چپ تھے۔

''میں تو کہتی ہوں ابھی اس کا نمبر ملا کر اسے بلائیں ورنہ یہ زندگی غصہ کر کر کے دماغ چاٹ لے گی اور اگر آپ ٹھنڈے دماغ سے سوچیں تو بچوں نے جو فیصلہ کیا ہے وہ اتنا برا بھی نہیں...... آج تک آیا

ہے کوئی رشتہ آپ کی لاڈلی کا؟ چلو کوئی ڈھنگ کا رشتہ دیر سویر آ بھی جاتا ہے تو تمہاری لاڈلی نباہ پائے گی سسرال والوں کے ساتھ؟ بڈھے میاں عقل کے ناخن لو، دل لگی تو سب کر لیتے ہیں لیکن گھر اس کے ساتھ بساتے ہیں جو گھر میں بس سکے۔ یہاں کل کو سسرال میں کسی نے زندگی سے کچھ کہہ دیا وہاں وہ سیدھا پولیس سٹیشن چلی جائے گی رپورٹ درج کروانے کہ ساس تنگ کرتی ہے۔ یہ لڑتا ہے وہ گالی گلوچ کرتا ہے۔ اس بات کو سمجھ لو یہ لڑکی سسرال نہیں بسا سکتی اور اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے اس طرح گھر کی بیٹی گھر میں رہے گی اور منہ بولا بیٹا بھی اپنا بن جائے گا۔ کل کو عافی کی کوئی ایسی دلہن آ گئی جو ہمارے ساتھ نہ رہ سکی تو ہم اس بڑھاپے میں تنہا رہ جائیں گے۔ میں تو کہتی ہوں ابھی فون کرو عافی کو......"

"بانو بیگم! دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا؟ کیا جواب دیتے پھریں گے لوگوں کو کہ کسی پہ اتنا ترس کھایا کہ بیٹی ہی دے دی، لوگ کیا کہیں گے؟"

"اے لو جی۔ کیا کیا سوچنے لگے ہو؟ لوگ پوچھیں گے تو سچ بتا دیں گے کہ دونوں نے ایک دوسرے کو پسند کیا ہے۔ جب میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی۔ ہاں؟"

"تم رہنے دو بانو بیگم، ایسے فیصلے عجلت میں نہیں کیے جاتے۔ دو، تمہارا چشمہ میں بنوا آتا ہوں۔"

دادا جی نے دادی کا چشمہ لیا اور گھر سے باہر نکل آئے۔ سردی کا اثر اب دھوپ میں پہلے کی طرح شامل نہ تھا مگر پھر بھی دل جیسے اکڑا تھا۔ بظاہر تو عافی کا مطالبہ اتنا غلط نہ لگتا تھا لیکن دادا جی کے دل سے کوئی پوچھتا تو جانتا یہ کس قدر ناگوار گزرا تھا۔ عافی نے گھر میں ہی آنکھ لڑا لی۔ چلو اس جرم میں وہ اپنی پوتی کے متعلق سوچتا تو چپ رہ جاتا۔ اگر تنہا یہ فیصلہ عافی کا ہوتا تو وہ عافی سے ہر تعلق دغا کر لیتا لیکن بات اپنی ہی بیٹی کی تھی۔ بیٹیوں کی باتیں بڑی حساس ہوتی ہیں۔ دادا جی نے زندگی کے متعلق سوچا تو موبائل نکال کر عافی کا نمبر ڈھونڈنے لگے لیکن پھر نا جانے کیوں ان سے نہیں ہوا۔ ان کا دل کہتا تھا کہ کچھ غلط...... بہت غلط ہو رہا ہے۔ نا جانے کوئی انجان سا خدشہ دل میں پلنے لگتا تھا جب وہ عافی اور زندگی کا سوچ رہے ہوتے تھے؟

انسان اور اس کی تحقیقات میں سے ایک تحقیق کہتی ہے کہ انسان کو خدا نے جو یہ ذہن دیا ہے یہ

بہت طاقتور ہے۔ انسان کا اپنا ذہن جب کسی خدشے کی طرف اشارہ کرے تو اسے نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ انسانی دماغ کے اس طرح کے خدشات 80 فیصد درست ہوتے ہیں۔ دادا جی کا ذہن بھی کسی خدشے کا اندیشہ ماپ رہا تھا۔ کاش وہ دماغ پر زور ڈالتے تو سوچ لیتے کہ عافی کے پاس اس کی آنکھوں نے زندگی کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ان کی آنکھوں نے ہمیشہ بندگی کو عافی کے آس پاس دیکھا تھا، کبھی کبھی ہم شعور میں اپنے لاشعور کو داخل نہیں کر پاتے مگر ہمارا لاشعور ہمارے اندر شور مچاتا ہے۔ بے شک دادا جی نے عافی کے منہ سے بندگی اور بندگی کے منہ سے عافی کا نام نہ سنا تھا لیکن پھر بھی لاشعوری طور پر وہ جب جب عافی اور زندگی کے متعلق سوچتے تو بندگی کا خیال آ جاتا۔ جسے دادا جی جھٹک دیتے تھے یہ جانے بنا کہ ہمارے دماغ کے 80 فیصد خدشات درست ہوتے ہیں۔

☆......☆......☆

''ارے ارے لگتا ہے کسی پرانے بنیے کی نسل کے ہو برخوردار۔'' مجاہد صاحب نے عافی کا کام دیکھ کر کہا۔ ''کیا خوب دکانداری نبھائی، ٹکے ٹکے کا حساب رکھا۔''

''بنیے کی نسل؟ یہ نسل وسل کی باتیں اس سے کون کرتا تھا؟'' عافی طنزاً مسکرایا۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں نوجوان...... تم کاروبار کے کیڑے ہو۔''

عافی ان کی بات سن کر مسکرایا۔

''اب آپ کہیں گے سی ایس ایس چھوڑ کر دکان کھول دو۔''

''ہاں تو اب جب تک پوتیں آئیں گی تو دکانداری میں سیٹ ہو جائے گا۔''

عافی کو ان کی بات مذاق لگتی تھی۔

''میری بات مذاق میں مت لو عافی میاں، بڑے کام کی باتیں ہوتی ہیں ہماری؟ چلو اگر میری بات مذاق بھی لگتی ہے تو ذرا مسکرا ہی دو۔''

عافی نے ذرا سا دکھانے کے لیے لب کشادہ کر کے دانت دکھا لیے۔

''مسکرانے میں اور مسکرا کر دکھانے میں فرق ہوتا ہے نوجوان؟ تم تعلیم کی مار کھائے ہوئے ہی

نہیں ہو، باتیں کچھ اور بھی ہیں۔ بتا دو تو کوئی حل نکالیں۔"

"حل ہی تو نہیں نکل رہا مجاہد صاحب۔ دو ماہ ہونے والے ہیں اور دادا جی نے کال نہیں کی۔"

"ارے یہ کیسی ناراضگی ہے جو رابطے کی منتظر ہے۔ ہم تو سمجھے تھے کہ تم اپنے گھر سے خفا ہو کے نکلے ہو۔ گھر چھوڑا ہے تم نے۔ اور جہاں تک ہمارا اندازہ کہتا ہے مسئلہ دل کا ہے۔ گھر والے تمہاری پسند کو اپنے گھر کی دلہن نہیں بنانا چاہتے ہوں گے۔"

"ہاہاہا...... ہر کہانی ایک سی نہیں ہوتی مجاہد صاحب! یہاں میرے گھر والے مجھے اپنا داماد نہیں بنانا چاہتے۔"

عافی ان کی بات پر ہنسا تھا اور ہنستے ہنستے اپنا مسئلہ بھی بیان کیا تھا۔

"ہوں؟" مجاہد صاحب بھی سوچ میں پڑ گئے۔ "لڑکی کوئی اور نہیں ہے، دادا جی کی ہی پوتی ہے جس نے تم جیسے بے سہارا کو سہارا دیا۔"

بات تو بڑی تھی۔ کوئی کسی بے آسرا کو اس لیے آسرا نہیں دیتا کہ وہ سارے احسان بھول کر ایک دن کچھ ایسا مانگ لے کہ دینا مشکل ہو جائے۔ اور مانگے ہی کیوں۔ کیا یہ کم تھا کہ کسی نے سنبھال لیا تھا۔ اور اب اس کا فرض تھا انہیں اس عمر میں سنبھال لے نا کہ فرمائشیں سامنے رکھ کر بلیک میل کرے۔ گھر چھوڑ دے؟ پر وہ کیا کرتا؟ بندگی کے ہر دوسرے دن اچھے گھروں سے رشتے آتے تھے، وہ اس کے لیے اتنی خود غرضی تو کر سکتا تھا...... یہ جانے بنا کہ اگر خود غرضی کی عادت پڑ جائے تو بڑھ جاتی ہے، انسان کو اپنے سوا کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا اور اپنا آپ کچھ اس طرح آنکھوں میں سما جاتا ہے کہ باقی ساری دنیا اپنا پورا وجود رکھنے کے باوجود ناموجودی محسوس ہوتی ہے۔

☆......☆......☆

بندگی کو نا جانے کیسی چپ لگی تھی، نا جانے کیا ہوا تھا؟ وہ اس گھر میں موجود تھی پر کتنے ہی دن گزر گئے کسی نے اس کی آواز نہ سنی۔ اب اس کی اپنے رب سے خود کلامیاں بھی کوئی نہ سنتا تھا اور نہ ہی وہ باآواز بلند دعائیں؟

لیکن کام اتنے تھے کہ ہر کوئی اپنی میں لگا تھا۔ نہ کسی نے اس کی خاموشی کا پوچھا نہ وہ کسی کو کچھ بتا سکی۔ اب تو چاچا اور چاچی کو بھی عافی کے جانے کی وجہ معلوم پڑ گئی تھی۔ چاچی مہر تو سوچ سوچ کے ہلکان ہو رہی تھی کہ اتنا بڑا ہاتھ عافی نے ان کی ناک کے نیچے سے کیسے لگا لیا۔

زندگی اور عافی؟ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی اور پھر ان کی معاشوقی کا یہ عالم تھا کہ دونوں دادا جی کے سامنے بھی بے دھڑکی اختیار کر آئے تھے۔ چاچی نے ایک مرتبہ زندگی سے اس متعلق بات کرنی چاہی تھی وہ جاننا چاہتی تھی کہ کیا اسے اس کھچڑی پکنے کی بھنک کبھی پڑی تھی یا وہ بھی اس کی طرح انجان رہی اور عافی نے معرکہ سر کر لیا۔ اتنا شاطر کوئی کیسے ہو سکتا تھا؟ اتنی چالاکی کوئی کیسے کر سکتا تھا، وہ جس گھر میں پناہ لیتا رہا تھا اس کی اس پر نظریں بھی تھیں۔ اب تو انہیں بھی کوئی سمجھ داری کرنی پڑے گی اور تو کوئی خزانہ نہ گھڑے تھے۔ یہ ایک گھر تھا...... اور اس گھر کا مرکزی کردار صرف اور صرف...... زندگی تھی۔ کیا ہاتھ مارا ہے۔ شاندار...... چاچی کا تو سوچ سوچ کر برا حال ہو رہا تھا۔

وہ جب جب بندگی سے بات کرنے آتی وہ سجدے میں گری ہوتی۔ روتی گڑگڑا کر معافیاں مانگتی۔

”ہاں! یہ لوکھیوں کو تو پانی میں ڈوبنے نہیں دیتی اور معافیاں ایسے مانگتی ہے جیسے سو سو قتل کر کے آئی ہو۔“

چاچی نے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔

”ارے جب اسے کچھ پتا نہیں چل سکا تھا تو بندگی کو کیسے کچھ پتا چلتا؟ یہ تو تھی کوئی بے خبر دیوانی سی، نا جانے اس عمر میں کیسے پرواداری میں پڑھتی جاتی تھی۔ خیر کہہ دیتی ہوں اپنے لیے دعا مانگ رہی ہے تو میرے لیے بھی مانگ لے۔ شاید اس کی سن لی جائے اور میں بخش دی جاؤں۔“ چاچی کے خیال میں یوں ہی اپنی بخشش کا خیال آیا۔ اس نے بندگی کو خود سے اچھا اور بے گناہ جان کر اپنے لیے دعا کرنے کا کہا۔

بندگی مسکرائی اور ان سے بولی۔

''آپ خود کو خود کچھ نہیں سمجھتی چاچی، اور جو اپنے آپ پر ذرے برابر بھی فخر نہیں رکھتا ان پر خدا ضرور کرم فرماتا ہے۔''

''ہم روز اچھے کام کریں خود کو اچھا سمجھے، خود پر فخر کر لیں۔ اس سے تو بہتر ہے ہم کچھ نہ کریں۔ فخر کا سر نیچا ہوتا ہی ہے اور کون اچھا ہے کون برا؟ ہم نہیں جان سکتے۔ ہم سب کے دلوں پر اللہ میاں نے گوشت پوست کے کئی پردے چڑھا لیے ہیں، ہم جن جن کو جانتے ہیں ان کو پہچان نہیں پاتے۔''

اس نے کہا اور پھر سے عادت میں پڑ گئی۔ اب وہ چاچی سے کیسے کہہ دیتی اس سے کیسی غلطی اس رات پرانی بیٹھک میں سرزد ہوئی تھی۔ بس خدا اس کی لاج رکھ لے، اس بے رحم حقیقت پر دہ رکھ لے۔

اور بے شک وہ سننے والا تھا اس کے لیے کون بھلے تھے کون مندے...... وہ ایک ہے اور اس کے لیے بھی سب ایک ہے...... وہ سب کو دیتا ہے۔ دینے والا مہربان اس کا اللہ...... اس کا اللہ۔

جس کی مصلحت بڑی ہے سب سے بڑی ہے۔

☆......☆......☆

وہاں بس عافی ہی آج کل ذہن نشین ہونے لگا تھا اور یہاں عافی تھا کہ کام میں مگن ہو گیا تھا۔ مجاہد صاحب بڑے ہی کوئی مہربان ہوئے تھے اور عافی کے کام سے متاثر بھی لگتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ عافی کو جا کے واپس آنے کا لالچ دینے کے لیے دن کی کمائی کا بیس فیصد حصہ دے رہا تھا۔ عافی جتنے پیسے لایا تھا، کئی مہینوں ٹیوشن دینے کے پیسے اب ڈبل ہو گئے تھے۔ اسے اس کام میں مزا آ رہا تھا۔

اب وہ مجاہد کے گھر بھی آتا جاتا لیکن کبھی اس کے گھر والوں سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ وہ اپنے کام سے کام رکھتا۔

''دادا جی''؟

وہ روز موبائل چیک کرتا تھا لیکن دادا جی کا کوئی پیغام نہ آتا تھا۔ اب تو وہ اتنا کمانے بھی لگا تھا کہ دو وقت کی روٹی ان کی پوتی کو کھلا سکے۔ ہاں کام بہت تھکا دیتا تھا لیکن گھر تو بسانا تھا اور پھر بندگی کے سوا ایسا کون تھا جو اس کا تھا۔

اب تو مجاہد بھی دادا جی کی کال کا پوچھا کرتا تھا یوں تو عافی اس کے کام کا لڑکا تھا لیکن وہ اتنا خود

غرض نہ تھا کہ کسی کی خوشی سے زیادہ اپنے کاروبار کی فکر کرتا اس نے عافی سے کہہ رکھا تھا جب بھی دادا جی کا فون آئے اسی وقت دکان بند کر کے چلے جانا۔

کچھ فراغ دلیاں کبھی ضائع نہیں جاتیں۔ کچھ تعلق بھی عجیب ہوتے ہیں نا جانے کیوں بن جاتے ہیں اور پھر زندگی میں کسی نیکی کی صورت سامنے آتے ہیں۔ ویسے تو مجاہد کی فطرت تھی دوسروں کی مدد کرنا پر عافی کی مدد کر کے اسے نفع ہی نفع ہونا تھا۔

☆......☆......☆

ایک تو گھر کی فضا عافی کے سنا سونی تھی اوپر سے سب کی سوالیہ نظریں؟ آج کل چاچی، چاچے کی نظروں میں عجیب سے سوال ہوتے، وہ آتی تو اسے بار بار ایک بات سننے کو ملتی۔ عافی چلا گیا ہے گھر میں یہ نہیں ہے وہ نہیں ہے۔ اف! کہاں ہو تم عافی، اس کے بن صرف دل کا حال ہی برا نہ تھا زبان کا ٹیسٹ بھی متاثر ہوا تھا اور بندگی بھی آج کل نظر نہ آتی تھی۔ آج تو چاچی کے ہاتھ کی بنی بدذائقہ چائے پی کے تو اس کا دماغ ہی بھک سے اڑ گیا۔ وہ فوراً دادی کے پاس چلی آئی۔ آج تو وہ پتا کر کے رہے گی کہ عافی بالآخر گیا کہاں ہے اور کیوں؟ دادی اپنے کمرے میں نہیں تھی بچوں کے ساتھ آنگن میں بیٹھی تھی، اس نے دادی کو ہاتھ سے پکڑا اور اپنے ساتھ اپنے کمرے میں لے آئی اور دروازہ لاک کر دیا۔ دادی کو بیڈ پر آرام سے بٹھایا اور پوچھا۔

''وہاں ہے بڑی اماں؟''۔

شکر ہے اس نے عافی کے لیے لفظ ''وہ'' کا استعمال ورنہ اماں تو اس کی سابقہ بے پروائی سے سمجھی تھی کہ زندگی آئے گی اور پوچھے گی کہاں ہے میرا عافی؟''

''گھر میں نہیں ہے۔ وہ تو مجھے بھی پتا ہے کہ وہ گھر پہ نہیں ہے۔ اماں! دیکھو سیدھی بات بتانا پلیز کہاں ہے وہ۔ اور کیوں گیا ہے؟''

''تمہاری وجہ سے گیا ہے اور کیوں؟ میری وجہ سے؟''

''تم تو ایسے بن رہی ہو کہ جیسے تمہیں پتا ہی نہ ہو''

''کیا پتا نہ ہو؟'' وہ سچ میں بے حد حیران ہو گئی تھی۔

''واہ جی، ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو...... اور ایک دوسرے سے بے خبر پھرتے ہو؟ ہم بڈھے ضرور ہوئے ہیں لیکن ابھی سٹھیائے نہیں ہیں۔''

''آپ کا تو پتا نہیں دادی، میں ضرور سٹھیا جاؤں گی۔ جلدی بتائیں نا۔'' اس کی بے چینی کا بیان مشکل تھا۔

''سب پتا ہے مجھے، یہ تمہارے ہی کارنامے ہیں اس سیدھے سادھے لڑکے کو تو نے ہی پٹیاں پڑھائی ہیں جو بلیک بلیک پہ اتر آیا ہے۔ ارے تیری ہی وجہ سے وہ تیرے پاس آیا۔ تیرا ہاتھ مانگا، تیرے دادے سے وعدے شادے کیے کہ وہ تجھے خوش رکھے گا اور جب تیرے دادے نے اس کی منشا کے مطابق جواب نہ دیا تو گھر چھوڑ گیا اور کہہ گیا اب تب ہی آئے گا جب تیرا دادا اسے بلائے گا۔ عجیب بلیک بلیک ہے۔''

''ہاں ں ں۔'' اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا اور مارے حیرت کے اس نے صرف اتنا کہا۔

''دادی! بلیک بلیک نہیں بلیک میلنگ۔''

''ہاں ہاں وہی۔''

وہ چپ چاپ دادی کے پاس بیٹھی رہی اور پھر ایک دھماکے کے سے انداز میں دادی کے پاس آئی اور پوچھا۔

''اماں سچ کہہ رہی ہو نا؟''

''میں کیوں جھوٹ بولوں گی؟''

''ہاں وہی تو آپ کیوں جھوٹ بولو گی؟ اس کا مطلب عافی بھی مجھ سے......'' وہ جیسے ثمر بار ہو گئی ہو۔ اس نے مارے خوشی کے دادی کو اپنے حصار میں لیا اور پھر سے کہا۔

''میری دادی میری پیاری دادی جھوٹ نہیں بولتی تو اس کا مطلب عافی مجھے......''

''ہاں ہاں لڑکی عافی تجھے پسند کرتا ہے اور تجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔''

''اوے مائے گڈنیس۔'' اس نے دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر مضبوطی سے ایکسائٹڈ ہو کر اپنی ٹھوڑی کے پاس رکھا اور کہا۔

''وہ مجھے پسند کرتا ہے اور مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔''

اس نے جیسے یقین کرلیا اور پھر چیخیں مارنے لگی۔ ”کسے مجھ سے محبت ہے دادی..... جیسے مجھے اس سے۔“
”بے شرم چپ رہ۔ اس کمرے میں ہی رہنا، باہر نہ آنا ورنہ سب کو شور مچا چا کے کہتی رہو گی اسے مجھ سے..... بے شرم ادھر ہی رہنا۔ باہر مت آنا اس گھر میں بچے بھی ہیں۔“
دادی کی بات سن کر مسکرا دی اور پھر ایک بار حیرت سے کہا۔ ”اسے مجھ سے محبت ہے۔“
دادی نے سر پکڑ لیا اور اس کے کمرے سے باہر نکلتے ہی کنڈی لگالی..... اور بڑبڑاتی ہوئی نکل گئی۔
ان کو سیدھا دادا جی کے پاس آنا تھا وہ سیدھا ان ہی کے پاس آئی اور دو دو اپنی ملا کر زندگی کا حال بے تاب تمام کیا۔
دادا جی جتنا چاہتے اس معاملے کو دباتے دادی جی جب چاہے ذکر کرلیتی۔ فکر کرلیتی۔
”ارے اب دوسرے بھی بچے ہیں گھر میں؟ آپ کیوں ان کے معاملے کو طول دیئے ہوئے ہو؟ سچ کہوں، تو نہ کرنے کی مجال نہ میری ہے نہ آپ کی؟ اگر ہوتی تو آپ ابھی تک اس معاملے کو لٹکانے کی بجائے نہ کر چکے ہوتے لیکن اگر نہ کرنے کا سوچ بھی رہے ہو تو مت آؤ ان جوانوں کے درمیان..... عمر کا ہی خیال کرلو۔“
”جو آپ نے نہ کیا ہے تو عافی کا تو پتا نہیں یہ ہماری زندگی دماغ خراب کر بیٹھے گی۔ اور آپ ٹھہرے.....“
”ہاں ہاں میں ٹھہرا بڈھا۔“ دادا نے اپنا چشمہ چڑھا لیا اور بظاہر کتاب کے مطالعے میں مصروف ہو گئے۔ دل تو ان کا بھی کہتا تھا ان نوجوانوں سے ٹکر لیں گے تو ہاریں گے خود ہی..... اور دادی جی کی باتیں بھی درست تھیں۔ گھر کی بیٹی گھر میں اور منہ بولا بیٹا بھی اپنا بیٹا بن جائے گا۔ عافی کی قابلیت پر بھی انہیں کوئی شک وشبہ نہ تھا وہ آج نہیں تو کل کوئی نہ کوئی مقام حاصل کرنے کی سکت رکھتا تھا۔ بس پھر بھی نا جانے کیوں ہاں کہنا ذرا اوکھا اوکھا سا لگتا تھا۔

ناول رنگِ حیات کی اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 20 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

قسط نمبر 5

اس سے تو یہ بات کوئی خیال سی لگتی تھی، راستے تو سارے صاف ستھرے تھے لیکن دل پھر بھی کبھی کبھی سوچ لیتا تھا۔

''عافی نے انکار کر دیا تو......؟''

مگر اب تو کوئی ایشو نہیں تھا۔ وہ خوش، بہت خوش تھی۔ اسے لگتا تھا عافی نے اس کا ہاتھ مانگ کر اسے جیسے مکمل ہی کر دیا تھا۔

آپ کسی کو چاہیں، کسی کو دل میں جگہ دیں اور بدلے میں وہ اسی طرح آپ کو چاہیے، آپ کو سوچے اور اپنے دل میں جگہ دیں، یہ جو مقام برابری ہے نا، اس جیسا تو اور کوئی مقام ہے ہی نہیں۔

اب جب سب کچھ صحیح تھا تو سب کچھ اتنے فاصلے میں کیوں تھا؟ شدید بے چینی شدید بے پروا بھی کرتی تھی۔ اب اس کا بھی حال یہی تھا عافی کے دل کا حال جان کر وہ شدید بے چین ہوئی تھی۔ اور اب شدید بے پروا۔

وہ اسی بے پروائی کے زیر اثر اپنے کمرے سے دھڑم سے برآمد ہوئی، اس نے کمرے کا دروازہ نہایت ہی تیزی سے کھولا اور بند کیا تھا۔ دادا جی سامنے بیٹھے سر سہلا رہے تھے، سردیوں میں ان کے ساتھ طبیعت بے زار رہتی، زندگی کو دیکھتے ہی انہوں نے کہا۔

''بیٹا! آج بندگی کو بخار ہے۔ ذرا ایک کپ چائے تو بنا دو۔''

''ایک کپ تو کیا میں آپ کے لیے سو کپ چائے کے بنا دوں دادا جی؟''

''ارے واہ، آج تو بہت خوش لگ رہی ہو؟''

''ہاں دادا جی آج کل بہت خوش رہتی ہوں لیکن پتا ہے کیا ڈر لگتا ہے دادا جی۔ ذ ذ
''کیسا ڈر؟ اللہ تمہاری خوشیاں برقرار رکھے۔''
''دادا جی! اللہ میاں تو بن کہے میری سن رہے ہیں۔ بس اللہ میاں کا ایک بندہ نہیں سن رہا؟''
اس نے بڑے ہی دلچسپ انداز میں کہا۔ دادا جی کا تو یہ لچسپ طعنہ والزام سن کر سر کا درد بھی بھاگ گیا۔
''تو مجھ سے شکایت ہے تمہیں؟''
''ایک نہیں دادا جی، کئی شکایتیں ہیں۔ دادا جی! عافی کو گئے چار ماہ اور چھ دن ہو گئے اور مجھے آپ سے چنار ماہ اور چھ دن کی ایک ایک گھڑی کی شکایتیں ہیں۔'' وہ سخت صاف گوئی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ پر اپنے مخصوص انداز میں۔
دادا جی نے اس سرد مہری پر اس کی جانب حیرانی سے دیکھا۔
''دادا جی! اب تو ایسے نہ دیکھو اور اپنے زمانے کے مغل اعظم سے باہر آئیں۔ اکبر بنیں کیونکہ یہاں حالات مختلف ہیں، یہاں آپ انار کلی کے سرپرست ہیں۔ یہاں آپ کے پاس انار کلی کو دیوار میں چنوانے کا کوئی آپشن نہیں تو......''
''تو کیا؟'' وہ کہتے کہتے ذرا سا رکی تو دادا جی نے اپنی شان میں ادا کیے ہوئے جملے کو اسے مکمل کرنے کا اشارہ کیا تو زندگی نے بھی بے دھڑک ہو کے کہہ دیا۔
''داجا جی! آپ تو محبت کے دشمن نہ بنیں۔ پلیز، عافی کو بلائیں نا؟'' اس نے اس انداز سے التجا کی کہ دادا جی کے آگے اس کے مرحوم بیٹے کا چہرہ اور گندگی کی بچپن کی صورت نظر آ گئی۔ ان کا دل پسیج سا گیا۔
''دادا جی! پلیز عافی کو پانے کی خوشی کو میری جھولی میں ڈال دیں۔ پلیز، پلیز، پلیز۔'' اس نے اپنی گھٹنوں سے اوپر آتی شرٹ کی چھوٹی سی جھولی بنا کر دادا جی کے آگے پھیلا دی۔
دادا جی اور کیا کرتے۔ اب نہ کرنے کی گنجائش کہاں تھی۔ زندگی کی آنکھوں میں جو خوشی تھی، وہ لازوال تھی ان میں اتنا حوصلہ کہاں تھا کہ اپنی ہی بچی سے اس کی خوشیاں چھین لیں۔ وہ کھلکھلا کے مسکرانے لگے۔

''آپ مان گئے دادا جی؟''

''ہاں مجھے پھر سے مغل اعظم کی تاریخ نہیں دہرانی۔''

''او میرے پیارے دادا جی۔'' وہ جھوم سی گئی۔

اور شور مچا کر دادی کو بلانے لگی۔ دادی پہلے ہی کان لگائے کھڑی تھی۔ وہ جانتی تھی کچھ ایسا ہی ہو گا۔ ان کی یہ بے پرواپوتی۔ اف......؟ وہ جلدی جلدی کسی اوٹ سے نمودار ہوئی، اسے چپ کروایا اور کچن میں دھکیل دیا۔

''جاؤ چائے بناؤ میرے لیے بھی، ہمیں بات کرنے دو۔''

''ٹھیک ہے دادی، پیاری دادی۔'' اس نے دادی کو گلے سے لگاتے ہوئے کہا۔ اس کے کچن میں جانے کے بعد دادی نے دادے کو ان کا فون دیا اور کہا۔

''اب دیر مت کرو، بلاؤ اب عافی کو۔ذ'

دادا جی نے عافی کا نمبر ڈائل کیا۔

☆......☆......☆

عافی آج دکان پر تنہا تھا۔ گاہک بہت زیادہ تھے۔ اس کے سب دوست یوں ہی کنگلے تھے، کبھی کبھی کوئی میسج کرتے اور بس...... مجاہد صاحب بھی زیادہ تر دکان کے نمبر پر ہی فون کرتے تھے۔ اب چونکہ وہ شہر سے باہر تھے تو کبھی کبھی اس کے نمبر پر بھی کال کر لیتے۔

عافی کا فون جب جب بجتا، اس کا دل دھڑک اٹھتا۔ وہ بے تابی سے اپنا فون اٹھاتا اور ہر بار مایوس ہوتا۔ دادا جی نے اسے اب تک معاف نہیں کیا تھا اور نہ ہی بھلایا تھا۔ نا جانے کیا سے کیا ہو گیا تھا و تو اس متعلق اب سوچتا بھی نہ تھا۔ پر اب جیسے نصیبوں کی بارش ہونے کے دن تھے اور اسے چن چن کے دیکھ بھال کے نصیب چننے کا موقع بھی عطا فرمایا گیا تھا۔

اس کا فون بج رہا تھا، اسکرین پر دادا جی کا نمبر چمک رہا تھا۔ گاہک اپنا اپنا سودا مانگ رہے تھے۔ اس کے دل کی حالت وہی جانتا تھا اس نے کتنا انتظار کیا تھا، شروع شروع میں وہ ہر گھنٹے، آدھ

گھنٹے میں موبائل چیک کرتا تھا۔کئی بار اسے فون بجنے کا گمان بھی ہوتا،کئی بار وہ اس سردی میں نہاتے ہوئے باتھ روم سے نکل آیا اور فون چیک کرلیتا اور اب جب اسے لگنے لگا تھا دادا جی کبھی فون نہیں کریں گے تو آج ان کا فون آگیا اور آس پاس کے سارے منظر جیسے کہیں کھو سے گئے ہوں۔

اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے فون اٹھایا اور کپکپاتی آواز سے ہیلو کہنے کی بجائے دادا جی کہا۔ اس نے اس انداز میں دادا جی کہا کہ سب گا ہک چپ ہو گئے۔عافی کی آنکھوں میں ان کی آواز سن کر پانی آ گیا تھا۔

''کیسے ہو تم، کہاں ہو؟''

''میں پنڈی سے کچھ فاصلے پر ہوں دادا جی۔''

''ہوں۔کیا کر رہے ہو؟''

''آپ کی طرح ایک مہربان دوست مل گیا،اسی کی دی ہوئی چھت میں رہتا ہوں،اسی کی دکان سنبھالتا ہوں۔''عافی نے سچ کہا جو تھا۔دادا جی کو اس کا سچ پسند آیا۔چاہتا تو وہ اس حساس معاملے کی نزاکت کو متوازن رکھنے کے لیے بڑی بڑی ہانک سکتا تھا لیکن اس نے سچ ہی کہا اور پھر پوچھا۔

''آپ نے مجھے معاف کر دیا؟''

''کیسے نہ معاف کرتا۔بڑے بزرگ بچوں کی طرح ضد نہیں کر سکتے۔ضد کرنے کا حق صرف بچوں کو ہوتا ہے۔گھر کے بزرگوں کو ہی معاف کرنا پڑتا ہے۔''

''تو کیا آپ نے؟''اس نے دھڑکتے دل سے پوچھا تھا۔

''ہم نے تمہاری منگنی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔اب آ جاؤ۔''

''ک......کیا......منگنی؟''

''ہاں منگنی؟''

''آ جاؤ میاں، اب اتنے سوال مت کرو ورنہ اس لڑکی کا حال خراب ہو جائے گا۔''یہ دادی کی آواز تھی۔عافی بہت حیران تھا، زندگی نے جو ابھی چائے چولہے پر چڑھائی تھی وہ ابلنے لگی تھی اور وہ

بے خبر کچن ہی کچن میں سانسیں تھامے سی کھڑی تھی۔

''آج اور ابھی گھر واپس آؤ۔''

''دادا جی!'' اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ پر مجاہد صاحب نہیں تھے اور وہ جانہیں سکتا تھا اس نے اس بار بھی سچ کا مظاہرہ کیا۔

تو دادا جی نے کہا۔ ''پھر کب تک آؤ گے؟''

''مجاہد صاحب اس ماہ کی چوبیس تاریخ کا کہہ گئے ہیں۔''

''چوبیس؟ آج نو تاریخ ہے تو...... تو میں ایک کام کرتا ہوں کہ اگر تم نہیں آسکتے تو منگنی کینسل کر دیتا ہوں۔'' دادا جی نے ذرا شرارت کی۔ بہت ستایا تھا دونوں نے اور اب ان کی باری تھی۔ عافی اور زندگی نے تڑپ کے کہا۔

''نہیں دادا جی۔''

دادا جی مسکرائے اور پھر کہا۔

''اب تم نہیں آسکتے اور ظاہر ہے کسی کے کاروبار کی ذمہ داری ہے تم پر، تو منگنی کینسل کر کے سوچتا ہوں ڈائریکٹ نکاح پڑھوا لوں۔''

عافی، زندگی اور دادی کو تو جیسے یقین ہی نہ آیا۔

''لیکن اتنی جلدی؟''

''دراصل تم بچوں کے فیصلے کب بدل جائیں کیا پتا، اب گھر کی ہی بات ہے اور جب سب ٹھیک ہے تو ایک ہی گھر میں دولہا، دلہن کیسے رہ سکتے ہیں۔ اب بس تم اطمینان سے اپنی تیاری کرو اور ہم یہاں اپنی تیاری میں لگ جاتے ہیں۔ اس ماہ کی چوبیس کو تم آؤ اور پچیس کو تمہارا نکاح ہے۔''

''پچیس کو نکاح ہے تمہارا؟''

گاہکوں نے بھی سن لیا تھا۔ سب اسے مبارک باد دے رہے تھے اور وہ اس قدر حیران تھا کہ یقین کی چادر کو جتنا خود پر اوڑھتا تو بے یقینی اس چادر کے کونے کھینچ لیتی۔

''چلو بھئی چلو، اب اس دکان سے سودا اس وقت تو نہیں مل سکتا۔'' گاہکوں نے شرارت سے کہا تھا پر عافی نے انہیں روک لیا۔ دل کے معاملے میں یقین اور بے یقینی کے سفر کے ہچکولے تو چلتے ہی رہتے ہیں لیکن اس وقت اس کی توجہ کا مرکز صرف اور صرف یہ کاروبار تھا۔

☆......☆......☆

''بندگی...... بندگی۔'' وہ ہمیشہ کی طرح شور مچاتے ہوئے اس کے کمرے میں اماں کے ہمراہ داخل ہوئی۔

اس نے زندگی کی آواز سنی، لیکن آنکھیں نہ کھول پائی۔

''اسے تو سخت بخار ہے، یہ تو تپ رہی ہے؟'' اماں کی جریوں میں پریشانی در آئی۔

''کچھ نہیں ہے اماں! یہ ابھی ٹھیک ہوجائے گی اسے میری شادی کی خبر دو۔ دیکھو کیسے اچھلتی ہے۔''

''میری شادی، میری شادی۔'' اماں کی بے پردہ باتوں سے زچ ہورہی تھی۔

''اٹھو بندگی، میری شادی ہونے والی ہے۔ اٹھو بہت کام ہیں۔ اتنی ساری شاپنگ کرنی ہے۔''

بندگی نے بڑی مشکل سے آنکھ کھولی اور پوچھا۔

''آپ کی شادی؟''

''ہاں ہاں، میری شادی۔ میری شادی ہورہی ہے۔''

''جاؤ تم، جاؤ یہاں سے۔'' اماں کو وہ اپنی شادی کا اشتہار دیتے ہوئے زہر لگتی تھی۔

''ہم ابھی زندہ ہیں، ہمیں بتانے دو کہ تمہاری شادی ہورہی ہے۔''

''آپ بتاؤ یا میں، بات تو ایک ہی ہے۔ میری شادی ہورہی ہے۔'' وہ بے حد ایکسائٹڈ تھی۔

''بات تو ایک ہی ہے۔'' دادی بڑبڑائی اور ساتھ میں اسے ڈانٹا بھی۔

''اب بند کرو یہ تنبک۔ اور کان کھول کے سن لو، اب جب تک تمہاری شادی نہ ہوگی تم اس بے ہودہ لباس میں نظر نہیں آؤ گی۔ آج سے تم بندگی کے قمیض شلوار پہنو گی۔''

''قمیض شلوار! بس اتنا سا حکم۔ دادی! اپنی شادی کے لیے تو میں بڑے بڑے برقعے بھی پہن لوں۔''

''پھر میری شادی۔ اف اللہ یہ لڑکی۔''

زندگی نے ایک ڈریس بندگی کی الماری سے لیا اور یک دم زیب تن کر کے پھر سے آ گئی اور بندگی کو ہاتھ سے تھام کر اپنے ساتھ کہیں لے جانے لگی۔

''ارے بخار ہے اس کو، باہر کہاں لے جا رہی ہو؟ ہوا لگ جائے گی۔'' دادی نے اسے ٹوکا پر وہ سنتی کہاں تھی۔ وہ تو اپنی ہی دھن میں مگن تھی اور اسے اپنے ساتھ لے کر چھت پر آ ئی۔

اس نے بندگی کا وہی لباس پہن لیا تھا جس کے دوپٹے پر عافی کے ہاتھوں کا لمس تھا۔ وہ اس لباس میں اچھی لگ رہی تھی، بندگی چاہ کر بھی کچھ نہ کہہ پائی، اس کی بہن بہت خوش تھی۔

موسم کی نرمیاں پھر سے بگڑ پڑی تھی، بدلے موسم نے سختیاں برت لی تھی، ہوا سرد تھی، آسمان سورج کی روشنی کی راہ تکتا تھا، گھنی گھنی کالی گھٹاؤں کی بادشاہی تھی۔ لگتا تھا، بارش نے برسنا ہے۔ ابھی ذرا دیر پہلے کن من بارش کی بوندیں برسنے کے بھی آثار تھے۔ وہ اپنے لباس کے دوپٹے کے ساتھ کھیلتے ہوئے بتانے لگی۔

''بندگی! میں نے اسے پا لیا۔ پتا ہے میں کتنی خوش ہوں، میں بتا بھی نہیں سکتی اور تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتی۔ میں بہت خوش ہوں بندگی، میں نے اسے پا لیا۔'' اس نے اپنا دوپٹہ لہراتے ہوئے کہا۔

وہ اس کی خوشی دیکھ کر اپنی بیماری بھول گئی لیکن ابھی کہاں، اب تو اس نے اور بیمار پڑنا تھا، دل کے ہاتھوں جل کی مانگوں کو، امیدوں کو، ارمانوں کو قتل کرنا تھا۔

ہا اسے ٹھنڈی لگ رہی تھی۔ سردی اس کی ریڑھ کی ہڈی تک کو شل کر رہی تھی، دانت کپکپا رہے تھے لیکن زندگی خوش تھی اور وہ اپنے جسم کے تمام تر احساسات کو بالائے طاق رکھ کر اپنی بہن کی خوشی میں مگن سی تھی۔

''سچ کہوں تو بندگی اسے پانا بے حد کٹھن لگتا تھا۔ کوئی منفی پہلو بھی نہ تھا میری اور اس کی محبت میں جسے سوچ کر میں سمت سے بے اعتباری جتا لیتی لیکن بس اس کا رویہ؟ میں تیار ہو ہو کر اس کے سامنے جاتی اسے پکارتی لیکن وہ آنکھ بھر مجھے دیکھتا بھی نہ تھا۔ ایسے ایسے، ایسے جھکی ہوتی تھی اس کی آنکھیں۔''

اس نے عافی کی جھکی آنکھوں کی نقل کی۔اور خوب ہنسنے لگی۔بندگی بھی اس کے ساتھ ہنسے جا رہی تھی۔

''پر وہ چھپا رستم نکلا۔دل ہی دل میں مجھے پسند کرتا رہا اور ہمت دیکھو۔سیدھا دادا جی سے میرا ہاتھ مانگ لیا اور دادا جی نے جو انکار کیا تو گھر چھوڑ کے چلا گیا۔اتنا ہی نہیں اس نے دادا جی کو بلیک میل بھی کیا۔اور ہم جو سمجھ رہے وہ گھومنے گیا ہے نا؟ وہ کوئی گھومنے نہیں گیا تھا وہ میرے لیے سب کچھ چھوڑ کے گیا اور دادا جی پر اپنی قابلیت کا رعب ڈالنے کے لیے فلمی ہیرو کی طرح کسی دکان پر کام بھی شروع کر دیا ہے۔او عافی سو سویٹ آف یو۔ڈلس وائے آئی لو یو عافی۔آئی لو یو۔''

بارش اب برسنے لگی تھی جہاں بندگی کا یقین اپنی سماعتوں پر ڈگمگا ڈگمگا رہا تھا وہاں زندگی بارش کی بوندوں کو ہتھیلیوں میں بھر بھر کے زور زور سے کہتی تھی۔''آئی لو یو عافی......آئی لو یو...... یو آر جیسٹ مائن......تم صرف اور صرف میرے ہو۔'' زندگی اپنی جونک میں ان گنت خوشیوں کی سنگت میں اس انہونی کو جیسے پڑھتے جا رہی تھی اور بندگی کا اپنے ہی پیروں پر کھڑے رہنا ناممکن سا ہونے لگا تھا۔اسے کسی سہارے کی اشد ضرورت تھی۔اس نے دیوار کو آسرا بنا کر سہارا ڈھونڈ لیا اور دیوار سے ٹیک لگا لی۔ بارش کی بوندیں اس کے کمزور بدن کو بھگونے لگیں۔

''دادا جی نے صحیح کیا منگنی وگنی کی فورملٹی کینسل کر کے، ڈائریکٹ میرا اور عافی کا نکاح فکس کر لیا اسی ماہ کی 25 تاریخ کو عافی کا اور میرا نکاح ہے۔''

''مجھے تو یقین ہی نہیں ہو رہا۔''

کمزور بدن، حالت خراب، عافی سے جدائی، ایک بڑے گناہ کا بوجھ، وہ بے سبب رات؟ اس کی تمام تر صلاحیتیں کہیں بے وجہ ہی ہضم ہونے لگی تھیں۔اب اور سننا، سمجھنا، ہوش کی دنیاؤں سے اب کیسا تعلق کیسا رابطہ؟ اس کا سر چکرا گیا۔وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔

زندگی اب بھی دل کا حال لفظ بہ لفظ بڑی ایمان داری سے بہن کے گوش گزار کر رہی تھی پر اسے کیا خبر تھی اب دیر بہت دیر ہو چلی تھی، اس نے اپنے عقب میں ایک زوردار سی دھڑام کی سی آواز سنی اور مڑ کر دیکھا، بندگی بے ہوش ہو کر گر گئی تھی۔وہ گھبرا گئی۔اس نے فوراً سب کو چھت پر بلا لیا۔

بندگی بے ہوش ہوگئی تھی۔ بے ہوش...... اور کاش کہ وہ ہوش کی دنیا سے اپنے سب ہی رشتے تمام کر لیتی، سارے ناطے توڑ لیتی لیکن اس کے ہاتھ میں اتنا بھی سب کہاں تھا؟ اسے آج نہیں تو کل ہوش میں آنا تھا، آنکھیں کھولنی تھیں۔ دل کو دھڑکانا تھا اور سانس بھی لینی تھی۔ ایک زندگی کو رواں رکھنے کے لیے اس بشر کو کتنے کام کرنے ہوتے ہیں۔ اسے آج محسوس ہوا دکھ کی لذت میں اعضا کا کام کس قدر بے بھروسا ہوتا ہے، ایسے میں کیا بھروسا آتی جاتی سانسوں کا؟ کب آنا بند ہو جائے کب دل دھڑکنا بند ہو جائے؟

انتظار کے لمحے تو یوں بھی کٹھن ہوتے ہیں۔ ایک ایک لمحہ صدیوں کی سی مسافت کر کے گزرتا ہے۔ انسان کو لگتا ہے وہ محبت کے اجنبی ہونے کے غم میں مرجائے گا اگر تب بھی نہ مرا تو پھلتی پھولتی اس دل کی پیاری محبت کا جنازہ دیکھ کے مرجائے گا لیکن انسان مرتا نہیں بے شک اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی محبت کی موت ہو جاتی ہے۔ محبت کے ہونے نہ ہونے سے کیسے دل اپنا کام کرتا ہے؟ اعضا اپنا کام کرتے ہیں؟ کیسے؟ دل دھڑک رہا ہوتا ہے سانسیں آ جا رہی ہوتی ہیں، کیسے؟ جب محبت ہوتی ہے تو اس کا بسیرا دل میں ہی لگنے لگتا ہے، سانسوں میں رچنے بسنے لگتا ہے؟ لیکن یہ محبت انسان کے اندر رہتی ہے تو رہتی کہاں ہے؟ کیا اس کا بسیرا سوچیں ہیں۔ یہ محبت انسان کے وہم و گماں میں رہتی ہے؟ جو بھی چل بستی ہی نہیں۔ آسوں، ٹوٹے پھوٹے بھروسوں کی صورت روح سے چمٹ جاتی ہے۔ انسان کے سامنے محبت مرتی ہے اور اسی وقت نیا جنم لے کر اسی انسان کے اندر آس بن کے ابھرتی ہے۔

عافی نے دادا جی سے زندگی کا ہاتھ مانگ لیا؟ نہیں نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔ اس کی نظروں کے سامنے مرتی محبت نے اس کے اندر ایک نئی آس کی صورت میں نیا جنم لے لیا۔ کوئی بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ غلط فہمی۔

☆......☆......☆

سارے محلے میں اس کی شادی کی خبر چل رہی تھی۔ اس نے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی لوگوں کو حیران کر دیا تھا۔ لوگ سنتے تو چپ رہ جاتے، کسی کی سمجھ میں آتا کہ عافی نے بڑا ہاتھ مارا ہے؟ کسی کو لگتا

اس کے گھر والوں نے کماؤ بیٹی کو رخصت نہ کرنے کی اچھی ترکیب نکالی ہے۔ خیر ہر کسی کی اپنی سوچ تھی لیکن نوٹی کی سوچ یہ سب سننے کے بعد مختلف تھی۔ زندگی کی شادی ہو یا نہ ہو اسے کیا فرق پڑتا تھا؟ اس کی بندگی آپی بیمار تھی اور اس کا سر نہ جانے کس کام سے گیا تھا۔ وہ اسکول سے سیدھا اپنے نئے گھر چلا جاتا۔ اب اس محلے میں اس کا دل نہ لگتا تھا۔

''اٹھو بندگی...... اٹھو۔'' چاچی مہر کا تو بندگی کے بن گزارا مشکل تھا اس کی بیماری کے باعث سارے کام ان کے سر آن پڑے تھے اور اب تو شادی والا گھر تھا، قسم قسم کے کام نکل آتے تھے اور وہ تن تنہا کام کر کر کے آدھی ہوتی جاتی تھی۔

بندگی نے بمشکل آنکھیں کھولیں، اس کی آنکھیں کمزوری کے باعث ٹیوب لائٹ کی روشنی میں چندھیانے لگتی تھی۔ اس نے فوراً اپنا ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھا۔

''اٹھو اب بس کرو، گھر میں اتنی رونقیں لگی ہیں اور تم سوئی ہو۔ جاؤ دیکھو تو اپنی بہن کو کیسے پاگل ہوئے پھرتی ہے۔ جو مانگو دلا رہی ہے، مجھے تو آٹھ جوڑے دلوائے اور بچوں کی بھی شاپنگ کروائی ہے۔ آج رات کو تمہارے چاچے کو بھی خریداری کے لیے لے جا رہی ہے۔ اپنی شادی پر سارے ارمانوں کی دنیا سنوار رہی ہے۔ اتنی شاپنگ کر رہی ہے کہ تم تو سوچ بھی نہیں سکتی، ساری تیاریاں اے ون ہیں۔ اور پتا ہے کون سے ہال کی بکنگ کروائی ہے؟ وہ بلال صاحب کی بیٹی کی شادی یاد ہے نا، کیسا شاندار ہال تھا۔ کیا انتظام تھا، کیا لذیذ و مزے دار کھانے تھے؟ کیسی واہ واہ گائی تھی سب نے ان کی...... اور اب تو ہماری بھی ایسی ہی واہ واہ ہوگی۔ زندگی تو پانی کی طرح پیسہ بہا رہی ہے اور عافی کے لیے گفٹ تو دیکھو، اتنے مہنگے گفٹ خریدے ہیں کہ دیکھے گا تو دنگ رہ جائے گا۔''

''ویسے تم نے سوچا تھا کبھی عافی اتنا بڑا ہاتھ مارے گا؟''

''نہیں۔'' اس نے بمشکل کہا اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''اٹھ جا، شاباش۔ آجا۔ باہر بہت ہی زیادہ کام ہیں۔'' اس نے بچوں کا کمرہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

ہاں اٹھنا تو تھا ہی۔ وہ یوں ہی بیٹھی نہیں رہ سکتی تھی۔ کچھ تو کرنا تھا۔ عافی سے بات کرنی ہو گی۔ لیکن اس کے پاس موبائل تک نہ تھا اور نہ ہی عافی کا نمبر۔ لیکن اسے کچھ تو کرنا تھا۔ اگر وہ عافی سے بات نہ کر سکتی تھی تو کم از گھر والوں کو سچائی بتا سکتی تھی۔ کہہ تو سکتی تھی عافی اس سے شادی کا وعدہ کر کے گیا ہے۔ یہ خیال آتے ہی وہ اپنے قدموں پر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور آہستہ آہستہ اپنے بیمار وست قدم بڑھاتی آنگن میں آئی۔ آج آسمان صاف تھا۔ سورج کی روشنی بھی وافر مقدار میں موجود تھی۔ پرندوں کی بھی کثیر تعداد آسمان میں اڑتی پھرتی تھی۔ موسم بہار کی آمد تھی۔ کیاریوں میں نئے پھول لگے تھے۔ اور نہ صرف کیاریوں پر بلکہ اس گھر کے ہر فرد کے دل میں نئے ارمان جگے تھے۔ زندگی شادی کا جوڑا لائی تھی، اسے دیکھتے ہی اس کی طرف لپکی۔

''ارے آؤ نا بندگی، اس وقت مجھے تمہاری سخت ضرورت ہے اور تم ہو کہ بیمار پڑی ہو؟'' زندگی اسے آرام سے تھام کر دادی کے پاس چارپائی پر لے آئی۔ اتنی ساری دھوپ تھی۔ اس کا بدن پہلے سے تپ رہا تھا۔ اس کے سر میں اس روشنی نے درد کی لہری پھیلا دی۔ اس نے سر تھام لیا اور گہری سانس لی۔ زندگی نے گولڈن اور سلور گرے رنگ کے شادی کے لہنگے کا پلو اپنے سر پر ڈالا اور بڑی ہی خاص ادا سے وہاں بیٹھے سب افراد سے پوچھا۔

''کیسی لگ رہی ہوں؟''

''ماشاء اللہ...... ماشاء اللہ'' کہہ کر اماں نے اس کا ماتھا چوما۔ ان کی آنکھیں بھر آئیں، وہ بھرے دل سے کہنے لگی۔

''آج برسوں بعد اس گھر میں خوشی آئی ہے، مجھے تو لگتا تھا خوشیاں اس گھر کا پتہ ہی بھول گئی ہیں۔ یہ گناہ گار آنکھیں اس ماں کی ہیں جس نے پکی عمر میں جوان بیٹے اور بہو کے سرد جسم دیکھے ہیں۔ تم دونوں جب اپنی اماں ابا کا پوچھتی تھی تو کیسے کیسے بہانے کیے ہیں۔ مجھے وہ باتیں آج بھی یاد آتی ہیں یہ بندگی تو مان جاتی تھی لیکن تم زندگی، تم تو مانتی ہی نہ تھی، پاگلوں کی طرح اپنے ماں باپ کو ڈھونڈتی تھی۔ میں نے پھر تنگ آ کر تمہیں بتایا تھا کہ تمہارے ماں باپ مر گئے ہیں۔'' اماں کی آنکھ سے آنسو بہہ نکلے۔

''اور یہ تمہارا چاچا، اس کو میں کیسے یوں بے سود نشے میں چور دیکھتی رہی۔'' دادی نے اپنے آنسو کو رگڑا، گال پونچھے اور ذرا سا چپ رہ کر بولی۔

''اور آج میں اور میری یہ آنکھیں، آج یہ خوشی دیکھ رہی ہیں۔ تم نے، زندگی تم نے ہمیں بہت بڑی خوشی دی ہے۔''

''اماں! بڑی خوشی تو آپ نے مجھے دی، آپ نہ مانتی اور عافی کسی طور مجھے نہیں ملتا تو پتا نہیں میرا کیا حال ہوتا میں تباہ ہو جاتی، پاگل ہو جاتی، خودکشی کر لیتی۔''

''زندگی!'' اماں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''اللہ نہ کرے ایسا ہو۔ تم سدا خوش رہو۔ اللہ تم دونوں کی جوڑی سلامت رکھے۔'' اماں آج بندگی کے اسٹائل میں زندگی کو دعائیں دیتی جا رہی تھی۔

بندگی کے کھولتے لب کھولتے کھولتے سل گئے۔ وہ کیسے ان کی خوشیاں ان سے چھین سکتی تھی؟

ہاں یہ سچ تھا اس گھر نے کبھی خوشیاں نہ دیکھی تھیں سو سو مسئلے مسائل ہمیشہ سے مقدر میں رہے تھے، کبھی کیا پریشانی تو کبھی کیا۔ آج سب خوش تھے......سب۔

اسے تو عافی ہی آ کے اس غلط فہمی کا کچھ کر سکتا تھا۔ ہاں وہ ہی آئے گا اور کچھ کرے گا۔ اسے پورا یقین تھا وہ کچھ کرے گا۔

☆......☆......☆

مجاہد صاحب سے رہا نہیں گیا۔ انہیں جو کل آنا تھا وہ آج آ گئے۔ آخر کو عافی کی شادی تھی اسے ذرا کاروبار سے فراغت میسر کر کے دوستی کا حق بھی تو ادا کرنا تھا اور دلہے میاں کی تیاریاں بھی تو دیکھنی تھیں۔ پر یہ کیا؟ وہ تو اپنے کمرے میں سو رہا تھا۔ اور اس قدر گہری نیند میں تھا کہ مجاہد صاحب کے متعدد بار دروازہ بجانے کے باوجود بھی دروازہ نہ کھولتا تھا۔

مجاہد صاحب گھبرا گئے۔ گھر سے عافی کے کمرے کی چابی منگوائی اور دروازہ کھولا۔

مجاہد صاحب اندر آئے تو عافی نے اپنی موندی آنکھیں رگڑتے ہوئے کھولیں اور کہا۔

''آپ۔''

''واہ بھئی، وہاں تمہارے گھر میں تمہاری شادی کی تیاری چل رہے اور تم ہو کہ سو رہے ہو، نہیں تم سو کیسے رہے ہو، ذرا بتاؤ تو مجھے، اصولاً تو آج تم پر نیند حرام ہونی چاہیے۔ اور تم ہو کہ گھوڑے بیچ کر سو رہے ہو۔ کمال ہے تم جیسا دلہا تو دیکھا ہی نہیں۔''

اتنے سارے سوال؟ اس نے جواب دینے کی بجائے مجاہد صاحب کے حلیے کی طرف دیکھا۔ آج وہ بدلے بدلے لگ رہے تھے۔ اب موسم بہتر ہو رہا تھا۔ وہ گرمیوں کے ہلکے کلر کے لباس میں بنا سویٹر، بنا ٹوپی کے بہت اچھے لگ رہے تھے۔ عافی نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ان کی پرسنالٹی کی تعریف کی اور کہا۔

''واہ......

''یار اب قسمت مہربان ہوئی ہے تو ہم بھی ذرا میر تو لگیں نا۔ ویسے تو بہت لگی ہے پرانا ہیہ...... مجھے تیرے آنے سے بہت فائدہ ہوا ہے اور وعدہ کرتا ہوں تو جب واپس آیا تو ففٹی ففٹی پارٹنر بناؤں گا تمہیں میں اپنے کاروبار میں۔''

عافی مسکرا دیا۔

''آپ کو کیوں لگتا ہے میں واپس آؤں گا؟''

''یار! ایک تو تمہارے یہ خواب؟ پتا ہے یہ جو خواب ہوتے ہیں ان کے پیش نظر ہی ہماری کامیابیاں اور ان کی وجہ سے ہماری ناکامیاں رونما ہوتی ہیں یا پھر ایسا کہنا غلط نہیں ہوگا۔ ہمارے خواب کئی بار ہماری ناکامی کا سبب بنتے ہیں، کیونکہ خوابوں کی بس ایک تعبیر ہوتی ہے اور کامیابی کے ایک نہیں کئی مواقع انسان کو ملتے ہیں۔ خواب کامیاب ہونے کے لیے دیکھنے چاہئیں لیکن کامیابی کی سیڑھی کو صرف ایک ہی منزل کی طاق میں رکھ کر زندگی کو نا ہیں دیکھنا چاہیے۔ ایک ہی منزل پر ایڑیاں رگڑنے سے بہتر ہے منزل کا رخ بدلوں اپنے اندر کی صلاحیتوں کو سمجھو اور ایسے نہیں تو ویسے افسر بنو۔''

''ایسے نہیں تو ویسے افسر بنو؟'' عافی نے اس کا جملہ دہرایا تھا یوں ہی۔

''ہاں تو ہم کاروباری لوگ کسی افسروں سے کم ہیں کیا؟ ہم تو افسروں کے بھی افسر ہیں۔ نہ کسی کو

جواب دینا نہ کسی کا سوال سننا۔''

''آپ کیوں چاہتے ہیں میں کتابیں کاپیاں چھوڑ کر دکان داری کروں؟''

''ہاں میں چاہتا ہوں تم دکانداری کرو کیونکہ میں تمہیں افسر بنتا دیکھنا چاہتا ہوں اور دکان دار کب کتاب کاپیوں سے الگ ہوتا ہے؟ یہ کھاتے، حساب، کتاب کے رجسٹر؟ ایک ان پڑھ دکان داری کر سکتا ہے لیکن ایک پڑھا لکھا شخص دکانداری بڑھا سکتا ہے لیکن نا جانے پڑھے لکھے افراد دکان داری کو کیوں اہمیت نہیں دیتے؟''

''ہوں! چلو اگر اگلی بار پھر سے منتخب نہ ہو سکا تو آپ کے پاس چلا آؤں گا افسر بننے۔ تیل، گھی، آٹا تولنے والا افسر۔''

''تم کو بولنا برا لگتا ہے تو ہم کاسمیٹک اور گارمنٹس کی دکان کے متعلق بھی سوچ سکتے ہیں۔'' اس نے اس انداز میں کہا کہ عافی ذرا ذرا سا مسکرایا۔

''یار! مسکرا تو پورا لیا کرو...... کل جا رہے ہو تمہاری شادی ہے۔''

''ابھی تو مجھے نیند آ رہی ہے۔ بازار بھی گیا تھا تھک گیا ہوں۔''

''ارے بازار گئے تھے تم؟ نظر تو یہ دو جوڑے آ رہے ہیں تمہاری شاپنگ میں۔ تو تھک کیسے گئے...... ویسے میں سمجھ سکتا ہوں تم مجھ سے بھاگنا چاہتے ہو کہ محبوب کے خوابوں کی محفل سجا سکو۔ یہ نیند آنے کا تو بہانہ ہے۔ ہے نا؟'' انہوں نے چھیڑا تھا۔

عافی نے کچھ نہ کہا۔ اسے خاموش پا کے مجاہد صاحب اور بھی کریدنے لگے۔

''بتاؤ نا نوجوان، کیسا لگ رہا ہے، کیسا محسوس کر رہے ہو، بالآخر تم نے اپنی محبت کو پا لیا؟ بالآخر اپنی ضد منوالی تم نے؟'' انہوں نے اپنی بھنویں چڑا کر سوال کیا تھا۔

''بندگی کو پانا؟ سچ کہوں تو میں شروع سے جانتا تھا۔ دادا جی مان جائیں گے شاید اس لیے حیرت نہیں ہو رہی؟''

''پھر خوشی تو ہو رہی ہو گی؟ نہیں خوشی بھی نہیں ہو رہی۔ میں اسے اس طرح سے اپنا نہیں بنانا

چاہتا تھا۔ میں اسے اپنے گھر میں لے آتا تھا اور اب یہ حال ہے کہ وہاں کہاں اور کیسے اسے رکھوں گا؟ میرے پاس اسے دینے کو کچھ نہیں۔ سچ کہوں تو اپنی قسمت سے سخت مایوس ہوں میں۔''

''ارے یار جنہیں تم سے محبت ہو، انہیں تم سے کیا ملے گا، کیا نہیں یہ نہیں سوچا کرتے۔ وہ تو بس خوش ہوگئی ہوگی کہ دادا جی مان گئے اس لیے تم بھی خوش ہو جاؤ اور اپنے دل کی باتیں کرتے رہو مجھ سے۔ یوں بھی اصولاً تم پر نیند آج حرام ہے۔''

عافی کو سخت نیند آ رہی تھی۔ وہ مجاہد صاحب کو چلے جاؤ کہنے کی بجائے بیٹھے بیٹھے ہی سو گیا اور مجاہد صاحب یہ کہتے ہوئے چلے گئے۔

''میاں! اصولاً تو آج تم پر نیند حرام ہونی چاہیے۔ محبت کو پانے کی خوشی میں ایک دو راتوں کی تو نیندیں قربان ہوتی ہی ہیں لیکن تم ہو کہ؟''

عافی نے ان کے جانے کے بعد دو پل کے لیے آنکھیں کھولیں اور پھر سے بند کر دی تھیں۔ اس نے مجاہد صاحب کی بات تو سن لی مگر اس متعلق سوچا کچھ نہیں۔ اسے کل شام کو بالاکوٹ جانا تھا۔ اگلے دن اس کا نکاح تھا۔

☆......☆......☆

جہاں کافی سویا تھا واں دو دل جاگے تھے۔ دو سگی بہنیں، ماں جائی......زندگی اسے پانے کی خوشی میں سونا پا رہی تھی اور بندگی اسے کھونے کے غم میں نیند سے بیر کر بیٹھی تھی۔ یہ جانے بنا کہ نیند کو خوشیوں میں خوشی خوشی بھگاؤ تو وہ آ ہی جاتی ہے لیکن دکھ میں دکھی دکھی ہو کر نیند کو بھگاؤ تو وہ بھی دکھی ہو کر روٹھ جاتی ہے پھر، نیند آتی ہی نہیں۔ پھر تو ڈیپریشن آتا ہے، ناامیدی، بے بسی اور کھلی آنکھیں، جاگتی راتیں، بے تابی، بے خوابی۔

جہاں زندگی خوش خیالی کو آنکھوں میں پناہ دیئے ہوئے تھی وہاں بندگی کا دل کیسے کیسے صدموں کے خوف سے سہم جاتا تھا۔ یہ وہی جانتی تھی۔ یہ سب اس کے لیے اتنا مشکل نہ ہوتا، اسے دینا آتا تھا، صبر آتا تھا، دل بڑا بھی کرنا آتا تھا لیکن بات اگر صرف اور صرف اس کے دل کی ہوتی تو ہی کسی قربانی کا

وجود ممکن ہوتا؟ لیکن اس سب میں عافی کیا قصور تھا؟ جس طرح بندگی عافی کے بنا نہیں رہ سکتی تھی اس طرح اس کا عافی بھی اس کے بنا نہیں رہ سکتا تھا۔

اس نے سوچ سوچ کر رو رو کر آنکھیں سرخ کر دی تھیں، اسے پتا تھا کل کیا ہوگا کیسی تباہی برپا ہوگی؟ عافی جب آئے گا تو اس سے کتنا خفا ہوگا؟ کتنے شکوے ہوں گے اسے؟ کتنے گلے کرے گا وہ؟ کہے گا؟ پوچھے گا؟ لڑے گا؟ جھگڑے گا؟ کیونکہ بندگی نے اسے حقیقت سے آگاہ نہیں کیا؟ کیوں اسے سچ نہیں بتایا؟ اف وہ عافی سے کیا کہے گی؟ کیسے بتائے گی؟ کیسے سمجھائے گی؟

اس کی سمجھ نے کام کرنا ہی چھوڑ دیا تھا، دل کا بوجھ سر پر سوار ہوا تھا، اس نے وہی کیا جو وہ ہمیشہ کیا کرتی تھی، دعاؤں کے ذریعے نصیبوں کے در کھٹکھٹائے تھے کہ ایک دعا ہی ہے جو لکھے لیکھ بدلتی ہے۔

اس نے سب کی خوشی کی دعا مانگی، سب کی بہتری کی دعا مانگی۔ جو سب کی خوشی کی دعا کرتے ہیں نا قدرت سب سے پہلے ان کی بھلائی کی طرف جھک جاتی ہے۔ ہاں ہم نادان سمجھ نہیں پاتے کہ جو ہمیں لگتا ہے ہمارے ساتھ غلط ہوا ہے وہی سب سے ٹھیک ہوا ہوتا ہے۔ اس نے ساری رات دعائیں کی تھیں سب کی خیر مانگی تھی تو اس کی بھی تو خیر ہونی تھی۔

دعائیں مانگتے مانگتے کسی پہر اس پر بے ہوشی طاری ہوئی تھی، پتا نہیں کیا ہوا تھا اس کی طبیعت سنبھلتی ہی نہیں تھی، دل جو بے آرام ہوا تھا بے اسبابی کا احساس بڑا تھا۔ پر ابھی تو بے اشتباہ اس حال میں رہنا تھا نا جانے کیا سے کیا سہنا تھا؟ نا جانے کیا سے کیا ہونا تھا؟

☆......☆......☆

آج 24 مئی 2004ء کا دن تھا۔

دن بڑا خوب صورت تھا اور اتنی ہی خوب صورت اس کی رات تھی۔ وہ پنڈی سے نکلتے نکلتے لیٹ ہو گیا تھا اور اسے جلدی پہنچنے کی کوئی جلدی بھی نہ تھی۔ رشتے دار نا جانے کیسی کیسی باتیں کریں گے؟ کیا کیا پوچھیں گے؟ اسے لگتا تھا سب کے چہرے پر ایک ہی سوال ہوگا؟ دلہے میاں دلہن کو بیاہ کے لیے کہاں جاؤ گے؟

داداج نے دو دن پہلے بھی کال کی تھی اور آج صبح بھی اس کے آنے کا پوچھا تھا۔انہیں بھی عافی نے یہی کہا تھا وہ رات آٹھ بجے تک آئے گا۔اور اب بس آٹھ بجنے والے تھے، وہ اپنے دل اضطراب کی سنگت میں گھر پہنچا۔تو گھر والوں کے نام پر اس کی ملاقات فقط چاچے سے ہوئی جو اس کا لباس، جوتے اور تیاری کا دیگر سامان لیے گھر میں موجود تھا۔

عافی حیران ہوا، نکاح کل تھا تو یہ سب کیوں؟

''آج مہندی ہے، زندگی نے ہال بک کروایا ہے؟''

''ہال؟ اف یہ زندگی بھی، کیا ضرورت تھی بے وجہ کا خرچہ کرنے کی؟ لیکن زندگی سے کون پچھ کہتا، کون پھر اس کی سنتا؟ عافی نے بھی بحث بازی کی بجائے خاموشی اختیار کر لی اور تیار ہونے گیا۔کچھ ہی دیر بعد وہ چاچے کے ہمراہ ہال میں داخل ہوا۔آج اسے اس کی ماں بہت یاد آ رہی تھی۔اور اس کی کمی کو پورا کرنے کے لیے اماں عافی کے استقبال کے لیے حاضر تھی۔وہ نئے چمچماتے لباس میں ہلکی سی جیولری اور ذرا ذرا سے میک اپ میں بہت کیوٹ لگ رہی تھی۔داداجی سفید کرتے میں سینہ پھلائے اترا کے چل رہے تھے۔چاچی بلیو ساڑھی اور ہیوی جیولری اور جدید میک اپ میں اپنی سہیلیوں اور محلے دار خواتین سے باتیں کرنے میں مصروف تھی اور ان کے بچے ایک ہی جیسے لباس میں کچھ اور بھی جڑواں جڑواں لگ رہے تھے۔اور چاچے کے تو کیا کہنے وہ آج بھی اپنا سامان مکمل کیے لگتے تھے اس لیے سرور میں تھے، ذرا سی ہوا تیز چلتی ان کے گرنے کا گماں ہوتا۔

زندگی اور بندگی ابھی تک پارلر میں تھیں، بیک گراؤنڈ میوزک میں احمد جہانزیب کا میوزک چل رہا تھا۔

''دل کی دھڑکن کہتی ہے آج کچھ ہونے والا ہے
میرے حضور! آج ضرور کچھ دال میں کالا ہے۔''

عافی سونگ سن کے ہنس دیا۔

''یہ زندگی بھی نا؟ ہر جگہ احمد جہانزیب کو انٹر کرتی ہے اور کتنا خرچ کر لیا بہن کی شادی میں؟''

عافی کو اب دلہے والی جگہ پر بٹھایا گیا۔ زندگی کی سہیلیاں اسے دیکھتے ہی اس کے پاس چھیڑ خانی کرنے کو چلی آئیں۔ وہ یوں بھی عورتوں سے ذرا کتراتا تھا اس نے دادی ماں کو مدد کے لیے بلایا۔ آج دادی اماں گھٹنوں کا درد بھلائے اسٹیج پر چڑھ، اتر رہی تھی۔

''ارے یہاں کیا کر رہو تم، سب جاؤ جا کے اپنی سہیلی کی خبر لو، کہاں ہے وہ۔''

وہ سب ہنستی کھیلتی وہاں سے چلی گئیں۔ اماں کو پھر سے کسی نے بلا لیا تھا۔ زندگی کے مہمانوں کا ہجوم ہی ہجوم لگا تھا۔ ہر طرف اسی کا چرچہ تھا، ہر زبان پر اسی کا چرچہ تھا، ہر نظر اسی کی جھلک کی منتظر تھی، مہمان اس کے تھے تو گفٹ بھی اسی کے نام کے تھے، پھولوں کے بکے، ان پر نصب نئے کارڈز پر زندگی کے لیے دعائیہ جملے لکھے گئے تھے۔ عافی ذرا حیران تو ہوا لیکن کچھ اس متعلق سوچا نہیں کیونکہ وہ زندگی کے متعلق ایسا کچھ سوچ بھی نہیں سکتا تھا جیسا تقدیر میں لکھا تھا۔

عافی نے بندگی کے متعلق پوچھا کچھ نہیں کیونکہ اب تک وہ دادی اور چاچی کے منہ سے متعدد بار سن چکا تھا کہ زندگی اور بندگی پارلر میں ہیں۔ اور آنے والی ہیں۔ وہ بس خاموشی سے بندگی کا انتظار کر رہا تھا۔

کچھ ہی دیر میں راحت اور نصرت دوڑتے چلے آئے اور با آواز بلند زندگی کے آنے کی اطلاع دی۔ تمام لوگ اس کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ چاچی اور زندگی کی سہیلیاں اس کے استقبال کے لیے اس کی طرف دوڑی چلی آئی تھیں۔

رشتے دار خواتین چاچی کے ساتھ مل کر خوب صورت دوپٹے کی چھاؤں تلے اسے اسٹیج کی طرف لے آ رہی تھی، چھوٹی بچیاں پھولوں کی پتیاں زندگی کے قدموں میں برسا رہی تھی۔ اور وہ عافی پہ نظریں ٹکائے اپنے مخصوص خوب صورت ادا سے عافی کی جانب قدم بڑھا رہی تھی۔ سلور، گولڈن لنگے اور ماہر پارلر والی کے گٹھ جوڑ نے تو اسے اپسرا سا بنا دیا تھا اور پھر محبت کو پانی کی خوشی؟

آج تو عافی کی نظر بھی اس پر ٹھہر سی گئی اور اس نے دل سے زندگی کے لیے ماشاءاللہ کہا اور سوچا۔

''لگتا ہے بہن کی شادی میں ساری حسرتیں پوری کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔'' زندگی کی نظریں بھی اسی پر تھی عافی نے ہمیشہ کی طرح اپنی نظریں جھکا لیں۔

عافی رسم و رواج سے ناواقف تھا، زندگی کو اب عافی کے پاس بٹھایا گیا تھا۔ اماں نے دونوں کے سر پر ہاتھ رکھ کر انہیں تاعمر خوش رہنے کی دعا دی۔

عافی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ سب ان کے پاس آ رہے تھے مبارک باد دے رہے تھے، مٹھائی کھلا رہے تھے۔ اب تو چاچی بھی آ گئی اور بلیو ساڑھی کا پلو ہلا کر کہا۔

''اللہ سلامت رکھے تم دونوں کی جوڑی، کتنے پیارے لگ رہے ہو ساتھ میں، ہمیشہ یوں ہی ایک دوجے کے ساتھ رہو، خوش رہو۔''

چاچی کے جملے سے عافی کو اچنبا سا ہوا، اسے جیسے بھونچکا سا لگا تھا۔

''یہ سب کیا تھا؟'' اس نے زندگی کی طرف ہکا بکا ہو کر دیکھا تھا لیکن وہ اسے ہمیشہ کی طرح دیکھ نہ پایا، زندگی اس بار اس کے اس عمل پر خفا سی ہوئی اور مصنوعی خفگی کے اظہار کے لیے کہہ ہی دیا۔

''آج تو دیکھ لو مجھے عافی؟ آج تو نہ ہٹاؤ اپنی نظریں مجھ سے۔ میں تمہارے لیے ہی سج سنور کر آئی ہوں۔'' اس نے عافی کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر کہا۔

اس کا بدن جیسے سرد پڑنے لگا۔ دل سے دھواں سے اٹھنے لگا، یہ سب کیا ہو رہا تھا، وہ ٹھیک ٹھیک سمجھ رہا تھا یہ سب۔ او خدایا! اس نے بمشکل خود پر قابو پایا اور چاچی مہر کو اپنے پاس بلایا۔ وہ ساڑھی کا پلو ہلاتی ہلاتی لمبی ہیل کی ٹک ٹک کرتی چلی آئی۔

میوزک تیز تھا اور شور شرابا بھی۔ عافی نے چاچی سے بندگی کا پوچھا۔ ایک بار، دو بار؟ عافی کی جان پر بنی تھی اور چاچی سمجھ نہ پا رہی تھی، اب کی بار اس نے چاچی کے کان کے پاس آ کے پوچھا:

''بندگی کہاں ہے؟''

بندگی؟

بندگی؟

''ہاں وہ کہاں ہے؟'' عافی نے پوچھا تو وہ سب کو یاد آ گئی اب سونگ کی ترمیم ہو رہی تھی۔ میوزک بھی سلو تھا۔ چاچی نے بندگی کی تلاش میں وہاں نظر دوڑائی جہاں وہ آخری بار اسے نظر آئی تھی

اور وہ اب تک وہیں تھی۔

''وہ……وہ رہی۔''

بندگی ہال میں ایک کونے میں چھپی ہوئی تھی، اس نے نیا مگر عام سا قمیض شلوار زیب تن کیا تھا، میک اپ کے نام پر آج بھی اس نے ترچھی پرچھی سی لپ اسٹک لگائی تھی، ہاں مہندی لگوائی تھی، بال بھی بنائے تھے۔

بندگی کو دیکھتے ہی عافی کے پیروں تلے کی زمین کھسک گئی۔ اس کا ذہن ماؤف ہونے لگا۔ نا جانے کتنے پل وہ سن سا بیٹھا رہا اور پھر اس کی سمجھ میں سب آ گیا تھا۔ اس کی شادی بندگی سے نہیں زندگی سے ہو رہی تھی۔

وہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھا۔ بندگی کونے میں کھڑی تھی اس کے قدم اس کی طرف بڑھنے لگے لیکن اس سے قبل کہ عافی اس تک پہنچے وہ نا جانے گھبرا کر چلی گئی تھی۔ عافی کا دل بے اختیار بری طرح دھڑک رہا تھا، اس کی نظریں بندگی کی تلاش میں یہاں موجود ہر چہرے کو تک رہی تھی اور قدم کہاں سے کہاں چلے جا رہے تھے۔

''عافی…… عافی میاں یہاں کہاں چل دیئے؟'' چاچی نے اسے روکا اور ہاتھ سے پکڑ کر پھر سے اسٹیج پر لے آئی اور زندگی کے پاس پھر سے بٹھا دیا۔

''فوٹو کھینچو میری دلہا دلہن کے ساتھ۔'' چاچی نے مختلف انداز سے فوٹو کھنچوائی اور پھر نا جانے کس مہمان کی جانب بڑھ گئی۔

''کہاں چلے گئے تھے تم؟'' زندگی نے عافی سے چاچی کے جاتے ہی پوچھا۔ وہ کوئی جواب نہ بن پایا۔ اس کی بولتی بند ہو چکی تھی۔ اسے آج بھی یوں خاموش دیکھ کر زندگی نے عافی کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا اور التجا سی کی۔

عافی اب کہیں یوں چھوڑ کے مت جانا۔ میں نہیں رہ پاتی تمہارے بن۔ بہت محبت کرتی ہوں تم سے۔ اور نا جانے کب سے؟ تمہیں میں بتا نہیں سکتی تم میرے لیے کیا ہو۔ بس اتنا کہوں گی اس زندگی کی

زندگی تم ہو۔ آئندہ کبھی نہ چھوڑ کے جانا مجھے۔''

اس کا ہاتھ اب بھی عافی کے ہاتھ پہ تھا۔ اماں نیا سے یہ حرکت کرتے دیکھ لیا تھا۔

''نکاح پر تو اس کا گھونگٹ نکلواؤ گی۔ دیکھو کیسے بے شرموں کی طرح عافی کا ہاتھ تھامے بیٹھی ہے اور منہ تو کوا س کے چپ نہیں آتی۔ بولے جارہی ہے بولے جارہی ہے۔ کہیں سے لگ ہے یہ دلہن ہے؟ اف توبہ!'' اماں نے بندگی کو دیکھ کے کہا۔ پر وہ کسی کی سن کہاں رہی تھی نا جانے اس کی تقدیر میں کیا لکھا تھا۔ اب تو دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا وہ بس سب سے چھپ کر ایک کونا پکڑ کر بیٹھی تھی۔

سب دلہن کی بہن کا پوچھ رہے تھے۔ اماں! بندگی کو دکھا دیتی، اور اس کے کونے میں چپ چاپ بیٹھنے کی وجہ اس کی سادگی اور شرمیلی ادا کو ٹھہراتی۔ اب اماں کیا جانتی تھی وہ کیسی اذیت سے گزر رہی تھی۔

ہال میں سب کے ساتھ اس نے بھی تالیوں کی گونج سنی تھی۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو انگوٹھی پہنائی تھی۔ اس نے محسوس کیا اس کے ہاتھ بھی تالی بجا رہے تھے پر آنکھوں سے وہ کچھ دیکھ نہ پا رہی تھی۔

اماں نے اسے آنسو بہاتے دیکھا اور کہا تھا۔

''مجھے بھی رونا آرہا ہے۔''

اماں نے کہا تو اس کی آنکھ سے آنسو بہہ نکلا۔ اماں نہیں جانتی تھی اس وقت ان کی آنکھوں میں خوشی کے اور بندگی کی آنکھوں میں اس کی محبت کے اٹھتے جنازے کے آنسو تھے۔

☆......☆......☆

''اصولاً تم پر نیند حرام ہونی چاہیے۔'' اسے مجاہد صاحب کی بات یاد آئی۔ اس کی نیند اس پر حرام ہو چکی تھی۔ آنکھوں میں وہ چہرہ ٹھہر سا گیا تھا۔ کانوں میں اس کے الفاظ اس طور سے پھیل گئے تھے کہ کسی اور سماعت کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔ وہ لمس، وہ اس کی قربت، وہ جملے جو اس نے اسے اپنا مان کر اپنائیت جتا کر کہے تھے۔ ''اس زندگی کی زندگی تم ہو۔''

''کتنے اچھے لگ رہے ہو ساتھ میں۔'' اسے حال میں موجود لوگوں کے کلمات یاد آتے۔ سب

کے رویے اس کی توقعات سے کس قدر مختلف تھے۔ اسے تو لگ رہا تھا لوگ اس کا مذاق اڑائیں گے۔ پوچھیں گے اپنی شریکِ حیات کو رکھو گے کہاں؟ دو گے کیا؟ پر یہاں تو ماجرہ ہی معجزہ تھا۔ عافی کو گلی کے لڑکوں کی باتیں یاد آتیں۔ ''وہ تو کوئی چاند ہے۔''

ہاں وہ چاند ہی تھی، جسے بس دیکھنا ممکن اسے پانے کی جستجو کون کر سکتا تھا، لیکن چاند خود نصیب کی کشش میں زندگی میں اتر آئے تو اردگرد اتنی روشنی ہو جاتی ہے باقی تمام چیزیں ماند پڑ جاتی ہیں یا پھر نظر ہی نہیں آتیں۔ اسے بھی اب کچھ اور نہیں دیکھنا تھا۔ اسے اس کی زندگی کا چاند زندگی میں نظر آ گیا تھا اور زندگی بھر کی تمام تر محرومیاں، تمام تر خود ترسیاں روح سے پہلی بار جڑ گئی تھیں۔ وہ بے فکر سا تھا۔ پہلی بار کوئی فکر نہ تھی اسے۔ وہ ان ہی سوچوں میں تھا کہ اس کے دروازے پر دستک ہوئی وہ آج بھی اپنے بوسیدہ کمرے میں ہی تھا۔

بندگی اس پہر ٹھہر ٹھہر کر اس کا دروازہ بجا رہی تھی۔ اس نے سے چلے جانے کا کہہ دیا۔ وہ عافی کی بات مان کے چلی گئی۔ اسے عافی کی محبت پر بڑا مان تھا لیکن وہ یہ کہاں جانتی تھی کہ اب اس کی محبت کے درمیان اس کی بہن نہیں کوئی چاند حائل ہوا ہے۔

☆......☆......☆

وہ بہت حسین تھی ہمیشہ ہی اسے زندگی کی بجائے تختِ حسن پر بٹھایا گیا تھا، سادگی، شرافت، سگھڑ پن کی سوغاتوں کے ساتھ۔

عافی اسے دیکھتا تھا تو دل کو تسلی دے دیتا، برسوں بیت گئے اس نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک کی وجہ بندگی کو ٹھہرایا تھا۔ جب وہ سوچتا اس کا اپنا اس دنیا میں کوئی نہیں، کوئی ایسا نہیں جو اس کو اہمیت دے، اس سے محبت جتائے، اس کا خیال رکھے تو وہ بدگی کو سوچ کر صبر کر لیتا اور اس کی محبت کو دل سے قبول کر دیتا، لیکن کسی کو دل سے قبول کر لینا اور کسی سے محبت ہو جانا دو مختلف باتیں ہیں، بندگی کو عافی سے محبت تھی اور عافی کو اس کی محبت سے قبول تھی۔ بات بس اتنی تھی عافی کو بندگی کی محبت قبول تھی۔ اسے آج تک لگتا تھا کہ بندگی کے سوا اس کا اپنا کوئی نہیں تھا اور جب کوئی نہیں تھا تو بندگی تھی لیکن زندگی کے اظہار

محبت نے تو اس کے دل کی کایا ہی پلٹ لی تھی، سب ہی خیال، تمام سوچیں، دل کے حالات سب کچھ بدل گیا تھا۔ کبھی کبھی، کسی کسی کو کسی کسی کی محبت سے محبت ہوتی ہے۔ محبت سے محبت کرنے والے بس محبت سے ہی محبت کرتے ہیں پھر محبت کرنے والا شخص چاہے کوئی بھی ہو۔

اسے شادی کے نام پر ہمیشہ سے ایسی لڑکی چاہیے تھی جو اس سے محبت کرتی؟ اس لیے اس نے بندگی کا انتخاب کیا لیکن زندگی بھی تو اس سے محبت کرتی تھی۔ بات صرف چاہے جانے کی تھی تو مستقبل کا بھی تو ذکر سوچوں کے سپرد کرنا تھا۔ اس نے ان تھک محنت کر کے دیکھ لی اور نتیجہ صفر نکلا۔ وہ کب تک اس کوٹھڑی میں رہ کر آہیں، صدائیں برتا' اس گھر والوں نے خود اسے اس جگہ پر رکھا تھا اور اب خود یہاں سے نکال کر گھر کے اندر لے جا رہے تھے تو حرج کیا تھا؟

ایسا کہاں ہوتا تھا کہ ماجرہ ہی معجزہ ہو؟ اگر یہاں ہوا تو تھا تو ایسا ہی سہی۔ عافی نے اس معجزے کے ہونے میں مداخلت نہ کی اور یہاں بھی زندگی کی محبت کو قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

☆......☆......☆

محبت اور خوش فہمیاں؟ اف او؟

بندگی بار بار عافی کے نزدیک جاتی لب کھولتی اسے پکارتی، تڑپتی، روتی، ڈرتی۔

اور عافی اس سے نظر بچا لیتا، نگاہ نہ ملاتا، کوئی اشارہ نہ کرتا، دیکھنا تو دور وہ رخ بھی پلٹ دیتا۔

لیکن محبت اور خوش فہمیاں، جہاں محبت میں دل کو بہت کچھ ہوتا ہے وہاں خوش فہمیاں بھی ہوتی ہیں، جس دل کو محبت ہوتی ہے، وہ دل خوش فہمی کا بہت بڑا مسکن ہوتا ہے۔ شاید اس میں بھی رب کی کوئی رضا شامل ہوتی ہے۔ محبت میں ٹوٹے دلوں کے پاس اور کچھ تو نہیں ہوتا سوائے خوش فہمی کے۔ یہی خوش فہمی ٹوٹتی آس کو ٹوٹنے نہیں دیتی، دل جہاں جہاں سے بکھر بکھر کر بند ہونے لگتا ہے وہاں یہ خوش فہمی کوئی نہ کوئی آس سے دل کو جوڑ کر پھر سے دھڑکا دیتی ہے۔ کہ وقت مقرر سے قبل تو کوئی مر نہیں سکتا۔ جینا تو پڑتا ہے اس لیے قدرتی طور پر ٹوٹتے دلوں میں خوش فہمی کا بیج نمو پانے لگتا ہے۔

وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی، عافی ناچ رہا تھا، گا رہا تھا، خوشیاں منا رہا تھا لیکن

محبت اور خوش فہمی۔

دل تھا کہ ٹوٹتا ہی نہ تھا، نا جانے کیسے کیسے حوصلوں کا ہاتھ تھام لیتا یہ سوچ لیتا وہ سوچ لیتا۔

اس کا عافی سب ٹھیک کر دے گا وہ اس سے محبت کرتا ہے۔

ٹوٹ کر چاہنے والوں کی محبت نے خوش فہمیوں کا آبِ حیات پیا ہوتا ہے۔ تب ہی تو محبت امر ہو جاتی ہے زندگی بھر کے لیے زندہ رہ جاتی ہے۔ کبھی مرتی نہیں۔ ٹوٹ کر محبت کرنے والے سانس چھوڑ دیتے ہیں، پر اپنی محبت نہیں چھوڑتے، ٹوٹ کر چاہنے والوں کے دل بھی ٹوٹا کرتے ہیں لیکن محبت میں ایسے دل بکھرا نہیں کرتے۔

بندگی کا بھی دل ٹوٹا تھا لیکن اس کے دل سے عافی کی محبت بے آسرا ہو کے ابھی تک نہ نکلی تھی۔

ایک کے بعد ایک جواز عافی کی بے رخی کے عوض دل خوش فہم کی شان میں حاضر تھا۔

کوئی تو بات ہے؟ ضرور کچھ ایسا جو وہ نہیں جانتی، یا عافی کی کوئی مجبوری؟ کچھ تو ہے اس کا عافی ایسا نہیں تھا اسے بھروسہ تھا عافی پر، محبت تھی عافی سے۔ اس کا عافی ایسا نہ تھا وہ تو اس سے بہت محبت کرتا تھا۔ اسے رہ رہ کر عافی کے خطوط، وہ رقعے، وہ مراسلے یاد آتے۔ جو نوٹی کی منت سماجت کر کے اس تک پہنچائے جاتے رہے تھے۔ اسے وہ اشارے یاد آتے جو آنکھوں نے آنکھوں میں کیے تھے، محبت میں سمجھے تھے۔ کتنے ثبوت تھے یادوں کے جھولوں میں، کہ عافی کو اس سے محبت ہے۔ ہاں محبت ہے۔

وہ ٹوٹے دل کی آس باندھتی رہی۔ خود کو خود ہی جواز دیتی رہی، خود رو خیال کے اڑن کھٹولے سجاتی رہی، نا جانے کہاں گم تھی اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی دنیا لٹ رہی تھی وہ خاموش تھی، گم صم سی تھی۔

اور وہ وقت آ گیا۔ زندگی سفید لمبی کام دار فراک میں بے حد خوب صورت لگ رہی تھی۔ عافی بھی گہرے شیروانی میں داد وصول کر رہا تھا۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو نکاح کے بول بول کر قبول کر لیا تھا۔ زندگی بھر ساتھ رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ایک دوسرے کو چن لیا تھا۔ اپنا مان لیا تھا۔ اب کیا عہد وفا دیکھنا تھا؟ کسی کے دل کو پرکھنا تھا؟ کہ دیکھتے ہی دیکھتے نا جانے کیا سے کیا ہو گیا تھا، بندگی کا عافی زندگی کا ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

دیکھتے دیکھتے نا جانے کیا ہو گیا تھا؟

نکاح کی تقریب بھی میرج ہال میں تھی، اس ہال میں چاروں اور شیشے نصب تھے، جہاں مقید چھوٹے بڑے شیشے اس طرح سیٹ کیے گئے تھے کہ ہر طرف سے اسٹیج کے منظر کا عکس نظر آئے۔

عافی اور زندگی یہاں کے ذرے ذرے میں نظر آ رہے تھے۔ بندگی خود بھی خود کو شیشوں میں دیکھ سکتی تھی۔ اس نے آج براؤن کلر کا لمبا قمیض پاجامہ پہنا تھا اور چاچی کی ہیوی جیولری بھی پہن لی تھی، نا جانے اچھی لگ رہی تھی یا نہیں نا جانے کیا حال تھا اس کا؟ کانوں میں پڑے بڑے جھمکے درد بڑھا رہے تھے پر وہ کافی دیر سے سب سے نظریں بچا کر سن سی ہو کر خود کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل اب بھی یہی کہتا تھا، عافی کو اس سے محبت تھی۔ ہاں تھی۔

وہ یہ سوچ سوچ کر خود سے کہہ کہہ کر تھک رہی تھی۔ یادوں کی پرانی باتوں کو بار بار ٹال رہی تھی۔ لیکن اب اور دلاسے ممکن نہ تھے اب کچھ اور سمجھ میں نہ آتا تھا۔ ٹوٹے دل کی کوک گشت کرتی تھی جسے وہ سن سن کر اور نہ سن سکتی تھی، اس نے ایک بار پھر عافی اور زندگی کو دیکھا۔ ان شیشوں کے عقس میں حقیقت کو پرکھا، لیکن جلد ہی سب دھندلا ہونے لگا۔ سارے عکس سارے منظر کھونے لگے، اس کے ذہن پر بوجھ بڑھنے لگا۔ دل کے جلنے مرنے کا دھواں ہوش کے سفر میں حائل ہونے لگا اور اس دھویں نے اس کے سب ہی تعلق توڑ دیئے جو اسے ہوش کی دنیا سے جوڑے رکھتے تھے۔ اس سے کھڑا ہو کر تماشا نہ بنا گیا اس کا سر چکرا گیا۔ وہ دھڑام کر زمین پر گر گئی۔ زندگی نے عافی کا، عافی نے زندگی کا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔ بندگی کو یوں فرش پر بے اختیار گرتا دیکھ کر وہ عافی کا ہاتھ چھڑا کر اپنی بہن کی جانب بھاگی چلی آئی۔

اس کے ہاتھ میں ابھی زندگی کا ہاتھ آیا تھا اور اب ہی وہ خالی ہاتھ رہ گیا تھا۔ اس کے اندر کی خود ترسیاں جیسے سانس لے کر اس کے سامنے آئی تھیں، اسے بندگی کا کچھ تو کرنا تھا۔ وہ سوچ چکا تھا۔

☆......☆......☆

زندگی اسے آج ہی ڈاکٹر کے پاس لے جانا چاہتی تھی لیکن اماں نے منع کر دیا۔ جوان بچی ہے مہمانوں سے بھرا گھر ہے نا جانے ڈاکٹر کیا بک دے۔ جوان بچی بے وجہ کی بیماری کے نام سے بدنام ہو

جائے گی۔ اماں نے سمجھداری کا مظاہرہ کیا۔ گھٹنے پکڑ لیے بندگی کو سنبھالا اور گھر بھیجتے ہوئے زور زور سے مہمانوں کو سنانے کے لیے کہا۔

’’کیا کروں؟ میں گھٹنوں سے رہ گئی، مہر کو پارلر سے فرصت نہیں ملتی، شادی والا گھر ہے، ایک بچی میری بدنگی؟ اکیلے کام کر کر کے تھک گئی ہے، سارے انتظامات اس کے سر ہیں جاؤ اب تم آرام کرو، ابھی گھر آتے ہی سرسوں کے تیل کی مالش کروں گی، ٹھیک ہو جاؤ گی۔‘‘

زندگی نے اپنی شادی پر جتنا خرچہ کیا تھا جتنے اچھے انتظام کیے تھے بندگی کے لیے اور بھی اچھے رشتوں کی توقعات تھیں۔ اماں یہ سنہرا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دے سکتی تھی۔ پر اماں کو کیا پتا تھا وہ تاریکی کو اپنے مقدر میں بجھے بجھے تاروں کی مانند سجا بیٹھی تھی۔ یہ وہ تارے تھے جو روشنی سے عاری تھے، تاریکی کے مارے تھے۔

نکاح کی شب ہی ولیما تھا۔

بندگی واقعی اماں کی مالش کرنے سے بیدار ہوئی تھی۔ نا جانے وہ کیسی بیداری تھی جو کہ بس بے وجہ کی ایک خواری تھی۔ بے وجہ کی بیداری۔ انسان اپنی مرضی سے بے ہوش تک نہیں ہو سکتا۔ اور پھر اپنی ذات پر نا جانے کتنے بھرم رکھ لیتا ہے؟ کیسے کیسے فخر وانا کی آب و ہوا میں زندگی رہنے لگتا ہے۔ نا جانے کیسا کیسا مان دوسروں سے، خود سے وابستہ کر رکھتا ہے جبکہ انسان کی دسترس میں ہے ہی کتنا؟

وہ زندہ تھی اور حیران تھی...... حیران تھی کہ بھرم یوں کیسے مر جاتے ہیں؟ کیسے جذبات قتل ہو جاتے ہیں، کیوں احساس بکھر جاتے جاتے ہیں؟ خیال دفن ہو جاتے ہیں اور محبت؟

’’کبھی کبھی انسان کو خود ہی اپنی محبت کی بے حرمتی سے تدفین کرنی پڑتی ہے۔ انسان کی لاچاری کی وہ حد ہوتی ہے کہ آخری رسومات بھی ٹھیک سے ادا نہیں ہو پاتے۔ اور محبت کو سرِ جذبات قتل کر دیا جاتا ہے۔‘‘

ہاں وہ زندگی تھی لیکن محبت کی موت بھی تو انسان کے اندر کی موت تھی۔ لیکن وہ زندہ تھی دیکھ سکتی تھی بن سکتی تھی، چھو سکتی تھی، کتنے ثبوت تھے اس کے زندہ ہونے کے؟ ورنہ تو اس کی مثل ایک بھٹکی روح

کی مانند تھی، جو نہ مر سکتی تھی نہ زندہ رہ سکتی تھی بس بھٹک سکتی تھی اور وہ بھٹک چکی تھی۔

آج اماں نے زندگی اور مہر کے ساتھ بندگی کو بھی پارلر بجھوایا تھا اور ایک خوب صورت گہرے سبز رنگ کی ساڑھی تھی پہنائی تھی۔ جس پر اس نے گولڈن اسکاف پہن کر سر ڈھک لیا تھا۔ وہ رنگ کی گوری اور نین ونقوش میں معصوم سی تھی پھر پارلر والی کے ہار سنگھار سے تو اس کی بیماری کے سارے آثار ہٹ گئے وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ اماں کا تیر نشانے پہ لگا تھا۔ خواتین بندگی کا پوچھ پوچھ کر نہ تھکتی تھیں، بیٹھے بٹھائے ہی خواتین چلی آتیں، کوئی اپنے بھائی، کوئی اپنے بیٹے، کوئی دیور کے لیے رشتہ بول دیتا۔

اماں تو پھولے نہ سمارہی تھی اتنے بڑے گھروں کی خواتین بندگی کو پسند کر رہی تھی کہ...... اماں کا اس کے بہتر مستقبل کا سوچ سوچ کر آنکھوں میں خوشی سے پانی بھر آتا۔ وہ رہ رہ کر بندگی کو دعائیں دیتی۔

کو وہ آنکھیں جھکا لیتی۔ دل محبت کے مرنے سے بھی زیادہ ندامت میں مر جاتا ہے۔'' وہ عافی کی محبت میں کہاں سے کہاں آن کھڑی تھی۔

☆......☆......☆

موسم بہار ہر سو پھیلا تھا، ہلکی ہلکی ٹھنڈی پروائی من باتی تھی۔ سارے گل جوان ہوئے تھے۔ سبزے کا رنگ بھی گہرا ہوا تھا۔ نہ پنکھے کے پھڑ کنے کے دن تھے نہ کمبل میں چھپ کر بیٹھنے کے۔ یہ دن آزادی کے دن تھے، من مانی کے دن تھے ان دنوں انسان موسم کی محتاجی سے آزاد ہو کر خود اپنی مرضی سے ڈالتا ہے۔

اماں بھی آزادی سے آنگن میں آ بیٹھی تھی۔ سفید شفون کا ہلکا دوپٹہ سر پر تھا اور چکن کا ہلکا نیلا لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ فنکشن ختم ہوئے تھے، مہمان رخصت لے گئے تھے۔ اماں کو اب اپنے گھٹنوں کا ہوش آیا تھا۔ وہ گھٹنوں سمیت دونوں پیر سوجا بیٹھی تھی اور اب صبح سے درد ہے، درد ہے کر رہی تھی۔ دادا جی بھی پر سکون تھے ایک بہت بڑا بوجھ دل سے، دماغ سے جیسے اتر گیا تھا۔ بچے بھی اسکول جانے لگے تھے۔ چاچا بھی نشے میں جول جول جاتا تھا اور چاچی مہر تو شادی میں کھنچوائی ہوئی اپنی تصویریں دیکھ دیکھ کر خود پر خود ہی واری صدقے جا رہی ہوتی۔

عافی نے بالآخر اس پرانی بھٹک سے نجات حاصل کر لی۔ جس طرح لڑکے اپنی دلہن کے آنے پر کمرہ سجاتے ہیں ان کا استقبال سجاوٹ ے ساتھ جوش وخروش سے کرتے ہیں اسی طرح زندگی نے بھی عافی کا سواگت بڑے احتشام اور بے انتہا محبت سے کیا تھا۔ اس نے عافی کو پالیا تھا اور اپنی محبت کو عافی کی آنکھوں کے راستے دل میں اتارنے میں بھی کامیاب رہی تھی۔ یہاں بھی وہ نفع بخش رہی تھی اسے اب لگتا تھا اس کا جنم ہی ظفر یابی یا فتح مندی کے لیے ہوا تھا۔ وہ دل کی اس فتح سے بے حد خوش تھی۔ آج تک اس نے جو چاہا تھا وہ پالیا تھا۔ لیکن اس کے برعکس بندگی نے ایک محبت کی ہی جستجو کی تھی اور اسی آرزو کے ہاتھوں شکست خوردہ سی ہو کر خود ہی خود کی دشمن ہو بیٹھی تھی۔

نہ کھانا، نہ پینا، نہ اٹھنا، نہ سنبھلنا۔

آج تو میں اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر ہی جاؤں گی۔ اماں آج مجھے مت روکنا۔ اس نے بندگی کی حالت دیکھ کر اپنا حتمی فیصلہ سنایا تھا اور اماں بھی اب نہ نہیں کہہ سکی۔ اس کی حالت بگڑتی جا رہی تھی۔

زندگی اسے موٹی سی چادر پہنا کے اپنے ساتھ ڈاکٹر کے پاس لائی تھی، اس موسم میں بھی اس کا بدن سردی سے جیسے ٹھٹھر رہا تھا۔ عافی کو بھی داداجی نے ان کے ساتھ بھجوایا تھا۔

ڈاکٹر نے چیک اپ کے بعد انہیں ویٹنگ روم میں بیٹھنے کو کہا تھا اور کچھ دیر بعد انہیں پھر سے طلب کیا تھا۔ ڈاکٹر کے چہرے پر سکون سا تھا اور لبوں پر پروفیشنل مسکراہٹ۔ ان کے کمرے میں داخل ہوتے ہی ڈاکٹر نے عافی کی جانب ہاتھ بڑھا لیا اور خوشی سے کہا۔

''مبارک ہو آپ باپ بننے والے ہو، آپ کی مسز امید سے ہے۔''

یہ لفظ...... یہ لفظ، لفظ نہ تھے پگھلا ہوا سیسہ سا تھا جو ان تینوں کے کانوں میں انڈیلا گیا تھا اور ان کی تمام سماعتیں جیسے گم ہو گئی تھیں۔ وہ تینوں دم بخود سے کھڑے ڈاکٹر کو تکتے رہے۔

''اب ان کی صحت کا خاص خیال رکھنا ہے آپ کو۔ ماں بنتے وقت......'' ڈاکٹر کے الفاظ اس کے منہ میں ہی تھے کہ زندگی غصے سے ان کی طرف بڑھ آئی اور لگ بھگ چیخ کے کہا تھا۔

''تم اپنی بکواس بند کرے ہو کہ نہیں۔'' وہ لڑنے پر اتر آئی تھی۔

''لیکن میں تو وہی کہہ رہا ہوں جو اس رپورٹ......''

''مت بکو تم۔ چپ رہو۔ چپ رہو۔'' زندگی شدید غم و غصے میں وہاں سے نکل آئی۔ بندگی اور عافی بھی اس کے پیچھے نکل آئے۔ ڈاکٹر اب اسی انداز میں بیٹھا تھا۔ نا جانے ڈاکٹروں کو سچ بولنے پر کتنوں کی سننی پڑتی تھی۔

''او! شی از یور مسز، مائے مسٹیک......'' ڈاکٹر نے عافی کو معنی خیز نظروں سے دیکھ کر کہا۔ عافی جواب دینے کی بجائے زندگی کے پیچھے بھاگا تھا۔

''زندگی...... زندگی! بات تو سنو؟'' عافی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے ہسپتال کے ایک بینچ پر بٹھا لیا۔

''ایسا نہیں ہوسکتا عافی۔ یہ ڈاکٹر...... اماں درست کہتی تھی ڈاکٹر کچھ بھی بک دیتے ہیں۔''

بندگی ان سے دور دھیمی سسکیوں میں رو رہی تھی۔ اسے عافی سے اب رحم کی توقع تھی لیکن عافی مکاری کی حد کر رہا تھا۔

''میں اس ڈاکٹر کو نہیں چھوڑوں گی عافی۔ اس قدر گھٹیا مذاق کیا ہے اس نے۔ میں اس کا پول کھول دوں گی، سب کو اس کی اصلیت سے آگاہ کر دوں گی۔ اور تم بندگی۔ تم بولو نا کچھ۔''

بندگی نے مارے خوف سے عافی کی جانب دیکھا۔

''بتاؤ کون ہے وہ؟ کیا ڈاکٹر سچ کہہ رہا ہے؟''

اس سے پہلے کہ بندگی کچھ کہے عافی نے زندگی کو پکارا۔

''زندگی...... زندگی۔'' وہ بے قابو ہوگئی تھی۔ پر اسے قابو میں کرنا لازمی تھا ورنہ عافی کا کھیل بگڑ سکتا تھا۔ بندگی چپ دھر کر اپنے محبت کے خدا کا جھکتا قد دیکھ رہی تھی۔ کوئی سا قد ر کیسے گر سکتا تھا۔ عافی اتنا پست قد تھا۔ وہ حیران تھی۔

''آپ کی پیشنٹ کو انڈر ابزرویشن میں رکھنے کی ضرورت ہے۔ یہ بہت ویک ہیں اور بی پی بھی بہت ڈسٹرب ہے۔'' کسی نرس نے آ کر کہا تھا۔ عافی نے ہاں کہہ دی تھی۔ اور بندگی کو اس کے ساتھ

جانے کو کہا تھا۔ زندگی نے حیرت سے عافی کو دیکھا اور پوچھا۔
''یہ کیا کر رہے ہو تم؟ عافی! تم ان ڈاکٹرز کی باتوں میں آ رہے ہو۔'' زندگی خود کی خود میں ہی الجھ گئی تھی اور عافی اسے مزید الجھا رہا تھا۔
''دیکھو زندگی! نہ یہ رپورٹ غلط ہے اور نہ ہی یہ ڈاکٹر غلط کہہ رہا ہے۔''
''کیا؟ تم ٹھیک تو ہو عافی، کیا کہنا چاہتے ہو تم کہ بندگی؟ اگر ڈاکٹر غلط نہیں یہ رپورٹ غلط نہیں تو کیا میری بہن غلط ہے؟ تم کیا کہنا چاہتے ہو، تم جانتے ہو وہ کتنی معصوم ہے۔ وہ بہت سادہ ہے عافی۔ موبائل تک استعمال نہیں کرتی اور یہ ڈاکٹر؟''
زندگی ایک دم شاکڈ تھی۔ صدمہ لگا تھا اسے۔ اس کی بہن کو حاملہ عورتوں کے ساتھ وارڈ میں بٹھا کر ٹریٹمنٹ دی جا رہی تھی۔ عافی کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا وہ اس سچ کو جھوٹ میں کیسے بدلے؟ کیونکہ اس سچ پر چل کر ہی اس سچ کو دبایا جا سکتا تھا اگر اس سچ کو ابھی سا ای وقت جھوٹ میں بدلا گیا تو آگے چل کر یہ اور بھی خطرناک صورت اختیار کر کے سامنے آ سکتا تھا۔ اسے اس سچ کا سامنا کرنا تھا لیکن کچھ اس طرح کہ اس سچ سے اس کا سچ دور رہے۔
ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے جس طرح جھوٹ پر جھوٹ بولے جاتے ہیں اسی طرح اگر انسان ایک بار خود غرض بن جائے تو اس سے ایسے مظاہرے ہوتے رہتے ہیں۔ عافی نے بھی خود غرضی کی انتہا کر دی، مطلب پرستی کی انتہا کر دی۔
زندگی بہت پریشان تھی اس کے نزدیک ڈاکٹر بکواس کر رہا تھا اور کرتا ہی جا رہا تھا لیکن بندگی بھی تو چپ تھی، کچھ بول نہ رہی تھی۔ کوئی انکار نہ کر رہی تھی اور اس کی حالت بھی بے حد خراب تھی۔ زندگی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ وارڈ کے باہر بیٹھی نا جانے کیا سے کیا سوچ رہی تھی۔ وارڈ کے اندر کی بندگی کی رگوں میں ڈرپ کا مائع داخل ہو رہا تھا۔
عافی نے بہت سوچنے کے بعد غرض مند زبان کھولی اور زندگی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔
''عافی! میں چپ کر کے نہیں بیٹھ سکتی۔ میں اس شخص کو جان سے مار دوں گی جس نے میری بہن

کے بھولے پن کا فائدہ اٹھایا ہے۔ میں نہیں چھوڑوں گی اسے۔ نہیں چھوڑوں گی۔ بس ایک بار بندگی نام بتا دے اس کا۔ نہیں چھوڑوں گی۔'' اسے ڈاکٹرز کے ساتھ ساتھ بندگی پر بھی غصہ آنے لگا تھا۔ وہ غصے میں بندگی کی جانب بڑھی تھی کہ عافی نے اسے روک لیا۔

''کیا کر رہی ہو بندگی۔ ہوش سے کام تو، اتنا شور مچا کر کیوں اپنی ہی بہن کی زندگی کے پیچھے پڑی ہو؟''

''لیکن عافی؟''

''ہم بہت بڑی آزمائش سے گزر رہے ہیں اور آزمائش میں صبر شرط ہے۔ ہمیں بندگی پر دباؤ نہیں ڈالنا چاہیے، نا جانے وہ کیسی ذہنی اذیت میں ہے۔ اس وقت ہمیں صرف اور صرف بندگی کے متعلق سوچنا ہے۔ کسی کا کچھ بھی بگاڑ کر ہم بندگی کی لائف سوار نہیں سکتے۔ کیونکہ یہ بات صرف آج کی ابھی کی نہیں اس بات سے بندگی کی زندگی منسلک ہے اور ہم سب کی بھی۔''

زندگی نے رخ موڑ لیا۔

''زندگی! تم خود ہی کہتی ہو کہ وہ بہت معصوم ہے؟''

اس نے عافی کی آنکھوں میں دیکھ کر ہاں کہہ دیا۔

''ہاں وہ بہت معصوم ہے۔ ذذ

''تو ہمیں اور بھی سوچ سمجھ کر چلنا چاہیے نا۔ جلد بازی میں کوئی ایسا دم نہیں اٹھانا چاہیے جس کی وجہ سے ہم اس کی زندگی برباد کر دیں۔'' وہ بات سنبھال رہا تھا کہ گھر سے فون آ گیا۔ فون اماں نے کیا تھا۔ عافی نے فون کاٹ دیا اور روا دا جی کو میسج کر دیا کہ بندگی کی ڈرپ ختم ہوتے ہی وہ گھر آتے ہیں۔

''تم نے فون کیوں کاٹا عافی؟''

''زندگی! یہ بات صرف ہم تینوں کے درمیان رہے گی، ہم گھر والوں کو بھی اس کی بنک نہیں پڑنے دیں گے۔ تم چاچی مہر اور اماں کے مزاج سے واقف ہو۔ بات کا بتنگڑ بنا دیتی ہیں۔ وہ کسی کے حالات اور مجبوریوں کو نہیں سمجھ سکتی۔''

''کیسے حالات عافی ،کیسی مجبوریاں؟ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔''

''میں ہوں نا یہاں تم فکر مت کرو زندگی۔اماں کا فون آئے تو کچھ نہیں بتانا۔کہہ دینا رپورٹ نہیں آئی میں بندگی سے بات کر کے آتا ہوں۔''

''ہاں عافی ،تم ہی کچھ کرو۔میری سمجھ نے تو کام کرنا ہی چھوڑ دیا ہے۔''اس نے اپنے سر کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔

عافی اب بندگی کے پاس آیا تھا۔اسے پکار کر اس سے مخاطب تھا۔ وہ سن سی تھی بس ویران آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔آج عافی بالکل پرانا عافی لگ رہا تھا۔اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے والا......نہ کہ اسے نظر انداز کرنے والا۔

بندگی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''بندگی! آئی ایم سوری ،تم...... پر میں سب ٹھیک کر دوں گا۔بس تم خاموش رہنا۔''

''کیا کرو گے تم عافی؟''

''بس ایک اور بار مجھ پر یقین کر لو بندگی ،میں سب ٹھیک کر دوں گا۔''

عافی کو لفظوں کا جادو آتا تھا لیکن وہ بھی کیا کرتی ،عافی پر اعتبار کرنے کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ بھی نہ تھا۔اس نے ایک بار پھر عافی کی بات مان لی۔

وہ اب باہر آیا تھا ،زندگی اب بھی اپنی جگہ پر بیٹھی تھی۔اس کے دل میں ایک عجیب سی ہلچل مچی تھی۔بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

''کیا کہا اس نے؟''زندگی نے عافی کو دیکھ کر پوچھا۔عافی نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور نہایت ہی نرم لب ولہجے سے اسے مخاطب کیا۔

''دیکھو زندگی ،زمانہ بہت خراب ہے ،ہر طرف درندے پھرتے ہیں۔ہم چاہے کتنے ہی صاف ستھرے کیوں نہ ہوں لیکن کیچڑ سے گزریں گے تو چھینٹوں سے خود کو نہ بچا سکیں گے اور پھر بندگی تو بہت معصوم ہے۔دراصل جو سوال تم اس سے پوچھ رہی ہو اس کا جواب وہ خود بھی نہیں جانتی۔''

''او میرے خدا۔'' زندگی نے درد بھری سانس لی۔ اس کا غصہ اب غم میں بدل گیا تھا، آنکھوں کی پیالیوں میں پانی بھرنے لگا۔ اف! اس نے پہلے ایسا کیوں نہ سوچا کیوں اپنی سادہ طبیعت بہن پر شک کیا۔ ایسے سوال پوچھ کر اس کا غم بڑھایا۔

اف! اس نے یہ کیا کر دیا، وہ تو کسی درندے کی ہوس کا شکار ہوئی تھی۔

''ہمیں پولیس میں جا کر رپورٹ کرنی چاہیے۔''

''پاگلوں والی باتیں مت کرو زندگی۔ کس کے خلاف رپورٹ کراؤ گی، کون جانتا ہے اسے۔ یہ بالاکوٹ ہے۔ سیر و تفریح کی جگہ۔ ہر روز نا جانے کہاں کہاں سے یہاں لوگ سیر و سیاحت کرنے آتے ہیں۔ کسے ڈھونڈو گی؟''

''لیکن عافی! یہ سب...... یہ سب ہوا کیسے؟'' اس نے آنسو کی سنگت میں بمشکل پوچھا تھا۔

عافی نے پھر سے ایک اور کہانی در لی۔ زندگی کو کیسے بھی کر کے مطمئن کر دیا۔ ان کی شادی ابھی ابھی ہوئی تھی۔ نیا نیا اعتبار تھا۔ محبت کا نیا نیا بھرم تھا۔ عافی نے جو جو کہا اس نے مان لیا، وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی عافی کا حرف حرف جھوٹ ہے۔ وہ اس کی محبت کا خدا تھا اس کا مجازی خدا۔ اور اس کا مجازی خدا سچا لگتا تھا۔ عافی نے جو جو جیسا جیسا کہا زندگی نے مان لیا۔ اس کی تمام خودساختہ کہانیوں کو سچ مان کر تسلیم کر لیا۔ وسب اتنا مشکل نہ تھا عافی نے اپنے گناہ پر پردہ ڈال دیا تھا اور جانے انجانے اس نے بندگی کی معصومیت کا بھی پردہ رکھ لیا اور اسے مظلوم ثابت کر لیا۔ عافی کی غرض مندی نے اس سے کئی پینترے آزمائے۔

گھر والوں کو انہوں نے گردوں کی خرابی کا مسئلہ بتایا اور بندگی کو مزید کچھ دن ہسپتال میں ہی رکھا۔ عافی نے گھر والوں کے ساتھ ساتھ ڈاکٹروں کے ساتھ بھی معاملات طے کر دیئے۔

ان دنوں بندگی زیادہ تر بے ہوش رہتی۔ یوں بھی وہ کچھ سوچنے سمجھنے کے حال میں نہ تھی۔ عافی کی بے وفائی اور خودغرضی نے جہاں اس کے وجود کو کرچی کرچی کیا تھا وہاں احساس گناہ نے اس کے وجود کی کرچیوں کو بھی کرچ کرچ لیا تھا۔ وہ خود سے نظریں تک نہ ملا پاتی تھی۔ اس کی سوچنے سمجھنے کی

صلاحیت دم توڑ رہی تھی۔ یوں بھی کمزوری، مسلسل بیماری، ذہنی دباؤ، ڈپریشن نے اسے ادھ موا بنا لیا تھا۔ اسے تو اتنا بھی علم نہ ہو سکا کہ اس کے وجود میں پلنے والی ننھی سی جان کو عافی نے بے دردی سے اس کے وجود سے جدا کروا دیا تھا۔ اب سب ختم ہوا تھا۔ سب ختم، اس کے خدا نے اس کا پردہ رکھ لیا تھا اسے صرف اس کے ضمیر کے آگے ہی شرمندہ ہونا پڑا تھا۔ کسی کے آگے وہ جواب دہ نہ تھی۔ زندگی نے بھی کبھی کوئی سوال نہ کیا تھا۔ نا جانے کس دعا کا اثر تھا۔ رب نے اس کی لاج رکھ لی۔

☆......☆......☆

اماں اس کے لیے بہت پریشان تھی۔ اماں تو اماں بندگی کے لیے مہر چاچی بھی پریشان تھی۔ وہ جب جب نماز پڑھتی اس کے لیے دعائیں مانگتی۔ اس کا خیال سگی بہنوں کی طرح رکھتی۔ یوں تو مہر چاچی سب کو بری لگتی تھی۔ وہ زبان کی تیز ہونے کی وجہ سے دل توڑنے میں مقبول تھی۔ کئی بار جو لوگ ہمیں برے لگتے ہیں وہ دراصل برے نہیں ہوتے۔ بس ہم سے مختلف ہوتے ہیں جنہیں ہم سمجھ نہیں پاتے بس اپنے ذہنوں میں برائی کا تاج ان کے سر پر رکھ دیتے ہیں۔ اسی طرح اچھے لگنے والے لوگ بھی ہر بار اچھے نہیں نکلتے۔ ہو سکتا ہے ایسے افراد ہماری سوچوں کو پڑھ کر اپنے آپ کو ہماری سوچوں کے دھاگے میں ٹھیک اسی طرح پرُ رہے ہوتے ہیں جس طرح ہم انہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ تب ہی ہم انہیں اچھا سمجھتے ہیں۔ بندگی چاچی کی خدمت دیکھ کر دنگ سی تھی، وہی سب کی طرح چاچی کو سوپٹا سونا دیتی تھی، گو کہ اسے کوئی خاص شکایت نہ تھی چاچی سے لیکن پھر بھی تیکھے مزاج والوں سے سب ہی کترا کر گزرتے ہیں۔

آج بندگی نے چاچی کی خدمت کے عوض انہیں شکریہ کہا تھا۔ جس کے جواب میں وہ بڑے دھیمے انداز میں بولی۔

”میں بہت گنہگار ہوں بندگی۔ شاید تمہاری خدمت کروں تو بخش لی جاؤں۔“

”آپ بخشی ہوئی ہیں چاچی۔ آپ وفادار ہیں۔ چاچے میں سو اخلاقی برائیاں ہیں، اگر آپ چاہتی تو ان برائیوں کو مدنظر رکھ کر چاچے کو کب سے چھوڑ جاتی، لیکن آپ نے ساتھ نبھایا، وفا نبھائی۔ جب کہ نہ ان کے سدھرنے کی کوئی امید ہے اور نہ ہی ان سے کچھ پانے کی امید ہے۔ وہ نکمے ہیں اور ایسے ہی رہیں گے۔“

''ہاں! یہ تو ہے لیکن شروع شروع میں میرے بھی دل میں یہ خیال آتا تھا کہ چھوڑ دوں اسے، لیکن پھر دل نہ مانا، سوچتی تھی ایک تو انہوں نے اپنا مقدر خراب کر لیا نشے کی لت لگا کر دوسرا میں بھی چھوڑ کر چلی جاؤں تو ان کا کیا ہوگا؟ شادی اس لیے تو نہیں کی جاتی کہ ہم سفر ہماری تمام تر توقعات پر پورا اترے۔ بلکہ شادی تو سکھ دکھ میں ساتھ نبھانے کے لیے کی جاتی ہے۔ لیکن یہ بھی ہے تمہارے چاچا دوسرے مردوں کی مانند مجھے کوئی حقیر عورت سمجھ کر بے عزت نہیں کرتے۔ انہوں نے کبھی مجھ پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ گالی گلوچ نہیں کی۔ میں ہی اونچا بولتی رہتی ہوں اپنے شوہر سے، یہ گناہ مجھ سے ہی سرزد ہوا ہے اور ہوتا رہتا ہے۔ بڑی ہی گنہگار ہوں میں۔''

''آپ گنہگار نہیں چاچی آپ وفادار ہیں۔ وفادار گنہگار نہیں ہوتے کیونکہ وفا نبھانا حد سے مشکل کام ہے اور اس مشکل کو کرتے کرتے سارے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔'' بندگی نے پرسوچ انداز میں کہا اور پھر چپ ہوگئی۔ آج کل وہ زیادہ تر چپ ہی رہتی تھی یوں بھی ادویات کا اثر اسے خاموش رکھتا۔

چاچی نے اس کے بکھرے بال سنوارے اور اس کی باتوں پر دھیان دیئے بنا دوسرے کاموں میں لگ گئی۔ انہیں لگتا تھا بندگی کو دوسروں میں اچھائیاں دیکھنے کی عادت ہے وہ سب میں کچھ نہ کچھ اچھا دیکھ لیتی اور یوں پھر ان اچھائیوں کو اپنے مزاج میں شامل کر کے اپنے اندر کی برائیاں جھاڑتی رہتی لیکن چاچی کو کیا پتا تھا انسان انسان ہوتا ہے فرشتہ نہیں۔ انسان صدیوں سےغلطیاں کرتا آتا ہے اس لیے انسان کو غلطیوں کا پتلا کہا جاتا ہے اور انسان غلطیوں کا پتلا ہی ہے۔ خدا مہربان ہے وہ صدیوں سے غلطیاں کرتے انسان کو بخش رہا ہے۔ اس لیے تو وہ رحمان ورحیم کہلایا جاتا ہے۔

☆......☆......☆

ہسپتال کے سارے معاملات تمام ہوئے تھے۔ وہ اب گھر میں تھی۔ اسے اب ہلکا ہلکا ہوش آتے آتے آرہا تھا لیکن اس کے باوجود وہ اپنے کمرے میں رہتی، نہ کچھ کہتی نہ کچھ سنتی۔ نا جانے کیسی چپ تھی جو اس نے سجالی تھی۔

دادی اس کے لیے پریشان تھی۔ سارا سارا دن ابال ابال کر چھان چھان کر اسے پانی پلاتی

رہتی۔ سوچتی اب بھی اسے گردوں میں تکلیف ہوگی شاید۔ لیکن دادی کیا واقف تھی؟ اسے فقط ایک اعضا کا ہم نہ تھا اس کا تو سارا وجود تڑپ رہا تھا۔ اسے تو اب تک زندگی نے عافی کے کہنے پر یہ بھی نہ بتایا تھا کہ اس کے وجود میں پلتی جان اس سے جدا ہوئی ہے۔۔

جون کے دن تھے۔ ہلکا ہلکا پھلکا سر پہ کھر کھر کرتا رہتا، سہ پہر میں سورج کی گرمی اور اس پر ٹھنڈی ٹھنڈی پروائیاں من موہنی لگتی۔ دادا، دادی ٹھنڈی گوشت کھانے اور لسی پینے کے بعد گہری نیند میں سوئے تھے۔ چاچی اسٹار پلس کے ڈرامے دیکھ رہی تھی۔ بچے ٹیوشن گئے تھے اور چاچا ہمیشہ کی طرح سدھ بدھ کھوئے آنگن میں سوئے تھے۔

موقع اچھا تھا، اب حالات کا رخ بدلا تھا۔ سارے بگڑے بن گئے تھے لیکن بندگی کا یوں اسے خالی آنکھوں سے گھورتے رہنا اس کے لیے گڑے مردوں کو کھودنے جیسا تھا۔ وہ سب کو مصروف پا کر اس کے کمرے میں آیا۔

وہ بگڑی بگڑی حالت، الجھی الجھی لٹوں میں زمین پر دیوار سے سر لگا کر بیٹھی تھی۔ بیماری کے آثار چہرے پر نمایاں تھے۔ اس کا رنگ زرد ہو گیا تھا، آنکھیں اندر دھنس گئی تھیں۔ عافی کو دیکھ کر وہ حیران سی ہوگئی۔

کیا اس کے محبت کے خدا نے اس پر اس کی حالت پر ترس کھا لیا تھا؟ اس کی ٹوٹی آس ٹوٹتے ٹوٹتے پھر سے بندھنے لگی۔ محبت اور خوش فہمیاں دل میں گھر کرنے لگیں۔ اس کے پھٹے لب عافی کو دیکھ کر مسکرا دیئے اور اس نے لرزتی کانپتی آواز میں اس کا نام پکارا۔

"عافی...... عافی! تم آ گئے۔ مجھے یقین تھا تم آؤ گے۔"

"کیوں یقین تھا تمہیں بندگی؟ اب ہمارے درمیان کچھ بھی نہیں ہے، میں کیوں آؤں گا؟"

"کیسے عافی، کیسے کچھ نہیں ہے؟ یہ جو ہے۔" اس نے اپنے پیٹ کی طرف اشارہ کیا تھا جس پر عافی زور سے ہنسا تھا اور کہا تھا۔

"کچھ نہیں ہے وہ، ختم ہو گیا ہے بندگی۔"

وہ اب تک ایک دیوانی تھی لیکن اب ممتا کی ماری ایک ماں تھی۔ عافی نے سابقہ وار ایک محبت

کرنے والی لڑکے پر کیے تھے لیکن اب اس کا سامنا ایک ماں سے تھا۔اس کی بات سن کر بندگی کے تن بدن میں درد کی ایک لہر سی دوڑی تھی۔وہ اس درد میں پھدک سی گئی۔اس کی بات سن کر بندگی نے اس کا گریبان پکڑ لیا اور شور مچانے لگی۔

''تم بہت پست قد نکلے عافی اور بہت جلد تم اس پست قد کے ساتھ زمین بوس ہو جاؤ گے۔کیسے کیا تم نے یہ سب؟ میں اب ہرگز چپ نہ بیٹھوں گی۔تم نے کیسے کیا یہ سب؟'' وہ پاگل سی ہوگئی تھی اور اپنی پوری طاقت سے اس کے سینے پر مکے برسا رہی تھی، ساتھ میں شور بھی کر رہی تھی۔اس کا شور سن کر زندگی آفس سے آنے کے بعد فوراً وہیں آئی تھی اور پوچھا تھا۔

''کیا ہو رہا ہے؟''

بندگی نے زندگی کے سوال کے نظر انداز کیا اور پھر سے اپنا سوال دہرایا۔

''کیسے کیا تم نے یہ سب؟''

اس بار عافی نے اسے بے رحمی سے خود سے دور دھکیلا اور کہا۔

''یہ پاگل ہوگئی ہے زندگی۔کہتی ہے جو ہم نے کیا وہ غلط ہے۔تم ہی اس کو سمجھاؤ۔'' عافی یہ کہہ کر چلا گیا تھا۔

بندگی اوندھے منہ فرش پر پڑی تھی۔زندگی کو اپنی بہن پر رحم آ گیا۔اس نے آنکھوں میں پانی بھر کر اسے اپنے ساتھ لگایا اور سمجھایا کہ اس کے لیے یہی ٹھیک تھا۔جو اس نے اور عافی نے کیا تھا۔

بندگی اب بس خاموش رہی۔اس کے اندر اب ایک گناہ کی اذیت کا دکھ چل رہا تھا۔یوں بھی اب کہنے کو کیا بچا تھا۔عافی کی اصلیت اس کے سامنے تھی۔

☆......☆......☆

بندگی تو چپ ہوگئی تھی لیکن عافی اب چپ نہیں رہ سکتا تھا۔اسے کچھ نہ کچھ کرنا تھا۔اگر یوں ہی وہ اس گھر میں رہی تو مسئلہ بن سکتی تھی۔بلکہ اس کا اس گھر میں رہنا ایک چلتا پھرتا خطرہ تھا۔اسے جلد از جلد بندگی کو رخصت کرنا تھا لیکن سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اس کے لیے آنے والے بڑے بڑے

گھرانوں کے رشتے سب خاموش پڑ گئے تھے۔اب کون جان بوجھ کر گردوں کی مریضہ کو اپنے گھر لے جاتا۔لیکن عافی مایوس نہ تھا۔اس کے کئی دوست تھے مجاہد صاحب کی شاپ سنبھالتے وقت اس نے کئی دوست بنائے تھے جس میں سے ایک نے شادی کرنے کی خواہش بھی ظاہر کی تھی اور کسی اچھی لڑکے متعلق بھی پوچھا تھا۔لڑکا شکل وصورت میں اچھا تھا اور بہت بڑی گاڑی میں مجاہد صاحب کی دکان پر آتا تھا۔راشن بھی اچھا خاصا لیتا جس سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ کسی کھاتے پیتے گھرانے سے تھا۔

عافی نے فوراً مجاہد سے اس کا نمبر حاصل کیا اور اسے گھر بلایا۔

دادا، دادی کو وہ لڑکا اچھا لگا۔ابھی اسٹوڈینٹ تھا۔شکل وصورت میں خاصا خوش نصیب تھا اور آداب بھی اچھے تھے۔زندگی نے اس سے کئی سوال کیے تھے اور اس نے ہر سوال پر اسے مطمئن کیا تھا۔ہر طرف سے اس کی طرف سے سب مطمئن تھے۔ماں باپ کا اکلوتا تھا اور پھر رشتہ عافی کی جانب سے آیا تھا تو دادا جی تو پہلے سے پرسکون تھے۔ہاں چاچی بات بگاڑ رہی تھی۔

لیکن چاچی کی تو سن کر سب کانوں سے نکال لیتے تھے۔جہاں خاموش بولتے ہیں وہاں باتونی اپنی توجہ کھو دیتے ہیں اور یہی ہوا تھا۔چاچی یوں ہی تھی اعتراض کرنے والی اور عافی چپ رہ رہ کر بولنے والا۔

سب عافی کی ہی سن رہے تھے اور زندگی تو بس اسی کی ہی مانتی تھی۔عافی اور زندگی مطمئن تھے۔دادا، دادی بھی مطمئن ہو گئے تھے تو چاچی نے بھی ٹھیک ہے کہہ دیا اور چاچے سے تو کسی نے پوچھنا لازمی نہ سمجھا۔وہ نشہ اپنے اندر ٹھونس کر اپنی اہمیت گنوا بیٹھا تھا۔یوں بھی اس کے لڑکے سے کوئی مراسم نہ تھے۔

بس اب بندگی رہتی تھی جس نے خود کو عافی کی محبت میں اس مقام پر کھڑا پایا تھا جہاں سناٹے گونجتے تھے، جہاں دکھ کے ترنم پر دل دردِ رقص کرتا تھا، جہاں انتظار کی آندھی چلتی تھی، مایوسی کے طوفان اٹھتے تھے۔جہاں آنکھیں خالی ہاتھ تکتی تھی، جہاں باتیں الفاظ کی تلاش میں مایوس لوٹ کر خاموشی سے خاموشی کا سفر کرتی تھیں۔

وہ بے وفائی کے صدمے میں تھی۔عافی نے اس سے وفا نہ کی اور اس کا ضمیر کہتا تھا اس نے خود

سے بے وفائی کی تھی۔ ایسے میں وہ کیا کہتی؟ اس سے تو عنایت کی فوٹو تک نہ دیکھی گئی۔ وہ جانتی تھی عافی اس سے جان چھڑا رہا ہے وہ اس رشتے کے لیے منع کرتی تو دوسرا رشتہ لے آتا، اور پھر اسے تو ایک دن جانا ہی تھا تو دادا، دادی کی دعاؤں کے ساتھ جانا ہی سب سے بہتر تھا۔ وہ چپ رہی سب نے اس کی چپ کو ہاں سمجھ لیا۔ عنایت نے شادی کی تقریبات میں سادگی کی گزارش کی تھی جسے دادا جی نے خوش اسلوبی سے قبول کیا۔ یوں بھی ان کی جیب زندگی کی شادی کے بعد بندگی کی شادی میں ہنگامہ برپا کرنے کی اجازت نہ دیتی تھی۔

☆......☆......☆

وہ جولائی کی شام تھی۔ موسم نے گرم گرم کروٹ بدلی تھی۔ پنکھے ائیر کولر سے ٹھنڈک حاصل کی جاتی تھی۔ لڑکیوں، محلے دار خواتین کی آمدورفت ہوئی تھی پھر سے زندگی کی سہیلیاں بھی آنے جانے لگی تھیں، اس گھر نے زندگی کی شادی کے تین ماہ کے بعد ہی بندگی کی شادی کی شہنائیاں سنی تھیں۔ آج تو نوٹی بھی آیا تھا اپنی ماں کے ساتھ۔ اس کی ماں نے اس کا اسکول بدلا تھا اور دادی والوں سے ان نوجوان پارلر چلانے والی مصروف اور کمانے والی بہو کی بنتی نہ تھی اس لیے وہ نہ خود سسرال آتی نہ نوٹی کو یہاں بھیجتی۔

نوٹی آج آیا تھا اس کی بندگی آپی سرخ جوڑے میں سجی سنوری بیٹھی تھی۔ اس کا دلہا باہر موجود تھا جو شکل وصورت میں فلمی ہیرو جیسا تھا اور عافی کی دلہن زندگی تھی۔ وہ تو جیسے چکرا گیا تھا اس ننھے قاصد کو محبت کا دی اینڈ سمجھ نہ آ رہا تھا۔ وہ ہمیشہ سے بہادر اور نڈر تھے اس لیے بلا کسی جھجک کے عافی سے وہ سوال کر بیٹھا جس کی اجازت عافی نے اپنے ضمیر تک کو نہ دی تھی۔

پر وہ عافی تھا اس نے ایک کہانی در لی اور نوٹی کو خاموش کروا لیا۔

بہن کی محبت میں اپنی محبت کی قربانی دینے والی کہانی۔ وہ ننھا دل سہم سا گیا تھا اور پرانی بیٹھک کے اس حصے میں آ کر رونے بیٹھ گیا۔ جہاں خود ساختہ پودے پرانے ٹائرز کے اردگرد اگ جاتے تھے۔ وہ گرمی و دھوپ کی فکر کو بالائے طاق رکھ کر بندگی باجی کی قربانی میں رونے لگا تھا اور اس کے دیکھتے ہی دیکھتے اس کی بندگی باجی اپنے پیا کی ہو چلی تھی۔ اس کی اس خاموش رخصتی نے سب کو نڈھال سا کر دیا

تھا۔ ہر دل روتا تھا۔نہ جانے کیوں تڑپتا تھا۔چاچی نے تو رو رو کے آنکھیں سرخ کر لیں اور چاچے سے اس کی جدائی میں نشہ تک چھوا نہ گیا۔دادا، دادی بھی اپنے جگر کے ٹکڑے اور فرماں بردار بچی کو رخصت کر کے تڑپ رہے تھے۔محلے دار خواتین، رشتے دار سب کے سب اس کی رخصتی میں نیر بہا رہے تھے، ہر آنکھ نم تھی، ہر دل بھرا ہوا تھا۔زندگی کا بھی بہن کی جدائی میں حال برا تھا اور بچے تو اپنی آپی سے لپٹے ہوئے تھے۔نا جانے دل کا حال ایسا محال کیوں تھا۔شاید یہ اس کی دبی سسکیوں کی گونج تھی جو ہر ایک سن رہا تھا، وہ ایک تڑپ رہا تھا۔حتیٰ کہ عافی کی آنکھیں بھی نم تھیں۔شاید ماحول کا اثر تھا یا خوشی کے آنسو تھے۔بالآخر اس کی جان بندگی سے چھوٹ چکی تھی۔اب اس کے اور زندگی کے درمیان کوئی نہ تھا۔اس کی خوشیاں صرف اس کی تھیں۔

وہ خاموشی سے رخصت ہوگئی تھی۔اس نے نگاہوں سے بھی گلہ نہ کیا تھا۔وہ بہت خاموش تھی اور اس کی خاموشی جسے جادو کرتی تھی بن بولے بولتی تھی۔جب انسان پیدا ہو جاتا ہے تو اس کا جواب قدرت دیتی ہے کیونکہ اس کی خاموشی فرش سے عرش تک کا سفر کر لیتی ہے۔ہم سسک سسک کر بدلے کی آگ میں جل جل کر بددعائیں دے دے کر کچھ نہیں کر پاتے۔لیکن خاموش رہ کر ماحول بدل دیتے ہیں۔جو خاموش رہ کر تماشا نہیں کرتے ان کے راز پھر قدرت چھپا لیتی ہے۔ان کی خاموشیوں کو سن لیتی ہے ان خاموشیوں کو پھر قدرت کی آواز بخشی جاتی ہے۔جو انسانوں کی بساط تک کو ہلا دیتی ہے۔

پر انسان! پھر انسان ہی تو ہے۔نہیں سمجھتا قدرت کے احکامات کو۔ہم دوسروں کو خاموش کروا دیتے ہیں۔اپنے ضمیر کو خاموش کروا دیتے ہیں۔یہ جانے بنا کہ خاموشی کے جواب پھر قدرت دیتی ہے۔قدرت کے وار سے بچنا بندے کے اختیار سے باہر ہے۔خاموشیاں بہت طاقت ور ہوتی ہیں، ہماری سسکیاں سنی جائیں یا نہ جائیں، خاموشیاں سنی جاتی ہیں کہ خاموشیاں پلٹ آتی ہیں۔سسکنے، جلنے، تپنے، بددعاؤں پر بددعائیں دینے سے بھی تیز خاموشیوں کی رفتار ہوتی ہے۔خاموشیاں، خاموشی سے فرش تک عرش تک کا کامیاب سفر کرتی ہیں۔کسی کی بددعا لگے نہ لگے خاموشی لگ جاتی ہے، چپ لگ جاتی ہے۔

☆......☆......☆

خاموشیاں پلٹ آتی ہیں مانندِ طوفان۔

اور طوفانوں سے قبل بھی تو خاموشیاں ہوتی ہیں۔ یہاں بھی سب مناظر خاموش تھے۔ عافی بہت خوش تھا۔ اس نے پرانی بیٹھک سے نجات حاصل کر لی تھی وہ اب دوبارہ کسی مقابلے کے امتحان کی تیاری کر رہا تھا۔ دل کی دھڑکنوں کو قرار میسر تھا۔ اے سی کی ٹھنڈک آس پاس رہتی وہ بنا کسی مداخلت کے پڑھائی کر سکتا تھا۔ چاچی کی مدد کے لیے ایک کام والی رکھ دی گئی تھی۔

زندگی نے خوشیوں بھری انگڑائی لی تھی۔ وہ اب تنہا نہ تھا اس کی بیوی تھی اور اب بچہ بھی دنیا میں آنے والا تھا سب کچھ بہت حسین تھا بہت خوبصورت۔

آج موسم بڑا نرالا تھا۔ عافی کا گھر میں دل نہ لگ رہا تھا۔ اس نے کچھ پیسے اٹھائے اور زندگی کو آفس سے لے کر ڈنر کے لیے آیا۔ پر زندگی کی پسند بھی تو اس کی طرح خاص تھی، عافی کی تو جیب ہی ہلکی ہوگئی۔ آج کے بعد اس نے زندگی کے ساتھ ڈنر پر آنے کے لیے توبہ کر لی۔ ہاں! مگر پارٹیز میں آنا جانا جاری رکھا۔ لیکن کچھ ہی عرصے میں اس کا دل ان پارٹیز سے بھی اکتا گیا۔

دراصل زندگی کے واسطے بہت بڑے بڑے لوگوں سے پڑنے لگے تھے جن کے نزدیک عافی جیسے بے روزگار اسٹوڈنٹ کی کوئی حیثیت نہ تھی اور پھر زندگی سے بھی اکثر ڈانٹ سننی پڑتی، اس نے کانٹے چمچ کا استعمال سیکھ تو لیا تھا لیکن ہر آسان نظر آنے والی چیز کی بھی پوری اے، بی، سی، ڈی ہوتی ہے۔ ہر کھانا ہاتھ یا چمچ سے نہیں کھایا جاتا اور پھر چمچ کا سائز بھی دیکھنا پڑتا تھا...... اور بھی بہت کچھ۔

آج پرچ جتنی پلیٹ میں بریانی کھانے پر زندگی نے اسے خوب سنایا تھا یوں بھی آج کل وہ اپنی حالت کی وجہ سے چڑچڑی رہتی۔ متلی متلی اور صرف متلی۔

اس نے اپنے پروں کو پھیلا کر اڑنا سیکھا تھا۔ ایک منزل دوسری منزل اور منزل در منزل......

لیکن یہ حالت اس کے پر، سوکڑ سوکڑ کر کاٹ رہی تھی، جھاڑ رہی تھی، فضاؤں کے مسافر کہاں راستوں کی دھول چھانتے ہیں، اس نے منع کر دیا، ہار مان لی اور طویل خواری و بیماری کا یہ سلسلہ عافی سے پوچھنے بنا ہی ختم کر دیا۔

کبھی بندگی نے اس سے پوچھا تھا، ''تم ایسا کیسے کرسکتے ہو عافی۔'' آج وہی عافی زندگی سے وہی سوال دہراتا تھا۔

''تم ایسا کیسے کرسکتی ہو زندگی۔''

اور زندگی بنا کسی پچھتاوے کے جواب دے دیتی۔

عافی کیا ہو گیا ہے۔ یہ وقت اڑنے کا ہے، مجبوری کی بیڑیاں پہننے کا نہیں۔ میں نے بڑی مشکل سے خوابوں کو حقیقتوں میں بدلا ہے اور تم چاہتے ہو، میں یہاں اموشنگ ہو جاؤں سب کچھ بھول جاؤں سب کچھ چھوڑ کے بچے پالوں۔ عافی نے رخ موڑ لیا۔

او عافی! اس سب کے لیے زندگی پڑی ہے پوری زندگی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے کافی ہیں ہمیں کسی تیسرے کی ضرورت نہیں۔ اٹ از نو ینگ فورمی۔ میں روز روز چھٹی نہیں لے سکتی تھی۔

عافی اس کی بات سن کر چپ ہی رہ گیا وہ اسے بتا نہ سکتا تھا کہ وہ ایک یتیم شخص تھا اور اس کے لیے فیملی کی کیا اہمیت تھی؟ آج بڑے دنوں بعد وہ پرانی بیٹھک کی طرف آیا تھا اور دو آنسو بہائے تھے۔ پر یہاں بھی اسے سکون نہ آیا اب اس کے کباڑ خانے میں کام والی ماسی رہتی تھی۔

☆......☆......☆

اماں پنکھے چلنے کے باوجود اپنے دوپٹے سے پنکھا کررہی تھی کہ عافی چاچی سے چائے مانگنے کے لیے کچن میں آیا۔

دو دن ہوئے تھے زندگی آفس کے کسی کام سے شہر سے باہر گئی ہوئی تھی اور لباس بھی پہلے سے بھی زیادہ اوپر نیچے ہوا تھا۔ اماں نے عافی کو سمجھایا، اپنے پاس بٹھایا اور پورے ایک گھنٹے کا لیکچر دیا۔ زندگی سے تو وہ مایوس ہی تھی اب عافی بھی اسے مایوس کررہا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ایک دادی سے ساس کا رول ادا کرنے لگی تھی۔ عافی کو بیٹا کہتی جو تھی تو بہو کو روک کر رکھنے کا تو درس بنتا تھا۔

''آپ ہی کہیں میں کیا کروں اماں؟ وہ تو بس نام کی زندگی ہے ورنہ تو آج کل اس کی حالت کسی کام کرنے والی مشین سی ہے۔''

"تو تم سمجھاؤ اس کو۔"

"کیا سمجھانا تھا؟ اس تے جب چاہا تب بات بھی نہ کی جا سکتی تھی ہر وقت وہ بس کام میں مصروف رہتی۔ گھر آنے کے بعد بھی وہ مختلف فائلز میں مصروف رہتی، یا پھر لیپ ٹاپ پر کام کرتی رہتی۔ کام کی کثرت اسے تھکا بھی دیتی اور چڑ چڑا بھی بنا رہی تھی۔ ذرا ذرا سی بات پر غصہ ہو جاتی تھی۔

اماں اسے بیاہنے سے پہلے بھی اس کے لیے فکر مند تھی اور بیاہنے کے بعد بھی فکر مند۔ اماں نے گہری سانس لی یہ لڑکی اور وہاں اس کی بندگی۔ کتنا خوش نصیب ہے عنایت؟ بندگی عنایت کو چھوڑ کر میکے تک نہیں آتی اور یہ زندگی نا جانے کہاں شہر شہر بھٹک رہی ہے۔ ابھی اماں نے بندگی کا ذکر کیا تھا نا جانے کیوں اس کے دل میں کچھ ہوا تھا وہ چاہتا تھا اماں کوئی اور بات بھی اس کے متعلق کرے لیکن اماں چپ ہو گئی تھی وہ زندگی کے لیے ہمیشہ کی طرح پریشان تھی۔

کچھ ہی دیر بعد زندگی گھر آئی تھی اور آتے ہی سو گئی تھی شاید بہت تھک گئی تھی۔ عافی نے اسے سونے دیا اور چپ چاپ کمرے کے کونے میں بیٹھ کر اسے تکنے لگا۔ اس نے گزشتہ دو دن سے اسے بہت مس کیا تھا کاش وہ بتا پاتا۔ اور پھر ایک کاش کے بعد کاش کاش اور کاش ہی دل سے نکلے تھے۔ کاش کہ کبھی ایسا ہوتا زندگی اس کے آنے کا بھی انتظار کرتی۔ کاش وہ کبھی اس کے لیے بھی اہم ہوتا۔ دو ہم سفروں کا ہم سفر ہونا ہی کافی نہیں ہوتا بات تو تب بنتی ہے جب دونوں ایک دوسرے کے لیے اہم ہوں۔ کاش وہ زندگی کو سمجھا سکتا کاش وہ سمجھ سکتی۔ اس کے سر میں درد پڑنے لگا تھا۔ کاش، وہ اس کا ایسے میں سر دبا دیتی اور اگر سر نہ دباتی بھی تو کاش ایک گلاس پانی کا لا دیتی لیکن اگر وہ ایسا بھی نہ کرتی تو کاش کہ پوچھ ہی لیتی لیکن......؟ اس کے دل سے کاش کاش نکل رہے تھے اور نظریں زندگی پر ہی تھیں، وہ پلکوں کی چادر آنکھوں پر سجائے ہوئے تھی لیکن پھر بھی عافی کی آنکھوں کی تپش محسوس کر کے اٹھ بیٹھی تھی اور پوچھا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟"

"تمہیں دیکھ رہا ہوں۔"

"مجھے تو روز ہی دیکھتے ہو عافی۔"

اس کی بات سن کر وہ مسکرا دیا، کہاں کچھ نہیں۔ وہ آج جتنے مختصر وقت کے لیے ایک دوسرے سے ملتے تھے کہ اجنبی اجنبی سے بھی نہ ملے، زندگی اس کے تلخ لہجے سے بھی واقف تھی۔ وہ اٹھ بیٹھی تھی کمرے میں اے سی کی ٹھنڈک تھی اس نے شانوں تک چادر اوڑھ رکھی تھی۔

عافی بھی اس کے پاس آبیٹھا تھا اس نے محبت سے عافی کو دیکھا اور جیسے خوابوں کے تانے بانے جوڑے۔

''تمہیں پتا ہے عافی میں کیا چاہتی ہوں؟''

عافی سننا چاہتا تھا۔

''مجھے دولت چاہیے ایسی ویسی نہیں ڈھیر ساری ایسی دولت، جس کی چمک کے آگے ساری دنیا کی آنکھیں چندھیا جائے۔ مجھے شہرت چاہیے، نام رعب و دبدبہ، کامیابیاں، عزت، ایک روشن مستقبل جس میں قدم رکھنے پر مجھے بادشاہت کا احساس ہو۔ اور پتا ہے عافی اس سب کو پانے کا ٹھیک وقت کون سا ہے؟''

اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''یہ وقت...... یہی وقت کیونکہ ابھی ہم جوان ہیں ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں ایک بار ہم اس وقت کی قدر کر لیں تو دیکھو کیا سے کیا ہوتا ہے، قسمت کیسے بدلتی ہے۔''

''تم پہلے سے بہت کچھ کر چکی ہو زندگی۔''

''نہیں ابھی کہاں، ابھی تو ذرا بھی نہیں۔'' اس نے پھر اپنے سہرے خوابوں کی کتھا سنانی شروع کی تھی۔ خواب سنہرے خواب۔ زندگی کی زندگی ک خواب۔ جس میں سب کچھ تھا بلکہ بہت کچھ تھا۔ بس عافی نہ تھا۔ نہ عافی کا گھر، نہ عافی کا گھرانہ، نہ بچے۔

اس کے خوابوں نے توڑ دیا تھا عافی کو، کہ وہ عام سی لڑکی نہ تھی جس کے عام سے سپنے ہوں، گھر کے گھرانے، ایک دوجے کے ہو کر ایک دوجے کے رہنے کے۔

عافی اب تک اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ وہ دونوں ہمیشہ ایسے ہی رہیں گے، ایک ہو کے بھی ایک نہ ہوں گے زندگی رہے گی زندگی، عافی؟ عافی۔

☆......☆......☆

عافی کی فکریں جاری رہیں، ساون بیتا اور بھی کئی دن تنہا گزرے۔ اس کی شادی کو ایک سال ہوا تھا آج اس کی شادی کی سالگرہ تھی زندگی نے پھر سے ہنگامہ برپا کیا تھا۔ بڑی سی پارٹی، قیمتی ساڑھی، عمدہ کھانے، بڑے بڑے لوگ، بڑی بڑی باتیں۔ اور وہی عافی کا مختصر سا تعارف، بے روزگاری، مہنگا لباس، دنیاداری، نقلی ہنسی، کھوکھلی باتیں۔

وہ اس محفل میں نہ آتا لیکن نا جانے کیوں آیا تھا؟ لیکن کیسے نہ آتا زندگی کو نہ کیسے کہتا۔ اب تو اسے آنا ہی تھا۔

پورا ایک سال گزر گیا تھا اس کی زندگی میں اب پرانی بیٹھک نہ تھی یا پھر یوں کہنا چاہیے تھا وہ پرانی بیٹھک سے نکل کر بھٹک سا گیا تھا۔ مارا مارا سا پھر رہا تھا۔ اب چاچی بھی اسے کچھ نہ کہتی، ظاہر ہے وہ زندگی کا شوہر تھا، اس کے بچوں کی فیس زندگی دیتی تھی، گھر بھی وہی چلاتی، جتنا مانگو نہ کہتی، کوئی اس کے شوہر کو کیسے کچھ کہہ سکتا تھا اب تو عافی کی ذرا سی آواز پر چاچی بھاگتی آتی۔ وہ سارا دن پڑھتا رہتا لیکن اس سال تو پوسٹ آنے کا کوئی امکان ہی نظر نہ آتا تھا یوں بھی وہ کتنا پڑھ لیتا؟ پڑھ پڑھ کے تھک گیا تھا۔ اور اس پر اس بے وجہ کے ہنگامے نے تو موڈ ہی خراب کر لیا تھا۔ نا جانے دل کا سکون کہاں بھٹک رہا تھا اوپر سے اندر ہی اندر عدالتیں لگی تھیں، ضمیر جاگ چکا تھا اسے پھر سے احساس محرومی نے آن گھیرا تھا لیکن اب دل ہلکا کرنے کے لیے کوئی نہ تھا۔

دن مہینوں میں گزرے تھے۔ وہ کچھ کچھ دنوں بعد پنڈی آجاتا تھا۔ مجاہد سے بھی مل لیتا اس کی باتیں سن لیتا اس کے مشورے سن لیتا۔ وہ بار بار کہتا، ''تو کسی پرانے بنیے کی نسل کا ہے۔''

اس نے زندگی سے بھی اس بات کا ذکر کیا تھا اور اس نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اگر وہ ایسا کچھ کرنے کا سوچ رہا ہے تو وہ کسی سے اس کا تعارف نہیں کروائے گی۔

کام ایسا ہونا چاہیے جس پر انسان فخر کر سکے۔ آج نہیں تو کل پوسٹ آجائیں گی؟ وہ اسے سمجھاتے ہوئے نکل گئی تھی۔ عافی اپنا موقف پیش نہ کر پایا۔ اب تو وہ ٹیوشن بھی نہ پڑھا پاتا، زندگی کو یہ کام بھی اب چھوٹا لگتا۔ اسے لگتا اس کی زندگی ٹھہر گئی ہے اور وہ بھی جلد از جلد زندگی کی رفتار سے رفتار

ملاتے ملاتے اس کی ہی طرح انسان سے مشین میں تبدیل ہو جائے گا۔
اور یہی ہوا تھا اس سال نے اکتوبر تک دیکھ لیا لیکن پوسٹ نہ آئیں ملک میں فوجی راج تھا اور حالات بھی ٹوٹے ٹوٹے سے تھے۔ دادا جی پہلی تاریخ آتے ہی بل کی ادائیگی کی ٹینشن لیتے اور دادی کی فکریں گھریلو تھیں۔ زندگی گھر کی گھر میں بیاہی تھی لیکن بندگی کے سسرال میں لین دین کی فکر کرنی پڑتی تھی، اس کی شادی کے بعد پہلا رمضان تھا۔ وہ بڑے پیار سے خریداری کر آئی تھی اور اب عافی سے بندگی کے سسرال بھجوانے کے لیے مختلف اشیاء اور گفٹ پیک کروا رہی تھی۔
ان گفٹ کو دیکھ کر تو دادا جی بھی یہاں وہاں کی لین دین کی فکریں چھوڑ کر دادی کی طرف متوجہ ہوئے......اور دادی سے بندگی کی پسند کی چیزیں بھی اس کی طرف بھجوانے کی التجا کی۔
''سب لائی ہوں، آپ فکر نہ کریں، بہت سمجھدار ہے وہ کل ہی بات ہوئی تھی اس سے، رمضان کے لیے خریداری کر آئی تھی، سب کے لیے گفٹ خریدے تھے، سحری کے لیے مربے، چٹنیاں اور اچار ڈال رہی تھی۔ بہت قسمت والا ہے عنایت ایسی بیویاں تو قسمت والوں کو نصیب ہوتی ہیں۔''
عافی کے گفٹ پیک کرتے کرتے ہاتھ رک گئے تھے۔ نہ صرف ہاتھ بلکہ اس کے ذکر پر تو دل ہی جیسے تھم سا جاتا تھا۔
پر اب کیوں یہ بے مقدوری تھی۔ کیوں خود پہ کوئی اختیار نہ تھا؟ کیوں بے چینی کی انتہا تھی؟ کیوں؟ شاید عادت سی تھی کوئی؟ ہاں عادت ہی ہو گی؟ اب اس کے ہاتھ سے بنے کھانے کو جی چاہتا تھا۔ عادت جو تھی اور یہ کام والی کے بدذائقہ کھانے بھی تو ایسے تھے ناکہ اس کے کھانے یاد آ جاتے۔ ہاں عادت ہی تھی بس عادت! یہ اس کی عادت ہی تھی کوئی کہ اس کے ہاتھ سے بنی چائے پینے کو زبان ترسی تھی، ہاں عادت ہی تھی کوئی لیکن اگر وہ بس ایک عادت تھی تو پھر یہ بے رونقی کیوں؟ کیوں یہ اداسی؟ کیوں یہ روح سے لپٹی تنہائی؟
''کچھ بچیاں خوش بختی کی دین ہوتی ہیں۔ ہماری بندگی ایسی ہی ہے، عنایت تو ٹھہرا کوٹھیوں والا لیکن وہ اگر کسی مصیبت زدہ کے مقدر میں آتی تو اس کے نصیب بھی کھل جاتے'' اماں نے بندگی کی

تعریفیں جاری رکھی تھیں اور اب تو دادا جی بھی اس کی تعریفوں میں جٹ گئے تھے۔

دراصل اس کی یاد بھی اتنی آتی تھی۔شادی کے بعد وہ بس دو تین بار دن کے کھانے پر ہی عنایت کے ساتھ آئی اور عنایت کے ساتھ ہی چلی گئی تھی۔فون تو نہ پہلے وہ استعمال کرتی تھی اور نہ ہی اب۔بس عنایت کے فون پر اس سے بات ہوتی وہ بھی کبھی کبھی۔

وہ مختصر سے وقت کے لیے آتی،البتہ اسے دیکھ کر ہی دونوں میاں بیوی کی آسودگی کا پتا چلتا تھا۔عافی کا دل جلنے لگا۔دادا جی اور دادی کے پاس اب بیٹھنا محال سا ہو گیا تھا۔وہ اٹھ کے اپنے کمرے میں آیا تھا۔

نا جانے اس کے دل کو ہوا کیا تھا؟ نا جانے کیسے اجنبی احساسات تھے؟ یا جانے پہچانے سے۔

ایسے احساس تو اس کا اثاثہ تھے۔نہیں نہیں...... وہ اپنے دل سے اختلاف کر لیتا۔رد کر دیتا ان احساسات کو۔جھٹک دیتا اس کی یادوں کو۔کہہ دیتا کچھ نہ کچھ،بنا دیتا کوئی بہانہ،ڈھونڈ لیتا اداسی کا سبب،جواز ہی جواز،ادھر مرے،اجڑے،بکھرے جوابات۔

تو کیا ہوا،سب اس کا ذکر کرتے ہیں سب اس کو یاد کرتے ہیں۔وہ اس گھر کا فرد تھی جہاں عافی رہتا تھا۔اپنے گھر کی تو بے جان اشیاء بھی نظروں میں سمائی ہوتی ہیں اور پھر وہ تو......؟''

''وہ تو تمہاری دوست تھی؟'' اس کا دل بھی خاموش نہ ہوتا۔سوال پہ سوال کرتا اور وہ مکر جاتا تھا۔

''نہیں دوست نہیں،بس بچپن سے ساتھ رہے تھے تو وہ بس واقف تھی نا اس کی ہر بات سے؟''

پر دل تو دل ہوتا ہے یہ کب چپ ہوتا ہے؟ وہ سچ کہتا ہے انسان کا ضمیر ہوتا ہی بولنے کے لیے ہے،ضمیر ہمیشہ بولتا ہے ہاں انسان کبھی سا کی بات مانتا ہے اور کبھی نہیں۔کبھی سنتا ہے کبھی نہی۔برسوں ہوئے عافی نے اپنے غرض کو تھپکی دے کر اپنے ضمیر کو سلا دیا تھا لیکن ضمیر کو سلانے سے بھی بات اپنی جگہ قائم رہتی ہے۔جس طرح سوتے ہوئے بھی ہمارے اعضا کام کرتے ہیں اس طرح ضمیر کو سلانے والوں کو بھی پتا تو ہوتا ہے کہ وہ غلط ہیں،نیند کوئی بھی ہو خواب تو آتے ہیں بس یہی سمجھا جائے کہ جو لوگ ضمیر کو سلا دیتے ہیں ان کا ضمیر پھر سوتے ہوئے خواب کی صورت اپنا کام جاری رکھتا ہے اس لیے غلط کام کرنے والوں کو پتا ہوتا ہے کہ وہ غلط ہیں۔بس وہ خود کو غلط ہونے کا جواز دے دیتے ہیں۔عافی بھی

جواز دے دیتا۔اس کے پاس سو سو جواز ہوتے تھے جب جب اس کے اندر سے پکار اٹھتی،سوال اٹھتے اس کا ضمیر اب بے دھڑک اس کے سامنے آجاتا، پوچھتا، بتاتا، تنگ کرتا۔

''وہ ایک بندگی تمہاری دوست تھی، تمہاری ہم راز، تمہاری خیر خواہ، تمہارے لیے دعا گو، تمہارا خیال رکھنے والی، تم سے باتیں کرنے والی، تم پہلے درست سوچا کرتے تھے اس کے سوا تمہارا کوئی نہیں۔''

''نہیں......نہیں۔اب ایسا بھی نہیں ہے۔''

انسان کے دل کی تڑپ صرف محبت نہیں ہوتی وہ احساسات ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کو ایک دوسرے سے جوڑ کے رکھے، احساس نہیں تو کچھ نہیں۔

زندگی میسج کے ذریعے دن میں کئی بار اسے مس یو، لو یو کے میسج کرتی، لیکن اس کا دل خالی رہتا اور بندگی نے تو کبھی اپنی زبان سے کچھ کہا نہ تھا۔اس کا خیال آتے ہی اسے وہ خط یاد آیا تھا جو بندگی نے لکھا تھا، وہ بلا جھجک کام والی کی موجودگی میں پرانی بیٹھک کی طرف آیا۔اپنے کباڑ خانے میں پرانے رجسٹر اور پرانی کتابیں جھاڑیں لیکن اسے کچھ نہ ملا۔

خدا اپنے سے ماننے والے بندوں کی زندگیوں کی دور دنیا کے انسانوں کو نہیں دیتا۔وہ رجسٹر کام والی نے پرانی بیٹھک میں جلنے والی انگیٹھی ڈال کے خاک کیے تھے۔عافی نے اس پر بہت غصہ کیا لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔نجانے وہ اب پرانے مردے کیوں گھود رہا تھا۔یہ بندگی بھی تو آتی نہ تھی نا، شاید ان خطوط کو لینے کے لیے ہی واپس آجائے۔اس کے دل کی تڑپ عجیب تھی۔وہ یہاں سے ناکام ہو کر بندگی کے کمرے میں آیا تھا۔اس نے بھی تو بہت خط لکھے تھے اسے۔ہاں وہ خط، وہ خط کہاں تھے؟ یہیں کہیں ہوں گے اس نے بندگی کا کمرہ تلاشنا شروع کیا تھا اور بالآخر اسے وہ خط ملے تھے لیکن چیتھڑوں میں پھٹے پڑے۔بندگی نے ان خطوط کے اتنے ٹکڑے کیے تھے جتنا عافی نے اس کے دل کے کیے تھے تو خط کے پرزے ہی لیکن نا جانے وہ کیوں انہیں دیکھ کر دل میں کہیں کچھ ریزہ ریزہ ہوا تھا۔

اس نے وہ دوپٹہ بھی پھاڑ دیا تھا جسے اوڑھ اوڑھ کر وہ خود کو خوش قسمت سمجھتی تھی۔یہاں کچھ نہ تھا سوائے ایک ڈائری کے جس کی جلد پھٹی تھی۔اندر کے ورق بھی غائب تھے۔بس چند صفحے باقی تھے۔

جس پر بندگی نے شادی کے دنوں سے پہلے کچھ لکھا تھا۔ وہ دعائیں کرتی ہی نہ تھی۔ بلکہ دعائیں کرنے کے لیے کہتے تھے، کچھ بچے جو اس سے پاس ہونے کی دعائیں کرواتے تھے، کچھ ان جان نام بھی تھے شاید ہسپتال کے دنوں میں کچھ بیمار لوگ جن کے لیے اس نے دعا مانگی تھی۔ اس کی دعا میں اب عنایت بھی شامل تھا اس نے خدا سے وفا مانگی تھی، وہ ہمت مانگی تھی کہ وہ اپنے جیون ساتھی کا ساتھ نبھا لے، اس سے وفا کرے۔ اور پھر عنایت کے لیے دعا کی ایک لمبی لسٹ سی تھی۔

مزید اس نے کچھ لکھا تھا لیکن پھر لکھ کے کاٹ دیا تھا اور آخر میں دادا جی کے متعلق کچھ لکھا تھا...... اور سب سے آخر میں لکھا تھا میکے کی زندگی تو خواب سی ہوتی ہے اور ایک نہ ایک دن ہر لڑکی کو اس خواب سے جاگنا ہوتا ہے۔ وہ بھی جاگ گئی تھی اچھا ہوا جو جاگ گئی تھی ورنہ تو اس کے خواب زدہ دن اس کی جان لے لیتے۔ محبت اگر محبت کی طرح ہو تو ہی بہتر ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کی محبت کو سمجھ بھی لیتا ہے کہ انسان کو محبت کرنے کا حق دیا گیا ہے لیکن اگر محبت عبادت کی طرح ہو تو انسان کی سمجھ سے باہر ہو جاتی ہے کہ انسان کو پرستش کی خاطر پیدا ہی نہیں کیا گیا۔

میرے ساتھ جو ہوا میں کبھی اس کا ذکر کسی سے نہیں کروں گی، اگر کسی کو کچھ کہا تو لوگ یتیموں کی سرپرستی چھوڑ دیں گے۔ بس جا تو رہی ہوں لیکن دادا جی کے لیے ڈر لگتا ہے۔ انہوں نے آستین کا سانپ پالا ہے۔

عافی جانتا تھا یہ آخری جملہ اس کے لیے درج تھا۔ اسے بدحواسی سی محسوس ہونے لگی اچانک بہت غصہ آیا۔ اس نے اس ڈائری سمیت بندگی کی الماری کی کئی چیزیں اٹھا کر زمین پر پلٹ دیں۔

سچ کڑوا ہوتا ہے...... اسے آستین کا سانپ۔ کچھ بچا نہیں۔

وہ ایسا کیسے کر سکتی تھی، کتنے دعوے تھے اس کی آنکھوں میں عافی کی محبت کے لیے...... اور عنایت سے شادی سے پہلے اتنی وابستگی، اتنی دعائیں؟ نا جانے اس کا درد تھا تو تھا کیوں؟ جب اسے اس نے خود عنایت کے سپرد کیا تھا تو بس نا؟ پھر دل کا یہ حال کیوں؟ شاید یہ ملال کسی کے دل سے اتر جانے کا ملال تھا۔ کسی کے دل میں رہ کر کسی کے دل سے نکل جانا بڑا ہی بے حرمتی کا احساس ہوتا ہے اور

اس سے بھی زیادہ تکلیف تب ہوتی ہے جب کوئی اپنی دعاؤں سے نکال دے۔ وہ جو ذرے ذرے کے لیے دعا گو رہتی تھی وہ جس کی نیک تمنائیں ہی اس کی نیکی ہوتی تھی۔ وہ جو کہتے نہ تھکتی تھی۔ ہر شے کے لیے ہر ایک گھڑی کے لیے نیک تمنا رکھو! کہ نیک تمنائیں بھی نیکی ہوتی ہے۔ تو اب اسے کیا ہوا تھا۔ اس نے عافی کے لیے ایک حرفِ دعا تک نہ لکھی تھی؟ تو کیا وہ اس کے دل سے نکل کر رخصت لے گیا تھا۔

اُف...... وہ کیا سوچے جا رہا تھا، ضرورت ہی کیا تھی اسے کسی کے دل میں کسی کی دعاؤں میں رہنے کی؟ نا جانے دل کو آج کل ہوا کیا تھا؟ نہ جانے یہ سوئے ہوئے ضمیر کے کیسے خواب تھے؟ نا جانے اندر ہی اندر کیسا احساس تھا؟ اسے خود کی خود ہی سمجھ نہ آتی تھی۔ ہاں اس بات پر وہ حیران تھا۔ اس نے دل سے نکال دیا تھا۔ ہر دل خدا کا گھر ہوتا ہے، ہر دل میں خدا بستا ہے اور اس نفسانفسی کے دور میں کوئی کسی کو اس مقدس جگہ میں جگہ دے کر پھر نکال دے۔ بڑا تو لگتا ہے...... اسے بھی برا لگ رہا تھا......

محبت یوں بھی مرتی ہے؟ اس نے تو سنا تھا محبت زندہ رہتی ہے، محبت جدائی کی آگ میں بھی اپنی حیاتی پوری کرتی ہے؟ لیکن محبت بھی مرتی ہے اور محبت کی موت کی ایک ہی وجہ ہوتی ہے۔ 'پچھتاوا'

ہاں محبت پچھاوے کے گھونٹ پی پی کے مر جاتی ہے۔ ورنہ یہ جذبہ کبھی مرتا نہیں، عمریں گزر جاتی ہیں وقت گزر جاتا ہے، زندگی کسی ڈگر سے گزر کر نا جانے کس نگر پہنچ جاتی ہے لیکن محبت کا جذبہ اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔ بے شک کوئی اور ہم سے اس شدت سے محبت کرے جتنی ہم کسی سے کرتے ہوتے ہیں پھر بھی یہ جذبہ محبت مرتا نہیں، دل میں حیات ہوتا ہے، اپنے سے دوسروں کی محبت دیکھ کے بھی یاد آ جاتا ہے، یادوں میں ذہنوں میں، خوابوں میں، گزری ہوئی باتوں میں یہ جذبہ محبت قائم رہتا ہے، حیاتی پاتا ہے لیکن اگر محبت پچھتاوا بن جائے تو؟ گناہ بن کے سامنے آئے تو گلٹ بن جاتا ہے۔ یہ گلٹ سارے انسان کو کھا جاتی ہے، پھر محبت نے کہاں رہنا تھا؟

وہ بھی پچھتاتی تھی، خود سے خود کی نظریں بچاتی تھی؟ سوچتی تھی نادانی میں اس نے کس قدر بے وفائی کی؟ بے وفائی اپنے کردار کے ساتھ؟ بے وفائی خاندان کے ساتھ؟ اسے گھر والے کیا سمجھتے تھے؟ زندگی کیا سمجھتی تھی 'معصوم'

اس نے تو اس لفظ کے سارے مفہوم ہی بدل دیئے۔ ہاں وہ معصوم تھی اس لیے نہ سمجھ سکی۔ انسان کی خوش حالی کا سب سے اچھا راستہ وفاداری ہے۔ وفا ایک بیٹی کی والدین سے وفا، مذہب سے وفا، اپنے آپ سے وفا، اپنے کردار سے وفا...... اگر وہ یہ وفا نبھا جاتی تو عافی اسے کبھی نہ رلاتا؟ لیکن اب اور نہیں اسے وفا کی اہمیت اور اس کی طاقت کا سبق مل چکا تھا اس نے عنایت کا نام اپنے ساتھ جوڑتے ہی وفا کا ہاتھ تھام لیا تھا وہ روز اپنے گناہ کی معافیاں مانگتی...... کہ انسان بس انسان ہے...... خطا کا ایک ناقص پتلا۔ جس کے وجود میں کمی و کجی ہو...... پر وہ خدا ہے بے انت بخشنے والا۔ وہ نا جانے کب سے انسان کو اور سب کو نواز رہا ہے، دے رہا ہے اور دیتا رہے گا۔

☆......☆......☆

بندگی نے چاچی سے زندگی کا بہت بڑا سبق سیکھا تھا، اس نے وفا کی تھی اور سب پایا تھا، ٹھیک ہے اس کی امیدیں چاچے نے پوری نہ کی تھی، زندگی کا ایک طویل عرصہ بھی فکروں میں گزرا تھا لیکن آج اس کے پاس کیا نہ تھا؟؟ اچھا کھانا پینا، اوڑھنا، پہننا، بچے بھی اچھے اسکول میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ ہاں چاچے سے وابستہ امیدیں دم توڑ چکی تھیں لیکن زندگی کو خدا نے وسیلہ بنا دیا تھا اتنا نوازا تھا کہ وہ کھلے ہاتھ رکھتی اور یہ خوبی اس میں تھی۔

نصیب سے وفا کرنا دشوار ہے لیکن اگر انسان یہ ادا حیات سیکھ لے تو نصیب خود وفا آمیز ہو جاتا ہے، بدل جاتا ہے۔ اب وہ کام والیاں اس گھر میں چوبیس گھنٹے موجود رہتی۔ چاچی کے پاس فراغت ہی فراغت تھی آج وہ دادی کے پاس آ بیٹھی تھی۔ اب گھر میں اور کوئی ہوتا ہی نہ تھا کہ وقت گزار سکے اور پھر اسٹار پلس کے لمبے چوڑے ڈرامے اور ایک ہی طرح کے کردار بھی بور کرنے لگے تھے۔ اس نے تسبیح اٹھالی اور دادی سے پوچھا۔

''میں نے کہیں پڑھا تھا کہ خدا ہمیں بنا ناپے تولے بنا گنے دیتا ہے اور ہم خدا کی یاد کے لیے تسبیح کے دانے گنتے ہیں؟''

دادی اس کی بات سن کے مسکرائی اور کہا۔

"وہ خدا ہے بنا گنے دے سکتا ہے، ہم بندے ہیں ہماری کیا اوقات ہم اس کے دیئے رزق کو گن نہیں سکتے بس اپنی بساط کے مطابق تسبیح پھیر لیتے ہیں اور تسبیح بھی کہاں ہم اس کے لیے پڑھتے ہیں، اپنے ہی اعمال کی فکر یہ دانے گنوانی ہے۔ رہا تیرا سوال تو تو گن گن کر تسبیح شروع تو کر، ایک دن ایسا آئے گا جو تو جو تسبیح بھی پڑھے گی وہ بنا گنے دل ہی دل میں آجائے گا پھر سارا دن یہی پڑھتی رہے گی؟

چاچی کو بات اچھی لگی۔ اس نے ابھی سے ہی درود شریف پڑھنا شروع کیا۔

مرنا تو سب کو ہوتا ہے بس کسی کسی کو جیسے آخری دنوں میں قدرت سنبھال لیتی ہے، دنیا داری کے جنجالوں سے آزاد کر کے اپنے دامن سے لگا لیتی ہے اور پھر یہی ہوا تھا چاچی کے ہاتھوں نے جو ایک بار تسبیح تھامی پھر نہ یہ ہاتھ رکے اور نہ دل۔

یوں ہی اچانک اماں کے دل میں موجود چاچی کے لیے بیر اور چاچی کے دل میں موجود اماں کے لیے حسد ناپید ہو رہی تھی۔ وہ ساس بہو بس ذکرِ خدا میں مصروف رہنے لگی تھی۔

انسان ساری زندگی اپنے ہی اثاثوں کا غلام رہتا ہے۔ پہلے جمع پونجیاں جمع کرنے میں اور پھر جمع شدہ اثاثوں کی حفاظت میں کھپا رہتا ہے۔ کسی کسی خوش نصیب بندہ پرور کو اس غلامی سے آزادی ملتی ہے۔ وہ جائیدادوں کی فکر چھوڑ کر آخرت کی فکر کر لیتا ہے۔ سچی فکر کر لیتا ہے۔ وہ دونوں بھی اب سچی فکر میں کھپ چکی تھیں۔

☆......☆......☆

آج ہر ایک نے روزہ رکھا تھا سوائے زندگی کے۔

دادی ہر ماں کی طرح اس ماہ بھی کبھی اس سے روزہ نہ رکھنے کے لیے خفا ہو جاتی تو کبھی روزہ رکھنے کا درس دیتی...... کہتی رہتی سمجھاتی رہتی اسے روزے کی برکت اور رمضان کے بابرکت ماہ کے فضل وکرم کے درست کیتی۔ کہتی یہ گناہوں کی بخشش کا مہینہ ہے اسے یوں نہ جانے دو۔

اور وہ بھی ہر ماہ کی طرح بس ہاں ہاں کہتی رہتی لیکن مجال ہے کبھی سحری میں اٹھ آئے اور روزہ رکھ لے۔ آج تو عافی نے بھی روزہ رکھا تھا۔ وہ کچھ روزے رکھتا تھا اور کچھ نہیں لیکن کوشش کرتا سارے

رکھے جائیں۔ پر نا جانے کیوں سارے نہ رکھ پاتا۔

افتخار کے ساتھ عافی ذرا بوجھل بوجھل سا محسوس کر رہا تھا۔

یہ 7 اکتوبر 2005ء کی شام تھی۔ کون جانتا تھا کل کا سورج کیسا دل چیر منظر لائے گا؟

عافی اپنے دل پر عجیب سا بوجھ محسوس کر رہا تھا، نا جانے کیوں دل کسی الجھن کا شکار تھا جبکہ آج زندگی گھر میں موجود تھی۔ افتخار کے بعد سب جلدی گھر آ جاتے تو وہ بھی جلدی گھر آ گئی تھی اور اتفاقاً آج وہ مصروف بھی نہ تھی۔ بس کافی کا انتظار کر رہی تھی۔ اور اب عافی کے پاس آئی تھی وہ رخ بدل کر سو رہا تھا۔

زندگی نے اسے پکارا تھا وہ ابھی تک آفس والے لباس میں تھی، چست سی شرٹ اور جینز میں۔ ہاں البتہ بال اس نے گھر آ کے کھول دیئے تھے اور اب کیچر کے ساتھ بے ترتیبی سے باندھے تھے جن سے بے شمار لٹیں نکل کر اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ عافی نے اس کے پکارنے پر کوئی جواب نہ دیا اور دانستاً آنکھیں موندی رکھیں۔

''سو گئے ہو؟''

زندگی کے سوال پر بھی وہ ہلا جلا نہیں۔ اب ان کے درمیان اتنی خاموشی آ گئی تھی جسے عبور کرنا اس کے بوجھل پن کو مزید بڑھانے کا سا کام ہوتا۔ زندگی کو یقین ہو گیا کہ وہ سو رہا ہے۔ راحت اس کے لیے کافی لایا تھا۔ اس نے اسے اپنے پاس بٹھایا۔ کچھ باتیں کیں اور سو روپے کا نوٹ تھما دیا اور تاکید کی پچاس تمہارے اور پچاس نصرت کے...... وہ تو خوش ہو گیا لیکن زندگی اداس تھی وہ جب جب گھر میں رہتی اسے گھر میں بندگی کی یاد آتی۔

اس نے خیال آتے ہی اس نے لیپ ٹاپ نکالا اور ویڈیو کال ملائی۔ اب تک موبائلز میں ویڈیو کالز کا رواج رواں نہ ہوا تھا اس لیے کمپیوٹر اور لیپ ٹاپ کے ذریعے ہی انٹرنیٹ کے پیکیج پر کال کی جاتی۔

عنایت کچھ ہی دیر بعد اس کے سامنے رسمی حال احوال کے بعد عنایت نے اپنی مصروف سالی سے بات نہ کرنے کی لمبی چوڑی شکایت کی اور بالآخر بندگی سے بات کروائی۔ وہ نئی نویلی دلہنوں کی طرح سجی سنوری ہوئی تھی۔

''ماشاءاللہ۔'' زندگی نے دیکھتے ہی اس کی تعریفیں شروع کیں۔ عافی اس کی آواز آنکھیں نہ موند پایا اور بے چین ہو کر اٹھ بیٹھا تھا۔ اس کا دل بندگی کی جھلک دیکھنے اور اسے اپنا آپ دکھانے کے لیے مچلنے لگا تھا۔ وہ ذرا اپنے بال اور حلیہ درست کر کے لیپ ٹاپ کے سامنے آیا تھا۔ لیکن اب کیا فائدہ؟ عنایت اس کے پاس ہی بیٹھا تھا، بندگی کے شانے پر ہاتھ رکھ کے اپنی مصروف سالی سے باتوں باتوں میں پوچھ رہا تھا۔

''ساری تعریفیں اپنی بہن کی ہی کیں یہ تو بتایا ہی نہیں کیسی لگ رہی ہے ہماری جوڑی؟''

''ماشاءاللہ...... ماشاءاللہ بہت خوب...... میڈ فور ایچ ادر ھر...... ایک دوجے کے لیے ہی بنے ہو...... تھینک یو سالی صاحبہ! عنایت بہت اچھے موڈ میں تھا وہ دونوں لانگ ڈرائیو کی پلیننگ کر چکے تھے بس جانے ہی والے تھے کہ زندگی کی کال آ گئی۔ اس کے بعد زندگی نے سارے گھر والوں سے بندگی کی بات کروائی۔ عافی بے ساختہ لیپ ٹاپ کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا وہ بندگی کی آواز سن رہا تھا۔ نا جانے کتنے دنوں بعد اسے دیکھ رہا تھا۔ بندگی نے چاچی چاچا، دادا، دادی اور بچوں سے بات کی اور عافی تمام باتیں سنتا رہا۔ اب کوئی بوجھل پن اس کی ذات سے نہ چھٹا تھا لیکن پھر بھی کوئی بے نام سی بے چینی روح تک پھیلی تھی۔ اس رات اس کی آنکھوں سے نیند گم تھی۔ بار بار اسے عنایت اور بندگی کا چہرہ یاد آ جاتا۔ وہ ان کی خوشگوار زندگی کا تصور کر کر کے تڑپنے لگا تھا۔ وہ خیالوں میں سما سے گئے تھے۔ بار بار ان کے ساتھ ہونے کا خیال آتا، پاس ہونے کا خیال آتا اور دل ٹھہر سا جاتا۔ جل جاتا، بلک جاتا۔ لیکن اب بھی اس نے اپنے ضمیر کے آگے کسی قسم کی شرمندگی کا ڈھنڈورا نہ کیا تھا اور یہ ہی معافی مانگنے کا کوئی اس کا ارادہ تھا۔ اب بھی اس نے اپنی خود غرضی کو جواز کا منہ دکھایا تھا۔ ہاں بس دل کے آگے ذرا شکست مان لی تھی یہ مان لیا تھا وہ بندگی کے بنا کچھ نہیں...... اسے سمجھ آ گیا تھا کہ اس کا انتخاب غلط تھا اور اس سے بھی زیادہ اس کا دل اب اسے پھر سے پانے کی جستجو میں لگ گیا تھا۔ یعنی عنایت سے بندگی کو چھین کر اپنا بنانے کی سوچ رہا تھا۔ وہ خود غرضی کی پرواز میں بلندی اختیار کرتا جاتا تھا جبکہ اس کے اعمالوں سے سفلہ پن چھٹتا جاتا تھا۔ وہ دسترس میں تھی تو اس اوجود اسے کوئی شے سا لگتا تھا اور اب جب وہ دسترس سے باہر

تھی تو اس کے بنا اپنا وجود بے معنی لگتا تھا۔ نا جانے وہ غرض مندی کا کون کون سا پینترا آزمانے کا سوچ سوچ کر تمام شب تڑپتا رہا، پر ابھی کہاں؟ یہ 7 اور 9 اکتوبر 2005ء کی درمیانی شب تھی، صبح تو ایک اور قیامت برپا ہونی تھی۔

8 اکتوبر 2005ء ایک ایسا دن تھا جب پاکستان سمیت کئی ممالک میں خوفناک زلزلہ آیا تھا، صدیوں سے سوئی ہوئی زمین یوں جاگی تھی کہ ہر روح چھلی ہوئی تھی۔ صوبہ پنجاب، آزاد کشمیر اور خیبر پختون خوا میں 7.6 ریکٹر سکیل کی شدت سے آنے والا زلزلہ انسانی تاریخ کا بدترین قدرتی آفات میں سے تھا۔ 2005ء میں آنے والا زلزلہ دنیا میں چوتھا بڑا زلزلہ تھا۔ جس نے انسانی سماج کی سب ہی بولتیاں بند کر کے قدرت کے زور آور ہونے کا باور کروایا تھا۔

کشمیر میں پاکستان اور بھارت کے درمیان لائن آف کنٹرول کو پانچ مختلف جگہوں سے تاریخ میں پہلی بار کھول دیا گیا تھا تا کہ انسانی ہمدردی نبھائی جا سکے اور لوگوں تک امداد پہنچائی جا سکے۔

عافی اس شب بے حد بے چین تھا۔ شاید اس بے چینی کا سبب قدرت کی مہلت تھی۔ ابھی بھی وقت تھا وہ ہاتھ اٹھا کے معافی مانگ سکتا تھا لیکن اس نے یہ عمل نہ کیا اور بے چین ہی رہا۔ آج وہ سحری کے لیے بھی نہ اٹھ سکا تھا اور صبح جب بیدار ہوا تو ایک سنہری دن کھڑکیوں سے جھانکتا تھا، سب کچھ معمول کے مطابق رواں تھا۔ زندگی آفس جانے کے لیے تیار تھی، چاچی بچوں کو اسکول کی تیاری کے لیے منا رہی تھی آج بچے نہ جانے کیوں چھٹی کرنے پر بضد تھے۔ اماں، دادا اور چاچی نے روزہ رکھا تھا جبکہ بندگی، عافی اور چاچے کے لیے ناشتہ تیار تھا۔ جسے آج کھانا کسی کے نصیب میں نہ تھا۔ یہ انڈے پراٹھے، بریڈ، جوس اور دیگر لوازمات کا مقدر بھی آج خاک میں ملنا تھا۔

یہ ایک روشن دن تھا، بے حد روشن دن، چمکتا ہوا سورج، مست ہوا، جھومتے سر سبزے......

سورج کی کرنیں عمودی طور پر اس کے کمرے میں داخل ہو رہی تھیں۔ اس نے اٹھ کر اپنی رسٹ واچ پہنی، زندگی کی کوئی فائل گم تھی جس کی وجہ سے وہ گھر میں اُدھم مچائے ہوئے تھی۔ سب لوگ اس کی فائل ڈھونڈ رہے تھے۔ پر دادا جی سب سے بے خبر ہو کر آنگن میں بیٹھ کر اپنا چشمہ صاف کر رہے تھے۔ ان

کے سامنے 8 اکتوبر 2005ء کا جنگ اخبار پڑا تھا۔ عافی نے زندگی کی تلاش کردہ فائل اپنے پاس بستر پر پائی تھی۔ گھڑی میں آٹھ بج کر 49 منٹ ہوئے تھے۔ وہ شب خوابی کے کالے لباس میں تھا۔ اس نے جوتے پہنے تاکہ باہر جا کر زندگی کو فائل دے آئے۔ اس کی آوازیں تیزی سے آ رہی تھیں۔ اماں اور چاچی بھی ادھر ادھر فائل تلاش کر رہے تھے۔ بس وقت پھر ایک منٹ اور آگے کھسکا تھا۔ گھڑی میں اب آٹھ بج کر پچاس منٹ تھے۔ اور زمین؟

زمین تھرکنے لگی تھی، پیروں سے کھسکنے لگی تھی۔ آس پاس کے تمام عالم میں لرزش نمایاں تھی۔ ہر ایک چیز زمین کے تڑپنے سے تڑپ رہی تھی، ہر ایک بنیاد بہک رہی تھی، ہر ایک درد ہر ایک دیوار، ہر ایک سہارا، ہر ایک آسرا، ہر ایک چھت و چوبارہ اور سارے کا سارا منظر سارے کا سارا عالم درد میں اتھل پتھل رہا تھا۔

اماں کی زبان سے اونچی آواز میں اللہ اکبر، اللہ اکبر سب نے سنا تھا۔ دادا جی بھی یا اللہ خیر، یا اللہ خیر پکار رہے تھے۔ مختلف آوازیں کانوں میں پڑ رہی تھیں۔ ایک عجیب سی آواز تھی، دھرتی ڈولنے کی، کوئی کوک سی، کوئی پکار سی، زلزلہ اور زمین کا لرزنا اور یہ کانپتی دھرتی کی پکار دل دہلا رہی تھی۔ اب تک تو عافی کے اثاثوں نے بھی اسے زلزلے کی خبر دی تھی، سب لوگ خوف و ہراس میں ادھر ادھر دوڑ لگا رہے تھے۔ نا جانے کس سمت کی تلاش تھی جبکہ چاروں سمتیں مانو یکجا ہو کر ایک مرکز ایک نقطہ بنی تھی۔ اور اللہ کی فراخ دل دھرتی سکڑ سی گئی تھی۔ عافی نے بھی فائل چھوڑ کر بھاگنا شروع کیا تھا۔ زلزلہ شدید قسم کا تھا۔ عافی نا جانے کہاں سے کہاں بھاگ آیا تھا، شاید یہ اس کا پرانا ٹھکانہ تھا یعنی پرانی بیٹھک...... او خدا وہ یہاں کہاں تھا یہ جگہ تو پہلے ہی ٹوٹ پھوٹ کا شکار خستہ حال تھی اور اب تو ضرور گرنی تھی۔ عافی کے دل نے زور سے دھڑکنا شروع کیا۔ یہ خوف کی دھڑکن تھی۔ ''خوفِ آخر'' کی دھڑک۔ سہمی، ڈری، لرزی ہوئی۔ ہوا اس دھڑکن خوف کے ساتھ وہاں سے بھاگا تھا۔ اسے زندگی اور اماں کی چیخ سنائی دی تھی اور پھر دھرتی کی کانپتی پکار میں ایک زوردار دھماکے کی آواز آئی تھی اور اب ایسی آوازیں آنے لگی تھیں یہ دیواریں گرنے، آشیانے گرنے کی زوردار دھماکے نما آوازیں تھیں۔ عافی اس سمت چلنے لگا جہاں سے

زندگی اور اماں کی چیخ سنائی دی تھی، لیکن وہاں جانے سے قبل اس کے قدم جمنے لگے اور جسم سن ہونے لگا بس آنکھیں اور کان اپنا کام کر رہے تھے کہ اعضا مرتے دم تک اپنا کام کرتے ہیں۔اس کی آنکھوں نے اپنا کام نہ چھوڑا تھا اس نے اپنے ہی گھر کے پکے پورشن کی چھت کو ٹکڑوں کی صورت لرزتی ڈرتی اٹھلتی کانپتی زمین پر گرتے دیکھا۔چھت کا پرلا حصہ پہلے گرا تھا اور سارے عالم میں زوردار آواز کے ساتھ ریت مٹی کے ذرے اڑے تھے۔دھندسی پھیلی تھی، چھت کا سامنے والا ٹکڑا گرا تھا پھر زوردار آواز آئی اور مٹی و دیگر ذرات کا غبار بلند ہوا۔اب ایک اور حصہ گرا تھا۔پھر ایک اور حصہ گرا تھا لیکن عافی کچھ دیکھ نہ پایا۔سارے عالم میں جیسے مٹی کا طوفان شامل ہوا تھا ہر چیز دھند کا لبادہ اوڑھے تڑپ کے رقص کر رہی تھی، پھر اس کے اوپر کی چھت بے آسرا ہو کر ڈولنے لگی۔اس نے غیر دانستہ طور پر آنکھیں بند کر دیں اور کلمہ یاد کرنے کی کوشش کی، لیکن اس کے ذہن میں خوف کے باعث کلمے کی یاد نہ ابھری اور اس سے قبل کہ اس کی زبان ہلے، اوپری چھت کا ایک بڑا حصہ اس پر آن کسی آفت کی طرح گر پڑا۔

اب سماعتوں نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا البتہ آنکھیں کھلی تھیں لیکن ہر جگہ اندھیرا تھا۔چمکیلے دن میں گھنا اندھیرا۔جیسے اندکار ہی اندکار......نہ جانے سورج کی کرنیں کہاں گم تھیں؟ نا جانے رابطِ حیات کیوں لرزے تھے، نا جانے یہ آفت کیوں آئی تھی؟ نا جانے کتنے دل تڑپے تھے۔ملبوں تلے کی زمین بھاری بھرکم بوجھ کی چادر اوڑھے تڑپ رہے تھے، مر رہے تھے، آخری سانسیں گن رہے تھے، کئی زبانوں پر یکجا یادِ خدا در آئی تھی۔نا جانے قدرتی آفات کی اصل وجہ کیا ہوتی ہے، پر اس دوران ہر زبان خالقِ کائنات کی یاد میں فریادِ رحم کرتی ہے۔

☆......☆......☆

موت معافی ہوتی ہے، دکھتے، درد کرتے اعضا سے معافی، زخمی زندگی سے معافی، لہو میں لپٹے وجود سے معافی، ہاں کبھی کبھی موت معافی ہوتی ہے اور آتی جاتی سانسیں سزا۔

ان قدرتی آفات میں خوش نصیب وہ نہیں ہوتے جو بچ جاتے ہیں بلکہ خوش نصیت وہ ہوتے ہیں جو مر جاتے ہیں کیونکہ موت تو برحق ہے۔ایک نہ ایک دن آنی ہے لیکن زندگی تو ایسی نہیں ہوتی، ایسا

درد زندگی کی نہیں بلکہ موت کی علامت ہوتا ہے۔ بے شک سب درد سہنے کی طاقت خدا ہی دے سکتا ہے۔

کبھی کسی نے سوچا ہوگا کہ اگر پنسل کو گھڑ کر استعمال نہ کیا جائے تو کیا ہوگا۔ وہ اپنے لکھنے کے مقدر سے دور رہے گی۔ اپنے تخلیق کے مقصد سے دور رہے گی، پنسل کو گھڑتے وقت کھپنا پڑتا ہے تب ہی جا کر اس کی تخلیق کا مقصد مکمل ہوتا ہے۔ اسی طرح ہمارے غم ہماری تکلیفیں ہمیں ہماری تخلیق کے مقصد کے قریب تر کر دیتی ہیں، ہمیں دکھ گھڑنے کے لیے ملتے ہیں۔ دکھ بہت اہم ہوتے ہیں یہ انسان کے اندر کے انسان کو جگا دیتے ہیں ایسے دکھ مفید ہوتے ہیں اور دعا مند و خوش نصیب اشخاص کے مقدر میں لکھ دیئے جاتے ہیں کیونکہ دکھی انسان، سکھی انسانوں سے زیادہ توبہ کرتے ہیں معافی مانگتے ہیں۔ ایسے دکھ مفید ہوتے ہیں جن کے راستے راہ راست آتی ہو۔ ہر جگہ اندھیرا تھا، چمکیلے دن میں گنا اندھیرا، جیسے اندکار ہی اندکار۔

عافی نے محسوس کیا؟ اس کا جسم ملبے تلے دبا تھا۔ وہ بالکل دھنس چکا تھا، اس نے محسوس کیا اس کے بائیں پیر کے مورچے میں شدید تکلیف تھی جیسے مسلسل کوئی آری اس پر چلائی جا رہی ہو، بائیں پیر کے مورچے کی ہڈی چھت گرنے سے چیخ گئی تھی اور دائیاں بازو بھی کندھے کے جوڑ سے نکلا محسوس ہو رہا تھا۔ سارا جسم گویا درد ہی درد بن گیا تھا، اپنی جگہ سے اس کا ہلنا جلنا محال تھا، بڑی ہی مشکل سے اس نے اپنا دائیاں پیر ہلایا تو اسے محسوس ہوا۔ اس کے آگے کی جگہ پر بہت بڑا پتھر تھا یا پھر کسی چھت کا بہت بڑا ٹکڑا تھا۔ عافی نے اپنے طور سے اس پتھر کو ہلانے کی کوشش کی لیکن وہ پہلی ہی کوشش میں سمجھ گیا تھا کہ یہ اتنا آسان نہ تھا۔ اس نے اندھیرے ہی اندھیرے میں ادھر ادھر دیکھا۔ اب کچھ کچھ آنکھیں دیکھ سکتی تھیں اندھیرے میں جھانک سکتی تھیں۔ اس نے اب واضح طور پر محسوس کیا وہ ملبے تلے دبا تھا اس کے نیچے زمین نہ تھی، پتھروں اور کنکروں کی چادر سی تھی، جو جسم میں کھب رہے تھے، اسے شدید درد ہو رہا تھا، جیسے اس پر تیز دھاریں چلائی جا رہی تھی۔ اب اس نے خود پر دھیان دیا تو اف کرنے لگا۔ نا صرف اس کے ایک پیر کی ہڈی چیخی تھی بلکہ اسی پیر کی چھوٹی انگلی ٹوٹی تھی۔ وہ آہ آہ کر رہا تھا۔ او، اوں کر رہا تھا۔

درد کی شدت بہت زیادہ تھی لیکن اس نے ہمت جاری رکھی اور اب اپنے دوسرے پیر اور ہاتھ کو ہلایا،

یہاں کی زمین بھی تنگ تھی اس کے بہت پاس ایک اور بڑا پتھر پڑا تھا اور یہی وہ پتھر تھا جس نے عافی کی اب تک جان بچائی تھی کیونکہ اس پتھر کی وجہ سے اوپر گری چھت عافی پر براہ راست گرنے کی بجائے اس پتھر پر آن گری تھی جس کی وجہ سے عافی پچکنے سے بچ گیا تھا ورنہ اوپر والی چھت اس پر آن گرتی اور عافی کا جسم پچک جاتا۔ اس کا جسم پسینے سے شرابور تھا، اور رنگ لال پیلا ہو گیا تھا، اس کے زخم درد سے تپ رہے تھے اور وہ اپنے زخم دیکھ تک نہ سکتا تھا۔ اسے اب جا کے خطرے کا مکمل طور پر ادراک ہوا، وہ بچ نہیں سکتا تھا کیونکہ یہ بچنا بچانا تھا قبر سے کھڈے میں آن گرنا تھا۔ قبر میں کوئی کیسے زندہ رہ سکتا ہے؟ یہ تو مردوں کے لیے ہوتی ہے لیکن قبل از مرگ قبر؟

''اُف اللہ...... اُف اللہ۔'' اس کے اوسان خطا ہونے لگے۔ وہ خبط سا ہو گیا تھا، سر چکرا گیا تھا، وہ خطرہ محسوس کر کے چیخنے لگا اور بھی زور زور سے چلانے لگا، لیکن جلد ہی اسے احساس ہوا یہ سب بے کار تھا۔ وہ مایوس ہو گیا تھا خاموش ہو گیا تھا اب وہ کھانس رہا تھا۔ اب بھی دھند مچی تھی، باہر سے بے حد شور آ رہا تھا، چیخیں، پکاریں، افراتفری واداسی...... عافی نے غور سے فریادیں سنیں تو اسے چاچے کے غرانے کی آواز آئی، ساتھ میں دادی کی آہیں بھی سنائی دیں۔ چاچا ''آآآآآں...... آآآآں ں ں'' کر رہا تھا جبکہ اماں ''اووو، اووو'' کر رہی تھی۔ اماں کی آواز گھٹ سی رہی تھی لیکن چاچے کی آہیں واضح تھیں۔ عافی نے بڑی مشکل سے چاچے کو آواز دی لیکن وہ شاید سن نہیں رہے تھے۔ عافی نے اور زور سے انہیں پکارا تو چاچے نے کسی ٹوٹی پھوٹی امید کے بھروسے ذرا سا لب پھیلا کر عافی کو جواب دیا۔

''عافی...... عافی! میں...... میں یہاں...... میں یہاں پھنس گیا ہوں، بہت بڑا پتھر میرے دھڑ پر آن گرا ہے، مجھے بچا لو...... مجھے بچا لو۔ بہت درد ہو رہا ہے، مجھے......'' وہ رو رو کر کہہ رہا تھا۔

عافی نے بھی اسے اپنا حال بتایا۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا اور درد بہت زیادہ۔

اماں کے غرانے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں، بس آواز میں کبھی کبھی جان آ جاتی اور وہ اللہ اللہ کہہ پاتی۔ یوں بھی یہ وقت تدبیر کا نہ تھا۔ توبہ کا وقت تھا، رحم رحم کرنے کا وقت تھا۔ جب انسان ہر جگہ سے مایوس ہوتا ہے تو ہی یہ اوکھی گھڑی میں دل سے نکلتا ہے۔ اللہ اللہ...... رحم رحم...... بچوں کی آوازیں نہ

تھیں۔ بس کچھ ہی پل پہلے ایک بچے کی سسکی سنائی دی تھی نا جانے وہ راحت تھا یا نصرت؟ جس کی آخری سسکی سنی گئی تھی لیکن چاچی اور زندگی کی کوئی پکار کوئی نشان نہ تھا، شاید وہ دونوں اور ایک بچہ موقع پر ہی جاں بحق ہو چکے تھے۔ دادا جی کی سرگوشیاں بھی سنی جاسکتی تھیں وہ سب آس پاس تھے لیکن کوئی کسی کی مدد نہ کرسکتا تھا، ایسی آفت ایسی قیامت آن پڑی تھی کہ کوئی اپنی مدد آپ نہ کرسکتا تھا سب کے سب بے بس تھے، بے یارو مددگار۔ سب کو بس ایک ہی آسرا تھا، وہ آسرا تھا خالق کائنات کا آسرا۔

☆......☆......☆

کئی گھنٹے گزرے سب کے سب اسی حالت میں تھے، کوئی مدد نہیں، کوئی سدھار نہیں، بس درد ہی درد تھا۔

کچھ ہی دیر بعد ان کے آس پاس کی زمین پھر پھڑکنے لگی تھی۔ زلزلے کے بعد یہ ایک آفٹر شاک تھا۔ انہیں اور زیادہ ڈر لگنے لگا تھا۔ سب اپنی اپنی جگہ پر پڑے پڑے تڑپنے لگے تھے۔ دادا جی نے ایک زوردار چیخ حلق سے نکالی تھی شاید آفٹر شاک کی وجہ سے کوئی اور بھاری پتھر ان پر آن گرا تھا۔ ان کی سسکیاں سب سن سکتے تھے یہ بہت دردناک آواز تھی، دل کو کاٹ کھانے والی آخری ہچکیاں، آخری سانسیں ہچکی کے ساتھ ہاں ں ں ں، ہاں ں ں۔

رفتہ رفتہ ان ہچکیوں کی آواز مدھم ہونے لگی، پہلے ایک کے بعد ایک ہچکی آواز آرہی تھی اور پھر اس تسلسل میں بتدریج کمی واقع ہوتے ہوئے گھٹائی ہوئی تھی۔ اب ہاں ں ں ں، ہاں ں ں ں کی آواز بدل کر ہہ، ہہ، ہہ کی سی آواز آرہی تھی۔ اس کے بعد بس چند اور لمحے یہ اذیت ان پر غنوز برقرار رہی اور پھر آہستہ آہستہ ہچکیاں سسکیوں میں بدلی تھیں۔ اب منہ سے کوئی آواز نہ آتی تھی۔ بس لمبی لمبی سانسیں کھینچنے کی آواز آتی تھی۔ سوں ں ں ں، سوں ں ں ں، سوں ں ں ں۔

سوں ں ں ں ں ں۔ دردناک سوں ں ں ں۔ جیسے زبردستی آکسیجن پھیپھڑوں میں دھکیلی جا رہی ہو اور پھیپھڑے اپنے کام سے بس بس کرتے ہوں۔

عافی دادا جی کو پکارنے لگا۔

''داداج، دادا جی۔'' وہ جتنا چیخ کر پکار سکتا تھا پکار رہا تھا۔

لیکن دادا جی کے پھیپھڑے بند ہو رہے تھے۔ سوں ں ں کی سانس لیتی آواز اب بے ترتیب ہو رہی تھی۔ اسی پل انہوں نے تیز تیز سانسیں لیں اور پھر اسی ہی پل کے ختم ہونے سے قبل انہوں نے پھر سے ہچکی سی لی۔ جوان کی آخری ہچکی تھی۔ عافی نے انہیں پکارنا بند کر کے آنکھیں اس اندھیرے میں میچ لیں۔ عافی اور سب نے یہ جان لیا اب دادا جی ان کے درمیان نہ رہے تھے۔

سب کے دل زور زیادہ تڑپنے لگے۔ اپنی اپنی جگہ پڑے سب کے دل اور جسم کانپنے لگے۔ وہ اور تیز تیز یا اللہ مدد، یا اللہ مدد پکارنے لگے۔ کلمہ پڑھنے لگے۔

دادا جی اس جہان فانی سے کوچ کر گئے تھے اس کے بعد کسی نے ان کی فریاد نہ سنی تھی۔ دادی نے بھی ان کی آخری ہچکی سنی تھی اس درد میں بھی اپنے ہم سفر کی شادی سے لے کر ساری یادیں ایک جھماکے کے ساتھ ان کے ذہن میں آن لپکی تھیں، ان کا درد مزید بڑھنے لگا، یہ کیسا وقت تھا؟ یہ کیسا بے رحم لمحہ تھا؟ اس کا شریک حیات بچھڑا تھا اور وہ زندگی بھر ساتھ نبھانے والی، وفا وفا کرنے والی بے وفائی کی مورت بنی پڑی اپنا درد سہہ رہی تھی۔ انہیں درد تھا بہت درد تھا۔ اس اذیت سے انہیں گھوما پڑا تھا کہ یہ درد ان کی جان لے گا اور ایسا ہی ہوا تھا۔

اس دکھائی اور سنائی دیتے اندھیرے میں شام ہونے کو آئی تھی۔ عافی سی ایس ایس کی تیاری کر رہا تھا اس لیے دوپہر کے کھانے کے بعد جب وہ آرام کرتا تو شام چار بجے کا آلارم سیٹ کرتا تھا، گھڑی روز چار بجے آلارم بجاتی تھی۔ اور اس پہر آلارم بج رہا تھا، یعنی شام ہو گئی تھی چار بج رہے تھے وہ صبح سے یہاں تھے اور زندہ تھے۔ عافی کو اپنے زندہ ہونے پر حیرانی ہوئی۔

اس کی گھڑی گھنٹے گھنٹے بعد ہلکی سی بیل بجاتی تھی۔ ٹنگ ٹنگ کرتی تھی۔ شام چار بجے کے آرام کے بعد دوبارہ ٹنگ ٹنگ ہا تھا۔ گھڑی کی یہ مخصوص آواز بتاتی تھی کہ اب چھ بج رہے تھے۔ اماں کی تکلیف میں اضافہ ہوا تھا، پہلے سب ان کی اللہ اللہ کی پکار سن رہے تھے اور اب رفتہ رفتہ تمام آوازیں درد میں تبدیل ہو رہی تھیں، پھر موت کا دھڑکا ان پر سوار ہوا تھا۔ موت آتی ہی تب ہے جب تمام اعضا ساکت

ہو جائیں۔ اپنا کام کرنے والے اعضا جب ساکن ہو جاتے ہیں تو درد ہی درد ہوتا ہے اتنا شدید درد کہ روح باہر چلی آتی ہے...... یکے بعد دیگرے اماں کے اعضا اپنا کام کرنا چھوڑ رہے تھے۔ آہستہ آہستہ سارے اعضا مر رہے تھے۔ کان سن نہیں رہے تھے، جلد کچھ محسوس نہیں کر پا رہی تھی، زبان ہل نہیں رہی تھی۔ سانس بن ہو رہی تھی، پھیپھڑے سکڑ چکے تھے۔ بس دل درد کے ساتھ بے ترتیب سا دھڑک رہا تھا اور آنکھیں یہ اندھیرا دیکھ رہی تھیں۔ رفتہ رفتہ آنکھوں میں بسا ہوا اندھیرا دل میں اتر آیا۔ اور دل نے جسے آخری بار دھڑکن رخصت لی۔

عافی کی گھڑی نے ایک اور بار ٹنگ ابھی نہیں کیا تھا اور اماں بھی اذیت سے آزادی پا کر چل بسی، اس فزیکل دنیا میں اب بس ان کا جست خاکی ہی بچا تھا، جس کے کفن دفن کا کچھ پتا نہ تھا۔

"یا خدا، یا خدا۔" عافی رحم رحم پکارنے لگا، اسے امید تھی کہ کوئی نہ کوئی آئے گا اس بھاری بھرکم پتھروں کے ڈھیر کو اس میں سے اٹھائے گا لیکن یہ ایک آس تھی اور اب تک آس ہی رہی، صبح سے شام اور شام سے رات ہو گئی۔ بھاری بھرکم پتھروں ے ذرے بھورے شگافوں میں سے سورج کی روشنی الوداع لے گئی تھی۔ اس کے آس پاس حبس اور گھٹن بڑھ رہی تھی، ہوا جیسے بند ہو رہی ہو، جس سے اس کا جی متلانے لگا۔ وہ اپنی ہی حالت میں پڑے پڑے قے کرنے لگا تھا، درد سے غرانے لگا تھا، توبہ توبہ کرنے لگا تھا۔

اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا تقدیر کا رونا روتا را تھا۔ اسے ہمیشہ خدا سے شکایت رہی، نصیب سے شکایت رہی، اس کی شکایتیں خود ترسی اور محرومی کا نمونہ بنتی گئی، اس نے صبر تو کیا لیکن بے صبروں کی طرح۔ اس کے منہ سے کبھی شکر نہ نکلا تھا جب کہ یتیم ہونے کے باوجود وہ دوسرے یتیموں کی طرح بھٹکا نہیں تھا وہ ایک پڑھا لکھا نوجوان تھا جس کے پاس خوب سے خوب تر ڈگریاں تھیں اور ان ڈگریوں کو حاصل کرنے کے بعد وہ کہیں بھی کوئی اچھی جاب کر سکتا تھا لیکن اس کی خواہشات کی سوئی بس سی ایس ایس کے امتحان میں پھنسی تھی۔

آج اسے احساس ہو گیا تھا اسے خدا نے کتنا نوازا تھا جسے وہ درد کہتا تھا بے وجہ کہتا تھا۔ آج پتا

چلا درد کیا ہوتا ہے، گھٹن اور امس کیا ہیں؟ سچ میں وہ صرف بھلے کا ہی نہیں برے کا بھی خدا ہے۔ وہ سب کا خدا ہے۔ بڑے سے بڑے گنہگار کو بھی اس نے بھوکا نہیں چھوڑا، تنہا نہیں چھوڑا، وہ اسے بھی دیتا ہے جو اس کے پاس ہیں وہ اسے بھی دیتا ہے جو اس کے پاس نہیں اور جو زندگی بھر پاس آ بھی نہیں سکتے۔ وہ سب کو معاف کرتا ہے اور کبھی کبھی تو بھٹکے ہوئے راہ راست پر چلنے والوں سے پہلے ہی معاف ہو جاتے ہیں کہ ان کے مقدر میں بھٹکنا لکھا تھا تو وہ کیا کرتے؟ اس رب کے آگے کون چنگے کون مندے؟ وہ سب کا خدا اور سارے اس کے بندے۔

عافی کو شکایت تھی لیکن اپنے رب سے...... جو رب کے وجود کو مانتے ہیں وہ ہی تو شکایت کرتے ہیں اس سے، ورنہ تو ایسے بھی لوگ اس دنیا میں ہیں جو بگ بینگ تھیوری کو دنیا کے وجود کا لا (Law) سمجھتے ہیں، جبکہ یہ تھیوری صرف تھیوری ہے اسے لا کا درجہ ابھی تک میسر نہیں آیا۔

عافی رب کو مانتا تھا۔ کبھی کبھی بھولے بسرے نماز ادا کرتا تھا۔ کچھ کچھ دن چھوڑ کر رمضان میں روزے بھی رکھتا تھا، اسلامیات میں اچھے سے اچھے نمبروں پر پاس ہوتا تھا اسے خود کے ساتھ ساتھ خدا کی ذات پر بھی بھروسہ تھا۔ یعنی خدا کی ذات سے اس کے دنیاوی جذبات کا تعلق تو تھا نا شکایتوں کا تعلق، بھروسے کا تعلق تو خدا کیسے اس سے تعلق توڑ سکتا تھا۔

جب ہماری زندگی میں دکھ آئے تو سمجھو ہم دربارِ اعلیٰ میں سنبھالے گئے ہیں یاد کیے گئے ہیں کیونکہ دکھ یوں ہی نہیں آتے یہ ہمیں نکھارنے آتے ہیں، بخشوانے آتے ہیں، ہمارے اعمالوں کے وزن کو گھٹانے آتے ہیں۔

آج اس دکھ نے عافی کے لب کے ذریعے اس کی روح سے پکار رب نکلوائی تھی وہ رب کو پکار رہا تھا، زلزلے کے ہلکے پھلکے آفٹر شاک اب بھی سنائی دے رہے تھے، اسے آج سب یاد آ رہا تھا۔ سب سے زیادہ بندگی یاد آ رہی تھی۔ اسے یاد کر کے وہ درد ہی درد میں تڑپ اٹھا تھا۔ وہ معصوم لڑکی؟ ایک معصوم سی لڑکی جس کے لبوں سے دعائیں جدا نہ ہوئی تھی، جو ہر لمحہ خدمتِ خلق کے لیے کوشاں رہتی تھی۔ آہ! اس نے یہ کیا کیا تھا؟ کیسا گناہ کیا تھا؟ آج اسے ادراک ہوا تھا کہ اس سے گناہ ہوا تھا، اس نے نہ

صرف اس کا دل کھایا تھا بلکہ اس کی زندگی ہی تباہ کر دی تھی، وہ جو اس کے لیے جیتی مرتی تھی اس نے اس سے سانس لینے کا اختیار چھین لیا تھا۔

سچے جذبات کو احساس کا تحفہ قدرت دے ہی دیتی ہے۔ بندگی نے غرض سے پاک جذبہ عافی سے رکھا تھا اور بے غرض ہو کر خدا کی مرضی سمجھ کر اس نے اپنے مقدر کو اپنا لیا تھا۔ ہم اپنے مقدر سے بنا شکایت نبھا کر لیں تو بن مانگی دعائیں بھی قبول ہو جاتی ہیں، کہ اپنا کچھ بھی ہو وہ اپنا ہوتا ہے جیسے پانی جتنا بھی میلا اور گندہ کیوں نہ ہو، آگ بجھانے کے کام آتا ہے۔ اسی طرح ہمیں ہمارے مقدر میں چاہے کتنا ہی میل کیوں نہ نظر آئے ہمارا مقدر ہمارا ہوتا ہے، اسے قبول کر لو، صبر کر لو تو بن مانگی دعائیں بھی سن جاتی ہیں۔

اب رات گہری ہو گئی تھی اسے چین نہ آیا تھا، عافی نے رونا شروع کر دیا تھا اور بے اختیار روتا رہا تھا اب خوف و ہراس بڑھ رہا تھا، اس کا دل درد سہہ سہہ کر سہما ہوا تھا، وحشت سے بری طرح گھبرایا ہوا، اس بھیانک سچ کو جھیلتا ہوا، سانسوں کا اجڑنا محسوس کرتا رہا، وہ بندگی کو جانتا تھا، اس کے منہ سے بددعا نہیں نکل سکتی تھی، لیکن ہماری ستیاناسی کے لیے کسی کی بددعا ضروری نہیں ہوتی، ہماری وجہ سے کسی کی آنکھ سے بہتے ہوئے آنسو بھی بددعا ہوتے ہیں، تڑپ کر لی ہوئی سانسیں بھی بددعا ہوتی ہیں، بددعا منہ سے نکلے یا نہ نکلے جو درد ہماری وجہ سے کسی کے دل سے نکلتا وہ آہ بن جاتا ہے۔ آہ دی نہیں جاتی دکھی دل سے نکالی جاتی ہے اور آہ کا وار خالی نہیں ہوتا۔ آہ لگتی ہے اور ایسے لگتی ہے کہ انسان کی عقل کو چاٹ کھاتی ہے آہ جب لگے تو تدبیریں کام نہیں آتی۔ بے بسی ہی بے بسی کی انتہا ہو جاتی ہے۔ اسے بھی بندگی کی آہ لگی تھی۔ تب ہی تو وہ یہاں تھا لیکن اگر وہ مر گیا تو؟ تو کیا ہوگا، تو کیا ہوگا؟ اگر وہ بندگی سے معافی مانگے بنا ہی مر گیا تو؟ تو وہ پھرتا قیامت بے سکون رہے گا، تڑپتا رہے گا، اگر اس دنیا میں اس دنیا کے ہی بندے کے ساتھ ناانصافی کی ہو تو اس سے اسی دنیا میں ہی معافی مانگ لینی چاہیے، ورنہ نا جانے مرنے کے بعد کسی کی تلاش کا اختیار رہتا ہے کہ نہیں؟ روحیں کسی کو تلاش کر سکتی ہیں بھی کہ نہیں کیا پتا تھا؟

وہ ایک عذاب کو بھگت رہا تھا کسی مردے کو قبر میں گناہوں کی پاداش میں دیے گئے عذاب کی مانند عذاب......

زلزلے کے بعد آنے والے آفٹر شاک اب لگ بھگ ختم ہوئے تھے لیکن اس کے دل میں گناہوں کے جڑ جھٹکے ابھی باقی تھے۔ کیا کبھی وہ بندگی سے معافی مانگ سکے گا، کیا وہ اسے معاف کر سکے گی؟ کیا کبھی وہ اس خدائی قید سے آزاد ہو سکے گا؟ اس نے دعائیں مانگنی شروع کیں، اس حالت میں بھی شکر کیا اسے درد تھا، بہت درد تھا لیکن ایسا نہیں تھا کہ برداشت نہ ہو رہا ہو۔ اس کا چٹخا ہوا پیر سن ہو جاتا تو درد کی شدت میں کمی واقع ہوتی۔ اسی طرح کا حال باقی زخموں کا بھی تھا کبھی کبھی تکلیف بہت بڑھتی اور کبھی کبھی سن ہونے یا اعصاب کا درد سہہ سہہ کر تھکنے کی وجہ سے درد کے سگنل دماغ تک نہ پہنچ پاتے تھے۔ اس نے شکر کیا تھا سچ میں وہ رب کسی کو اتنا دکھ نہیں دیتا کہ وہ برداشت نہ کر سکے۔ دنیا کے سارے اختیار اس کے ہاتھ میں ہے وہ دکھ دے کر ذہن کی حالت کو بگاڑ دیتا ہے، جس دکھ کا سوچ کر ہم لرز جاتے ہیں، اس سے بھی زیادہ دکھ بیتنے والوں پر بیت جاتے ہیں اور وہ اس دکھ میں بھی زندہ ہوتے ہیں اور عافی بھی زندہ تھا۔ اور اس نے زندہ رہنے کی دعائیں مانگی تھیں اس نے التجا کی تھی کہ موت برحقیقت ہے مجھے بس اتنی سی زندگی دینا کہ میں بندگی سے معافی مانگ لوں۔

وہ رب اپنے بندوں سے بہت محبت کرتا ہے۔ آپ اپنے رب سے بے وفائی کر دیں اس کی رحمت کم نہیں ہوتی وہ جس جس احکامات کو کرنے کا کہے آپ ان میں سے کسی پر بھی توجہ نہ دیں پھر بھی آپ پر نوازش ہوتی رہے گی، لیکن اس کے بندوں سے بے وفائی وہ برداشت نہیں کرتا۔ جب ایک انسان کسی دوسرے کے کیے کی وجہ سے روتا ہے دکھی ہوتا ہے آنسو بہاتا ہے تو وہ ستر ماؤں سے بھی زیادہ محبت کرنے والا پھر اپنے ہونے کا احساس یوں دلواتا ہے دراصل قدرتی آفات ہوتی ہی اس قدرت کا احساس ہے جہاں انسانی وجود بے بس ہو جاتا ہے۔

اسے اب جا کے دین کی یاد آئی تھی۔ اس ویرانے میں بچنے والوں کی حوصلہ افزائی کے لیے بڑے بڑے اسپیکرز پر اذانیں دی جاتی تھیں وہ اذانیں سن سکتا تھا لیکن کیا اسے نصیب وقت اور زندگی یہ بھی دن دکھاتی ہے کہ نماز پڑھنے کے وقت کا پتا ہوتا ہے لیکن جسم میں سکت نہیں ہوتی؟ وہ نیت ہی کر لیتا کہ نیتوں کی زبان قدرت سے ذائقے میں ملی جلی ہوتی ہے۔ اس نے زندگی کی زندگی کو مشین قرار دیا تھا

لیکن وہ خود کیا تھا؟ اس نے سی ایس ایس کی تیاری کی خاطر دین بھلا لیا تھا۔ اسے لگتا تھا کہ اس امتحان میں پاس ہو جاؤں تو سب ٹھیک ہو جائے گا؟ پر وہ سوچتا کہ اگر وہ پاس بھی ہو جاتا تو اس حالت میں بھی اپنی ذہانت کا طرہ کہاں گاڑتا؟ وہ جس کے لیے دین بھلا بیٹھا تھا اب وہ کیا کرے کہ موت سر پہ تھی وہ امتحان پاس نہ کر سکا تھا لیکن پھر بھی بضد تھا مستقل مزاجی اچھی سہی لیکن ایسی مستقل مزاجی جو مستقل طور پر دین سے دنیا سے دور لے جائے ایسی مستقل مزاجی سے غیر مستقل مزاجی سہی کہ جب جب جتنا جتنا ہمارے نصیب میں ہوتا ہے تب تب اتنا اتنا مل جاتا ہے محنت شرط ہے وعدہ نہیں۔ جو وفا ہونا لازمی ہو۔

کامیابی کا تعلق سچی لگن سے ہے مختلف جذبے سے ہے، جذبات نیت کا آئینہ ہوتے ہیں۔ اگر آپ محنت اس لیے کرتے ہیں کہ آپ لوگوں سے اونچے اٹھ کر ان کو نیچا دکھا سکے تو چھوڑ دیں محنت اوندھے منہ ہی گریں گے لیکن آپ کے جذبے اگر سچے ہیں تو کچھ نہ کریں بھی تو قسمت بدلنے میں دیر کہاں لگتی ہے؟

وہ اللہ اللہ کر رہا تھا اور اسے اللہ اللہ کرتے کسی لمحے نیند نے آن گھیرا تھا، اس درد، اس کنکروں کے بستر پر بھی نیند آجاتی ہے۔ اللہ بہت محبت کرتا ہے بے شک۔

نیند کے آتے ہی سارے درد ٹھہر گئے، لمبی تنہا تڑپتی پھدکتی رات گزر گئی تھی۔ اگلے دن کا سورج طلوع ہوا تھا، اس کی قبر نما قید خانے میں سورج کی روشنی شگافوں سے جھانکتی تھی۔

بے یقینی کی انتہا تھی وہ کل سے بھوکا پیاسا تھا ان سب کا ناشتہ تیار تھا لیکن آفت برسنے کی صبح وہ سب فائل ڈھونڈ رہے تھے سب کے لیے فائل بہت اہم تھی لیکن کھانا نہیں۔ کاش کھانا بن آئے تو ہم اس لمحے سب کام چھوڑ کر پیٹ بھر لیں، نا جانے قسمت کو کیا منظور ہو؟ لیکن ہم تو سامنے پڑی تھالی کو بدذائقہ کہہ کر کھسکانے والے لوگ ہیں۔

اپنی ہی جگہ پر پڑے پڑے اس کا معدہ اپنے سیل ''خلیے'' نگلنے لگا تھا۔ اسے اپنے ہی معدے سے آوازیں سنائی دینے لگیں۔ جہاں پہلے اس کے پاس حبس اور گھٹن تھی وہاں اب بدبو بھی تھی۔ وہ اپنے بدن سے فالتو مادوں کا اخراج بے ہوشی سی طاری ہونے والی نیند میں کر چکا تھا۔ یوں بھی وہ وقفے

وقفے سے قے کرتا رہا تھا۔ چاچے کا بھی یہی حال تھا۔ وہ بھی ہوش او بے ہوشی کے سفر کرتا اس درد کو جھیل رہا تھا۔ اب انہیں باہر سے کھدائی کی آوازیں آرہی تھیں، ٹوٹتی امید جاگ رہی تھی، کوئی انہیں بھی باہر نکالنے لگا۔ ان کی زبان پر صرف توبہ تھی، کلمہ تھا اور یوں کھدائی کی آوازیں سنتے سنتے سورج کے چھپنے کا وقت آگیا تھا پھر سے اندھیرا، تنہائی، سستی، کمزوری، احساس گناہ، پچھتاوے، فریادیں، پکاریں، آہیں، غراہٹیں، درد، غم اور تکلیف...... وہ ہی جانتے تھے وہ کیسے زندہ تھے۔ پھر رات کے گہرے پہر سے قبل چاچے کی صدا بلند ہوئی۔

اس نے عافی کو پکارا تھا جب کہ وہ پورا دن بس آہ آہ کرتا رہا تھا۔

''عافی، عافی! میری سانسیں بند ہو رہی ہیں۔ میرا وقت آگیا ہے۔''

تسلی دینے کے لیے بھی تو ہمت درکار تھی نا؟ اس نے بڑی مشکل سے حلق سے آواز نکالی اور چاچے سے کہا۔

''اللہ پر بھروسہ رکھو۔'' وہ بس اتنا کہہ پایا۔

''اب کچھ کام نہیں آئے گا عا......ف......ی......'' چاچے کی آواز گھٹ رہی تھی، جیسے حلق کی چاردیواری سے ٹکرا رہی ہو۔

''میں مر رہا ہوں۔''

''میں مر رہا ہوں۔''

''اللہ اللہ۔'' چاچے نے زور دے کر کہا تو گلے میں خراش سی ہونے لگی۔ وہ زور زور سے کھانسنے لگا۔ عافی نے اسے تسلی دینا چاہی تھی لیکن اس کے بس میں نہ تھا اس حالت میں آواز بلند کرنا، اس میں کوئی طاقت کوئی ہمت نہ پائی تھی، چاچا کھانستا رہا تھا وہ بری طرح کھانس رہا تھا۔

کچھ لوگوں کو اگر شراب نوشی سے روکا جائے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ شراب بھی اللہ بناتا ہے۔ نہیں یہ سچ نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے تو انگور بنائے، سنترے، انار بنائے، ہم نے غلط استعمال کیا ان پیداروں کو اور وہ شراب بنائی۔

اگر اللہ نے شراب بنانی ہوتی تو کیا مشکل تھی؟ کیا بھٹے میں بسا دیتا جیسے ناریل میں پانی بھر دیا، ویسے شراب بھی بنا لیتا۔ یہ خانہ خراب مضرِ صحت لذت ہم نے خود تخلیق کی...... چاچے کے زخم اتنے گہرے نہ تھے کہ وہ مرنا مرنا کرا بس شراب نوشی نے اس کی قوت مدافعت کو چٹ کر دیا تھا۔

وہ بری طرح کھانس رہا تھا۔ اور پھر دس منٹ تک شاید کھانستا رہا تھا، پھر چند لمحوں بعد اس کی کھانسی بھی گھٹنے لگی، پھر رفتہ رفتہ گھٹتے گھٹتے جسم کے اندر ہی اندر تحلیل ہونے لگی۔ وہ اب بنا آواز کے کھانس رہا تھا اور پھر آخری کھانسی کا وقت آ گیا۔ اس نے آخری بار با آواز کھانس کر روح کو جسم سے خارج کر دیا تھا۔

عافی اس کی ساری کیفیت کا گواہ بنا تھا۔ اس نے بدقسمتی سے موت کی آمد کو محسوس کیا تھا۔ سب مر گئے تھے اور ہر مرنے والوں کے ساتھ ساتھ اس نے جیسے جسم سے روح کا سفر کیا تھا۔ ہر مرنے والے کے ساتھ مرا تھا۔ اور اب اپنی موت کا انتظار کر رہا تھا۔

چاچی، بچے اور زندگی کے گناہوں کا بوجھ شاید کم تھا۔ وہ موت کا انتظار کیے بنا مر گئے تھے۔ انتظار تو ہوتا جان لیوا ہے اور موت کا انتظار تو ہوتا ہی جان لیے کے لیے ہے۔ اس نے وہاں پڑے پڑے موت کے متعلق سوچا۔ اس نے کہیں پڑھا تھا دیتھ کی ڈفینیشن ''موت کی تعریف'' when all organs are dying جب تمام عضو مر جائیں۔

اللہ! یہ سوچتے ہی بے اختیار اس کے منہ سے نکلا تھا۔ اس کا صرف ایک عضو صرف ایک پیر جیسے درد سے مر رہا تھا اور اس کی تکلیف بے بیاں تھی، اور سارے عضو جب مریں گے تو جا کے موت ہو گی؟ خوف کی انجان سی ایک لہر اس کے تن بدن سے ٹکرائی، جیتے جی موت کے خود کی جانب بڑھتے لمحہ بہ لمحہ بڑھتے قدم کس قدر تکلیف دہ تھے۔ وہ سوچتا وہ کیا کرے؟ انسان کتنا بے بس تھا، کشش ثقل سے باہر کہکشوں کو تکنے والا انسان کس قدر بے بس تھا؟ اشرف المخلوقات کہلوانے والا انسان کتنا بے بس تھا یہ اتنا بے بس تھا کہ اس کے اختیار میں کچھ نہ تھا۔

مجھے دولت، شہرت، عزت سب چاہیے۔ اسے زندگی کی بات یاد آئی وہ جانتی نہیں تھی کہ اسے جو جو

چاہیے تھا اس کے لیے ضروری بس سانسیں تھیں، زندگی تھی، زندگی کو بس ایک زندگی کی ہی ضرورت تھی۔

انسان یہ سمجھ نہیں سکتا کیونکہ وہ خواہشوں اور خوابوں کی بھیڑ میں بھٹک گیا ہے۔ وہ اپنے تخلیق کے مقصد سے بھٹک گیا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ ''انسان اس دنیا میں نہ کچھ پاتا ہے نہ کھوتا ہے وہ بس آتا ہے اور چلے جاتا ہے۔'' زندگی کی سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ ہم اس دنیا میں مہمان ہیں اور مہمانوں کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں۔ ان آداب سے ہم سب واقف ہیں لیکن ہم خود کو مہمان سمجھیں گے تو آدابِ مہمانی سیکھیں گے۔ ہم نہ صرف آدابِ مہمانی بھلا بیٹھے ہیں بلکہ اس دنیا کو اپنا مستقل ٹھکانہ مان بیٹھے ہیں اور اپنے تخلیق کے مقصد سے دور بہت دور ہو گئے ہیں، اگر ہم آدابِ مہمانی نبھائیں جو ملے کھائیں، پئیں اور خوش رہیں۔ اپنے آپ کو تخلیق کرنے والی ہستی کو، خدا کو یاد کریں تو کبھی ارمان نہیں کریں گے۔ پھر تو سچی معنوں میں ہم اس دنیا میں آ کر موجیں کریں گے۔ اگر آدابِ مہمانی سمجھ لیں تو۔

ہم اس دنیا میں آ کے خوار نہیں ہوئے ہیں اس دنیا کو اپنا سمجھ کے خوار ہوئے ہیں۔

رات پھر سے باہیں پھیلائے آن کھڑی ہوئی تھی، اس کا جسم ایک ہی جگہ پڑے پڑے اکڑ گیا تھا، سن سا...... ذرا ذرا سی دیر بعد اسے اپنے جسم میں کرنٹ سا اٹھتا محسوس ہو رہا تھا وہ اپنے ایک طرف ذرا سی حرکت جھیل سکتا تھا جبکہ زخمی پیر کی جانب اس کی حرکت مانو زخموں پر نمک چھڑکنا تھا۔ اب وہ کچھ کچھ دیر بعد کمزوری کی وجہ سے بے ہوش ہو رہا تھا۔ اسی حالت میں اس نے قید میں دوسری رات گزار دی۔ صبح پھر سورج نکلا تھا اسے حیرت تھی وہ زندہ تھا؟ وہ کیوں زندہ تھا؟ مر کیوں نہیں رہا تھا؟ جبکہ پوری عمر اس نے ایسا کچھ تو نہ کیا تھا کہ اتنی طاقت آ گئی تھی۔ اس کی روح تک چھلنی تھی تنہا جسم میں۔ نہ اس نے صحت کے اصولوں کی کبھی پیروی کی تھی نہ ہڈیوں کی بہتری کے لیے سوچا تھا۔ نہ جسم کی مضبوطی کے لیے کوئی تدبیر کی تھی لیکن وہ پھر بھی زندہ تھا۔ انسان کے اختیار میں کچھ نہیں ہوتا، خودکشی کرنے والے کئی افراد اسی دنیا میں پھر سے آنکھیں کھولتے ہیں۔

وہ بھی آنکھیں کھول اور بند کر رہا تھا وہ بھوکا تھا، پیاسا تھا، زخمی تھا اس کے حلق میں جیسے بھوک

اور پیاس کی وجہ سے کانٹے چبھ رہے تھے۔ بھوک سے جیسے جسم و جان کی رگیں کٹ رہی تھیں۔ غنودگی بڑھتی چلی جاتی تھی اب تو قے بھی نہیں آ رہی تھی اور عمل اخراج کے لیے بھی کچھ نہ بچا تھا۔ ہاں اس کے پاس اب آس پاس پڑھے مردوں کی بدولت بہت ابتر تھی، معدہ اپنے خلیے کھا کھا کر السر بننے لگا تھا۔ دن چڑھ آیا تھا اس نے اس قید میں خود پر بے ہوشی اور غنودگی طاری ہوتے ہوئے محسوس کی تھی۔ ایک طرح سے یہ اچھا تھا۔ بے ہوشی اچھی تھی کہ اب ہوش کی دنیا سے اسے وحشت ہونے لگی تھی۔

خدا کی دی ہوئی یوں تو ہر چیز انمول ہے لیکن بے ہوشی درد میں بے ہوشی کی بات ہی الگ ہے۔

جب درد حد سے زیادہ بڑھ جائے تو بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے، تڑپ کم ہو جاتی ہے جسمانی تڑپ کو سہنے کا ایک لاجواب طریقہ بے ہوشی ہے۔ جو کہ ایک قدرتی عمل ہے شاید اس کی فریاد سن لی گئی تھی جو اس پر بے ہوشی طاری ہوئی تھی۔ آس پاس مرے ہوئے اجسام پڑھے تھے شاید اس لیے عافی پر حشرات کے حملے کم ہوئے تھے۔ اس کے بعد وہ بے ہوش ہی رہا۔ وقفے وقفے سے اسے ہوش آتا، پر سر اس قدر بھاری تھا کہ آنکھیں بڑی مشکلوں سے کھلتیں۔ اب نہ تو بہ منہ سے نکلتی تھی نہ کلمہ ادا ہوتا تھا۔ سچ میں توبہ کرنے کا بھی وقت ہوتا ہے، ایک مہلت ہوتی ہے۔ ہمیں اس وقت سے پہلے اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیے۔ اس سے پہلے کہ ہماری زبان نہ ہلے، ذہن سونے لگے۔ اس وقت کے آنے سے پہلے ہمیں اپنے کان اللہ تعالیٰ کے آگے پکڑنے چاہئیں۔ کاش ہم پچھتاوے سے پہلے معافی مانگنا سیکھ لیں تو شاید ہماری قسمت بدل جائے کہ جو اوپر قسمت لکھ رہا ہے وہ نیچے بھی قسمت لکھے گا، لیکن ہم اس قابل کہاں؟ ہم تو دعا بھی مانگتے ہیں تو دل میں کہیں نہ کہیں یہ چل رہا ہوتا ہے کہ نا جانے اللہ تعالیٰ ہماری دعا سن رہا بھی ہے کہ نہیں اور اگر سن رہا ہے تو ہماری دعا پوری کرے گا بھی کہ نہیں؟ ہمیں اگر اپنی قسمت بدلنی ہے تو ہمیں بھروسے مند دعا، بھروسے مند معافی اور بھروسے مند توبہ کی ضرورت ہے۔۔

دانائی اور غیر دانائی، مورچھا گت و بدھ اور غش غش کرتے اس خدائی قید میں اس نے تیسری رات گزار دی، وہ جب پھر سے حالت فہم میں آیا تو اسے نئے دن کے آغاز کا ادراک ہوا، اس کا جسم پھر سے اذیت شدہ خلیات کو محسوس کرنے لگا تھا، اب اس کی آگاہیاں اس کا ساتھ دے رہی تھی اور پھر سے

تکلیف بڑھ رہی تھی، دلی صدمہ بڑھ رہا تھا۔ وہ اب تک زندہ تھا اور اب تک حیران تھا، اب اور نہیں برداشت کیا جا سکتا تھا اس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا اب تک سارا جسم درد ہی درد بن گیا تھا، اسے لگا اب تو بچ نکلنا بے کار ہوگا؟ کیونکہ اب اگر وہ بچ بھی گیا تو جسم کا کوئی نہ کوئی حصہ مفلوج ہو جائے گا اسے محتاجی سے ڈر لگنے لگا تھا، لیکن پھر بھی اس نے امید نہ چھوڑی، اسے یقین تھا وہ نکالا جائے گا، وہ ہمت کر کے ذرا ذرا اپنے اعضا ہلا لیتا تھا۔

اور خدا خدا کر لیتا تھا۔

آج اسے احساس ہوا تھا کہ انسان اس دنیا میں متواتر اور حتمی طور پر مستقل مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خدا خدا بھی نہ کر سکتا تھا، اس حالت میں بھی جبکہ اس کی زبان خدا خدا کر رہی تھی لیکن دل دنیا دنیا کر رہا تھا۔ وہ اب بھی دنیا کے متعلق سوچ رہا تھا کہ وہ ابھی تک اس دنیا میں تھا۔ اس نے خدا سے دعا مانگی۔

''اے میرے اللہ! انسان جب تک اس دنیا میں ہے دنیاداری نہیں چھوڑ سکتا، خواہ وہ لوگ لے لے یا یوگ لے لے، ترکِ دنیا کہہ کر جنگلوں، بیابانوں میں بھٹکے لیکن دل سے دنیا کی فکریں نکال نہیں سکتا، انسان کا دل و دماغ اس دنیا کی گرفت میں رہتا ہے آزاد نہیں ہو پاتا۔ بڑے بڑے ملا، پنڈت، جوگی، یوگی، پادری، اگوری، دین کے محافظ، توبہ توبہ کرنے والے، اس دنیا کے پھندوں میں نہ پھنستے پھنستے، بچ بچ کے نکلتے نکلتے بھی اس دنیا کے پھندوں میں پھنس ہی جاتے ہیں، یہ دنیا اپنے پھندوں میں سب ہی کو جکڑے ہوئی ہے۔ ان پھندوں سے کوئی خدا والا ہی نکل سکتا ہے۔ میں ایک عام سا گنہگار بندہ ہوں۔ تو نے مجھ پر ترس کھا کے مجھے یہ دکھ دیا ورنہ نا جانے میرے سر پر گناہوں کی کتنی بڑی گٹھڑی رکھ دی جاتی۔ میں نادانی میں حد کر گیا تھا اور تو نے دانائی بخشی۔ میرے اللہ میں موت نہیں مانگوں گا، مجھے تجھ پر بھروسہ ہے۔ بھروسہ ہے۔ اس نے دل ہی دل میں دعا مانگی اور پھر بے ہوش ہو گیا اور جب اسے ہوش آیا تو اس کی گھڑی کا الارم بج رہا تھا، یعنی تیسرے دن کے اوقات کے بعد شام کے چار بجے تھے۔ الارم بجنے کے بعد وہ ہلکا سا بیدار ہوا۔ اس کے ذہن کی کڑیاں وہاں سے جڑیں جہاں

سے اس پر بے ہوشی طاری ہوئی تھی۔

''میرے اللہ! میں موت نہیں مانگوں گا۔''

اچانک اس کے پاس زور زور سے آہٹیں ہونے لگیں۔کھدائی کا کام ہو رہا تھا۔ریسکیو والے جلدی جلدی بنا رکے اپنا کام کر رہے تھے،کوئی غیر مانوس آواز تھی اور مانوس آہٹیں۔کوئی سسکیوں کی سنگت میں روتا تھا۔عافی نے اس مانوس آواز کی پہچان کرنی چاہی لیکن اب کون تھا اس کا؟ پر پھر بھی اسے اس زندگی میں انسانی آواز اور آہٹیں کتنی بھلی لگی تھیں۔ان آوازوں کو سن کر اس کے مرتے مرتے جسم میں اچانک جان آئی تھی۔وہ زور زور سے اپنے زندہ ہونے کی نشان دہی کے لیے چیخنے لگا تھا۔غرانے لگا تھا۔یہاں تک کہ چیختے چیختے تھک گیا تھا۔پر اس نے امید نہ چھوڑی کہ زندہ رہنا بھی ایک عبادت ہے اور اب وہ کسی عبادت سے دامن بچا نہ سکتا تھا۔

یہ ریسکیو ٹیمیں نہ تھیں کوئی اپنے پاکستانی بھائی تھے جو انسانی ہمدردی کے تحت ملبوں تلے لاشیں تلاش کر کے ان کے بچے کھچے رشتے داروں کے حوالے کر رہے تھے۔صبح سے شام ہوگئی تھی انہیں کوئی زندگی کے آثار نہ ملے بس ایک بلی کا بچہ زندہ حالت میں نکلا تھا۔اور اب انہیں انسانی زندگی کی کوئی رمق ملی تھی وہ اپنے سارے کام چھوڑ کے اس طرف آئے تھے۔جہاں سے چیخنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔وہ تعداد میں بہت زیادہ افراد تھے اور پنجابی بول رہے تھے۔

''اتھے اتھے اتھوں تو کوئی آواز آئی ہے۔اتھو،اتھو،اتھے آؤ،سارے اتھے آؤ!''

عافی کی جانب آوازیں بڑھ رہی تھیں،حرکات میں اضافہ ہو رہا تھا،کسی کی سسکیوں میں کسی کے رونے میں اضافہ ہو رہا تھا۔اس کی امید بڑھنے لگی تھی،اندر ہی اندر زندگی امڈنے لگی تھی،یقین کی چادر سے بے یقینیاں کھسکنے لگی تھیں۔اس کے دائیں جانب پڑے پتھر کو اٹھانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔وہ پتھر آہستہ آہستہ سرک رہا تھا۔اس خوش نصیب شام کی روشنی اپنی تیز تر رفتار سے بھی تیز رفتاری سے اس کی جانب سفر کر رہی تھی۔بالآخر اس بھاری پتھر کو اس پر سے مکمل طور پر ہٹا لیا گیا تھا۔وہ پھدک رہا تھا،تڑپ رہا تھا،ہاتھ پیر مار رہا تھا۔اسے دیکھ لیا گیا تھا اور اب نکالا جا رہا تھا۔

اس پر سے تمام بھاری پتھر بڑے احتیاط سے گھبرو پاکستانی جوانوں نے اٹھا لیے تھے۔ایک پگڑی، داڑھی والے شخص نے اسے ہاتھ دیا تھا اور کہا تھا۔"نواں جنم مبارک ہوتسی ...... تسی زندہ او۔" عافی میں ہمت نہ تھی کہ وہ ہاتھ آگے کر سکے۔لیکن یہ شخص جو بھی تھا عافی نے اس کا چہرہ کبھی نہ بولنا تھا۔ خدا اپنے بندوں کو بھجواتا ہے آج اس نے سمجھ لیا تھا۔

اسے نکال کر پہلے زمین پر لٹایا گیا تھا اس پر چیونٹیاں کثیر تعداد میں رینگ رہی تھیں۔سب سے پہلے کسی اسپرے کی مدد سے انہیں ہٹایا گیا تھا۔اس کے بعد اسے اسٹریچر میں لٹایا گیا تھا اب ریسکیو کی ٹیم بھی آچکی تھی اس کی ٹریٹمنٹ شروع ہو چکی تھی۔میڈیا والے اس کی فوٹو کھینچ کر خبر بنا رہے تھے، مائیک پکڑ کر کہہ رہے تھے۔

"جا کو رکھے سائیاں مار سکے نہ کوئی۔" یہ ایک بہت بڑی خبر تھی، اب چوتھی رات ہونے کو آئی تھی اور کوئی ملبے تلے زندہ تھا۔لوگ قدرت کا کرشمہ قرار دے رہے تھے، معجزہ قرار دے رہے تھے۔

عافی نے آکسیجن ماسک اپنے چہرے پر محسوس کیا تھا۔اس کی ٹوٹتی کانپتی سانسوں کو روانی ملی تھی۔اس نے خدا کا شکر کیا۔اس کے پیارے اللہ تعالیٰ نے گنہگاری کے باوجود اس خدائی قید میں اسے چوتھی رات دیکھنے نہ دی۔اس کا دل سجدوں میں جھکا تھا۔شکر شکر کا ترنم سا تھا جو اس کے اندر کسی لے کی مانند چل رہا تھا۔

پھر اس گہما گہمی میں اس نے دو سسکیاں سنی تھیں، جواب واضح تھیں۔اس کی آنکھیں مسلسل اندھیرے میں رہنے اور کمزوری کے باعث دور تک نہ دیکھ پا رہی تھیں۔اس کے اثاثوں نے وہ سسکتی آواز پہچان لی تھی۔اس کی پہچان کے بعد اس نے زبردستی اپنی آنکھیں کھولے رکھیں اور دیکھا وہ سسکتی روتی لڑکی بندگی تھی ...... ہاں وہ بندگی ہی تھی۔

☆......☆......☆

ہاں وہ بندگی ہی تھی جو مسلسل سسک رہی تھی۔اس کے سامنے اس کے اپنوں کی لاشیں تھیں۔

دادا، دادی، چاچا، چاچی، معصوم بچے......

او! اس کا دکھ کتنا بڑا تھا۔عافی سمجھ سکتا تھا کیونکہ سچ میں اس ہی زندگی میں اس کا نیا جنم ہوا تھا۔

حساس جنم۔

جو درد، وہ دیکھ آیا تھا اس کے بعد وہ دردوں کی روداد سمجھنے لگا تھا، وہ اس کے پاس جانا چاہتا تھا لیکن اس کا اپنی ہی جگہ سے ہلنا مشکل تھا اس میں تو مسلسل آنکھیں کھولے رہنے کی سکت تک نہ تھی۔ اس کا اسٹریچر اب حرکت میں تھا اسے خبر نہ تھی وہ کہاں سے کہاں لے جایا جا رہا تھا۔ نا جانے کیا کیا علاج معالجے کیے جا رہے تھے اسے بچے کے لیے، کیا کیا ہوا، اسے کچھ پتا نہ چلا تھا۔ اسے بندگی سے دور لے جایا جا رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے پھر سے کھلے رہنے کی سکت رخصت لے رہی تھی۔ نا جانے کیسی کیسی سوئیاں چبھائی جا رہی تھی اور اب کی بار چبھن نے تو اسے سلا ہی لیا۔ وہ اب بے ہوش ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

اور پھر بے ہوش ہی رہا...... نا جانے کتنی گھڑیاں بیتی تھیں، نا جانے کتنے دن؟ اس کی ٹنگ ٹنگ کرتی گھڑی بھی کھو گئی تھی۔ اس نے آج بہت دنوں بعد آنکھیں کھولی تھیں۔ وہ ایک کیمپ میں تھا، ایک نرس اس کی تیمارداری کر رہی تھی۔ وہ ہوش میں آیا تو اس نے اپنے نرم و پروفیشنل لہجے میں اس کا حال پوچھا۔ اس نے جواب نہ دیا وہ اپنے ماحول کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا اس کے جسم پر بہت سی پٹیاں بندھی تھیں۔ اس کے پیر کی چھوٹی انگلی کو آپریشن کے ذریعے ناکارہ کیا گیا تھا۔ ڈرپ کا مفید مائع اس کی نسوں میں پھیل رہا تھا۔ نرس نے اپنا سوال پھر سے دہرایا تو عافی نے ٹھیک ہوں کہا تھا، پھر اس نے اس کا نام طلب کیا۔ اس نے اپنا نام عافی بتایا تھا۔ سارا بیتا منظر ساری آپ بیتی کسی خواب کی مانند اس کے اوسانوں سے ٹکرائی تھی۔ اس نے فوراً اٹھنے کی کوشش کی لیکن نرس نے اسے روک لیا تھا۔

''آپ اٹھیں نہیں آپ کو بہت چوٹیں لگی ہیں۔'' پھر کچھ اور تاکیدیں کر کے وہ دوسرے مریض کی جانب چلی گئی۔ اس اوکھی گھڑی میں ملک بھر سے ڈاکٹرز اور ان کی ٹیمیں آئی تھیں اور بڑھ چڑھ کر زخمیوں کی امداد کر رہی تھیں۔ نرس کے جانے کے بعد عافی نا جانے کتنے ہی پل بنا کچھ سوچے سمجھے اپنی جگہ پر ساکت رہا تھا اور پھر وہ سسکیاں سنائی دی تھیں جو اس نے بے ہوش ہونے سے پہلے سنی تھی...... بندگی؟

وہ اٹھ بیٹھا تھا اور کہیں جانے لگا تھا، نرس نے اسے روکنے کی کوشش کی۔

''بہت بار کہا سکون رکھیں آپ کا کہیں جانا ٹھیک نہیں۔''

لیکن وہ کیا جانتی تھی اس کو سکون اب کبھی نہ آنا تھا۔ وہ بے اختیار اٹھ کر باہر آیا۔ چاچے کی آخری لمحات

کی باتیں، دادا جی کی آخری سانسیں، دادی کا اللہ اللہ کرنا اور آخری سسکیاں...... اسے سب یاد آ رہا تھا۔

اس کے ساتھ اور بھی کیمپ لگائے گئے تھے اور سامنے ہی لوگ خیمے لگائے بیٹھے تھے۔ بچے اپنی ماؤں سے اپنے گھروں کا پوچھتے تھے؟ وہ سمجھ نہ پا رہے تھے کہ ان کے وہ گھر جہاں وہ آرام سے رہتے تھے وہ کہاں گئے؟ اور وہ کیوں یہاں ہیں؟ ان کی مائیں کیوں روتی رہتی ہیں؟ اٹھ کر کوئی کام کیوں نہیں کرتی؟ کھانا کیوں نہیں بناتی؟ وہ بچے خالی آنکھوں سے اس جڑے جہاں کو دیکھتے، جہاں انہیں ناجانے کس کے کپڑے پہننے کو مل رہے تھے؟ ناجانے کس کی چادریں سر ڈھکنے کو دی جا رہی تھیں، ان کے سامان کہاں گئے؟ کہاں گئے ان کے کھلونے؟ یہ کیسے پلاسٹک کی تھیلوں میں ملنے والے کھانے تھے؟ وہ کیسے سمجھتے کہ وہ زلزلہ متاثرین ہیں، وہ کیسے سمجھ لیتے کہ وہ ایک آفت سے گزر آئے ہیں؟ عافی سے ٹھہرا نہ گیا بچے اب اپنے بابا کا پوچھتے تھے جواب کبھی نہ آنے تھے۔

ذرا دور چل کر آیا تو لوگوں کی فریادیں تھیں، چیخ و پکار تھی، بستیوں کی بستیاں اجڑ گئی تھیں، شہر کے شہر اجڑے تھے، کچھ نہ بچا تھا، سب ڈھے گیا تھا، ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر گیا تھا، عمارتوں کی جگہ ملبے پڑے تھے، ہر سو آفت رسیدہ ہوئی تھی، سب کچھ تہس نہس ہو گیا تھا، بربادیاں ہی بربادیاں تھیں، مصیبتیں ہی مصیبتیں۔

ہر آنکھ نم تھی۔ ہر آنکھ نم تھی۔

"وچن۔"

اس نے وچن کا نام لیا تو اس پر چھائی کیفیت کا شیشہ چٹخا۔ اس نے عافی کے ماضی سے نکل کر اپنا حال دریافت کیا۔

ہفتہ 8 اکتوبر 2005ء ملک کے بالائی حصوں پر قیامت بن کر آئی تھی، دیہات صفحۂ ہستی سے اجڑ گئے تھے۔ ہزاروں افراد لقمہ اجل بن گئے تھے، سب کھنڈرات میں تبدیل ہو گیا تھا، پہاڑوں نے اپنے ہی لوگوں کو نگل لیا تھا۔ یہ ایک ایسا سانحہ تھا کہ تاریخ کے وہ ابواب ذہنوں میں اتر آئے، جس میں قدرتی آفات نے عذاب الٰہی نے بڑی بڑی قوموں کو زمین بوس کیا تھا۔

اس صبح قدرت نے تمام تصورات، خیالات، الزامات اور بداعتمادیوں کو ایک ہی جھٹکے میں خاک تر کر دیا تھا۔

وچن چپ چاپ کھڑی تھی۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا، عافی بھی بے چین، بے تاب سا تھا، اس نے ہمدردی سے عافی کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔ شام ہونے کو آئی تھی اسے گھر نہیں جانا تھا۔ اس نے ایک غم زدہ کو غم یاد دلوایا تھا تو اس کے غم میں شریک بھی ہونا تھا۔ وہ سب کچھ بتا رہا تھا وہ سب کچھ سن رہی تھی جبکہ اس کا دل تو بس بس کرتا تھا۔ عافی کے درد سے سائیں سائیں سی نکلتی تھیں۔ وچن نے عافی کی زبانی اس قید کا منظر جیسے خود دیکھا تھا۔ سب کچھ بربادیوں کے سپرد ہوا تھا کچھ نہ بچا تھا۔

''بندگی نے کیسے یہ سب برداشت کر لیا تھا؟'' وچن نے ٹھہر ٹھہر کر پوچھا تھا۔

''نا جانے کیسے برداشت کر لیا ہوگا؟ ہے بھگوان، کیا تم؟''

''میں اس سے آج تک نہیں ملا۔ آخری بار اسے سسکتے دیکھا تھا اور آج تک وہ سسکیاں......''

''لیکن کیسے عافی؟ تم کیوں نہیں مل پائے اس سے؟ تم کیوں نہیں گئے اس کے پاس؟''

''کیسے نہ جاتا وچین...... کیسے نہ جاتا؟'' اس نے تاسفاً کہا۔

''کہاں کہاں نہیں چھوٹا...... کہاں کہاں نہیں بھٹکا۔ ذ ذ

''عنایت؟ کیا عنایت بھی زلزلے میں......'' وچن نے ابھی پوچھا ہی تھا کہ وہ تڑپا ہوا مزید تڑپ بیٹھا۔

''عنایت میرے گناہوں میں سے ایک اور گناہ تھا۔ اس کا انتخاب تو بندگی کے لیے اس سے بھی بڑی تکلیف تھی جو میں اسے دے چکا تھا۔ کچھ لوگ دوہری زندگی جیتے ہیں۔ ان کے آس پاس سب فریب ہوتا ہے۔ وہ اپنی فریبی فطرت سے کہانی کار بن جاتے ہیں اور خود اگر ایسی زندگی جی نہیں پاتے جو وہ جینا چاہتے ہیں تو اپنی زندگی کو ایسا ایک کردار بنا دیتے ہیں۔ وہ دوغلی زندگی جی رہے ہوتے ہیں۔ اس روز جب میں کیمپ میں جاگا تھا اور میرے قدم بندگی کی تلاش میں نکلے تھے۔ میں اس کے پاس جانا چاہتا تھا۔ وہ 16 اکتوبر کا دن تھا لیکن ہم ہمارے اختیار میں کہاں ہوتے ہیں؟ میں ابھی کیمپ سے کچھ ہی قدم چل آیا تھا اور پھر سب اجڑے بجرے دیکھ کر وہیں گر پڑا تھا۔ نا جانے کیسی کمزوری آن پڑی تھی۔ میں ان قید کے دنوں میں سلامت رہا اور اب جب آزاد تھا تو نہ سلامت تھا، نہ ہمت تھی، نہ صحت تھی نہ

تندرستی۔ انسان کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہوتا وچن! میں اس روز جو بے ہوش ہوا تھا تو پھر دو ماہ بعد جاگا تھا۔اس وقت میں ایک ہسپتال میں تھا اور مجھے پتا چلا کہ میں کوما میں گیا تھا۔اس قید میں بھوک پیاس جھیل تو لی لیکن اس کے اثرات ابھی باقی تھے۔ مجھے اس وقت صرف بڑی چوٹوں کا ادراک تھا لیکن میرا سارا جسم چھلا ہوا تھا۔اس زمین کی تہہ پر ہماری نہیں چلتی۔ یہاں رینگنے والے راج کرتے ہیں۔ حشرات نے مجھے کئی جگہوں سے کاٹ کھایا تھا وہ میرے خون پر پلنے لگے تھے۔ڈاکٹروں نے بتایا تھا انہوں نے بڑی مشکل سے میری جان بچائی تھی۔ہوش میں آتے ہی میں اپنے گھر گیا تھا لیکن اب تو وہاں ملبہ بھی نہ بچا تھا سب کچھ ختم ہو گیا تھا حتیٰ کہ گرنے والی اینٹیں تک موجود نہ تھیں۔اس کے بعد میں پنڈی آیا تھا۔عنایت کے بنگلے میں؟ اور یہاں آکر میرے گناہوں کی ایک اور کتھا سنائی دی۔ یہ بنگلہ عنایت کا تھا ہی نہیں اور نہ ہی وہ گاڑی عنایت کی تھی جس پر وہ مجاہد صاحب کی دکان پر آتا تھا۔وہ تو اس بنگلے کے مکینوں کا ڈرائیور تھا۔ جو خود بھی یہاں ملازم تھا اور بندگی بھی شادی کے بعد یہاں برتن اور کپڑے دھونے کی ملازمت کرتی تھی۔ میرا دل پسیج گیا تھا جیسے تیسے میں اتے پتے لیتا عنایت کے درست پتے پر پہنچا۔ یہ کچی آبادیوں کا علاقہ تھا اور زلزلے نے یہاں بھی قیامت برسائی تھی۔دو ماہ بیت چکے تھے۔کچھ لوگوں نے اپنے مٹی کے گھر پھر سے بنائے تھے۔ان سے پوچھنے پر کسی مستری کے متعلق پتا چلا جن کے کچے مکان کے ایک پورشن میں عنایت اور بندگی رہتے تھے۔انہوں نے بتایا کہ عنایت ذلیل فطرت کا حامل تھا۔وہ شروع کے دنوں میں ہی بندگی کو پیٹتا رہتا، لڑتا گالی گلوچ کرتا۔اور کہیں چلا جاتا تو کئی دن اسے گھر میں بند کر کے جاتا۔اور وہ اُف نہ کرتی تھی ،لیکن پھر بعد میں اپنے ساتھ کہیں نوکری پر لیجاتا تھا۔مکان مالکن نے اسے وہ ٹوٹا پھوٹا روشن دکھایا تھا جہاں اب کوئی نہ تھا۔اس کے مطابق عنایت بھی زلزلے کا شکار ہوا تھا وہ اس وقت ڈرائیونگ کر رہا تھا جب اپنی رفتار سے چلتی گاڑیاں زمین کے ڈولنے سے بے قابو ہوئی تھی اور نجانے کتنی گاڑیاں ایک دوسرے سے بری طرح ٹکرائی تھیں۔وہ بچ نہ پایا تھا۔اس کے مالکوں نے اس کا کفن دفن بندگی کی موجودگی میں کیا تھا اور اسے کچھ رقم بھی دی۔اس کے بعد وہ اپنے گھر چلی گئی تھی۔

میں یہاں سے نکل کے عنایت کے آبائی گاؤں آیا تو پتا چلا یہاں بھی اس کا کوئی نہ تھا جس خواتین اور مرد سے وہ لوگ عنایت کے والدین کے طور پر ملے تھے وہ اس کے صرف پرانے پڑوسی تھے اور بندگی کو انہوں نے شادی کے بعد سے اب تک نہ دیکھا تھا۔ نا جانے میں کیسے بہروپ کا شکار ہوا تھا۔ عجلت میں بندگی سے جان چھڑانے کے لیے میں نے انجانے میں ایک اور گناہ کر لیا تھا اور بندگی نے بھی کبھی شکایت نہ کی اس کے بہروپ میں شامل ہو کر خود بھی بہروپ کا شکار بن بیٹھی۔ وہ اس گھر کی نوکرانی تھی جس گھر میں ہم اس سے وڈیو کال پر بات کرتے تھے اس نے ایک بار بھی سچائی نہ اگلی۔ وہ گاڑی جس میں کبھی عنایت آتا تھا اس میں بندگی بھی آیا کرتی تھی اماں کس گاڑی کو دیکھ کر کتنا خوش ہوتی تھی۔ آہ......" اس نے درد بھری آہ لی تو وچن نے بھی اف اف کیا۔

❁ ❁

ناول رنگِ حیات کی اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی **20** تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

نگہت سیما کا بہت خوبصورت نیا ناول

اِک دیا ہے ہاتھوں پر

ہر ماہ باقاعدگی سے کتاب گھر پر پیش کیا جا رہا ہے
نئی اقساط پڑھنے کیلئے وزٹ کریں

kitaabghar.com

سمیرا سرفراز کا بہت خوبصورت نیا ناول

شاخِ دل زرد ہے

ہر ماہ باقاعدگی سے کتاب گھر پر پیش کیا جا رہا ہے
نئی اقساط پڑھنے کیلئے وزٹ کریں

kitaabghar.com

قسط نمبر 6

”کیسے بندگی نے اتنا کچھ سہا ہوگا؟ بیٹی دیتے وقت عاجز نہیں سفاک بننا چاہیے۔ جان پہچان والے کی بھی جان پہچان نکالنی چاہیے۔ خاندان رشتے دار، پڑوسی سب سے ملنا چاہیے۔ یہاں تک کہ بیٹی دینے والے گھر کے کچرہ اٹھانے والے شخص سے بھی ان کی روایات کا پوچھنا چاہیے۔
اف اف! کیسے سہا ہوگا بندگی نے سب؟ اور وہ سب اپنے؟ کیسے ان کی لاشیں دیکھی ہوں گی؟ کیسے تنہا ان کا دفن کفن کیا ہوگا؟ وہ کیسے نہ ملی تمہیں عافی، کہیں تو ہوگی نا؟ یا پھر کہیں نہیں؟“
”ایسا نہ کہو وچن، میں اس کے مل جانے کی آس پہ زندہ ہوں۔ مجھے میرے دل نے اس کے چلے جانے کے بعد ہی اس کی اپنی زندگی میں اہمیت کا احساس دلوانا شروع کر دیا تھا لیکن میں ہی اپنے اندر کی جنگ لڑتا رہا، اس کی ہر یاد کو اور اپنی بے چینی کو اس کی عادت سمجھتا رہا، لیکن زلزلہ آنے سے قبل ہی میں نے اپنی محبت کو سمجھ لیا تھا۔ محبت کو مان لیا تھا، میں اس کے بنا جی نہیں سکتا تھا اور اس کو پھر سے پانے کی تدبیریں سوچ رہا تھا۔ نا جانے کس کس گناہ کے تانے بانے میرے اندر جڑنے لگے تھے۔ میں نے فیصلہ کر دیا تھا کہ میں عنایت کو بندگی اور اپنا سچ بتا دوں گا لیکن اس سے قبل خدا نے مجھ پر ترس کھا لیا اور ایک گناہ سے بچا لیا ورنہ میں خود غرضی میں اتنا گر چکا تھا تو محبت میں نا جانے کیا کچھ کرتا؟ محبت تو ہوتی ہی اندھی ہے۔“
”نہیں عافی، تم کچھ نہ کرتے۔ محبت اندھی ہوتی ہے۔ میں مانتی ہوں لیکن اس کا اندھا پن صرف محبوب کی حد تک ہوتا ہے۔ جیسے تمہیں نظر نہیں آ رہا تھا کہ وہ کسی اور کی ہے لیکن یہ جذبہ جب سر چڑھ کر بولتا ہے تو انسان کا وجود ہی بدل جاتا ہے، نظریہ ہی بدل جاتا۔ جس دل میں محبت آ جائے اس دل میں رحم، ترس اور خوفِ خدا خود آ جاتے ہیں۔ تمہیں لگتا ہے تم اس قید کی تڑپ کی وجہ سے بدلے ہو؟ نہیں عافی، تم تو

اس قید میں آنے سے پہلے ہی بدل چکے تھے۔ تب ہی تو اس رات تم سو نہیں سکے تھے۔ تم نے ٹھیک کہا تھا اس قید کا دکھ تمہاری زندگی کو سکھ میں بدلنے کا تھا۔ ہم سب اپنی تخلیق کے مقصد سے دور ہو گئے ہیں لیکن کچھ لوگوں کو رب ان کی تخلیق کا مطلب سمجھا دیتا ہے۔ دیکھو خود کو کتنا میسر ہے تمہیں ہاں بس سکون ہی میسر آ جائے بس، یہ سب تو بس مجاہد صاحب کی مہربانی ہے، وہ کہتے تھے میں کسی پرانے بلیے کی نسل کا ہوں۔"

عافی کے اداس لبوں پر اپنے دوست کی یاد سے پل بھر کے لیے مسکان آ گئی اور پھر وہ اداس ہو گیا۔ اس جان لیوا قدرتی آفت سے مجاہد صاحب بھی نہ بچ سکے تھے۔

ان کے پیچھے ان کا پھیلا ہوا کاروبار، ایک ان کی بیوہ اور دو معصوم بچیاں تھیں۔

زلزلے کے بعد حکومت پاکستان نے ملازمت کے بہت سے موقع دیئے تھے لیکن میں نے پھر کبھی اپنی ڈگریوں کی خبر نہ لی۔ مجاہد صاحب کی بیوی نے جنہیں میں باجی کہتا تھا، انھوں نے مجھے اپنے خاندان پر ترجیح دی، مجاہد کی وفات کے بعد سب کی نظر ان کے کاروبار پر تھی پر باجی نے میکے اور سسرال کو چھوڑ کر مجھے ان کی دکانوں کی چابی دی تھی۔ نا جانے اتنے گناہوں میں یہ ایمانداری کی نیکی مجھ سے کیسے ہو گئی تھی کہ اس مختصر سے عرصے میں وہ مجھ گنہگار کو اس قدر ایماندار، سچا اور دیانت دار سمجھ بیٹھے تھے کہ اپنی زندگی میں میرا ذکر بڑے ہی مخلص انداز میں باجی سے کیا کرتے تھے اور انہیں بھی لگنے لگا کہ ان کے شوہر کی نظر کسی کو پہچاننے میں کوئی غلطی نہیں کر سکتی، اس لیے وہ بضد ہو گئی۔ مجھے بھائی بھائی پکار کر اپنی بیٹیوں پر ترس کھانے کا کہنے لگی۔ اگر میں وہی عافی ہوتا تو اپنے خوابوں کو چن کر بڑے احترام سے ان کو ان کے حال پر چھوڑ کر معذرت کر لیتا لیکن میں تو ایک قیدی تھا جو اپنی قید سے باعزت بری ہوا تھا۔ وچن جانتی ہو ایک عام انسان اور ایک قیدی میں کیا فرق ہوتا ہے؟"

وچن نے نفی میں سر ہلایا۔

"عام انسان کے سر پر قیدی ہونے کا ٹھپہ نہیں لگتا۔ اور قیدی پر یہ ٹھپہ لگ جاتا ہے۔ ہر ایک قیدی باعزت بری ہونے کے باوجود بھی لوگوں کی نظروں میں خود کو سرخرو ثابت کرنے کے لیے اچھے اچھے کام شروع کر بھی دے تو وہ ٹھپہ اس سے جدا نہیں ہو پاتا، لوگوں کی نظروں میں اٹھ نہیں پاتا؟ مجھ

پر، میرے دل ودماغ پر بھی قیدی ہونے کا ٹھپہ لگ گیا تھا، میں باعزت بری ہونے کے باوجود بھی اپنی نظروں میں خود کو اٹھانے کے لیے باجی کا مان رکھ بیٹھا۔ ان سے دکانوں کی چابیاں لیں اور پھر مجاہد صاحب جیسے انسان کی حق حلال کی کمائی میں ایسی برکت ہوئی کہ میں آج یہاں ہوں، ان چند دکانوں کے کاروبار میں، میں نے بزنس کو اچھی طرح سمجھ لیا اور ایمانداری سے آگے بڑھتا گیا۔ میرے رب نے مجھے میری اوقات سے زیادہ نوازا ہے، مجھے کچھ نہیں چاہیے بس میں بندگی کو ڈھونڈنا چاہتا ہوں۔''

''لیکن عافی! اتنے دن ہوگئے۔ اتنے سال بیت گئے۔ یہ 2018ء ہے۔''

''ہاں! 13 سال ہوگئے۔''

''عافی!'' وچن نے حیرت سے اسے پکارا اور اس نے مزید لمحات کو جمع نفی کر کے بتایا۔

''4,748 دن اور......''

''اور بس عافی! تمہیں تمہارے خدا کا واسطہ عافی! یہ اذیت بھرا انتظار ختم کرو'' اس کا دل تڑپ اٹھا تھا۔

''میں قیدی ہوں وچن! قیدیوں کے اختیار میں کچھ نہیں ہوتا، ان کا ماحول بس ایک جیل سے دوسرے جیل کی منتقلی سے بدلتا ہے۔ میرا بھی ماحول بدلتا رہتا ہے لیکن قید ختم نہیں ہوتی۔''

''تم آزاد ہو عافی، تمہارے قید خانے پر اب نہ تو کوئی پہرا ہے اور نہ ہی کوئی بندش، سب ہی دروازے کھلے ہیں، نکل آؤ اس قید سے، نئی زندگی میں قدم رکھو۔ ختم کردو یہ سلسلہ۔ محبت کبھی ختم نہیں ہوتی اور نہ ہی محبت کے سلسلے۔ جب ایک ہی جگہ کھڑے رہو گے تو سارے منظر کیسے دیکھ پاؤ گے عافی! move on عافی، نکل آؤ اس قید سے۔ تمہاری اتنی بڑی پہنچ ہے عافی کہ کھڑے کھڑے تم کسی بھی شخص کے کھاتے نکلوا دو، لیکن تم بندگی کو نہیں ڈھونڈ سکے تو ہو سکتا ہے وہ اس دنیا میں۔'' اس نے بڑے احتیاط سے کہا کہ عافی تڑپ نہ اٹھے۔ پر وہ تڑپ اٹھا ہی تھا۔

''نہیں وچن نہیں، وہ زندہ ہے۔''

''اور اس کا کیا ثبوت ہے عافی کہ وہ زندہ ہے؟''

''میں وچن میں! میں ہوں اس کے زندہ ہونے کا ثبوت۔ میں زندہ ہوں۔''

''عافی!'' اس نے دردمندی سے اسے پکارا۔

''یہ ہوائیں ہیں نا، یہ اسے چھو کے میرے پاس آتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ وہ میرے آس پاس ہے۔ وہ بس مجھ سے خفا ہے، اللہ والی ہے سچی نیک ایماندار، سارا دن دعائیں مانگتی ہے اب بھی مجھ سے سامنہ نہ ہونے کی دعائیں مانگتی ہوگی، اصل میں اس کی پہنچ بہت بڑی ہے۔ میری پہنچ دنیاوی ہے، اس کی پہنچ روحانی ہے۔''

''اگر ایسا ہے تو ایسا ہی سہی، وہ تم سے سامنا نہ ہونے کی دعائیں مانگتی ہوگی لیکن مجھے نہیں جانتی وہ کہ اب میں اس کے پیچھے پڑ جاؤں گی، ڈھونڈ لوں گی تمہاری بندگی کو......'' اس نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا اور آفس سے نکل آئی۔

رات ہونے والی تھی اسے پنڈی پہنچنا تھا، اسے با آسانی ٹیکسی مل گئی تھی، آج کچھ ملے جلے کیفیات تھے، وہ رات بھر جاگی تھی، صبح شان اور اس کی ماں سے اس کا سامنا ہوا اور پھر عافی کے ماضی سے۔

کتنی چاہ تھی اس کی کہ وہ عافی کے متعلق سب کچھ جان لے اور جب اب سب کچھ جان گئی تھی تو اسے لگتا تھا ابھی خود کو جاننا باقی ہے۔ انسان اپنے اندر تہہ در تہہ چھپا ہوتا ہے، یادداشتوں کے اندر، یادداشتیں، کچھ بھولی ہوئیں، کچھ یاد، یادیں، جذبوں کے اندر جذبات، کچھ خود سے کہے، کچھ ڈھکے چھپے جذبات، خواہشوں کے اندر خواہشیں، کچھ سمجھی کچھ نا سمجھی خواہشات، دنیا کے آدھے سے زائد قاتلوں کا یہ کہنا ہوتا ہے کہ کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا کہ وہ سفاکی کی حد پار کر کے کسی کو قتل کریں گے؟ اف...... وچن کا دماغ بھاری ہو گیا تھا اسے ٹیکسی میں نیند آ گئی۔ پنڈی آنے پر جب ٹیکسی ڈرائیور نے گھر کا پتا پوچھا تو وہ بیدار ہوئی۔

ٹیکسی سے جب وہ اتری تو رات ہو چکی تھی۔ اس وقت تک اسے شدید سردی بھی لگ چکی تھی اور گھر کا منظر بھی کچھ آگ بگولہ سا تھا۔ دیپک گھر آیا تھا اور وچن گھر پہ نہ تھی اس کی ساس کے پاس اچھا موقع تھا بہو کی من مانیوں کا بدلہ لینے کا، وچن کے آنے تک وہ جتنے اپنے بیٹے کے کان بھر سکتی تھی اس نے بھرے۔ اب بس اس کی آمد کا انتظار تھا۔

دیپک کی طبیعت اب بھی مکمل ٹھیک نہ تھی، اس کے دل سے جیسے دھواں سا اٹھ رہا تھا۔ وہ شدید غصے میں تھا اور مٹھیاں بھینچ کر آنگن میں اس سردی میں ٹہل ٹہل کر اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے سفید قمیض پر ماں کے ہاتھ کا بنا آف وائٹ سویٹر پہن رکھا تھا۔ اس کی نظریں بار بار ہاتھ میں باندھی گھڑی کا وقت تک رہی تھی، جوں جوں وقت گزر رہا تھا، اس کے غصے میں بتدریج اضافہ ہو رہا تھا۔

ہوا بے حد سرد تھی، سردی کی شدت کی وجہ سے اس کے قدم سست رفتاری سے چل رہے تھے۔ جب سے شادی ہوئی تھی اس کی کبھی ایسا نہ ہوا تھا کہ وہ دیپک کے گھر آنے سے پہلے گھر میں موجود نہ ہو لیکن آج تو بہت دیر ہوگئی تھی وسارا دن گھر سے باہر رہی تھی اور اسے یہ احساس بھی نہ تھا کہ جلدی جلدی گھر جانا تھا۔ وہ نا جانے اپنے اندر کس کس پہلو کو ٹٹول رہی تھی۔ اس کے قدم گھر کی طرف چل رہے تھے اور بالآخر اس کے ہاتھوں نے گھر کا دروازہ بجایا۔

اس کی ساس نے دروازہ کھولا تھا اور جوں ہی دروازہ بند کر کے وہ اندر آئی، دیپک شدید غصے میں اس کے سر پر جیسے کھڑا تھا۔ وہ آج کسی اور احساس سے ہی دیپک کو دیکھ رہی تھی۔ اپنے کتنے ضروری ہوتے ہیں اپنی زندگی کے لیے، اسے عافی کی تنہائی دیکھ کر آج احساس ہوا تھا۔

''کہاں تم تم سارا دن؟'' دیپک نے آتے ہی اس کے منہ پر زوردار طمانچہ رسید کیا تھا لیکن وچن نے برا ماننے کی بجائے کچھ کہنے کی بجائے آنکھوں میں پانی بھر لیا اور جس ہاتھ سے دیپک نے اسے طمانچہ مارا تھا، اسی کو عقیدت سے تھام کر بوسہ دیا۔ اس کے آنسو اس کی ہتھیلی پر گرے تھے اور اتنا ہی نہیں وہ آنکھوں میں آنسو بھر کے کملا کی طرف بھی آئی اور اس کے پاؤں چھو کر بنا کچھ کہے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ کملا سن سی اپنی جگہ کھڑی رہی۔ دیپک کا سارا غصہ پچھتاوے میں بدل گیا تھا۔ بے وجہ ہی اس نے اس پر ہاتھ اٹھا لیا۔

''ست سنگ سن کے آئی ہوگی، کچھ ایسا سن لیا ہوگا کہ دل بھر آیا ہوگا'' دیپک نے ماں سے کہا اور اپنے ہاتھ کو شدید پچھتاوے سے دیکھا۔

☆......☆......☆

اس رات بھی وچن کو نیند نہ آئی۔ اگلے دن بھی وہ اسکول پڑھانے نہ گئی اور اس سے اگلے دن اس نے اس نوکری سے جان چھڑا لی، جو وہ گھر والوں کی مرضی کے بنا کر رہی تھی۔
دیپک نے صحیح سمجھا تھا کہ وہ کسی ست سنگ سے آ رہی ہے۔ ہاں ایسا ہی تھا۔ عافی کی کہانی ایک ست سنگ ہی تھی۔ ست سنگ انسان کو بدلنے اور زندگی کو صحیح معنوں میں پرکھنے کے لیے سنگت کو دیا جاتا ہے جیسے ہدایت۔
عافی کی زبانی کہا ہوا ایک ایک لفظ اس کی زندگی کو بدل رہا تھا، انسان اگر اپنی ضدوں کو اندر ہی اندر توڑ کر بے ضد بن جائے تو اس کے پاس جو جو نعمتیں ہیں اس کا اسے ادراک ہو گا۔
وچن نے بھی اپنے آس پاس دیکھا، کیا کچھ نہ تھا اس کے پاس؟ یہ گھر، پتی، بیٹا، تعلیم، آسودگی، پیسہ پائی، نام، دولت، شہرت...... کیا نہ تھا اس کے پاس۔ اگر سب کچھ تھا تو ناشکری کیوں تھی؟ یہ من مانیاں کیوں تھیں، کیا حرص تھی جو اسے اپنوں سے بغاوت کرنی پڑی؟
ساری برداری اس کے پتی کے گن گاتی تھی، اس کے غریب ماں باپ سے جہیز نہ لے کر تو اس نے ایک مثال کھڑی کر دی تھی۔ اس کے باپو جی اس کی ماں دیپک پر تو جیسے واری صدقے جاتے تھے اور وہ اپنے پتی سے مہینوں کے مہینوں بات نہ کرتی تھی، کیونکہ اس نے اسے سب کچھ دیا تھا بس ماں پر ترجیح نہ دے سکا اور اسے پڑھنے کی اجازت نہ دی۔
تو کیا ہوا، وہ ماں کو ترجیح دیتا تھا، کیسے کیسے مرد ہوتے ہیں، نا جانے کیسے کسوں کو ترجیح دے بیٹھتے ہیں اور اس کا پتی اس کی اپنی ماں کا فرماں بردار تھا، ماں کی فرماں برداری کا درس تو اس کی اخلاقیات بھی دیتی ہے یہ خوبی تو ہر ایک انسان میں ہونی چاہیے تو پھر وہ کیوں اپنے پتی کی اس خوبی کو خامی سمجھتی ہے، کیوں ناشکری کرتی ہے، کیوں دل جلاتی ہے؟ شاید اس لیے کہ اس کے باپو جی نے اسے پڑھنے نہ دیا، کچھ بننے نہ دیا۔ انسان کیوں اپنی بیٹیوں کو پڑھاتا ہے؟ تاکہ وہ مستقبل میں وقت آنے پر کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے اور اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکے۔ اگر کوئی باپ یہ دیکھ لے کہ اس کی بٹیا کے لیے ایسا بر آیا ہے جو اس پر برا وقت آنے ہی نہ دے گا تو کون سا باپ ہو گا جو اپنی بچی کے بچپنے کو دیکھ کر اس کی ضد

پورا کرے گا؟ اگر دیکھا جائے تو وچن تعلیمی میدان میں جس طرح آگے بڑھ رہی تھی تو اس کی رفتار کو قائم رکھنے میں بابو جی کا ہی فائدہ تھا۔ کتنے خاندان ایسے ہیں جنہوں نے بیٹیوں کی کمائی کی خاطر انھیں وداع نہ کیا اور ان کے ارمان دل میں ہی رہے۔ بابو جی نے اسے عزت سے وداع کیا۔ بیٹیاں اور کوئی ماں باپ کی خدمت کرے یا نہ کرے، رخ بس عزت سے اپنے میکے سے وداع ہوں اور صبر سے سسرال میں رہیں تو سمجھو والدین کا فرض ادا ہو گیا۔ تو وہ کیوں اپنے فرض سے غافل ہو رہی تھی؟ کیا کرے گی وہ ڈگریوں کو جب دیپک اس کے پاس نہ رہا۔

اسے سمجھ آ گیا تھا اس کا مسئلہ کیا تھا۔ دراصل اسے ناشکری کی بیماری لگی تھی۔

جب انسان کے پاس سب کچھ ہو اور وہ پھر بھی رو، مرکھپ رہا ہو تو سمجھو اسے ناشکری کی بیماری ہے۔ اور اسے اب شکر تھا کہ عافی کی وجہ سے اس سے یہ ناشکری چھوٹ گئی۔

اسے تھپڑ رسید کرنے کے بعد دیپک شدید شرمندہ تھا، آج گھر آتے ہی وہ سب سے پہلے کچن میں وچن کے پاس آیا اور پوچھا۔

''سنو! تمہیں زیادہ درد تو نہیں ہوا؟''

''نہیں! آپ فکر نہ کریں اور بس بھول جائیں۔''

''تمہارا دل بہت بڑا ہے وچن'' اس نے کہا ہی تھا کہ کمل بھاگتے ہوئے چلا آیا۔ اس کی نئی ویڈیو پر من چاہے لائیکس آئے تھے۔

وہ خوشی خوشی اب دادی کے پاس گیا تھا اور پھر موبائل لے کر دوستوں کے پاس۔

''میرے بیٹے تے تو ابھی سے نام پیدا کر دیا۔''

''آپ کا بیٹا جو ہے، نام تو پیدا کرنا ہی تھا۔''

''نہیں وچن، مجھے تو یہ سب آتا ہی نہیں۔ ہماری سگائی کے بعد جب مجے پتا چلا کہ تم پڑھی لکھی ہو تو نا جانے کیسے کیسے خدشات دل میں چلے آتے تھے لیکن آج جب کمل کو دیکھتا ہوں تو لگتا ہے اگر تم نہ ہوتی تو کمل بھی بس سڑکوں پر پھر رہا ہوتا۔ تم نے اس کی تربیت میری سوچ سے بڑھ کر کی ہے۔ اس لیے

تو دور سے اپنے حلیے سے ہی پہچانا جاتا ہے کہ سیٹھ دیپک کا پتر ہے۔"

دونوں کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ انسان ساتھ رہ کر بھی ایک دوسرے کو سو فیصد صحیح نہیں سمجھ سکتا۔ آج ان دونوں نے ایک دوسرے سے بہت باتیں کیں، آج کملا بھی ان کی تنہائی میں مخل نہ ہوئی۔

بہو کو نیچا دکھانا الگ بات سہی لیکن بیٹے کا اجڑنا کس ماں کو بھاتا ہے؟

☆......☆......☆

عافی کی داستان نے اس کی داستان بدل دی تھی، اس کا دل اس قدر نرم ہو گیا تھا کہ وہ نہ صرف بھوکوں کو کھانا کھلاتی بلکہ ان کے کبھی نہ بھوکے رہنے کی دعائیں کرتی، اس کے تو تمام نظریات بدل چکے تھے، پہلے وہ اپنی ماں باپو جی کی کال کبھی اٹھاتی تو کبھی بزی کر دیتی، پر اب وہ روز ماں سے بات کرتی، سب گھر والوں سے بات کرتی۔ کیا پتا کل کیا ہو؟ اسے اپنے اپنوں کی اہمیت سمجھ آئی تھی۔ حتیٰ کہ اسے اپنی ساس بھی اب بری نہ لگتی۔ اس کے زندگی کو دیکھنے پرکھنے کے سب ہی زاویے بدل گئے تھے، وہ شروع سے ہی اخلاق کی پیروی کرتی آئی تھی، اس نے اخلاقیات پڑھ پڑھ کے زندگی میں کچھ اصول بنا دیے تھے۔ جب ہم اپنی زندگی میں کچھ اصول بناتے ہیں تو کبھی نہ کبھی قدرت ہمیں آزماتی ضرور ہے۔

اسے بھی قدرت نے آزمایا تھا اور وہ بری طرح فیل ہو گئی تھی۔

پہلے تو سکینہ کے پیپر دینا ہی غلط تھا لیکن جب اسے اس کی حقیقت کا پتا چلا تھا تو اسی وقت بات ختم کر سکتی تھی لیکن پیسوں کی لالچ اور سسٹم کے چکر میں پھنس کر اس نے اپنے اخلاقی اصول بھلا دیئے اور غیر اخلاقی طور پر نئے جواز ڈھونڈ لیے لیکن اب اور نہیں......

اس نے خوش دل کے سارے پیسے لیے اور اس کے گھر پہنچی، اسے اس کے گھر سے باہر ہی ایک بندہ داخلی دروازے پر لگا بلب کا ہولڈر بدلتا ہوا نظر آیا۔ جسے خوش دل ڈانٹ رہی تھی اس کے مطابق دو دن سے گلی کا بلب نہیں جلا اور ساری گلی میں غضب کا اندھیرا رہا۔ کوئی اندھیرے میں میرے گھر سے باہر گر جائے تو؟

آٹھ آٹھ بوائے فرینڈ رکھنے والی لڑکی جسے مزید چار بوائے فرینڈ کی تلاش تھی اسے راہ گیروں کی بھی

فکر تھی۔ وہ پہلے والی وچن ہوتی تو اس کے اس عمل کو دکھاوا قرار دیتی لیکن اب وہ جانتی تھی۔ انسان کے اندر ایک ضمیر ہوتا ہے جسے سلا بھی دو تو وہ خوابوں کے ذریعے انسان کو ملامت کرتا رہتا ہے، کہ ہم سب انسان ہیں اور ایک دوسرے ساتھ انسانیت کے ناطے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں۔ اچھی طرح راہ گیروں کی پریشانی دور کر لینے کے بعد وہ اسے اندر لے آئی اور آتے ہی پوچھا۔

''کہاں تھی تم، ہاں؟ اور جاب کیوں چھوڑ دی؟''

''بتاتی ہوں، چائے تو پلواؤ۔''

''چھوڑو چائے، کافی ٹھیک رہے گی۔ میں ابھی بنا آتی ہوں۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔'' وہ اس کے گیسٹ روم میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگی۔ اس نے کہیں پڑھا تھا خالی پیٹ غصہ بہت آتا ہے اور جب کھایا پیا ہو تو کم...... اس لیے اس نے چائے بنانے کا کہا تھا، دراصل وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ جو بات کرنے آئی تھی، اس کے نتیجے میں خوش دل آگ بگولہ ہو سکتی تھی۔

ذرا سی دیر میں ہی وہ گرما گرم کافی لے آئی اور پوچھا:

''کہاں غائب تھی؟ اور جاب کیوں چھوڑ دی؟''

''یہ تم میری انویسٹی گیشن کرنا کب چھوڑ دو گی؟''

''جب تک تم میری کلائنٹ ہو۔''

''پھر تو بس ٹاٹا بائے بائے سمجھو۔''

''کیا مطلب؟''

''سمجھاتی ہوں کافی تو پی لوں۔'' اس نے سپ لیتے ہوئے کہا اور بھنویں اٹھا کے اس کی کافی کی تعریف کی۔

''بہت اچھی کافی بناتی ہو۔''

''وہ تو سب ٹھیک ہے، تم بتاؤ تم کیا کہنے آئی ہو، کہیں ڈیل کینسل کرنے تو نہیں آئی ٹوپ پیسٹ گرل۔''

''تمہیں کیوں لگتا ہے کہ میں ڈیل کینسل کرنے آئی ہوں۔'' اس نے کافی ختم ہونے تک اسے

باتوں میں لگائے رکھا۔

"پتا نہیں تم پر کب اخلاقیات کے دورے پڑ جائیں۔" اس نے نہایت ہی دلچسپ انداز میں کہا۔

وچن ہنس دی، ابھی کیا کہتی اسے واقعی اخلاقیات کا دورہ پڑا تھا۔ وہ یہی کہنے اور سمجھانے آئی تھی۔ اور سوچ رہی تھی کہاں سے شروع کروں؟ خیر کافی کی تعریف کے بعد اس نے اس کی ذات کی تعریف کی۔ یہ ہرگز کوئی خوشامد نہ تھی وہ تعریف کی حق دار تھی۔ سیاہ شنیل کی شرٹ اور سیاہ جینز میں اس کا حسن چمک رہا تھا۔ اس پر سیاہ گلے سے لپٹا چوکر اور سیاہ نفیس سی بالی جو نچلے لب کے عین وسط میں جھول رہی تھی اور اس پر اس کے ریڈ رنگ کے ڈائے کیے ہوئے بال۔

"کہاں سے حسن کے اتنے ہنر سیکھے؟"

"پارلر سے اور کہاں سے؟ اور تمہیں ہی بس اچھی لگتی ہوں، میرے دو بوائے فرینڈ مجھ سے خفا ہو گئے ہیں۔"

"یعنی 16 ابھی تک قائم ہیں؟"

"ہاں وہ پکے ہیں، وہ کہیں نہیں جاتے، خیر تم فکر مت کرو اور آ جائیں گے۔"

"تمہیں ڈر نہیں لگتا؟"

"کس چیز سے ڈر؟ دیکھو خوش دل......"

"ارے نہیں بس بس اپنی اخلاقیات کی کتاب یہاں مت کھولنا۔ میں جیسی ہوں بہتوں سے اچھی ہوں۔"

"ہاں یہ تو ہے۔ بہتوں سے اچھی ہو تم کہ تمہیں پتا تو ہے کہ تم کیا کر رہی ہو۔ لیکن ہم نے کیا کر دیا؟"

"برے بندے نوں میں لبن تریا برا لبی نہ کوئی
جد میں اندر جاتی پاتی تے مے توں برا نہ کوئی

"ہیں؟ تمہارے سیٹھ نے تمہیں گھر سے نکال دیا ہے کیا؟ کہ ایسی دکھ بھری باتیں کہہ رہی ہو؟"

"نہیں۔"

''چلو اچھا ہے نہیں نکلا۔ وہ اسی چیز کو تو اس کے خلاف استعمال کرے گی۔ اس نے سوچ رکھا تھا وہ عجیب سی بے خبر لڑکی تھی۔''

''اچھا بتاؤ میٹرک کے امتحانان میں سکینہ کے بعد دوسرے نمبر پر کون آیا تھا؟''

''آیا ہوگا کوئی نہ کوئی۔ مجھے تو اپنے رول نمبرز دیکھنے کی فرصت نہیں ملتی اتنے سارے ہوتے ہیں مائے گاڈ، تو دوسروں کے کیا دیکھوں گی؟''

''شان.....شان سکینہ کے بعد دوسرے نمبر پر آیا تھا۔ میں مل چکی ہوں اس سے۔'' اور پھر اس نے شان اور اس کی والدہ کی ساری کہانی سنائی اور پوچھا۔

''اب بتاؤ یہ کیسا سسٹم ہے؟''

اب جو ہے سو ہے، اس میں تو رحم نام کی کوئی رمق بھی نہ تھی۔ اس نے ذرا سا افسوس تک ظاہر نہ کیا، ذرا سی بھی کوئی انسانی ہمدردی کا مظاہر کیسے بنا اپنے مطلب پر اتر آئی اور پوچھا۔

''کہیں تم نے تو کوئی فیصلہ نہیں کر دیا؟''

وچن نے پیسے نکال کے اس کے سامنے رکھ دیے۔ عافی نے اس کی گاڑی فروخت کی تھی۔ گاڑی کسی امیر نے لی تھی اس لیے دولاکھ کا فائدہ بھی ہوا تھا۔ وہ دولاکھ بھی اپنے ساتھ لائی تھی۔

''یہ کیا ہے؟''

''وہ سارے پیسے جو تم نے مجھے دیئے تھے اور یہ ایک لاکھ زائد بھی تم لے لو بس مجھے آزاد کر دو، میں اب اس سسٹم کا حصہ نہیں بن سکتی۔'' گو کہ اس نے انتہائی نرم لہجے میں پرسکون انداز میں ہاتھ جوڑ کر عاجزانہ طور پر کہا تھا لیکن سامنے والی خوب صورت پری سی لڑکی کو شدید غصہ آ گیا تھا، جب کہ وچن نے کافی ختم ہونے کے بعد بات شروع کی تھی۔ اس کا مطلب تو یہ تھا ''بھوک کا غصے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔''

''تم تھی ہی ایسی مجھے پتا تھا تم کبھی بھی کسی بھی بیماری میں مبتلا ہو جاؤں گی۔ تم نے سوچ بھی کیسے لیا میں تمہیں ایک لاکھ زائد دے کر چھوڑ دوں گی۔''

''تم ایک اور لاکھ لے لو۔ اس کے علاوہ تو میرے پاس اور پیسے بھی نہیں۔''

"تم سمجھ کیوں نہیں رہی۔" اس نے مٹھیاں بھینچ کر دانت کچکچا کر غصے سے کہا۔ اور پھر اپنے غصے پر قابو پانے کے لیے بوکھلاہٹ میں ذرا اپنے سر کو جھٹک کر اس کے پاس آ بیٹھی اور تحمیل کا مظاہرہ کرتی ہوئی، دھیمے اور ٹھنڈے لہجے سے اسے پکارا اور پھر سے اپنی باتوں سے اسے قائل کرنے کی کوشش کی۔

"دیکھو وچن! تم اب بھی اس سسٹم کا حصہ نہیں۔ اس سسٹم کا حصہ تو وہ لوگ ہیں جو اپنی جگہ کسی اور کو بٹھا رہے ہیں اور اس سے بھی زیادہ وہ نگران ٹیچرز جو یہ سب پکڑ نہیں پا رہے، کیونکہ ایگزام اسٹوڈنٹ دے رہا ہوتا ہے اور نگرانی کی ذمے داری ٹیچر کی ہوتی ہے۔ تم تو صرف اپنی جاب کر رہی ہو۔"

وچن اس کی بات سن کر مسکرائی، تو یہ لڑکی نہ صرف خوب صورت تھی بلکہ ذہین بھی تھی۔ کتنی چالاکی سے اس نے وچن کا دماغ بدلنے کے لیے غصے پر قابو پایا اور وچن کو قائل کرنے کے لیے سسٹم سے ہی اسے باہر کر دیا۔ جبکہ سسٹم کو سکینہ کے کیس میں جوڑ بھی وچن رہی تھی۔ وچن تو نہیں خرابی نہیں۔ کوئی کسی کی جگہ پرچہ نہ دے تو بات ہی ختم نا۔

وچن نے سارے پیسے دے دیئے، دو لاکھ اور بھی دیئے، اب اس نے اپنے گلے سے سونے کی چین اتار کر اس کے آگے رکھی اور ساتھ میں ایک گرین نگ والی خوب صورت گولڈ کی رِنگ بھی اپنی انگلی سے الگ کر کے اسے دی اور کہا۔

"مجھے معاف کر دینا، میں جا رہی ہوں۔"

"ایسے کیسے تم جا رہی ہو؟" وہ پھر سے غصے میں آ گئی۔ "تمہارے خلاف بہت سارے ثبوت ہیں میرے پاس۔" اس نے دھمکی دی تھی۔

"اور میرے پاس تم ہو۔ اگر تم نے ثبوت استعمال کیے تو میں تمہارے اور سکینہ کے خلاف کھڑی ہو سکتی ہوں۔ سکینہ کو کچھ نہیں آتا میں آسانی سے ثابت کر سکتی ہوں۔" اس نے کہا اور بے فکری سے آگے بڑھ گئی۔

"مجھے سیٹھ دیپک کی دکان کا بھی ایڈریس پتا ہے۔ خوب صورت لڑکی، بدسیرت باتیں۔" وہ تڑپ کر رک گئی۔ دیپک ہی اس کی کمزوری تھا۔ اسے غصہ آ گیا تھا اس نے کچھ قدم خوش دل کی طرف بڑھائے اور کہا۔

”تم شکل میں جتنی خوب صورت ہو، دل تمہارا اتنا ہی کالا کلوٹا ہے۔ کالی کلوٹی کہیں کی۔“

”اور تم نے ساری زندگی اخلاقیات پڑھی ہے لیکن اخلاق سیکھا نہیں۔ یوں ہی درمیان میں ڈیل کینسل کرنا بداخلاقی ہے۔ بداخلاق کہیں کی......“ وچن نے کچھ اور کہنا چاہا مگر بس اب کیا کہتی، وہ بڑے بڑے قدم اٹھاتی اس کے گھر سے نکل آئی تھی۔

☆......☆......☆

گھر آتے ہی وہ سوگئی تھی۔ غموں کی گٹھڑی بڑی وزنی ہوتی ہے۔ اس نے عافی کے غم سن کر جیسے اس وزنی گٹھڑی کو اپنے سر پر تان لیا تھا۔ وہ جب بھی سوتی اسے زمین لرزتے ہوئی دکھتی۔ زلزلے کے خواب آتے اسے مرنے کے خواب آتے۔

اور صرف خواب ہی کیوں؟ وہ نور ملی بیٹھے بیٹھے زلزلے کے جھٹکے محسوس کرتی۔ اور پھر چھت کی جانب دیکھتی، پنکھا ساکن ہوتا اور وہ خود سے کہتی میرا وہم تھا۔

وہ اٹھ بیٹھی تھی۔ سامنے فری اور دوری کے کارڈز اور گفٹ رکھے تھے۔ اور ایک جھماکے سے ان کی یادیں اس کے ذہن سے ٹکرائیں۔ ان کی یاد آتے ہی ایک مخلص سی ہنسی اس کے لبوں پر پھیل گئی تھی۔ اس نے وہ کارڈز پھر سے پڑھے۔

کونے میں دوری نے اپنا نمبر لکھا تھا۔ وچن نے وقت ضائع کیے بنا وہ نمبر ملایا۔ اور اس کی خوش قسمتی تھی کہ دوری نے کال ریسیو کی تھی۔

”ہیلو۔“ وہی پیار مخلص بے فکر آواز۔

”میں......میں وچن۔“

”کون وچن؟“ ارے ہاں وہ وچن کو تھوڑی جانتی تھی۔ وہ تو سکینہ کو جانتی تھی۔

”میں سکینہ ہوں دوری۔“

”ہاں! کیا کہا سکینہ۔“ اس کی حیرت زبردست تھی۔

”ہماری سکینہ؟“

''ہاں دوری! میں سکینہ ہوں، فری کیسی ہے؟''

''او میرے خدا! سکینہ تم ہو؟'' اس نے لگ بھگ ناچ کے چیخ کے کہا تھا۔

''ہاں میں ہی ہوں۔ کارڈز پر تم نے اپنا نمبر لکھ کر اچھا کیا تھا۔''

''او سکینہ تمہیں نہیں پتا ہم تمہیں کتنا مس کرتی ہیں؟ کتنی یاد آتی ہو ہر بات پر تم؟'' اس کی آنکھ میں آنسو آ گئے تھے۔

''میں جانتی ہوں۔''

''ہمارے میٹرک میں بہت زیادہ نمبر تمہاری وجہ سے آئی ہیں۔ اور اب ہم تمہاری ہی وجہ سے بہت بڑے کالج میں پڑھ رہے ہیں۔'' اور وہ باتیں کرتی گئی۔

وچن کو اس سے باتیں کر کے بہت اچھا لگا۔ اس نے اپنا ایڈریس بھی سینڈ کیا تھا اور اسے اپنے گھر آنے کے لیے کہا تھا۔

جانا تو وچن کو بھی تھا کہ اسے لگتا تھا اس نے ان سے اپنی شناخت چھپا کر غلط کیا تھا، اسے معافی مانگنی تھی۔ اب اس کا ذہن پہلے کی مانند نہ سوچتا تھا۔ اب زندگی بدل گئی تھی، اب زندگی کے ساتھ ''کل ہو نا ہو'' کا دھڑکا آن لگا تھا۔

اسے اب انسان کی حیثیت کا اندازہ لگ گیا تھا، اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ اس دنیا میں مہمان ہے اور مہمانوں کے بھی آداب ہوتے ہیں۔ وہ ان سے مل کر ان سے معافی مانگنا چاہتی تھی اس نے شان اور اس کی ماں سے بھی ملنا تھا۔ ان سے بھی معافی مانگنی تھی۔ اس کے دل پر بوجھ بڑھ رہا تھا وہ اپنے کمرے سے نکل کر باہر آئی۔

ساسوں ماں اپنی مخصوص نشست پر گم صم سی بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے پاپڑ بنانے کا سارا سامان پڑا تھا مگر وہ پاپڑ بیل نہیں رہی تھی۔ یہ کام اس کی روزی روٹی رہا تھا لیکن کب اس کی عادت اور پھر عادت سے بڑھ کر کب اس کا سکون بن گیا تھا وہ نہیں جانتی تھی۔

وہ آسودہ تھی، دیپک نے چھوٹی سی عمر سے ہی کمانا شروع کیا تھا اور اب جب وہ عروسی ملبوسات کا بہت بڑا ڈیلر تھا تو بھی اس کی ماں نے پاپڑ بیلنے نہ چھوڑے تھے۔

وچن ان کے پاس آ بیٹھی۔ اور پوچھا۔ ''پاپڑ نہیں بیل رہی آپ؟''

''کوئی آرڈر نہیں تھا۔''

''تو بنا کے رکھتی آرڈر اچانک بھی آ جاتے ہیں۔''

''بنا کے رکھے ہیں۔ پر اب آرڈر نہیں آتے صبح سے شام ہو جاتی ہے کوئی پاپڑ لینے نہیں آتا، سب پاس والے گھر سے پاپڑ خریدتے ہیں۔''

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ جیسے پاپڑ تو کوئی نہیں بنا سکتا، خود میں بھی نہیں۔ آپ تو پاپڑ بنانے کے معاملے میں پرفیکٹ ہیں، ایسے کیسے ہو سکتا ہے۔''

''ایسا ہی ہوا ہے۔'' اس نے بے حد تاسف سے کہا اور اٹھ کر کہیں باہر چلی تھی۔

کملا ایک طویل عرصے سے پاپڑ والی کملا کے نام سے مشہور تھی۔ یہ کام نہ تھا اس کی پہچان، اس کا ہنر، اس کا فن اور اس کا فخر تھا۔ لوگ روک روک کے اس سے پاپڑ بنانے کی ریسپی پوچھتے تھے، کتنے کتنے دن پہلے آرڈر دے جاتے تھے......لیکن اب...... نا جانے کہاں گئے وہ دن؟ وچن جاب کر رہی تھی اس لیے سارا گھر وہ خود سنبھالتی تھی، وچن کی جاب سے پہلے اس نے بہت سے آرڈر لے لیے تھے، جن میں سے ایک بھی وقت پر نہ دے پائی اور پھر ساتھ والے گھر میں آنے والی فیملی۔

کاروبار کی ساخت ذرا سی کوتاہی سے نقصان پاتی ہے تو یہ اتنی بڑی بات تھی کسی کے آرڈر وقت پر نہ بھجوائے گئے تھے۔ لوگوں نے اس کے اس کے گھر میں آ کے سنایا تھا، غصہ کیا تھا، دھوکے باز کہا تھا۔

ظاہر ہے اب کسی کو اپنی بیٹی کے گھر پاپڑوں کی سوغات بھجوانی ہو اور پاپڑ تیار نہ ہوں تو کیا کریں؟ یہاں تو سمدھیوں کو رخصت کرتے وقت، بیٹی کو رخصت کرتے وقت، خوشی غمی کی تقریبات میں، پاپڑ ہر جگہ چلتے تھے۔ انہیں بطور سنکس کے استعمال کرنے کا رواج تھا جیسے آج کل لیز، کلر لیز، چیٹوز وغیرہ استعمال ہوتے ہیں۔

وچن کا دل اپنی ساس کو دیکھ کر نرم پڑ گیا۔ وہ بے حد دکھی لگ رہی تھی، ایسا چلتا رہا تو وہ بیمار پڑ جائے گی اور پھر دیپک کا کیا ہوگا؟ اس کی ماں میں اس کی جان بستی تھی وچن کو کچھ تو کرنا تھا۔

☆......☆......☆

آج سے اور اب سے اس نے ساری نقلی اور جعلی چیزوں کے استعمال کو ترک کر دیا تھا، صبح ہی وہ کرشنا مندر کے پاس والے ٹھیلے والے سے اصلی سندور کی ڈبیہ لائی تھی۔اور مانگ بھر لی تھی۔
آج اس نے کالے رنگ کی ساڑھی پہنی تھی جس کے بارڈر پر سرخ رنگ کی کڑھائی کی ہوئی تھی جس پر خوب صورت اور نفیس کالے ہی رنگ کی موتیوں والی لیس لگی تھی۔آج وہ دوری کے بتائے ہوئے ایڈریس پر اس سے ملنے اس کے گھر جا رہی تھی جہاں وہ دونوں اس کے آنے کی خوشی میں کبھی پاگل کبھی نیم پاگل سی ہو رہی تھی۔
وہ کچن میں طرح طرح کے کھانے بناتے اور بے یقینی سے ذرا ذرا سی دیر بعد اچھل جھوم کر کہتی،
''سکینہ آ رہی ہے۔''
سارے گھر والوں کو انہوں نے کام پر لگایا ہوا تھا اور سب پوچھتے آخر کون ہے یہ سکینہ جو تم دونوں باؤلی سی ہو رہی ہو۔اور وہ پھر سے بلند آواز میں کہہ دیتی:
''سکینہ آ رہی ہے۔''
وہ میٹرک کے بعد سے دعائیں مانگ رہی تھی کہ کہیں سکینہ مل جائے، کالج آتے جاتے، سڑکوں پر چلتے، شاپنگ کرتی ہمیشہ محتاط رہتی کہ کہیں سکینہ ان سے نہ ٹکرائے۔
کئی بار کئی چہروں میں انہیں سکینہ کے ہونے کا بھرم بھی ہوا لیکن وہ ہمیشہ مایوس ہوتی رہی تھی اور اب جب سکینہ نے خود ان سے ملنے کے لیے آنے کو کہا تھا تو ان کی تو سمجھ نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔
انہوں نے اتنا بھی نہ پوچھا تھا کہ سکینہ نے نان وتیج بنانے سے منع کیوں کیا اور صرف وتیج بنانے کو کہا۔
انہیں کوئی ڈش سمجھ نہ آ رہی تھی تو میٹھے پکوان ہی پکا لیے۔صبح سے دو بار انہوں نے کسٹر جیلی بناتے ہوئے، جیلی کو الگ بنانے کی بجائے کسٹر میں ڈال دیا تھا اور بیڑہ غرق ہو گیا تھا۔
''سچ تو یہ ہے نگوڑیو! آج تم دونوں سے کچھ نہ ہوگا۔'' دوری کی دادی نے کہا تھا۔
''گاجر کا حلوا جلا بیٹھی ہو، دو بار کسٹر خراب کر بیٹھی ہو، اوپر سے کچن کا یہ حال کیا ہے؟ اف خانہ خرابوں نے خانہ خراب کر دیا۔جاؤ جا کے بازار سے منگواؤ کچھ۔'' دادی بڑبڑائی تو وہ دونوں یکجا چیخیں۔

"ہاں یہ تو ہم نے سوچا ہی نہیں۔"

یہ کہہ کر دونوں دوری کے کمرے میں آئی تھی، اس کا منی بینک توڑا، ادھر ادھر سے پیسے بھی اٹھائے اور دادی کے پاس آئی اور کہا۔

"دادی! کچھ لا دو نا پلیز۔"

"لیکن یہ چھٹے پیسے؟ یہ کتنے ہیں؟"

"خود گن لو، سکینہ آنے والی ہے۔ ہم نے ابھی تک کپڑے بھی نہیں بدلے۔"

"ہاں جو دیکھا نہیں ہوگا اس نے تمہیں جو کپڑے بدل بدل رہی ہو؟ مجھے تو سمجھ نہیں آ رہا اتنی ذہین لڑکی ٹاپ کرنے والی لڑکی تم دونوں کی دوست ہے؟" دادی بڑبڑاتی ہوئی ایک پلاسٹک میں پیسے ڈال کر گئی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں تیار تھیں، چائے اور پکوڑے بھی گھر میں بنائے تھے اور اب صحن میں ٹہل رہی تھی۔

وچن نے چار بجے آنے کا کہا تھا۔ اب چار بج کے بیس منٹ ہو گئے تھے۔

"اور اگر وہ نہیں آئی تو؟"

دادی نے پوچھا تھا۔ دونوں کی خوشی پر اس سوال نے جیسے اونک بھر پانی پھینکا تھا۔

"وہ نہیں آئی تو؟"

"دوری! تم نے سکینہ سے ہی بات کی تھی نا اور آج اپریل فول تو نہیں ہے؟ ایسا نہ ہو کہ اسکول یا کالج کی کوئی سہیلی ہمیں سکینہ بن کر بے وقوف بنا رہی ہو؟"

"ہاں فری، یہ تو ہم نے سوچا ہی نہیں۔"

دادی نے سر پر ہاتھ دے مارا۔ کہاں کہاں نہ گئی تھی وہ مارکیٹ سے بہت دور حلوائی کے پاس گاجر کا حلوہ اور مٹھائی لانے کے لیے۔

"عقل ہوتا ان میں؟" دادی بڑبڑائی تھی۔

''دوری! ہمیں کسی نے بے وقوف بنایا ہے۔''

''ہاں فری۔''

''ہم بے وقوف بن گئے ہیں؟''

''ہاں فری۔'' وہ ہمیشہ کی طرح سر جوڑے اداس بیٹھی تھی، ان کے دل میں درد اور آنکھوں میں نمی تھی۔

اوپر سے دوری کی دادی بھی کب سے شروع تھی۔

''دادی کو کون بتا سکتا ہے کہ ہم بے وقوف نہیں ہیں بس بے وقوف بنائی جاتی ہیں۔''

''ہاں دوری! بے وقوف ہو جو بے وقوف بنائی جاتی ہو؟'' دادی نے چڑ کر کہا اور اندر چلی گئی۔

''کیا ہم بے وقوف ہیں فری؟''

''پتا نہیں لیکن دل بہت دکھا ہے۔ کیوں دوری؟''

''ہاں فری، میرا بھی۔'' وہ دونوں سر جوڑے بیٹھی تھی۔ ان کا غم بڑھ رہا تھا، دل ٹوٹ رہا ہی تھا کہ انہیں اپنے عقب سے ایک شناسا سی آواز سنائی دی۔

''کیوں جوؤں کی منتقلی کر رہے ہو؟''

دونوں بے بیک وقت مڑ کر دیکھا اور زور سے چلائی۔

''سس...... سکینہ؟''

''اللہ......'' دونوں کو بے یقینی والی خوشی تھی۔ اب دونوں موٹیوں نے سکینہ کو اس طرح گلے لگایا تھا رہ وچین ان کے درمیان سینڈوچ سی لگ رہی تھی۔

''مخلص یارانے۔'' اس نے بھی تپاک کے ان دونوں کو گلے بے لگایا۔

''اتنی دیر کیوں کر دی آنے میں؟''

''اندر نہیں بلاؤ گی ساری باتیں یہیں کرو گی؟''

''قربان! آؤ نا...... آؤ اندر صبح سے تمہارا ہی تو انتظار ہے۔ کیوں دوری؟''

''ہاں فری! ہم نے تمہارا بہت انتظار کیا سکینہ۔''
وہ دونوں اس سے الگ ہوئیں اور اس کو اندر آنے کا کہا۔
وچن گیسٹ روم کے سنگل صوفے پر آ بیٹھی تھی۔ وہ دونوں سامنے تھری سیٹر پہ بیٹھے تھے اور اب ان کی نظر وچن کے حلیے پر پڑی بس شکل ہی وہی تھی باقی سب مختلف تھا۔
کالی ساڑھی، مانگ میں سندور، عورتوں والا ہینڈ بیگ، تراشے ہوئے بال، تراشے ہوئے نیلز۔
ان دونوں نے بغور اسے دیکھا اور چند سیکنڈ حیران ہونے کے بعد لوٹ پوٹ کر ہنسنے لگی۔
''ہاہاہا...... ہاہاہا...... ہاہاہا۔''
''اف ہاہاہا...... ہاہاہاہا۔''
دونوں کی ہنسی ہی نہیں رکتی تھی۔
''کسی فینسی ڈریس تھیم سے آ رہی ہو کیا؟ یہ کیا حلیہ بنایا ہے؟'' دوری نے ہنستے ہنستے بمشکل پوچھا۔
''ہاں فری، بالکل انڈین فلموں کی ہیروئن کی طرح۔''
''ہاہاہا۔'' دونوں کا ہنس ہنس کر حال برا تھا۔
''اچھی نہیں لگ رہی کیا؟'' وچن نے زیر لب مسکرا کر پوچھا۔
''قربان! تم کب اچھی نہیں لگتی؟ تم بہت اچھی ہو سکینہ، کیوں دوری؟''
''ہاں فری اور پتلی بھی۔''
''ہاہاہا۔'' انہوں نے پتلی بھی اس انداز سے کہا کہ وچن کو پیار آ گیا۔ احساسِ شدتِ دوستانہ سے اس کی آنکھ بھر آئی اور اس نے کہہ ڈالا۔
''یارا، بہت یاد آتی تھی تم لوگوں کی۔''
''ہمیں بھی۔'' پھر دونوں نے وستار سے بتایا۔ انہوں نے اسے کتنا مس کیا۔
اب دوری کی بھابھی چائے، پکوڑے، گاجر کا حلوہ اور مزید کچھ لوازمات لے کر سکینہ سے ملنے آئی تھی۔ وہ سکینہ کا حلیہ دیکھ کر ہکی بکی ہو کر دادی کے پاس گئی تھی۔

”مل آئی لائق لڑکی سے؟ ناجانے وہ کیسے ماں باپ ہوتے ہیں جن کی اولادیں اتنی ہوشیار ہوتی ہیں، اول آتی ہیں اور ایک ہم ہیں۔“

”دادی، دادی! کچھ تو گڑبڑ ہے۔“

”کیا گڑبڑ ہے؟“

”آپ خود جائیں، لڑکی سے مل آئیں تو جان جائیں گی۔“

”ہاں ضرور، ضرور جاتی ہوں میں تو ضرور اول آنے والی بچی سے ملوں گی۔ لیکن چھوڑو کچھ کھا پی لیں تو جاتی ہوں، ایسا نہ ہو مجھے دیکھ کے شرما جائے اور کچھ کھا پی نہ سکے۔“

دوری اور فری پلیٹ میں نکال نکال کر اس کے آگے لوازمات رکھ رہی تھی اور ساتھ میں باتیں بھی کیے جا رہی تھی۔

وچن حسبِ عادت ذرا ذرا سا کھا رہی تھی۔

”تم کچھ کھا نہیں رہی؟“

”اتنا تو کھا لیا۔“

”ہمارے مطابق تو بس اتنا سا ہی تو کھایا ہے۔“

”اب تمہارا مقابلہ تو میں نہیں کر سکتی۔“ وچن نے کہا تو وہ دونوں مسکرا دیں۔

دادی بھی لباس اور حلیہ درست کر کے آ رہی تھی۔ کپڑے وہی پہنے تھے بس دوپٹہ نیا والا اوڑھ لیا تھا، ذرا سا تبت پاؤڈر بھی منہ پہ لگایا تھا اور آنکھوں میں سرمہ بھی ڈالا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چل کر آئی تھی۔

وچن ان دونوں کے پاس ہی بیٹھی تھی۔ اس نے اپنا ہینڈ بیگ نکالا اور اپنا آئی ڈی کارڈ انہیں تھمایا۔

وہ سچ کہنے آئی تھی، سچ ماننے آئی تھی۔ اس نے اپنی شناخت چھپا کے ان کے ساتھ دھوکا کیا تھا، وہ اس مخلص دوستی کے درمیان سے دھوکے کا لبادہ ہٹانے آئی تھی۔

فری اور دوری نے اس کا آئی ڈی کارڈ لیا۔ جس پر اسی کا گرے رنگ کی ساڑھی میں موجود فوٹو لگا تھا اور ساتھ میں پہچان بھی درج تھی۔

نام وچن کپور

جنس عورت

شوہر کا نام دیپک کپور

شناختی علامت کوئی نہیں

تاریخ پیدائش 08/08/1995

انہوں نے حیرت سے سکینہ کی طرف دیکھا۔

''اور مذہب کی میں ہندو ہوں، میں کسی فینسی ڈریس تقسیم سے نہیں آ رہی، یہی میری پہچان ہے، یہی میری حقیقت۔''

دونوں کے ہاتھ پیر پھولنے لگے۔دادی بھی بمعہ حیرت دیوار سے کان لگائے کھڑی ہوگئی تھی۔

وچن نے صاف صاف کہا تھا وہ وچن ہے، سکینہ نہیں۔اس نے بس سکینہ کی جگہ پر پیپر دیئے تھے۔اس نے ساری کہانی سنائی، عبایا والی لڑکی کا بھی ذکر کیا، اسے تو دونوں دیکھ چکی تھیں۔

فری کی تو سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔بے یقینی کی انتہا تھی لیکن دوری کے چہرے کے عضلات غصے میں چڑھ آئے تھے۔وچن کی پوری بات سننے کے بعد اس نے بے اعتبار سے لہجے اور آواز میں اس سے پوچھا۔''ہم کیسے مان لیں کہ تم نے جو جو کچھ بھی ابھی کہا وہ سچ ہے؟''

''تصدیق کر سکتی ہو تم، نادرا میں بھی تمہیں میری یہی شناخت ملے گی۔''

''تم نے پہلے اس راز کو پوشیدہ رکھا تو اب کیوں ہم پہ یہ راز کھولا؟''

''میری آنکھوں پر سے جب پٹی ہٹی تو مجھے سمجھ میں آ گیا اس سسٹم کو جوڑنے کی کڑی ہی میں تھی۔''

فری اب بھی بے یقینی سے اسے تک رہی تھی جبکہ دوری نے اس سے آنکھیں چرا لی تھیں اور رخ موڑ لیا تھا۔وچن نے اپنا ہینڈ بیگ اٹھایا، فری کے پاس آئی، اس کی ٹھوڑی پہ پیار سے ہاتھ پھیر کر کہا۔

''ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا اور دعاؤں میں یاد رکھنا۔'' وچن نے کہا اور باہر چلی آئی۔دادی نئے دوپٹے میں، تبت پاؤڈر کی خوشبو ساتھ لیے کھڑی تھی۔

وچن نے انہیں دیکھا۔ ان کے پاؤں چھوئے اور چل دی۔ فری اور دوری اسے دروازے تک چھوڑنے تک نہ آئی تھی۔ وہ تنہا ہی دوری کے گھر سے نکلی تھی۔ اس کا دل بھر آیا، آنکھوں میں آنسو تھے، وہ دوری کے گھر سے نکل آئی تھی۔ نا جانے کیوں قدم بہت بھاری بھاری ہو گئے تھے، اس سے چلنا مشکل ہو رہا تھا۔ نا جانے اسے کیوں یہ امید تھی کہ وہ اسے سمجھے گی اور معاف کر دیں گی۔ نا جانے کیوں؟

خیر دل کا بوجھ تو ہلکا ہو گیا تھا۔ اسے بہر حال یہ امید تھی کہ وہ کبھی نہ کبھی اسے معاف کر دیں گی، ہاں دوستی شاید مذہبی تضاد کی وجہ سے قائم نہ رکھ سکے، لیکن کچھ بھی ہو ان کے ساتھ اس نے جتنے دن پہلے گزارے تھے اور آج کے دن کے کچھ گھنٹے بہت ہی زیادہ خاص تھے۔ وہ انہیں کبھی نہیں بھولے گی۔

وچن آہستہ آہستہ چلتی گلی پار کر آئی، سڑک کافی سنسان تھی، رہائشی علاقہ تو تھا لیکن آس پاس صرف اور صرف مکان تھے، آٹو کے لیے بہت آگے جانا پڑے گا۔ اس نے بے دلی سے سوچا تھا اور چلنے لگی۔ دور دور تک آٹو کا کوئی نشان نہ تھا۔ اس نے ڈھلتے سورج کی زرد روشنی میں آنکھوں پر ہاتھ کا چھجا بنا کر دور تک دیکھا تھا اور مایوس ہوئی تھی۔

اُف، وہ گھر کیسے جائے؟ اس نے آن لائن ٹیکسی سروس پہلے کبھی استعمال نہ کی تھی لیکن لگتا تھا اب استعمال کرنی پڑے گی۔ وہ اسی آن لائن سروس کے انتظار میں ایک مکان کی بیٹھک کے ایک طرف بنے داخلی زینے پر بیٹھ گئی کہ اسے ایک آٹو رکشہ اس طرف آتے نظر آیا لیکن کیا فائدہ، وہ نظریں جھکائے گم صم سی بیٹھی تھی، اسے حالی صاحب کا شعر یاد آ گیا تھا۔

ہم نہ کہتے تھے چپ رہو حالی
راست گوئی میں ہے رسوائی بہت

"ہاں، یہ تو ہے لیکن دوستی میں سب چلتا ہے۔" اچانک دوری کی آواز اس کے عقب سے آئی۔

اس نے مڑ کر دیکھا، دوری اور فری دادی جی کے ساتھ کھڑی تھی۔ اور اب ہمیشہ کی طرح اس کی طرف بھاگ کر آئی تھی اور وہ ہمیشہ کی طرح دونوں موٹیوں کے درمیان سینڈوچ بنی تھی۔

"تمہیں دوست کہا ہے تو کہا ہے۔ اب آخری سانس تک نبھا ہے گی۔ کیوں دوری۔"

''ہاں فری، اب یہ دوستی پکی۔''

وچن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔اس کے حافظے سے جیسے تمام الفاظ اڑن چھو ہو گئے تھے۔

''ہم تمہارے ساتھ ہیں وچی۔'' وہ جن کو دل سے دوست مانتے، اس کے نام کے آخر میں ''ی'' کا اضافہ کر دیتے۔

''ہاں وچی! ہم تمہارے ساتھ ہیں۔''

''امن ہو یا جنگ ہو، دوستوں کے سنگ ہو

سرخ مجھے پسند ہے خون ہو یا رنگ ہو''

دوری نے بنا مطلب سمجھے شعر کہا تھا، یہ شعر وا کثر دوستوں کو کارڈز دیتے وقت درج کرتی تھی۔

وچن نم آنکھوں سے مسکرا دی۔

ان کی بے لوث دوستی کے درمیان کچھ نہ آ سکا تھا، نہ وچن کی راست گوئی، نہ اس کا مذہب نہ اور کچھ۔

☆......☆......☆

آج چاند رات تھی، کملا بہت خوش تھی اس نے شکرانے کے لیے گھر سے پرساد بنایا تھا اور کئی کلو فروٹ خرید کر مندر میں بجھوایا تھا۔وچن پڑھی لکھی تھی اس نے کملا کی الجھن سمجھ کر بس اتنا کیا کہ گھر سے باہر ایک چارٹ پر لکھ لیا۔

''ایک کلو پاپڑ کے ساتھ ایک درجن پھول وڑی مفت۔''

اور بس مسئلہ ختم۔کملا کے پاپڑ تو یوں ہی مشہور تھے اور اب پھول وڑی کا درجن......سب ہی گاہک ڈوڑے چلے آئے تھے۔

کملا کے سونے دن پھر اس مشغلے سے روشن ہونے لگے تھے۔کملا، وچن کی تہہ دل سے شکر گزار تھی ورنہ تو اسے لگا تھا کملا کا کھیل ختم۔وہ بہت خوش تھی، دیپک کو بھی آج گھر بلایا تھا۔اس کے سر کے صدقے بھی لیے تھے۔وہ بہت خوش تھی، وہ خوش تھی تو دیپک کپور تو ویسے ہی خوش ہو جاتا۔

پہلے وہ کمل کی بہتر پرورش کے لیے وچن کا شکر گزار تھا اور اب ماں جی کی وجہ سے......اس نے

وچن کی مانگ میں اجلا اجلا گاڑے رنگ کا اوریجنل سندور بھی دیکھا تھا، یوں بھی اس نے اسکول کی جاب چھوڑ دی تھی اور اب اس کی ہی دکان کی ساڑھیوں میں ملبوس رہتی۔ وچن گرودورے جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ دیپک اسے آج الگ سی ہی نظر سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے محسوس کیا تو پوچھ بھی لیا۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟''

''سوچ رہا ہوں تمہارا شکریہ کیسے کروں؟''

وچن حیران ہوئی اور بڑی بڑی آنکھوں میں کاجل بھر کر اس سے آنکھوں ہی آنکھوں میں پوچھا۔

''وہ کیوں؟''

''تم نے ماں جی کا مسئلہ حل کر کے مجھ پر تو جیسے بہت بڑا احسان کر دیا۔''

''احسان کیسا دیپک۔ وہ میری بھی تو ماں ہیں۔''

دیپک ذرا حیران ہوا۔ آج کل تم مجھے مسلسل حیران کرتی رہتی ہو، شادی کے دن سے میں تمہیں یہی بات سمجھانا چاہتا تھا کہ میری خوشی بس ماں جی کی خوشی میں ہے۔ انہوں نے بڑی مشکل سے تنہا میری پرورش کی، میرے لیے ساری زندگی وار دی۔ چاہتی تو باپو جی کے دیہانت کے بعد دوجہ گھر بسا سکتی تھی لیکن...... مجھے لگتا تھا میں کبھی سمجھا نہیں پاؤں گا اور تم کبھی سمجھ نہیں پاؤ گی، لیکن آج تم نے کتنی پیاری بات کہہ دی۔''

''ہاں! ماں جی ہماری ماں ہیں۔ بس کبھی کبھی چڑ جاتی ہوں لیکن دل کی صاف ہیں۔ ہاں دیپک، میں جانتی ہوں، کوئی بھی برا نہیں ہوتا بس حالات کا مارا ہوتا ہے۔ میں سمجھ سکتی ہوں اور چاہتی ہوں وہ ہمیشہ خوش رہے۔ آپ کو پتا ہے، بہو کے لیے ساس کیا ہوتی ہے؟''

دیپک نے نفی میں سر ہلایا۔

''ساس ایک بہو کے لیے سواگن ہونے کی دعا ہوتی ہے، چاہے ساس بہو میں کتنی ہی کھٹ پٹ ہو لیکن ساس ہمیشہ اس کے لیے جانے انجانے ہی سہی سواگن ہونے کی دعا نکالتی ہے کیونکہ ساس بہو سے چاہے جتنی نفرت کر لے، اس کی اپنے بیٹے کی لمبی عمر کی دعا تو کرتی ہے جو بہو کے حق میں ہوتی

ہے۔عورت کی سب سے بڑی خوش قسمتی ہے کہ وہ سواگن مرے......اب دیکھو آپ ایک کسک سے کہہ رہے ہو نا، آپ کی ماں نے آپ کو تنہا پالا۔''

''وچن؟'' دیپک واقعی حیران تھا، وچن بالکل بدل گئی تھی۔

''کس کا ست سنگ سن رہی ہو؟'' دیپک نے شرارتاً پوچھا۔

''اس کا جس کا بس ایک بار سن لیا اور سب کچھ سمجھ آ گیا ورنہ تو ہم بس سنتے ہی رہتے ہیں۔''

''کچھ مجھے بھی سنا دو؟''

''ضرور سناؤں گی لیکن......'' وچن چپ ہو گئی۔ وہ کہاں سمجھے گا اس کی اور عافی کی بے غرض دوستی کو۔

ماں جی نے وچن کا بھی صدقہ اتارا تھا، محبت سے بہو رانی کہہ کر پکارا تھا، وچن نے انسانی تخلیق کا مطلب سمجھ لیا تھا۔ اسے انسان کی حقیقت کا پتا چل گیا تھا کہ وہ بس مہمان ہے اور مہمانوں کے بھی آداب ہوتے ہیں۔

عافی کی داستان سننے کے بعد دل بہت کشادہ ہو گیا تھا، اس میں ہر کہی ان کہی سمانے لگی تھی، پہلے جو وہ دیکھ کے نظر انداز کر بھی لیتی تھی اب ٹھہر کر ہر ایک چیز کے متعلق سوچا کرتی تھی۔ اب اس کے پاس شکر ادا کرنے کے لیے کیا کیا نا جواز تھا وہ ذرا ذرا سی بات پر شکر کرتی۔

☆......☆......☆

اس نے آج بھی وہی کالے رنگ کی ساڑھی پہنی تھی، آج اس نے سویٹر اور شال بھی اوڑھی تھی۔ پنجہ صاحب حاضری کے بعد وہ حسبِ معمول بابا ولی قندھاری جی کی پہاڑی کے زینے چڑھ رہی تھی، عافی پہاڑی کے ایک کونے میں ہلکے اورنج رنگ کے نیک دار سویٹر میں ملبوس پہاڑی کے ایک کنارے پر کسی بڑے پتھر پر بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔

''تمہیں اس طرف نہیں بلکہ اس طرف رخ کر کے بیٹھنا چاہیے تھا۔''

''اچھا! وہ کیوں بھلا؟''

"لوگ روپوش ہونے کے لیے اسی طرح کے درباروں کی پناہ لیتے ہیں۔"

"ڈرامے دیکھ رہی ہو کیا؟"

"ڈرامے بھی تو زندگی کا ہی سوانگ ہوتے ہیں نا؟ اور جس طرح کی تمہاری بندگی تھی نا وہ ایسی ہی جگہوں میں ہوگی، میری مانو تو چلو یہیں سے تمہاری بندگی کو ڈھونڈنے کی شروعات کرتے ہیں۔"

عافی مسکرا دیا۔

"تمہاری بندگی....." اس نے خوشی اور تاسف سے کہا اور اس کی بات بھی مان گیا۔ اسے تو بس بندگی چاہیے تھی، وہ اب سب مزاروں اور درباروں پر بھی اسے ڈھونڈنے لگا۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں عافی ہمیں جلدی سے بندگی کو ڈھونڈنا ہوگا۔"

"جلدی سے....."

"ہاں، جلدی سے؟"

"کیوں؟ تمہیں کیوں اتنی جلدی ہے؟"

"اس لیے کہ بہت سال ہو گئے عافی، اب کچھ اور سوچنا ہوگا، رخسار بھی بہت اچھی لڑکی ہے، کہیں ترنہ جائے۔"

"ہوں! یہ تم رشتے کروانے والی عورتوں کی طرح کیوں بھول رہی ہو؟"

"رشتے، نہیں۔ رشتہ، تمہارا رشتہ۔"

"مجھے بخش دو پھر تو۔"

"نہیں عافی، اب تمہیں نہیں بخشوں گی اور کیوں بخشوں؟ رخسار بہت خوب صورت لڑکی ہے۔"

اب وہ کیسے کہتی کہ نا جانے کب خوش دل دیپک کے پاس پہنچ جائے اور کب دیپک پر اس کے سارے بھید کھل جائیں لیکن اس سے پہلے وہ عافی کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا چاہتی تھی۔ پہاڑی چڑھتے چڑھتے اس نے دعا مانگی تھی اور اترتے اترتے ذہن کچھ سوچنے بھی لگا تھا۔ نا جانے کیوں اسے خوش دل یاد آ رہی تھی، وہ اس کے متعلق ہمیشہ سے سب جانتی تھی تو مطلب اسے بھی اپنی طرف سے وہ بندگی کو

ڈھونڈنے کے لیے ہار کر سکتی تھی۔ لیکن وہ تو بن چپیوں کے منہ تک نہ کھولتی۔ اور عافی اس جیسی دھو کے باز لڑکی کی مدد ہرگز نہیں لے گا۔ اسے ہی کچھ سوچنا ہوگا اور اس نے سوچ بھی لیا تھا۔

☆......☆......☆

خوش دل سفید سویٹر میں ملبوس تھی۔ اس نے بہت ساری شالیں اور کمبل خریدے تھے، اس کے گھر کے باہر مانگنے والوں کا رش لگا تھا۔ ساتھ میں بریانی کی دیگ بھی بٹ رہی تھی۔ وچن بنارس کی ڈارک گرین ساڑھی میں تھی اور ڈارک گرین ہی سویٹر پہنا تھا۔

اسے دیکھتے ہی خوش دل اس کے پاس آئی۔ ''خوب صورت لگ رہی ہو سیٹھ دیپک کے دکان کی چلتی پھرتی ڈمی۔''

''تم سے زیادہ خوب صورت تو نہیں ہو سکتی نا، ویسے یہ سب، آٹھ آٹھ بوائے فرینڈ رکھنے والی ایسے درمی کام بھی کرتی ہے؟''

''آٹھ آٹھ نہیں، پورے بارہ۔''

''او تو اس خوشی میں یہ سب ہو رہا ہے؟'' وچن کا اشارہ خیرات کی جانب تھا۔

''ہاں بس یہی سمجھو۔ بریانی کھاؤ گی؟''

''نہیں، آج شکر وار ہے۔ کافی پلا دو، اگر پلا سکو تو؟''

''بیٹھو میں آتی ہوں۔'' وہ اسے سامنے بٹھا کر کچن میں چلی آئی۔

وچن نے شکر منایا۔ وہ غصے میں نہ تھی۔ شاید بارہ بوائے فرینڈ پورے ہو گئے تھے۔ اب سال کے بارہ مہینے وہ ہر ایک بوائے فرینڈ کو اپنی برتھ ڈے بتا کر مہینے بھر کے لیے آزاد ہو جائے گی؟ یہ خوش دل بھی عجیب لڑکی تھی۔ ہر ماہ اپنے بوائے فرینڈ سے مہنگے مہنگے گفٹ لینے والی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ کافی لے کر آئی تھی۔ خوش دل نے بیٹھتے ہی کہا تھا۔

''مجھے پتا تھا تم آؤ گی۔''

''مجھے افسوس ہے کہ میں اس بات کو چھیڑنے نہیں آئی جسے میں ختم کر گئی تھی۔''

''تو کیا کاف پینے آئی یا مجھ سے معافی مانگنے؟''

''کافی پینے تو آئی ہی ہوں، لیکن ساتھ میں کچھ اور بھی لائی ہوں۔'' وچن نے دو سونے کے کنگن اس کے سامنے رکھے۔

''خیریت تو ہے؟ میں کسی کا مال گروی وروری نہیں رکھتی۔''

''پتا ہے لیکن مجھے کچھ اور غرض ہے۔ مجھے ایک لڑکی کی تلاش ہے اور میں چاہتی ہوں تم میری مدد کرو۔''

''میں؟''

''ہاں تم، کیونکہ تم اس کام میں ماہر ہو۔''

''کون سی لڑکی؟''

''بندگی! بندگی نام ہے اس کا۔''

''بندگی! اگر بندگی نام ہے تو تمہاری تو کچھ نہیں لگتی ہو گی نا، اگر تمہاری کچھ لگتی ہوتی تو اس کا نام انیلا، سنیلا ہونا چاہیے تھا نا۔''

یہ وچن کی بہنوں کے نام تھے۔ چار، پانچ تولے کے کنگن دیکھ کر خوش دل کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔ اس نے وچن پر امپریشن جمانے کے لیے وچن کی بہنوں کا نام لیا تھا کہ اسے اس کی انویسٹی گیشن پر کوئی شک نہ ہو۔

وچن امپریس ہوئی تھی۔

''میں تمہارا کام کروں گی، لیکن......''

''میرے پاس بس اتنا ہے لیکن اگر تم کام مکمل کر لو تو منہ مانگا پاؤ گی۔''

''کیوں لاٹری نکل آئے گی کیا تمہاری؟''

''یہ لڑکی عافی کو مطلوب ہے۔ اگر تم اس کو کھوجنے میں کامیاب ہوئی تو رنگ جاؤ گی۔'' وچن نے خوش دل کے انداز میں ہی کہا تھا۔ ''رنگ جاؤ گی۔''

''ہوں۔'' اس نے کنگن اٹھا لیے اور ہاتھ میں پہن لیے۔ اس کے دودھیا ہاتھوں میں وہ کن بے حد جچ رہے تھے۔ وچن نے اس کی تعریف کی اور بندگی کی ضروری معلومات اسے بتا دی۔

''پوری کہانی سنا دیتی تو اچھا ہوتا۔''

''کیوں! تم کیوں عافی کی کہانی میں انٹرسٹڈ ہو؟''

''سب جانتے ہیں، 2005ء کے زلزلے میں اس انڈسٹریل عافی نے اپنا خاندان کھو دیا تھا۔'' خوش دل نے اپنا شوشہ چھوڑنے کے لیے ایک اور خفیہ بات بتائی تھی۔

''ایسی باتیں تو تمہیں ہی پتا ہوتی ہیں، میں تو نہیں جانتی تھی پہلے۔''

''یعنی اب جانتی ہو؟''

''تم بس اپنا کام کرو خوش دل، اب میں جاتی ہوں۔'' وہ ہاتھ سردی کی شدت سے رگڑتے ہوئے اس کے گھر سے نکل آئی تھی۔ وہاں اب بھی مانگنے والوں کی بھیڑ تھی اور سب ختم ہو چکا تھا۔

خوش دل سب کو سخت الفاظ کہہ کر نکال رہی تھی۔ اُف یہ لڑکی خوش دل بھی پل میں تولہ پل میں ماشا تھی۔ خیر بس وہ بندگی کے متعلق دریافت کر لے۔

نا جانے کہاں ہوگی بندگی؟ کیسی معصوم تھی۔ کاش کہ وچن بھی ایسی ہوتی۔ کاش وہ اس سے کبھی مل پاتی۔ عافی کی طرح بندگی کی شخصیت نے بھی وچن کے دل و دماغ پر بہت اثر کیا تھا۔ اس کی دلی خواہش تھی وہ بندگی کی طرح بن جائے۔ وہ اس کے لیے ایک انس پائرشن تھی۔ دن و دن اسے سوچ سوچ کر وہ اس کی پرپرتا بنتی جاتی تھی۔ جیسے وہ ایک چمکتا اسٹار ہو اور وچن ایک دلدادہ۔

وہ اس کی طرح سے دعائیں مانگنا چاہتی تھی، اس ہی کی طرح خدمت کرنا چاہتی تھی، اس کی طرح سے صبر کرنا چاہتی تھی، اس کی طرح بے غرض محبت کرنا چاہتی تھی، اور سب سے زیادہ وہ اس سے ایک بار بس ایک بار ملنا چاہتی تھی۔ بس ایک بار...... وہ بندگی کے متعلق سوچ رہی تھی کہ عافی کا میسج آیا تھا۔

شان کا پورا ایڈریس اس نے بھجوا تھا اور وہ شام کو پنڈی آ رہا تھا۔ وہ یوں بھی کسی کی مدد کرنے میں پیچھے نہ ہٹتا تھا تو اب کیسے؟ جب سے اس نے وچن کی زبانی شان کے متعلق سنا تھا اس کا دل

تڑپ رہا تھا۔ اسے درد کی بات دردمندی سے دل پہ لگی تھی۔

وہ آ رہا تھا تو وچن بھی اس پتے کی طرف چل دی۔ یہ تو دوری کے گھر سے ملتا جلتا ایڈریس تھا۔

چلو کچھ دیر وہ دوری کے پاس رہ لے گی اور جب عافی پہنچا تو اس کے ساتھ شان سے ملنے جائے گی۔

''نا جانے شان کی ماں کا کیا ری ایکشن ہوگا؟''

دوری نے اس سے پوچھا تھا۔

''تم جانتی ہو انہیں؟''

''ہاں! پڑوسی ہیں سنتی رہتی ہوں لیکن مجھے نہیں پتا تھا کہ شان کی یہ حالت ہے یہاں تو مشہور ہے کہ وہ شہر سے باہر پڑھنے گیا ہے۔''

''ماں بے چاری اور کیا کہے جوان بچے کی یہ حالت سب کو دکھائے گی تو ظالم لوگ پاگل کہہ کہہ کر ماں کا کلیجہ اور چھلنی کریں گے۔ کہہ رہی تھی کہ اس نے ساری کتابیں کتر لی تھیں۔ بستہ، یونی فارم، حتیٰ کہ اسکول کے جوتے بھی کتر لیے تھے۔ کہہ رہی تھی کہ بارش میں بھیگتا رہے تو بھگتا ہی رہتا ہے، دھوپ میں پڑا رہے تو پڑا ہی رہتا ہے۔ نہ کھانے پینے کی خبر نہ سونے جاگنے کی خبر...... وچن اپنی جونک میں نظریں نیچے کیے دوری کو شان کی حالت بتا رہی تھی اور جولب کاٹے موٹے موٹے آنسو موٹی موٹی آنکھوں میں سمائے بمشکل ضبط کیے بیٹھی تھی۔ وچن سے آنکھیں ملتے ہی رونے لگی۔

اور زار و قطار رونے لگی۔

وچن کو حیرت نہ ہوئی، وہ اپنی ساس کو دیکھ چکی تھی۔ وہ دکھی فلمی سین دیکھ کر دکھ میں ڈوب جاتی تھی اور اب دوری بھی وچن کی زبانی شان کی حالت سن کر ایسی نڈھال ہوئی تھی کہ وچن کو اسے سنبھالنے کے لیے فری کو بلانا پڑا۔ وہ ذرا سا فاصلے پر رہتی تھی لیکن چھوٹے بھائی کے ساتھ بائیک پہ آئی تھی تو جلدی پہنچ گئی تھی۔

اس کے آتے ہی وچن نے جلدی جلدی اسے دوری کے رونے کی وجہ سنائی لیکن وچن یہ بھول

گئی تھی کہ وہ دونوں تو یوں یکساں مزاج کی تھیں کہ مانو جڑواں ہوں۔ وچن سر پکڑ کر بیٹھ گئی کیونکہ وہ دونوں غمگین ہو کر سر جوڑ کر بیٹھی تھیں۔

''ہائے ہائے فری، سب کتر دیا اس نے۔''

''ہاں دوری، سب کتر دیا اس نے۔''

''فری! اسے کھانے پینے کا کوئی ہوش نہیں۔''

''ہاں دوری، اسے سونے جاگنے کا بھی کوئی ہوش نہیں۔'' دونوں زارو قطار رہی تھیں۔

''فری اس نے ٹاپ نہیں کیا؟''

''ہاں دوری۔ کیونکہ اس جھوٹی سکینہ نے ٹاپ کر لیا تھا۔ ٹشو پیپر کا پورا پیکٹ ختم ہو گیا تھا لیکن ان کے آنسو تھے کہ رکتے ہی نہ تھے۔ عافی بھی پنڈی پہنچ چکا تھا وچن کو جانا تھا لیکن یہ دونوں سر جوڑے غمگین بیٹھی تھیں۔ وچن کو کچھ تو کرنا تھا ورنہ دوری کی دادی کیا کہتی؟

''اچھا دیکھو، چپ ہو جاؤ، دیکھو اس کے لیے رونے کی بجائے سوچو کہ اسے ٹھیک کیسے کیا جائے۔''

''کیا وہ ٹھیک ہو سکتا ہے؟ کیا سب ٹھیک ہو سکتا ہے؟''

''ہاں کیوں نہیں۔ ہمیں سکینہ کا سچ سب کے آگے لانا ہو گا اور شان کا علاج کروانا ہو گا۔''

وچن نے یوں ہی کہا کہ وہ دونوں چپ ہو گئیں، رونا بند کر دیا لیکن وچن کیا جانتی تھی کہ اس نے جانے انجانے میں ان دونوں کو وہ سوچنے کا کہہ گئی تھی جس کا سوچنا اس کے لیے بھی خطرناک ہو سکتا تھا۔ اگر سکینہ کا سچ سامنے آتا ہے تو وچن کا جرم بھی سامنے آئے گا۔

☆......☆......☆

''کہاں تھی تم؟ کافی دیر سے انتظار کر رہا ہوں۔''

''بس وہ فری اور دوری۔ اچھا یہ سامنے والا گھر ہے، شان کی ماں کا پہلے تم جاؤ میں دس منٹ بعد میں آؤں گا۔ ہم دونوں یوں اچانک گئے تو وہ گھبرا جائیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔'' وچن نے کہا اور آگے نکل آئی۔

اس نے دروازے پر دستک دی اور دستک پہ دستک دیتی رہی۔

"کسی نے کون پوچھا تھا۔"

اور ایک منٹ کہہ کر کہیں چلی گئی تھی۔ وہ شان کی ماں ہی تھی۔

اس نے عافی کی طرف دیکھا تھا وہ اس سے ذرا سے فاصلے پر اپنی کار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

دروازہ کھولنے میں دیر لگ رہی تھی۔

وچن عافی کو ہی دیکھ رہی تھی۔ عافی نے اسے صبر کرنے کا اشارہ دیا تھا۔

اندر سے ہر ایک منٹ بعد کوئی ایک منٹ کہہ کہہ کر دس منٹ لگا چکا تھا۔

وچن کی نظر عافی پہ تھی۔ اس نے نوٹس کیا تھا کہ وہ اپنی انگلیوں پر اپنے ہاتھوں کا انگوٹھا مسلسل گھما رہا تھا جس طرح بچے ریاضی کے سوال کرنے کے لیے گن گن کر حساب کرتے ہیں۔

"یہ بڑے آدمی بھی نا، سارا دن حساب کتاب میں جتے رہتے ہیں۔" وچن سوچ ہی رہی تھی کہ دروازہ کھل گیا۔ شان کی ماں نے اسے اندر بلایا اور کہہ دیا کہ معافی چاہتی ہوں میں غسل خانے میں نہا رہی تھی۔ اس نے بال بھی گیلے کر کے تولیے کے گرد لپیٹ لیے تھے۔

پر وچن جانتی تھی اس نے اتنی دیر بس شان کو اپنے ہی گھر میں کہیں چھپانے کے لیے کی تھی تا کہ کوئی اسے دیکھ نہ لے۔ لیکن وچن کو دیکھ کر وہ حیران ہوئی تھی انہیں لگا تھا کہ شاید ان کی جان پہچان والا کوئی آیا ہے لیکن وچن......

"آپ مجھے بابا ولی قندار ی جی کے پہاڑی والے دربار پہ ملی تھی؟" وچن نے بتایا تو انہیں بھی شاد آ گیا۔

"کہاں ہے شان؟ میں اس سے ملنے آئی ہوں۔"

"کیا کرو گی اس سے مل کر۔ وہ تو......؟"

"جانتی ہوں، لیکن میں معافی مانگنا چاہتی ہوں اس سے بھی اور آپ سے بھی۔" شان کی ماں کی آنکھوں میں حیرت اتر آئی۔

''مجھے معاف کر دیں، آپ کا شان ہی ٹاپر تھا بس میں بد قسمتی سے اس کی محنت کے، اس کے عزائم کے درمیان آ گئی۔ یقین مانو اگر مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ میں کسی کے خوابوں، کسی کی منزل کے راستے میں حائل ہوئی ہوں تو میں سکینہ کیپ پیپر لکھنے میں ایسی ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتی کہ ٹاپ کرنا تو درکنار اس کا پاس ہونا بھی محال ہو جاتا۔''

شان کی ماں نے اسے حیرت سے دیکھا، ان کی آنکھوں میں سوال ہی سوال تھے لیکن زبان خاموش تھی وچن کیا سے کیا کہے جا رہی تھی۔ اسے جیسے کچھ سمجھ ہی نہ آ رہا تھا۔

''میں ہی آپ کی گناہگار ہوں۔ میری وجہ سے آپ کا بیٹا ٹاپ نہیں کر سکا کیونکہ میں نے ٹاپ آنے والی لڑکی کی جگہ پیپر دیئے تھے۔ جرم کو قبول کرنا بہت مشکل ہوتا ہے لیکن اگر پچھتاوے کے سانپ دن رات ڈستے ہوں تو زبان سے سچ کے تیر چھوٹ ہی جاتے ہیں۔''

وہ اب تک رو رو کر اپنا قصور بتا رہی تھی اور اب تو اس نے شان کی ماں کے پاؤں ہی پکڑ لیے تھے۔

وہ کیا کہتی؟ اس کی تو دنیا جو اجڑنی تھی اجڑ چکی تھی۔ اب کس سے کیا گلہ، کیسا شکوہ؟

اس نے اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے وچن کو اٹھایا، کرسی پر بٹھایا اور پانی پیش کیا۔

کسی رونے والے کے آنسو پونچھنا، اس پر اس رونے والے کے آنسو پونچھنا جو اپنے آنسو کی وجہ ہو بہت زیادہ ہمت درکار ہوتی ہے، جو شان کی ماں کے پاس تھی۔

اس نے نہ صرف وچن کو معاف کیا تھا بلکہ اس کے آنسو بھی پونچھے تھے۔

''میں سکینہ کے ایف ایس سی کے بھی پیپر دینے کے لیے ہامی بھر چکی تھی لیکن اس روز آپ سے مل کر میں نے توبہ کر لی۔ مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ میں کیا کر رہی ہوں؟''

''میرا پتا کیسے معلوم کیا؟'' بہت دیر سے خاموش ماں نے پوچھا تھا۔

''میرے ایک دوست نے پتا کروایا تھا۔ وہ باہر کھڑا ہے آپ اجازت دیں تو میں اسے اندر بلاؤں؟''

''ہاں'' اس نے غائب دماغی سے کہا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی عافی کون تھا اور کیوں اس سے ملنے آ رہا تھا۔

وچن نے ہینڈ بیگ وہیں رکھا تھا اور خود باہر آئی تھی عافی کو بلانے۔ عافی اب بھی کچھ انگلیوں پہ

گن رہا تھا، اس کے بلانے پر اندر چلا آیا۔
شان کی ماں ان کے لیے چائے بنانے گئی تھی۔
وہ اب شان کے پاس بیٹھے تھے۔
عافی نے چائے پینے کے بعد شان کی ماں سے شان کے متعلق ڈاکٹر کی رائے طلب کی، عافی کو کچھ سمجھ نہ آیا تھا تو اس نے ملک کے ایک بہت بڑے سائیکولاجسٹ کا کارڈ شان کی ماں کو تھمایا اور کچھ روپیوں کا چیک بھی تھمایا تھا۔
وہ تو عافی کو دیکھتی ہی رہتی تھی۔ عافی مزید بھی ہر قسم کی مدد کو تیار تھا۔ شان کی ماں رونے لگی تھی، ہمت والی ماں پہلے نہ روئی تھی لیکن اب اپنی کی ہوئی دعاؤں کا پورا ہوتے ہوئے دیکھ کر رو رہی تھی۔
وچن نے ان کے آنسو پونچھے تھے۔
شان کسی فیزیکل ٹرم کو بڑبڑا رہا تھا۔
وچن اس کے پاس آ بیٹھی، اور اس سے کہا۔
''او جینئس، ذرا تھیوری آف ریلیٹیویٹی کے متعلق تو بتاؤ۔''
وچن کا پوچھنا تھا کہ شان نے بولنا شروع کر دیا۔ سارے موشن کے ٹرمز سمجھائے۔ وچن نے ایک تھیوری پوچھی تھی، شان نے آئن اسٹائن کی دونوں تھیوریز بتا دیں۔ جنرل تھیوری آف ریلیٹیویٹی اور اسپیشل تھیوری آف ریلیٹیویٹی۔
وچن حیران رہ گئی۔ اسے تو بہت دیر سے یہ مشکل مضامین میں فرق سمجھ آیا تھا اور وہ بس میٹرک میں اور اس حالت میں اتنا کچھ بتا گیا تھا۔ شان کی ماں بھی حیران تھی۔ ان کے مطابق شان نے آج بہت دنوں کے بعد کچھ کہا تھا۔ اور بہت دونوں کے بعد آئی کنیکٹ بھی کیا تھا۔
''پھر تو مجھے روز آنا ہوگا تاکہ یہ پھر سے بول پڑے۔''
''سو بسم اللہ! روز آؤ بیٹا!'' شان کی ماں بہت خوش ہوئی تھی اور وچن اور عافی اسے دیکھ کے خوش ہوئے تھے۔

☆......☆......☆

اگلے روز وہ فری اور دوری کو ساتھ لائی تھی۔
شان کی ماں نے ان دونوں کا بھی استقبال بڑی خوشی سے کیا۔
وچن ان کو اپنے ساتھ اس لیے لائی تھی کہ وہ جس طرح کے سوال پوچھ سکتی تھی وہ وچن نہیں پوچھ سکتی تھی کیونکہ وہ اسٹوڈنٹ تھی اور یہی ہوا تھا۔شروع شروع میں شان بس ایک ٹاپک لیتا تو بولتا ہی جاتا اور بول بول کر چپ ہو جاتا۔پھر کچھ اور نہ بولتا لیکن اب وہ ان کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔
اب اگر وچن نہ بھی آتی تو فری اور دوری آجاتی تھی۔

☆......☆......☆

موسم اب بھی سرد تھا،فری اور دوری کالج کے بنچوں پر بیٹھی تھیں۔ان کے پاس سبز گھاس تھی، کیاریوں میں خوب صورت رنگ برنگے پھول لگے تھے، ہوا میں ٹھنڈا سا تاثیر تھا،سورج بھی بدلیوں میں چھپا ہوا تھا۔
ایک وقت تھا جب وہ ان بنچوں پر بیٹھ کر سارا دن سکینہ سکینہ کہا کرتی تھی اور آج جب انھیں سکینہ کی سچائی کا پتا تھا تو دل کرتا وہ مل جائے اور اس کی گچی ہی دبوچ لیں۔
فرسٹ ائیر کے پیپر شروع ہونے میں کچھ ماہ باقی تھے، انھیں یقین تھا وہ اب بھی کسی کا حق مارے گی۔وہ سوچ میں تھیں کہ کیا کریں؟فری کی ایک دور کی کزن قانون کی طالبہ تھی،انھوں نے بتایا تھا کہ اگر سکینہ کی اصلیت سامنے آئی تو وچن بھی مشکل میں پڑ جائے گی۔
’’کیا کریں دوری ایسا کیا کریں کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے؟‘‘
’’اردو محاورے تو مت سناؤ، یہاں اردو کی کلاس نہیں ہو رہی،بس اتنا سوچو کہ کیا کریں؟ کہ سکینہ کی اصلیت بھی سامنے آئے اور وچن کا نام بھی شامل نہ ہو؟‘‘
’’یہی تو اس محاورے کا مطلب ہے۔‘‘
’’چھو محاورے،سوچ کچھ سوچ۔‘‘ وہ دونوں سر جوڑے سوچ رہی تھیں اور پھر سوچتی ہی رہی تھیں۔
آج تو ان دونوں نے وچن سے بھی اپنا مسئلہ شان کے گھر میں ڈسکس کیا تھا کہ شان کو دیکھ کر ان کا ضمیر انہیں ملامت کرتا ہے کہ جب وہ سچ جانتی ہیں تو کچھ کرتی کیوں نہیں۔

وچن چپ ہوگئی تھی۔ یوں تو سکینہ کا پول وہ خود بھی آگے بڑھ کے کھول سکتی تھی لیکن دیپک؟ دیپک کی ناراضگی سے ڈر لگتا تھا۔ دیپک کی بھائی بندوں میں مثالیں دی جاتی ہیں۔

''لیکن کچھ تو کرنا ہوگا وچی، تم نے سمجھ کر ہاتھ جھاڑ لیے لیکن اصلی مجرم تو آزاد ہیں۔ کچھ تو ایسا سوچ لو کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔''

''دوری! پھر سے اردو محاورے۔''

''وچی کے لیے تھا فری۔''

''اچھا اچھا۔''

''لیکن کیا یہ درست ہوگا کہ خود کو بچا کر اسے پھنسوا لوں؟''

''کیوں نہیں؟ اس نے کون سا سچ بھول کر تمہیں اپنی جگہ بٹھایا تھا۔''

وچن سوچ میں پڑ گئی اور ایک نظر شان کو دیکھا اور کہا۔

''ایک نہ ایک دن سامنے آئے گا۔ چلو دیپک کی محبت کو بھی آزما لیتے ہیں؟''

''نہیں وچی۔''

''ہاں ہاں، بالکل نہیں۔''

''اللہ تمہاری اور دیپک بھائی کی جوڑی سلامت رکھے۔'' دونوں نے یکجا کہا تھا۔

''دعائیں بھی ایک ساتھ منہ سے نکلتی ہیں تمہاری۔ کہتے ہیں منہ کی بات دو جے کے بھی منہ سے نکلے تو ضرور مکمل ہوتی ہے۔ میرے اور دیپک کے رشتے کو کچھ نہیں ہوگا۔''

''آمین۔'' یہ بھی ان دونوں نے بے ساختہ یکجا ہو کر کہا تھا۔

''بس پھر اب تم دونوں سامنے آؤ۔ تم دونوں نے اپنی آنکھوں سے کسی اور کو سکینہ کی جگہ پیپر دیتے ہوئے دیکھا ہے۔ رول نمبرز ساتھ ہونے کی وجہ سے تمہاری بات رد نہیں کی جائے گی۔''

دونوں نے پرعزم ہو کر مٹھیاں ایک دوسرے سے ملا لیں اور پھر یکجا کہا۔

''تمہارا کھیل ختم سکینہ۔''

☆......☆......☆

ان دونوں نے میٹرک کی ساری کلاس کو یکجا کیا تھا۔سب گواہی دے رہے تھے کہ جس لڑکی نے ٹاپ کیا ہے اس لڑکی نے پیپر نہیں دیئے تھے۔یہ بات سوشل میڈیا میں آئی تو پھیلتی گئی۔اس سسٹم نے تو یوں بھی کسی نہ کسی طور سے سب کو ڈس رکھا تھا۔

فرزانہ اور دردانہ کا ذکر عام ہونے لگا تھا۔دونوں لڑکیاں دبے سچ کو جرأت مندی سے آگے لائی تھیں۔فرزانہ اور دردانہ کا کالج میں مقام بدلا تھا۔سچائی کا ساتھ دینا آسان نہیں ہوتا لیکن وہ سچ بولنے سے کترا نہیں رہی تھی۔

پہلے میٹرک کی کلاس ان کے ساتھ تھی اب کالج کی تمام لڑکیاں اساتذہ اور پرنسپل تک ان کے ساتھ تھیں۔سب ان کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔سوشل میڈیا سمیت ٹی وی چینلز والے یہ سوال کر رہے تھے کہ

تعلیم ،تعلیم ،تعلیم

ہمارے بچے ہوش سنبھالتے ہیں تو یہی سنتے رہتے ہیں۔ہر روز اپنی نیندوں کو اجاڑ کر تیار ہو کر اسکول جانا ،زندگی کا ایک بہت بڑا حصہ تعلیم پر وقف کرنا ،اسکولز ،ٹیوشن ،اکیڈمیز ،مختلف تعلیمی مرکز کہاں کہاں ،نہ اسٹوڈنٹ بھٹکتے ہیں اور پھر ان کے ساتھ یہ سب ہو۔

"کوئی بھی کسی کی جگہ پیپر دے دے ،من چاہا رزلٹ حاصل کر لے۔"

"نہیں ،اب اور نہیں۔"

یہ کوئی فلم نہ تھی کہ لوگ انجوائے کرتے ،یہ اصل زندگی تھی سب کے لیے یہ مسئلہ پریشان کن تھا۔

ٹی وی چینلز دن رات سوال پوچھتے تو سب ہی سوچتے۔

ماں باپ سوچتے وہ کیسے کیسے تعلیمی اخراجات مکمل کر رہے ہیں اور تعلیم کا یہ حال تھا؟کہیں نقل کی دوڑ دھوپ تھی تو کبھی سفارشوں کا بول بالا ،تو کہیں کسی کی جگہ کوئی اور پیپر حل کرتا تھا۔

یہ کیسا سسٹم تھا؟یہ کیسا سسٹم ہے؟اس ملک کا کیا ہوگا؟کیسے ان نوجوانوں کی پرکھ ہوگی جو محنت کرتے ہیں ،جن میں آگے بڑھنے کی لگن تھی ،اس طرح تو جو قابل ہوں گے وہ من مار بیٹھیں گے اور جو

نا قابل اور نا اہل ہوں گے وہ ہی اعلیٰ عہدوں پر تنخواہیں لے رہے ہوں گے۔

ملک اور قوم کس سمت جا رہے ہیں۔ ٹیلنٹڈ اور ہنر مند لوگ پس پس کر مر رہے ہیں۔ نوجوانوں نے جو اپنی ساری زندگی تعلیم پر لگا لی، انہوں نے کیا پایا؟ ہر کوئی اس سوال کے اردگرد گھوم رہا تھا۔

اسٹوڈنٹ سکینہ کو سزا دلوانے کے لیے اکٹھے ہوئے تھے۔ روڈ بند...... ہڑتال......

اسٹوڈنٹ ایک پاور ہیں، یہ ہی اس سسٹم کو بدل سکتے ہیں اور بدل رہے تھے۔

☆......☆......☆

سکینہ کی تو کایا ہی پلٹ گئی تھی۔

سب سوال در سوال کرتے تھے۔

"سکینہ کو سزا دو، سکینہ کو سزا دو۔ ڈگری کینسل کرو" کے نعرے اس کے کانوں میں گونجتے تھے۔ اس نے خود کو ایک کمرے میں بند کر لیا تھا۔ کل تک شاباشیں دینے والے آج لعنت دیتے تھے، اس کے خاص خاص دوستوں نے اسے بلاک کر دیا تھا۔

بڑے گھر کی لڑکی، نازوں پلی ہوئی، امیر زادی اس کے لیے یہ سب جھیلنا بہت مشکل تھا، اور پھر بڑے گھر کی لڑکی جس کے گھر میں، خاندان میں تمام تر لوگ بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے، کارکردگی کی صلاحیت رکھنے والے، اونچے اونچے محلوں میں رہنے والے، بڑے بڑے لوگوں سے ملنے والے، مضبوط، توانا، طاقت ور لوگ۔

وہ سب بھی ساتھ دینے کی بجائے سوال کرتے تھے۔

"یہ تم نے کیا کر دیا؟" کل تک بیٹی کی تعریف کرتے نہ تھکنے والے باپ نے نہایت ہی بے یقینی سے پوچھا تھا۔

"I can explain ڈیڈ"

"stop it"، اب ایک اور لفظ نہ سنوں گا، تم نے تو اپنے ساتھ ساتھ میرے اور خاندان بھر کی ڈگریوں پر سوال کروا دیا ہے۔ اب تو لوگ ہم سب کو جعلی ڈگری حاصل کرنے والوں کی نظر سے دیکھیں

گے۔اب سچ بتاؤ۔'' اس بار سوال بہت زور سے پوچھا گیا تھا۔

اس نے ڈرتے ڈرتے رونا شروع کیا تھا۔

''سکینہ! یہ وقت رونے کا نہیں۔سچ بتاؤ مجھے۔'' اس کے ڈیڈ نے اور بھی زوردار آواز میں غصے سے سوال کیا تھا۔

''ہاں! یہ سچ ہے ڈیڈ۔میں نے پیپر نہیں دیئے۔'' سکینہ نے بے حد مشکل سے آنکھیں بند کر کے رو رو کر اعتراف کیا تھا۔

اس کے ڈیڈ بہت غصے میں تھے۔ان کا ہاتھ اٹھتے اٹھتے رہ گیا تھا۔سکینہ کی ماں نے اسے سنبھال لیا تھا۔

وہ بہت دیر تک روتی رہی اور پھر غصے میں کہیں چلی گئی۔اس کی ماں نے اسے روکا تھا لیکن اس کا خوش دل سے ملنا ضروری تھا۔اس کی باس نے کہا تھا کہ سب سے مطمئن ہو جاؤ، خوف کی کوئی بات نہیں، وہ سب دیکھ لے گی تو اب کہاں تھی۔

وہ عزت بی بی کے پارلر آئی، لیکن عزت بی بی اسے پارلر میں نہیں مگر خوش دل وہاں تھی۔اس نے وفاداری نبھاتے ہوئے اپنے استاد کو الزام سے بری کر دیا۔

''عزت بی بی نے جو جو کہا وہی ہوا تھا۔تم نے شاندار کامیابی حاصل کی تھی۔بورڈ کے سارے معاملات، ٹیچر سب کو سنبھالا تھا۔اب دو لڑکیاں سامنے آئیں گی، یہ کس نے سوچا تھا؟''

''اب کیا ہوگا؟ میرے ڈیڈ بہت غصے میں ہیں۔'' ڈیڈ کے غصے کا سوچ کر اسے اور غصہ آنے لگتا۔اس نے خوش دل کو پارلر سے نکالا اور وچن کے گھر لے آئی۔

شام کا وقت تھا۔دیپک کے گھر میں دیا جل رہا تھا۔وہ ماں کے ساتھ بیٹھا تھا کہ دروازہ زور زور سے بجا تھا۔دیپک نے دروازہ کھولا تھا۔خوش دل نے وچن کا پوچھا تھا اور کہا تھا۔وہ وچن سے ملنے آئی ہے۔

دیپک نے انہیں اندر آنے کو کہا اور ماں جی کے ساتھ وچن کے کمرے میں بھجوایا۔سکینہ بہت روئی ہوئی تھی، باہر اس کے گارڈز بھی کھڑے تھے۔خوش دل کے رخ پر ہمیشہ کی طرح نقاب تھا، وہ گھر سے باہر

نکلتی تو نقاب کر لیتی تھی۔ اس وقت ان خواتین کا آنا ذرا عجیب سا لگ رہا تھا۔ دیپک سوچ میں پڑ گیا۔
وچن کے کمرے میں داخل ہوتے ہی سکینہ نے فری اور دوری کے کارڈز دیکھے۔ اس کا غصہ اور بڑھا تھا۔

''تو تم ہو اس سب کے پیچھے۔ میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی۔ یاد رکھو، اگر میں پھنس گئی تو تمہیں نہیں چھوڑوں گی، آج بھی ہمارے پاس تمہاری وہ وڈیوز ہیں جس میں تم میری جگہ پر پیپر دے رہی ہو۔''

دیپک اور اس کی ماں اس لڑکی کے منہ سے یہ سن کر حیران رہ گئے۔

''جاؤ جو کرو، سب کو بتا دو کہ میں نے تمہاری جگہ پیپر دیئے ہیں۔ اور دے دو اپنے ہی خلاف ثبوت۔''

سکینہ کم عمر تھی، نا سمجھ تھی، اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

وچن نے اسے بٹھایا، پانی پیش کیا۔

وہ جانتی تھی اس کے دل میں یہ آس ڈالی گئی تھی، اسے اچھے نمبروں سے پاس ہونے کا لالچ دیا گیا تھا۔ جیسے اسے پیسوں کا لالچ دیا گیا تھا۔

''تم مجھ سے بس میں پڑھا کرتی تھی۔ میں تمہیں پڑھاتی تھی۔ پھر تم نے جھوٹ بولا، مجھ سے مدد مانگی۔ میں نے بھی تمہاری مدد کی۔ ایک غلطی تم سے ہوئی تو ایک غلطی مجھ سے۔''

''میں نے تمہارے پیپر اپنے علم میں گم ہو کر دیئے۔ بہت دنوں کے بعد میرے ہاتھ میں پیپر اور پین آیا تھا تو میں بھی بے خیال ہو کر لکھتی گئی، لیکن ہم نے کسی کی زندگی اجاڑ دی سکینہ۔ تم نے شان کا حق مارا ہے اور اس میں، میں بھی شامل ہوں۔''

''تو میں کیا کروں؟ میں تو پھنس گئی ہوں نا۔ تم سب بہت چالاک ہو، اب میں تم سب کی باتوں میں نہیں آؤں گی۔ میں ایک ایک کو دیکھ لوں گی۔''

اتنی بڑی باتیں اس میٹرک کے جعلی ڈگری حاصل کرنے والی نازوں سے پلی لڑکی کی سمجھ میں کہاں آ سکتی تھی۔ اسے کسی کے نقصان سے کیا؟ اس کا تو اپنا اتنا بڑا نقصان ہوا تھا کہ اس کی طرف اٹھنے والی ساری پرستائش نظریں اب اسے دھتکار رہی تھیں۔

اسے بس غصہ بہت آ رہا تھا خوش دل پر، وچن پر، خود پر......اور سب سے زیادہ اس عزت بی بی پر۔
وہ اور بھی کئی دھمکیاں دے گئی تھی۔ خوش دل اس سارے معاملے میں خاموش رہی تھی۔
''اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے تم نے۔ اب دو اپنے گھر والوں کو جواب۔'' خوب صورت لڑکی نے نزاکت سے پلکیں جھپکا کر کہا تھا۔
''تمہیں میری فکر ہے تو بس وہ کام کرو جو میں نے تمہیں دیا ہے۔ باقی سب میں دیکھ لوں گی۔''
''کام لگ بھگ ہونے والا ہے، جلد خوش خبری دوں گی۔''
''سچ۔''
''ہاں۔''
وہ عافی کے لیے بہت خوش تھی لیکن اب تو اس کے اپنے لیے جواب کی گھڑی تھی۔ دیپک آنکھوں میں سوال سموئے اسے دیکھ رہا تھا۔ ابھی سکینہ اور خوش دل کے جانے کی ہی دیر تھی کہ دیپک اس کے روبرو آیا تھا۔
کملا نہیں جانتی تھی بات کیا ہے؟ لیکن وہ پھر بھی آنکھوں ہی آنکھوں میں بہو کو چپ رہنے کے اشارے کر رہی تھی، لیکن وچن کو تو اب راست گوئی کی عادت پڑ گئی تھی۔ وہ جانتی تھی آج نہیں تو کل یہ سوال اس سے پوچھا جائے گا اور اس نے طے کر لیا تھا وہ جھوٹ نہیں بولے گی نہ ہی اپنا جرم چھپائے گی۔
''تو یہ وہی سکینہ ہے جس کے جعلی پیپروں کا چرچا ہے۔'' اب خبریں تو دیپک بھی سن ہی لیتا تھا۔
''ہاں۔'' وچن نے صاف کہہ دیا۔
''اور تم اس کے جرم میں ملوث ہو؟''
کملا کی تاکید کے باوجود وچن نے ہاں کہہ دیا اور اتنا ہی نہیں بلکہ سچ کہنے پر آئی تو ضروری وغیر ضروری سچ اگلنے لگی۔
اس نے کڑا کھونے تک سے اب تک کی بات سنائی تھی اور عافی کا ذکر بھی چھیڑ دیا تھا۔ اس نے بھاری دل کے ساتھ عافی کی کہانی بھی سنائی تھی۔ جسے سن کر کملا تو دم بھا نسے کھڑی رہی لیکن دیپک کے

چہرے کے عضلات غصے کی زد میں آنے لگے تھے۔

''میں نے تمہیں آگے پڑھنے نہ دیا، تعلیمی سرگرمیوں سے بھی دور رکھا لیکن کبھی تمہاری آزادی کے درمیان نہ آیا کیونکہ مجھے تم پر اعتبار تھا وچن، لیکن تم؟ عافی......ایک غیر مرد......ایک غیر مذہب شخص، میں تو سوچ تک نہیں سکتا تھا۔''

''دیپک......''

''نام مت لو میرا اور نکلو، نکل جاؤ میرے گھر سے، تم اس گھر میں رہنے کے لائق ہی نہیں، نکلو یہاں سے......'' دیپک نے وچن کا ہاتھ پکڑ کر اسے گھر سے نکالنا چاہا۔

''نہیں دیپک......رکو۔'' کملا نے اسے روکا تھا۔

''ماں! مجھے مت روکو، آپ سے ونتی ہے آپ درمیان میں نہ آئیں......'' دیپک وچن کو ہاتھ سے گھسیٹ کر کمرے سے نکال آیا تھا۔ اس کی ماں نے اسے روکا تھا، وچن بھی منتیں کر رہی تھی۔ پوچھ رہی تھی وہ کہاں جائے گی اس وقت؟

''جاؤ اس عافی کے پاس۔'' دیپک بہت غصے میں تھا۔

''دیپک! تم غلط سمجھ رہے ہو، وہ میرے لیے میرے بھائیوں کی طرح ہے۔''

''وہ ایک غیر مذہب ہے وچن......وہ کیسے؟''

''غیر مذہب کیا دیپک؟ من کی آنکھیں کھولو دیپک، تم تو ایسے نہیں تھے۔''

''وچن! تم چلی جاؤ۔ نکلو یہاں سے۔''

''ایک من رکو۔'' کملا نے اپنے کمرے سے آواز دی تھی۔ وہ کمرے سے باہر آئی تو اس کے ہاتھ میں کڑا تھا جو وچن کا تھا جو گما تھا۔

''بات یہاں سے شروع ہوئی تھی۔ یہ میرے پاس تھا میں نے یہ چرایا تھا تاکہ میں بہو کو پریشان کرسکوں۔''

''ماں جی۔'' دیپک نے بے یقینی سے اپنی ماں کو پکارا اور وچن کے ہاتھ پر اپنی گرفت کمزور کرلی۔

''چنی کو تو گھر سے بھی نکال لوں لیکن ماں کا کیا کروں؟'' اس نے غصے سے کہا اور گھر دروازہ زور سے بجا کر گھر سے نکل گیا۔ وچن اس کے پیچھے بھاگی تھی مگر ساس نے ہاتھ پکڑ کر روک دیا اور کہا۔

''جانے دو اسے۔''

''لیکن ماں جی، اس وقت کہاں جائیں گے؟''

''دکان پر چلا جائے گا اور کہاں؟ تم فکر مت کرو۔'' غصہ کرنے کی بجائے اس کی ساس نے اس سے پیار سے بہت عزت سے بات کی تھی۔ وچن حیران تھی۔ اصولاً تو جس طرح وہ وچن کے خلاف رہتی تھی گھر سے تو پہلے وہی نکالتی لیکن وہ دیپک کے بھی آڑے آ گئی اور اتنا ہی نہیں کڑوا واپس کر کے معافی بھی مانگ گئی تھی۔

کیا یہ سب پھول وڑی کی وجہ سے بڑھتی ہوئی شہرت کی وجہ سے تھا یا پھر وہ وقتی طور پر عافی کی داستان کے زیر اثر تھی جیسے ہندی فلمیں دیکھ کر اثر لے لیتی ہیں۔

☆......☆......☆

فری اور دوری مقبول ہو رہی تھیں۔ ان کی جوں جوں آواز بلند ہو رہی تھی، اتنا ہی ان کے پوچھے گئے سوالات کا چرچا تھا۔ آج تو ایک لیڈی پولیس افسر آئی تھی۔ ان کا بیان لینے۔ شروع شروع میں وہ تھوڑا ہچکچائی تھی لیکن پھر ایک دوسرے کا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر پولیس افسر کے سامنے آئی اور بنا ڈرے ان کے سوالات کے جواب دینے کو تیار تھی۔

''تو تم دونوں ہو جنہوں نے سکینہ کے ٹاپ کرنے کو چیلنج کیا ہے؟''،

''ہاں۔'' دونوں نے باہم کہا تھا۔

''کیا ثبوت ہیں تمہارے پاس؟ کس بناء پر تم دونوں یہ سب کہہ رہی ہو؟'' افسر نے ذرا سختی سے پوچھا۔ شاید وہ ان کا حوصلہ آزمانا چاہتی تھی۔

''ہماری آنکھیں، ہماری پوری کلاس۔ ہم سب نے اس رول نمبر پر کسی اور لڑکی کو پیپر دیتے ہوئے دیکھا ہے۔''

''ہاں اور ہمارے علاوہ اگر آپ بورڈ آفس سے پتا کریں بھی تو آپ کو پتا چلے گا کہ سکینہ نے اسکول کے رول نمبرز کے ساتھ پیپر نہیں دیئے اس نے ہمارے اسکول میں مائیگریشن کروائی ہے۔''

''خیر مائیگریشن تو سب کرواسکتے ہیں۔ یہ تو اسٹوڈنٹ کا حق ہے۔''

''لیکن ایگزام سے چار ماہ پہلے مائیگریشن ہوئی ہے اور ہم نے تو کیا ہماری کلاس میں سے کسی نے اسے ہمارے اسکول میں نہیں دیکھا۔ وہ بنا ڈرے کہہ رہی تھی۔ لگتا تھا ہر طرح کے سوال کے لیے تیار تھی۔

''لیکن بہت عرصے بعد نہیں خیال آیا تم لوگوں کو کہ یہ سب کیا جائے؟ اس وقت کیوں نہیں آواز اٹھائی جب سکینہ کا فوٹو اخبار میں چھپا تھا۔ ظاہر ہے وہ آپ کے اسکول سے تھی اس کے اعزاز میں کوئی تقریب تو ہوئی ہوگی نا؟''

''نہیں کوئی تقریب نہیں ہوئی جب بھی ایسی کوئی بات ہوئی تو بتایا گیا کہ وہ شہر سے باہر ہے اور ہم نے اخبار نہیں دیکھا تھا تب بعد میں انٹرنیٹ پر اسکول کی ویب سائٹ پر اس کی فوٹو دیکھی تو کچھ سمجھ نہیں آیا۔''

''ہوں، تو اس لڑکی کو آنکھوں سے دیکھا ہے تم نے تو اسکیچ تو بنوا سکتی ہونا، جس نے سکینہ کی جگہ پیپر دیئے۔ یاد رہے پولیس کو گمراہ کرنا ایک جرم ہے۔''

دونوں جس بات سے ڈرتی تھیں وہی بات آن چھڑی تھی۔ اب کیا کریں وچن کا اسکیچ کیسے بنوائیں؟ دونوں نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''کیا ہوا؟ تم دونوں کی گواہی اور الزام ہی یہی ہے کہ تم دونوں نے کسی اور کو سکینہ کی جگہ پیپر دیتے ہوئے دیکھا ہے؟''

فری اور دوری نے پھر سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ دل ہی دل میں وچن کے لیے دعا مانگی اور اسکیچ بنوانے کے لیے تیار ہوگئی۔

''گڈ۔'' پولیس افسر اتنی سی عمر کی لڑکیوں کی ہمت کو دل ہی دل میں سراہنے لگی۔

☆......☆......☆

موسم میں اب سردی کی شدت نہ ہونے کے برابر تھی لیکن دل بے انتہا سرد سا تھا۔ دیپک دو دن سے گھر نہ آیا تھا، کھانا پینا، سونا جاگنا سب دکان پر ہی تھا۔

وچن آج اس کا حال پوچھنے دکان پر آئی تھی۔ لیکن اسے دیکھتے ہی دیپک دکان سے باہر کہیں چلے گئے تھے۔ وہ مایوس خوش دل کے گھر آئی وہ کچن میں کچھ پکا رہی تھی۔ اس نے اسے اندر آنے کو کہا اور ڈرائنگ روم میں اس کا انتظار کرنے کو کہا لیکن وچن اس کے ساتھ کچن میں چلی آئی۔

''اب مہمانوں والا سلوک کیوں؟''

''اچھا آجاؤ۔''

''کیا بنا رہی ہو؟ میں گوشت بنانے والی تھی پھر نہیں بنایا اور اب ٹماٹو سوپ......''

''ٹماٹو سوپ؟ وٹامن سے بھرپور ایک غذا۔''

''چلو بیٹھو، میں لاتی ہوں۔'' اس نے کچن میں ہی ایک کرسی آگے کر کے اسے بیٹھنے کے لیے کہا اور خود بکھری ہوئی چیزیں سمیٹنے لگی۔ اس نے کافی سبزیاں کاٹ رکھی تھیں۔ اور اب سب کو سمیٹ کر الگ الگ برتن میں ڈال کر فریج میں رکھ رہی تھی۔

''لگتا ہے مہینے بھر کی سبزیاں کاٹ کے رکھ لی ہیں۔''

''نہیں یار، یہ بس ایک ہفتے کی ہیں۔ پارلر سے آکر ہی کھانا بنانا پڑتا ہے اور پھر سبزیاں چہرے کے گلو کے لیے بہت اچھی ہیں۔''

''ہاں۔'' اس نے بے دلی سے کہا تھا۔ ''بہت اداس لگ رہی ہو؟''

''ہاں وہ تو ہے۔ لیکن تم یہ اداسی دور کر سکتی ہو۔ بتاؤ کیا خبر ہے؟''

''خبر تو ہے بس پانچ منٹ۔ یہ سب صاف کر لوں۔''

''اچھا جلدی کرو۔'' وچن کی بے صبری بڑی تھی۔ اور وہ تھی کہ چھوٹی چھوٹی تھیلیوں میں سبزیوں کے چھلکے الگ الگ ڈال کر ڈسٹ بن میں ڈال رہی تھی۔ ایک تھیلی میں آلو کے چھلکے جو اس نے ابال رکھے تھے، دوسری تھیلی میں مٹر کے چھلکے، پھر دھنیہ پودینے کی ڈنڈیاں الگ سے تھیلی میں ڈالی۔ پالک

کی ڈنڈیاں الگ کرلی۔ بھنڈی کی چوٹیاں بھی الگ کرلیں۔

وچن کو الجھن ہونے لگی اس سے انتظار نہ ہوتا تھا۔ اس نے باقی سبزیوں کے چھلکے ڈنڈیا سمیٹیں اور ایک ساتھ ڈسٹ بن میں ڈال دیں۔

''ارے یہ کیا کیا وچن تم نے؟''

''جلدی جلدی کام تمام کیا، اتنی دیر میں تو میں سبزیاں ہی کاٹ لیتی اور تم ہو کہ سبزیوں کے کچھرے کی پیکنگ کر رہی ہو۔''

''یار! ہمارے تمہارے لیے کچرا ہے یہ، لیکن بہت سے غریب لوگ ان چھلکوں کا کھانا بنا کر اپنے بچوں کو کھلاتے ہیں۔''

''اب ایسا بھی نہیں ہے؟''

''ایسا ہی ہے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؟''

''تمہاری آنکھیں تو پتا نہیں کیا کیا دیکھتی ہیں؟ اب تم بس مجھے بندگی کے متعلق بتاؤ۔'' وچن کو اس وقت بس اسی کی فکر تھی۔

''اوکے۔'' اس نے ہاتھ دھوئے۔ اپنا اور وچن کا سوپ برتن میں ڈالا اور اس کے پاس آبیٹھی۔ وہ گرم سوپ میں چمچ ہلانے لگی۔

''بتاؤ نا بندگی زندگی ہے؟''

اس نے ہاں میں گردن ہلائی۔

''کیا، بندگی زندہ ہے؟'' اس نے پھر پوچھا۔

''ہاں۔'' اس بار اس نے واضح کہا تھا۔

عافی جانتا تھا وہ زندہ ہے۔ کتنی سچی محبت ہے اس کی۔ کتنا اثر ہے اس کی وفا میں، اس کی صبر میں اس کے انتظار میں۔

وچن نے خوشی خوشی کہا اور گرم گرم سوپ منہ میں لے بیٹھی۔

"ارے آرام سے، سوپ بہت گرم ہے۔"

"زبان جل گئی، خیر تم بتاؤ وہ کہاں ہے؟" وچن بہت ایکسائٹڈ تھی۔

"وہ وہیں ہے جہاں تم نے اندازہ لگایا تھا۔"

"کہاں؟" وچن کو تو یاد ہی نہ تھا اس نے اندازہ بھی لگایا تھا۔

"ویسے تم نے اچھا دماغ لگایا، اگر تم مجھے نہ بتاتی کہ وہ درگاہ وغیرہ میں ہوگی تو میں اسے اتنی جلدی نہ مل پاتی۔"

"کیا تم اس سے ملی ہو؟"

"ہاں صرف تمہاری وجہ سے۔ تم نے ہی بتایا تھا وہ کسی درگاہ پر ہوگی۔"

"یار! میں نے تو آج کل کے ڈرامے دیکھ کر یوں ہی اندازہ لگایا تھا کہ لوگ اپنی شناخت چھپا کر جوگ لے لیتے ہیں۔"

"جو بھی تھا تمہارا اندازہ درست تھا۔ وہ ایک درگاہ میں ہے۔"

"کہاں، کس درگاہ میں، چلو نا ابھی چلتے ہیں اور ہاں میں عاقی کو بھی بلا لیتی ہوں۔"

"ایک منٹ...... ایک منٹ۔"

"کیوں کیا ہوا؟"

"دراصل......"

"کیا ہوا، کوئی بات ہے کیا؟"

"ہاں ایک بات ہے۔ دراصل لڑکی بہت معصوم لگی مجھے۔ اس نے مجھ سے بہت التجائیں کی ہیں کہ میں کسی کو اس کا پتا نہ بتاؤں۔"

"کیوں؟" وچن حیران ہوئی تھی۔ سوپ پر اس کے ہاتھ تھے اور چہرہ خوش دل کی جانب مڑا تھا۔ سوپ سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتی وہ کسی سے ملے، خود مجھ سے ملنے کے لیے بھی اس اپنے شوہر سے اجازت مانگی تھی۔

''شوہر سے؟''

''کیا کہہ رہی ہو تم؟''

''ہاں، میں ٹھیک کہہ رہی ہو اس لیے اس نے التجا کی ہے کہ کسی کو اس کا پتا نہ بتاؤں۔''

وچن تو بکی بکی رہ گئی۔

''اس نے زلزلے کے دو سال بعد مزار کے ایک گدی نشین سے نکاح کر لیا تھا اور اس نے اسے اپنے ماضی کے متعلق کچھ نہ بتایا تھا۔ وہ سب جانتے ہیں کہ اس کا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔''

''یہ کیسے ممکن ہے؟''

''یہ ہی ہے۔ اس کے دو بچے بھی ہیں۔''

وہ دنگ سی تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ اپنے منہ پر بے ساختہ رکھ لیا تھا۔ آنسو بے ساختہ اس کی آنکھوں سے جاری تھے۔

''اس نے کہا وہ خوش ہے یہاں۔''

اور بھی خوش دل نا جانے کیا کیا کہتی رہی۔ اس کا دل اب ایک اور لفظ بھی سننا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے سوپ چھوڑ دیا اور اپنا ہینڈ بیگ کندھے پر تان لیا اور کہیں جانے لگی۔

''ایک منٹ۔'' خوش دل نے اسے پکارا تھا اور نا جانے کہاں چلی گئی تھی۔ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا جو تہہ در تہہ بند تھا۔

''یہ کیا ہے؟''

''بندگی کی التجا۔ اس نے خط لکھا ہے کہ اسے تلاش نہ کیا جائے۔''

وچن نے کانپتے ہاتھوں کے ساتھ وہ خط لیا اور ایک بھی منٹ کی مزید دیر کیے بنا اسلام آباد آ گئی۔ عافی نے بندگی کے پیچھے اتنے سال گنوا دیے تھے۔ اور اب وہ عافی کا ایک منٹ بھی رد نہ ہونے دے گی۔

☆......☆......☆

فری اور دوری نے سکینہ کی جگہ پیپر دینے والی لڑکی کا ہو بہو سکیچ بنایا تھا۔ دو پونیاں، سفید ربن، درمیانی مانگ، بہت بڑی آنکھیں، موٹا چشمہ۔

''ہوں۔'' پولیس افسر نے بغور اسکیچ دیکھا تھا۔

''اتنی چھوٹی چھوٹی بچیاں اتنے بڑے بڑے جرموں کی ہمت کیسے کر لیتی ہیں اور وہ بھی ایسی ماہر اور ذہین لڑکی جو تاپ ہی کر لے۔''

فری اور دوری سامنے ہی بیٹھی تھیں۔

''یہ اسکیچ میں تمہاری پوری کلاس سے تصدیق کرنے کے بعد ہی آگے لے جاؤں گی۔''

دونوں نے ہاں کہہ دی۔ پولیس افسر نے انہیں جانے کی اجازت دی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر اسکیچ بنوا کر گھر چلی ائی تھیں۔

شام کو وہ شان کے پاس آتی تھیں پر آج نہ آئیں۔ اسکیچ تو بن گیا تھا لیکن نا جانے ان کا دل کیوں ڈوبا جا رہا تھا۔ دونوں اپنی دادی کی گود میں سر رکھ کر رو رہی تھیں۔

''ہم نے اچھا نہیں کیا دادی، ہم نے ہماری وچی کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔''

''تم دونوں نے بس سچ کا ساتھ دیا ہے اور سچ کا ساتھ دینا آسان نہیں ہوتا۔ یہ تو ہونا ہی تھا۔''

''لیکن ہماری وچی کا کیا قصور ہے دادی؟ اس نے تو مدد کی مد میں سکینہ کی جگہ پیپر دیے تھے۔ جب اسے احساس ہوا تو اس نے تو بھکر لی۔ شان کو ڈھونڈا، اب اس کا علاج بھی کروا رہی ہے۔ اس کی ذہنی حالت ٹھیک ہو رہی ہے، لیکن ہماری وچی...... ہماری وچی کا کیا ہوگا؟''

وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھیں۔ بے فکری میں زندہ رہنے والی دو موٹی لڑکیاں جن کو کھانے پینے کے بنا کچھ سوجتا نہ تھا، آج پولیس اور میڈیا کے ساتھ لڑ رہی تھیں۔ یہ سب بہت مشکل تھا۔ بہت مشکل۔

اب سب سچ کا ساتھ دینے کی وجہ سے ان دونوں کی عزت کرتے، کوئی انہیں موٹی موٹی کہہ کر نہ چڑاتا۔ وہ بہت مقبول ہو گئی تھیں۔ خاندان والے بھی ان کی ہمت افزائی کو سراہا کرتے۔ لیکن وہی

جانتی تھیں کہ یہ سب وہ کیسے کررہی تھیں۔ ان کی وچی کی ان کو بہت فکر تھی۔ وچی کی محبت میں وہ تہجد کی نمازیں پڑھنے لگی تھیں۔ رات رات بھر وہ اپنی وچی کے لیے دعائیں مانگیں۔

☆......☆......☆

دن کا ابھی کچھ نہ بگڑا تھا۔ سورج سر پر اب بھی سوار تھا۔ وہ عافی کے آفس میں بیٹھی تھی اور عافی کسی ضروری میٹنگ میں بزی تھا۔ اسے آئے بیس منٹ ہو گئے تھے اور عافی مصروف تھا۔ پہلے بیس منٹ اور اب آدھا گھنٹہ گزر رہا تھا۔ ایک اور آدھا گھنٹہ؟ اتنے سال گزر گئے؟ عافی نے تو سمجھو زندگی گزار لی۔ وہ اس کی فکر میں تھی اور عافی تھا کہ میٹنگ میٹنگ میٹنگ۔

اس نے موبائل نکالا عافی کو کال کرنے کے لیے لیکن خوش دل کی کال آ رہی تھی۔ اس نے بزی کر دیا اور عافی کا نمبر ملایا۔ کال مل گئی تھی لیکن جواب موصول نہ ہو رہا تھ۔ شاید فون سائلنٹ تھا۔ وچن نے شدت انتظار سے مٹھیاں بھینچ لیں۔

”کہاں ہو تم عافی؟“ اس نے سوچا ہی تھا کہ اس کے موبائل کی ٹیون بجی۔ خوش دل کا میسج تھا۔

”اس عافی سے میرا ذکر کرنا...... اور تمہیں یاد ہے نا تم نے اتنے بڑے کام کے صرف دو کنگن دیے تھے اور تم مجھے اب عافی سے اتنا دلواؤ گی کہ......“

اُف یہ لڑکی خوش دل۔ بہت لالچی ہے۔ لیکن اس کا تو کام ہی یہی ہ۔ پر یہ عافی کہاں رہ گیا۔ بس اب اور نہیں۔ اس نے اپنی سفید پر بھڈ ساڑھی کا پلو ٹھیک کیا اور آگے بڑھ گئی۔ رخسار کانفرنس روم سے باہر آ رہی تھی۔ اس کو دیکھتے ہی اس نے عافی کے متعلق پوچھا۔

”میم! وہ بزی ہیں اور مزید دو گھنٹے تک میٹنگ چل سکتی ہے۔“

”مجھے کچھ نہیں پتا۔ مجھے عافی سے ملنا ہے بس۔ تم؟“ وچن نے چند لمحے سوچا اور پھر سامنے پڑے پیچ میں سے ذرا سا رقعہ کاٹ کر رخسار کو دیا اور کہا۔

”اسے ابھی کے ابھی عافی کو دے۔“

”یس میم۔ آپ یہاں ویٹ کریں۔“ رخسار نے پروفیشنل مسکراہٹ لبوں پر بکھرا کر کہا اور اندر آئی۔

عافی کا کوئی امپلائے پریزنٹیشن دے رہا تھا اور وہ سربراہی کرسی پر براجمان تھا۔ کانفرنس روم میں بس ایک آواز دیواروں سے ٹکراٹکرا کر واپس آ رہی تھی۔ سب اس ایک آواز کے زیر اثر معلوم پڑتے تھے۔

عافی کے مہمان ڈیلرز بھی موجود تھے، ان پر اس ڈیل کا دارومدار تھا۔ صبح ہی عافی نے کہا تھا کہ آج کی میٹنگ بے حد اہم ہے۔ رخسار سوچ میں پڑ گئی کہ وہ یہ رقعہ عافی کو دے یا نہ دے؟

لیکن پھر عافی کی ہی نظر اس پر پڑ گئی۔ اسے تذبذب کی سی کیفیت میں دیکھ کر عافی نے آنکھوں ہی آنکھوں میں رخسار سے معاملہ دریافت کیا۔ تو اس نے رقعہ آگے بڑھا دیا۔

"بندگی کی خبر لائی ہوں"۔

وچن۔

رقعہ پڑھتے ہی وہ اٹھا تھا اور سب کچھ چھوڑ کر باہر آیا تھا۔ رخسار بھی ان کے پیچھے آئی تھی۔ باہر آتے ہی عافی نے پوچھا۔

"کہاں ہے وچن؟"

"میم آفس میں ہیں شاید"

عافی جانے لگا۔

"پر سر میٹنگ......؟"

"میٹنگ اور......"

"واٹ؟ بٹ سر......"

"تم دیکھ لو رخسار...... پر مجھے جانے دو" اس نے شدید بے چینی سے کہا تھا۔ رخسار اپنی جگہ سن سی کھڑی تھی اور نا جانے کتنی ہی دیر کھڑی رہی۔ پھر اسے میٹنگ کا خیال آیا۔ اس نے مینجر کو سب مینج کرنے کے لیے کہا تھا۔

☆......☆......☆

وچن عافی کے آفس میں ادھر سے ادھر بے صبری سے ٹہل رہی تھی۔ جتنی بے صبر وہ تھی اتنا ہی عافی تھا۔ وہ الٹے سیدھے قدم اٹھاتے ہوئے آفس تک آیا تھا اور آتے ہی پوچھا تھا۔

"کہاں..... کہاں ہے بندگی؟" اس نے بے حد عالم اضطراب میں سوال کیا تھا۔ اس کی آنکھیں تو بندگی کا سنتے ہی چمک اٹھی تھیں اور اب تو خوشی سے ہاتھ پاؤں بھی کانپ رہے تھے۔

"کہاں ہے بندگی۔ بتاؤ وچن، کہاں ہے بندگی؟"

کسی کے انتظار کو ختم کرنے کا سوچنا اور کسی کے انتظار کو ختم کر ہی لینا دونوں الگ باتیں تھیں جن میں سے ایک آسان اور دوسری مشکل تھی۔ کسی کے انتظار کو ختم کرنا بے حد مشکل تھا۔ وہ آئی تو تھی عافی کو حقیقت بتا کر اس کے انتظار کو ختم کرنے لیکن اب عافی کو روبرو پا کر جیسے لفظ کھو بیٹھی تھی۔ بس اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے عافی کو دیکھ رہی تھی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو وچن۔ بتاؤ نا مجھے۔ کہاں ہے میری بندگی؟"

"تمہاری بندگی؟"

"ہاں وچن۔ کہاں ہے میری بندگی؟"

"تمہاری بندگی تو نا جانے کب سے کسی اور کی ہو گئی عافی۔"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"تم بس یہ ہی جان پائے کہ وہ زندہ ہے۔ ہاں عافی وہ زندہ ہے۔ صحیح سلامت ہے اور دو بچوں کی ماں ہے۔"

"کیا۔ کیا تم سچ کہہ رہی ہو۔ وہ زندہ ہے؟"

"ہاں عافی۔ وہ زندہ ہے صحیح سلامت ہے اور......"

وہ اپنی بات دہرا رہی تھی۔ اسے لگا تھا عافی نے شاید ٹھیک سے سنا نہیں تھا کہ وہ اب دو بچوں کی ماں ہے۔

"یا اللہ۔ یا میرے اللہ۔ تیرا شکر۔ تیرا لاکھ لاکھ شکر۔ وہ ٹھیک ہے صحیح سلامت ہے۔"

''ہاں وہ ٹھیک ہے۔اس نے کسی درگاہ کے گدی نشین سے شادی کر لی تھی اور تمہارے لیے ایک خط بھی دیا ہے۔''اس نے ہینڈ بیگ سے نکال کر اس کی امانت اسے لوٹائی اور ایک جانب ہو کر کونے میں کھڑی ہو گئی۔

''عافی!

کھوئے ہوئے دن،کھوئی ہوئی باتیں اب کھوئی ہوئی یادیں بن گئی ہیں اور اسی کا نام ہی زندگی ہے۔

ہم نے جو کھایا جو پایا وہ سب قسمت کا کھیل تھا۔مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں۔میں نے کسی کے لیے کوئی میل اپنے دل میں نہیں رکھا۔سب کو معاف کر دیا اور اب بہت آگے چلی آئی ہوں۔میں صرف بندگی ہی نہیں ہوں کسی عزت دار خاندان کی بہو ہوں،کسی کی بھابی ہوں،کسی کی حاچی ہوں،کسی کی مامی ہوں،کسی کی امی جان ہوں اور کوئی میرا مجازی خدا ہے۔

مجھے میرے اتنے سارے رشتوں کا بھرم رکھنے دو!یہاں کوئی میرے اصلی نام تک سے واقف نہیں۔میری کھوئی ہوئی شناخت کسی کے سامنے نہ آنے دو۔

فقط......ایک گم نام''

عافی نے خط پڑھا تھا۔وچن نے لفظ بہ لفظ سنا تھا۔اس کا دل تو جیسے پھٹ سا رہا تھا۔اتنی شدید محبت کا ایسا انجام۔اس نے بہ مشکل اپنے آنسو روکے اور عافی کے پاس فرش پر آ بیٹھی۔وہ بندگی کے صحیح سلامت ہونے کے لیے سجدے وہ شکرانے کر رہا تھا۔

''اس نے اپنا نام درج نہیں کیا۔''وچن کی ٹوٹ آس بندھی ہی تھی کہ عافی نے کہا۔

''ہاں،پر میں اس ہینڈ رائٹنگ کو پہچانتا ہوں،یہ اسی کی ہے۔''اس نے عقیدت سے خط کو آنکھوں سے لگاتے ہوئے کہا۔

''ولس خط سے بندگی کی خوشبو آ رہی ہے۔''اس نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔

وچن بھی بے ساختہ مسکرا دی اور کہا۔''تم جیسی محبت تو کوئی نہیں کر سکتا عافی۔جب میں یہاں

آئی تو تم بڑی تھے۔ چاہتی تو میں رخسار کو خط تھما کر چلی جاتی لیکن مجھے لگا آج تو تمہیں کسی ضدی بچے کی مانند سنبھالنا پڑے گا لیکن تمہیں؟''

''مجھے کیا وچن؟'

''تمہیں تو محبت نے سنبھالا ہوا ہے۔''

''ہاں وچن، میری محبت میرا بہت بڑا اثاثہ ہے۔ میری تمام زندگی اس محبت کے نام تو ہے، میں اسے ڈھونڈتا تھا کبھی اس کے ہجر میں تڑپ کر، کبھی اس کی تنہائی کا سوچ کر، کبھی اس کی بے حالی ذہن میں آتی تھی۔ ڈرتا تھا کہیں وہ قسمت کی نوک تلے دکھ نہ چنتی ہو۔ آنسو نہ بہاتی ہو؟ تنہا کہیں سسکتی نہ ہو۔ کہیں مارے مارے پھر کر سہارے نہ ڈھونڈتی ہو، کسی پکار کی تڑپ میں تڑپتی نہ ہو؟ بس اس لیے تلاشتا تھا۔ اس کی تلاش کا مقصد اس کا وصل کبھی نہ تھا۔ کبھی نہ تھا۔''

''میں جانتی ہوں عافی۔''

''اب تو بس میری یہی دعا ہے اس کے لیے کہ وہ اس عزت دار خاندان کی عزت دار بہو بنی رہے۔ کبھی نند و دیور کی چہیتی بھابی بنی رہے۔ وہ ایک مہربان چاچی ہو، ایک راز دار ممانی ہو، پیاری سی امی جان بنی رہے اور اپنے مجازی خدا کی باوفا شریک حیات۔''

''ہے بھگوان۔'' وہ تو اپنے ہی ہاتھوں پر اپنا چہرہ رکھ کر رونے لگی۔

''کیوں روتی ہو وچن؟ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے۔''

''ابھی محبت میں اس مقام تک نہیں پہنچی نا۔ رونا آ رہا ہے عافی۔ تمہیں دیکھ کے تو لگتا ہے، ہم تو بس بندھن میں بندھے ہیں اور محبت تو صرف تم نے کی ہے۔''

''اچھا چھوڑو، مت رویا کرو۔ آج تم جو لائی ہو وچن، اس کے بدلے میرا سب مانگ لو سب حاضر ہے۔''

''مجھے محبت کے دیوتا سے ایسی محبت کا آشیرواد چاہیے اور کچھ نہیں۔'' اس نے سر آگے کر کے کہا تھا۔

عافی مسکرا دیا تھا۔

"تم ہمیشہ ہی ایسی باتیں کرتی ہو، کہاں سے آتی ہیں ایسی باتیں تمہارے ذہن میں۔" اس نے خوشگوار انداز میں کہا تھا تا کہ وچن کے آنسو روک سکے۔

"عافی۔" وہ آنسو پونچھ کر مسکرا دی۔ "بھگوان تمہیں ساری خوشیاں دے عافی۔ تم دنیا کے سارے سکھ بوگو گے، تمہارا بھی گھر بسے گا، خوشیاں جھوم جھوم کر تمہارے قدموں میں بچھ جائیں گی۔ تمہارا آنگن بھی آباد ہوگا۔"

"دیکھو پھر کرنے لگی نا رشتے کروانے والی ماسیوں کی طرح باتیں۔"

"رشتے نہیں عافی رشتہ۔ تمہارا رشتہ۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا تو بہت زیادہ رونے والی سسکی سی بن آئی۔ اور وہ پھر سے دو آنسو رو دی۔

"اچھا سچ کہہ رہا ہوں۔ آج تم میرا سب کچھ مانگ سکتی ہو۔ تو مانگ لو۔"

"مجھے تمہاری دولت سے کچھ نہیں چاہیے۔ میرے پاس بھگوان کا دیا سب کچھ ہے۔ بس اس خوش دل کو کچھ دے دینا کیونکہ اس کی مدد کے بنا میں تو کیا میرے اچھے بھی بندگی تک نہ پہنچ پاتے۔"

"وہ عبایا والی لڑکی؟"

"ہاں وہی۔ بہت چالاک عورت ہے۔ یوں تو پارلر چلاتی ہے لیکن بہت چال باز اور لالچی ہے۔"

"ہوں۔"

"لیکن اگر تم مجھے اس خط کے بدلے کچھ دینا چاہتے ہو تو پلیز اس رخسار پر ہی نظرِ کرم کر لو۔ بے چاری مجھے تمہارے پاس دیکھ کر تڑپ جاتی ہے۔"

ان دونوں نے اسے گلاس میں سے دیکھا تھا۔ وہ بھی اپنی جھیل سی آنکھوں میں کئی سو سوال سمو کر ان دونوں کو فرش پر بیٹھا دیکھ رہی تھی۔ یہ نون مسلم میرڈ لڑکی اس کے سر کے لیے بہت اہم تھی جس کے لیے وہ اتنی ضروری میٹنگ چھوڑ آئے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وچن باہر آئی، اسے پکارا۔

"یس میم۔" رخسار کا دل چاہے کسی بھی حالت میں ہو وہ اپنے پروفیشن سے پرسنل لائف کو جدا رکھتی تھی۔

''تھینک یو عافی کو کانفرنس روم میں میرا پیغام دینے کے لیے۔''

''اٹس مائے جوب میم۔''

''اچھا سنو۔ عافی کا خاص خیال رکھو۔ ابھی اس کے لیے کافی بھجواؤ۔ مجھے اس کی بہت فکر رہتی ہے۔ میرے لیے وہ میرے سگے بھائیوں سے بڑھ کر ہے۔ اس لیے تم سے گزارش کروں گی کہ عافی کا خیال رکھنا بہت۔ بہنوں کو تو ہمیشہ بھائیوں کا خیال ہوتا ہے نا۔''

رخسار حیران سی رہ گئی۔ اس کے دل میں اٹھتے سوالوں کا اور بجھتی محبت کا وچن کی عقل مندی سے تعلق رکھتا تھا تو سارے سوال کہیں گم ہو گئے تھے اور محبت کے بجھتے دیئے پھر سے روشن ہوئے تھے۔ پر بات صرف رخسار کی تو نہ تھی۔ اسے عافی سے محبت کرنی تھی اور عافی کو اپنی محبت سے محبت تھی۔

☆......☆......☆

محبت میں ایک مقام ایسا بھی آتا ہے کہ انسان کو اپنی محبت سے محبت ہو جاتی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جب انسان محبت کے سبق پڑھ پڑھ کے زندگی کے اصل مقصد کو سمجھ لیتا ہے۔ اور جب ایک بار سمجھ کے در کھول جائیں تو دنیا کو دیکھنے، سوچنے، سمجھنے کے تمام تر نظریے بدل جاتے ہیں۔ انسان کو وہ عقل، وہ شعور حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ پرکھ کا ترازو کہیں رکھ آتا ہے۔ خواہشات کے سیلاب تھم جاتے ہیں پھر اتنا کچھ نظر آتا ہے کہ آنکھیں کھولی ہو یا بند، ہجر ہو یا وصال اس کی محبت اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ یہ وہ مقام عشق ہوتا ہے جب دل روشن اور نظر بیدار ہو جاتی ہے۔ اس نے لکھا تھا اس نے سب کو معاف کر دیا ہے۔

آج لگتا تھا کہ وہ اس قید سے آزاد ہوا تھا۔ آج لگتا تھا کہ درحقیقت وہ بھاری بھرکم چھتوں سے اکھڑے ٹوتے پتھر اس پر ہٹا دیئے گئے تھے آج لگ رہا تھا کہ سارے زخم بھر دیئے گئے ہیں۔

بندگی کی سلامتی کی خبر، خود اس کے ہاتھوں سے لکھا خط۔ اس کے لیے ساری زندگی خوشی سے گزارنے کے لیے بہت تھا۔ وچن اسے آباد و شاد رہنے کی دعائیں دے گئی تھی۔ وہ تو اسی لمحے تاعمر حیات شاد ہو گیا تھا جب اس نے وہ خط اسے تھمایا تھا۔

اسے آج تک لگتا تھا یادیں کوئی بے کار چیز ہیں ان کا کوئی ردعمل نہیں۔

ہم جتنا چاہے کسی کو یاد کر لیں، دوسرے پر اس کے اثرات صفر ہی رہتے ہیں، اسے لگتا تھا یادیں یکطرفہ کیفیت ہیں جس میں ایک ہی دل تڑپ تڑپ کے رہ جاتا ہے، حشر نشر ہی کیوں نہ ہو جائے یادوں کی تڑپ تو ایک ہی دل کے سکون کی دشمن ہوتی ہے۔

لیکن اب! اب تو بندگی نے اس کا نام تحریر کیا تھا۔

بے شک یادوں کا ردعمل اسی شدت سے ہو یا نہ ہو لیکن کچھ تو ہوتا ہے۔ نام تو یاد رہ جاتے ہیں۔

جب نام یاد ہے تو کوئی نہ کوئی بات بھی یاد ہوگی۔

اور جب وہ ایک بات یاد آئے گی تو ہی تو یادوں کے صفحات پلٹتے ہوں گے۔

یعنی یادوں کا ردعمل ہوتا ہے۔ نصیب اچھا ہو تو یادوں کے ردعمل کی شدت بھی عمل سی ہوتی ہے۔

لیکن اگر نصیب میں کوئی خاص بات نہ ہو تو بھی یاد آنے والا یاد کرنے والے کو ذہن نشین تو کر ہی لیتا ہے۔ کبھی ذہن سے نکال نہیں سکتا، کبھی خواب بن کے بند آنکھوں کے دریچوں میں یادوں کا عمل ضربیں لگاتا ہے تو کبھی کھلی آنکھوں میں آزاد خیال بن کے آوارہ سی پکار بن جاتا ہے۔ بہرحال یادوں کا ردعمل تو ہوتا ہی ہے۔ اس نے ایک بار پھر سے وہ خط پڑھا تھا۔

اسے پھر سے سب اچھا لگنے لگا۔ کتنا اچھا ہوا جو اس نے ماضی کی تلخیوں کو بھول کر زندگی کی نئی شروعات کر لی۔ اب پیچھے رہا ہی کیا تھا۔ اس کے اعتبار بھی تو درہم برہم ہوئے تھے۔ اور وہ کس قدر پاگل تھا اسے کیسے اور کہاں کہاں ڈھونڈتا رہا تھا۔ اس نے تو پہچان ہی بدل لی تھی۔ اب تو وہ کسی اور کے نام سے جانی جاتی ہوگی۔

اس کے لبوں پر تبسم سا بکھرا تھا جبکہ آنکھوں کے کنارے بھیگے تھے۔ وچن چلی گئی تھی اس کے لیے کافی کا کہہ کر۔

رخسار بڑی بڑی گرم جوشی سا انداز لیے خوش کن لہجے کے ساتھ اس کے روبرو گرم دھواں اٹھاتی کافی کا مگ لیے کھڑی تھی۔

''تمہیں کیسے پتا چلا مجھے کافی کی ضرورت ہے؟''

''وہ میم کہہ گئی تھی۔ انہوں نے تاکید کی ہے کہ مجھے آپ کا بہت زیادہ خیال رکھوں اور آپ ان کے سگے بھائیوں سے بھی بڑھ کر ہیں رشتے کرانے والی ماسی۔''

''سوری سر۔''

''نہیں کچھ نہیں۔ ہاں میری چھوٹی سی بہن اگر ہوتی تو وہ میرے لیے ایسے ہی فکرمند ہوتی جیسے وچن ہوتی ہے لیکن میری زندگی میں بس اسی ایک بہن کے ہی رشتے کی گنجائش ہے۔'' عافی نے صاف صاف کہہ دیا۔ وہ اسے ایسے خواب نہ دکھا سکتا تھا جس کی تاثیر ترش ہو۔ اس کے تو میٹھے خواب دیکھنے کی عمر تھی۔ جس کے تاثر سے اس کی زندگی میں رس بھر جائے۔

رخسار نے لیس سر کہا اور آفس سے باہر چلی آئی۔

''کوئی اپنا خیال رکھنے دے تو خیال رکھے نا۔'' رخسار نے ہاتھ پر ہاتھ مار کے دل ہی دل میں کہا تھا۔

☆......☆......☆

وچن نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا اور اب خوش دل اس کا دماغ کھا رہی تھی۔ بار بار کال کرتی اور بار بار بلینک چیک کا پوچھتی۔

اور دیپک؟ ایسی بھی کیا بے رخی۔ اس نے لوٹتے ہوئے بھی دکان کا چکر لگایا لیکن دیپک اس سے نہیں ملا۔

وہ گھر آئی تو کملا اس کا چہرہ دیکھ کر ہی سمجھ گئی تھی کہ دیپک اس سے نہیں ملا۔ وہ بہت ضدی تھا تو کملا بھی اس کی ماں تھی۔ آج صبح ہی گھر خرچ کے لیے اس نے پیسے بھجوائے تھے۔ کملا نے دکان سے ملازم منگوایا۔ پیسے واپس بھجوائے اور کہہ کر بھجوایا کہ جب گھر نہیں آ رہے، مل نہیں رہے، بات نہیں کر رہے، نہ کچھ پوچھ رہے ہو نہ بتا رہے ہو تو اپنا فرض بھی نہ نبھاؤ۔

کملا کے ہاتھوں میں اب بھی جان ہے۔ اب اگر گھر پیسے بھجوائے تو نے تو میرا مرا منہ دیکھو گے۔

ماں جی بہت فلمی تھی لیکن اتنی زیادہ؟ وچن حیران رہ گئی۔

اس نے ماں جی کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ نہ سمجھی۔ ماں بیٹا دونوں ضدی تھے۔

وہ کیا کرتی؟

☆......☆......☆

فری اور دوری نے آج ساری جرأت مندی کی داستان سر جوڑ کر دکھی ہو کر شان اور اس کی ماں کو سنائی تھی۔ وہ ہمیشہ کی طرح سر جوڑ بیٹھی تھیں اور خود کو کوس رہی تھیں۔

"ہم نے اچھا کیا دوری؟"

"ہاں فری، ہم نے اچھا ہی کیا جو سارے بھرم توڑ دیئے۔ ہم کہاں، دوستیاں کہاں، ہم دوستیاں نہیں نبھا سکتے، یہ ثابت ہو گیا۔"

"کیوں آنٹی؟"

اب وہ کیا کہتی۔ انھوں نے تو پہلی بار اتنی ہنس مکھ لڑکیوں کو اتنا دکھی دیکھا تھا اور وچن کی فکر تو اسے بھی تھی۔ وہ جانتی تھی وہ ارادوں کی پکی اور سچی لڑکی ہے۔ کل کو پولیس اس تک پہنچ جائے گی تو ان کے پوچھنے سے پہلے ہی سچ اگل دے گی۔ اور اب بھی اس نے خود کو کم سزا تو نہ دی تھی۔ اس نے سن رکھا تھا کسی کی جگہ پیپر دینے کی سزا کے طور پر ڈگریاں ردی جاتی ہیں اور وہ خود کو یہ سزا دے چکی تھی۔ اس نے اب بھی اپنی ڈگریوں کو استعمال نہ کرنے کی ٹھان لی تھی اور یوں بھی دیپک جو اس سے خفا تھا سو وہ الگ تھا۔

دونوں رو رہی تھیں۔ دکھ بانٹ رہی تھیں۔ شان کی ماں نے بمشکل ان دونوں کو چپ کروایا تو شان ہلکا ہلکا سسک کر رونے لگا۔ وہ صدمے کے بعد سے اب تک کبھی نہ رویا تھا۔ شان کی ماں دوڑ کر اس کے پاس آئی اور فری اور دوری کو رونا جاری رکھنے کو کہا۔

"اور...... اور اب کیا ہوگا وچی کا؟" ان دونوں کی وجہ سے شان کی ماں بھی انہیں وچی کہہ کر پکارتی۔

"اور...... ہاں اور۔" دونوں نے حقیقت میں رونا بند کیا تھا۔ اب ڈرامہ کر رہی تھیں لیکن کہہ سب سچ رہی تھیں۔

"نہیں بتاؤ اس میں وچی کی کیا غلطی؟ کوئی اتنی سی عمر کی لڑکی کی شادی کسی عمر رسیدہ شخص سے ہوتے ہوئے کیسے دیکھ سکتا ہے۔ اس نے تو صرف مدد کی تھی۔ لیکن اسے کیا پتا تھا کہ یہ ایک کھیل تھا جو نہ اس کے ساتھ بلکہ نا جانے کتنوں کے ساتھ کھیلا جا رہا تھا۔

"ہاں دوری! ہم تو سمجھتے تھے کہ تعلیم کو نقل نامی مرض لاحق ہے لیکن یہاں تو؟" یہ جملہ فری کے

انداز میں شان کی ماں نے ادا کیا تھا تو شان نے بھی لب کھولے تھے۔

لیکن یہاں تو پیپر ہی نہیں دیئے جاتے۔نہیں دیئے جاتے۔نہیں دیئے جاتے۔'' بھوری آنکھوں والے لڑکے نے آنکھوں میں آنسو بھر کے کہا تھا۔''ہاں پیپر نہیں دیے جاتے۔''

''ہاں۔ہاں پیپر نہیں دیئے جاتے اور لوگ پاس ہو جاتے ہیں۔'' شان کی ماں نے کہا اور فری اور دوری کو باتیں جاری رکھنے کا اشارہ کیا تھا۔وہ سب مختلف جملے ادا کر رہے تھے اور شان ہلکا ہلکا سسک کر کہہ دیتا۔

''پیپر نہیں دیئے جاتے،نہیں دیئے جاتے۔''

''اب وچی کا کیا ہوگا؟''فری نے دانستہ کہا تھا۔وہ سب چاہتے تھے شان رو دے۔

''کیا ہوگا؟ وچی کا کیا ہوگا؟ ماں وچی کا کیا ہوگا؟'' شان نے ماں سے پچھا تھا اس سوال کو پوچھتے ہوئے اس کی آنکھ سے آنسو بہہ نکلا تھا۔اسے بھی وچی کا درد محسوس ہوا تھا۔وہ درد محسوس کرنے لگا تھا۔شاید وہ سمجھ رہا تھا کہ کیا کچھ ہو رہا ہے؟ اور کیا کچھ اس کے ساتھ ہوا ہے لیکن نا جانے کیوں وہ ٹھیک سے محسوس نہیں کر پا رہا تھا۔

شان کی ماں آج بہت خوش تھی۔اس میں مثبت بدلاؤ آنے لگا تھا۔

فری اور دوری اب ملے جلے احساسات لیے کھڑی تھی۔ایک طرف وچی کا اسکیچ بنوانے کا دکھ تھا، دوسری طرف شان کے مثبت رویے کی خوشی تھی۔نا جانے ان کی آنکھوں میں ٹھہرے آنسوؤں کی وجہ کیا تھی؟

☆......☆......☆

آج پھر ماں جی نے ملازم کو دکان سے بلوایا تھا اور پوچھا تھا کہ پیسے لوٹاتے وقت دیپک کا ردعمل کیا تھا؟ اور انہیں یہ جان کر افسوس ہوا تھا کہ دیپک نے پیسے لے لیے اور کہہ دیا جیسی ماں جی کی اچھا۔

دیپک سے ایسی سفاکی کی تو امید نہ تھی۔چلو ناراضگی ان سے تھی۔وچن سے تھی لیکن کمل کا کیا قصور تھا۔وہ تو اسے بھی دیکھنے نہ آیا تھا۔

کملا کو تو جیسے وشواس ہی نہ آ رہا تھا۔ وہ اس کا تابعدار بیٹا تھا۔ پر وہ بھی کملا تھی۔ اسے بھی بس اوپر والے کا ہی بھروسہ تھا۔ بیٹا تو بس آنکھوں کا نور تھا ورنہ اس کی ہڈیوں میں اب بھی جان تھی۔ اس نے وچن کو بلایا تھا اور زیادہ سے زیادہ آرڈر لینے کا کہا تھا۔

وچن نے ماں جی کو سمجھانا چاہا تھا۔ جب اس سے دیپک خفا ہوتا تھا تو دل پر پہلے کبھی اتنا اثر نہ لیتی تھی لیکن اب جب ماں جی سے خفا ہوا تھا تو وہ پریشان سی ہو گئی تھی۔ یوں بھی اب پہلے جیسی بے فکری و نا سمجھی تو تھی نہیں۔ نا جانے کیسی آگاہی تھی اور نا جانے کیسے کیسے کھٹکے؟

آج ماں جی نے اسے پاس بٹھایا۔ اس نے وہ کڑا پھر سے پہن لیا تھا لیکن دوسری کلائی کے کنگن غائب تھے۔ ماں جی نے بس اس کی سونی کلائی ہی دیکھی۔ ابھی کوئی سوال نہ کیا تھا کہ اس نے خود ہی بتا دیا۔

"کسی کام کے سلسلے میں پیشگی دی تھی؟"

"وہ لڑکی مل گئی کیا؟"

"ہاں۔ پر وہ شادی شدہ ہے۔ اس کے بچے بھی ہیں۔"

وچن نے پوری بات تفصیل سے بتائی ہی تھی کہ کملا جیسے طیش میں آ گئی اور زور سے کہا۔

"ناممکن۔"

"ماں جی، یہ کوئی فلم تو نہیں جو ہیپی اینڈنگ ہو۔"

"ہاں فلم نہیں لیکن میرا دل نہیں مانتا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ کوئی کسی سے اس قدر محبت کرے اور وہ؟"

"ماں جی، ماں جی ریلیکس۔ عافی ٹھیک ہے اور بس نہ اب زندگی کو آگے بھی تو بڑھنا چاہیے نا۔"

"کہیں تو نے تو یہ خط نہیں لکھوایا۔" کملا کی شکی عادت۔

"ماں جی۔ میں بندگی سے کبھی ملی ہی نہیں۔ عافی بندگی کی ہینڈ رائٹنگ پہچانتا ہے۔ وہ پہچان گیا تھا۔"

"تو لکھائی کی بات کر رہی ہے، وہ تو یوں بھی کوئی لکھ سکتا ہے۔"

"ماں جی۔ اتنے سال سے گم شدہ لڑکی کی لکھائی میں کون لکھے گا اور کیوں لکھے گا؟"

"کیونکہ......" ماں جی سوچ میں پڑ گئی اور کچھ سوچنے کے بعد شک کی سوئی کو خوش دل پر لے

آئی۔ اور پر سوچ انداز میں بولی۔

''ایسا بھی تو ہو سکتا ہے دو کنگن تم سے لینے والی اس لڑکی سے بھی دو کنگن لے آئی ہو۔ اور وہی کہا ہو جو اس نے کہنے کے لیے کہا ہو۔''

ماں جی بھی حد کرتی تھی۔ ہر ایک بات کو فلمی موڑ دے دیتی۔

''کیوں۔ کیوں یہ نہیں ہو سکتا۔ تم سے کنگن لینے والی اس سے بھی تو کچھ لے سکتی ہے۔''

وچن سوچ میں پڑ گئی۔ خوش دل تھی تو لالچی لیکن...... وہ سوچ رہی تھی کہ فری اور دوری کے غمگین میسج آئے تھے۔ ان سے پولیس والوں نے اسکیچ بنوایا تھا۔

''اف۔''

دماغ ماؤف ہونے لگا تھا۔

''کیا ہوا بہو؟''

''ہم نہ کہتے تھے چپ رہو حالی
راست گوئی میں ہے رسوائی بہت''

اس نے شعر کہا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔

''حالی..... کہاں ہے حالی؟ یہ بہو کس سے مخاطب تھی۔ پجاری جی سے کوئی رکھیا تعویز لانا پڑے گا اس کے لیے۔'' وہ خلاؤں میں جھانک رہی تھی۔

☆......☆......☆

اس کے ہاتھ مہارت سے چل رہے تھے۔ وہ کسٹمر کا فیشل کر رہی تھی۔ بیک گراؤن میں نصرت فتح علی کی غزلیں چل رہی تھیں۔

''حسن جاناں کی تعریف ممکن نہیں۔''

ساتھ میں ایک دلہن بھی تیار کی جا رہی تھی۔ خوش دل معنی خیز انداز میں غزل کے بولوں پر با آواز لپ سنگنگ کر رہی تھی۔

اب تو اس فیشل والی کی اور اس دلہن کی جیب کی خیر نہیں تھی۔ وہ ایسی غزلیں سنا کر انہیں جیسے اپسراؤں والے ٹرانس میں لے جا رہی تھی۔ خیر کام بھی مہارت والا تھا۔ وچن کو اس سے بات کرنی تھی پر وہ سخت بزی تھی۔ اس نے ذرا سی دیر کہہ کر آدھا گھنٹہ لگا دیا تھا۔ اور اب مزید تھوڑی دیر انتظار کرنے کا کہہ رہی تھی کہ پارلر کا تو جیسے موسم ہی تبدیل ہونے لگا۔ ایک ورکر بھاگتی چلی آئی تھی اور ہانپتے ہوئے کہا تھا۔

''عزت بی بی آ رہی ہیں۔''

یہ جملہ بہت از جیٹک تھا۔ پہلے سے مصروف پارلر میں سب اور بھی زیادہ مصروف ہو گئے۔ ہر ایک چیز کی منٹوں میں صفائی ہو گئی۔ کترے ہوئے بال وال سب یک دم صاف ہو گئے تھے۔

''عزت بی بی۔'' نام تو وچن نے بھی سن رکھا تھا۔ اور جب وہ آئی تو یاد آیا ان سے تو پارلرز میں ملاقات ہوتی رہی ہے۔ لیکن پھر بھی وہ غور سے اسے دیکھنے لگی۔ عزت بی بی ایک ادھیڑ عمر کی فیشن ایبل خاتون تھی۔ جس کے وجود سے مہارت سے کیے میک اپ کی گہری تہیں چمٹی تھیں۔ رنگ بھی گورا تھا اور اس پر بھاری بھاری سونے کے گہنے اس کا رعب بڑھا رہے تھے۔ دو پکی عمر کی عورتیں اس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھیں۔ جس میں سے ایک کے ہاتھ میں اس کا پرس تھا اور دوسری کے ہاتھ میں اس کی سموکنگ کا سامان تھا۔

عزت بی بی اسی شان سے چلتی پارلر میں داخل ہوئی تھی۔ سب نے بڑے احترام سے سلام کیا تھا اور وہ سب کو کراس کر کے سیدھا خوش دل کے پاس آئی اور اسے گلے لگایا۔

''دل او دل! بڑی یاد آئی تیری۔''

''مجھے بھی آپ بہت یاد آئیں۔'' خوش دل نے ان کا ہاتھ چوم کر کہا تھا۔ شاید بہت دنوں کے بعد مل رہی تھیں۔ دونوں کی آنکھوں میں نمی تھی۔

عزت بی بی نے پھر سے اسے گلے لگایا تھا اور اب اس کی نظر وچن پر پڑی۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔ اس کے پھیلے ہوئے لبوں میں وچن کے لیے شناسائی تھی۔ پر وچن کے ذہن سے ان کی کوئی مکمل یاد اب تک نہ چھلک پائی تھی۔

''ذہین لوگ آئے ہیں۔ٹوپر لوگ۔''

اس کا اتنا ہی کہنا تھا کہ وچن کی یادوں میں ایک جھما کا ہوا۔ ہاں وہ ان سے مل چکی ہے۔ اس کے ہاتھوں نے ہی وچن کو دلہن بنایا تھا۔ وچن اپنی شادی سے خوش نہ تھی اور باتوں باتوں میں کہہ بیٹھی تھی۔ اس نے اپنی ذہانت سے بھی خود ہی انہیں آگاہ کیا تھا۔ بتایا تھا وہ کے جی سے فسٹ آتی رہی ہے تو کیوں وہ شادی رچانے کے خواب دیکھے گی۔ اس نے تو اڑنے کے خواب دیکھے تھے۔

ہاں۔ اسے یاد آیا تھا۔

اوتو وہ اب سمجھی تھی۔ اس عام سی پاپڑ بیلنے والی لڑکی کو سکینہ کے پیپر دینے کے لیے کیوں چنا گیا تھا۔

''یادوں میں کھو گئی کیا؟''عزت بی بی نے سوال کیا تھا۔

''نہیں۔ سوچوں میں۔ کوئی کسی کی اداسی کی وجہ اپنے مطلب سے پوچھ کر اپنے مطلب کے لیے یاد رکھتا ہے اور خود غرضی کی انتہا تو دیکھو آپ نے میری اداسی کی وجہ کو اپنے مطلب کے لیے استعمال بھی کر لیا۔''

''اپنا مطلب کہاں؟ یہ سب تو تمہارے لیے تھا۔ بس تم ہی بے وجہ اخلاقیات کی پاس دار نکلی۔''

''اخلاقیات کبھی بے وجہ نہیں ہوتی میڈم۔''

''چلو تمہاری بات ہی سہی لیکن یہ تو بتاؤ۔ کہانی کا اینڈ کیا ہوا؟''

''ابھی بہت کچھ باقی ہے۔''

''بہت کچھ۔ ذہین لڑکی کہاں ہے تمہارا ذہن۔''

''مجھے اپنی فکر نہیں لیکن اس بات کی خوشی ضرور ہے آپ کا کھیل ختم ہونے والا ہے۔''

''میرا کھیل۔ میرا کھیل۔'' وہ ہنس دی۔

وچن ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ زور زور سے ہنس رہی تھی۔ اس کی ملازم خواتین بھی اس کے ساتھ ہنسنے لگی تھیں۔ پھر کسٹمرز اور خوش دل کے علاوہ سب ہنسنے لگے تھے۔

''میرا کھیل۔ میں ہی کھیل سکتی ہوں اور میں ہی ختم کر سکتی ہوں۔''

''خوش فہمی ہے آپ کی میڈم۔ ہر ایک چیز کا اس دنیا میں آخری وقت ہوتا ہے اور سمجھو آپ کے کھیل کا بھی آخری وقت آ گیا ہے۔آپ نے جس بھی چالاکی سے اس کھیل کو کھیلا ہو لیکن سیکنڈ پوزیشن لینے والے لڑکے کی ماں کے آنسوؤں نے آپ کے ساگھٹیا کھیل کو تھما دیا ہے۔Its over know''
وچن نے کہا اور خوش دل سے بندگی کے متعلق بات کیے بنا ہی چلی گئی۔

''ذہین مگر بے وقوف لڑکی۔'' عزت بی بی نے وچن کے جانے کے بعد کہا تھا۔ ابھی کون کسی کی اداسیوں کا سبب یاد رکھتا ہے۔

''آپا! پر ان لڑکیوں نے اس کا اسکیچ بنوالیا ہے۔ اور اب وہ پولیس آفیسر اس لڑکی کی تلاش میں ہے'' خوش دل نے پریشانی سے پوچھا تھا۔

''لگتا ہے تم پر بھی اس کی اخلاقیات کا جادو چل گیا ہے۔ خیر تم پر یہ جادو کب نہیں چلتا۔ زیادہ ملو اس سے بہت ذہین ہے۔ بس ذرا سیدھی ہے اس لیے الٹی باتیں سوچ نہیں سکتی لیکن جس دن اس کی کھوپڑی مخالف سمت دیکھنے لگی تو تم۔''

''ٹھیک ہے جیسا آپ کہیں آپا۔''

''شاباش۔ پیاری لڑکی تمہاری یہی بات تو دل لے لیتی ہے کہ بنا چوں چرا کیے بات مان جاتی ہو اور رہی بات اسکیچ کی تو۔ کیا تمہیں ہمارے کام کی نوعیت پر کوئی شک ہے کیا؟''

خوش دل نے آنکھیں جھکا کر ہاں نہیں کہا اور اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

''آفرین آفرین۔'' اب ریمکس میں چل رہا تھا۔

❁ ❁

ناول رنگِ حیات کی اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 20 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

قسط نمبر 7

دل تو کرتا تھا کہ......؟

لیکن دل کا کیا کروں؟ وہ سوچ میں پڑ گئی تھی۔ اس کا دل پہلے ہی نرم سا ہو گیا تھا۔ اس کا دھیان اب چینٹیوں پر بھی پڑ جاتا۔ درد کی زبان ہوتی ہے جو سنی جاتی ہے، بولی جاتی ہے، سمجھی جاتی ہے، محسوس کی جاتی ہے اور درد کی زبان کی بھی باقاعدہ اے، بی، سی، ڈی ہوتی ہے، بس فرق صرف اتنا ہے کہ اس اے، بی، سی، ڈی کو کوئی سیکھتا نہیں۔ یہ خود ہی آجاتی ہے جب درد کا نشانہ سیدھا دل بنتا ہے۔ تو یہ اے، بی، سی، ڈی آ ہی جاتی ہے۔ اسے بھی درد کی زبان سمجھ آ گئی تھی۔

کملا نے پاپڑوں تک جاتی چینٹیوں کے لیے زہریلی چاک پھیری تھی۔ وچن کچن سے ایک فالتو کپڑا لا کر اس چاک کو صاف کر رہی تھی کہ کملا نے آواز لگائی۔

''یہ نہ کر بہو! بہت تیز کاٹتی ہیں یہ چیونٹیاں۔''

''کاٹتی ہی ہیں ناماں جی! جان سے تو نہیں مارتی کہ ہم انہیں جان سے ماردیں۔ یوں بھی اس طرف کوئی آتا ہی نہیں اور ان چینٹیوں کے لیے تو ایک ہی پاپڑ بہت ہے۔ وچن نے ایک پاپڑ کو ریزہ ریزہ کر کے ان کے کان کے پاس پھینک دیا تھا۔

''بہو کیا کر رہی ہو؟ کیا ہو گیا ہے؟''

''دیپک سے آپ کی بات ہوئی؟'' اس نے دانستہ طور پر بات بدلی تھی۔

''میں نہیں کرتی اس نافرمان سے بات۔''

''ماں جی! آپ ان سے بات نہیں کرتیں؟ وہ مجھ سے بات نہیں کرتے۔ کیسے چلے گا یہ سب۔

آپ کوان سے بات کرنی چاہیے تھی نا؟''

''ہاں کرنی تو پڑتی، جب ہمارے پاس کمل کے اسکول کی فیس نہ ہوتی لیکن تو نے تو کمال کر دیا ہے۔ پھول وڑی کا اشتہار دے کر تو، تُو نے مجھے پاپڑ والی کملا سے پھول وڑی والی کملا ہی بنا دیا۔''

''ماں جی! آپ پاپڑ اور پھول وڑی ہی نہیں، آپ تو تمام فرائیڈ سینک کے لیے مشہور ہیں۔ آپ کے تو ہاتھ میں جادو ہے اس لیے تو اب نہ صرف پاپڑ او پھول وڑی بلکہ دال وڑی، ثابو چاول وڑی، چپس، شنگر، پاپڑ کرارے سب کے لیے مشہور ہیں۔''

''مشہور تو ہوں بہو، لیکن اتنے آرڈر وقت پر دے کیسے سکوں گی؟''

''میں نے مدد کے لیے سامنے والے پڑوسیوں کو شامل کر لیا ہے، ہمیں بس انہیں ماہانہ تنخواہ دینی ہوگی۔''

''ارے واہ! تم نے تو دل خوش کر دیا وچن! چلو اسی خوشی میں چکن تندوری بنا لو۔''

''ٹھیک ہے ماں جی۔'' وہ کچن میں جانے لگی کہ ماں جی نے اسے بلا لیا۔

''آج شکروار ہے۔ تم شکروار کو ماس نہیں کھاتی۔''

''تو کیا ہوا ماں جی، آپ تو کھاتی ہیں نا؟''

کملا حیران رہ گئی؟ پہلے تو اگر کملا شکروار کے دن خود بھی ماس پکائے اور کھائے تو وچن چھو چھو کرتی رہتی۔ کچن کے پاس سے بھی نہ گزرتی او اب؟ اس سے رہا نہیں گیا پوچھ ہی لیا اس تبدیلی کا موجب۔

''ماں جی! اب میں جان گئی ہوں کہ دانے دانے پر لکھا ہے کھانے والے کا نام۔ میں نے ایک دن جانے انجانے خود اپنے ہاتھوں سے شکروار کو ماس کھا لیا تھا۔''

کملا حیران رہ گئی۔ اس نے اس کا ورت توڑنے کے لیے کیا کیا نہ کیا تھا لیکن کبھی ایسا نہ ہوا تھا کہ اس کا ورت ٹوٹ سکے۔

''فخر ماں جی فخر۔ میرے فخر نے مجھ سے ورت تڑوا دیا۔ شاید مجھے اس ورت پہ فخر ہو گیا تھا۔''

''تو اب؟''

''آپ فکر نہ کریں، میں اب بھی شکروار کے دن ماس مچھی نہیں کھاتی پر یہ مان کر کہ مجھے میرا رب

صبر دیتا ہے۔ وہ چاہتا ہے میرا اور ت قائم رہے تو رہے گا۔ انسان صبر نہیں کر سکتا، صبر رب دیتا ہے بس ذرا سا اپنے رب کو یاد کرنا ہوتا ہے اور پھر وہ ایسی ایسی صبر دیتا ہے کہ خود بندہ حیران رہ جاتا ہے۔ بندہ ایسی زندگی جی آتا ہے جیسی زندگی کا ایک لمحہ بھی گزارنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔''

''تم پر عافی کی بیتی کہانی نے بہت اثر کیا ہے بہو۔ تمہاری اوستھا'' حالت'' بدل گئی ہے۔ اوستھا بدل گئی ہے ماں جی، تب ہی تو آپ سے شکروار کے دن ماس کھانے پر خفا ہونے کی بجائے آپ کے لیے چکن تندوری بنانے جا رہی ہوں، کیوں کہ اب میں سمجھ گئی ہوں ہم صبر نہیں کرتے اور نہ ہی کر سکتے ہیں۔ صبر رب دیتا ہے تو اپنے پر فخر کیسا؟ آپ کی اوستھا نہیں بدلی ماں جی؟''

''ہاں بدل تو میری اوستھا بھی گئی ہے۔ تب ہی تو دل برا کر کے ایک لوتے بیٹے سے جدا ہو گئی ہوں؟''

''خیر آپ کو یہ نہیں کرنا چاہیے دیپک آپ سے بہت محبت کرتا ہے؟''

''تُو بھی دیپک سے بہت پیار کرتی ہے؟ تیرے ساتھ بھی تو وہ ایسا ہی سلوک کرتا ہے۔''

''ماں جی آپ میرے لیے۔'' وچن حیران رہ گئی تھی اس کی ساس کو تو موقع چاہیے ہوتا تھا۔ دیپک اور اس کے درمیان پھوٹ ڈالنے کا اور اب وہ؟

''اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے نہ دیکھ بہو! اب جب تمہارے دل کی اوستھا بدلی ہے تو دیپک کے دل کی بھی اوستھا بدلنی چاہیے؟ کب تک بات بات پر تجھ سے بول چال بند کرتا رہے گا؟ اسے بھی تو پتا چلے جب چاہنے والے روٹھ جاتے ہیں تو زندگی روٹھی روٹی سی لگنے لگتی ہے؟

''ہاں یہ تو درست ہے ماں جی! ہم عورتیں ہیں نا کہہ نہیں سکتی، کہ ہم نے پوری زندگی اس ایک لمحے کو دے دی، جس لمحے ہمارے دل نے ہم سے کہا تھا کہ ہمیں محبت ہو گئی ہے اور ہم ساری زندگی ایسے ہی کسی پل کے انتظار میں ہوتی ہیں کہ جس پل وہ آجائے اور کبھی کہیں جانے کی بات نہ کرے۔''

''ایسا ہی ہوگا بہو۔ دیپک آئے گا اسے آنا پڑے گا۔''

''جب آپ جانتی ہیں کہ وہ آئے گا تو کھیل نہ کھیلے ماں جی، انہیں بلالیں۔ بعد میں کبھی احساس دلوا لینا انہیں جو آپ چاہتی ہیں لیکن اب بس انہیں بلالیں۔ میں انہیں پھر سے دیکھنا چاہتی ہوں۔''

''بہو تم سمجھتی نہیں۔ جانے والوں کو آنے کے لیے نہیں کہا کرتے ورنہ وہ جب بھی آئے گا جانے کے لیے آئے گا۔''

''اس بار تو آجائے ماں جی، بے شک جانے کے لیے ہی آجائے۔ انہیں بلا لیں۔''

وچن کہہ کر چلی گئی تھی۔ کملا کو لگا تھا شاید بندگی کے خط کی وجہ سے وہ اداس ہو گئی ہے اور دیپک کو بلانا چاہتی ہے...... لیکن ماں جی کو کیا پتا تھا وچن کے دل کو کیسے کیسے حقیقی وسوسے لگے تھے۔

پولیس کسی بھی وقت اس کی تلاش میں آسکتی تھی۔ وہ جیل جانے سے پہلے کچھ وقت دیپک اور کمل کے ساتھ رہنا چاہتی تھی۔

☆......☆......☆

اس دن عزت بی بی کی وجہ سے خوش دل سے بات نہیں ہو سکی تھی۔ لیکن آج صبح ہی صبح اس نے اس کے گھر پہ آن اسے گھیرا تھا۔

آج اس نے جوڑے میں بالوں کو باندھنے کی بجائے آزاد چھوڑا تھا۔ اور گہرے کلر کی سادھی مگر کناروں سے پھول دار ٹھپے والی ساڑھی پہنی تھی۔ خوش دل ابھی تک شب خوابی کے لباس میں تھی۔ اسے خماری آنکھوں سے دیکھا پھر پورا منہ کھول کر جمائی لی اور پوچھا،

''تم اس وقت۔''

''میڈم، بارہ بجے ہیں۔ دن چڑھ آیا ہے۔''

''آؤ بیٹھو۔ رات تین چار دلہن اور بہت سی سکھی سہیلیوں کا پارٹی میک اپ تھا، دیر ہو گئی تھی آنے میں؟''

''نا جانے تمہیں اتنی لالچ کیوں ہے؟ سوچو تو لگتا ہے جیسے تم پرانی فلموں کی ہیروئن ہو، جس کی فیملی میں کمانے والا کوئی نہیں ہوتا بس تمہارے ہی کندھوں پر سارا بوجھ ہو، باپ کا قرضہ چکانا ہو، بہن کی شادی کرنی ہو، ماں کا علاج کروانا ہو، بھائیوں کے اسکولوں کی فیس دینی ہو۔ پرانے زمانے میں بھائیوں کے اسکولوں کی فیس نہیں ہوتی تھی۔ سب سرکاری اسکولوں میں پڑھتے تھے۔'' اس نے منہ پر

پانی ڈال کر خوشگوار انداز میں کیا تھا۔

''یعنی مان رہی ہو کہ تم لالچی ہو۔''

''اب اچھی زندگی گزارنے کے خواب دیکھنا لالچ ہے تو ہوں میں لالچی......ہم میں سے ہر کوئی تھوڑا بہت لالچی تو ہوتا ہی ہے۔''

''میں زیادہ لالچ کی بات کر رہی ہوں۔''

''لالچ لالچ ہوتی ہے زیادہ یا کم نہیں ہوتی......ذرا سا لالچی بھی ہوتا ہے اور بہت بڑا لالچی بھی لالچی ہوتا ہے۔''

''تمہاری منطق تم ہی جانو۔ اچھا مجھے میرے سوالوں کا جواب تو دو۔''

''پہلے تم مجھے کافی پینے دو......اور بتاؤ تم بھی پیو گی؟''

''ٹھیک ہے پی لو کافی اور میرے لیے بھی بنا لو۔'' اس نے صحن میں ٹہلتے ہوئے کہا تھا۔ خوش دل کو پرندوں میں دل چسپی تھی۔ وچن اس کے پرندے دیکھ رہی تھی۔ اندر کسی کے کھانسنے کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے پرندوں پر ہی اپنی توجہ مرکوز رکھی۔

کچھ دیر میں وہ کافی لے کر صحن میں آئی تھی۔ ساتھ میں بسکٹ کے دو ہاف رول بھی تھے۔

''انہیں پسند مت کر بیٹھنا۔ میں اپنے پرندے کسی کو نہیں دیتی۔''

''بڑی ہی سفاک لڑکی ہو۔'' وچن نے کافی لیتے ہوئے مصنوعی شکایت کی۔

''ہاں ہاں۔ پتا ہے تم سیٹھ دیپک کی بیگم ہو۔ خرید سکتی ہو ایسے کئی پرندے۔''

''ہاں بالکل۔ لیکن خریدوں گی نہیں۔ یہ قید ہونے کے لیے جنم نہیں لیتے۔ انہیں تو آزادیاں اچھی لگتی ہیں۔''

''آزادیاں تو سب ہی کو اچھی لگتی ہیں۔ لیکن سب کے مقدر میں آزادیاں ہوتی نہیں۔''

''آزاد کر لو ان کو لالچی لڑکی۔''

''آزاد تو کر لوں لیکن تم وعدہ کر لو مجھ سے کہ انہیں آزادی کے گن سکھاؤ گی۔''

وچن نہ سمجھی۔ ”آزادی کے گن تو کوئی نہیں سکھاتا۔“

”میں نے انہیں آزاد کرنے کے لیے ہی خریدہ تھا۔لیکن پھر سوچا یہ آزاد ہو کر جائیں گے کہاں؟ انہوں نے تو پنجرے کی زندگی دیکھی ہے۔دانے مل جاتے ہیں، پانی مل جاتا ہے۔انہیں کون بتائے گا کھانا کیسے تلاش کیا جاتا ہے اور جان کیسے بچائی جاتی ہے۔آزاد ہوتے ہی کسی بھوکے کا نشانہ نہ بن جائے۔“

وچن حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔اس نے ہاف رول کے سارے بسکٹ پنجروں میں ڈال دیئے تھے۔

”اوہ سوری۔تم یہ لے لو۔“اس نے دوسرا پیکٹ کھول کر پیش کیا تھا۔

وچن اب تک اس کی باتوں میں کھوئی تھی۔اس نے کیسی بات کہہ لی تھی۔سچ میں آزاد کرنے والے صیاد کب سوچتے ہیں کہ آزادی پا کر پرندوں نے کیا پایا؟

”زیادہ مت سوچو بسکٹ کھالو۔“

”ہاں۔کوئی آیا ہوا ہے؟“

”مہمان ہیں۔“

”ہوں۔“اس نے اسے اس کی کافی ختم کرنے دی۔اس کا اخلاق اسے بھوکے پیٹ کسی کو ایسی ویسی بات کہنے سے منع کرتا تھا جسے سن کر اس کی بھوک مٹ جائے۔اور جب اس نے کافی کا خالی مگ رکھا تو اس نے بات شروع کی تھی۔

”خوش دل!تم بندگی سے ملی ہونا؟“

”کیوں تمہیں کیوں شک ہے؟“

”شک نہیں ہے۔بس تم پر یقین نہیں کر پا رہی ہوں۔“

”تم مجھے عافی سے منہ مانگی رقم لے کر دو گی۔ٹھیک۔“وہ فوراً اپنے مطلب پر آئی۔

”میں نے کب انکار کیا ہے؟“

”لیکن تم سمجھو میری بات کو۔عافی اس سے بہت محبت کرتا ہے۔“

”ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟اس نے شادی کیسے کر لی؟“

''تمہیں لگتا ہے میں جھوٹ بول رہی ہوں۔'' اسے ایک دم غصہ آ گیا تھا۔

''ایک منٹ...... ایک منٹ...... یہ لو بندگی کا پتا اور جاؤ، جا کے ملو اس سے۔ پر یاد رہے وہ اپنے شوہر کی اجازت کے بنا کسی سے نہیں ملتی۔''

''او۔'' وچن کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا اور خوش دل بہت غصے میں تھی۔ اس کے خوب صورت چہرے پر بے تحاشا غصہ اور نروٹھا پن تھا۔

''نہیں۔ ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس نے......''

''اس نے کیا؟ تم جاؤ اور آئندہ مت آنا اور مجھے میرے کام کی رقم جلدی چاہیے۔'' وہ ایک دم بدلحاظ سی ہو گئی تھی۔ اور گھر کا دراوزہ کھول کے کھڑی تھی۔

وچن دیکھتی ہی رہ گئی۔

''ایسے مت دیکھو...... اور اخلاقیات کا سبق تو بالکل مت پڑھانا، کیونکہ تمہیں اخلاقیات وخلاقیات نہیں آتی اور تم بہت بداخلاق ہو۔'' اس نے ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے گھر سے باہر کیا تھا۔

وچن کو بھی اس کی اس حرکت پر غصہ آ گیا تھا۔ اس نے کندھوں پر ہینڈ بیگ تانا اور زور سے کہا۔

''کالی کلوٹی۔''

جواب میں اس نے بھی اندر سے ایک بار دروازہ کھول کر اسے ''بداخلاق'' کہا تھا ارپھر سے دروازہ بند کر لیا۔

وچن سر کھجا کر سوچنے لگی، وہ کیوں آتی ہے اس لالچی لڑکی کے پاس؟

اور خوش دل نے دل ہی دل میں کہا تھا اور کوئی حکم آیا۔

''آج کے بعد یہ لڑکی یہاں نہیں آئے گی۔'' گویا اس نے عزت بی بی کی بات مان لی تھی۔

''زیادہ مت ملو اس سے، بہت ذہین ہے۔''

وچن گھر آئی تھی، آج کملا گھر میں نہ تھی۔ دال وری اور کرارے پاپڑ بنانے والی پڑوسی عورتیں آ بیٹھی تھیں۔ وچن کھانا بنا رہی تھی، ان کے لیے بھی بنانے لگی اور انہیں بتایا بھی کہ وہ کھانا کھا جائیں۔

''نہ بابا نہ۔'' پڑوسی عورتوں نے کان پکڑ کر کہا تھا۔

''کیوں۔ایسا کیوں کہہ رہی ہو؟''

''کیوں تم اپنی ساس کو نہیں جانتی کیا۔ڈوبتے کو ڈوبے دے۔مرتے کو مار لے۔اور ہم اچھی طرح جانتی ہیں وہ تمہارے ساتھ بھی کیسا سلوک رکھتی ہے۔''

''ایسا ماں جی کے آگے کہہ سکو گی؟''

''نہ بابا نہ۔وہ تو......''

''ایک بات کہوں؟ جب کسی کے آگے کسی کو کچھ نہ کہہ سکو تو اس کے پیچھے بھی بات نہ کرو۔'' وچن اور اس کی اخلاقی تعلیمات۔

عورتوں نے پیٹھ پیچھے بولنے سے توبہ کی ہو یا نہ کی ہو۔اس کے آگے اس کی ساس کی برائی کرنے سے توبہ کر لی تھی۔

جلدی جلدی کھانا کھا کے برتن دھو لیے کہیں کملا نہ دیکھ لے۔وچن کا اخلاق کہتا بھوکوں کو کھانا کھلاتے رہو۔اور کملا کا دماغ کہتا لوگوں کو زیادہ سر پر نہ چڑھاؤ۔دونوں عورتیں سخی بہو اور کنجوس ساس کے درمیان پھنس گئی تھیں۔

وچن نے گھر کا کام دیکھا اور شان کے پاس چلی آئی۔

دونوں عورتیں اس کی پھرتیلی فطرت دیکھ کر حیران تھیں۔دو گھنٹے پہلے گھر آئی، کھانا بنایا، کھایا، صاف صفائی بھی کی۔آرڈر لکھے، پاپڑ بچھائے، پھر دھوپ میں سکھانے کے بعد اپنی نگرانی میں پیکنگ کروائی۔پھول وڑی کا سامان برابر کیا اور پھر سے گھر سے چلی گئی۔

دونوں عورتیں اتنی دیر میں اتنے کام کرنے کا سوچ بھی نہ سکتی تھی۔جو اس نے کر دیئے تھے اور اب شان کے پاس آئی تھی جہاں فری اور دوری پہلے سے سر جوڑے بیٹھی تھیں۔

''کیوں جوؤں کی منتقلی کر رہی ہو؟''

''وچی۔'' دونوں اس کی آواز پہ مڑی اور پھر سے اسے اپنے حصار میں لے کر سینڈوچ سا بنا دیا۔

دونوں بہت رو رہی تھیں۔ وچی نے بہت مشکل سے انہیں خود سے الگ کیا۔ پاس رکھی چارپائی پر بٹھایا اور پانی دیا۔

''تم...... تم ہم سے ناراض تو نہیں وچی؟''

''تم جیسے سچے دوستوں سے بھی بھلا کوئی ناراض ہو سکتا ہے؟ تم دونوں نے تو مجھے میری نظروں میں اٹھا دیا۔ اور اب دعا کرو کہ میری اس غلطی کی سزا مجھے اس دنیا میں ہی مل جائے۔ میں خود کی لالچ سے بہت شرمندہ ہوں۔ بس کسی طرح اس شرمندگی سے نجات چاہتی تھی جو تم دونوں نے مجھے دی۔''

''نہیں وچی۔ ہم دعا کریں گے تم تمہاری غلطی کے لیے بخش دی جاؤ۔'' شان کی ماں نے کہا تو وچی کی بھی آنکھیں بھر آئیں۔

''اب جب تم نے اپنی غلطی سمجھ لی اور خود کو اتنی بڑی سزا دی، اس سے بھی بڑھ کر اپنا جرم ساری دنیا کے آگے تسلیم کرنا چاہتی ہو اور کیا بس نا؟ بس کر دو۔ خود کو سزا مت دو...... کہیں چلی جاؤ۔ پڑوسی ملک میں تمہارے رشتے دار تو ہوں گے کہیں چلی جاؤ اور جب بات ٹھنڈی ہو جائے تو وطن واپس آنا۔''

''کیسے اس دھرتی کا اتنا بڑا بوجھ اپنے ساتھ لے کر کہیں اور چلی جاؤں؟ یہ دھرتی تو میری جنم بھومی ہے۔ اور بے شک میں یہاں اقلیت میں ہوں لیکن یہ دھرتی میری ہے۔ نا جانے کتنے پشتوں سے ہمارے پریوار یہاں رہے ہیں۔ اس دھرتی نے ہمیں سب کچھ دیا جو ضرورت تھی وہ بھی اور ضرورت نہ تھی وہ بھی۔''

''ہم اچھوں سے اچھے ہیں۔ ہمارے جیسا گزر بسر تو راجاؤں کو اپنی سلطنت میں بھی نصیب نہیں ہوتا۔ میری ماں کہتی تھی جنم بھومی کا قرض ہوتا ہے۔ اور لگتا ہے اب وقت آ گیا ہے اس قرض کو اتارنے کا۔''

''اپنے بیٹے کا تو سوچو۔''

وچن مسکرا دی۔

''میں نے بچپن سے اخلاقیات پڑھی ہے۔ حب الوطنی کے اسباق رٹے ہوئے ہیں، مجھ سے نہیں ہوگا۔ میں میرے وطن میں جرم کر کے بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں اور رہی بات کمل کی تو وہ

بھگوان کی دیا سے بہت سمجھ دار ہے۔ میں نے اسے ہمیشہ اچھے اور برے وقت میں صبر کرنا سکھیا ہے۔ اسے بھی خوددار، خودمختار رہنا سکھایا ہے۔ اور مجھے کون سی پھانسی کی سزا ہوگی۔''

''اللہ نہ کرے۔ ایسا نہ کہو وچی۔'' فری اور دوری پھر سے رودی۔

''اچھا! اب روتی رہوگی دونوں؟ یا مجھے بتاؤ گی شان کی طبیعت اب کیسی ہے۔ تم دونوں روز اس سے میٹرک کی کتابیں کھول کر سوالات کرتی ہو نا؟''

''ہاں کرتی ہوں نا اور مشاءاللہ اب تو ہمارے بھی ڈاؤٹ کلیئر ہو رہے ہیں۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے ٹیوشن میں آتی ہوں اور ٹوپک سمجھ جاتی ہوں۔''

''بس بھگوان کرے یہ اپنی زندگی میں واپس آئے۔'' وچن نے شان کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

شان نے اس کے رسپونس میں سمائل پاس کی تھی۔ یہ ایک اور پوزیٹو فیڈ بیک تھا۔

شان کی ماں خوشی سے بیٹے کے پاس آئی تھی اور اسے گلے سے لگا لیا تھا۔

☆......☆......☆

اس نے آج ہی آج عافی سے ایک بلنک چیک لیا تھا اور پارلر میں بنا بات کیے خوش دل کو دے آئی تھی۔

خوش دل نے اسے حیران کیا تھا اور اب وخوش دل کو حیران کر آئی تھی۔ وہ واقعی اپنی بات کی پکی تھی۔ اب خوش دل کو بھی اس کے لیے فکر ہونے لگی تھی۔ اسے اب خود اس کیس میں کودنا پڑے گا وہ سوچ چکی تھی لیکن یہ کوئی عام کیس تو نہ تھا۔

میڈیا، عوام، پولیس سب کے سب انوالو تھے۔ اسے اعزت آپا سے بات کرنی ہوگی۔ وہ پارلر سے نکل کر عزت آپا کے پاس آئی تھی اور وچن اس کے پارلر سے گھر آئی تھی۔ سندھیا سمے تھا اس کی ساس مندر کا دیا جلا رہی تھی۔ اپنے پریوار کی سکھ شانتی کی دعا مانگ رہی تھی۔ وچن نے بھی آرتی لیکی اور اپنے کمرے میں چلی آئی۔

اسے دیپک کی بہت یاد آ رہی تھی۔ کاش وہ اس وقت یہاں ہوتا۔ پہلے جب وہ خفا ہوتا تھا تو بات صرف بات نہ کرنے تک ہی قائم رہتی لیکن اب تو وہ گھر چھوڑ گیا تھا۔ لیکن تب کیا ہوگا جب پولیس اس کی بیوی کو اس کے گھر سے لے جائے گی۔ بہتر یہی ہے کہ وہ خود کو پولیس میں جائے اور اپنا جرم تسلیم کر لے۔ کم از کم دیپک کو اتنی شرندگی تو نہیں ہوگا لیکن یہ عافی؟

قسمتیں دیتا تھا، واسطے دیتا تھا کہ پولیس میں مت جاؤ، وہ سب دیکھ رہا ہے۔ اور تو اور اب تو بلیک میل بھی کرتا تھا کہ اگر وہ پولیس میں گئی تو وہ کبھی بات نہیں کرے گا۔ نا جانے کیسی ضد تھی۔ جب اسکیچ پولیس کے پاس تھا تو کیا ہو سکتا تھا؟

وہ تو ڈر سے ٹی وی خبریں نہ دیکھتی تھی۔ اس خبر سے جتنی دور رہ سکتی تھی رہتی۔ دیپک تو خبریں سنتا ہوگا نا شاید اسی لیے اتنا زیادہ خفا تھا کہ ماں کے بلانے پر بھی نہ آیا تھا۔ اس میں بھی کہاں ہمت ہوگی اس سب کا سامنا کرنے کی۔ اس نے اپنے نام نموس والے پتی کو بہت بڑی مصیبت میں ڈال دیا تھا۔ اسی لیے تو وہ ان پڑھ تھا اور ان پڑھ شریک حیات ہی چاہتا تھا لیکن دل اس او چن پر آ بیٹھا تھا۔ کسی کے چہرے پر تو نہیں لکھا ہوتا کہ وہ پڑھا لکھا ہے یا ان پڑھ؟

وہ سوچتی تھی دیپک تو اس لمحے کو بھی کوستا ہوگا جب اس کی نظر وچن پر پڑی تھی۔ کبھی کبھی دل پہ اتنے بوجھ آن گرتے ہیں جن کی گنتی کرنا ناممکن سا لگتا ہے جنہیں سمجھنا مشکل ہوتا ہے اور اس سے بھی مشکل انہیں بتانا ہوتا ہے۔

وہ بھی نہیں بتا سکتی تھی وہ کس کرب سے، کس خوف سے گزر رہی تھی۔ اس کے دل کی یہ حالت تھی اور سدکھ دکھ میں ساتھ دینے کا وعدہ کرنے والا نا جانے کہاں تھا۔ وچن کی آنکھیں اسے تکتی تھیں۔ اسے لگتا تھا دیپک ابھی آئے گا اور کہے گا، ''ڈرو مت وچن، میں تمہارے ساتھ ہوں'' لیکن کچھ کہنا تو دور کی بات وہ تو فون تک نہ اٹھاتا تھا۔ میسج تو پہلے بھی زیادہ نہ کرتا تھا لیکن اب تو وائس میسج بھی نہ سنتا نہ کوئی جواب دیتا۔ چلو کچھ نہ کہے، کوئی جواب نہ دے، اسے خفا رہنے کا بھی حق ہے، خفا رہے پر گھر تو آئے۔ اس کا آنا بھی بہت تھا۔ وہ آتا اس کے پاس رہتا تو تسلی ہی تسلی رہ جاتی لیکن اب جب وہ نہیں تھا تو کوئی

تسلی نہ تھی۔ بس خوف تھا، ڈر تھا، وہم تھا۔

پولس کا دھڑکا سا، راویات کا دھڑکا سا۔ جب باپو جی کو پتلا چلے گا تو؟

کیسے وہ اپنے باپو جی کا سامنا کرے گی؟ جس نے اسے ہمیشہ سیدھی راہ اپنانا سکھایا تھا۔ باپی جی خوددار باپو جی۔ اس کا باپو جی۔ جس کا داماد ایک امیر آدمی تھا لیکن کبھی باپو جی نے ایک کوڑی کی بھی مدد داماد سے نہ لی۔

کتنی بار دیپک نے خود کہا تھا کہ اس کے کاروبار کو ایمان دار آدمیوں کی ضرورت ہے۔ وہ اپنے کسی بھی بیٹے کو بھجوا دیں۔ وہ ان کو دکان کھول کر دے گا لیکن باپو جی نہ مانا۔ اتنا ہی نہیں نلیش کو صرف کام سیکھنے کے لیے وچن نے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے کہا تھا لیکن پھر بھی باپو جی نہ مانے۔ کہنے لگے وہ داماد کو بیٹی دے چکے ہیں اس کا اتنا ہی احسان بہت ہے کہ وہ اس کی بیٹی کا خیال رکھیں۔ اسے کبھی دکھ نہ دے اور بس اتنا بہت ہے۔ اگر قسمت نے دھن دولت کی وافر مقدار لانی ہوگی تو وہ خود لا دے گی اور اگر نہ نہیں تو دو وقت کی روٹی تو مل ہی رہی ہے۔ کون سا میں بھوکا سوتا ہوں جو داماد کا احسان لوں ڈ۔

باپو جی یادوں کے دریچے سے نکل نکل کر آنکھوں کے محور پر عیاں ہو رہے تھے......اور پھر کبھی تصویر بدلتی تھی پھر وہ یادوں میں دیپک کو کچھ بولتا سنتا پاتی تھی۔

عورت کو جب بھی اپنی کشتی ڈوبتی نظر آتی ہے وہ مرد کو ہی پکارتی ہے۔ کبھی اپنے باپ، بھائی کو، کبھی اپنے شوہر کو تو کبھی اپنے ہی بیٹے کو......لیکن وچن کیا کرتی؟ باپو دور تھے، دیپک خفا تھا اور کمل ابھی بہت چھوٹا۔

اسے بہت تنہا سا احساس ہو رہا تھا کہ کملا اس کے کمرے میں آئی۔ اس کے پاس بیٹھی، اسے سمجھایا، تسلی دی اور اپنے ساتھ اپنے کمرے یں لائی جہاں سینما ہال سا منظر چھایا تھا۔ کمل کے ہاتھ میں پاپ کارن تھے اور ٹی وی پر سی ڈی موڈ آن تھا۔

پرانی موی

نہیں نہیں، تھوڑی نئی ہے اور گھریلو بھی۔ نا جانے کون سی فلم تھی۔ آدھی پہلی دیکھی ہوئی تھی، کمل

نے جلدی جلدی پہلے کی اسٹوری سنائی اور وچن کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے پاس بٹھایا۔ وا ب ماں جی اور کمل کے بیچ میں بیٹھی تھی۔

ماں جی کا وہی حال تھا۔ اموشنل سین میں اموشنل ہو جاتی۔ کبھی ہنستی، کبھی روتی لیکن ذرا ذرا سا آج محتاط نظر آتی تھی۔ آج کمل کو کہنا نہیں پڑا تھا Dadi its not rael۔ وچن کو مزا آیا تھا۔

فلم کے اینڈ تک کمل سو گیا تھا۔ ماں جی نے اسے اپنے بیڈ پر سلایا تھا اور پھر وچن کے پاس آئی تھی اور کہا تھا۔

''میں فلم دیکھتی ہوں تو فلم میں کھو جاتی ہوں۔ اب یہ کون سی نئی تھی۔ وچن بھی واقف تھی۔ جانتی ہو کیوں؟''

''کیونکہ آپ کو لگتا ہے یہ سب کرداروں پر بیت ہے۔ جبکہ یہ صرف ایک سونگ ہے۔ ایک ناٹک۔''

''ہاں یہ تو ہے لیکن یہ میں جانتی بھی ہوں بس فلم دیکھتے وقت من میں ایک بات آ جاتی ہے کہ ایسا سچ میں بھی تو ہو سکتا ہے۔''

وچن چپ رہ گئی بلکہ دنگ رہ گئی۔ ماں جی ایسا سوچتی تھی اس لیے روتی تھی، ہنستی تھی۔

آہ! وچن مسکرا دی۔ کچھ کہا نہیں۔ اب اس کا موں کافی بہتر تھا۔

''مسکرایا کرو بہو۔ مجھے حوصلہ ملتا ہے۔ جب تو چپ ہو جاتی ہے نا، دل چپ ہو جاتا ہے۔''

''مجھ سے آپ کو بھی ہمیشہ شکایت رہی ہے۔'' وہ پھر سے بیٹھے بٹھائے اداس ہو گئی تھی۔

''نہیں بہو۔ تم سے نہیں۔ خود سے شکایت ہے۔ دراصل گھر کا بھیدی لنکا ڈھاتا ہے۔ میرے ساتھ بھی یہی ہوا۔ جب تو بیاہ کر نہیں آئی تھی تب سے ہی میں رشتے داروں کی باتوں میں آ گئی تھی۔ سب جو کہتے تھے، بہو نہیں اپنی شامت لا رہی ہو سب کو لگتا تھا پڑھی لکھی لڑکی دو دن بھی ٹک نہ پائے گی۔ خود میرا اور دیپک کا بھی یہی خیال تھا کہ ہم جاہلوں کے ساتھ تم نہیں رہ سکو گی۔ اس لیے بس نا جانے کیوں تم پر کمندیں ڈالتے رہے کہ کہیں تم ہمیں چھوڑ کر نہ جاؤ۔''

''سن کر اچھا لگا ماں جی۔ یہ بھی تو آپ کا پیار تھا کہ آپ چاہتی تھیں میں آپ کے ساتھ رہوں۔

لیکن ماں جی! نا جانے پڑھی لکھی لڑکیوں کے متعلق لوگ کیوں ایسا سوچتے ہیں کہ زیادہ پڑھی لکھی لڑکیاں گھر نہیں بسا سکتیں۔ رہ نہیں سکتیں جبکہ آدھی سے زیادہ لڑکیوں کے میکے والے خود ان پڑھ ہوتے ہیں۔ اور میرے تو ماں باپ بھی ان پڑھ تھے۔ کیا پڑھی لکھی لڑکیاں اپنے ان پڑھ ماں باپ کو یہ کہہ کر چھوڑ جاتی ہیں کہ وہ ان پڑھ ہے۔"

"ہاں تو یہ بڑی بات کہی تو نے۔ اور تو کچھ کہہ نہ کہہ تیرے جیسی بہو تو مجھے مل ہی نہیں سکتی تھی۔"

"ہاں، کیونکہ کاروبار چلاتی ہوں۔" وچن خوشگوار موڈ میں انہیں زچ کر رہی تھی۔

"نہیں، نہیں بہو۔ تم تو چولہا، چوکا بھی اچھے سے سنبھالتی ہو۔ ہر کام میں اچھی ہو پر کام میں تو میری ہڈیاں بھی جوان ہیں اور ایک مددگار کو پکار تو دیپک سو ملازم لا دے۔ تو نے اپنی سچائی سے سادگی سے من ہر لیا ہے۔ میں ایسے ایسے کھیل تیرے ساتھ کھیلتی رہی ہوں، تجھے سمجھ تک نہیں آئی ہے۔"

"ارے ارے، سچی ماں جی۔ ہاں ویسے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی، کڑا آپ کے پاس ہو سکتا ہے۔" وہ مسکرا دی تھی۔

"ہاں، میں جانتی ہوں الٹا تو تو ڈر رہی تھی مجھ سے۔"

"ایسا ویسا ڈر۔ میں تو کانپ رہی تھی۔" دونوں ہاتھ پہ ہاتھ دے کر ہنس رہی تھیں۔

"لیکن کاش بہو تو ان پڑھ ہوتی تو دیپک کو پلو سے باندھ لیتی۔ ساس سے بیٹے کو چھیننے کے سارے گن آتے تمہیں۔ سازشوں کے جال بچھانے کی ماہر ہوتی۔ یوں سارے سچ نا اگلتی۔ مرد کا دل عورت کے معاملے میں بہت چھوٹا ہوتا ہے۔ تھوڑی چال باز بن جا بہو۔"

چال باز بن گئی نا تو آپ اپنی خیر منائیں۔"

"میری تو خیر ہی ہے اور کتنے دن جی لوں گی۔ پر تو؟"

"ایسا نہ کہو ماں جی۔ میں آپ سے بات کر کے بہت مطمئن ہو گئی ہوں اور اب سوچتی ہوں کہ جب بھی عورت کو اپنی کشتی ڈوبتی نظر آتی ہے وہ کسی مرد کو کیوں پکارتی ہے۔ کسی عورت کو کیوں نہیں پکارتی۔ جب کہ ایک عورت کا دکھ دوجی عورت ہی سمجھ سکتی ہے۔"

''کیونکہ ہر عورت آگے سے پھر اپنے رشتے دار مردوں سے بندھی ہوتی ہے۔ میں تو اس لیے تمہارے ساتھ ہوں کہ ہم ایک ہی مرد سے بندھ ہیں۔''

''تو ساس بہو میں جو یہ صدیوں سے چلتی آئی حرص ہے وہ کیوں ہے؟''

''اس کی وجہ بھی وہ ایک مرد ہی ہے۔ ماں کو لگتا ہے بہو بیٹے کو ہاتھ کر لے گی اور بہو بھی ساس کے متعلق ایسا ہی سوچتی ہے جبکہ دیکھا جائے تو اگر آپس کی دوری کو سمجھ داری سے مٹایا جائے تو دونوں سب سے اچھی دوست ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ دونوں کا مقصد ایک ہی ہوتا ہے۔ گھر پروار کی خوشی۔''

''ہاں کم از کم ایک ہی بیٹے والی ساس او بہو میں تو ایسا ناطہ ہونا ہی چاہیے۔''

''سب تمہاری طرح ہوں نا؟''

''بس آج آپ بہت تعریفیں کر رہی ہیں میری۔ کہیں میں تعریف سن کر مست نہ ہو جاؤں۔''

''ہو جا مست۔ جتنی تو مست ہو گی مجھے خود سے دو قدم آگے پائے گی۔'' کملا نے خوشگوار مگر طنزیہ انداز میں کہا۔

''ہاہاہاہا...... ہاں وہ تو ہے۔'' وچن نے مسکرا کر کہا تو کملا بھی ہنسنے لگی۔

☆......☆......☆

آج سنڈے کا دن تھا۔ مئی کا مہینہ تھا۔ نہ سردی تھی نہ گرمی تھی۔ خوشگوار صبح سی تھی۔ سورج کبھی نکلتا تھا کبھی بادلوں میں چھپتا تھا۔

آج اسکول کی چھٹی تھی تو دونوں خواتین کمل سمیت دن چڑھے سو رہی تھیں کہ دروازہ زور زور سے بجا تھا۔ وچن اور ماں جی دونوں دروازے کی طرف لپکی تھیں۔ وہ دونوں اس دستک کو اچھی طرح پہچانتی تھیں۔

''دیپک، اس وقت۔'' ماں جی دوڑ کے دروازے کے پاس آئی تھی اور وچن کا دل زور سے دھڑکا تھا۔ اس کی آنکھیں دروازے پر ٹکی تھیں۔ ماں جی نے بھی بخوشی دروازہ کھولا۔

دیپک سامنے سینے پر ہاتھ باندھے مہندی رنگ کے کرتے میں کھڑا تھا۔ آتے ہی اس نے ماں

کے چرن چھوئے۔

''دیپک! اس وقت۔''

''ماں جی! آج ہڑتال ہے۔ شہر بھر کی دکانیں طلباء بند کروا رہے ہیں۔ کہتے ہیں سکینہ کا چچ سامنے لاؤ اور شان کو انصاف دو۔ اب اس وقت گھر نہ آتا تو کہاں جاتا۔ یوں بھی ملازم اب باتیں بناتے تھے۔'' دیپک نے اس رکھائی سے کہا کہ وچن کا دل ہی سہم گیا۔

''تو کیوں نہ آؤ۔ اپنا ہی گھر ہے تمہارا۔''

''آپ بیٹھیں میں چائے بناتی ہوں۔'' وچن نے کہا اور کچن میں چلی گئی۔

''ماں! آپ چائے بنائیں، سر دکھ رہا ہے۔ میں کسی اور کے ہاتھوں سے بنا ان کا دانہ بھی نہ کھاؤں گا۔''

وچن کے ہاتھ کیتلی میں پانی ڈالتے رک گئے تھے۔

''نہ دیپک نہ۔ ایسا کٹھور تو نہ بن۔''

''بس ماں جی بس۔ ورنہ میں ہوٹل سے کھایا پیا کروں گا۔'' اس نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

گویا یہ اس کا آخری فیصلہ تھا۔ وچن کن انکھیوں سے اسے تکتے رہ گئی۔

اس کی بھی آنکھ تلے ان کہی باتیں امڈ آنے لگیں۔

''کیا نہ دیا تھا اس نے وچن کو۔ کبھی اس کے پیروں پر بیڑیاں نہ باندھی تھیں جب اتنی آزادی تھی تو اس کے پاؤں چھپ چھپ کر کسی غیر کے دکھ کا مرہم کیوں ڈھونڈتے رہے تھے۔

دیپک کی آنکھیں بھی نم تھیں اور وہ بھی اس کی بے رخی پر ششدر سی کھڑی تھی لیکن اب کہاں۔ اب تو مزید حیرانگی باقی تھی کہ وہ سیدھا سیدھا سوچنے والی لڑکی تھی۔ اسے اپنی سوچ میں صرف ایک نشانہ نظر آتا تھا۔ جن کی سمت وہ تیر چلا لیتی تھی لیکن یہاں لوگ ایک نشانہ کہاں دیکھتے ہیں۔ تیر چلاتے ہیں تو چلاتے ہی جاتے ہیں پھر نشانے خود ہی بنتے جاتے ہیں۔ جگر چھلنی ہوتے جاتے ہیں۔

☆......☆......☆

دو دن ہڑتال رہی۔ سب دکانیں گلیاں آمدورفت بند تھی۔ اسٹوڈنٹ گروپوں کی صورت میں مختلف نعرے بازی پر اترے تھے۔ سکینہ اور اس کے گھر والوں کو تو جیسے آفتاب سوا نیزے پر آیا ہو۔
اب کیا ہوگا؟ آسمان پر تھگلی لگانے کی سوچ رکھنے والی سکینہ رو رو کر ایک ایک سے دریافت کر کر کے چپ ہوگئی تھی۔ شان کی ماں نے جتنا شان کو چھپایا تھا مگر میڈیا سے بات چھپ نہ سکی تھی۔
بے شک شان کی والدہ نے میڈیا یا پھر کسی کو بھی نہ اپنے بیٹے سے ملنے دیا تھا اور نہ ہی ان کے کسی سوال کا جواب دیا تھا۔ پھر بھی طاقتور میڈیا نے ڈاکٹروں کے تعاون سے سب جان لیا تھا۔ اور اب خبریں پھیلی تھیں۔
شان کی میٹرک کی سلپ سے فوٹو بھی با آسانی مل گئی تھی۔ اس کی فوٹو کے ساتھ میڈیا اس کی درد بھری داستان سنا رہا تھا۔ ساتھ میں شان کے ٹیچرز کا بھی بیان دکھایا جا رہا تھا جو کہہ رہے تھے کہ وہ تو کوئی جینئس ہے۔ اسے کوئی ہرا نہیں سکتا تھا۔
سکینہ کے تعلیمی ریکارڈ بھی سامنے تھے۔ مڈل کے امتحان میں کوئی بمرتے مرتے پاس ہوئی تھی۔ سکینہ کے ٹیچرز بھی کھوج نکالے گئے تھے۔ ہاں البتہ ان کا بیان ذرا سکینہ کے حق میں صحت مند تھا۔
''ٹھیک ہے۔ سکینہ ایک عام سی اسٹوڈنٹ رہ چکی ہے لیکن کوشش کے در تو سب کے لیے کھلے ہیں۔ انسان چاہے تو کیا نہیں کرسکتا۔ اور اگر دیکھا جائے تو سکینہ نے ٹاپ کر کے مثال قائم کی ہے کہ اسٹوڈنٹ کند ذہین نہیں ہوتے بس خود کو کند ذہانت تسلیم کر لیتے ہیں۔''
بڑی ہی بحث جاری تھی۔
اب دو گروپ بن گئے تھے۔ کچھ لوگ سکینہ کے ساتھ تھے۔ کچھ اس کے خلاف۔
سکینہ کے والد نے سب کچھ اب تک سنبھالا ہوا تھا۔ ان کے علم میں بھی یہ بات آچکی تھی کہ چشم دید گواہ دولڑکیوں نے اس لڑکی کا اسکیچ بنوالیا ہے جس نے سکینہ کی جگہ پیپر دیئے تھے۔
اس سب کے پیچھے کس کا ہاتھ تھا؟ کون اس جرم کا ماسٹر مائنڈ تھا اب تک سکینہ کے والد جان چکے تھے۔ اس لیے ان کا عزت بی بی سے ملنا تو بنتا تھا۔ آج شام ہی وہ ان کے بنگلے نما پارلر میں آئے

تھے جہاں کسی کالج، یونیورسٹی کی طرح ڈیپارٹمنٹ کی صورت کوچنگ کلاسز آف پارلر آرٹ کے دی جاتی تھی۔ اور اس ہی بنگلے کے عین سامنے ایک اور بنگلہ تھا جہاں ڈیپارٹمنٹ کی صورت سروز دی جاتی تھی۔

سکینہ کے والد کو ذرا سا انتظار کرنا پڑا تھا اور پھر ایک چھچھاتی حسین عورت ان کے سامنے آئی۔ ان کے پیچھے دو خواتین اور بھی تھیں جن کا نام اتفاق سے کنیز اور خادمہ تھا یا پھر رکھا گیا تھا۔

''آپ نے میری بچی ک بہلا پھسلا کر اچھا نہیں کیا۔''

''کون سی بچی برخوردار، کون ہیں آپ؟''

''میں سکینہ کا والد ہوں جسے آپ نے اچھے نمبروں کا لالچ دے کر پھنسوا دیا ہے۔''

''ہم تو بہتوں کو لالچ دیتے ہیں اس لیے ہم پر الزام نہیں بنتا۔ یہ الزام آپ اپنے سر لے لیں۔ آپ نے ہی اپنی بچی کو عقل نہیں دی۔''

اس طرح کی صاف گوئی کی توقع نہ تھی۔ وہ عزت بی بی تھی، وہ کہاں ڈرتی تھی کسی سے۔

''آپ خود بھی ملمت ہونے کو آئی ہیں۔ اب تو میڈیا اپنے مقصد کے لیے باتوں باتوں میں کھیل کھیل رہا ہے۔ لیکن ایک نہ ایک دن تو آپ کا سچ بھی سامنے آئے گا۔''

وہ اس صاحب کی بات سن کر طنزیہ مسکرا دی اور کہا۔

''اگر سچ سامنے آ گیا تو زیادہ بڑا کھیل بن جائے گا اور اگر سچ کو سامنے آنا ہوتا تو میڈیا یہ چھوٹا سا بچوں والا کھیل کیوں کھیلتی۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ تعریف بنتی ہے ہماری اور مٹھائی الگ۔''

سکینہ کے والد صاحب کے ماتھے کے بل بڑھ رہے تھے۔ نا جانے خاتون کیا کہے جا رہی تھی۔ انہیں تو بس اپنی اکلوتی اولاد کی فکر تھی۔

''تم جتنے چاہتی ہو میں اتنے پیسے دے دوں گا بس میری بیٹی۔''

بیٹی کی غلطی پر پردہ رکھنے اور اسے بری نظروں سے بچانے کے لیے والدین کیا کیا نہیں کرتے۔

وہ بھی بس اتنا ہی کر رہا تھا۔

''مٹھائی مطلب صرف مٹھائی۔ پیسوں کی کمی نہیں ہے مجھے۔ عزت ایسے کام نہیں کرتی کہ خود کی عزت نہ کر سکے۔ اور نہ ہی ہم ایک ہی کام کے پیسے بار بار وصول کرتے ہیں۔ تمہاری بیٹی نے مقررہ رقم ہمیں دے دی اور ہم نے بھی اپنا کام کر لیا۔''

''ان دولڑکیوں نے اسکیچ تک بنوا دیا ہے۔ اور آپ اتنی مطمئن ہیں۔''

''آپ نے اسکیچ دیکھا ہے؟''

''نہیں! آپ نے دیکھا ہے؟''

''تو دیکھ لیں نا صاحب۔ یہاں کیوں آئے ہیں اپنا اور میرا وقت برباد کرنے۔'' عزت نے کہا اور آگے بڑھ دی۔ کنیز اور خادمہ اس کے پیچھے چل دی تھیں۔

سکینہ کے والد پشیمانی سے ماتھے کے بل سہلا رہے تھے۔ نا جانے خاتون کہتی کیا تھی۔

''خیر اب تو اسکیچ دیکھنا پڑے گا۔'' وہ وہاں سے رخصت ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

آج پھر سے چندر رات تھی۔ یہ ایک سیموک آمیز دن تھا۔ دھند ہی دھند تا حد نظر پہاڑی پہ پھیلی تھی۔ وہ دونوں پہاڑی کے اس گوشے میں تقریباً تنہا ہی بیٹھے تھے۔ آج لوگ کم ہی نظر آ رہے تھے۔ دھند بہت گہری اتری تھی ان کی بصارتوں میں سماتے منظر پر بھی اور دلوں پر بھی۔

''تم بہت اداس ہو وچن؟''

''دیپک بہت خفا ہے عافی۔'' اس نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔ جب کہ عافی کی نظریں اس کے چہرے پر تھی۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ تمہارے پاس ہی ہے۔'' اب وہ کیسے کہتی کہ کبھی کبھی وصال سے ہجر بہتر ہوتا ہے۔

''جب پولیس مجھے لے جائے گی تو کچھ ٹھیک نہیں ہوگا عافی۔ سب ختم ہو جائے گا۔''

''ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ بس تم خود نہ کود پڑو تو۔''

''میں گنہگار ہوں عافی۔ مجھے سزا ملنی چاہیے۔''

''تمہیں سزا مل رہی ہے وچن۔ تم سزا کاٹ رہی ہو۔ کسی کے وجود کو اٹھا کر چار دیواری میں قید کر لینا ہی تو سزا نہیں۔ سب سے بڑی قید دل کی قید ہوتی ہے۔ جہاں تمام جذبات کو انسان خاموشی کی بندش میں باندھ کے رکھتا ہے۔'' وچن نے ایک درد بھری سانس لی۔ پھر عافی کی طرف دیکھا اور دل بڑا کر کے کہنے لگی۔

''چلو ایسا ہی سہی۔ تم بتاؤ رخسار کیسی ہے؟ تمہارے دل و دماغ سے ابھی تک رخسار نہیں نکلی۔ رشتے کروانے والی ماسی؟''

''رشتہ۔ تمہارا رشتہ کروانا ہے مجھے۔ اور میں رشتے کروانے والی ماسی ہرگز نہیں۔'' اس کے لبوں پر ہلکی سی ہنسی تھی۔

''تو کیا ہو تم؟''

''رشتہ کروانے والی ایک دوست۔ جو تمہارا رشتہ کروا کر رہے گی۔''

''یعنی بے وجہ کی سزا دو گی اس لڑکی کو؟''

''ارے تمہیں پا لینا تو خوش نصیبی ہوگی عافی۔ کوئی بھی لڑکی تمہیں پا کے مکمل ہو جائے گی۔''

''وہ اب بھی مکمل ہے۔''

''ایک بار محبت ہو جائے تو حصار سا زندگی میں رہ جاتا ہے۔ یہ حصار کبھی محبت کی کسک ہوتا ہے تو کبھی محبت کی خلش۔ جو مکمل ہو جانے پر بھی مکمل ہونے نہیں دیتا۔ محبوب کو دیکھنے والی آنکھ اس کی دید کی پیاسی ہی رہتی ہے۔ چاہے اس کی آنکھوں میں دنیا جہاں کے سکھ بستے ہیں۔ اسے تم اچھی سے اچھی سیلری دے دیتے ہو، فسلیٹیڈ کرتے ہو اور چاہتے ہو وہ بس ان ہی چیزوں میں خوش رہے۔ عافی! اس کی خوشی تمہارے ساتھ ہے وہ جب تمہیں دیکھتی ہے تو ہی خوش ہو جاتی ہے۔ اور میں کیا تمہیں سمجھا رہی ہوں۔ تم محبت کے ہر ایک مقام سے گزر چکے ہو، تم جانتے ہو سب کچھ۔''

"جب یہ سمجھتی ہو تو مجھے سمجھاتی کیوں ہو۔ رخسار...... رخسار صرف مجھے پسند کرتی ہے۔ اسے بندگی کے متعلق پتا ہے۔ میرے ساتھ رہنے کی وجہ سے میری بے چینیاں جانتی ہے وہ۔ بس اسے باس کی بیوی بننے کی ایک بچکانہ سی خواہش ہے تاکہ وہ رعب جھاڑتی پھرے۔"

"چو چو چو عافی۔ اس کے ساتھ ایسا سلوک۔ چلو مان لیا تم درست ہو لیکن اس کی بس باس کی بیوی بننے کی خواہش ہے تو اگر یہ خواہش ہے، تو ہے تو تم سے ہی ہے نا۔ ورنہ تو بہت سے باس ہوں گے اور اس میں بہت سی قابلیت بھی ہے۔ وہ یہ خواہش اب تک پوری نہ کر چکی ہوتی۔ کسی اور باس کی بیوی بن کر؟"

"یہی ہو گا وچن۔ میں نے اس کے رشتے کی بات اپنے ایک دوست سے کر رکھی ہے۔"

"کیا...... کیا کہا تم نے؟" وہ ایک دم بھڑک گئی تھی۔ "تم...... تم عافی...... تم ایسا کیسے کر سکتے ہو؟ تم نے ایسا کیسے کر لیا؟ مجھے رشتے کروانے والی ماسی کہتے ہو اور خود رشتے کروانے والے موسا بن گئے ہو۔"

"ہاہاہا۔ تمہیں اس بات کا غم ہے کہ تم سے پہلے میں نے پہل کر لی اور جہاں رشتے والی ماسی تمہیں بننا تھا وہاں میں رشتے والا موسا بن گیا۔ ہاہاہا۔"

"وہی تو عافی، ایک ہی تو رشتہ کروانا چاہتی تھی میں۔" اس نے بے حد مایوس ہو کر کہا۔

"ضد چھوڑ دو وچن۔"

"کیوں چھوڑ دوں؟"

"وہ ایک اچھی لڑکی ہے وچن۔ میں میں اسے خوش نہیں رکھ پاؤں گا۔"

"وہ ایک اچھی لڑکی ہے عافی۔ تمہارے ساتھ خوش رہ لے گی۔"

عافی خاموش ہو گیا تھا۔ نا جانے کس سوچ میں تھا۔ وچن نے اس کی جانب دیکھا اور پوچھا۔

"تم نہیں ملنا چاہتے بندگی سے؟"

"نہیں۔"

"تو میں مل لوں؟ میرے پاس اس کا ایڈریس ہے۔"

"نہیں وچن مت جانا۔ میں نہیں چاہتا ایک بار پھر سے میری وجہ سے......"

''چلو ٹھیک ہے۔ میں نہیں جاؤں گی بندگی سے ملنے۔ لیکن تم یہ تو سوچنا بھی مت کہ میں تمہارا رشتہ لے کر رخسار کے گھر نہیں جاؤں گی۔''

''چلیں۔'' عافی نے ٹاپک بدلا تھا۔

''ہاں۔''

پھر وہ سیڑھیاں چڑھ آئے اور اتر بھی آئے۔ عافی نے وچن کو اتنا خاموش کبھی نہیں پایا تھا۔ وہ بہت الجھی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

جلد ہی اس کیس کے جھنجھٹ کو ختم کرنا پڑے گا ورنہ وچن اسی طرح رہے گی۔ عافی نے طے کر لیا تھا لیکن خاموشیوں کے تعلق وسیع ہوتے ہیں۔ صرف کوئی ایک وجہ عمر کے الفاظوں کی جمع پونجی کو گھونٹ کر نہیں سکتی۔ بہت سے دکھ دل میں جب یکساں ہو جاتے ہیں تب ہی الفاظ گم ہو جاتے ہیں۔ ہنستے بولتے انسان خاموش ہو جاتے ہیں۔

عافی سے مل کر اس کے اندر کے احساسات جاگے تھے۔ اس کے نظریے بدلے تھے۔ پرکھنے کے، سمجھنے کے سب ہی انداز بدلے تھے۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا وچن۔ تم دکھی مت ہو۔''

''اب سچے دکھ میں سچ میں دکھی ہوں۔ ورنہ پہلے تو دکھ کا وہم ہوتا تھا، دکھی ہونے کا بھی وہم ہوتا تھا۔ اب پتا چل رہا ہے دکھ کیا ہوتے ہیں۔ میں اچانک سے سب کچھ سمجھنے لگی ہوں عافی اور اب پہلے کی نادانیوں پر حیران ہوتی ہوں۔''

''اس کا ذمہ دار میں ہوں۔ کتنی خوش تھی۔ تم نادانیاں کرتی تھی، من مانیاں کرتی تھی، مسکراتی، ساس کا گلہ شکوہ کرنے والی وچن...... پر اب؟''

''عافی! تم کسی بھی چیز کے ذمے دار نہیں۔ میں تو خود کو خود ہی دھوکے دیتی تھی۔ اور نا جانے کتنے فریب کھاتی تھی۔ حقیقت سے دور تھی، خیالوں کے محتاج بے جان خواہشات کا جمگھٹا لیے پھرتی تھی۔ اور اب سوچتی ہوں پہلے ان تمام نعمتوں کو تو جی لوں جو بنا مانگے مقدر سے مل گئی ہیں۔''

''ہوں۔ پہلے ان نعمتوں کو جی لو، جو بنا مانگے ملی ہیں۔لیکن اب مجھے ہنسایا کون کرے گا۔تم تو میری ہنس مکھ دوست تھی۔جس سے مل کر میرا سارا ڈپریشن بھاگ جایا کرتا تھا۔''

وہ زینے اتر رہے تھے۔

''ہوں۔'' اس نے ذرا دیر کے لیے سوچا اور پھر کہا۔''رخسار۔''

''اُف، اور شتے کروانے والی ماسی۔''

''رشتے نہیں عافی رشتہ تمہارا اور رخسار کا رشتہ۔'' اس نے کہا تھا۔ وہ دونوں اتر آئے۔آخری دس بارہ سیڑھیوں پر کھڑے تھے۔وچن کے ساتھ آئی سنگت ابھی دور تھی۔وچن نے فوراً سیڑھیاں اترنا شروع کیا اور عافی کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ آخری زینے پر ٹھہر کر زور سے چلائی تھی۔

''اپنے اس باس دوست سے معذرت کر لیتی ہوں کیونکہ میں پہلے رخسار سے ملوں گی پھر جیل جاؤں گی۔''

''وچن! تم ایسا کچھ نہیں کرو گی۔''

''یہ آخری من مانی کر لینے دو۔میں تمہیں یوں نہیں دیکھ سکتی۔'' اس نے کہا اور ویگن کی جانب چلی گئی۔

عافی نے سر پکڑ لیا تھا۔اسے پتا تھا وہ اسے روک نہیں سکتا تھا۔اس کی رفتار سے رفتار ملانا ناممکن سا تھا۔

☆......☆......☆

موسم بے حد سہانا تھا۔ہلکے ہلکے بادل آسمان پر بکھرے تھے، گرمی کا مناسب موسم تھا۔پنکھے چل رہے تھے، گولے والے پھر رہے تھے۔ذرا ذرا سی دیر کے بعد اسکرین والے اپنی مخصوص ٹیون بجاتے گلیوں میں سے گزر رہے تھے۔کلفی کے ٹھیلے بھی ہر جگہ نظر آتے تھے۔

اس نے آسمانی رنگ میں تیز نیلے رنگ کی ملاوٹ والی پھول دار ساڑھی پہنی تھی، اور صبح ہی صبح عافی کے آنے سے پہلے وہ عافی کے ہی آفس میں رخسار کے روبرو بیٹھی تھی۔

وبھی الجھی الجھی ہوئی اس کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔اس کا لباس ہمیشہ کی طرح خاص اور عمدہ لگ رہا تھا۔ ہلکا ہلکا میک اپ بھی چہرے پر نظر آرہا تھا لیکن نجانے وہ رونق کہاں تھی جو اس کی شخصیت کا خاصا ہوا کرتی تھی۔عافی نے کہا تھا۔اس نے رخسار کے لیے رشتہ تلاش کیا ہے۔تو عافی کے باس دوست اس کے گھر تک رشتہ لے گئے تھے۔اس لیے رخسار کے چہرے پر بارہ بجے تھے۔

''کیا بات کرنی ہے آپ نے، جو اتنی صبح صبح آپ نے یہاں بلوایا؟''

''مجھے بات کرنی تھی۔اور میں تمہارے باس کی خاص دوست ہوں۔میں تمہیں کسی بھی وقت بلا سکتی ہوں۔''

رخسار نے گہری سی سانس لی بس۔

''میں جانتی ہوں تم عافی کے متعلق کیا سوچتی ہو اور یہ بھی کہ عافی تمہارے لیے کیا معنی رکھتا ہے۔''

وچن کی بات سن کر اس کی آنکھوں میں حیرت ابھری۔

''تم سب جانتی ہو اس کے متعلق۔'' وچن نے بات کرنا جاری رکھا لیکن نا جانے کیوں اس کا دل ڈوب گیا۔وہ اٹھ کر اچانک ہی جانے لگی۔عافی جانتا تھا وچن آج کسی بھی لمحے آدھمکے گی اس لیے وہ آ گیا مگر وچن کی رفتار کے ساتھ کون اپنی رفتار ملا سکتا تھا۔وہ آچکی تھی اور اس کے آفس میں ہی رخسار کے ساتھ بیٹھی تھی۔رخسار نے آفس کے سی سی ٹی وی فوٹیج کو اپنے موبائل سے کنیکٹ کیا ہوا تھا۔ اس نے عافی کو انٹر ہوتے دیکھ لیا تھا۔

''رکو تم۔مت جاؤ۔''

''کیوں نہ جاؤں؟ کرتی کیا ہوں میں؟ کہتی کیا ہوں میں؟ میں نے کبھی کسی سے کچھ نہیں کہا۔ کبھی کسی س کچھ نہیں مانگا۔نہ کوئی وعدہ کیا نہ اپنے جذباتوں کے بدلے میں کوئی رحم کی طلب گار ہوں۔تو کیوں سب مجھے سمجھانے آجاتے ہیں؟''

عافی اسی لمحے آیا تھا لیکن ان کا دروازہ لاک تھا اس نے دستک کے لیے ہاتھ بلند کیا ہی تھا کہ اس کے کانوں سے رخسار کے چیخنے کی سی آواز آئی۔وہ بہت غصے میں تھی۔

’’سب کے سب مجھے سمجھاتے ہیں۔ کیوں سمجھاتے ہیں مجھے؟ کیوں سب کے سب بے دھڑک کہنے آجاتے ہیں۔ دور رہو اپنے باس سے۔ باز آجاؤ۔ کچھ حاصل نہیں ہوگا اس خواری سے؟ کیوں...... کیوں آخر کیوں۔ کوئی متعلق بھی سوچتا ہے کہ مجھ پر کیا گزرتی ہے۔ بس ہر کوئی آجاتا ہے مجھے سمجھانے۔ میں دور ہی ہوں سر سے۔ اور جانتی ہوں مجھے دور رہنا چاہیے اور یہ بھی جانتی ہوں کہ مجھ پہ میرا اختیار نہیں ہے۔ میں بہت بے بس ہوں۔ بہت بے بس ہوں۔ میں یہاں صرف اپنا کام کر رہی ہوں اور کام ہی کرتی رہوں گی۔ تو پھر کیوں لوگ مجھے سمجھانے آجاتے ہیں؟ کیوں کہتے ہیں مجھے سر سے دور رہنے کو؟ میں جانتی ہوں ان کی نگاہ میں میری کوئی اہمیت نہیں۔ جانتی ہوں۔ میں جانتی ہوں۔‘‘

’’تمہاری محبت بہت ہی خاص ہے۔ ہر ایک محبت خاص ہوتی ہے۔ میں تم سے عافی سے دور رہنے کو بالکل نہیں کہوں گی بلکہ میں تو تم سے التجا کرنے آئی ہوں کہ دکھ بانٹ لو عافی کے۔‘‘

رخسار نے حیرانی سے وچن کی جانب دیکھا۔

’’اس نے بہت کچھ سہا ہے۔ بہت کچھ برداشت کیا ہے۔ اب بس تم اسے برداشت کر لو۔‘‘

رخسار کی آنکھیں حیرت اور بے یقینی کے جیسے غوطے کھا رہی تھی۔ پیشانی پر پشیمانی کی لکیریں صاف عیاں تھیں۔

’’میں عافی کے لیے تمہارا ہاتھ مانگنے آئی ہوں۔‘‘

’’وچن۔‘‘ واندر آگیا تھا۔ اسے دیکھ کر رخسار ششدر سی رہ گئی تھی۔

’’بولو رخسار۔‘‘

’’وچن۔‘‘

’’تم چپ کرو عافی۔‘‘

’’وچن! تم سب جانتی ہو۔‘‘

’’یہ بھی سب جانتی ہے عافی، اور جو نہیں جانتی جان جائے گی۔‘‘

’’ایسے نہیں ہوتا وچن۔ ایسے رشتے یوں نہیں جوڑے جاتے۔‘‘

’’تم چپ رہو عافی۔ میں تمہیں یوں تنہا نہیں دیکھ سکتی۔ بتاؤ نا رخسار۔ کیا قدم آگے بڑھاؤ گی؟‘‘

''نہیں وچن۔ کیوں تم اسے مجبور کر رہی ہو۔ ایک ایسے شخص کو اپنانے کے لیے جو کسی اور کی محبت میں گرفتار ہے۔ رخسار ایک اچھی لڑکی ہے۔ اسے بہت سی خوشیاں مل سکتی ہیں۔ ایک مکمل زندگی، ایک مکمل خوشی۔ وہ اس سب کی حق دار ہے۔''

عافی کی بات سن کر وچن نے رخسار کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں وہی سوال تھا۔

رخسار بنا کچھ کہے جانے لگی۔ یہاں سب بہت خاموش تھے۔ وہ دراز ے تک آئی تھی اور وہیں سے کھڑے وچن کو اس کے سوال کا جواب دیا تھا۔

''مجھ سے مت پوچھیں کہ کیا میں قدم آگے بڑھاؤں گی۔ کیونکہ......'' اس نے ذرا سا وقفہ لیا تھا اور پھر کہا۔ ''میں تو قدم بڑھا چکی ہوں۔''

وچن مسکرادی۔ یہی تو وہ سننا چاہتی تھی۔

اس نے جاتے جاتے کہا۔ ''بس ڈرتی ہوں جس کی جانب قدم بڑھ چکے ہیں وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو جائے۔'' رخسار نے عافی کو دیکھ کے کہا تھا اور چلی گئی تھی۔

اب آفس میں صرف وہ دونوں تھے۔ عافی اسے شکوہ کن نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ خوش تھی بہت خوش۔

''یہ کیا کیا تم نے؟''

''رشتے کروانے والی ماسی کہتے تھے تم۔ رشتہ کروالیا اور کیا۔'' اس نے بڑی شرارت سے کہا۔

''وچن! تم۔''

''میں......میں اب سوچ رہی ہوں کہ اس کی فیملی سے مل لوں۔''

''تم کیوں اتنی تیز ہو وچن۔''

''تیز نہیں پھرتیلی۔'' اس نے اپنا ہینڈ بیگ تھاما اور خوشی خوشی عافی کے آفس سے نکلی۔

عافی پشیمانی سے اپنا ماتھا سہلانے لگا۔ اسے رخسار کا کیا ہوا گلہ یاد آیا۔ ''بس ڈرتی ہوں جس کی جانب قدم بڑھ چکے ہیں وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو جائے۔''

☆......☆......☆

دونوں موٹیاں شان کے گھر میں پھر سے سر جوڑے بیٹھی تھیں۔

سکینہ کے کیس کی بریفنگ ٹی وی چینل پر چل رہی تھی۔ وہ دونوں پشیمانی سے ہاتھ رگڑ رہی تھی۔

شان کی توجہ بھی ٹی وی کی طرف تھی۔

ایک لمبی چوڑی تمہید باندھنے کے بعد اینگر نے سوالوں کی بوچھاڑ کی تھی اور آخر میں کہا تھا۔

''ان سب ہی سوالات کے جوابات دینے کے لیے ہمارے اسٹوڈیو میں موجود ہیں، مس سکینہ۔''

فری اور دوری کی سانس جیسے تھم سی گئی۔ انہوں نے سکینہ کو آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

بریک کے بعد آنے کا اور جڑے رہنے کا کہہ کر اینکر چلا گیا تھا۔

وہ دونوں تمام اشتہار دیکھ رہی تھیں۔ بے چینی مزید بڑھ رہی تھی۔ شان بھی اضطرابی کیفیت میں گرفتار سا تھا۔ اس کی ماں بھی دم سادھے بیٹھی تھی۔ بالآخر اشتہار ختم ہوئے اینکر ھر سے سامنے آیا پھر سے بریک میں جانے سے پہلے کی آخری لائن ریپیٹ کرنے لگا۔

ان کی الجھن میں اضافہ ہورہا تھا اور پھر چند مزید باتوں کے بعد کیمرہ مین نے کیمرہ سکینہ کی طرف موڑا۔

سکینہ اب ٹی وی اسکرین پر سامنے ہی تھی اور دونوں موٹیوں کے سر جھٹکے سے ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ وہ دونوں لگ بھگ گرتے گرتے بچی تھیں۔ شان کی ماں بھی حیرانی سے دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔

سکینہ......سکینہ کی شکل تو وچن کی شکل سے مختلف تھی۔ لیکن ان دونوں نے جس طرح کا اسکیچ بنایا تھا۔ وہ بالکل اس اسکیچ سے مل رہی تھی۔

وہ اپنی بات پر قائم تھی کہ پیپر اس نے ہی دیئے ہیں۔ اور ساتھ ہی ہمدردی میں بول رہی تھی کہ کیا اس نے محنت کرکے کوئی جرم کرلیا ہے۔ جو اس پر اس طرح کے الزام لگائے جارہے ہیں۔

''ہم نے سنا ہے آپ اپنے پیپر کینسل کر رہی ہیں؟''

''لیکن کیوں؟''

''کیونکہ میں اس طرح ٹوپر نہیں بننا چاہتی اور آگے سے توبہ ہے کہ میں ٹاپ کروں۔''

"میں پھر سے ایگزام دوں گی اور......"

"اس طرح تو آپ اپنے مخالف شان نامی لڑکے کو خود ٹاپ کروا دیں گی کیونکہ اگر آپ کے پیپر کینسل ہوئے تو شان ہی ٹاپ کرے گا۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں جو ہوں سو ہوں۔۔ کسی ٹھوفکیٹ سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"جھوٹی۔ پہلے بھی جھوٹ بولے اب بھی جھوٹ بول رہی ہے۔ دیکھا دوری۔"

"ہاں فری۔ یہ تو سخت مکار نکلی۔ دوری یہ تو بچ نکلی۔"

"ہاں فری۔ ہم نے اتنا کچھ کیا اور اسے سزا تک نہیں ملی۔"

"ہم نے اتنا کچھ سکینہ کو سزا دلوانے کے لیے نہیں کیا تھا۔ ہم تو بس شان کو انصاف دلوانا چاہتے تھے۔"

"یہ وچی نے کہا تھا۔"

وہ دونوں مڑی تھیں۔

"چی!" دونوں چیخ کر اس کے گلے لگی تھی۔

شان کی ماں خاموش سی کھڑی تھیں۔ اسے یقین نہ آ رہا تھا۔ اس کا بیٹا ٹاپ کر چکا تھا۔

"آنٹی! مبارک ہو۔" اب وہ دونوں شان کی ماں کو گلے سے لگائے ہوئی تھی۔

وچن شان کے پاس آئی تھی اور کہا تھا۔

"جینئس! تم نے میٹرک کے پیپروں میں ٹاٹ کر لیا ہے۔ کیسا لگ رہا ہے؟"

شان کی آنکھوں میں بے حد حیرانگی اتر آئی۔ اس نے کچھ نہیں کہا۔ بس چپ ہی رہا۔ اور اسی خاموشی سے اندر چلا گیا۔

کاش یہ سمجھ جائے۔ کاش یہ سمجھ جائے۔ وچن نے آج سے پہلے کبھی کسی کو اس طرح اپنی ہی خواہش کے بوجھ تلے دبتے نہ دیکھا تھا۔ وہ اپنی خواہش کے بوجھ تلے ان عمیق گہرائیوں میں چلا گیا تھا۔ جہاں اسے پتا بھی نہ چل پایا تھا کہ اس کے گہرائیوں سے لوٹنے سے قبل ہی اس کی خواہش مکمل ہو

چکی ہے۔نا جانے کیسا امتحان تھا یہ؟

اس کی ماں بھی خوش ہونے کی بجائے آنسو بہا رہی تھی۔نا جانے شان کو انصاف ملا تھا بھی کہ نہیں۔وہ سب سوچ رہے تھے۔

☆......☆......☆

وچن شان کے گھر سے پارلر آئی تھی۔آج اسے خوش دل سے نہیں بلکہ عزت بی بی سے ملنا تھا۔

عزت بی بی آج دوسری جانب موجود تھیں۔وہ ہمیشہ کی طرح ہر دل عزیز انداز لیے بلیک میکسی میں بے حد خوب صورت لگ رہی تھی۔ان کی میکسی کے آستین غائب تھے۔ٹرائی سپ مسلز کے وسط میں ایک ٹیٹو نصب تھا۔آج ان کی میکسی کے دیپک گلے کی وجہ سے ان کی گردن سے ذرا نیچے بنا ٹیٹو بھی نظر آ رہا تھا۔وہ کسی کام سے جا رہی تھی۔خادمہ اور کنیز بھی تیار کھڑی تھیں لیکن وچن کو دیکھ کر وہ اپنی نشست پر بیٹھی اور کہا۔

"آج پھر سے ذہین لوگ آئے ہیں۔"

"یہ کیسے کیسے ختم ہو سکتا ہے؟"

"ذہین لڑکی! کیس تھا ہی کب۔بے وجہ ہلکان ہو رہی تھی۔"

"میں چپ نہیں بیٹھوں گی۔یہ کھیل ختم کرا کے رہوں گی۔بے شک خود سولی پر لٹک جاؤں۔"

"بس نا۔ابھی بس کرو۔اپنی اخلاقیات مت جھاڑو۔بس سمجھ گئے ہم۔مان گئے ہم کہ تم بدرجہ اتم اخلاق رکھتی ہو۔"

"میرا مقصد کسی کو کچھ سمجھانا نہیں ہے۔میں اپنی بات پہ قائم رہوں گی۔سمجھی آپ؟"

"میں تو سمجھتی ہوں تم ہی نہیں سمجھتی۔چلو سوچتی ہوں تمہیں سمجھا ہی دوں۔" عزت نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تھا اور پھر کنیز اور خادمہ کو اشارہ کیا تھا۔وہ سمجھ کر پھرتی سے نا جانے کہاں گئی اور پھر ذرا سی دیر بعد آ بھی گئی۔

"ہوں۔ٹھیک ہے۔دکھاؤ اس ذہین لڑکی کو۔" عزت کی آنکھوں میں عجیب سی چمک اور ہونٹوں

پرمعنی خیز مسکراہٹ تھی۔

خادمہ نے ایک لفافہ اس کی جانب بڑھایا تھا۔ وچن کچھ سمجھ نہ پا رہی تھی۔

لفافے میں وچن کی فوٹو تھی۔ اس پہلے دن کے پرچے کی جب اس نے پہلی بار یونیفارم پہنا تھا۔ جس دن وہ گھبراہٹ سے بے ہوش ہوگئی تھی۔ اسے یاد آیا کہ جولڑکی یونیفارم لائی تھی۔ اس نے ہلکا سا میک اپ بھی کیا تھا۔

پھر دوسرے لفافے میں اس نے سکینہ کی فوٹو دیکھی۔

''ہے بھگوان! یہ تو...... یہ تو...... میں تو بالکل سکینہ کی طرح لگ رہی ہوں۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟''

عزت ہنس دی۔

''کہا تھا نا میرے کھیل میں ہی شروع کرتی ہوں اور میں ڈہی ختم۔''

''یہ کیا کیا ہے آپ نے؟''

''ذہین لڑکی!'' عزت نے ترس کھا کے کہا تھا یا اس کی ذہانت کا مذاق اڑایا تھا۔ وچن کو جیسے پتنگے لگ گئے تھے۔ اچانک سب سمجھ میں آ گیا تھا۔

''آپ نے مجھے سکینہ کے پیپر دینے کے لیے اس لیے چنا کیونکہ ہم ایک دوسرے سے لگ بھگ ملتی تھیں اور جو نہیں ملتی تھیں یا پھر جو ہمارے درمیان عمر کا گیپ تھا وہ آپ کے میک اپ کی وجہ سے۔ لیکن آپ تو لوگ تو مجھے سکینہ کے علاوہ دوسری لڑکیوں کی جگہ بھی پیپر دینے کے لیے اکسا رہے تھے۔''

وچن کا دماغ ماؤف ہونے لگا تھا۔

''تو دوسری لڑکیوں کی طرح تمہیں تیار کر لیتے؟''

''لیکن ایسا کیسے ممکن ہے۔''

''یہ ہاتھوں کی صفائی ہے میری جان۔''

''تو گویا اس میک اپ میں ایسی مہارت تھی کہ گویا موٹے موٹے نقوش کو پتلا پتلا بنا دیں۔ بے تو تے روکھے چہروں میں جان ڈال دے لیکن یہ کیسے ممکن تھا۔'' وہ سوچ میں پڑ گئی۔

''مان جاؤ نا۔ رب نے ٹیلنٹ کے ساتھ دنیا میں بھجوادیا ہے۔''

''تو کیا آپ سب کے ساتھ ایسا کرتی ہیں؟''

''نہیں اتنا ٹائم کہاں۔ یہ تو بس اخلاقیات کے پکوں کے ساتھ کیا اور صرف تمہارے ساتھ ہی کیا۔ تم سے ہی جھوٹ بول کر پیپر دلوائے ورنہ باخدا کسی سے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں پڑی ہمیں۔ اس لیے تو تم سے بیٹھ کر بات کر رہی ہوں ورنہ ہمارے پاس اتنا ٹائم کہاں۔ سچ کہوں تو تمہاری اخلاقیات نے دل جیت لیا۔ چاہتی تو کیس کو شروع ہونے سے پہلے ہی ختم کر سکتی تھی لیکن تمہارے ساتھ ذرا کھیلنا چاہتی تھی۔ بڑے دنوں بعد کسی کھیل کو کھیلنے میں مزا آیا ہے۔''

''لیکن میں ہی کیوں۔ میرے ساتھ ہی کیوں۔ آپ کے پاس ذہین لوگوں کی کمی تو نہیں ہوگی۔ کیوں مجھ سے ہی جھوٹ بولا آپ نے۔ جیسے کیا کرتی تھی ویسے کر لیتی۔ میری جگہ کسی اور کو منتخب کر لیتی تو سب کچھ آسان ہوتا نا۔''

''اب کون سا مشکل تھا؟''

''آپ بات کو ادھر سے ادھر نہ لے جائیں۔ بتائیں مجھے آپ نے ہی کیوں منتخب کیا۔ جبکہ آپ جانتی تھی میں آپ کے لیے مسئلہ پیدا کر سکتی تھی۔''

''کہاں کیا تم نے میرے لیے کوئی مسئلہ پیدا او نہ کر سکتی ہو۔ اور اگر ذہین ہو تو جاؤ پتا کروالو۔ کہ تمہیں کیوں چنا۔ میری بات پر تو تمہیں یقین نہیں آئے گا کہ ہم نے تمہیں اس لیے چنا کہ بس کوئی پکے مزاج والے کے ساتھ کھیل کھیلنا چاہتے تھے۔'' عزت نے کہا اور کھڑکی میں سے پردہ ہٹایا۔ کھڑکی کے اس پار خوش دل موجود تھی جو آج فارغ بیٹھی تھی۔

جسے عزت نے دیکھ کر کہا۔

''یہ کیا دل فارغ کیوں بیٹھی ہو۔ آج پارلر میں ہمیشہ کی طرح کی رونق نہیں کیا؟''

''نہیں نہیں۔ پارلر میں گاہکوں کی خوب رونق ہے میڈم جی۔ بس دل آج کہہ رہی تھی کہ اس کی طبیعت خراب ہے۔''

''کیوں۔کیا ہوا؟'' وہ ایک دم پریشان ہو کر خوش دل کے پاس آئی۔

وچن کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا وہ کتنے ہی لمحے اپنی جگہ ساکت کھڑی رہی۔نا جانے کیا سے کیا سوچ رہی تھی۔

کھڑکی کھلی تھی۔خوش دل سامنے بیٹھی تھی۔وہ بے دھد یانی میں انگلیوں پر کچھ گن گن کر پڑھ رہی تھی۔

''یہ ہاتھوں پر تسبیح پڑھنا چھوڑو، مجھے بتاؤ یہ کیا سن رہی ہوں میں۔کیا ہوا تمہاری طبیعت کو دل۔''

عزت پریشانی سے اس کے پاس بیٹھ گئی تھی۔وچن نے ایک اور بار عزت کو دیکھا اور چلی آئی۔اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔وہ سوچ سوچ کے تھک گئی تھی کہ اسے کیوں سکینہ کے پیپر دینے کے لیے چنا گیا تھا۔

☆......☆......☆

اس کا دماغ سچ میں ماؤف ہو رہا تھا۔دل بار بار چاہتا تھا کہ آج کی عزت بی بی سے ہوئی ساری باتیں وہ عافی کو بتائے لیکن اسے اب عافی کو کچھ نہیں بتانا تھا کیونکہ وہ چاہتی تھی کہ عافی ادھر ادھر کی سوچوں کو سوچنے کی بجائے صرف اور صرف رخسار کے متعلق سوچے۔اس عزب بی بی میں نا جانے کیسا طلسم تھا۔وہ سوچنا نہ بھی چاہتی تو اس کی باتیں اس کے ذہن میں بار بار جھما کے کرتی رہتی۔

''تم سے ہی جھوٹ بول کر پیپر دلوائے ورنہ باخدا کسی سے جھوٹ بول کر پیپر دلوانے کی ضرورت نہیں پڑی ہمیں۔''

''کیوں، آخر کیوں؟'' وہ سوچوں کے یادوں کے پٹ کھولے بیٹھی تھی جو بس نیم وا ہی کھل رہے تھے اور بس......

عزت بی بی نے اسے دلہن بنایا تھا اور بس......

کوئی کسی کی اتنی پرانی بات کیوں یاد رکھے گا۔لیکن اس عورت کی بات پر اعتبار ہی کیوں کرنا۔

شاید وہ یہ سب اسے کیس سے دور رکھنے کے لیے کہہ رہی تھی۔

لیکن یہ بھی تو درست ہے سکینہ اور اس کا چہرہ ایک جیسا تو نہیں لیکن ملتا جلتا ہے اور ان کے پاس جو

ودیوز ہیں اسے دیکھ کر کوئی بھی یقین نہیں کرے گا کہ وہ سچ کہہ رہی ہے۔ وہ اپنے اس حلیے کے ساتھ اگر پولیس کو سچ بتانے جاتی ہے تو خود ہی کہیں پولیس کو کیس سے گمراہ کرنے کے جرم میں پھنس نہ جائے۔

''کتنا پکا کام کر لیا اس جرم کرنے والی نے۔ اس جرم کروانے والی نے۔'' وچن کو اب احساس ہو گیا تھا کہ وہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ وہ جانتی تھی اب کیس ختم ہو گیا ہے۔ کچھ دنوں بعد یہ سارا قصہ ختم ہو جائے گا اور انصاف؟

''انصاف تو مل گیا نا۔ پریشان اب ٹاپر تھا۔ لیکن بس اتنا؟''

''نہیں نہیں۔ اسے تو اپنے ملک کے تعلیمی معیار میں بہتری لانی تھی۔ اس جھنجھٹ سے طالب علموں کو نجادت دلوانی تھی۔ لیکن کیسے؟ نہ کوئی ثبوت نہ کوئی گواہ۔ جو بھی وہ سوچ چکے تھے عزت بی بی اس کا توڑ پہلے سے ہی آزما چکی تھی۔ اسے سکینہ کی جگہ پیپر دینے کے لیے منتخب نہیں کیا گیا بلکہ سکینہ بنا کر ہی بھیجا گیا۔ اس کی طرح کی کریلز دو پونیاں، سکینہ کی طرح بائیں جانب ہونٹوں سے ذرا اوپر لگا تل۔ گوری رنگت، فیس کٹ...... اس نے جب سوچا اس شفیق ٹیچر کے متعلق سوچا کہ وہ ان سے ملی ہوئی تھی اس لیے کوئی اسے پہچان نہ سکا اور اب جب وہ سکینہ کی رول نمبر سلپ سے خود کو اس گیٹ اپ کے ساتھ سوچ رہی تھی تو خود کو خود بھی نہ پہچان پا رہی تھی۔

اتنا مکمل کام؟ تو کیا عزت جانتی تھی؟ میں پلٹ کر وار کروں گی، اور اسے کیسے اتنا کچھ پتا تھا۔ چلو یہ سہی کہ اپنی ذہانت کا ڈھول میں خود ہی بجا آئی تھی لیکن اس کے مزاج سے ایسی وابستگی؟ کہ وہ کھیل کھیلنے لگی۔ پھر ایسا کھیل کون کھیلتا۔ کہ خود کا دامن بھی بچا کے رکھو اور دوسرے کا دامن بھی داغ دار مت ہونے دو۔ وچن دانستاً وغیرہ دانستاً میں الجھ سی گئی تھی۔ نا جانے یہ عزت بی بی چیز کیا تھی۔ وہ ان ہی سوچوں میں پیشانی رگڑ رہی تھی کہ کملا کی آوازیں آنے لگی۔

''بہو او بہو۔ کہاں ہو؟ تو دیکھو تو میگ آ برسا ہے۔ جلدی چھت پر جاؤ۔ میں نے دال وڑی سکھانے کے لیے رکھی تھی۔''

ساس کی آواز سنتے ہی وہ سوچوں کی پروازوں میں ہچکولے کھاتی لڑکی فوراً اٹھی اور پھرتی سے

چھت تو چھت سارے گھر میں بچھے فرائیڈ سنیکس سمیت کر پیکنگ کے کمرے میں لے آئی۔

بارش بہت زوروں سے ہو رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے سب جل تھل ہو گیا۔ ندی نالے پانی کے تیز بہاؤ سے ہچکیاں سی لینے لگے۔ موسم میں خود ساختہ سی ترامیم آنے لگی۔ برساتی موسم اپنے تمام تر ممکنات سختیوں کے ساتھ برس رہا تھا اور برستا ہی رہا تھا کہ رات ہو گئی۔

آج دیپک دکان پر ہی رہا تھا۔ زیادہ پانی برسنے کی وجہ سے روڈ بند سے تھے۔ لائٹ بھی آ اور جا رہی تھی۔

دونوں ساس بہو کچن میں تھی۔ آج کملا کا سویابین پکانے کا موڈ تھا تو کمل نے ایک اور خواہش بھی کر لی۔ ''مجھے سویابین اسٹک چاہیے ہیں۔''

کملا فوراً مان گئی۔ یوں بھی وہ آج فری تھی۔ برساتی یا نم موسم میں فرائیڈ سنکس بنانا فضول ہوتا ہے ان میں نمی رہ جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے فرائیڈ سنکس کرارے نہیں ہو پاتے۔

کملا نے وچن کو پاس بٹھا کر سبزیاں کاٹنے کا کہہ دیا۔ ان دونوں خواتین کو خالی بٹھانا کسی نے سکھایا ہی نہ تھا۔

وچن اچار ڈالنے کے لیے سبزیاں کاٹ رہی تھی۔

اسے سوچوں میں ڈوبے دیکھ کر کملا نے عافی کا پوچھ لیا تھا۔ یوں ہی حال احوال۔

وچن نے ماں جی کو دعا کرنے کے لیے کہا اور رخسار کے متعلق بھی سرسری سا بتایا۔

''بہو! میں اب اسی کے متعلق ہی سوچتی رہتی ہوں۔ کتنا کچھ سہہ لیا ہے اس صبر وند نے؟''

''ہاں صبر وند تو ہے۔ او ساتھ میں شکشم بھی...... نا جانے کتنے گھروں کا چوکا اس کی وجہ سے ہرا بھرا ہے۔ نا جانے کتنے دکھیاروں کے دکھ ہرتا ہے اور نا جانے کتنوں کے لیے دیوتا بن کے اترتا ہے۔ ہم سب اپنے لیے جیتے ہیں لیکن عافی دوسروں کے لیے جینے والا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دکھوں میں رہ کر بھی دکھوں کو خود سے لپیٹے نہیں رکھتا۔ اوپر والے کی مہر ہے اس پر۔ ورنہ تو اس قید کی یاد بھی زندہ کہاں چھوڑ سکتی تھی۔ میں تو ہوتی اس قید سے آزاد ہونے کے بعد سنیاس لے لیتی۔ جوگی بن جاتی۔ دنیا و مافیہا

چھوڑ کر بیابانوں میں بھٹکتی۔ موت کو ایک پل کے لیے سوچوں میں طاری کرنا بھی رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے تو اس کا سوچو ماں جی۔ جو اتنے پاس سے موت کو دیکھ کر آیا ہے اور پھر ایسے جیا ہے جیسے کوئی جی نہیں سکتا۔ اتنا بڑا امپائر ہے اس کا۔ اتنی ساری کمپنیاں ہیں۔ کامیابیوں کا دوسرا نام عافی ہے۔ مہربانی کا دوسرا نام عافی ہے۔ اور بس بہو۔ اتنی سبزیاں کافی ہیں۔ اب سرسوں کا تیل نکالو۔"

"ہاں ماں جی۔ میں بھول گئی تھی۔ ماں جی سچ کہوں۔ میں عافی جیسا بننا چاہتی ہوں۔"

"اس جیسا کوئی اپنے آپ نہیں بن سکتا بہو۔ یہ تو اوپر والا خود چھانٹ کر کے اپنے بندوں میں سے کوئی بندہ چن لیتا ہے تا کہ ہر دور میں نیکی کی زندہ مثالیں قائم ہو۔ رب جن بندوں کو حد سے زیادہ درد دیتا ہے ان کے درد کا مرہم بھی وہ خود بنتا ہے۔ اس لیے تو میرا دل نہیں مانتا کہ بندگی اس کی دسترس سے دور ہو چکی ہے۔ او تجھے وہ صحیح کہتا ہے، مت ایک اور عذاب کھڑا کر اس کی زندگی میں۔ نہ اس بیج کو تناور بنا جو اس لڑکی رخسار کے دل میں بویا ہوا ہے۔ میرا دل کہتا ہے اگر بندگی اس کی دسترس میں آج نہیں ہے بھی تو وہ آسکتی ہے۔"

"ماں جی۔ یہ کوئی فلم نہیں ہے۔ حقیقی زندگی میں رقیب خدا کو پیارے نہیں ہو جاتے، ہنستے بستے گھروں کو نظریں نہیں لگا کرتیں، سالوں سے چلتے آتے خونی رشتوں سے علیحدگی ممکن نہیں ہو پاتی۔ بے وجہ اسے انتظار کی آندھی میں کیوں کر بھٹکاتے رہیں۔ آگے بڑھنا تو سب کا حق ہوتا ہے۔ رخسار ایک اچھی لڑکی ہے ماں جی اور اس سے بھی بڑی بات ہے۔ عافی کو سمجھتی ہے۔"

"اب تمہیں کیسے پتا کہ وہ عافی کو سمجھتی ہے۔" کملا نے اسٹکس میں سویا بین پروتے ہوئے پوچھا۔ "ماں جی وہ سب جانتی ہے۔"

"کیا عافی نے اسے سب بتایا ہے؟ نہیں مجھے نہیں لگتا پر اس کے ساتھ رہنے کی وجہ سے وہ کافی حد تک عافی کو جانتی ہے۔"

"بہو! کسی رشتے کی کامیابی کے لیے دل سے دل تک کی آگاہی لازمی ہے۔ اندازے جو ہوتے ہیں وہ سو فیصد درست نہیں ہوتے۔"

''تو کیا دل کھول کے رکھا جائے؟ دل دل ہوتا ہے۔کوئی کتاب نہیں۔ اپنے دل کو کھولنے کے وقت جانے ان جانے بھی انسان اپنی کوتاہیوں کو غلطیوں کو چھپا لیتا ہے۔ آسان نہیں ہوتا۔ بلکہ دنیا کا سب سے مشکل کام ہوتا ہے اپنے دل کو کھول کر کسی کے سامنے رکھنا اور سچ بولنا۔ سامنے والے کی نظروں میں پرکھے جانا۔ اپنی زندگی کے داغ دار، چھلی ہوئے پڑھے پہلو سے متعارف کروانا، اپنے کردار کے عیار پن سے ملوانا۔ آسان ہے کیا ماں جی آسان ہے کیا؟''

کملا دیکھتی ہی رہی اس بار کچھ نہ بولی۔ وچن نے تیل چھان کر مرتبان میں ڈال لیا تھا اب سبزیاں دھو رہی تھی اور ساتھ میں بولے جا رہی تھی۔

''میں نے دیکھا ہے ماں جی۔ وہ کس قرب سے گزر رہا تھا جب اپنے آپ سے مجھے ملوا رہا تھا۔ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں یہ بھی ایک غیر اخلاقی عمل ہے۔ کسی سے اس کے دکھ سننا اسے اس کے دکھ یاد دلوانا ہوتا ہے۔ اور سچ کہوں تو ماں جی دکھوں میں دکھ بہت ہوتا ہے۔ چاہے پھر وہ اپنے دکھ ہوں یا دوسروں کے۔ جتنا مشکل اپنے دکھوں سے گزرنا ہے اتنا ہی مشکل دکھ بانٹنا ہے۔ دکھ بہت وزنی ہوتے ہیں۔ ان کا بوجھ کہاں اٹھایا جا سکتا ہے۔ ہر انسان کے لیے کچھ دکھ کچھ تکلیفات ان کے مزاج کے مطابق مقرر ہیں۔ جیسے ماں بننے کی تکلیف، جیسے کھونے پانے کا دکھ۔ عافی نے جو دکھ سہا وہ رب نے اس کے لیے منتخب کیا تھا۔ اس لیے وہ سہہ گیا۔ آپ نے اور میں نے وہ دکھ سہا نہیں۔ بس سنا اور ان سنا کر دیا، سہہ نہ سکے۔ میں جانتی ہوں آپ میں اور مجھ میں بہت سی تبدیلیاں آ چکی ہیں جن میں سے کچھ تبدیلیاں نہیں آنی چاہیے تھیں، یا پھر ابھی ہم ان تبدیلیوں کے اہل نہیں تھے۔''

''ہاں بہو! دکھ انسان کے اندر صبر کی لو جاتے ہیں۔ جس سے دلوں میں عجیب سی روشنی پھیلی ہوتی ہے۔ پھر اپنے ساتھ ساتھ سب کے دکھ دکھائی دیتے ہیں اس لیے جس نے سچ میں دکھ دیکھے ہوتے ہیں وہ دوسروں کو دکھی نہیں کرتے۔ دیپک کے باپو جی جب پرلوک سدھار گئے، میں بہت بدل گئی تھی اس لیے مجھے......''

''اس لیے آپ دکھی فلمیں دیکھ کر رو دیتی ہیں دادی۔'' کمل سویا بین اسٹک کا مزید انتظار نہیں کر

سکتا تھا خود ہی لینے کچن میں چلا آیا۔ کملا نے اسے اسٹیل کی نئی پلیٹ میں سویا بین پروس کر دیئے۔ وہ ننھے ہاتھوں میں بڑی پلیٹ تھام کر خوش ہو کر چلا گیا۔

''ہاں ماں جی ٹھیک کہتی ہیں آپ۔ دکھ انسان کے اندر صبر کی لو جلاتے ہیں۔ اپنے بیاہ سے پہلے میں اپنی بڑی بہنوں اور بھابھیوں کو ان کے بچوں کو لے کر نا جانے کیا کیا بولتی تھی۔ بچے شعور کرتے تھے تو میں کہتی تھی آپ نے اپنے بچوں کو شعور کرنا سکھایا ہے۔ کچرہ وغیرہ پھیلاتے تو میں انہیں ہی ذمے دار ٹھہراتی۔ اور جب خود ماں بنی تو پتا چلا وسب اتنا آسان نہ تھا جو ہم دوسروں کو سمجھاتے تھے۔ شاید ماں کو اتنا درد ہوتا بھی اس لیے ہے کہ صبر کی لو اس کے اندر جل جائیے۔ اور وہ دستور کائنات کو آگے بڑھا سکے۔ ورنہ سوچو تو کتنا مشکل ہوتا ہے۔ کمل کی پیدائش کے بعد میں نے کسی ماں کو کبھی نہیں کہا، تمیز سکھاؤ اپنے بچے کو۔ کیوں کہ میں جان چکی تھی ایک ماں کیا کچھ نہ کرتی ہے اپنے بچوں کو بڑا کرن کے لیے۔''

''بچے کا تعلق اپنی ماں کے ساتھ ساتھ ماحول سے بھی ہوتا ہے۔ رابطوں سے ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر اپنے آپ سے ہوتا ہے۔ اپنے جینٹکس، ذہنی کیفیات، مزاج، دنیا میں آنے والے تجربات۔''

''ماں تو ماں ہوتی ہے نا۔ وہ تو وہ سب کرتی ہے جو کر سکتی ہے۔''

''ہاں کہہ تو تُو ٹھیک رہی ہے بہو۔''

''چلو کھانا کھا لیں آج برسات نہیں رکے گی اور نہ ہی دیپک آ سکے گا۔'' وچن نے اچار ڈالنے کا کام ختم کر کے تاسفاً کہا تھا۔

''بات کر لے نا بہو اپنے پتی سے۔''

''تو آپ کو کیا لگتا ہے نہیں کرتی۔ ماں جی، میں روز آپ کے بیٹے کے پاس درجنوں میسج کرتی ہوں۔ اپنی روزمرہ کی لائف کی خبر دیتی ہوں اور پھر اپنے وائس میسج خود ہی سنتی ہوں۔''

''تو کیا دیپک تمہارے پیغام نہیں سنتا؟''

''پتا نہیں ماں جی۔ سائن تو بتاتے ہیں کہ میسج مل چکے ہیں انہیں۔ اب کتنے میسج سنتا ہے، کتنے نہیں۔ یہ تو وہی جانتا ہے۔''

''یہ دیپک بھی نا۔ ناک نہ کٹوا دے میری۔تو بھی کیا سوچتی ہو گی میں نے اسے کچھ سکھایا ہی نہیں۔کملا اپنا جملہ بول کر خود ہی ہنس دی۔ابھی تو وچن نے کہا تھا کہ وہ کسی ماں کو نہیں کہتی۔تمیز سکھاؤ اپنے بچوں کو۔ہاہاہاہا۔'' وہنس دی تو وچن کے لب بھی مسکرا دیئے۔

☆......☆......☆

بارشوں کا سلسلہ جاری تھا۔وہ گھر میں رہ رہ کر اداس سی ہو گئی تھی۔گھر کے سب ہی کام ختم ہو چکے تھے۔وہ ویڈیو کال پر رخسار کے روبرو تھی۔رخسار ذرا پریشان تھی۔اس کے پیرنٹس عافی کے دوست باس کے ساتھ اسے رخصت کرنا چاہتے تھے۔اورکل زبردستی ان سب نے مل کر اسے باس سے ملاقات کے لیے بھجوایا تھا۔سب راضی تھے۔گھر والے،لڑکے والے......بس ایک دل راضی نہ تھا۔

''سر نے اچھا نہیں کیا میرے ساتھ۔''

''تو میں اچھا کرلوں۔''

''آپ کیا کریں گی؟''

''کہا نا اچھا کروں گی تم بس اجازت دے دو۔''

''ہاں۔کردو اچھا۔کوئی تو کردو اچھا۔''

''ٹھیک ہے تو میں تمہارے گھر رشتہ لے کر آتی ہوں تمہارے کھڑوس باس کا۔''

''نہیں۔''

''مجھے پتا تھا تمہارے گھر رشتہ لے آنا مناسب نہیں ہوگا۔''

''ایکسکیوزمی۔''

''سوری، پر میں تو کب سے رشتہ لے آنا چاہتی تھی۔پھر یہ سوچ کر......''

''نہیں کیا۔ایسا کچھ نہیں ہے آپ آسکتی ہیں تو پلیز آئیں۔''

''میرا اور عافی کا کوئی تعلق نہیں رہا اور ہمارے مذہب بھی مختلف ہیں۔کہیں بات بننے کی بجائے بگڑ نہ جائے۔تم ذرا سوچو اور پھر مجھے بتاؤ۔''

''سوچنا کیا ہے۔آپ آجائیں۔''

اور بس اتنا سا کہنا تھا رخسار کا، کہ وہ بارش برسات کا غم کھانے کی بجائے گھر سے کام دار ساڑھی پہن کر نکل پڑی۔کملا نے بھی پیچھے سے پکارا بھی کہ کہاں چل دی اس خراب موسم میں بہو۔

''رشتہ کروانے ماں جی! شام تلک آپہنچوں گی۔''

جب تک عافی کا گھر نہیں بسے گا اسے چین نہ آئے گا۔کملا نے اس ک جانے کے بعد سوچا اور بے کاری کے باعث سنجے دت کی پرانی فلم دیکھنے بیٹھ گئی۔کمل بھی ایکسائٹڈ ہو کر آبیٹھا۔

اس کے ہاتھ میں ٹشو پیپر کا باکس تھا اور پانی کا گلاس بھی۔کیا پتا کب دادی فلم کی اسٹوری میں کھو جائے اور ہنسنے رونے لگے اور ننھے وجود کو بار بار کہنا پڑے It is not real dadi

☆......☆......☆

وہ گھر سے نکل کر ٹیکسی میں بیٹھی تھی۔اب چند ٹیکسی والوں کے نمبر اس کے پاس موجود تھے۔کبھی بھی کسی بھی وقت ضرورت پڑ جاتے تھے۔دیپک دو دن سے گھر نہ آیا تھا۔یوں بھی اب اس کا گھر میں دل نہ لگتا بس جگ ہنسائی سے بچنے کے لیے گھر کا رخ کر لیتا جیسے اب آسمان پر سے بادل سرکنے کے بعد کر لیا تھا۔وگھر کی جانب بڑھ رہا تھا کہ وچن اسے ٹیکسی میں کہیں جاتے نظر آئی۔

گھر آیا تو ماں جی فلم دیکھ رہی تھی۔کمل حسبِ معمول ان کے آنسو پونچھ رہا تھا۔

''وچن کہاں گئی ہے ماں جی؟''

''کوئی پیار میں ایسی بے وفائی کرتا ہے کیا؟ چھوڑ دیا، خیال تک نہ کیا۔ہیروئن چلی گئی۔''

ماں جی فلم کے ٹرانس میں تھی بات کرنا فضول تھا۔دیپک اپنے کمرے میں چلا آیا اور موبائل نکالا۔وچن نے اسے میسج کیا تھا وہ اسلام آباد جا رہی تھی۔

''اس موسم میں۔اُف۔حد ہو گئی بے وقوفی کی۔'' اسے بے حد غصہ آ گیا تھا۔اس نے موبائل اٹھا کر دیوار سے پٹخ دیا۔

'Papa it is not real'' کمل پانی کا گلاس لے کر باپ کے سامنے کھڑا تھا۔اسے لگا فلم

کا اثر شاید اس کے باپ پر بھی ہوا تھا۔

☆......☆......☆

موسم اب بھی آبی تھا۔ تمام عالم تمام منظر آبی تھے۔ ساون، میگ، رم جھم، برکھا، برسات، طوفان اور نمی ہی نمی کی موجودگی میں وہ دعاؤں و امیدوں سے بھرا دل لے کر رخسار کے گھر آئی۔

اس کا گھر بہت بڑا تھا اور فیملی بھی بہت بڑی۔ دادا، دادی، چاچے، چاچیاں، کزن اور بچے۔ وچن حیران نہ ہوئی۔ ان کے گاؤں میں بھی سب ایسے ہی مل کر رہتے تھے۔ وچن سب سے مل رہی تھی لیکن رخسار کی ماں اسے اپنے کمرے میں لائی تھی۔ دراصل بچے ماشاءاللہ سے بہت ہیں۔ ہمارے گھر میں اور آپ سب سے تعارف کرتے کرواتے تھک جاتی۔ وچن نے کچھ کہنا چاہا تو رخسار سامنے سے چلی آئی اور کہا۔

''یہ سر کی بہت خاص دوست ہیں۔ سمجھو ان کی فیملی ہی سے ہیں۔'' رخسار نے وچن کا اتنا سا ہی تعارف کروایا تھا اور پھر عافی تو عافی تھا نا۔ یہاں سب کے حواسوں پر چھایا ہا تھا۔ وچن نے محسوس کیا صرف رخسار ہی نہیں یہاں تو اس کی بہت سی کزنیں عافی سے امید لگائے بیٹھی تھیں اور نہ صرف یہ لڑکیاں بلکہ ان کی مائیں بھی۔

اس کی عزت افزائی ویسے ہی کی جا رہی تھی جیسے کسی رشتے کروانے والی کی ہو سکتی تھی۔ چائے، مزے دار لوازمات۔ لگتا تھا رخسار اس کی آمد کا مطلب اور مقصد اپنی ماں کو سمجھا چکی تھی۔ خیر یہ بھی اچھا تھا وچن کو بات کرنے میں آسانی ہو گی۔

''میں کافی دنوں سے آپ سے ملنا چاہتی تھی۔''

ویسے یہ رشتے کروانے والی باتیں اتنی آسانی سے بھی نہیں کی جاتیں۔ جس کا کام اسی کو ساجھے۔ پھر بھی بات تو کرنی تھی۔ اس نے بات جاری رکھی۔

''آپ جانتی ہی ہوں گی، عافی کا اپنا کوئی نہیں ہے۔ 2005ء میں آنے والے زلزلے کی وجہ سے اس نے اپنے رشتے دار کھو دیئے۔'' اس نے بہت سوچ سمجھ کے تمہید باندھنے کے ساتھ رشتے کی

بات کرنے کی شروعات کی۔

''رخسار سے میری اچھی دوستی ہے اور عافی سے بھی۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کے بات کر رہی تھی۔ رخسار کی ماں کی نظریں اسی کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

''میں جب بھی ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھتی ہوں میرے دل میں ایک خواہش جنم لے لیتی ہے۔ آپ سمجھ سکتی ہیں۔''

رخسار کی ماں مسکرائی تو اس کا اعتماد مزید بڑھا۔

''میں ان دونوں کو۔ یعنی میری یہ خواہش ہے کہ میں ان دونوں کو زندگی بھر ایک ساتھ دیکھو۔ میں دراصل اسی سلسلے میں آئی ہوں کہ آپ سے عافی کے لیے رخسار کی بات کروں۔''

رخسار کی ماں کے چہرے پر کھل کر تبسم بکھری تھی۔ انڈسٹریل عافی کا رشتہ...... بات بہت بڑی تھی۔

''آپ آرام سے سوچ سمجھ کے جواب دیں۔ لیکن ایک بات ضرور کہوں گی کہ عافی جیسے لڑکے کا رشتہ روز روز نہیں آتا۔''

''ہاں، وہ تو ہے۔''

''لیکن ہم نے تو رخسار کی بات پکی کرنے کا سوچ رکھا ہے۔''

''بات پکی کی تو نہیں۔''

''عافی بہت بڑا آدمی ہے۔ ہم عام سے لوگ ہیں۔ اتنے بڑے آدمی سے رشتے داری؟''

رخسار کی ماں کے دل کی بات لبوں پہ آئی ہی تھی کہ رخسار نے اشارہ کر کے ماں کو چپ کروالیا۔ اور اپنی ماں کو آنکھوں ہی آنکھوں میں ''ہاں'' کہنے کا کہا تھا۔

اس نے بھی بیٹی کا اشارہ سمجھ لیا تھا۔

''عافی سچ میں بہت اچھا اور نیک شخص ہے۔ اس کا ہمارے گھر رشتہ آنا ہمارے لیے فخر کی بات ہے۔''

وچن تو خوش ہی ہوگئی۔

''تو کیا میں ہاں سمجھوں؟''

''ابھی رخسار کے والد گھر پر نہیں۔ ہم کچھ دن بعد آپ کو جواب دیں گے۔''

''ہے بھگوان۔ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔'' اس نے دل ہی دل میں شکر کیا۔ رخسار کی ماں نے وچن کے دل سے تو جیسے بوکھ ہی ہٹالیا۔ واپسی پر رخسار اسے ڈرائیور کے ساتھ خود پنڈی تک لے آئی تھی۔

وہ دونوں آج بہت خوش تھیں۔ وچن عافی کے لیے خوش تھی اور رخسار عافی اور اپنے لیے خوش تھی۔ موسم تو پہلے سے ہی خوش کن تھا۔

☆......☆......☆

''کیا ہوا؟''

کملا نے وچن کے گھر آتے ہی سوال پوچھا تھا۔

''وہی جو ہونا تھا۔ وہ انڈسٹریل عافی ہے۔ اسے بھلا کون منع کرسکتا ہے؟''

''تو کیا منگنی ہوگئی؟''

''بس ہو جائے گی ماں جی۔ لڑکی والے ہیں۔ ذرا نخرے تو کریں گے ہی نا؟''

''اچھا میں ابھی آتی ہوں۔''

''کہاں چلی بہو؟''

''عافی کو خوشخبری دے دوں نا۔'' اس نے جاتے جاتے مڑ کے کہا تھا اور جب واپس اپنے کمرے کی جانب مڑی تو دیپک سے ٹکرا گئی۔ وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔

''آپ......آپ آگئے۔''

''ہاں میں آگیا۔ پر تم ہی نہیں آتی وچن۔''

''میں تو یہاں ہی ہوتی ہوں۔''

''کاش تم صرف یہاں ہوتی۔'' دیپک نے انتہائی روکھے سوکھے انداز میں کہا اور گھر سے باہر چلا گیا۔

''دیپک۔''

''دیپک...... چھاتا تو لے جاؤ۔ بارش کا کوئی اعتبار نہیں، کسی بھی وقت برس پڑے گی۔''

''اعتبار تو کسی کا بھی نہیں کیا جاتا۔ بارش تو پھر آنے سے پہلے بادل لاتی ہے۔'' وہ اس کی سنے بنا ہی چلا گیا تھا۔

اس نے اس کی واپسی تک بارش سے نہ برسنے کی دعا مانگی۔

پر بارش سے اتنی جلدی دوستی کہاں ہوسکتی ہے جو اس کی ہوجاتی۔ دیپک نے ابھی گلی ہی پار کی ہوگی کہ آسمان سے پانی برس پڑا۔ دیپک سڑک کنارے ایک بینچ پر بیٹھا بھیگتا رہا۔

آج کل دل بے حد جلتا تھا۔ اتنی جلن تھی اس کے آس پاس کہ اس زور سے برستی بارش کے وار بھی ماند پڑ جاتے۔

وہ بھیگتا رہا۔ دل جلتا رہا۔

☆......☆......☆

''کیس وٹ عافی۔ کیا؟''

''میں اسلام آباد آئی تھی۔ اور رخسار کے گھر بھی گئی۔''

''کیا؟ کہیں تم نے رشتے کروانے والی باتیں تو نہیں کیں۔''

''رشتے نہیں رشتہ عافی۔ تمہارا اور رخسار کا رشتہ۔''

''او میرے خدا!''

''مجھے تو ایسے ہی کہتے رہتے ہو۔ وہاں تو تمہارا جو میچ تھا کیا بتاؤں۔''

''وچن! تم مجھے یہ بتاؤ۔''

''بتاتی ہو۔ وہ مان گئے ہیں۔ بس کچھ دنوں میں بات پکی ہوجائے گی۔''

''وچن؟''

''عافی...... بس نا...... اگر تم کچھ اپنے لیے نہیں کرسکتے تو اس لڑکی کے لیے ہی کرلو۔''

''میں اسی کے لیے ہی کہہ رہا ہوں۔''

''مت کہو کچھ عافی۔ چپ رہ جاؤ۔''

''لیکن میں کیسے اسے خوش رکھ سکتا ہوں؟''

''وہ خود ہی خوش رہ لے گی تمہارے ساتھ۔ تمہیں پتا عورتیں نا جانے کیسے کیسوں کے ساتھ خوش رہ جاتی ہیں۔ تو تم تو......''

''تم رہ سکو گی ایسے شخص کے ساتھ خوش؟''

اب وہ کیا کہتی۔ دیپک کو ایک ہی نگاہ میں پسند آئی تھی اور وہ بس اس کی پسند ہی بنی رہی۔ اس کی پتنی تھی وہ۔ لیکن پھر بھی اس کی محبت نہیں۔ اس کی ڈگریاں اس کے اور دیپک کے درمیان آتی رہیں۔ اس نے کبھی دیپک کو اس کی تعلیمی حیثیت سے نہ پرجھا لیکن اس کی ہر بات سے وہ یہی مطلب نکال دیتا کہ وہ پڑھی لکھی ہے اور وہ کم تعلیم یافتہ۔

''تم چپ کیوں ہو گئی؟''

''تم مجھے چھوڑو۔ رخسار کا سوچو۔ اتنی خوش تھی وہ، میں کیا بتاؤں؟ عافی! اگر ہم خوش نہیں رہ سکتے تو بھی دوسرے کی خوشی، خوش کر دیتی ہے۔ ہنسنے والے چہروں کو دیکھ کر ہم بھی ہنسی کا تبادلہ کر لیتے ہیں۔ تم بھی رخسار کو خوش دیکھ کر خوش ہو جاؤ گے اور پھر تمہیں نکاح کے دو بولوں کی طاقت کا اندازہ نہیں۔ بدل جاؤ گے عافی۔ یقین کر لو۔''

''بدل جاؤں گا؟'' عافی نے رخسار کو دیکھ کر کہا۔ وہ آفس دیر سے آئی تھی اور اب دھڑکتے ہوئے دل سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ جانتی تھی اتنی لمبی باتیں عافی کس کے ساتھ کر سکتا تھا۔

''ہاں بدل جاؤ گے عافی۔''

''چلو دیکھتے ہیں۔'' اس نے پہلی بار نگاہیں ٹھہرا کر رخسار کو دیکھا تھا۔ اور وہ پہلی بار شرمائی تھی۔

''آنے والی بہاروں کو کوئی نہیں روک سکتا۔ بہار آ رہی ہے عافی۔ رنگ برنگے ہو جاؤ۔''

''اچھا! ٹھیک ہے۔''

عافی نے فون بند کیا اور رخسار کو بلایا۔ وہ لب کاٹتے کیبن میں داخل ہوئی۔ آج اس کا شاندار

اعتماد کہیں گم تھا۔اس کی بے چین سی اداؤں میں عجیب سی جھجک تھی۔
''آج تم آفس بہت دیر سے آئی؟''
''یس سر......وہ......''
''وچن سے ملی تھی تم؟''
''جی......وہ آپ کی بہت مخلص دوست ہیں۔''
''مجھ سے زیادہ تو وہ تمہاری مخلص دوست لگتی ہے۔تمہاری باتیں کر کر کے مجھے تنگ کرتی ہے۔''
''آپ میرے ذکر سے تنگ ہوتے ہیں سر۔'' عافی کو لگا اس کے دل پر جانے انجانے زبردست سا وار ہوا تھا۔
''نہیں۔وہ تمہارا ذکر اس حوالے سے نہیں کرتی کہ میں زچ آجاؤں۔میں بس ذرا سا تنگ ہوتا ہوں۔''
اس نے آنکھیں جھکا لیں۔زچ کرنا اور تنگ کرنا ایک ہی ہوتا ہے۔اس نے کہا نہیں بس دل میں دہرایا۔
''وچن کا تمہارے گھر آنا کافی ہی ہے نا کہ میں خود آؤں؟''
رخسار کے رخسار کھل اٹھے تھے۔
''آپ کی مرضی سر۔'' وہ کہہ کر خوش ہو کر چلی گئی۔
نا جانے کیسی نادان لڑکی ہے۔دل کے ہاتھوں مجبور...... بہت مجبور۔وہ ہر طرح سے عافی کے قابل تھی لیکن عافی؟
''یا اللہ خیر! میں نے تیرے بندوں کے دل دکھائے ہیں، اب ایک اور دن نہ دکھانا مجھ سے۔ اس غموں سے بے خبر لڑکی کو غموں کی آنچ نہ چھوئے۔مہر فرما...... بہتر فرما۔جو اس کے حق میں بہتر ہو وہی فرما۔'' عافی نے دل ہی دل میں دعا مانگی تھی۔کبھی کبھی کچھ دعائیں دوسرے کے لیے مانگو تو اپنے حق میں وہ دعائیں قبول ہو جاتی ہیں۔
اسی لمحے بارشوں کا شعور بدلا تھا۔اب بار بارش کے ساتھ ساتھ اولے برس رہے تھے۔ساون

بے رحم بے رحم سا لگنے لگا تھا۔عافی کا دل اداس سا ہو گیا۔
بھیگی بارشوں میں اس کی آنکھیں ایک ہی چہرہ دیکھنے کی عادی تھیں اور وہ چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔
بندگی......وہ بند اور کھلی دونوں آنکھوں سے اسے دیکھ سکتا تھا۔

☆......☆......☆

جیسے ہر ایک انسان سے دوستی ممکن نہیں یوں ہر برسنے والی بارش سے بھی دوستی راس نہیں آتی۔
اب کی بار برسنے والی بارشوں کے مزاج بدلے تھے۔تیور زرو ٹھے تھے۔
جل جل جل بس سب جل تھل تھا۔وچن کا دل تو کانپنے لگا تھا۔نا جانے موسم کیا سے کیا ہوتا جا رہا تھا۔
اس نے عافی کا نمبر ملایا۔فون آف تھا۔رخسار نے بتایا کہ ملک کے کئی حصوں میں آفت سی برس رہی تھی یہ بارشیں۔
وچن نے ٹی وی آن کیا......اور توبہ توبہ کرتی رہی۔
یہ کیا ہو گیا تھا۔یہ بارش بارش نہ تھی،قدرتی آفت تھی۔
میدانی علاقوں میں سیلابی صورت حال تھی۔لوگ مدد کو پکارتے تھے اور اللہ والے اپنی جانوں کی پروا کیے ان کی مدد کو آ پہنچے تھے۔عافی زلزلے کے بعد جہاں کہیں بھی انسانی زندگی کو بے آسرا دیکھتا مدد کرنے چلا آتا تھا۔اب بھی عافی امدادی کارروائی کرنے والوں کے ساتھ شامل ہوا تھا۔وچن نے بھی فیصلہ کیا تھا کہ وہ بھی ضرورت مندوں کی مدد کو جائے گی۔اس نے جب ماں جی سے اس خواہش کا اظہار کیا تو وہ بھی اس کے ساتھ چلنے کو تیار ہو گئی تھی۔
کمل کا سامان پیک کر کے انہوں نے اسے وچن کی بہن انیلا کے پاس چھوڑا اور خود میدانی علاقوں کی طرف بڑھ گئیں۔

☆......☆......☆

2005ء کے زلزلے کے بعد بھی لوگوں نے انسانی ہمدردی کی ایک عظیم مثال قائم کی تھی اور ہر بار انسانی امداد کو آئے ہوئے لوگوں کی تعداد میں کمی نہ آئی تھی۔ بہت سے نرم دل، احساس انسانیت سے لبریز لوگ بنا کسی بھی دباؤ کے اپنے رب کے مصیبت میں پڑے بندوں کے لیے فرشتوں کے روپ میں اترے تھے۔

بے سہارا لوگ بے حواس ہو کر مدد کو تکتے تھے۔ ان کی چھتیں طغیانی کے باعث بہہ گئی تھیں۔ قیمتی تو قیمتی، ان کا بے کار سا سامان بھی نا جانے کہاں سے کہاں بہہ نکلا تھا۔ ان کے گھر جہاں ہوا کرتے تھے اب وہاں نہ کوئی در دتھا نہ دیواریں۔ بس ہر جگہ مٹیالا پانی تھا۔ گیلی مٹی میں درد کی ملاوٹ سی تھی۔ مایوسیوں کی آمیزش سی تھی۔

زلزلے کی طرح اس قدرتی آفت میں کوئی قید تو نہ ہو سکتا تھا۔ یہ تو پانی تھا جس میں زمین پر رہنے والے انسان نہ دیکھ پاتے تھے نہ سانس لے پاتے تھے اور جانیں یوں ہی رخصت ہو جاتی ہیں۔

بہت سے لوگ اونچے مقامات پر جان بچا کر چلے گئے تھے۔ بہت سے لوگ زخمی تھے۔ ہر جگہ بے دردسا منظر تھا۔

وچن تباہیوں کا سن کر آئی تھی لیکن تباہیوں کا آنکھوں دیکھا حال سمجھنا، دونوں میں بہت فرق تھا۔ سن کر سمجھنے میں اور دیکھ کے سمجھنے میں۔ اُف...... اس کا دل انسانی تڑپ میں تڑپ اٹھا۔

درد، چیخیں، پکاریں، بھوک، پیاس، حبس اور برسات۔ بے حد بری حالت تھی۔ کچھ لوگ اپنے پیاروں کی لاشوں کو دیکھ دیکھ کر رو رہے تھے اور کچھ قسمت کے مارے اپنے پیاروں کی ایک جھلک کو ترس رہے تھے۔

ساتھ رہنے والے، ساتھ نبھانے والے نا جانے کہاں ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ ہاتھ چھوڑ گئے تھے۔

وچن اور کملا تو ایک دوسرے کا منہ ہی تکتی رہیں۔ ان کی تو یہاں آ کر سمجھ نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ بس توبہ توبہ کرتی رہی تھیں۔ وہ دونوں اتنی حواس باختہ سی تھیں کہ گائتری منتر بھی ان کے منہ سے ادا نہ ہو رہا تھا۔

سچ ہے دکھوں کی تکلیفوں کی کتھا نرالی ہوتی ہے۔ ہر کوئی اس کتھا کو سن نہیں سکتا، ہر کوئی اس کتھا کو دیکھ نہیں سکتا۔

کچھ ہی دیر بعد وچن کو عافی نظر آیا۔ اس کے کپڑے اور وجود کیچڑ سے لد پد تھا۔ وہ زندگی کی آس میں کوئی باڈی پانیوں کی گہرائیوں میں سے نکال لایا تھا۔ لیکن یہ صرف ایک باڈی تھی صرف ایک باڈی۔ زندگی سے دور ایک باڈی، جسے دیکھ کر سب نے اسے نام دیا تھا۔ ''ڈیڈ باڈی''

ایک انسانی جسم کے کتنے نام ہوتے ہیں۔ ایمبریو، فیٹس، بے بی، کڈ، چائلڈ، ایڈیلٹ، اولڈ اور سب سے آخر میں ڈیڈ باڈی۔

یہ پانیوں کی زد میں آنے والی ڈیڈ باڈیز۔ یہ ڈیڈ باڈیز قابل شناخت نہ تھی۔ جو زندگی میں پتلے پتلے ہوتے تھے وہ پانی میں جان دے کر پھول گئے تھے۔ بھاری بھاری ہو گئے تھے۔ اور جو بھاری بدن رکھتے تھے ان کے بدن پانی کے پریشر کی وجہ سے پھٹ پڑے تھے۔ جہاں سے خون پانی کی آمیزش کے ساتھ نکلتا تھا۔ عافی نے کندھے سے ڈیڈ باڈی اتاری تو اس باڈی کے کان، ناک، منہ، حتیٰ کہ آنکھوں سے بھی پانی چھینٹوں کی صورت نکلا تھا۔ یہ چھینٹے وچن اور کملا پر بھی پڑے تھے۔

یہ ایک بچہ تھا جس کی ماں نا جانے کب سے اپنے بچے کو تلاشتی تھی۔ اور اب لاش کو عجیب سے انداز سے دیکھ رہی تھی۔

کیا یہ بچہ اس کا تھا؟ وہ دیکھ رہی تھی اور پھر اس کی نظر اس ڈیڈ باڈی کے گلے پر پڑی۔ اس کے گلے میں کوئی نگ نما آدھے انچ کا سرخ موتی کالے دھاگے میں پرویا ہوا بندھا پڑا تھا اور ایسا ہی دھاگہ اور موتی اس کی ماں کے گلے میں تھا۔

تعویز کی پہچان ہوتے ہی ماں بیٹے کے سینے سے جا لگی، اسے اٹھانے لگی، جیسے وہ گہری نیند میں ہو اور ماں کو بچے کو اٹھانے کی جلدی ہو۔ ماں جتنا بیٹے کو ہلاتی اس ڈیڈ باڈی سے اتنا پانی اور خون رستا۔

وچن کا دل ڈوبنے لگا۔ پورے عالم میں گیلی مٹی اور خون کی بو تھی۔ مناظر دیکھنے کے لائق کہاں تھے۔ ان کا دل پسیج سا گیا۔ دل خراب ہونے لگا۔ ماں جی نے تو قے کرنی شروع کی۔

وہ سن کر آئے تھے کہ مدد چاہیے اور وہ مدد کرنے چلے بھی آئے لیکن اب ان کی اپنی حالت مدد کی طلب گار تھی۔ عافی دوڑ کر کملا کے پاس آیا اور کملا کی حالت دیکھ کر انہیں واپس جانے کا مشورہ دیا۔

''ہاں بہو، واپس چلتے ہیں۔ میں یہ سب نہیں دیکھ سکتی۔ یہاں رہی تو مر ہی نہ جاؤں کہیں۔''

''ہاں ماں جی چلتے ہیں۔ آپ بس خود کو سنبھالیں۔'' وچن کملا کے لیے پریشان ہونے لگی۔ عافی او وچن مل کر انہیں ایک خیمے میں لے آئے وہاں نرس موجود تھی۔

کملا کا ٹریٹ منٹ کیا گیا۔ اس کا بی پی یک دم گر گیا تھا وچن کو بھی اب متلی آ رہی تھی۔ وہ خیمے سے نکل کر باہر آئی تھی۔ عافی نے اسے جوس پیش کیا تھا۔ جوس پینے کے بعد جیسے اس کی جان میں جان آئی۔ عافی کو دیکھ کر اسے رخسار کی ایک بات یاد آئی۔ اس نے کہا تھا وہ جب سے آفس میں آئی ہے اس نے عافی کو ایسے واقعات میں کام کاج چھوڑ کر مدد کے لیے جاتے دیکھا ہے۔

''کیا ہوا ٹھیک ہو تم وچن؟''

''عافی! کیسے کر لیتے ہو یہ سب۔ میں تو دیکھ نہیں پا رہی۔ انسانی جانوں کا اس قدر نقصان۔''

''کوئی کوئی سانس بھی لے رہا ہے وچن۔ پھیپھڑے پانی سے بھرے ہیں لیکن خدا کی شان اپنی جگہ قائم ہے۔''

''تو کیا کوئی زندہ بھی تھا؟''

''ہاں بہت ہیں۔'' وچن کی آنکھ میں پانی بھر آیا۔ سچ میں اس رب کی شان نرالی ہے۔

''بہت بڑی تباہی ہے وچن۔''

''ہاں! زندگی پانے والے بھی تباہ، مرنے والے کو بھی ضائع۔ خیر کچھ ہی دیر میں زندگی موت کے فیصلے ہو گئے ہیں۔ مرنے والے مر گئے ہیں، میں تو مرتا بھی نہ تھا۔ عافی نے اس ایک لمحے میں خود کو زلزلے کی بھیانک قید میں دیکھا تھا۔

''تم واپس چلی جاؤ وچن۔ میرا ڈرائیور تمہیں چھوڑ آئے گا۔'' عافی نے جلدی جلدی کہا اور جس کام کے لیے آیا تھا اس کام میں جٹ گیا۔

آج وچن نے ایک اور سبق سیکھا تھا۔

رب اپنے بندوں کی مدد کے لیے بھی ہر کسی کو نہیں چنتا۔ ہماری کوئی اوقات ہی نہیں کہ ہم کسی کی مدد کر سکیں۔ مدد کا جذبہ اور مددگار بھی بس رب کے وہی پیارے بندے ہوتے ہیں جن کو رب نے چن رکھا ہوتا ہے۔ درد دے کر، صبر دے کر پرکھا ہوتا ہے۔ جو انسانیت کے پاس دار ہوتے ہیں اور سانس سانس کی فکر کرتے ہیں۔ نہ ایسے لوگوں کے لیے سردی گرمی معنی رکھتی ہے نہ دھوپ چھاؤں انہیں ستاتے ہیں۔ ساز گار و ناساز گار ماحول کی ان کو کیا فکر۔ یہ تو بس خود میں رہ کر خود سے پرے ہوتے ہیں۔ اپنے آپ سے زیادہ دوسروں کا سوچنے والے۔

☆......☆......☆

بارش اس بستی پہ برسنے سے باز نہ آ رہی تھی۔ زندگی یہاں مسلسل خوار تھی۔ وچن اور کملا جیسے کو تیسا چھوڑ کر عافی کے ڈرائیور کے ساتھ جانے لگی۔ حبس کی وجہ سے لگتا تھا ان کا دم ہی گھٹ جائے گا۔ سانس لینا محال ہو رہا تھا اور دل کا حال بھی عجیب تھا۔

انسانوں کا یہ حال تھا نا جانے یہاں موجود حشرات کا کیا ہوا ہوگا۔ وچن درد بیداری سے نا جانے کیا کیا اور کس کس جیو جنت کے متعلق سوچے جا رہی تھی کہ گاڑی ذرا رکی۔ راستے میں کچھ لوگوں کو اسٹریچر پر لٹا کر خیموں تک لے جایا جا رہا تھا۔

وچن نے تڑپ کر زخمیوں کو دیکھا۔ اس طرف کچھ زخمی بچے بھی تھے جو ایمبولینس میں بیٹھے تھے۔ کوئی ان کے زخموں پر مرہم رکھ رہا تھا۔

وہ......؟

وہ تو وہی تھی۔

وہی نقاب، وہی عبایا، وہی آنکھیں، دودھ سے سفید ہاتھ اور کومل کلائی پر وچن کا دیا ہوا کنگن۔

خوش دل...... یہاں؟

ہاں وہ وہی تھی۔ خوش دل۔ انسانی ہمدردی، غمگساری، دردمندی کے جذبے کے تحت زخمی بچوں

کے زخموں پر کہانیاں سنا سنا کر مرہم لگا رہی تھی۔ اسے دیکھ کر لگتا تھا وہ حوصلہ مند ہے۔ اس کا حوصلہ قائم ہے۔ وچن کی طرح بے حوصلہ نہیں کہ مدد کرنے آئے اور ڈرائیور کی مدد لے کر واپس چلی جائے۔

لیکن وہ تو لالچی، دھوکے باز، جھوٹی۔ مکار اور آٹھ آٹھ بوائے فرینڈ رکھنے والی لڑکی تھی۔ اس سے ایسی ہمت افزائی کی توقع کہاں۔

سچ ہے داتا رتو ہی جانے ہے۔ ہم کیا جانے۔ کون بھلے کون مندے۔

☆......☆......☆

کملا اور وچن گھر آئی تو دیپک پہلے سے موجود تھا۔ ان کے کپڑوں پر خون کے دھبے تھے، حالت بے حال سی تھی؟

''کیا ہوا ہے؟'' ان دونوں کے حال نے دیپک کے خاموش لب کھولے تھے۔

''کچھ نہیں ہوا۔ بس ہم دونوں سمجھ آئی ہیں کہ انسان قدرت کے آگے بے بس تھا اور بے بس ہی رہے گا۔'' کملا نے چارپائی پر بیٹھ کر تھکن سے چور ہوتے ہوئے کہا۔ دیپک نے ماں کو آرام سے سلایا، ان کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے، ٹمپریچر چیک کیا۔

کملا کو بخار تھا۔ وہ فوراً کچن میں ی آیا۔ ماں کی دوائیاں اٹھائیں، پانی بھرا اور انہیں دوا کھلائی۔

کملا نے اسے آنکھوں دیکھا حال سنایا جو کہ ناقابل فراموش تھا۔ دیپک کا دل بھی موم پڑنے لگا۔ انسان کا انسان سے ایک گہرا تعلق ہوتا ہے۔ اسے ہی انسانیت کہتے ہیں۔ وہ بھی انسان ہونے کی وجہ سے اپنے جیسے انسانوں کے درد کو محسوس کر کے تڑپنے لگا تھا۔

''آفت برپا تھی بیٹا وہاں۔''

''آپ آرام کرو۔ میں کچھ کھانے کے لیے لاتا ہوں۔'' دیپک نے ماں کو سلا کر ان پر چادر ڈالی۔

وچن اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ اس کا حال بھی بے حد برا لگتا تھا۔

دیپک کھانا باہر سے لانے سے پہلے کچن میں آیا تاکہ وچن کو بھی پانی دے آئے۔ اس نے پانی کی بوتل فریج سے نکالی۔ پانی گلاس میں ڈالا ہی تھا کہ کملا نے سوتے سوتے رخ بدلا اور عافی کی ہمت

کی داستان سنانے لگی۔مزید اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ عافی کی بڑی سی گاڑی میں اس کے ڈرائیور کے ساتھ آئی ہیں۔

دیپک کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔عافی کا نام سنتے ہی غصہ سر چڑھنے لگا۔اس نے پانی کی بوتل دیوار پر دے ماری اور گلاس اس کے ہاتھوں میں ہی ٹوٹ گیا۔

وچن اس ٹوٹ پھوٹ کی آواز سن کر رسوئی میں آئی۔ ذ دیپک کو گلاس لگا تھا۔وہ زخمی ہوا تھا۔وچن تڑپ کر اس کے پاس آئی تھی۔لیکن دیپک نے اسے چھونے نہ دیا۔دیکھنے بھی نہ دیا۔ہاتھ کے اشارے سے روک لیا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتا گھر سے باہر کھانا لانے کے لیے چلا گیا۔

''بچپن سے جب بھی رسوئی میں جاتا ہے کچھ نہ کچھ توڑ دیتا ہے۔جا بہو جا۔آرام کر صبح دیکھ لینا کیا کیا ٹوٹا ہے۔یوں بھی کمل انیلا کے گھر ہے جا، جا کر سو جا۔''

وہ بھی چلی آئی۔اس کا دل پہلے سے دکھا ہوا تھا۔پھر دیپک کا زخم اور اس پر دیپک کا رویہ۔اس نے کھانا بھی نہ کھایا اور اسے نیند بھی نہ آ رہی تھی۔اس نے سونے کی کوشش کی۔بہت دیر جاگنے کے بعد کسی پہر اس کی آنکھ لگی۔خوابوں میں سیلاب کی کیفیت شامل تھی۔وہی منظر تھا ہر سو گدلا مٹیالہ پانی تھا۔

وہ گھبرا کے اٹھ گئی۔دکھوں کی گٹھڑی بہت بھاری ہوتی ہے خواہ وہ اپنے دکھ ہوں یا دوسروں کے۔بس اپنی طرف ذرا سا بھی جھکا دو تو وجود پر بوجھ پڑ جاتا ہے۔

☆......☆......☆

کملا فلم دیکھتی تھی اور چاہتی تھی کہ ہیرو کی زندگی میں سب ٹھیک ہو جائے اور عافی جیسا ہیرو تو وچن کا دوست تھا تو وہ کیسے نہ چاہتی اس کی زندگی میں سب ٹھیک ہو جائے۔اور یہی ہوا تھا۔رخسار کے گھر والے راضی تھے۔

''بہو۔جلد بازی کیا ہے؟''

''ماں جی۔بہت سال بیت گئے ہیں۔میرا بس چلے تو میں زلزلے والے سال میں بھی پیچھے چلی جاؤں اور عافی کو اس کی مرادیں لوٹا دوں۔''اس نے شدت جذبات سے کہا تھا اور اپنی خوشی بانٹنے کے

لیے شان کے گھر آئی تھی۔

فری اور دوری سر جھوڑے بیٹھی تھیں۔ ہمیشہ کی طرح وہ مختلف کتابی ٹاپکس کی ٹانگ توڑ رہی تھیں اور شان ٹھیک ڈیفینیشن سمجھا رہا تھا۔ بہت باریک سے، بڑے اعتماد کے ساتھ فری اور دوری کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انہیں کسی استاد کی طرح پڑھا رہا تھا۔ وچن نے آتے ہی ٹاپک کے متعلق کچھ مزید سوال کیے تو وہ الرٹ ہو کر مزید کھل کر بتانے لگا۔

''ماشاءاللہ۔ ماشاءاللہ''

''آپ بھی ہماری طرح ماشاءاللہ کہتی ہیں۔'' یہ شان نے وچن سے پوچھا تھا اور وچن کو اس کا سوال کرنا بہت اچھا لگا تھا۔

''تم نے نوٹ کیا مجھے۔ ماشاءاللہ.....'' وچن کا تو دل ہی خوش ہو گیا۔ وہ شان کی ماں کے پاس آئی۔ اسے دیکھتے ہی وہ ممتا کی مورت اس سے لپٹ پڑی اور روتے روتے کہا۔

''یہ سب تمہاری کوششوں کا نتیجہ ہے وچی ورنہ میں تو شدید مایوس تھی۔''

''آپ کا تو یوں بھی دل بہت بڑا ہے۔ لیکن مجھے تو مزید معافیاں درکار ہیں۔ میں نے ایک جرم کیا اور کھلے عام گھوم رہی ہوں۔ سوچتی ہوں تو رگ و پے میں درد بھر آتا ہے۔''

''اس دنیا میں جرم تو بہتوں سے ہو جاتے ہیں۔ اور ان میں سے بہت ہی کم لوگ ایسے ہیں جنہیں احساس ہو جاتا ہے کہ وہ ٹھیک نہیں کر رہے۔ اور ان احساس کر لینے والوں میں سے بھی بہت ہی کم لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ جو جرم کرنا ترک کر دیتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں پھر ان میں سے چند اکے دکے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو آگے بڑھ آتے ہیں اور کہتے ہیں ہم مجرم ہیں۔ اور ان میں سے بھی شاید ہی کوئی ایسا انوکھا نرالا تم جیسا ہوتا ہو گا جو اپنی اور اپنی گھر ہستی کی پروا کیے بنا سب کچھ ٹھیک کرنے کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ اور نہ صرف اتنا بلکہ سزا پاتے ہیں خود کو سزا دیتے ہیں۔''

''آنٹی۔''

''میں سب جانتی ہوں۔ تم نے اپنی ڈگریاں ترک کر لی ہیں اور یقین مانو مجھے اس بات کا بے

حد دکھ ہے۔"

"میں لالچ میں اندھی ہوگئی تھی۔ پیسے کی چمک میں من مانیاں کر بیٹھی تھی۔ ان ڈگریوں پر ایسا مان تھا مجھے کہ گھمنڈ سے سر اس قدر بلند رہتا تھا کہ نہ اپنے نظر آتے تھے نہ پرائے۔ اور نہ ہی میں خود کو دیکھ پاتی تھی۔ میں نے ساری زندگی ٹھیک غلط کہتے کہتے گزار دی۔ مشکل سے مشکل راہ اختیار کی لیکن کبھی غلط اور شارٹ کٹ راستہ نہیں چنا اور پھر نا جانے کب میرے اندر میری اچھی عادتوں کی وجہ سے ایک بری عادت پیدا ہوگئی۔"

"اچھی عادت سے بری عادت کیسے پیدا ہوتی ہے وچی؟"

"جب ہمیں اچھی عادتوں پر گھمنڈ آ جاتا ہے۔ گھمنڈ ایک بری بہت بری عادت ہے۔ آپ نے سنا ہوگا۔ فخر کا سر ہمیشہ نیچا ہو کے ہی رہتا ہے۔ میں اخلاقیات بہت شوق سے پڑھتی تھی۔ لیکن نا جانے کب مجھے اپنے اخلاق پر فخر ہونے لگا اور اپنے علاوہ مجھے سب بداخلاق لگنے لگے۔ ہمارے بڑے کہتے ہیں جسم میں جتنی روئیں یعنی بال ہوتے ہیں اتنے ہی راستے ہوتے ہیں فخر کے ہمارے دل تک رسائی حاصل کرنے کے۔ اس فخر سے تو کوئی نہیں بچ پایا تو میں تو پھر کیا ہوں ایک عام سی لڑکی۔"

وچی بہت بڑی بڑی باتیں کرنے لگی تھی۔ اتنی گہری سوچ والی لڑکی کو نا جانے وہ کیسے اس کی سوچ بدلنے کے لیے منا پائیں گے۔ کیسے وہ اس سے کہے گی کہ جیسے اس کے دل پریشان کو دیکھ کر بوجھ آ پڑا تھا ویسے ہی شان کی ماں کے دل پر بوجھ آن پڑا تھا جب سے اس نے سنا تھا کہ وچی نے اپنی ڈگریاں ترک کرنے کا اور آگے تعلیم حاصل نہ کرنے کی سزا خود کو خود ہی سنا دی تھی۔

پر ابھی کہاں...... سب سے بڑی سزا تو دیپک کا رویہ تھا۔ جس کے متعلق بس وہ ہی جانتی تھی کہ وہ کیسے دیپک کا رویہ جیل رہی تھی۔ پہلے بھی وہ ناراض ہوا کرتا تھا لیکن اب تو صرف ناراض نہیں تھا لاتعلق تھا۔

اتنی بے رخی کہ اب ان کی نگاہیں بھی لاتعلق ہوئی تھی۔ وچن کو دیکھنا تو دور وہ تو اس کے سامنے بھی نہ آتا تاکہ نہ وہ اسے نظر آئے اور نہ ہی وچن اسے دیکھ پائے۔

''چائے لو۔'' شان کی ماں نے اسے چائے پیش کی۔

''ہماری چائے آنٹی۔'' فری اور دوری نے یکساں شکایت سی کی۔

''وہ رہی۔''

''تھینک یو آنٹی۔''

''شان! تم چائے پیو گے؟''

''ہاں امی! چائے دو۔''

''اب وہ پہلے کی طرح چیزیں مانگنے لگا تھا۔''

''ابھی لائی بیٹا۔''

''آنٹی شان کو اب باہر لے جایا کرو۔''

''میں کہاں لے جاسکوں گی۔ فری اور دوری سے ہی کہہ دو۔ بہت مانتی ہیں تمہارا سارا دن وچی وچی کہتی رہتی ہے۔''

وچن مسکرا دی اور انہیں آکر گلے سے لگایا۔

''بس رب سے ایک یہی دعا ہے کہ یہ دوستی صدا قائم رہے۔ ہم سب ہمیشہ ساتھ رہیں۔''

''آمین۔''

''آپ امین بھی کہتی ہیں۔''

''تم تو بہت کچھ نوٹس کرنے لگے ہو دوست۔ دوستی نبھاؤ گے؟'' وچن نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ جسے فری اور دوری نے تھاما تھا اور اب شان نے بھی اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر ان تینوں کے ہاتھوں پہ رکھ لیا تھا۔

''اللہ تم سب کی دوستی قائم رکھے۔''

''آنٹی! آپ بھی ہمارے گروپ میں شامل ہوسکتی ہیں۔ ہمیں آپ کی عمر سے کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

''ہاں دوری اور ہم آپ کو بڈھی بھی نہیں کہیں گے۔ کیوں وچی؟''

اس سے پہلے ک وچی کچھ کہے آنٹی نے ہی کہا۔

''میں بڈھی تھوڑی ہوں۔ جو بڈھی کہو گے مجھے۔''

''خوش فہم آنٹی۔''

''ہاہاہاہا......'' شان سب سے پہلے ہنسا تھا۔ اسے ہنستا دیکھ کر آنٹی بھی ہنس دی اور پھر قہقہے سے گونج اٹھے۔

اس نئی دوستی کی خوشی میں وہ چاروں گھر سے نکل کر پارک اور بازار آئے تھے اور واپسی پر وچن سب کو اپنے گھر لائی تھی۔

کملا ان سب سے مل کر بہت خوش تھی ان سب نے ان کے ہاتھ کے فرائیڈ سنکس بہت شوق سے کھائے۔ فری اور دوری نے تو اپنے اپنے لیے پیک بھی کروائے۔ اب اتنے سے تو ان کا گزارا ممکن نہ تھا۔

وہ سب کمل سے بھی ملے۔ کمل نے ان کو اپنے فلوورس کو ہائے کرنے کے لیے بھی کہا اور انہیں بیٹھے بٹھائے اپنے یوٹیوب چینل کو سبسکرائب بھی کروایا۔ یہ دن ان کے لیے بہت خاص تھا۔ بس آج ہی عافی کی بات پکی ہو جاتی تو کیا بات تھی۔

☆......☆......☆

موسم اب بہتر ہو گیا تھا۔ بارشوں سے لٹنے والے لوٹے بشر نا جانے کہاں کہاں منتشر ہو گئے تھے۔ کوئی سہاروں کے محتاج تھا تو کوئی سہاروں کے قابل۔ عافی بھی اپنی دنیا میں واپس لوٹا تھا۔ وہ بہت تھکاوٹ محسوس کرر ہا تھا۔ آج اس سے کام نہ ہو رہا تھا۔ اس نے رخسار کو ڈسٹرب نہ کرنے کے لیے کہا تھا اور خود سو گیا تھا۔

''پہاڑوں نے اپنے ہی لوگوں کو نگل لیا۔''

اس کی آنکھوں نے ماضی کے بھیانک مناظروں کی جھلکیاں دیکھیں۔ بندگی کی سسکیاں۔ اس کی پکاریں۔ وہ پکار رہی تھی۔

اور پھر اچانک کہیں چلی گئی۔ عافی بندگی بندگی کہتا اٹھا تھا۔ لیکن ہمیشہ کی طرح وہ تنہا تھا۔ بے بس سا۔ بندگی کا خط پڑھنے کے بعد اس نے پہلی بار اس کی پکار سنی تھی۔ وہ کانپتا ہوا سا اٹھ کر اپنے آفس

سے کہیں باہر چلا گیا تھا۔

رخسار نے اسے پکارا تھا لیکن وہ اس کی بنا سنے باہر چلا آیا تھا۔ وہ اس پکار کو نیند کھولنے کے بعد بھی سنتا رہا تھا اور اب بھاگ سا رہا تھا۔ روڈ، ٹریفک...... اسے کچھ نظر نہ آ رہا تھا۔ رخسار اس کے پیچھے آئی تھی۔ اس کا ٹکر سامنے سے آنے والی گاڑی سے ہوتے ہوتے رہا تھا۔ رخسار نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر روڈ کے اس پار کھینچا تھا۔

''سر...... سر یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟''

عافی نے اس طرف دیکھا۔ اب آواز آنا بند ہو گئی تھی۔

''آپ ٹھیک ہیں سر؟''

''ہاں۔ مجھے گھر جانا ہے۔ تم ڈرائیور کو بتا دو۔''

''اوکے سر۔''

عافی اب تک سنبھل چکا تھا۔ وہ روڈ پر ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ وہ دونوں ساتھ تھے مگر لب خاموش تھے۔ نا جانے یہ لڑکی کیوں اس خواری میں خوش ہے۔ عافی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔

نا جانے کب آپ اپنے ماضی سے دستبردار ہوں گے سر۔'' وہ بھی شکوے سمو کر اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ ڈرائیور اب آ چکا تھا۔ عافی بنا کوئی بات کیے چلا گیا تھا۔ رخسار تنہا رہی تھی۔

☆......☆......☆

انتظار کے لمحے تمام ہوئے تھے۔ آج اتنی ساری دعاؤں کے بعد بالآخر وہ وقت آ گیا تھا۔ رخسار کی ماں نے رشتے کے لیے ہاں کی تھی اور اس کے پاؤں زمین پر نہ پڑتے تھے۔ وہ صبح ہی صبح مندر آئی۔ شکرانے و خیراتیں کیں، برہمنوں کو کھانا کھلایا۔ غریبوں میں کھانا بانٹا۔ گیتا کے پورے ایک ادھیائے کا پاٹھ کیا۔ سب کے لیے بہت سی دعائیں مانگیں اور اسلام آباد آئی۔ آج وہ تنہا نہ تھی۔ دوری، فری، کملا، رخ کمل، شان، آنٹی سب اس کے ساتھ تھے۔ وہ سب اب عافی کے آفس کے باہر کھڑے

تھے بلکہ حیران کھڑے تھے اتنی بڑی عمارت تھی یہ۔

اتنی ساری گاڑیاں تھیں اس عمارت کے باہر۔ عافی اس عالی شان عمارت سے باہر نکلا ہی تھا کہ رخسار بھی نکل آئی تھی۔ دونوں کو وچن ہی باہر بلا رہی تھی۔

''کتنی پیاری جوڑی لگتی ہے۔ ماشاءاللہ۔''

''ماشاءاللہ۔'' شان نے وچن کے پیچھے کہا تھا تو سب نے ماشاءاللہ کہا۔

''واقعی! میڈ فور ایچ اور...... وچی کمال کر دیا۔ کیا لڑکی ڈھونڈ نکالی ہے عافی کے لیے۔ ہاں اب ان دونوں کے لیے بھی اچھا سا لڑکا ڈھونڈو۔'' آنٹی نے مذاق کیا تھا اور فری اور دوری نے خوش ہو کر کہا تھا۔

''جلدی ڈھونڈنا وچی۔''

''ایک منٹ! میں رشتے کروانے والی نہیں ہوں۔ میں نے بس ایک ہی رشتہ کروانا تھا۔ عافی اور رخسار کا۔''

''نہیں۔ اب ہم تمہیں نہیں بخشیں گے۔ تمہیں صرف فری اور دوری بلکہ میرے شان کے لیے بھی رشتہ ڈھونڈنا پڑے گا۔''

''بالکل آنٹی۔ ہم آپ سے متفق ہیں۔'' دونوں موتیوں نے یکساں کہا تھا۔

''شان کے لیے ڈھونڈ لوں گی۔ لیکن تم دونوں کے لیے مشکل ہے۔''

''کیوں...... کیوں؟''

''کیوں...... کیوں؟ سوال تک ایک ساتھ پوچھتی ہو...... لڑکا بھی ایک جیسا ہی پسند کرو گی نا۔ اب ایک جیسے دو کوئی جڑواں وہ بھی تو بات بنے۔'' وچن نے اس انداز سے کہا کہ سب ہنس دیے۔ عافی بھی ہنسنے لگا اور رخسار کے تو دن ہی ہنسی خوشی کے تھے۔

☆......☆......☆

اگلے کچھ پلوں کے بعد وہ رخسار کے والدین کے روبرو تھے۔

لوازمات ہی لوازمات ان کے آگے سجائے گئے تھے۔ فری اور دوری کے تو عیش تھے۔ وہ خود بھی

کھا رہی تھی اور شان کو بھی کھلا رہی تھی۔

''ہم راضی ہیں، آپ راضی ہیں تو دیر کیسی۔ بس آج ہی بات پکی کر لیتے ہیں۔''

''جی بسم اللہ۔'' رخسار کی والدہ نے کہا تھا۔

تو چن نے سمجھ کر اپنی روایات کے مطابق شگن کا تھال نکالا۔ جس میں دیپک کی دکان کے مہنگے ترین لباس اور گفٹ تھے۔ وہ اپنے گھر کے سنیکس بھی ان کے لیے بطور تحفہ لائی تھی۔ ساتھ میں منگنی کی انگوٹھی بھی تھی۔ یہ سب خواب سا لگتا تھا۔ رخسار کو تو یقین ہی نہ آتا تھا۔

وچن نے خوب صورت سے باکس سے عافی کو ایک انگوٹھی نکال کر دی جسے تھانے کے بعد عافی نے رخسار کا ہاتھ طلب کیا۔ جو اس نے خوشی خوشی آگے بڑھایا۔ ننھا کمل وڈیو بنا رہا تھا اور عافی اور رخسار سے کہہ رہا تھا۔

''سمائل پلیز۔''

سب خود کو اس کیمرے کے مطابق ایڈجسٹ کر رہے تھے۔ تالیوں کی گونج میں عافی نے رخسار کو اور رخسار نے عافی کو انگوٹھی پہنائی تھی۔ اسی لمحے سب نے اسٹیٹس سیٹ کر دیا۔ وچن کی تو بہت بڑی مراد پوری ہوئی تھی بس دیپک کی کمی تھی۔ وہ ہمیشہ سے دیپک کی ہوتے ہوئے بھی دیپک کی کمی ہر خوشی، ہر غم، ہر محفل، ہر تنہائی میں محسوس کرتی تھی۔ کاش دیپک بھی یہاں ہوتا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ خوشی اور غم کے یکساں آنسو۔

عافی نے سب کی طرف دیکھا۔ اپنے پرائے سب خوش تھے اور سب سے زیادہ خوش وچن تھی۔ جو اب اپنی ساس کے ساتھ اپنی ساڑھی کا پلو کمر میں کس کر روایتی رقص کر رہی تھی۔ سب میوزک کے مطابق تالیاں بجا رہے تھے۔ فری اور دوری بھی خوش تھے اور شان بھی بہت خوش تھا۔ بہتر ماحول، اچھے اور مخلص دوستوں کی دوستی، اور مہنگے علاج سے شان بہت جلد اپنی زندگی کی طرف آ رہا تھا۔ اسے خوش دیکھ کر آنٹی بھی خوش ہو کر جھوم رہی تھی۔ عافی کے دل نے آج اس سے پوچھا تھا۔ ''کیا وہ تنہا تھا...... کیا وہ وہی عافی تھا جس کا اپنا کوئی نہیں تھا۔''

''ایک مخلص دوست نے اسے کتنے رشتے دے دیئے تھے۔ تھینک یو وچن۔'' اس نے تہہ دل سے اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔

☆......☆......☆

خوشی منا منا کر اب جب سب سو گئے تھے تو چائے آ گئی۔ ساتھ میں وہ تمام سنیکس بھی جو وچن لائی تھی۔ کملا تمام سنیکس کے نام فخر اً بتا رہی تھی۔ یہ سچ میں لاجواب تھے۔ سب ان کے دیسی ٹیسٹ سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ عافی کو بھی بارے سنیکس بہت پسند آئے۔

''وچن! اس ہنر کو تو دنیا بھر سے متعارف کروانا چاہئے۔ یہ امیزنگ ہے۔ کیوں نہ تم فرائیڈ سنیکس ایجنسی کھول لو۔''

''فرائیڈ سنیکس ایجنسی۔ کیسے؟''

''وہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔''

''اچھا ہے چھوڑ دیا۔'' وہ آج بہت خوش تھی۔ عافی نے دل ہی دل میں اسے ہمیشہ خوش رہنے کی دعا دی۔

کافی دیر ہلہ گلہ کرنے کے بعد سب عافی کی بڑی سی گاڑی میں سوار تھے۔ فری اور دوری ٹریٹ مانگ رہے تھے عافی سے۔

''تم دونوں کا پیٹ نہیں بھرا۔ اتنا کھایا پیا رخسار کے گھر میں۔''

''ہاں بہت کھایا پیا لیکن ناچے بھی تو اتنا کہ اب بھوک لگ رہی ہے۔ کیوں دوری؟''

''ہاں فری۔ ہاہاہاہا۔ ڈونٹ وری۔ ہم کہیں کچھ کھا پی بھی لیتے ہیں اور ٹریٹ بھی آپ دونوں کو ملے گی۔ بلکہ سب کو ملے گی۔''

عافی نے اپنی جیبیں جھاڑ لیں۔ جتنے پیسے پڑے تھے سب ان دونوں کو دے دیئے اور کہا۔

''سب کے لیے شاپنگ کر لینا۔''

''اوکے۔'' دونوں نے یکساں کہا تھا۔ پیسے بہت زیادہ تھے۔ خوشی بھی زیادہ تھی۔ کمل عافی کی

گود میں بیٹھا تھا۔ آج اس کی تو جیسے نکل پڑی تھی۔

سب نے اس کے چینل کو سبسکرائب کیا تھا۔ اور خوشی خوشی عافی کو اپنی وڈیوز دکھا رہا تھا۔

''پڑھتے بھی ہو؟''

''سب کو یہی لگتا ہے میں وڈیوز بناتا ہوں تو پڑھتا نہیں اس لیے ثبوت ساتھ رکھتا ہوں۔ یہ دیکھیں۔۔'' اس نے اپنے ٹیسٹ پیپر دکھائے تھے۔

''ہاں بھئی۔ ذہین ماں کا بیٹا ہے ذہین تو ہوگا۔'' آنٹی نے اسکی تعریف کی تو سب نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

وچن کا اپنی ڈگریاں ترک کرنے سے ان کے دل پر بوجھ آن پڑا تھا لیکن آج اس نے ایسی کوئی بات نہ کی۔ آج سب خوش تھے۔ وہ بھی خوش تھیں۔ بیٹھے بٹھائے اس عمر میں دوست مل گئے تھے۔ کملا کا بھی یہی حال تھا۔ وہ فری کی سن گلاسز پہن کر گاڑی میں بیٹھ کر وڈیو بنا رہی تھی۔ ان دونوں نے کملا اور شان کی امی کو نہ صرف واٹس ایپ سے متعارف کروایا تھا بلکہ گروپ بھی بنا لیا تھا۔ اب وہ سب ہمیشہ رابطے میں رہتے۔

☆......☆......☆

عزت بی بی کے پارلر میں رونق کی برکت تھی۔ خوش دل کام کر کر کے اکتا گئی تھی۔ اب کافی پینے کے لیے ذرا بیٹھی تھی کہ وچن کے اسٹیٹس میں اس نے عافی اور رخسار کی منگنی کی تصویریں دیکھیں۔

بالآخر وچن نے اپنا کام کر دکھایا۔ زندگی سے بے تعلق شخص کو تعلقات میں پھنسا دیا۔ وہ جی بھر کر ہنسی تھی۔

بہت زیادہ......

وہ ایک دوسرے کے ساتھ سچ بھی بہت رہے تھے نا۔ ہنستے ہنستے اس کی آنکھ کے کنارے بھیگ گئے تھے۔

☆......☆......☆

عافی نے فقط کہا تھا بلکہ کر دکھایا تھا۔ وہ وچن کے گھر کے فرائیڈ سنیکس کے ٹیسٹ میں کھو گیا تھا اور اس ٹیسٹ کو متعارف کروانا چاہتا تھا۔ دوسروں کی طرح عافی نے بھی وچن کو بہت سمجھایا تھا کہ وہ خود کے ساتھ یہ ظلم نہ کرے۔ جو ہوا وہ بس ایک اتفاق تھا۔ جان بوجھ کر اس نے سکینہ کے پیپر نہیں دیئے، لیکن اس نے جو ٹھان لیا سو ٹھان لیا۔

عافی اسے سمجھا سمجھا کے تک گیا لیکن وچن تو وچن تھی، غضب کی پھرتیلی لڑکی۔ اس کے پاس شاندار ڈگریاں ہی نہیں کئی ہنر بھی تھے اور فرائیڈ سنیکس تو کمال تھے۔

عافی نے اپنے مینجر کو اس کے فرائیڈ سنیکس کو پاکستان بھر سے متعارف کروانے کا ذمہ سونپ لیا تھا۔ شروع شروع میں وچن بہت زیادہ مصروف ہو گئی تھی۔ فری اور دوری، کملا، آنٹی شان بھی ان کے ساتھ کام میں جت گئے تھے۔

پیکنگ کے کام بڑھ گئے تھے، آرڈرز بڑھ گئے تھے، سامان بھی زیادہ آنے لگا تھا۔ کملا تو پریشان ہو گئی تھی لیکن وچن ایک ذہین اور سمجھدار لڑکی تھی۔ اس نے بہت جلد ساری مشکلات پر قابو پا لیا اور اب کملا جیسے کوئی باس تھی بس آرڈر دیتی رہتی۔ ساری برادری کی عورتیں آگے پیچھے رہتی۔ اور وہ فری کا دیا ہوا سن گلاسز لگا کر محلے میں پھرتی۔ سب خود اسے تمشکار کرتے اور وہ بھی سب سے ہنس ہنس کر بات کرتی۔ یہ تو تھی محلے دار خواتین اور پھر گھر میں کام کرنے والی عورتیں ان کا تو اندازہ ہی بچھے جانے والا ہوا تھا۔

''کملا سنیکس ایجنسی'' دن دگنی رات چوگنی ترقی کرنے لگی تھی اور سب جانتے تھے یہ وچن کی محنت کا نتیجہ ہے۔ جو بے غرض ہو کر کام کرتی تھی، چاہتی تو کملا سنیکس ایجنسی کی بجائے وہ اس ایجنسی کو اپنے نام سے بھی متعارف کروا سکتی تھی لیکن اس کے دل سے اب ایسی خواہشات رخصت لے گئی تھیں۔

عافی کی اس قید نے اس کے دل کو اس دنیا میں رہتے ہوئے اُس دنیا کا خیال بخش دیا تھا۔

اس کا مجازی خدا تو اب تک روٹھا ہوا تھا بلکہ اب تو اور زیادہ ناراض تھا۔ وچن کی تعلیمی شہرت افزائی کے خوف سے وہ اپنے گھر میں اخبار تک نہ لاتا اور اب دیکھو، ہر سو اس کی ذہانت، محنت، لگن کے چرچے تھے جبکہ اس نے اپنی ڈگریاں اٹھا کے کسی قوزے میں بند کر دی تھی۔

دیپک نے چڑیا کے اڑ جانے کے ڈر سے اس کے پر کاٹنے کے سارے حربے آزمائے تھے لیکن اس کی اڑنے کی فطرت کا کیا کر سکتا تھا؟ وہ محنت کرتی تھی۔ بندگی کے سنے سنائے کردار نے اس کے اندر کی معصومیت سے اسے کافی متاثر کیا تھا، کاش وہ کبھی اس سے مل پاتی۔ وہ جب بندگی کو سوچتی تو گھنٹوں سوچتی رہتی۔ بندگی کی یاد آتے ہی اس نے رخسار کے پاس فون کیا۔ پوچھے تو سہی کہ عافی اب تک کھڑوس باس ہے یا پھر اچھا منگیتر بھی بن سکا ہے؟

وہ ہنس دی اور ہنستے ہنستے ہی جواب دیا۔

”ضرورت کیسے ہے۔ وہ کھڑوس تھے بھی تو مجھے سب سے عزیز تھے اور اب تو اور بھی زیادہ عزیز ہیں۔“

”یہ تو میری بات کا جواب نہیں ہوا نا، مجھے میری بات کا جواب دو۔“

”ہاں۔ کوشش کرتے ہیں مجھے خوش رکھنے کی۔ خیال رکھنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ اور ذرا کنفیوز بھی رہتے ہیں کہ کہیں ان کے کسی برتاؤ سے میرا دل نہ دکھے۔“

”شکر ہے رب تیرا۔“ وچن مطمئن ہوگئی تھی۔

”کیا میں آپ سے زندگی کے متعلق پوچھ سکتی ہوں؟“

”کیوں......تم کیوں پوچھنا چاہتی ہو؟“

”سر بہت چاہتے ہیں انہیں۔“

”رخسار! وہ ماضی ہے۔ تم عافی کی حقیقت ہو۔ اور ایک سچی پکی خوش رنگ سی حقیقت۔ اپنے رنگوں کو سمیٹو مت۔ بکھرا دو اپنے ہر ایک رنگ کو عافی کے اردگرد۔“

”ہاں! میں بھی کوشش کرتی ہوں۔“

”تو جاؤ میری دعا ہے یہ کوشش انتھک رہے۔“

”آمین۔“ رخسار نے آنکھیں بند کر کے کہا تھا۔

☆......☆......☆

یہاں سب کچھ پہلے جیسا کہاں تھا۔ جو انہیں پہلے جیسا کچھ نظر آتا۔
سکینہ ہلکے پیلے رنگ کی شارٹ شرٹ اور بلیک جینز بھی ملبوس تھی۔ اس کے ڈائے کیے ہوئے گولڈن بال خوب صورتی سے تراشے ہوئے تھے۔ اب وہ تنہا کہیں نہ آتی جاتی۔ اس کی ماں اس کے ساتھ ہوتی۔ سکینہ کی والدہ نے پیچ کلر کی ذرا لمبی شرٹ پیچ کلر کی پینٹ کے ساتھ پہنی تھی۔ ساتھ میں ہلکا سا دوپٹہ گلے میں رول کر کے دبایا تھا۔ ان کی ہر ادا سے ان کے کسی بڑے خاندان سے وابستگی کی جھلک نظر آتی تھی۔ اور اب وہ وچن کے عین مقابل بیٹھ کر اس کی خاندانی وابستی کے متعلق سوچ میں پڑ گئے تھے۔
وہ وچن کو زیادہ سے زیادہ پیسے دے کر پھر سے سکینہ کے میٹرک کے پیپر دینے کے لیے راضی کرنے آئی ہیں لیکن وہ تو اب ایک عدد ایجنسی چلا رہی تھی۔ اسے اس وقت جب وعام سی حالت میں تھی بھی کم از کم دس، بارہ ہزار کی ساڑھی پہنی ہوئی تھی۔
سکینہ کی ماں نے جھجکتے جھجکتے جب اپنی بات کی تو وچن پہلے ششدر سی رہ گئی اور پھر کہا۔
''ہمارے گناہ ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ میں جتنا بھی اپنے جرم سے بھاگوں گی اتنا یہ جرم مجھے ستائے گا۔''
''معاف کرنا ہمارا ارادہ آپ کا دل دکھانا بالکل نہ تھا اور نہ ہی ہم آپ کو مجرم ٹھہرا رہے ہیں۔''
''جی آپ نے درست فرمایا، لیکن میں خود ہی اپنے جرم کو مان چکی ہوں اور بنا کسی خوف کے ثابت بھی کرنا چاہتی ہوں۔''
''نہیں تمہیں تمہارے خدا کا واسطہ۔ ایسا مت کرنا۔ ہم پہلے ہی بہت پریشانی سے گزرے ہیں۔ آپ ایک ماں ہیں، جوان بیٹی کی ماں کی حالت سمجھ سکتی ہیں۔ کیسے ہم نیر شتے داروں کا سامنا کیا۔ کیسے لوگوں کا، پولیس کا، میڈیا کا سامنا کیا یہ ہم ہی جانتے ہیں۔''
''ہماری تو عزت ہی دو کوڑی کی ہوگئی ہے۔ لوگ نا جانے کیسی کیسی باتیں کرتے ہیں۔''
''تو جب آپ نے اتنا سہا ہے تو پھر کیوں اسی جرم کی گلیوں میں خود چلنا چاہتی ہیں اور مجھے بھی اپنے ساتھ گھسیٹنا چاہتی ہیں؟''

''میں نے کہا نا، میں مجبور ہوں مجھے اپنی بیٹی کا دامن دھونا ہے۔ یہ داغ دھونا ہے۔''

''مجھے معاف کر دیں۔ میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔''

''دیکھیں میں بہت امید کے ساتھ آئی ہوں۔ مجھے نا امید مت کریں۔ پہلے بھی آپ مدد کرنے کے لیے راضی ہوئی تھی۔ اب سچ میں ہماری مدد کر لیں۔''

''آپ سوچ بھی نہیں سکتی میں نے کیا کیا کھویا ہے اس سب کے پیچھے۔'' وچن نے سکینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو خاموش اور اداس بیٹھی ہوئی تھی۔ اس بھی شاید پتا تھا کوئی اس کی مدد نہ کرے اور وہ مایوس تھی۔

''آپ عزت بی بی کے پاس جائیں نا۔ پہلے بھی اسی نے آپ کی ودکی تھی۔ اب بھی وہی کچھ کرے گی۔''

''وہ ہم سے نہیں مل رہی۔''

''تو آپ ان کی خاص لڑکی خوش دل سے مل لیں۔ سکینہ جانتی ہے اسے۔ وہ ہی مین رول پلے کرتی ہے۔''

''وہ خوش دل...... اور مین رول؟ عزت کا مین رول اگر کوئی پلے کرتا ہے تو وہ خود عزت ہے۔ ویسے بھی وہ ایک مذہبی سی لڑکی ہے۔ وہ عزت کے اشاروں پر چلتی ہے بس۔''

''خوش دل مذہبی لڑکی۔'' وچن کو ہنسی آ گئی۔ پر کہا کچھ نہیں کہ اس کے آٹھ آٹھ تو صرف بوائے فرینڈ ہیں اور اب تو بارہ پورے ہو گئے تھے۔

''میں یوں بھی اس مکار عورت سے بات نہیں کرنا چاہتی جس نے میری معصوم بچی کو زیادہ نمبروں کا لالچ دیا اور لاکھوں لوٹ لیے۔ اسے تو میں چور چکاروں سے بھی زیادہ کا کوئی لقب دوں گی جو امیر گھرانوں کی بچیوں کو نشانہ بناتی ہیں۔''

''تو ساتھ دیں نا میرا۔ ہم اس کا کھیل ختم کر سکتے ہیں۔''

''نہیں۔ ہم نہیں کر سکتے۔ وہ ایک مکار عورت ہے۔ اس طرح کے کاموں میں ملوث رہتی ہے

اور سچ کہوں تو میں تھک گئی ہوں۔ مجھے بس ماں بن کے اس بیٹی کا سوچنا ہے۔"

"تو سوچیں ضرور سوچیں۔ لیکن سیدھا راستہ دکھائے اس کو۔" وچن نے سکینہ کی طرف دیکھا۔ وہ کچی عمر کی معصوم لڑکی تھی اور اتنی سی عمر میں ذرا سی شہرت پانے کی خواہش میں کیسے بے تاب ہوئی تھی۔ سچ میں اس نے بہت کچھ سہا تھا۔ نفرت، تنہائی، حقارت......

"وچن! بس میں اسے پڑھایا کرتی تھی۔ وہ کند ذہن نہ تھی بس ذرا غیر سنجیدہ تھی۔"

وچن اسے ایسی ہی گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی اور پھر اسے ایک خیال آیا۔ اس نے ان دونوں کو سیدھا راستہ دکھانے کا راستہ تلاش کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

گرمیوں کی شامیں بوجھل پن کے لیے یوں بھی بدنام ہیں اور آج کا تو سارا دن ہی کچھ ایسا ہی تھا۔ دل کچھ بھی کرنے کے لیے آمادہ نہ تھا۔ سوائے سونے کے..... شان فری اور دوری کو پڑھا رہا تھا اور وہ دونوں سر جوڑے زبردستی اپنی نیند کی دشمن بنی جمائیاں لے رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"وچی ہوگی۔" دونوں موتیوں نے یکساں کہا تھا اور وچی ہی تھی۔ وہ ہمیشہ کی طرح دوڑ کر اس کے پاس آئی اور اسے اپنے حصار میں لے لیا اور خوشی سے یکساں کہا۔

"تم آ گئی وچی۔"

"ہاں میں آ گئی اور آج تنہا نہیں آئی ہوں، کسی کو ساتھ لائی ہوں۔"

"ممی آنٹی کو؟" وہ اب کملا کو ممی کہتی۔

"نہیں۔"

"تو پھر؟" ان دونوں نے حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر رازدارانہ انداز میں بوقت پوچھا۔

"عافی آیا ہے کیا؟"

"نہیں۔ سکینہ آئی ہے۔" وچن اسے ان سے ملانے لائی تھی۔

فری اور دوری کا تو موڈ ہی آف ہو گیا تھا۔ آنٹی بھی حیران رہ گئی اور شان تو کچھ سوچ بھی نہ پایا۔

''آجاؤ سکینہ۔ان سے ملو۔یہ شان ہے۔ثاپر شان۔''
آنٹی ذرا گھبرا گئی۔مشکلوں سے ان کا بیٹا اپنی زندگی کی طرف پھر سے آیا تھا۔کہیں سکینہ کو دیکھ کر پھر سے......
سکینہ نظریں جھکائے سہمی سی کھڑی تھی۔اس نے لمحے بھر کے لیے چاروں طرف دیکھ کر شان کی طرف دیکھا اور زیرِ لب کہا۔
''سوری۔''
اور بس اتنا ہی کہہ کر اس نے نظریں جھکا لیں۔
''آپ بیٹھ جائیں......امی! آپ چائے بنائیں۔''شان نے اچھے میزبان کا مظاہرہ کیا۔
''ہاں بیٹھو بیٹا! میں چائے بنا کے آتی ہوں۔''
''آنٹی! ہمارے لیے بھی۔''دونوں موٹیوں نے یکساں کہا۔ساتھ میں ایک کڑوی کسیلی نگاہ سکینہ کے وجود پر بھی ڈالی۔ان کی پیشانی پر سکینہ کی آمد کی وجہ سے بل پڑے تھے۔دونوں موٹیاں منہ میں موجود چیونگم کو جیسے چبا رہی تھی بلکہ زور زور سے دانتوں تلے دبا رہی تھی۔ان سے کوئی سچ پوچھ نہیں رہا تھا اور سچ یہ تھا کہ سکینہ کا آنا انہیں بے حد برا لگا تھا۔
''یہ تو ہم سب جانتے ہیں کہ سکینہ نے اپنے پیپر کینسل کروائے ہیں اور یہ اب پھر سے میٹرک کے پیپر دے گی۔''
''تو دیتی رہے ہمارا کیا۔''موٹیوں نے منہ بنا کر دل ہی دل میں سوچا تھا۔
''اس کے لیے اب لازمی ہے کہ یہ اچھے سے اچھے نمبر لے کر پیپر پاس کرے تاکہ خود اعتمادی سے سب کا سامنا کر سکے۔''
''خود اعتمادی......خود اعتمادی ہوتی تو ایسے کام ہی کیوں کرتی۔''فری اور دوری نے زہر خند نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے سوچا تھا۔لیکن اب بھی کہا کچھ نہیں۔
''بعض اوقات ہم ایسے قدم اٹھا لیتے ہیں جن کی منزل کا ہمیں خود نہیں پتا ہوتا۔''

''پتا نہیں تھا تو یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔'' یہ بھی دونوں نے منہ بنا کر سکینہ کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا تھا لیکن کہا کچھ نہیں۔

''شان۔'' وچی نے اسے پکارا تھا۔وہ تو اب تک نظریں جھکائے وچن کی ہی باتیں سن رہا تھا۔ اب اس کے پکارنے پر نظریں اٹھائیں۔

''شان! کیا تم سکینہ بھی فری اور دوری کے ساتھ پڑھاؤ گے؟''

''کیا......اسے؟'' بہت ہوگئی چپ،اب وہ پھٹ پڑی تھی۔

''ہمارے ساتھ؟ نہیں کبھی نہیں۔ہم تو اسے اب تک صرف تمہاری وجہ سے برداشت کر رہی ہیں ورنہ تم نہیں جانتی ہمیں اس لڑکی سے کس قدر نفرت ہے۔''

''کیوں دوستو۔تمہیں کیوں نفرت ہے اس سے۔''

''کیونکہ یہ دھوکے باز ہے اس کی وجہ سے شان کا وہ حال ہوا تھا۔تم نے اپنی ڈگریاں ترک کر دی تھیں۔صرف ہمارے ساتھ ہی نہیں بلکہ ملک،قوم اور تمام تر طالبات سے دھوکا کیا ہے۔''

''پھر تو تمہیں مجھ سے بھی اتنی ہی نفرت ہونی چاہیے جتنی اس سے ہے۔کیونکہ میں اس کے جرم میں برابر کی شریک ہوں۔شان کی حالت کی ذمے دار میں بھی تھی۔ میں نے بھی ملک،قوم اور تمام تر طالبات سے دھوکا کیا ہے۔''

''تمہاری بات الگ ہے وچی۔تم نے کیا کیا کھویا ہے ہم جانتی ہیں لیکن یہ؟''

''اس نے بھی کم مشکلات کا سامنا نہیں کیا۔''

وہ بحث بازی میں مصروف تھے۔سکینہ دبے پاؤں نکلنے لگی۔

''ارے کہاں جا رہی ہو۔چائے تو پی لو۔''

سکینہ آنٹی کی آواز پر مڑ آئی۔شان اور آنٹی ایک ساتھ ہی کھڑے تھے۔

اس کی آنکھوں میں آنسو تھے،چہرے پر ندامت۔شکل سے وہ بہت معصوم سی لگ رہی تھی۔

اس نے ان کے پاس جا کر نظریں اٹھائیں اور نہایت عی عاجزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں بس میٹرک میں اچھے نمبر لے کر پاس ہونا چاہتی تھی لیکن میں نے ٹاپ کرنا نہیں چاہتی تھی۔" اس کی آنکھ سے آنسو چھلکے تھے۔ آنٹی کا دل موم سا ہو گیا تھا۔

انہوں نے نازوں پلی اس روتی بچی کو فوراً گلے لگا لیا اور شان سے کہا۔

"تم اسے پڑھاؤ گے شان؟"

شان نے سر جھکا کر ہاں کر دیا۔

"تم ان شاء اب اپنی محبت سے پاس ہو گی۔"

"ان شاء اللہ۔" اس نے ہلکا سا مسکرا کر کہا تھا۔

فری اور دوری کا اب تک دل جل رہا تھا۔ وہ کھا جانے والی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"Stop your kiddush yar." وچی نے انہیں ان کے برتاؤ کے لیے ٹوکا تھا۔

"Stop your boldness wachi" انہوں نے اسی کے انداز میں اسے بھی ٹوکا تھا اور ذرا برابر بھی اپنے رویے میں بہتری سے انکار کر دیا تھا۔ وہ سکینہ سے نفرت کرتی تھیں اور انہیں لگتا تھا وہ اس نفرت کی مستحق ہے اور بس ہے۔

سکینہ نے اپنا رجسٹر کھولا۔ شان اسے اب پڑھا رہا تھا۔ اس نے بڑی دلیری سے ان دونوں کی نفرت کو نظر انداز کیا تھا۔ اب اسے ایسے رویوں کی عادت سی ہو گئی تھی۔

☆......☆......☆

روٹھا سجن اب بھی روٹھا تھا۔ وچن نے شعر و نثر دونوں کر کے دیکھ لیے۔

سکینہ اب شان سے اچھا پڑھنے لگی تھی۔ شان بھی ٹھیک ہی ہو گیا تھ۔ رفتہ رفتہ سب ٹھیک ہو رہا تھا لیکن دیپک کا رویہ تھا کہ ٹس سے مس نہ ہوتا تھا۔ نہ وہ اس سے بات کرتا، نہ اس کے میسجز دیکھتا۔ نہ اس کے ہاتھ سے بنا کھانا کھاتا اور نہ اسے اپنی کسی چیز کو ہاتھ لگانے دیتا۔ سنیکس ایجنسی کے بعد تو وہ آتے ہی چھت پر چلا جاتا اور وہی جھالیاں بچھا کر گرم موسم میں تنہا سو جاتا۔ زیادہ تر تو شہر سے باہر رہتا اور اب ملک سے باہر یاترا کرنے جانا چاہتا تھا لیکن کملا نے اجازت نہ دی۔

''تیرتوں پر نہانے سے تن کی میل جاتی ہے پتر۔ جن کا من میلا ہو وہ تو گنگا بھی گندی کر کے آتے ہوں گے۔''

''لو۔ اب میں نے ایسا کیا کر دیا کہ گنگا جی میلی ہو جائے گی۔''

''خود سے پوچھ لے۔'' کملا نے اس کی جانب ہاتھ اٹھا کر کہا تھا۔

''ماں! جانے دو نا۔ مجھے سکون چاہیے۔''

''ارے پگلے! تمہارا سکون یہاں ہے۔ یہاں رہ کر اپنے سکون کو پہچان۔ اپنے کرموں کا بھلا کر۔ کہیں نہ کہیں سے گنگا خود تم سے آئے گی تمہیں جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

''ماں جی۔''

''کہا نا۔ اب ایک اور بار مت پوچھنا۔ ماں کی آگیا بنا تیرتھ بھی روٹھ جاتے ہیں۔ جانتے ہو نا تم؟''

اب یہ کہاں لکھا تھا کہ تیرتھ روٹھ جاتے ہیں۔ گنگا خود آتی ہے۔ بس کملا کی شان نرالی تھی۔ وہ ہی ایسا کہہ سکتی تھی اور کہہ بھی رہی تھی۔

''ٹھیک ہے نہیں جاتا تیرتھ پر ادھر بھی نہیں رہوں گا۔''

دیپک نے اپنا سامان پیک کر لیا تھا اور کہیں چلا گیا تھا۔

''جا جا جدھر جاتا ہے جا۔ پر یہ بات پکی کر لو دیپک کپور۔ تمہارا سکون یہاں ہے یہاں۔'' کملا کا اشارہ وچن کی طرف تھا۔

''یہاں ہوتا تو میں ڈھونڈتا نا پھرتا۔'' دیپک نے بے حد بے رخی سے کہا۔

''چلو۔ سہی ہے۔ جاؤ ڈھونڈو اور وقت برباد کرو۔''

''ماں جی۔'' اس نے تڑپ کر پکارا تھا۔

''دیپک کپور! میں نے ساری عمر پاپڑ بیلنے اور دماغ تمہارا کرارا ہو گیا۔ اتنا کرارا کہ چٹکیوں میں ریزہ ریزہ ہو جائے۔ اپن دماغ کا کچھ کر، ورنہ تیرتھوں پر ہی جوگی بنا بھٹکتا رہے گا۔ گھر ہستی میں ہی سکھ ہے اسی میں مکتی۔ پر نا جانے تو کب سمجھے گا۔'' کملا غصے میں سمجھا رہی تھی، پر دیپک کا دماغ بیچ میں

کرارا ہو چکا تھا۔ وہ ماں کی سنے بنا کہیں چلا گیا تھا۔

یاترا کا تو بس نام تھا۔ کملا جانتی تھی۔ وہ جان بوجھ کر وچن کو دکھ دینے کے لیے دور جا رہا ہے۔

☆......☆......☆

نا جانے دیپک اسے اور کتنی لمبی سزا دے گا۔

وہ اپنی گھر گھرہستی میں سخت الجھی ہوئی تھی۔ دیپک کو سمجھنا مشکل ہوتا جا تا تھا۔ یہ تو طے تھا کہ دیپک اب صرف اس سے ناراض تھا۔ بات ناراضی سے آگے نکل چکی تھی۔ وہ منصف بن چکا تھا۔ ایسا منصف جو سنتا نہیں تھا، سمجھتا بھی نہیں تھا اور اپنی طرف سے فیصلے کرتا تھا، سزائیں دیتا تھا۔

جب دیپک کا رشتہ اس کے لیے آیا تو اس کے گھر والے اس کی اونچی شان کی وجہ سے اتراتے پھرتے تھے اور دیپک کے گھر خاندان والے کانوں کو ہاتھ لگاتے تھے۔ دونوں گھرانوں کی نہ حیثیت ایک سی تھی اور نہ وچن اور دیپک ایک جیسے تھے۔

ایک جیسا تو کوئی نہیں ہوتا نا؟

ایک ہی خاندان کے سب افراد بھی ایک سے نہیں ہوتے تو دو الگ الگ خاندانوں کے افراد ایک جیسے کیسے ہو سکتے ہیں۔ اس طرح کے رشتوں میں کسی ایک کو دل بڑا کر کے اپنے رنگوں کو چھوڑ کر دوسرے کے رنگ میں رنگنا پڑتا ہے۔ وچن نے شروع سے ہی خود کو بدا تھا۔ وہ سمجھ گئی تھی اسے بدلنا پڑے گا۔ وہ بدلتی رہی تھی۔ کبھی خوشی خوشی۔ کبھی مجبور ہو کر تو کبھی مایوس ہو کر۔

پر اب وہ کیا کرے کہ وہ خود کو بدلتے بدلتے دیپک کے رنگ میں ایسے رنگ گئی تھی کہ پرانی وچن نا جانے کہاں کھو گئی تھی۔ رشتوں کے رنگ بھی تو پکے ہوتے ہیں نا۔ اتنی جلدی کیسے اتر سکتے تھے۔ وہ اب اپنی تلاش میں کہاں سے کہاں بھٹکے گی۔

مردوں کے ساتھ بڑے بڑے قدم اٹھاتی عورتیں نہ صرف اپنے چھوٹے چھوٹے قدموں کی چاپ بھول جاتی ہیں بلکہ اپنی منزل تک فراموش کر کے بس پیچھے پیچھے چلتی ہیں۔ پھر مرد آسانی سے راستہ بدل جاتے ہیں اور عورتیں ایسے مقام پر کھڑی خود کو پاتی ہیں جو ان کے وہم و گمان میں بھی کبھی نہ

آیا ہوتا تھا۔ نہ قدم اپنے، نہ چاپ اپنی، نہ راستہ اپنا اور نہ منزل اپنی۔ سب کچھ کسی اور کا اور پھر وہ کوئی اور بھی کسی اور کا۔ اپنا ہوتا تو راستہ کیوں بدلتا۔

یا پھر وہ کبھی اپنا ہی نہیں کہ وہ کبھی اپنا راستہ بھولا ہی نہ تھا۔ بھٹکے تو ہم ہی تھے۔ راستے بھی ہم نے بدلے تھے۔ اور اب سوچتے بھی تھے کہ واپس کیسے چلے جائیں۔

آسان نہیں ہوتا نا۔ وچن کے لیے بھی آسان نہ تھا۔

اگر وہ پہلے والی وچن ہوتی تو کہہ دیتی دیپک سے۔ ''آپ اپنے گھر میں سکون سے رہو اور وہ اپنے گھر چلی جاتی ہے۔''

لیکن وہ اب یہ کہہ نہ سکتی تھی۔ یا کہنا نہ چاہتی تھی۔ جانا نہ چاہتی تھی اور جانے دینا بھی نہ چاہتی تھی۔

وہ نہیں جا سکتی تھی اور نہ ہی اسے جاتا دیکھ سکتی تھی لیکن وہ دیکھ رہی تھی۔ دیپک کے گھر میں رہ کر روشنی کو ترس رہی تھی کہ اس کا دیپک بھی ہر دیپ کی طرح اپنے ہی سائے کو اندھیرے میں رکھتا تھا۔ وہ دیپک تھا اور وچن اس کا اندھیرا سایہ۔

چراغ تلے اندھیرا......اندھیرا اور بس اندھیرا۔

☆......☆......☆

دیپک کے جانے کے بعد اس نے خود کو بے حد مصروف کر دیا تھا۔ خبر آئی تھی دیپک تیرتھ سے ہو کر اسلام آباد آیا تھا۔ وہاں اپنی دکان کی برانچ کے متعلق سوچ رہا تھا۔

اچھا بہانہ تھا۔ روز روز گھر سے باہر رہتا تو لوگ باتیں بناتے۔ کاروبار ایک بہتر بہانہ تھا۔

وچن کی بندگی کی طرح عادت سی ہو گئی تھی۔ وہ اب سب کے لیے دعا مانگتی تھی۔ اس نے دیپک کے لیے اسلام آباد کی نئی برانچ کی کامیابی کے لیے بھی دعا مانگی اور اسلام آباد آ گئی۔

کتنے دن ہو گئے وہ عافی اور رخسار سے نہیں ملی تھی۔ یوں بھی آج اسے رخسار کے گھر جانا تھا، کب تک بات منگنی کی حد تک ہی رہے گی۔ آگے بھی تو بڑھنی چاہیے نا۔ نکاح شادی کا بھی تو چنا تھا اور یہ اس کے سوا اور کون سوچے گا۔

اب اس نے اپنی ایجنسی سے کمائے پیسوں سے ایک گاڑی خرید لی تھی۔ جو زیادہ مہنگی نہ تھی لیکن اپنی سواری تو اپنی ہوتی ہے نا۔ اسلام آباد کے راستے اس کی نظر ہر ایک چہرے پر دیپک کے نشان کھوجتی تھی اور مایوس لوٹتی تھی۔

''کہاں ہو تم دیپک۔ یہ کیسی دوری ہے۔ ہم ایک دوجے کے نام سے جڑے ہیں۔ ایک ہی شہر میں ہیں۔ ایک ہی فضا میں سانس لے رہے ہیں اور ایک نگاہ تک ایک دوسرے کو دیکھ تک نہیں سکتے۔

اس نے درد بھری سانس لی اور عافی کے آفس آئی۔

اس نے آج فل نیک فل سیلوز گولڈن براؤن انر پر سلور چمک دار ساڑھی پہنی تھی۔ کچھ جیولیز کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ بال بھی کھلے چھوڑے تھے۔ ہائی ہیلز بھی پیروں میں ٹک ٹک کرتی تھی۔

دیپک اسلام آباد میں ہے۔ یہ سن کر اس کے دل نے بہت کچھ چاہ لیا تھا۔ خود کی تیاری، بناؤ سنگھار اور اس کی ایک ہی جھلک لیکن......

خیر دل تو دل ہے۔ ایسے معصوم ارادے لے کر۔ وجود کو آئینے کے پاس لا کر سنوارتا رہتا ہے۔

اس دل کی نادانیوں کے کیا کہنے۔

اب عافی کے آفس میں سب جانتے تھے کہ وہ عافی کی خاص دوست ہے۔ اسے دیکھتے ہی سب خوش مزاجی سے اسے ہیلو کہتے۔ وہ خود بھی ایسی تھی ہنسنے مسکرانے والی۔

سب بہت مانوس تھے اس سے۔ وہاں موجود خواتین اس کی تعریف کر رہی تھیں۔ سب سے زیادہ رخسار۔

''وچن! تم بہت سلم اور پرفیکٹ ہو۔ ساڑھی تو لگتا ہے تمہارے فگر کے لیے ہی بنائی گئی ہے۔ بہت پیاری لگتی ہو۔''

''اچھا یعنی قمیص شلوار میں، میں اچھی نہیں لگوں گی؟''

''نہیں نہیں۔ میرا وہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔''

''مطلب سوچو لڑکی۔ ابھی تو تمہاری شادی میں مجھے ہی خوار ہونا ہے۔ میں آگے بڑھ کے

انتظام نہ سنبھالوں تو اس عافی کے بچے سے کورٹ میرج تک نہ ہو گی۔"

"بہت خوش ہونا۔" اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ہاں کہا تھا۔

"بھگوان تمہیں خوش رکھے۔ کہاں ہے تمہارا کھڑوس باس؟"

"اپنے کیبن میں ہیں وہ۔"

"یعنی اب تک کھڑوس ہے؟"

"نہیں۔ میں نے ایسا تو نہیں کہا۔"

"گھبراؤ نہیں۔ شکایت تھوڑی کروں گی تمہاری۔ پر تم نے بھی مجھ اسے کھڑوس کہنے سے روکا نہیں۔"

"خیر چلو، خبر لیتی ہوں اس کی میں۔ کام میں بزی رہتا ہو گا نا۔ گھمانے پھرانے نہیں لے جاتا نا۔ خبر تو لینی پڑے گی۔" وہ آندھی طوفان سی اس کے کیبن میں خال ہوئی اور آتے ہی پوچھا۔

"تم سمجھتے کیا ہو مسٹر عافی۔ منگنی کر کے بیٹھے ہو۔ منگنی بھی میں کرواؤں، شادی بھی میں کرواؤں۔ اور تم صرف انگلیوں پر حساب کتاب کرو۔"

"رشتہ تم نے کروایا ہے، تو یہ رشتے کروانے والی ہی کرتی ہیں۔" عافی نے اسے زچ کرنے کے لیے کہا۔

"اُف۔ چلو تم میرے ساتھ میں آج ہی تم دونوں کی شادی کی ڈیٹ فکس کرتی ہوں۔"

"آج؟"

"ہاں آج۔ چلو۔"

رخسار شرما گئی تھی اور عافی گھبرا سا گیا تھا لیکن اور کب تک اس معاملے کو آگے کھینچا جا سکتا تھا۔ اس نے قدم رخسار کی سمت موڑے تھے تو اس کی راہوں پر چلنا ہی تھا نا۔ کچھ ہی دیر میں وہ ایک بار پھر سے رخسار کے والدین کے سامنے بیٹھے تھے۔ شادی کی ڈیٹ کا سن کر انہیں اپنے کام جو پینڈنگ تھے یاد آنے لگے۔ رخسار کی دادی آنے والی تھی۔ اگلے مہینے ان کی آنکھوں کا آپریشن تھا۔

"ٹھیک ہے پھر اس سے اگلے ماہ کی کوئی ڈیٹ رکھتے ہیں۔"

''نہیں۔اس سے اگلے ماہ تو رخسار کی چاچی کی ڈیلیوری کی ڈیٹ دی ہوئی ہے۔''

''چلو آج سے چوتھے ماہ کی کوئی ڈیٹ رکھ لیتے ہیں۔''

''نہیں نہیں اتنی سردیوں میں شادی کون کرسکتا ہے۔ہم تو آنے والے مہمانوں کے بستروں کے انتظام میں ہی پھنسے رہیں گے۔ہمارا خاندان بہت لمبا چوڑا ہے۔''

''تو آپ ہی مناسب ڈیٹ کا انتخاب کرلیں ورنہ اس ماہ ہی ان دونوں کا نکاح کروالیں پھر جب آپ چاہے فنکشن کرتے رہیں۔'' وچن نے تنگ آکر کہا تھا۔

''ارے ایسے کیسے۔ہمارے بھی تو ارمان ہیں بیٹی کی شادی کو لے کر۔ہم دادی کے آپریشن سے پہلے کی ڈیٹ رکھ لیتے ہیں۔''

''واؤ۔'' وچن کا تو دل ہی خوش ہوگیا۔اس نے ہاں کہہ دی۔اور پھر رشتے کروانے والیوں کی طرح سر جوڑ کر دوسری خواتین کے ساتھ بیٹھ گئی۔بڑی ایک بحث ہوئی اور آخر کار دو ہفتے بعد کی ڈیٹ فکس ہوگئی۔وچن نے خوشی سے عافی کی طرف دیکھا اور کہا۔

''مبارک ہو۔''

''مبارک ہو۔'' سب خوش تھے۔رخسار کی تو خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا۔عافی مبارک بادیں وصول کرکے جانے ہی لگا تھا کہ وچن نے اسے پکار لیا۔

''کہاں چل دیئے دلہے میاں، مجھے چھوڑ کر۔یاد ہے نا میری گاڑی تمہارے آفس کے باہر ہے۔''

''میں منگوالیتا ہوں۔تم کب تک یہاں ہو؟''

''کھانا کھانے تک۔'' جواب رخسار نے دیا تھا۔

''نہیں نہیں۔میں ابھی جاؤں گی۔ویسے بھی آج فرائیڈے ہے تم کہاں میرے لیے ٹنڈے، سبزیاں پکاتی پھرو گی۔''

''اچھا تو ٹھیک ہے۔ساتھ چلتے ہیں میں چھوڑ آتی ہوں تمہیں۔''

''نہیں نہیں تم آرام کرو اور زیادہ کانہ کرو نہ کرنا۔اب اس کھڑوس باس کے۔''

''میں یہیں موجود ہوں وچن۔''

"اس لیے تو تمہارے سامنے تمہیں کھڑوس کہہ رہی ہوں۔"

"ہاں بھئی تم کہہ سکتی ہو جو تم چاہو۔"

"آف کورس۔لیکن رخسار نہ کہے۔خیال رکھنا اس بات کا۔"

"اوکے اوکے۔"

"چلو ایک کام کرو تم دونوں مجھے چھوڑنے پنڈی تک چلو۔ماں جی بھی تم دونوں کو دیکھ کر خوش ہو جائے گی۔ٹنڈے بہت اچھے بناتی ہیں وہ اور ساتھ میں واپسی پر تم دونوں وقت بھی سپنڈ کرو گے۔"

وچن نے رخسار کا ہاتھ پکڑا اور عافی سے بھی پہلے عافی کی گاڑی میں رخسار کو لے کر آ بیٹھی۔

"وچن! مجھے آفس جانا تھا۔"

"چپ چاپ گاڑی چلاؤ عافی۔" وچن نے ڈرائیور کو اپنی گاڑی کی چابی دے دی اور حکم دیا میرے گھر میری گاڑی صبح تک پہنچا دیا۔

"صبح پہنچا دے گا نا وچن، مجھ سے ڈرائیونگ نہیں ہو گی۔"

"کمال کرتے ہو عافی۔تم دونوں ڈرائیور کی موجودگی میں وقت اسپنڈ کرو گے۔"

"ڈرائیونگ کرتے ہوئے بھی کیا وقت اسپنڈ کرو گے؟"

"اچھا یہاں سے میں گاڑی ڈرائیو کر لوں گی تم دونوں اب بس چلو۔یہاں اب ایسی زبردستیا ہوتی رہیں گی۔" وچن نے فخریہ انداز میں کہا تھا۔ومیوزک انجوائے کر رہے تھے۔وچن اچھی طرح گاڑی ڈرائیو کر رہی تھی۔

"سوچ رہا ہوں کہاں تمہیں فرائیڈ سنکیس ایجنسی کا مشورہ دے دیا۔تم تو ایک اچھی ڈرائیور ہو۔" عافی نے مذاق کیا تھا۔

"میں تو ہر ایک کام میں ماشاءاللہ اچھی ہوں۔کس کس کام کے لیے مجھے منتخب کرو گے؟"

"باقی کاموں کا تو پتا نہیں۔سوچ رہا ہوں ایک شادی ڈاٹ کام تمہارے نام سے کھول دوں۔

وچن شادی ڈاٹ کام۔"

"ہاہاہا۔"

''اور اشتہار کے لیے جو کارڈ چھپواؤ تو اپنی اور رخسار کی شادی کی پک ضرور دینا، تا کہ لوگوں کو پتا چلے اتنے اچھے جوڑ ڈھونڈ لیتی ہوں۔''

''بس اپنی تعریف کرنا کوئی تم سے سیکھے۔''

''تو سیکھے نا۔ سکھا دوں گی۔''

پنڈی تک دونوں دوستوں کی مزے دار باتوں سے رخسار عجیب وغیرت سی رہی۔
کبھی ان کی نوک جھونک سے لطف لے لیتی اور کبھی سوچتی کیا عافی اس انداز سے کھل کر کبھی اس سے بھی مخاطب ہوگیا۔ اس لحاظ سے تو وجی ٹھیک کرتی ہے جو اسے کھڑوس باس کہتی ہیں۔

❁ ❁

ناول رنگِ حیات کی اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 20 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

افشاں آفریدی کا بہت خوبصورت نیا ناول
کون خوابوں کے پار رہتا ہے
ہر ماہ باقاعدگی سے کتاب گھر پر پیش کیا جا رہا ہے
نئی اقساط پڑھنے کیلئے وزٹ کریں
kitaabghar.com

سعدیہ عابد کا بہت خوبصورت نیا ناول
محبت ہمکلام ہے
ہر ماہ باقاعدگی سے کتاب گھر پر پیش کیا جا رہا ہے
نئی اقساط پڑھنے کیلئے وزٹ کریں
kitaabghar.com

قسط نمبر 8

کملا نے ان کے آنے کی اور شادی کی ڈیٹ فکس ہونے کی خوشی میں صرف ٹنڈے نہیں بنائے تھے بلکہ نا جانے کیا کیا نون ویج بنایا تھا۔

رخسار اور عافی نے ان کے نام بھی نہ سنے تھے۔

سویا بین، گھاٹھیے کی سبزی اور قسم قسم کے مشروم سے بنے کھانے ......نون ویج میں ایسی ورائٹی؟

"آنٹی! آپ کو تو ریسٹورنٹ کھولنا چاہیے۔"

"بس عافی بیٹا۔ کتنا دوڑ واتا ہے۔ اب اس ایجنسی کے پیچھے بھاگتے ہی رہتے ہیں۔"

"کیوں، مزا نہیں آ رہا کیا؟"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ بہت برکت ہوتی ہے میں نے بھی سوچا بھی نہ تھا۔"

کملا اور عافی باتیں کر رہے تھے کہ رخسار نے دیپک کا پوچھ لیا۔ وہ صرف نام سنتی آئی تھی کبھی ملی نہیں تھی دیپک سے۔

خیر دیپک سے تو عافی بھی کبھی نہیں ملا تھا اس لیے اس سے ملنے کی خواہش سی جاگ اٹھی۔

"پاپا بہت دن سے نہیں آئے انکل۔" کمل نے معصومیت سے کہا تو عافی نے سوالیہ نگاہوں سے وچن کی جانب دیکھا۔

"وہ تمہاری طرح ہیں عافی۔ پکے بنیے کی خاندان کے بنیے۔ دکان کی برانچ کھول رہے ہیں اسلام آباد میں۔"

"ہوں۔ اس لیے صبح اتنی بن سنور کر آئی تھی۔" رخسار نے اسے چھیڑا۔

وچن مسکرادی۔عافی نے دل سے اسے خوش رہنے کی دعا دی۔

کافی دیر تک وہ ان کے ساتھ بیٹھے رہے۔کملا انہیں اپنے زمانے کے قصے سناتی رہی۔کمل بھی عافی سے اپنی ویڈیوز کی باتیں کر کر کے اس کی ہی گود میں سو گیا تھا۔وچن نے دیکھا تو اسے اٹھانا چاہا لیکن عافی نے روک لیا۔کہا میں خود اسے اس کے روم میں سلا کر آتا ہوں۔

''اچھا چلو۔'' وچن اسے اپنے ساتھ لے آئی۔

''بہت کیوٹ ہے۔''

''اپنے پاپا پر گیا ہے۔دیپک کی چھوئی ہے بالکل۔'' وچن نے اسے سلایا۔

عافی اور رخسار اب جانے کو تیار تھے۔وچی نے بھی نہ روکا۔وہ انہیں ایک ساتھ وقت گزاری کے لیے لائی تھی اور اتنا وقت یہاں گزر گیا تھا۔

''عافی! ابھی رات باقی ہے۔بس اسلام آباد پہنچتے ہی گھر مت چھوڑنا اسے۔کہیں آئس کریم وغیرہ کھلانے لے جانا۔''

''اور کچھ۔''

''ہاں اور باتیں شاتیں کرتے رہنا۔ایسا نہ ہو انگلیوں پر حساب کتاب کرتے رہو۔''

''کیا میں...... میں ایسا نہیں کرتا وچن۔''

''میں نے خود تمہیں کئی بار انگلیوں پر حساب کتاب کرتے دیکھا ہے؟''

''وچن! اتنا بڑا بزنس اور اتنے بڑے حساب کتاب انگلیوں پر کون کر سکتا ہے۔میں تو بس ہاتھ کی تسبیح سمجھ کر جب وقت ملے اپنے پیارے اللہ پاک کو یاد کرتا ہوں۔یہ دیکھو ایسے۔''

''یا اللہ...... یا اللہ۔'' اس نے انگلیوں پر گن کے بتایا۔

''کیا ہو گیا...... کہاں کھو گئی۔کہیں تم بھی یہ تو نہیں سوچ رہی کہ رب نے مجھے بے پناہ نوازہ ہے اور میں گن گن کر اسے یاد کرتا ہوں۔تو میں بتا دوں ہاں میں گن گن کر انہیں یاد کرتا ہوں کیونکہ وہ میرا رب ہے اور میں بس اس کا بندہ۔میرا ان سے کیا مقابلہ۔''

عافی کہتا جا رہا تھا۔ وچن کا دماغ کسی اور سمت چلنے لگا تھا۔

اسے عزت بی بی یاد آئی تھی۔

''دل یہ ہاتھوں پر تسبیح پڑھنا چھوڑو۔ مجھے بتاؤ یہ کیا ہوا ہے؟''

ہے بھگوان! وہ ایسا کیسے کر سکتی ہے۔ عافی اور رخسار ابھی کملا سے رخصت لے رہے تھے کہ وہ اندر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

عزت بی بی سے کی ہوئی ساری باتیں جیسے جھماکے سے اس کے ذہن میں چلنے لگی۔ سب باتوں کا مطلب سمجھ آنے لگا۔ اسے کیوں سکینہ کے بہروپ دینے کے لیے چنا گیا۔

نہیں۔نہیں۔ایسا نہیں ہو سکتا۔

کوئی اتفاق بھی تو ہو سکتا ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہاتھوں پر تسبیح پڑھتے ہوں گے۔

کیا تم نے عافی اور خوش دل کے علاوہ کسی کو دیکھا ہے؟ اس کے دل سے اندر ہی اندر آواز آئی۔

نہیں، اس کا جنم اسی ملک میں ہوا تھا لیکن کبھی اس نے کسی کو ہاتھوں پر تسبیح پڑھتے نہیں دیکھا تھا۔

''نہیں تو......لیکن یہ اتفاق ہی ہوگا۔ میں اتنا بڑا پاپ نہیں کر سکتی۔

''تم نے کچھ نہیں کیا وچن۔ کیا تم اب بھی نہیں سمجھی۔ تمہیں جان بوجھ کر چنا گیا تھا۔''

''لیکن کیوں؟ صرف اس لیے کہ عافی اور میں دوست ہوں۔ اور عافی کے پاس جانے کا راستہ بھی میں ہی تھی۔''

''اور رخسار؟ نہیں......اف کون کون ملا ہوا ہو سکتا ہے۔'' اس کا سر چکرانے لگا تھا۔

عزت نے سچ کہا تھا وہ ایک سیدھی سادی اخلاقیات کی پاس دار لڑکی تھی۔ جس دن الٹا سوچے گی اس دن سب سمجھ جائے گی اور سچ میں وہ سب سمجھ گئی تھی۔ اس سے کچھ نہ چھپ پایا تھا۔ سب شیشے کی طرح صاف تھا۔ وہ سر ہاتھوں میں لے کر بیٹھ گئی تھی۔

''بہو! کیا ہوا ہے۔ اتنی جلدی اس طرح مہمانوں کو چھوڑ کر آ گئی۔ عافی نے مجھے اپنے ساتھ لے جانے کی تو ضد ہی کر لی تھی۔''

"میں آج نہیں گئی لیکن وعدہ کیا ہے اگلے ہفتے سے اس کے یہاں چلی جاؤں گی۔ظاہر ہے اکیلا بچہ ہے۔شادی مرادی میں بڑوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ٹھیک ہے ان کی رسمیں میں زیادہ نہیں جانتی لیکن پوچھ کوچھ کے کرلوں گی۔ٹھیک کہا نا میں نے؟"

وچن نے کچھ کہا نہیں۔اس میں ماں جی کا سامنا کرنے کی ہمت نہ تھی۔

"سوگئی کیا؟ اچھا چل تو سو جا میں بھی سونے جاتی ہوں۔" اس نے بتی بند کرتے ہوئے کہا۔

وچن کی آنکھوں کے کنارے بھیگے تھے۔

تم نے ایسا کیوں کیا بندگی۔کیوں عافی سے جھوٹ بولنے کے لیے مجھے چنا؟ کیوں تمہیں اس کی محبت نظر نہیں آئی؟ کیسے اتنا بڑا کھیل کھیل لیا؟ کیسے؟

میں اب چپ نہیں بیٹھوں گی بندگی۔میں آؤں گی۔تم سے سارے سوالوں کا جواب لوں گی۔ پوچھوں گی کیوں کیا عافی کے ساتھ یہ سب چھ۔میں اب چپ نہیں بیٹھوں گی۔

☆......☆......☆

صبح ابھی سویرے سے دور تھی۔رات ابھی جاری تھی۔ہر سو اندھیرا پھیلا تھا۔وہ گھر سے نکلی تھی۔عافی کا ڈراؤیر رات میں ہی اس کی گاڑی اس کے گھر کے باہر چھوڑ گیا تھا اور چابی چوکیدار کے حوالے کر دی تھی۔

"بہت شکریہ۔"

"بیجہ صاحب چل دی کیا سویرے سویرے؟"

"نہیں۔پر دعا مانگنا کہ اب کے وہاں جاؤں تو ہر قسم کے بوجھ سے تر جاؤں۔"

چوکیدار اس کی بات نہ سمجھا بس ہاں کہہ دی۔

"پہلی اذان ہوئی ہے کیا؟"

"بس ہونے والی ہے۔پر آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

"کسی نمازی کو نماز پڑھتے دیکھنا ہے۔"

"کیا" چوکیدار اسے کہاں سمجھ سکتا تھا۔وہ اس برادری کی سب سے سمجھدار عورت سمجھی جاتی تھی۔

''گھروں کے لاک کھولنا جانتے ہو ترلوک سنگ جی؟''

''ہاں جی۔ پر میں چور نہیں ہوں۔''

چور تو میں بھی نہیں ترلوک جی۔ بس چوری پکڑنی ہے۔''

''او! اچھا جی چنگا۔ وچن بہن جی۔ ابھی آیا، ذرا ڈیوٹی پر کسی کو چھوڑ آؤں۔'' وہ سفید پگڑی سنبھالتے یوں گیا اور یوں آیا۔

ترلوک کچھ دیر بعد آیا۔ وچن پنڈی کے مانوس سے راستوں پر گاڑی چلا رہی تھی لیکن یہاں ان کی برادری کا کوئی سجن نہ رہتا تھا۔ پتا نہیں وہ کیوں اس ویلے ادھر آئی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا اور سوچتا ہی رہا تھا کہ ایک گھر کے باہر آ کر وچن رک گئی۔

''اس گھر کا مین گیٹ کھولنا ہے۔''

''لیکن یہ ہمارے محلے نہیں ہیں وچن بہن جی۔''

''تم پیسے لے لو جتنے کہو گے اتنے دوں گی۔ بس نہ مت کہنا سردار جی۔''

''چل بہن۔ تو کہتی ہے تو چل پڑتا ہوں۔ لیکن آج تک کسی ایسے در پر ہاتھ نہیں رکھا۔''

''آپ کو کوئی مسئلہ نہ ہوگا۔ آپ بس وچن کا وچن سمجھ لیں۔''

وہ مان گیا تھا۔

سردار اپنا کام کر رہا تھا اور وچن اس اندھیرے میں جلتے بلب کو دیکھ رہی تھی۔ اسے وہ دن یاد آیا جب وہ اس بلب کو لگوا رہی تھی۔ اف او...... وہ کیوں سمجھ نہ پائی۔''

کچھ ہی دیر میں دروازہ کھل گیا تھا وہ دبے پاؤں اندر آئی اور سردار جی کو جانے کے لیے کہا۔

فجر کا وقت داخل ہو چکا تھا۔ ابھی سورج نہ نکلا تھا۔

وہ نماز ادا کر رہی تھی...... رو رہی تھی۔

رب کی بندی...... بندگی سجدے میں گری تھی۔

وچن چھپ گئی تھی۔ چاہتی تو ابھی ہی سامنے آ جاتی۔ لیکن اس نے اخلاقیات پڑھی تھی کسی کی

عبادت میں خلل کیسے ڈالتی۔ وہ بس خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔ وہ بندگی تھی جس کا سن کر وہ اتنا بدل گئی تھی۔ کاش وہ اسے پہچان جاتی۔ وہ وہی تھی وہی بندگی...... سکارف میں لپٹا ہوا اس کا خوب صورت چہرہ۔ ندامت میں اپنے رب کے سامنے جھکی اس کی آنسوؤں سے بھری آنکھیں...... سجدے میں جھکا سر......

جب اس نے نماز ادا کر لی وچن نے اسے اس کے اصل نام سے پکارا۔ ''بندگی۔''

''جی۔'' وہ گھبرا گئی تھی۔

''خوش دل...... بندگی...... بندگی...... خوش دل۔''

وچن نے اندھیرے سے نمودار ہوتے ہوئے کہا تھا۔

''تم اس وقت...... تم اندر کیسے آئی؟''

''ذرا سی چالاکی خوش دل سے سیکھ کر...... ذرا سی چالاکی بندگی سے سیکھ کر اندر آ گئی۔''

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟''

''ابھی میں نے کہاں کچھ کہا ہے۔ ابھی تو میں کہنا چاہتی ہوں۔ آٹھ آٹھ بوائے فرینڈ رکھنے والی لڑکی، چالاک ولالچی لڑکی، مکار سی دھوکے باز سی لڑکی خوشدل۔ اور وہی خوش دل گھر سے باہر راہ گیروں کی رہنمائی کا جذبہ رکھتی ہے۔ گھر کے باہر ہر صورت بلب چمکاتی ہے تاکہ راہ گیر اندھیرے میں گر نہ پڑے۔ سردیوں میں غریبوں کو شالیں دیتی ہے، بریانیاں بانٹتی ہے اور اتنا ہی نہیں خوشدل مکار لڑکی گھر کا کوڑا اچھان چھان کر پھینکتی ہے تاکہ غریب لوگ بنا کسی پریشانیوں کے آلو اور دیگر سبزیوں کے چھلکوں کو استعمال میں لا سکے۔ خوشدل کبھی کسی سنیکس کو کھولنے کے لیے بائٹ نہیں لگاتی۔ پیکٹ کو ٹھیک ٹھیک کھولتی ہے کیونکہ صرف خوشدل ہی ایسا سوچ سکتی ہے کہ ریپرری سائیکل ہو جاتے ہیں اور بائٹ آف ریپر ماحول کی آلودگی میں اضافہ کرتے ہیں۔ بائٹ آف ریپر کبھی ری سائیکل نہیں ہوتے نا۔''

''کیا کہہ رہی ہو اس وقت۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟''

''میں بس اتنا کہہ رہی ہوں کہ آٹھ آٹھ بوائے فرینڈ رکھنے والی خوشدل کیوں عزت بی بی کے

پارلر میں سارا سارا دن مصروف رہتی ہے۔ اگر تمہارے آٹھ آٹھ بوائے فرینڈ کسی کام کے نہیں ہیں تو ہیں ہی کیوں؟ یا پھر ہیں ہی نہیں۔ ان کا وجود تو صرف خوشدل کی باتوں میں ہے۔ کیونکہ ہم نے جب دیکھا خوشدل کو تنہا دیکھا اور اتنی جراٗت مندی کے سیلاب زدگان کی مدد بھی کرے اور وہی مکار خوشدل کہے کہ وہ خوشدل ہے بندگی نہیں۔''

بندگی کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ کچھ لمحے تو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا اسے۔

''ویسے کیا کھیل کھیلا میرے ساتھ۔ عافی کے ساتھ تم نے......''

''میں نے کوئی کھیل نہیں کھیلا۔''

''جانتی ہوں تمہیں۔ سب جان گئی ہوں۔''

''عزت بی بی..... عزت بی بی کا دھندہ تھا امیر لڑکیوں کو زیادہ نمبروں کا لالچ دے کر پیسے وصول کرنا۔ تم عافی کے سارے اتے پتے رکھتی تھی۔ تم نے دیکھا عافی مجھ سے بات چیت کر لیتا ہے لیکن بس بات چیت ہی۔ پھر تم نے پتا کروایا ہوگا ہم پہاڑی پر ملتے ہیں۔ تمہیں لگنے لگا ہوگا کہ وہ مجھ پر یقین کرتا ہے لیکن میں اسے ٹھیک سے جانتی نہ تھی۔ مجھے لگتا تھا وہ کوئی درزیوں کا ملازم ہے۔''

''تم سکینہ کے پیپروں کے لیے کسی کو بھی چن سکتی تھی۔ لالچ کی وجہ سے کوئی بھی سکینہ کے پیپر دے دیتا لیکن تم نے مجھے چنا، کیونکہ تم جانتی تھی کہ میں ہی بندگی کا پیغام عافی تک پہنچا سکتی ہوں۔

مجھے پیپر کی مصیبت میں ڈالا گیا تاکہ عافی کی توجہ میری طرف بڑھ جائے۔ اس نے میرا اور میرے خاندان کا پتا کروایا۔ میری مدد کی تم جانتی تھی وہ میری مدد کرے گا۔ تم نے ہی مجھے بتایا تھا وہ انڈسٹریل ہے۔

ہم پر ایک دوسرے کے سچ کھولے، دوستی گہری ہوتی گئی۔ اور جب تمہیں لگا کہ اب ہم گہرے دوست ہیں تو تم نے بندگی وہ خط لکھ کر مجھے دیا تاکہ میں عافی کو دوں۔''

''خوش دل! جانتی بھی ہو وہ کتنا تڑپتا ہے تمہارے لیے۔ کتنی محبت کرتا ہے تم سے۔ اور تم ہو کہ..... کیا کہوں میں تمہیں بدنصیب یا ناسمجھ۔ ارے ایسی محبت کو تو جنموں جنموں انسان ترستا ہے اور تم

نے ایسے انسان سے اتنے جھولے کہ وہ......"

"میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ عافی کی وجہ سے کہاں کہاں نہ بھاگتی پھری ہوں۔ جہاں بھی جاتی اس کے آدمی مجھ تک پہنچنے لگتے اور میں پھر سے بے گھر، بے چھت ہو جاتی۔"

"کیوں...... بندگی کیوں بھاگتی رہی ہو؟"

"یہ تم پوچھ رہی ہو۔ مجھے عافی کے نام تک سے نفرت ہے۔ جینے نہیں دے رہا تھا، کام کرنے نہیں دے رہا تھا۔"

"وہ صرف محبت کر رہا تھا۔ تمہیں ڈھونڈ رہا ہے بندگی۔ وہ جی اس لیے رہا تھا کہ تم جی رہی ہو۔"

"وہ اپنی گلٹ کے ہاتھوں مجبور ہے اور کچھ نہیں۔"

"تم ایسا کہہ رہی ہو کیونکہ تم ماضی کے دریچے سے عافی کو دیکھتی ہو لیکن بندگی آج کے عافی سے ایک بار تو مل لو۔ وہ تمہاری دنیا بدل دے گا۔"

بندگی طنزیہ مسکرائی تھی۔

"اپنی دنیا سے نکالنے والے دنیا بدلتے ہیں لیکن جہنم بنا کر۔" اس کی آواز میں جیسے صدیوں کا دکھ اتر آیا تھا۔ وہ چن کا غصہ اس کی آواز سن کر اپنی موت مر گیا تھا۔ اسے بندگی کے دکھ یاد آئے۔

عافی کی بے وفائی، اس کی ہی بہن سے شادی، اس کی اجڑی ہوئی کوکھ، امانت سے شادی، امانت کا اس ک ساتھ رویہ، وہ بھیانک زلزلہ، اپنے اپنوں کی لاشیں۔ دکھ بہت بڑا دکھ تھا بہت بڑا۔

وہ سوچتی تھی جب وہ بندگی سے ملے گی تو اپنی آنکھوں سے دیکھی عافی کی محبت کا لفظ لفظ اسے بتائے گی لیکن اب جب اسے اس نے آنکھیں بھوگتے دیکھا تھا اس کے غم میں رو دی تھی۔

"عافی کو معاف کر دو بندگی۔"

"بندگی کب سے مر چکی ہے وچن۔ میں خوش دل ہوں۔"

"تم خوش دل نہیں ہو۔ تم نے خوش دل کا بہروپ اپنایا ہے۔ بہروپ بہروپ ہوتا ہے بندگی حقیقت نہیں۔"

''جب حقیقت اتنی خوفناک ہوتو...... جب اپنے وجود سے گھن آتی ہوتو...... جب خود سے نفرت ہوتی ہوتو...... بہروپ ہی بھلا ہوتا ہے۔ کچھ شناختیں دردسی ہوتی ہیں۔ کچھ حقیقتیں تلخ سی ہوتی ہیں۔ ان سے دور رہنا ہی بہتر ہوتا ہے۔''

''میں جانتی ہوں تم نے بہت کچھ سہا ہے۔''

وہ اس کی بات پر طنزیہ مسکرائی تھی۔

''تم نہیں جان سکتی وچن۔ تم نہیں جان سکتی۔''

''کبھی کوئی سوچ بھی سکتا ہے گھر کے سب سے کمزور شخص پر گھر کے سب لوگوں کی لاشیں لاد دی جائیں اور پوچھا جائے کہاں دفنائیں گی انہیں۔''

بندگی نے پھر سے خود کو زلزلے کی تباہی میں تباہ و برباد دیکھا تھا۔ وہ امانت کو دفنا آئی تھی۔ اب امدادی سرگرمیوں میں ملوث انجان لوگوں کی مدد سے اپنے داد، دادی اور دوسرے لوگوں کو دفنا رہی تھی۔

''یہاں بھی کچھ عافی جیسے خود غرض لوگ تھے۔ خواتین کی لاشوں سے زیور چرانے والے لیکن کچھ عزت بی بی کی طرح اچھے بھی تھے۔ کسی نے چاچی، دادی کو پہنے ہوئے زیور مجھے اتار کر دیئے۔ میں نے ان کی تدفین کی۔ کچھ زیور میرے پاس تھے۔

بے سہارا لڑکیوں کو درگاہوں میں پناہ دی گئی تھی۔ کافی دن تک ہم وہیں رہیں اور وہاں مجھے عزت بی بی کا پتا چلا۔ میں ان کے پاس زیور بیچنے کے لیے آئی تھی اور انہوں نے مجھے کام پر رکھ لیا۔ بس تب سے اب تک انہوں نے ہی سرپرستی کی۔ مجھے ہنر سکھایا، نیا نام دیا اور تب سے میں یہاں ہوں۔''

''بندگی! وہ غیر قانونی کاموں کے لیے مشہور ہیں۔''

''تم نے اخلاقیات صرف پڑھی ہے وچن۔ کسی ثبوتوں کے بنا الزام نہیں لگایا کرتے۔''

''میں خود ہی ثبوت ہوں۔''

''ثبوت وہ ہوتے ہیں جو بولتے ہیں ورنہ جرم تو دروازے بھی دیکھتے ہیں۔''

''بندگی! میں نے جب سے تمہارے متعلق سنا ہے زندگی کو جینے کے محبت کرنے کے، وفا کرنے

کے مطلب کو سمجھی ہوں اور اب جب تم سے ملی ہوں تو تمہیں عزت کے گن گاتے سن رہی ہوں۔ میں تمہارا اسن کر تم سی ہونے لگی اور تم عزت کے ساتھ رہ کر خود کو ایسے بھول گئی ہو کہ نہ صرف اس کا نام اپنایا بلکہ اس کے ہر کام میں......"

"تم مجھ سے دور رہو وچن اور بندگی جیسی کبھی مت بننا۔ تمہیں پتا ہے سب سے بڑی گالی کون سی ہوتی ہے؟"

وچن نے سنی سنائی کچھ گالیاں ذہن میں دہرائیں اور پھر کہا۔ "نہیں۔"

"معصومیت دنیا کی سب سے بڑی گالی ہے۔ کبھی معصوم مت بننا۔ اگر ہو بھی تو معصومیت کا ذکر مت کرنا۔ بے شک خود کو شیطان کہہ دو، خود کو شیطان کہلوا دو لیکن اگر کوئی تمہیں معصوم کہے تو دو ہاتھ لگا کے دینا اور چیخ چیخ کر سب کو بتانا کہ تم معصوم نہیں ہو۔"

اس نے جلتے بھنتے انداز میں کہا اور کہیں چلی گئی۔

وہ چلی گئی تو وچن بھی اس کے گھر سے نکل آئی۔ خوش دل کے پرندے حیرانی سے دونوں کو جاتے دیکھتے رہے تھے۔

☆......☆......☆

وچن اس کے گھر سے تو نکل آئی او اب سوچتی تھی کہاں جائے۔

عزت بی بی سے لڑنے جائے کہ اس نے ایک معصوم صنف لڑکی کو کیا سے کیا بنا دیا ہے یا پھر شکریہ ادا کرنے جائے کہ اس نے معصوم لڑکی کو عقل دے کر تنہا جینا سکھا دیا۔

یا پھر عافی کے پاس جائے اور اسے بتائے کہ خوش دل ہی اس کی بندگی ہے اور وہ خط ایک دھوکا ہے۔

لیکن عافی شادی کر رہا ہے......اور رخسار......اس کی فیملی۔

خوش دل نے یہ کیسا پاپ کروا لیا اس سے۔ سچائی کب چھپتی ہے۔ بندگی آزاد پھر رہی تھی اور یہ بات ایک نہ ایک دن تو عافی کو پتا چلے گی۔ وہ کیا سوچے گا اور وچن کیسے اس کو سچائی بتائے گی۔

اتنا بڑا کھیل رچایا گیا تھا۔ اسے تو یقین نہ آتا تھا، سمجھ نہ آتی تھی۔

رخسار...... نجانے کیسے کیسے خیال اسے رخسار کے حوالے سے آ رہے تھے۔ اسے وہم ہونے لگتا کہ عافی اور رخسار اچھی زندگی جی رہے ہیں اور بندگی آ جاتی ہے اور پھر سب ختم۔ وہ وچن سے پوچھتی ہے۔ اسے دوشی مانتی ہے۔ بندگی کیسے آ گئی۔

اُف...... کیا کرے، کیسے کرے۔ وچن کا دماغ ماؤف ہونے لگا تھا۔ نہیں وہ چپ نہیں بیٹھے گی۔ لیکن شور مچا کے بھی حاصل کیا ہوگا۔ بندگی نے صاف صاف کہا تھا وہ عافی سے نفرت کرتی ہے۔ وہ کبھی عافی کو معاف نہیں کرے گی اور اس طرح عافی کی زندگی برباد ہو جائے گی۔

لیکن عافی کی محبت کو بندگی کی محبت درکار ہے کیا۔ وہ بے لوث محبت کرتا ہے اس سے بے لوث محبت میں نفرت کیسی اور محبت کیسی۔ اور پھر بندگی کو عزت سے بھی تو آزاد کروانا ہوگا۔

وچن کو لگتا نہیں تھا بندگی عزت کے اشارے پر یہ سب کر رہی ہے۔ نا جانے کیوں اسے یقین نہ آ رہا تھا۔ سب کے متعلق سوچنے والی لڑکی یوں سازشوں کے جال بچھائے گی اور اس نے دیکھا تو تھا وہ نماز پڑھتے وقت کیسے رو رہی تھی۔

کیا وہ مجبور تھی۔ کیا اسے بھی عافی سے محبت تھی۔ محبتیں دلوں سے رخصت نہیں لے سکتیں۔ اس نے اتنا سوچ کر عافی کا نمبر ملایا تھا۔

عافی میٹنگ میں مصروف تھا۔ فون رخسار نے اٹھایا تھا۔

''کیا ہوا وچن؟''

''رخسار...... رخسار! مجھے عافی سے بات کرنی ہے۔ بہت ضروری بات ہے۔''

''کیا بات ہے وچن؟''

وچن خاموش ہو گئی تھی۔

''بتاؤ نا وچن! کیا بات ہے؟''

''رخسار! تم اس دن بندگی کا پوچھ رہی تھی؟''

''کیا وہ آپ سے ملی ہیں۔ وہ ایک سمجھدار اور شاطر فطرت لڑکی تھی۔''

''ہاں......ہاں رخسار۔میں اس سے مل کر آ رہی ہوں۔''

''وچن!پر وہ تو......''

''وہ سب ایک غلط فہمی تھی۔وہ عزت بی بی کے پاس ہے۔اس کے اشاروں پر کام کرتی ہے اور عزت بی بی غیر قانونی کاموں میں ملوث ہے۔''

''لیکن وہ تو پارلر چلاتی ہیں۔عزت پارلر کی بہت سی برانچز ہیں۔''

اب وہ اسے کیا بتاتی کہ اس نے عزت کی وجہ سے کون سا جرم کیا تھا۔

''مجھے عافی سے بات کرنی ہے رخسار۔''

''نہیں۔آپ پہلے مجھ سے ملیں میں آ رہی ہوں پنڈی۔میرے آنے تک آپ عافی کو کچھ نہیں بتائیں گی۔ٹھیک ہے نا؟''

''ہاں۔تم جلدی آؤ۔''

جب کچھ خود کو سمجھ نہ آئے تو دوستوں سے مشورہ بھی بھلا ہوتا ہے لیکن وہ بھول گئی تھی ابھی تو بندگی نے اسے بتایا تھا کہ دنیا کی سب بڑی گاڑی معصومیت ہے اور وچن سے زیادہ معصوم اور کون تھا؟

☆......☆......☆

وہ رخسار کے آنے تک خاموش بیٹھی تھی۔فرائیڈ سنیکس ایجنسی میں روزمرہ کے کام جاری تھے۔عورتوں کی بہت بڑی تعداد یہاں کام کرتی تھی۔وہ رخسار کا انتظار کرتی رہی تھی۔

اسے یاد آ رہا تھا کیسے عافی بے دھیانی میں خوش دل کے ذکر پر اکتا جاتا تھا اور چاہتا تھا وچن جیسی اچھی لڑکی کبھی خوش دل جیسی لڑکی سے نہ ملے۔اور جب اسے پتا چلے گا کہ خوش دل ہی بندگی ہے تو کیا ہوگا؟ وہ کہتی تھی اسے اس نے خوش دل جیسی خوب صورت لڑکی آج تک نہیں دیکھی۔وہ بھی تو کہتا تھا کہ بندگی قدرتی حسن سے مالا مال تھی۔

کاش لفظوں کی بھی آنکھیں ہوتیں۔کاش باتیں بھی بصارت رکھتیں۔جب جب عافی بندگی کی بات کرتا وچن خوش دل کو اس کی باتوں سے دیکھ لیتی اور جب وچن خوش دل کی بات کرتی تو عافی بندگی کو

دیکھ لیتا۔اسے آج بندگی یک ساری ملاقاتیں اور ساری باتیں یاد آ رہی تھیں۔ وہ عبایا والی لڑکی۔

ہاں! اسے یاد ہے۔اسے تو عافی نے ہی بتایا تھا کہ عبایا والی لڑکی کا نام خوش دل ہے۔ اگر عافی نام پتا کروا سکتا ہے تو کیسے اسے پتا نہیں چلا کہ وہ ہی بندگی ہے۔سوچ کے کئی پہلو تھے لیکن ذہن میں ٹھہری بس ایک بات تھی کہ خوش دل بندگی تھی...... مگر یہ رخسار کہاں رہ گئی۔

وہ اس کی راہ تکتی رہی تھی۔

☆......☆......☆

''ابھی آ رہی ہوں۔بس نکل رہی ہوں۔پہنچنے والی ہوں، ہاں بس راستے میں ہے۔تم عافی کو کچھ مت بتانا۔''

رخسار بڑی مشکل میں آ پھنسی تھی۔ کیسے بھی کر کے دن ٹال رہی تھی۔اب دن ہی کتنے بچے تھے۔بس کچھ دن اور پھر عافی بس اس کا ہی تھا لیکن وچن؟

وچن مزید چار دن تک انتظار کرتی رہی اور وہ آ رہی ہوں، آ رہی ہوں کہتی رہتی۔ پر آئی نہیں۔ اوپر سے قسمیں دیتی رہی کہ عافی کو وہ دونوں سوچ سمجھ کر یہ بات بتائیں گی۔

اب بہت ہو گیا وچن اسلام آباد آئی تھی۔ آفس آئی تو معلوم پڑا رخسار گھر میں ہے۔گھر آئی تو پتا چلا وہ شاپنگ کرنے گئی ہے۔

وچن اپنا کام کاج چھوڑ کر اس کے آنے کا انتظار کرنے لگی۔شام تک انتظار کرنے کے بعد وہ آئی تو آتے ہی وچن کے پیروں پر گر گئی۔

''تم عافی کو کچھ نہیں بتاؤ گی وچن۔''

''رخسار! یہ کیسے ممکن ہے؟''

''تم نے اگر ایک لمحے کے لیے بھی مجھے اپنا دوست مانا ہو گا تو تم نہیں چاہو گی میری زندگی برباد ہو۔اگر عافی مجھے نہ ملا تو میں خودکشی کر لوں گی۔''

''رخسار! تم یہ کیسی باتیں کہہ رہی ہو؟''

''میری شادی ہونے والی ہے وچن۔سب مہمان آچکے ہیں۔سب تیاریاں مکمل ہیں۔چلو میں تمہیں اپنی شادی کا جوڑا دکھاؤں۔'' وہ وچن کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنے کمرے میں لائی اور الماریاں کھول کر شادی کی شاپنگ اس کے سامنے رکھتی گئی۔ اتنے سارے کپڑے، جوتے، زیور، شاپنگ بیگز ہی شاپنگ بیگز۔الماریوں سے نکالتی فرش پر پھینکتی گئی اور جب تھک گئی تو ایک کونا پکڑ لیا۔گھٹنے شانوں سے چپکا کر بچوں کی مانند رونے بیٹھ گئی۔وچن تڑپ کر اس کراس کے پاس آئی۔

وچن I dont want ro loss him... help me بس تم میری مدد کر سکتی ہو۔'' وہ بے انتہا رو رہی تھی۔آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں سی رواں تھیں۔

''اپنے آپ کو سنبھالو رخسار۔''

''کیسے سنبھالوں؟ وچن تم بتاؤ کیسے سنبھالوں۔سچ کہوں تو کبھی یہ نہ سوچا تھا کہ انہیں پا لوں گی اور جب اب پانے لگی ہوں تو آپ وچن؟ آپ کی وجہ سے ہی وہ میری زندگی میں آئے اور اب آپ چاہتی ہیں کہ آپ کی وجہ سے وہ میری زندگی سے چلے بھی جائیں۔''

''نہیں۔نہیں میں ایسا نہیں چاہتی۔''

''تو کیوں سب بتانا چاہتی ہو انہیں۔''

''وہ بندگی ہے۔وہ خوش دل......''

''کون بندگی......کون خوش دل؟ مجھے کچھ نہیں پتا آپ سمجھیں نا، آپ سمجھ کیوں نہیں رہیں۔''

''میں سمجھ سکتی ہوں رخسار...... میں سمجھ رہی ہوں۔''

''وچن! میں بہت خوش ہوں اس شادی سے۔مت مجھ سے میری خوشی چھینئے۔اس قصے کو ختم کر دیں۔بس میری اور عافی کی شادی ہونے دیں پھر آپ جیسا کہو گی میں ویسا کروں گی۔آپ بندگی کی مدد کرنا چاہتی ہیں، انہیں عزت بی بی کے چنگل سے چھڑوانا چاہتی ہیں میں آپ کا ساتھ دوں گی۔بس کچھ دنوں کی بات ہے۔دو دن بعد اس ہفتے جمعہ ہے اور اگلے جمعے ہمارا نکاح ہے۔بس اتنی سی گزارش کر رہی ہوں۔'' رخسار نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ لیے۔

وچن نے اس کے ہاتھ کھولے تھے۔اسے سمجھ نہیں آرہا تھا وہ کیا کرے؟اس نے اسے دعا دی او روہاں سے چلی آئی۔

وچن کے گھر کے باہر ہی عافی کھڑا تھا۔وہ اسے دیکھ کر ٹھٹک سی گئی تھی۔

''تم یہاں؟''

''رشتہ کروایا ہے تم نے میرا یہاں۔بے وجہ بھی آسکتا ہوں۔''

''رخسار تمہارے ساتھ تھی؟''

''ہاں!ہم ساتھ شاپنگ پر گئے تھے۔پھر میں چائے پینے بیٹھ گیا تو پتا چلا کہ تم یہاں ہو تو تمہارا انتظار کرنے لگا۔''

''کیوں میرا انتظار کر رہے تھے۔''وچن عجی سی کیفیت میں نظر آرہی تھی۔

''وچن!تم ٹھیک تو ہونا؟''

''ہاں ٹھیک ہوں۔''وہ اس سے نظریں چرا رہی تھی۔نا جانے کیوں۔عافی نے نوٹ کیا تھا لیکن پوچھا کچھ نہیں۔

''کہاں ہو اتنے دنوں سے؟''

''یہیں ہوں۔''

''دیپک ابھی تک نہیں آیا کیا؟''

''کیوں تم پوچھ رہے ہو؟''

''ویسے پوچھنے کی ضرورت کیا ہے۔تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ وہ نہیں آیا۔''

''ہاں!شکر ہے۔''عافی اتنا ہی سمجھا تھا۔

''فکر مت کرو جلدی آجائے گا۔''

اب وہ کیا کہتی کہ وہ آنے کے لیے جاتا تو آ بھی جاتا جو جانے کے لیے چلے جاتے ہیں۔انہیں تو پھر مقدر ہی واپس لاتا ہے۔جیسے بندگی مقدر سے مل گئی تھی۔

''جن سے بہت محبت ہو نا وہ کہیں نہیں جاتے وچن! ہمیشہ ساتھ رہتے ہیں، پاس رہتے ہیں۔''

''عافی! اگر ایسا ہے تو پھر تم بندگی کو ڈھونڈتے کیوں تھے؟''

''کیونکہ میں ڈرتا تھا اس دنیا سے۔ وہ بہت سادہ اور معصوم ہے۔ سچ کہوں تو میں دنیا کی ہر خوشی اسے دینا چاہتا تھا۔ اس کے آنسوؤں کی ہر ایک بوند سے دگنی مسکراہٹیں اس کے سپرد کرنا چاہتا تھا۔ یہ سب کچھ اس کے لیے ہی تھا ورنہ تنہا کون اتنی مشقت کرتا ہے؟''

وچن کو نماز پڑھتے وقت آنسوؤں سے لدا اس کا چہرہ یاد آیا تھا۔ وہ معصومیت کو گالی سمجھتی تھی۔ جس کا مطلب صاف طور پر یہ تھا کہ اس کی معصومیت کو ایک بار نہیں کئی بار روندا گیا ہوگا، کچلا گیا ہوگا۔ ظاہر ہے ایک اکیلی بے بس سی لڑکی۔ یہ معاشرہ یہاں کے لوگ۔ وچن کا دل اس کی خوار سی گزری زندگی کو سوچ کر تڑپ اٹھا تھا۔ اس کی زندگی کے کچھ غموں سے کچھ پہلوؤں سے اسے عافی نے ملوایا تھا اور کچھ پہلوؤں و کچھ غموں کا اندازہ وہ خود بھی لگا سکتی تھی۔

عای! اس نے دوستی نبھانے کے لیے زبان کھولی تو دوسری دوست کے آنسو یاد آ گئے۔ کیا کرتی چپ رہ گئی۔ اور بس چپ ہی رہی۔ کافی دنوں سے ٹھیک سے سوئی نہ تھی۔ عافی ڈرائیو کر رہا تھا۔ اسے بیٹھے بٹھائے نیند آنے لگی۔

عافی اس کی نیند پر بھی حیران ہوا تھا۔ وہ نیند کے معاملے میں بھی پھرتیلی تھی۔ اسلام آباد سے اس کا گھر آ گیا تھا۔ عافی نے گاڑی روکی تو اسے ادراک ہوا، وہ سارا راستہ سوتے آئی ہے۔ وہ اپنی گاڑی میں اسلام آباد گئی تھی اور اب اسے اپنی گاڑی بھی یاد آنے لگی۔

''میں بھجوادوں گا ڈرائیور کے ساتھ۔''

''ہاں! تم بھجوادو گے۔'' وہ بہت نڈھال سی بجھی بجھی سی لگ رہی تھی۔ عافی کو اندر آنے تک کا نہ کہا۔ اس کے قدم بھی الٹے الٹے گھر کی جانب پڑ رہے تھے۔

عافی سوچ میں پڑ گیا ہی تھا کہ کملا چلی آئی۔ اس نے ان دونوں کو ساتھ میں آتے دیکھا۔ اس نے عافی کو اندر آنے کے لیے کہا لیکن عافی اندر نہ آیا پر کمل سے وعدہ کر کے گیا وہ دو دن بعد

آوٗں گا آپ سب کو لینے۔ آپ سب آئیں گی جس طرح منگنی کے دن آئی تھیں۔ آپ سب کو بتا دیں اور انوائٹ کر دیں۔

''اس کی ضرورت نہیں سب پہلے سے ہی آنے کو تیار ہیں۔ فری اور دوری تو شاپنگ کرتے نہیں تھک رہی ہیں۔''

عافی مسکرایا تھا۔

''میں سب کے لیے کارڈ بھجواتا ہوں اور ان سب سے کہہ دیں اکیلے نہ آئیں۔ گھر والوں کو رشتے داروں اور دوستوں کو بھی لائیں۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔'' کملا بھی بہت خوش تھی۔ خوشی خوشی جانے لگی۔

عافی ان کی خوشی دیکھ کر خوش تھا لیکن وچن کے بدلے بدلے انداز نے اسے سوچ میں ڈال دیا تھا۔

کچھ چہرے اور ہمیشہ مسکراتے چہرے جب یوں اداس ہوں تو جہان اداس سا لگتا ہے۔ آج سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا وہ وچن سے ملا ہو اور ٹینشن لے لی ہو۔ وہ تو جب بھی اس سے ملا اس کی پوزیٹو سوچوں سے اسے پوزیٹو انرجی حاصل ہوئی تھی۔ وہ ہیلنگ پاور رکھتی تھی۔ زخم بھرنے کا ہنر تھا اس میں۔

عافی سوچ بھی نہ سکتا تھا وہ اس وقت کس ذہنی اذیت سے گزر رہی تھی۔ ایک تو دیپک کا رویہ، دوسرا دل پر بندگی سے ملنے کا بوجھ، سوئم عافی سے سچ چھپانے کی کشمکش۔

☆......☆......☆

عزت کے پارلر کی رونقیں عروج پر تھیں۔ دل گم صم سی بیٹھی تھی۔

''ارے تم فکر کیوں کرتی ہو۔ کوئی پاس نہیں آ سکتا تمہارے۔''

''ہاں! جانتی ہوں لیکن مجھے کہیں اور بھجوا دیں۔''

''بھجوا تو دوں تمہیں لیکن خود اپنے حال کا کیا کروں۔ تم بن دل نہیں لگتا دل۔ بڑی مشکلوں سے تمہیں بلوچستان سے یہاں لائی ہوں۔ اور اب تمہارے سارے مسئلے ختم ہونے کو ہیں۔ سنا ہے اس عافی کی شادی بھی ہو رہی ہے۔ دیکھا کیسا پلین بنایا تھا۔ اب ایک بار اس کی شادی ہو گئی تو وہ تمہیں

ڈھونڈنے کا خیال اپنے دل سے نکال لے گا اور تم بے فکر ہو جاؤں گی۔"

"بے فکر۔" دل نے لمبی سانس لے کر تاسفاً کہا تھا۔

"کچھ باتیں مان لیا کرو دل۔ تم کبھی نہیں مانتی۔"

"نہیں اب ایسا بھی نہیں ہے۔ آپ کی ہر بات مان لیتی ہوں۔ آپ کے سوا میرا ہے ہی کون۔ بس یہ نہ کہیں کہ چپ کر بیٹھ جائیے اور اس عافی کی حمایت تو بالکل مت کرنا آپ۔"

"انسان بدل بھی جاتے ہیں اور میں نے پکی رپورٹیں نکالی ہیں۔ وہ انسان سے فرشتہ بنتا جاتا ہے دیوانہ وار تمہیں ڈھونڈتا رہا ہے۔ بس تم ہی فرار اختیار کر لیتی ہو۔ جب جب وہ تم تک آنے لگتا ہے گمراہ کیا جاتا ہے۔ عافی کے کتنے آدمیوں کو تم خریدتی ہو۔ جھوٹی رپورٹیں بنواتی رہی کہ تم اب اس دنیا میں نہیں ہو اور اب اس کی شادی ہو رہی ہے۔"

"ہاں تو یہ کام تو آپ کرتی تھی۔ اس لڑکی وچن تک رسائی حاصل کرنا، اسے خود پر اعتماد کروانے اور پھر اس خط تک کے سب منصوبے آپ کے ہی تھے۔"

"تو سب کچھ پرفیکٹ ہوا نا۔ مانتی ہو نا مجھے؟"

"کہاں سب ٹھیک ہوا عزت باجی۔ کہاں ٹھیک ہوا۔ وچن نے ہماری وجہ سے اپنی تعلیمی سرگرمیاں ترک کر دیں۔ وہ ایک ذہین لڑکی ہے۔ اتنی ذہین کہ اپنے پرفیکٹ پلین کے باوجود وہ سب سچ جان گئی ہے اور مجھے ہر ایک پل کھٹکا سا لگا رہتا ہے آج نہیں تو کل کہیں وہ عافی کو میرے سر پہ نہ آن کھڑا کرے۔"

"نہیں ایسا نہیں ہو گا تم بے فکر رہو۔ اس جانب بھی ہمارا کھلاڑی ہے جو اپنا کھیل کھیلنے میں ماہر ہے۔ تمہیں رخسار کی قابلیت پر شک نہیں کرنا چاہیے۔"

"ہاں وہ تو قابل ہے لیکن وچن حد سے زیادہ اخلاقیات کی پاس دار ہے۔ اور کہیں اسے اخلاقیات یاد آ گئی تو وہ سارا کھیل درہم برہم نہ کر دے۔ آپ بس مجھے کہیں بھیج دیں۔ کہیں عافی آ ہی نہ دھمکے۔" دل نے پریشانی سے کہا اور پارلر کے فیشل اور تھیرڈنگ پورشن میں چلی گئی۔ آج کل گرمی کی وجہ سے اس پورشن میں خواتین کی بڑی تعداد موجود رہتی۔

"کون چاہے گا وہ دیوانہ نہ آئے۔" عزت نے سگریٹ سلگاتے ہوئے سوچا تھا۔
"عزت کے کھیل بس عزت ہی کھیلتی ہے۔" عزت نے سگریٹ کا دھواں سانس میں گھولتے ہوئے سوچا۔

☆......☆......☆

کل جمعہ کا دن گزر گیا تھا۔ آج ہفتہ تھا۔ فری اور دوری کی وجہ سے ایک دن عافی کے گھر آنے میں دیر ہوگئی تھی۔ کملا، فری، دوری، آنٹی، شان سب ساتھ آئے تھے اور سکینہ بھی ان کے ساتھ تھی۔ فری اور دوری کی اب تک سکینہ سے دوستی نہ ہو سکتی تھی۔ لیکن شان اور اس کی ماں کا رویہ مثالی تھا۔ وہ ان کے ساتھ آنٹی کی وجہ سے ہی آئی تھی۔ جہاں سب لوگ عافی کا گھر دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے وہاں سکینہ مطمئن تھی۔ وہ ایک ایسے ہی بڑے سے گھر کی باشندی تھی اور اب بے ساختہ کہہ بیٹھی تھی۔
"آپ کو ایسے گھر پسند ہیں۔ میرا بھی گھر ایسا ہی ہے آپ میرے گھر بھی آیا کریں۔" سکینہ کا اتنا کہنا تھا کہ فری اور دوری کو غصہ آ گیا۔
"ہم مجرموں کے گھر نہیں جاتیں اور عافی بھائی کے جیسا گھر کسی کا ہو ہی نہیں سکتا اس لیے بے وجہ کا شو نہ مارا جائے۔ کیوں دوری۔"
"ہاں فری۔ شو مارنا بھی ایک بیماری ہے۔"
"ٹھیک ہے فری تو چلو یہاں سے چلتی ہیں۔ کہیں ہم نہ لگ جائے یہ بیماری۔" وایک موقع بھی نہ گنواتی تھی سکینہ کو زچ کرنے کا۔
نازوں پلی لڑکی سہہ لیتی ان کی ہر بات۔ یہ گناہ کر کے تو وہ بھی سو گنا پچھتا رہی تھی۔ ورنہ پہلے کی سر پھری سکینہ سے کوئی اس طرح بات تو کرتا۔
وہ اب سارا گھر دیکھ رہی تھی۔ شان بھی ان کے ساتھ تھا۔ آنٹی، کملا اور سکینہ ہال میں بیٹھ کر چائے پی رہے تھے۔ عافی آیا اور آتے ہی وچن کا پوچھا۔
"وچن نے کہا تھا وہ دو دن بعد آئے گی۔"

''ارے ایسے کیسے۔رشتہ اس نے کروایا ہے تو شادی بھی کروائے نا۔''

وہ دراصل اتنے دن کمل کو چھٹی نہیں مل سکتی تھی نا۔''

''اوآئی سی۔'' عافی سمجھ گیا لیکن پھر بھی وچن کو شکوہ بھرا میسج ٹائپ کر دیا تھا تا کہ اگر وہ دو دن کا کہہ کر چار دن لگانے کا سوچ رہی تھی تو باز آجائے۔

''عافی بھائی۔'' دونوں موٹیوں نے اتنی تیز دار آواز میں عافی کو پکارا کہ وچن کو سینڈ کیا ہوا میسج عافی سے ڈیلیٹ ہو گیا۔

''او۔آؤتم دونوں بھی چائے پی لو۔کیسی طبیعت ہے؟''

''طبیعت تو ٹھیک ہے عافی بھائی اور چائے بھی ہم پی لیں گے۔آپ بتائیں آپ دلہے بھائی ہیں اور آج بھی آپ آفس کے باس لگ رہے ہیں۔''

''ابھی بہت دن ہیں۔''

''اچھا! پر ہم تو آج کے دن سے ہلہ گلہ کرنے کی تیاری کر آئے ہیں۔''

''ہاں ہاں تو ہو جائے نا ہلہ گلہ۔''

''ہاں ہاں بس ایک کپ چائے اور بس......شروعات تو ویسے بھی ممی آنٹی سے ہوگی۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔پر بھنگڑا بعد میں پہلے میرا کلاسک ڈانس دیکھ لو۔'' اپنے زمانے کی سب سے بہترین کتھک کرنے والی لڑکی تھی۔

''میں! یہاں بھی آپ ہی بہترین کتھک کرنے والی ہوں گی ممی آنٹی۔آنٹی کے تو ایسے شوق ہوں گے لگتا نہیں اور ہم دونوں تو پھر موٹیاں ہیں۔ہاہاہا۔''

عافی سمیت سب ان کی حقیقت پسندی پر دل کھول کے ہنس دیئے۔وہ خود بھی ہنس رہی تھی۔

ابھی چائے ختم نہ ہوئی تھی کہ شان نے سمجھداری دکھا کر میوزک سسٹم آن کر دیا۔

ممی آنٹی بنا گھنگھرو پاؤں تھرکاتی ''تک دھن تک'' کرنے لگی۔

واہ کمال تھا اس عمر میں بھی کمر میں ایسی لچک۔

عافی، اس کے ملازمین اور وہاں موجود تمام افراد کمی آنٹی کے کتھک پر حیران رہ گئے۔فری اور دوری سے تو اس ادا سے ہاتھ بھی نہ اٹھتے تھے۔کلاسم ختم ہوا تو بھنگڑا شروع ہوا۔

عافی کے ملازموں سمیت سب بھنگڑا ڈالنے لگے۔موٹیاں بہت جلد تھک جاتیں لیکن دل نہ تھکتا۔ناچتی گاتی ہلہ گلہ کرتی ساتھ ساتھ سکینہ پر بھی نظر بد رکھتی رہتی۔کبھی وہ سہم جاتی تو کبھی شان کی والدہ کا حوصلہ پا کر عافی کی خوشی میں خوش ہو جاتی۔

ادھر لڑکی والوں کے گھر بھی ہر سو رونقیں لگی تھیں۔ڈھول کی تھاپ پر ناچ گانے چل رہے تھے۔بہت بڑی فیملی تھی ایک ایک کر کے سب لڑکیاں لڑکے ڈانس کا جادو دکھانے آتے تو دیکھ دیکھ کر آنکھیں تھک جاتیں۔

رخسار کا کبھی کبھی ٹمپر ہی لوس ہو جاتا اور وہ تھک کے اپنے کمرے میں چلی جاتی۔لیکن عافی تمام کمبائن اور سپریٹ فنکشنز انجوائے کر رہا تھا۔دو دن بعد تو وچن اور کمل بھی فنکشنز میں شامل تھے۔وہ عافی اور رخسار کو خوش دیکھتی تو خوش ہو جاتی اور جب عافی اور بندگی کا سوچتی تو کونوں میں آنسو بہا آتی۔بس دل پہ ایک بہت بھاری بوجھ آن پڑا تھا۔کاش وہ ساسو ماں کی بات مان کر عافی کا گھر بسانے کی جلد بازی نہ کرتی۔لیکن اب کیا کیا جا سکتا تھا۔

☆......☆......☆

موسم خوشگوار ہی رہا تھا۔پر آج بادل تھے۔شادی کے فنکشن جاری تھے۔لباسوں کا فینسی شو جیسے۔

فری اور دوری اب بھی سکینہ سے خار کھاتی تھیں اور جتا بھی دیتیں۔

آج بھی جب سکینہ سب کو جوس پیش کر رہی تھی۔ان دونوں نے اس کے ہاتھ سے جوس نہ لیا اور بے رخی سے رخ بدل کر کہا۔

''ہم چائے پئیں گی۔''

شان نے ان دونوں کو جوس اٹھا کر دیئے تھے۔

رہنے دیں میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ انہوں نے کہہ دیا۔وہ جوس نہیں چائے پی لیں گی۔

چاہتی تو کہہ دیتی ہم اس مجرم کے ہاتھوں سے جوس نہیں لے گی۔
''میرا راز رکھنے کے لیے شکریہ۔''
سکینہ نے آج پہلی باران سے براہ راست کچھ کہا تھا ورنہ وہ دونوں ہی بولتی رہتیں اور وہ کچھ نہ کہتی لیکن آج وہ بولی تھی تو دونوں ایک دوسرے کو دیکھتی رہ گئی تھیں۔
سکینہ نے ان دونوں سمیت شان کو بھی حیران کیا تھا۔اس سے ایسی کسی بات کی توقع نہ تھی۔اب تک تو وہ سوچتی تھی کہ کسینہ کا کام پھنسا ہے جس دن اس نے میٹرک کے پیپر دے دیئے اس دن وہ ان کو پہچاننے سے بھی انکار کر دے گی۔
ظاہر ہے میڈیا پر اس کی باتیں اس کا رویہ کچھ ایسا ہی ہوتا تھا اور پھر اس کا حلیہ بھی تو ایسا تھا۔امیر زادی کوئی شہزادی سی، اتنی بڑی گاڑی میں آتی اتنی بڑی گاڑی میں جاتی۔کیسی کیسی تو مہنگی جیولری پہنتی اور شوز اور سینڈل تو......
نا جانے کیوں اسے دیکھ کر بے وفا امیر ہیروئن والی فیلنگ آتی تھی۔پر آج سکینہ نے جو کہا وہ ان کے دل پر ضرور لگا تھا۔ان کا دل ذرا ذرا سا نرم ہونے ہی لگا تھا کہ
''کوئی نہیں فری اس کے متعلق اچھا نہیں سوچنا ہے ہمیں۔''
''ہاں دوری آخر اس نے ایسی ہی کوئی بات کی ہوگی نا۔جس کی وجہ سے ہماری وچی نے اس کی مدد کی اور خود پھنس گئی۔''
''ہاں فری...... ہاں بالکل......'' سب نے ناک سکیڑتے ہوئے کہا تھا۔
''اور تم شان، تم بھی سن لو۔تھوڑا سا غلط سلط پڑھایا کرونا اس سکینہ کو۔''
''اب غلط سلط کیسے پڑھاتے ہیں۔''
''جیسے ہم پڑھتی ہیں۔''
''ہاہاہا۔'' وہ اپنی ہی بات پر مسکرا دی تو شان بھی ہنس دیا اور کہا۔
''پھر تو تم دونوں سے کلاس لینی ہوگی کیونکہ مجھے تو غلط سلط پڑھنا نہیں آتا۔''

''ارے اس میں کیا ہے۔ نیوٹن کے کام کو آئن اسٹائن کا بتادو۔''

''اور آئن اسٹائن کے کام کو کسی اور کا کام بتادوں۔''

''اپنا ہی بتادو۔ تم کسی آئن اسٹائن سے کم ہو کیا ٹاپر۔''

''ہاہاہا۔'' وہ جان دار قہقہے سے ہنسا تھا۔

شان کی ماں تو اسے دیکھ کر ہی نہال ہو جاتی۔ یہ دو موٹی لڑکیاں تو کوئی رحمت سی تھیں ان کے لیے۔

☆......☆......☆

فنکشن جاری تھے۔

آج زرد رنگی موسم بکھرا تھا۔ سب تھیم کے عین مطابق زرد اور سبز لباس میں تھے۔ وچن اور کملا نے زرد اور سبز رنگ کی ساڑھی پہنی تھی۔ وہاں موجود سب کے لباسوں کا رنگ ایک سا تھا بس کسی نے شرارا، کسی نے لہنگا تو کسی نے قمیض شلوار پہنا تھا۔

''سب کیسے لباس بدل بدل کر آرہے ہیں فری۔''

''ہاں دوری، ہم صرف قمیض شلوار ہی پہن سکتے ہیں اور اس سکینہ نے بھی آج لہنگا پہنا ہے۔''

''ہاں فری لگ بھی تو اچھی رہی ہے۔ پتا نہیں ہم کیسی لگتی ہیں کوئی تعریف بھی تو نہیں کرتا بس سب آ کے کہتے ہیں You both are same to same دونوں ایک جیسی ہو۔''

''ہاں دوری، تو کس سے پوچھیں کہ ہم کیسی لگ رہی ہیں۔''

''چلو عافی بھائی اور رخسار بھابھی سے پوچھتی ہیں۔''

وہ دونوں اسٹیج پر ان کے پاس آئی تھیں اور آتے ہی کہا۔

''بہت پیارے لگ رہے ہو آپ دونوں۔ ماشاءاللہ۔''

''آپ دونوں بھی بہت پیاری لگ رہی ہیں۔ ماشاءاللہ'' عافی نے دل کھول کر ان کی تعریف کی تھی۔

''عافی بھائی! آپ نے تو دل ہی خوش کر دیا۔ کوئی ہماری تعریف ہی نہیں کرتا سب بس آ کر کہتے ہیں تم دونوں بالکل ایک جیسی ہو۔''

''آپ کو تعریف کی ضرورت نہیں ہے نا اس لیے......''

''ہاں وہ بھی ہے۔آپ نے تو اور بھی خوش کر دیا عافی بھائی۔''

''تھینک یو......تھینک یو۔''

''ہم تو ایسے ہی آپ کی شادی میں آ کر خوش ہو گئی ہیں اور سب خوش ہیں۔''

''بس مجھے پتا نہیں تھا نا کہ آپ سب میری شادی سے اتنا خوش ہوں گی۔ پتا ہوتا تو ہر سال شادی کر لیتا۔''

رخسار نے عجیب سے دیکھا ہی تھا کہ دونوں موٹیوں نے کہہ دیا۔

''ہر سال رخسار بھابھی سے ہی شادی کر دینا ورنہ جتنے ہم آپ کی شادی میں دانت دکھا رہی ہیں۔وہ سینڈل مار مار کے توڑ ہی دیں گی۔''

''ہاہاہا۔'' عافی بے حد ہنسا تھا۔رخسار اور آس پاس کے سب لوگ ان کی بات پر ہنسے تھے۔

ایک بس وچن گم صم نا جانے کس سوچ میں گم۔

☆......☆......☆

دن گزر گئے آج مہندی کا دن تھا کل نکاح ہونا تھا۔وچن نے چپ دھر لی تھی۔ایک دوست کی گزارش پر دوسرے دوست کو خوش تصور کر لیا تھا او عافی خوش بھی تھا نا۔ پرانی مشہور غزلوں کے اشعاروں سا خوش۔

''تم اتنا جو مسکرا رہے ہو
کیا غم ہے جس کو چھپا رہے ہو

عافی اس کی معنی خیز خاموشی کو بھی سن رہا تھا۔سوچ بھی رہا تھا۔پر سمجھ نہیں رہا تھا۔جب کچھ سمجھ نہ آئے تو انسان خود کو ایک دھوکا دے لیتا ہے۔کچھ اندازے لگا کر۔

''دیپک میں جان بستی ہے اس کی۔لڑ کر آئی ہو گی اس سے۔تب ہی تو وہ آیا بھی نہیں جب کہ عافی نے اس کی دکان پر اسپیشلی اپنے مینجر کے ساتھ شادی کا کارڈ بھجوایا تھا۔''

''چلو بات کر کے دیکھ لیتا ہوں۔'' عافی نے سوچا اور صبح ہی صبح وہ گارڈن میں وچن کی تلاش میں آیا۔

وہ سب گپوں میں مصروف تھے۔

سکینہ ایک طرف اداس بیٹھی تھی۔ عافی نے اسے ایک نظر دیکھا اور پھر اس ہلہ گلہ پارٹی کی طرف آیا۔

آتے ہی عافی نے وچن کا پوچھا وہ اسے وہاں نظر نہیں آ رہی تھی۔

آج چندر رات ہے نا، وچن بچپن سے اس دن حسن ابدال جاتی ہے۔''

''ہاں! عافی تو جانتا تھا اور اب مان بھی گیا تھا کہ اب تو اسے بھی لگتا تھا وہ بچپن سے اس دن حسن ابدال جاتا رہا ہے تو آج بھی کیوں نہ جایا جائے۔

پر جاتے جاتے وہ رکا اور سکینہ کے پاس آیا جو تنہا کھڑی تھی۔ فری، دوری اور سب انہیں دیکھ سکتے تھے۔

''تنہا کیوں کھڑی ہو یہاں؟''

''اپنی وجہ سے ہی تنہا ہوں ورنہ بہت آگے ہوا کرتے تھے اور بہت پیچھے چلتے تھے۔''

''انسان کی سب سے اچھی دوست اس کی تنہائی ہوتی ہے۔ ایک بار اس تنہائی سے دوستی ہوگئی تو دنیا پھر کہاں جائے گی۔''

''کیا مطلب؟''

''تنہائی ہمیں بہت کچھ سکھاتی ہے سکینہ۔ سمجھ کے در کھول دیتی ہے۔ ہم آرام سے اس تنہائی میں اپنے اچھے برے کا سوچ سکتے ہیں، تمہیں پتا ہے تنہائی بھی کبھی رحمت ثابت ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ اس تنہائی ک لیے بھی ترسا کرتے ہیں۔

مجھے تو بہت اکیلا پن محسوس ہوتا ہے۔ خوف آتا ہے۔ ڈر لگتا ہے۔ اس سارے اسکینڈل کے بعد تو میں ایسے تنہا ہوئی ہوں کہ کبھی کبھی ان لوگوں پر ان دوستوں پر رشک آتا ہے جو فیل ہوتے ہیں میری طرح پاس ہونے سے میری طرح بدنام ہونے سے تو بھلا ہے انسان بار بار فیل ہو جائے اور اس سے بھی بہتر ہے ہار تسلیم کر کے گھر کے کسی کونے میں بیٹھ جائے کہ اگر پڑھا نہیں جاتا تو پڑھنے کی ضد بھی ترک کر دیں۔''

''تم پڑھو گی سکینہ۔ تمہیں شان اور ان دو موتیوں جیسے دوست میسر آ گئے ہیں۔''

''یہ تو مجھے مجرم سمجھتی ہے۔ ان کا بس چلے تو مجھے جیل میں ڈال دیں۔''

''تم ان دونوں کو سمجھ نہیں رہی۔ یہ ہی تمہیں تمہارے مقصد تک پہنچائے گی۔''

''کاش کہ ایسا ہو۔ ویسے مجھے اچھی بہت لگی ہیں۔ سچ پوچھو تو مجھے ایسی ہی دوستی کی تلاش تھی۔ مجھے لگتا تھا اچھے نمبروں سے پاس ہوں گی تو ایسے دوست مل جائیں گے لیکن۔''

''تمہیں بہت اچھے دوست ملنے والے ہیں۔''

وہ اس بات پر مسکرا دی تھی۔ عافی سمجھ سکتا تھا اس کی سوچوں کو۔ چھوٹی سی تو لڑکی تھی میٹرک فیل۔

''اچھا میں اب اپنے دوست کے پیچھے جاتا ہوں۔''

''وچن! آپ کی بیسٹی ہے ناوہ۔ وسے بہت اچھی ہیں۔''

''ہاں بہت اچھی ہے۔'' عافی نے پیار سے اس چھوٹی سی لڑکی کے سر پر ہاتھ رکھا تھا اور جانے لگا۔

وہ عافی کو ہی دیکھ رہی تھی کہ وہ پھر سے کچھ قدم اس کی طرف چلا آیا۔

''ویسے تم بھی میری بیسٹی ہو سکتی ہو اگر تمہیں میرے بوڑھے پن سے شکایت نہ ہو تو؟''

''آپ تو دلہے میاں ہیں۔ دلہے میاں بوڑھے تو نہیں ہوتے۔''

وہ اس کی شرارت پر مسکرا دا تھا۔

سکینہ کا موڈ اب کافی زیادہ بہتر تھا۔

لیکن فری اور دوری کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ سکینہ انہیں ہنستے ہوئے زہر لگتی تھی۔

☆......☆......☆

کچھ مرادیں پوری ہوں تو من مار جاتی ہیں۔ کہاں وہ دن تھے وہ بندگی کے مل جانے کی دعائیں کرتی تھی۔ کہاں یہ دن تھے جو وہ بندگی سے مل کر بندگی کی گمشندگی میں ملوث ہو رہی تھی۔

اس کے دل پر بے انتہا بوجھ تھا۔ اس کا سونا جاگنا ہنسنا مسکرانا سب کچھ جیسے اس بوجھ تلے دبا ہوا تھا۔

اس نے دل کو چپ رہنے کے لیے کہا تھا اور دل تھا کہ ردِعمل میں اندر ہی اندر شور مچاتا تھا۔ اس کا

سکون چھینے رکھتا تھا اسے جھوٹا گنواتا تھا۔ یہ دوغلا پن نہ تھا تو کیا تھا۔ لیکن رخسار......اس کی بھی تو اس سب میں کوئی غلطی نہ تھی۔

وہ جانتی تھی جوں ہی وہ عافی کو بندگی کے متعلق بتائے گی وہ دیوانہ وار اسے تلاشے گا اور سب بھول جائے گا۔ پھر رخسار تو کہیں اسے نظر نہ آئے گی۔ ایسے میں رخسار کا کیا ہوگا۔ کیسے وہ اتنا کچھ برداشت کرے گی۔ دلہن بنتے بنتے کیسے۔ ہے بھگوان میں کیا کروں؟

وہ پنجہ صاحب میں موجود ہاتھ جوڑے ارداس کر رہی تھی۔ آج اس کی آنکھیں اپنے غم کے آنسوؤں سے نہ دھلی تھی یہ آنکھیں تو دوستوں کے دکھ کا سوچ کر غم خوار تھیں۔

اسے پنجہ صاحب کے بہتے پانی ے پاس اداس اور روتے دیکھ کر ایک سیوادار سکھ اس کے پاس آیا اور پوچھا۔

”آج آپ لنگر خانے میں سیوا دینے کی بجائے یہاں بیٹھی کیا کر رہی ہیں۔ اور سنگت کہاں ہے آپ کی؟“

”وہ بھی آتی ہوگی آج میں ان کے ساتھ نہیں آئی ہوں۔“

”بہت پریشان لگ رہی ہو۔“

”بہت الجھی ہوئی ہوں باجی۔ سمجھ نہیں آرہا کیا کروں۔“

”جھوٹ بولا ہے کیا کوئی؟“

”نہیں سچ چھپایا ہے باجی۔“

”کئی بار سچ چھپانا جھوٹ بولنے سے بھی زیادہ بڑا گناہ بن جاتا ہے بیٹی۔“

”باجی پریم کیا ہے اور اس کے ملن کی تمنا کیا ہے۔“

”پریم پرماتما ہے بیٹی اور اس کے ملن کی تمنا بھی کامل ہے۔ ملنا یا نہ ملنا پھر اس رب کی مرضی۔ اس رب کی مرضی ہو تو...... پریتم ملا دے یا خود آ ملے۔ سچا پریمی دونوں صورتوں میں رب کے پاس ہوتا ہے۔ جو پریتم ملا تو رب کا شکر کر کے رب کا ہو بیٹھا اور جو نہ ملا تو اس کی آس میں اس کے در پر جا بیٹھا۔“

''باجی! جب ٹھیک اور غلط کی سمجھ نہ آئے تو کیا کرنا چاہیے؟''

''بیٹی! پھر سوچ لے یہ تیرا آخری وقت ہے اور آخری دن اور آخری لمحہ۔ پھر کوئی دوجا موقع نہیں ملے گا۔ اگر مرنے سے پہلے تم وہ کام کر کے مرنا چاہو گی تو سمجھو وہ ہی درست ہے اور اگر نہیں تو غلط۔

سیوادار سکھ نے تو مسئلہ ہی حل کر دیا۔ وچن نے اسی طرح سوچا۔ کہ اگر آخری وقت ہو تو۔ آخری لمحہ ہو۔ کیا آخری لمحے میں وہ عافی کو سچائی بتا مرنا چاہے گی۔ اس نے آنکھیں بند کیں۔

ہاں ایسا ہی تھا۔

اگر اب اس نے سچائی رخسار کی خاطر چھپا بھی دی تو مرنے سے قبل تو وہ عافی کو سب بتانا ہی چاہے گی نا۔

اس کا دل جھڑک اٹھا۔ اس نے رخسار ے لیے بہت ساری دعائیں مانگیں۔ آج سیوا تک نہ کی آج بس اس کی ایک ہی سیوا تھی کہ وہ رخسار کی خوشی کی تمنا کرتی رہے۔ دعائیں مانگتی رہے۔

جب دل دعاؤں کے تاثیر سے بھر آیا تو وہ اپنی دعاؤں کے زیر اثر صاف اور شفاف دل و نیت لیے عافی کی طرف قدم بڑھا بیٹھی۔

دعائیں تڑپتے دلوں کی دوا ہوتی ہیں جو پوری ہو یا نہ ہوں۔ لیکن ایک کنکشن قائم کر دیتی ہیں۔ یہ کنکشن اکثر جسم کی حدوں میں پھنسی بے بسی روحوں کو پاک کر دیتا ہے۔ ہماری روح کا غسل دعائیں ہوتی ہیں۔

وہ بھی اجلے اجلے دل کے ساتھ پاک آنسوؤں کی موجودگی میں بابا ولی قنداری جی کے دربار کی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ آج ایسا لگتا تھا وہ تنہا ہی ان زینوں کے سفر پر گامزن تھی۔ عافی کو اس نے پہلے ہی دربار میں حاضری دینے کو کہا تھا اور اب وہ اوپر جا رہی تھی۔

عافی نے آوازیں لگاتے ہوئے اس کی رفتار کے ساتھ رفتار ملانے کی کوشش کی تو اس نے کئی سیڑھیاں بلندی پر ٹھہر کر اس سے اونچی آواز میں بات کی اور کہا۔

''عافی! بس پندرہ منٹ دے دو مجھے۔ میں درشن کر کے آتی ہوں۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔ یوں بھی تمہاری رفتار کے ساتھ کہاں میں اپنی رفتار ملا سکتا ہوں۔''

''آج عافی آج۔ آج ملاؤ گے میری رفتار سے اپنی رفتار بلکہ مجھ سے دو قدم آگے ہی بھاگو گے۔''

عافی مسکرا دیا اور کانوں کو ہاتھ لگا لیے۔

''تمہاری رفتار کے ساتھ رفتار ملانا...... مرنا نہیں ہے مجھے۔''

''میں تمہیں مرنے دوں گی بھی نہیں۔'' وہ پرعزم تھی۔ عافی اس کے انتظار میں خود ساختہ اگی گھاس اور پودوں کے پاس بیٹھ گیا۔ اس کی پرانی بیٹھک کے پاس والے کچے صحن میں بھی ایسی ہی گھاس تھی۔ جہاں بندگی اس کے پاس آ کے بیٹھ جایا کرتی تھی۔

وہ ایک ایسی حقیقت تھی جو حقیقت سے خواب اور خواب سے حقیقت بن بن کر اس کی زندگی میں ہر سو رواں تھی جیسے چنچل سی یہ ہوا۔ جو ہر وقت ہمارے پاس ہوتی ہے لیکن ہم سے لپٹی نہیں۔ ہم جب چاہیں اسے محسوس کر سکتے ہیں۔ نہ اس کے بن ہمارا گزارا ہے نہ اس کے بن ہم جی سکتے ہیں۔

اس کی یادیں ''ہوا'' سی ضروری تھیں اس کے لیے۔

وہ یادوں کے اڑن کھٹولے پر سوار بندگی کے ساتھ گزارے لمحات کے سفر پر تھا کہ کچھ ہی دیر بعد وچن نے اسے پکارا۔ وہ توقع سے بھی پہلے سو دو سو سیڑھیاں چڑھ کے اتر آئی تھی۔

''ذرا چیک اپ شک اپ کراؤ اپنا تم وچن۔ تمہاری رگوں میں لہو کی بجائے بجلیاں تو نہیں دوڑ رہیں۔''

''ہاہاہا۔'' وہ اپنی ہی بات کہہ کر مسکرایا تھا۔ وچن اسے خوش دیکھ کر ہنس دی اور کہا۔

''اب یہ بجلیاں تمہاری رگوں میں بھی میری رگوں کی مانند برابر دوڑیں گی۔''

''نہیں بھئی۔ تمہاری بجلیاں تمہیں مبارک ہوں وچن صاحبہ۔''

''اور تمہاری بندگی تمہیں مبارک ہو مسٹر عافی۔''

''بندگی...... اب یہ کیا تھا...... مذاق یا کوئی نئی شرارت۔''

''نہ مذاق نہ شرارت عافی...... قدرت۔''

''قدرت کو جو منظور ہو وہی ہوتا ہے عافی۔''

''وہ خط بندگی نے ہی لکھا تھا لیکن حرف جھوٹے لکھے تھے۔ جھوٹے حرف عزت بی بی کے بتائے ہوئے۔ تمہاری بندگی عزت بی بی کی غلام سی ہے عافی۔ جاؤ اپنی بندگی کو آزاد کرلو۔''

''وچن......''

''ہاں عافی۔ وہ خوش دل...... وہ خوش دل ہی بندگی ہے۔''

وچن کے الفاظ نہ تھے کوئی بجلیاں ہی تھیں گویا جو اس کی رگوں سے ہو کر اس کے الفاظوں میں سمو آئی تھیں۔ نہ بے یقینی کا شبہ تھا نہ یقین کا کوئی پڑاؤ۔ نہ وہ حیران تھا نہ سوچ میں ڈوبا تھا بس وچن کا اتنا ہی کہنا تھا کہ اس کے قدم زینے اترنے لگے تھے۔

''خربوزہ خربوزے کو دیکھ کر رنگ بدلتا ہے یا پھر صحبت کا اثر تھا۔ وچن کے اندر کی تمام پھرتیاں، تمام بجلیاں اس میں سمو آئی تھیں۔ وہ آج پہلی بار وچن کی رفتار سے رفتار ملا کر اتر رہا تھا۔

کب وہ چار سو زینوں کے نیچے آئے تھے پتا ہی نہ چلا تھا۔ اب وہ دونوں عافی کی گاڑی کی جانب آئے تھے۔ عافی اتنی جلدی کہاں آتا تھا اس لیے ڈرائیور بھی نظر نہ آرہا تھا۔

وچن نے عافی کو اپنی گاڑی کی چابیاں تھما دیں۔

''چلو اپنے پنڈی...... چلو۔''

ہاں! اس نے سچ بول دیا تھا اور تنگ تنگ دل جیسے خلاصہ ہو گیا تھا۔ سچ میں اتنی تو طاقت ہوتی ہی ہے کہ انسان کو ہلکا پھلکا کر دے۔ وہ بھی ہلکی پھلکی ہو گئی تھی اور اپنے تمام تر وجود کے ساتھ دو دلوں کے ملن کی خوشی میں جیسے فضاؤں میں اڑ رہی تھی۔

اور عافی کے دل کی خبر تو بس وہی رکھتا تھا۔ وہ وہی جانتا تھا وہ یہ سفر کیسے کاٹ رہا تھا۔ بار بار وچن کی گاڑی پر بریک لگتی، عافی نے خوش دل کے گھر تک آنے والے تمام پھولوں کے اسٹالز سے پھول خریدے، پھول بیچنے والوں سے بھی سارے پھول خریدے۔ اس سفر میں جو ملا اسے تر گیا۔ اس نے اپنا بٹوا خالی کر دیا تو وچن کا ہینڈ بیگ اٹھا لیا۔

''عافی! مجھ پر بھی رحم کرلو۔ مجھے اپنی گاڑی کی سروس کروانی پڑے گی۔ کچھ پیچھے چھوڑ دو۔''

''وچن! تمہارے لیے تو سوسو دعائیں ہیں میرے پاس۔ بتاؤ تمہیں کون سی دعا عزیز ہے۔''

''مجھے سدا سہاگن رہنے کی دعا دے دو عافی، میں خالی مانگ لیے نہیں مرنا چاہتی۔''

''جاؤ۔ دے دی دعا۔ سدا سہاگن رہو۔ قسمت آج مجھ پر مہربان ہوئی ہے تمہاری وجہ سے۔ تمہاری ساری دعائیں پوری ہوں وچن۔''

وچن مسکرائی تھی۔

''مجھے بھی دے دو دعا۔ سدا سہاگن رہنے کی۔ میں بھی بندگی کے بنا مرنا نہیں چاہتا۔''

''ہاہاہا۔ مرد تھوڑی نا سہاگن ہوتے ہیں۔''

''کیوں نہیں ہوتے...... ہونے تو چاہئیں نا؟''

''ہاں بالکل۔''

عافی نے پھر کسی پھول والے سے پھول خرید لیے۔

''عافی! میں بیٹھی ہوں۔ نظر آ رہی ہوں نا۔ بس کرو اتنے پھول لیتے جاتے ہو میں کہاں بیٹھوں گی۔''

''جہاں بیٹھی ہو۔''

''بس بس یہاں سے رائٹ ٹرن لو۔''

عافی نے فلمی انداز میں ٹرن لیا۔ زو کر کے۔

''بس یہاں یہاں۔ بس بس بس۔ یہاں گاڑی سائیڈ پر کر لو آگے پیدل جانا پڑے گا۔'' اس نے شرارت کی۔

''ابھی اور چلنا بھی ہے؟''

''ہاہاہا'' وہ ہنسی اور کہا۔ ''تم بندگی کے گھر کے باہر کھڑے ہو۔ یہ سلیٹی درمیانے سائز کا گیٹ اسی گھر کا ہے۔''

''یا اللہ۔'' عافی نے لمبی سانس لے کر خدا کو یاد کیا۔

''بس اللہ کرو عافی۔''

''لیکن دروازہ تو لاک کرو نا۔''

''ضرورت نہیں۔تم سمجھو اس کے گھر کی چابی ہے میرے پاس۔'' اس نے ترلوک سنگ جی کو بلایا تھا جس نے پہلے بھی لاک کھول کے دیا تھا۔ان کے آتے ہی اس نے لاک میں چابی گھمائی اور عافی کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے آئی۔ترلوگ سنگ نے اس کی گاڑی سے پھول اتار کر بندگی کے گھر میں رکھنا شروع کیے تھے۔

وچن نے چپکے سے عافی کے کان میں کہا تھا۔

''وہ گھر میں ہی ہے۔''

''سچ؟''

''ہاں۔ترلوگ سنگ نے نظر رکھی تھی۔اب جاسوس دوستوں سے ذرا سی جاسوسی تو میں نے بھی سیکھ لی ہے۔''

عافی کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔وہ بندگی کے گھر میں تھا۔اگر کوئی پوچھے کہ قبولیت کے لمحے کیسے ہوتے ہیں تو وہ اس لمحے کو قبولیت کا تاج پہنا دے۔یہ ایک ایسا لمحہ تھا جس میں جیسے جان جاتی بھی تھی اور آتی بھی تھی۔قدم آگے بڑھتے بھی تھے اور ساکت بھی ہوتے تھے۔

شکر ہے وچن اس کے ساتھ تھی۔وہ تنہا ہوتا تو خوشی سے دم دے بیٹھتا۔بالآخر وہ کھڑکی نظر آئی جس میں سے بندگی کا عکس جھلکا تھا۔

وہاں وہ وہی تھی خوش دل۔اس کی بندگی۔بندگی کرتے ہوئے۔

وہ سر کو مکمل ڈھانپ کر نماز پڑھ رہی تھی۔

اس نے بھی انہیں دیکھ لیا تھا۔

وہ نظریں اسی کی تھیں جس کی ایک جھلک کو اتنے برس تک وہ ترسا تھا۔وہ وجود، وہ سراپا، وہ عکس، وہ ہی انداز بندگی۔اس کی بندگی۔

اس نے اعتماد سے نماز پڑھی اور دعا مانگی۔

"میں تیری رضا میں راضی ہوں میرے رب۔ جو میں چاہتی تھی وہ نہ ہوسکا تو یہی ٹھیک تھا۔ شکر ہے تیرا۔ تُو نے بچھڑے ملا دیئے۔"

اس نے نماز ادا کی تو وچن سے کہا۔

"آپ لوگ باہر جائیں میں آتی ہوں۔"

عافی تو بس اسے دیکھتے ہی جا رہا تھا۔

وچن ذرا حیران ہوئی تھی۔ وہ سمجھی تھی کہ خوش دل اس سے لڑے گی، جھگڑے گی لیکن وہ تو پُرسکون تھی۔ شاید وہ بندگی سے آج مل رہی تھی اب تک وہ جس سے ملی تھی وہ خوش دل کا بہروپ تھی۔

وہ دونوں باہر ہی صحن میں اس کا انتظار کرنے لگے۔ کچھ دیر بعد بندگی آئی تھی۔ اس کا گھر پھولوں سے بھر چکا تھا۔ اس نے چاروں اطراف نظر دوڑائی، پھول ہی پھول دیکھے اور پھر عافی کی جانب قدم بڑھائے تھے۔ اس کا سر اب بھی دوپٹے سے ڈھکا تھا۔ تیز ہرے رنگ کا جارجٹ کا ڈریس، لمبی قمیض اور چوڑی دار پاجامے میں وہ گھر کی چپل پہنے اس کی طرف قدم بڑھا رہی تھی۔ بہار بھی تو ایسے ہی آتی ہوگی، تپتی دھرتی پر ساون کی بوندیں بھی تو ایسے ہی برستی ہوں گی۔ یوں ہی فضاؤں میں قوس قزح کے رنگ بکھرتے ہوں گے اور اوس کے موتی بھی یوں ہی نکھرتے ہوں گے نا۔

جسے وہ ڈھونڈ رہا تھا وہ اب اس کی آنکھوں کے سامنے تھی۔ بس ایک ہی فٹ کا فاصلہ تھا اور وہ اس فاصلے پر کھڑی ہو کر پوچھ رہی تھی۔

"کیسے ہو عافی؟"

نا جانے وہ زندوں میں تھا بھی کہ نہیں کیوں نہیں بول پا رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" کیسے بتاتا وہ، کیسا تھا اس کی حالت کو الفاظوں میں برت کر زبان کے حوالے کرنا مشکل...... بہت مشکل تھا۔

وہ چپ ہی رہا، کچھ نہ بول پایا۔

"تم کیسی ہو بندگی۔" یہ سوال وچن نے کیا تھا۔

''بندگی بھی ٹھیک ہے۔آپ بیٹھو میں کافی بنا آتی ہوں۔''

''نہیں بندگی، چائے بنادو ہمارے لیے۔میں نے تمہارے ہاتھ سے بنی چائے پینی ہے اور عافی نے بھی۔''

اس بات پر عافی نے وچن کو دیکھا تھا یوں ہی۔

''جاتی ہوں عافی، چائے پی لینے دو۔میں کباب میں ہڈی بالکل نہیں بنوں گی۔''

وہ کیا کہتا اس لیے تو نہیں دیکھا تھا اسے۔بس دل کا حال عجیب تھا۔سانسیں بے ربط تھیں۔ سماعتیں بے اعتبار، دیدو آنکھیں ٹھنڈی سی، وجود پر اترا احساس نہال۔

یہ جو احساس نہال ہے نا۔یہ بھی کبھی تنہا انسان پر نہیں چھاتا جب بھی احساس نہال کسی وجود پر چھلکتا ہے تو ساتھ میں یا تو بے یقینی کا عالم ہوتا ہے یا احساس فخر کا احساس ساتھ ہوتا ہے۔

عافی پر احساس نہال بے یقینی کے سنگ مہربان ہوا تھا۔وہ عالم بے یقینی میں اسے چائے بناتا دیکھ رہا تھا۔فضا میں برسوں پرانی مہک کا ملن ہوا تھا۔جیسے جنموں سے بچھڑی خوشبو ہو، جیسے سمندروں کے دو کنارے ہوں۔دھرتی و آکاش ہوں، چاند اور تارے ہوں۔اس طور سے وہ مہک اس سے ایک بار پھر آن ملی ہو۔

عافی بندگی کو دیکھے جا رہا تھا۔وچن عافی کو۔

شادیوں میں، دو دلوں کے ملنے کی خوشی میں تو وہ کئی بار بے گانی شادی میں بھی عبداللہ بنی تھی لیکن یہ ملن فقط دو دلوں کا ملن نہ تھا۔دو روحوں کا ملن تھا۔جو وہ پہلی بار اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

بندگی چائے لائی تھی۔اس نے دوپٹہ کھول کر پہنا تھا اس کے ڈائے کیے ہوئے بالوں کی لٹیں ہوا کے چلنے سے بکھرتی تھیں۔ان دونوں کے لبوں پر بندگی کی بنائی ہوئی چائے کے کپ تھے۔

وچن نے جب سے اس کے ہاتھوں کی بنی چائے کے متعلق سنا تھا تب سے مختلف انداز سے چائے بنا کر پی تھی کبھی اچھی چائے بن جاتی تو سوچتی بندگی چائے ایسے بناتی ہوگی۔

لیکن آج اس نے جب اس چائے کو پیا تھا تو حیران رہ گئی تھی وہ واقعی ایسے چائے نہیں بنا سکتی تھی۔

''تھینک یو بندگی۔ مجھے لگتا ہے مجھے اب جانا چاہیے۔'' اس نے اپنا ہینڈ بیگ اٹھایا اور ان دونوں پر ایک پیار بھری نگاہ ڈال کر خوب دعائیں دیتی ان کے گھر سے نکلی۔

دید کی پیاسی ترسی آنکھوں نے بہت سے لمحے خاموشی کی نذر کر دیئے۔ عافی سوچتا رہا تھا جب بھی وہ بندگی سے ملے گا تو وصل و فراق، اپنے ایک ایک جذبات کی اس کے روبرو ہونے پر ترجمانی کر دے گا لیکن اب حال ایسا تھا کہ بولنا مشکل تھا تو گلہ کیسے کرتا۔ شکوہ کرتا تو کیسے کرتا۔ کیسے پوچھ لیتا تیرہ سالوں کی سزا میں وہ اس قیدی سے کیوں ایک بار بھی ملنے نہ آئی۔ اور کیوں جب جب وہ اس کے نزدیک پہنچنے والا ہوتا وہ پھر سے روپوش ہو جاتی؟

خاموشیاں! آج کی یہ خاموشیاں لفظ بندی کی قید تھی۔ جہاں باتیں آزاد تو تھیں لیکن تیرہ سالوں کی تھکن سے چُور زبان تھلتی پھسلتی ہی نہ تھی کہ ہوا کے دوش پر آوازوں کا ملن ہو۔ وہ کچھ پوچھ سکے۔ اس کی اور کچھ اپنی بتا سکے۔

بندگی نے آرام سے چائے پی۔ پھر سارے برتن سمیٹے، برتن دھو بھی لیے۔ اعتماد سے ان پرندوں کو دانہ ڈالا اور تیار ہونے چلی گئی تھی۔ عافی اس کے گھر کو دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک خوب صورت گھر تھا۔ طرز پرانا تھا مگر بندگی کی سلیقہ شعاری پر کیسا شک۔ اس کی تو منطق بھی اس حوالے سے اپنی تھی کہ......

''پتھروں میں بھی دل ہوتا ہے، زبان ہوتی ہے
اپنے گھر کی در و دیوار سجا کر دیکھو''

چار پانچ کمرے لائن سے بنے تھے۔ باہر برآمدہ تھا۔ اس کے بعد درمیانے سائز کا صحن، جو مختلف انواع کے پودے اور پرندوں کی موجودگی کے باعث نظروں کو لگائے رکھتا تھا۔

عافی اپنی جگہ پر بیٹھا تھا۔ وہ اپنا کام ختم کر کے اپنے کمرے میں آئی۔ اسے پارلر جانا تھا، خود کو عزت بی بی کے پارلر کی جان بنانا تھا۔ اپنے قدرتی حسن میں جدید طرز کے میک اپ کی ملاوٹ کی تاکہ عزت بی بی کے پارلر آنے والی ہر عورت اس کے انداز اور اس کی پرسنالٹی کی طرف مائل ہو۔ عزت کے پارلر آنے والی ہر عورت بندگی بننا چاہتی تھی۔ کیوں کہ اسے خدا نے وہ حسن دیا تھا جس پر ہر انداز بجتا۔

پارلر آنے والی خواتین کئی والیم میگزین وغیرہ سے سلیکٹ کر کے آتیں لیکن یہاں آ کر بندگی پہ فدا ہو جاتیں۔ سب کو بندگی جیسا ہیئر اسٹائل کروانا ہوتا۔ سب کو یہی کلر یوز کرنا ہوتا۔ سب کو اسی طرح کا میک اپ چاہیے ہوتا تھا اسی طرح کا گیٹ اپ۔

بندگی کا گیٹ اپ عزت پارلر کا اسپیشل گیٹ اپ ہوتا، جو مہنگے داموں میں خریدا جاتا۔

اسے پھر آج ایک ماڈل بن کے پارلر جانا تھا۔

عزت پارلر سے ایک وین اسے لینے آئی تھی۔ وین کا ڈرائیور بہت مانوس اور بہت تکلیف سا لگتا تھا۔ وہ اندر آیا تھا اور سیدھا گھر پھلانگ کر بندگی کے کمرے میں آیا تھا۔

یہ ایک اچھی صحت کا خوش رنگ لڑکا تھا، نین و نقش بھی چوکھے تھے، انداز جدید تھا۔ بالوں کے سرے گولڈن تھے جنہیں ننھی سی چوٹی میں باندھا گیا تھا۔ خوب صورتی سے تراشی ہوئی سیو اور آسمانی ٹی شرٹ اور بلو جینز کے ساتھ وہ ایک منچلا نوجوان لگ رہا تھا جس نے آتے ہی زوردار آواز میں کہا تھا۔

''دل! اتنے سارے پھول؟''

''عافی آیا ہے۔ وہ ہی لایا ہے اتنے سارے پھول۔''

''عافی...... تمہارا بہنوئی؟''

''ہاں میرا بہنوئی۔''

''اتنے سالوں بعد کیوں آیا ہے۔ تم نے پوچھا نہیں دل؟''

''میں کیوں پوچھوں...... میرا کیا...... جس کے لیے آیا ہے وہ ہی پوچھے گی۔'' اس نے قدرے بے رخی سے کہا تھا۔

عافی کے دل کو اس کی بے رخی نے تپا سا دیا تھا۔ وہ جس کے لیے مارا مارا پھر تا رہا تھا وہ کہتی تھی۔

''میں کیوں پوچھو...... میرا کیا؟''

ایسی بے رخی تو کسی بھی دل کو روند دے تو اس کا دل تو عاجز بے تاب تھا۔ یہاں اس کی دہلیز کی خاک چھانتا ہوا۔ اس کے دل پر تیز دار تلوار کی مانند اس کے الفاظ آن پڑے تھے۔

''دل! تم آؤ میں باہر انتظار کر رہا ہوں۔'' نوجوان نرالے انداز میں اپنے بدن کو کانوں میں لگے ہیڈ فون سے آتی دھن کی تھاپ پر تھر کاتا ہوا وہاں سے باہر چلا آیا اور باہر آ کر سفید وین کی باڈی سے ٹیک لگا کر ہاتھوں کی انگلیوں میں چابیاں گھما رہا تھا۔ ساتھ ساتھ محلے میں آتی جاتی خواتین پر اس نے کچھ جملے بھی کسے تھے۔

وہ ہر گزرتی لڑکی کو دیکھ کر ''ماشاءاللہ'' کہنا نہ بھولتا۔

عافی کا صبر بے بس ہونے لگا تھا۔ وہ بندگی کو اس طرح کے شخص کے ساتھ کیسے بھیج سکتا تھا۔

بندگی اسی جانب آ رہی تھی اس نے اس کا راستہ روکتے ہوئے سختی سے پوچھا تھا۔

''کہاں جا رہی ہو؟''

وہ خاموش رہی۔

''مت جاؤ بندگی۔ میں آ گیا ہوں نا۔ میں دیکھ لوں گا اس عزت بی بی کو۔''

''تمیز سے عافی۔ وہ ہماری مالکن ہیں۔ وہ نہیں تو ہم بھی نہیں۔''

''بندگی...... یہ کیا کہہ رہی ہو تم۔ میں جانتا ہوں عزت بی بی کو۔''

''تم کسی کو نہیں جانتے عافی۔''

''دیکھو! تمہارے سارے گلے شکوے سر آنکھوں پر۔ جتنے چاہے گلے شکوے کر لو بندگی۔ آج کر لو۔''

''مجھے کوئی گلہ نہیں آپ سے۔ نہ کوئی شکایت۔ اور کیوں ہی ہو۔ بہنوئی پر اس کی سالی کا حق ہی کتنا ہوتا ہے عافی۔''

''بندگی بس نا۔ بس بھی کرو اب۔ یوں تعلق تو ختم کرو نا۔''

''کہاں میری اوقات کہ تعلق ختم کرتی۔ یہ جو تعلق ہے آپ کے اور میرے درمیان عافی۔ اسی کی وجہ سے تم یہاں ہو ورنہ میں تمہیں کیوں کر دیکھتی۔ کیوں کر تم سے بات کرتی۔''

''ہم تیرہ سال بعد ملے ہیں بندگی۔''

''کاش کہ نہ ملتے عافی۔ ہم کیوں بس تیرہ سال بعد ہی مل پڑے۔ صرف تیرہ سال بعد ہی آپ

کو دیکھنا پڑ گیا۔ پھر سے آپ کو اب جھیلنا پڑے گا۔"

"مجھے جھیلنا پڑے گا تمہیں۔ جانتی بھی ہو بندگی میں اس لمحے کے لیے تو زندہ تھا کہ میں تم کو پھر سے دیکھ سکوں۔"

"مجھے ڈھونڈ رہے تھے آپ؟"

"تو اور کس کو ڈھونڈتا۔ تم نے خود کو چھپانے کی کوئی کسر نہ چھوڑی تھی بندگی۔"

"تیرہ سال اکیلی رہی ہوں میں عافی۔ میرے لیے آپ کا سامنا کیا کٹھن تھا۔ بس میں اس لوٹی ہوئی بدنصیب کو کوئی عزت نہیں دینا چاہتی تھی عافی۔ لیکن وہ ہی پاگل ہے۔ دن رات آپ کے آنے کی دعا مانگتی ہے۔ نا جانے کیوں اسے لگتا ہے آپ بس اس کے ہیں۔"

عافی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

"مجھے جانا ہے عافی۔ تم آخر والے کمرے میں چلے جاؤ۔ وہ وہاں ہے۔ لیکن یاد رہے اگر اس کی آنکھوں میں ایک آنسو بھی آیا نا، میں جان سے ماردوں گی تمہیں۔"

وہ نازیبا لباس پر عبایا پہن کر اسی وین والے ڈرائیور کے بائیں جانب آ بیٹھی اور کہا۔ "چلو، بہت دیر ہوگئی ہے۔"

☆......☆......☆

کتنے ہی دیر وہ اس کے جانے کے بعد اپنی جگہ پر کھڑا رہا اور جب بندگی کی باتیں پھر سے یاد آئیں تو وہ تیزی سے اس کمرے کی جانب بڑھا۔ ناسمجھی میں اس نے دروازے پر دستک دی اور پھر سب سمجھ گیا۔ دروازہ اندر سے کھلا تھا۔ ذرا سی دستک دینے پر کھلتا تھا۔

وہ سر جھکائے عافی کی فوٹو گود میں لیے پلنگ پر بے حال سی بیٹھی تھی۔ وہیل چیئر سامنے پڑی تھی اور اپاہجوں والے سارے لوازمات...... عافی کا دل تیزی سے دھڑک اٹھا تھا۔ چاروں اطراف نظر گھما کر اس نے حیرانی و بے دھیانی میں اس کا نام اپنی زبان سے لیا تھا۔

زندگی!

آہ

زندگی

وہ ایک پل اس کمرے کی دہلیز سے ہٹا اور اسی کمرے کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر جو دیکھا تھا اس پر یقین کرنا چاہتا تھا۔

لیکن زندگی بے چین، بے تاب سی ہوگئی تھی۔ اس نے دیوار وار عافی کو پکارا تھا۔

''عافی......عافی......عافی۔''

وہ بے بس تھی۔ اس کے کمزور بدن میں اتنی سکت کہاں تھی کہ وہ اپنے ہی کمرے کے در تک آئے اور اپنے بچھڑے شوہر کے گلے سے لگ کر گزرے ہوئے دنوں کا ماتم منائے۔

وہ اس کو دیکھنے کی آس میں اس کو پکارتے پکارتے سب بھول بیٹھی تھی۔

اس نے عافی کی فوٹو کو پلنگ کے ایک سائیڈ پر رکھا اور دیوانوں کی مانند پاگل ہو کر اس کی جانب لپکی مگر پلنگ سے گر کر اوندھے منہ زمین پر آن گری۔ اس کا سر فرش سے ٹکرایا۔ ایک زوردار آواز اس کی کھوپڑی اور فرش کے ٹکرانے کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ عافی اس آواز کو سن کر پھر سے نمودار ہوا۔ اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا اور اس کی زبان کسی بچی کی طرح اس کا نام جپ رہی تھی۔

''عافی......عافی......میرا عافی......عافی......عافی۔''

یہ جپ ہی تو تھا۔ یہ تپ ہی تو تھا۔ جو اس نے کیا تھا، سہا تھا۔

وہ بھی بلک کر اس کے پاس آیا تھا۔ اس کی بیمار حلقے زدہ آنکھوں میں تیرہ برس کا انتظار تھا۔ اس کے خشک پھٹے ہونٹوں پر درد کی داستان سی تھی۔ اس کا چہرہ، اس کی تنہائیوں کی عکاسی کرتا تھا۔ اس کے کالے بالوں میں الجھی کچھ بے رنگ سفید لٹیں اب بھی اداسی میں لہراتی تھیں اور وہ اشکوں میں لدا وجود لے کر اس سے لپک لپک کر پوچھتی تھی۔

''کہاں تھے تم عافی۔ کہاں تھے تم؟ اتنے برس بیت گئے۔ اتنا وقت ہو گیا۔''

''تم زندہ ہو زندگی۔'' عافی اسے دیکھ کر خوش ہوا تھا۔

''میں کیسے مر سکتی تھی عافی۔ میں تو موت کے منہ سے بار بار واپس آ جاتی تھی یہ سوچ کر کہ ایک نہ ایک دن تم آؤ گے۔''

''میں مر ہی جاتی تھی اگر بندگی مجھے نہ بتاتی کہ تم ان سب ڈیتھ باڈیز میں نہ تھے...... ورنہ تو مجھے لگا تھا تم بھی......اور پھر میں بھی نہ بچتی۔ عافی! میں بھی نہ بچتی۔''

عافی نے اسے اٹھایا تھا۔ بیڈ پر بٹھایا تھا۔ اس نے اس کمرے میں فرسٹ ایڈ باکس بھی تلاش کر لیا۔ وہ اب اس کی مرہم پٹی کرنے لگا۔

''عافی! چھوڑو اسے۔''

''ایسی چوٹیں لگتی رہی ہیں عافی۔'' زندگی نے اپنے پیروں کی جانب اداسی سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''کیا ہوا زندگی؟''

''پہلے سارا جسم مفلوج سا لگنے لگا تھا لیکن بندگی کی خدمت اور بروقت علاج سے اب بس پیر سن ہو گئے ہیں۔ کوئی سینسیشن فیل نہیں کرتے۔ ماں باپ تو پہلے ہی چل بسے اور جو بچا اس بھیانک زلزلے نے چھین لیا۔''

''تم کہاں تھی زندگی اس وقت؟''

''میں......میں۔'' خوف کی ایک لہر سی اس بھیانک صبح کو یاد کرتے ہوئے اس کے تن بدن سے ٹکرائی تھی۔

''اس کی فائل کھو گئی تھی۔ مل نہیں رہی تھی۔ وہ غصے میں گھر سے نکلنے ہی لگی تھی کہ اس کے آس پاس ارتعاش سا محسوس ہونے لگا جیسے خوف رقص کر رہا ہو۔ جیسے صدیوں سے مٹی کی چادر اوڑھے بیٹھی زمین سے مٹی کی یہ چادر چھینے جا رہی ہو۔ اور وہ تڑپ کر کانپنے لگی ہو۔ سب کچھ ہل رہا تھا۔ میں خوف محسوس کر کے وہاں سے بھاگی تھی، نا جانے کس اور نا جانے کس سمت..... پر میرے بھاگنے سے کیا ہو جاتا۔ آفت ہر سو یکساں زور بھرے ہوئے تھی۔ نا جانے میں کہاں تھی۔ مجھے اتنا یاد ہے کہ کسی گرتے گھر کی کھڑکی کا

ایک لوہے کا ٹکڑا میری جانب بڑھا تھا اور بس...... اس کے بعد یاد نہیں...... پھر جب ہوش آیا تو میں ہسپتال میں تھی۔ میرا نچلا جسم ناکارہ ہو چکا تھا۔ سارے جسم پر پٹیاں بندھی تھیں۔ کوئی اپنا نہ تھا۔

پھر بہت سے دن میں اس اذیت کو جھیلتی رہی تھی۔ اللہ سے دعائیں مانگتی تھی کوئی اپنا کوئی جان پہچان والا مل جائے۔ وہ رب رحیم ہے عافی۔ میری دعا سن لی گئی تھی، تمہیں نوٹی یاد ہوگا؟''

عافی اسے کیسے بھول سکتا تھا بھلا۔

''نوٹی کے والد آئے تھے ایک دن وہاں۔ انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ کوئی نہیں بچا سوائے بندگی کے۔ انہوں نے مجھے تسلی دی کہ وہ بندگی کو میری خبر دے گا۔ اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔ بندگی کو ڈھونڈ نکالا۔

اس کے پاس دادی اور چاچی کے زیور تھے۔ اس نے سب بیچ کر میرا علاج کروایا، جگہ جگہ نوکریاں کیں، کہاں کہاں نہ ٹھوکریں کھائیں۔ میرے پاس ڈگریاں تھیں، تجربہ تھا مگر حوصلہ نہیں۔ اور اس کے پاس تو کچھ بھی نہیں تھا۔ بس کھانے بناتی گھر گھر جاتی، ساتھ میں پارلر میں کام بھی کرتی۔ مجھے پھر سے اپنی ٹانگوں پر کھڑا کرنے کے لیے نا جانے کہاں کہاں نہ بھٹکتی رہی اور پھر اسے عزت بی بی ملی۔''

''اور عزت بی بی نے اسے اپنا غلام بنا لیا۔'' یہ جملہ عافی نے کہا تھا۔

''نہیں، ایسا نہیں ہے عافی۔ عزت تو بہت اچھی ہے۔''

عافی مسکرایا تھا۔ یعنی بندگی نے اس سے سچ نہیں کہا تھا۔ جس طرح عافی کے زندہ ہونے کی خبر نہ دی تھی۔

''بس اب تم آ گئے ہو نا عافی۔ اب مجھے کوئی غم نہیں۔ اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اس نے عافی کا ہاتھ چومتے ہوئے کہا تھا۔ وہ وقفے وقفے کے بعد رو لیتی اور عافی کے گلے لگ جاتی۔

وہ اس کے گلے سے لپٹی رو رہی تھی کہ رخسار نے اسے اپنے فوٹو بھیجے۔

''یہ کون ہے عافی؟''

''جو بھی ہے تم سے خاص نہیں زندگی۔''

وہ روتے ہوئے مسکرا دی۔

''اسی طرح مسکراتی رہو زندگی۔تم نے بہت دکھ دیکھ لیے اب ایک اور آنسو نہیں۔''

''تم کہاں تھے عافی۔کہاں تھے تم؟''

''تمہارے خوابوں کی تعبیر ڈھونڈ رہا تھا شاید۔یارب میرے ذریعے تمہارے خواب پورے کر رہا تھا۔آج میرے پاس وہ سب ہے زندگی جو جو کچھ تم چاہتی تھی۔''

''عافی!''اس کی آنکھوں میں چمک اتر آئی تھی۔اس کا عافی آ چکا تھا۔

☆......☆......☆

''شان......شان! کیا تم وہاں ہو۔رخسار تمہارے پاس ہے؟''

عافی زندگی کو سلا کر کمرے سے باہر آیا تھا۔

''ہاں آپ کہاں ہیں عافی بھائی۔یہاں سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔''

''میں نہیں آ سکتا شان۔میری وائف زندہ ہے۔اس کے ہوتے ہوئے میں وہاں نہیں آ سکتا۔ تم کملا آنٹی کو فون کر دو۔''

عافی نے کملا کو حقیقت بتا دی تھی۔وہ زندگی اور بندگی کے ناموں کا فرق جانے بنا ناچنے لگی تھی۔ جب کہ سب کو سانپ سونگھ گیا تھا کہ عافی کی شادی نہیں ہو سکتی تھی۔ہیرو، ہیروئن ملے تھے ان کے لیے یہ ایک ہیپی اینڈنگ تھی۔

عافی زندگی کے پاس تھا۔دونوں ساس بہو کھری کھوٹی سن رہی تھیں۔رخسار نے وچن کو ایک گال پر کس کے تھپڑ مارا تو اس نے دوسرا گال آگے کر کے کہا۔

''میں تمہاری گناہگار ہوں رخسار۔تم جتنا جی چاہے مجھے مار سکتی ہو۔''

''کیوں وچن......کیوں؟ تم جانتی ہو وہ میری زندگی ہیں۔''

''تمہاری جو زندگی ہے اس کی سانسیں بندگی ہے۔وہ سانس لے گا تو تمہاری زندگی بنے گا نا...... اب تک تو زندہ تھا۔وہ ایک جھوٹ تھا اور کب تک قائم رہتا۔ایک نہ ایک دن سچ سامنے آتا اور تم اس وقت سوچو اس وقت تمہارا کیا ہوتا؟''

''اب کیا ہوگا میرا؟'' وہ روتے ہوئے نڈھال سی کہہ رہی تھی۔ اس نے ہاتھوں پر اس شخص کے نام کی مہندی لگائی تھی جو نکاح کے ایک دن پہلے کہہ رہا تھا کہ یہ رشتہ نہیں ہوسکتا۔

''وچن! کیا سوچیں گے سب میرے متعلق۔ یہ اتنا بڑا خاندان اتنے زیادہ مہمان۔''

وچن کا دل اس کے حال میں پسیج رہا تھا۔

حالی صاحب نے کیا خوب کہا تھا۔ ''راست گوئی میں ہے رسوائی بہت۔''

''نکل جاؤ وچن...... نکل جاؤ۔ آج کے بعد نظر مت آنا۔'' اس نے اسے اپنے کمرے سے نکالا تھا۔

''ٹھیک ہے میں جا رہی ہوں۔ میں تم سے معافی مانگتی ہوں رخسار، لیکن اس سب میں سب سے زیادہ بھلا تمہارا ہی ہوا۔ جس دن اس بات کو سمجھ جاؤ تو آجانا۔ تم ہمیشہ میری دعاؤں میں رہوگی۔''

اس نے بند دروازے سے رو رو کر پھوٹ پھوٹ کر کہا تھا۔

نہ صرف اتنے بڑے خاندان کی نفرت کا سامنا وہ ساس بہو تنہا کر رہی تھیں بلکہ اپنے لوگوں کی آنکھیں بھی ان سے خفا تھیں۔ دوری اور فری تو جیسے صدمے میں تھیں۔ شان اور اس کی ماں بھی رخسار اور اس کے گھر والوں کی حالت دیکھ کر غم زدہ تھے۔ سکینہ بھی خاموش تھی۔

وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ رہی تھیں اور رخسار کا پورا خاندان انہیں جیسے ڈنکے کی چوٹ پر رکھے ہوئے تھا۔ ملامت ہی ملامت...... غصہ ہی غصہ۔

وچن نے کئی بار بتایا تھا کہ رخسار سب جانتی تھی اور اس نے سچ چھپانے کے لیے کہا تھا۔ اور بس لیکن کوئی سمجھ نہ رہا تھا۔ سوال در سوال...... تہمت در تہمت۔

شان کی حالت وچن کا یہ حال دیکھ کر بگڑنے لگی تھی۔ فری اور دوری بھی اب کانپ رہی تھی۔

شان کی ماں شان کے لیے پریشان تھی۔ وہ اسے میڈیسن دے رہی تھی۔ کملا اپنی بہو کا ساتھ دے رہی تھی۔ ان دونوں کو بہت ذلیل کیا جا رہا تھا۔

سکینہ کو بھی غصہ آنے لگا تھا۔ بات اب ان کے مذہب تک پہنچ گئی تھی۔ وہ مذہبی طعنے دے رہے تھے کہ سکینہ نے تالی بجانی شروع کی اور کہا۔

''ہم مسلمان ہوکر کسی کا سچ برداشت کرنے کی بجائے اسے سچ بولنے کی سزا دے رہے ہیں اور ہم مسلمان ہیں اور یہ دونوں خواتین غیر مسلم۔''

''ارے میں پوچھتی ہوں کیا غلط کیا ہے ان دونوں نے؟ سچ بتا کر آپ کی بیٹی کی زندگی بچائی ہے اور آپ کی سمجھ نہیں آ رہی مجھے کہ آپ کیوں اپنی بیٹی کی شادی ایسے شخص سے کرنا چاہتے ہیں جو شادی شدہ ہے۔ اگر ان خواتین پر آپ ملامت بھیج رہی ہیں تو اپنے لیے بھی کچھ تو سوچ لیں۔ کیا آپ کو آپ کی بیٹی کے لیے شوہر نہیں انڈسٹریل عافی چاہیے بس۔''

سکینہ آئے آئی تو دوری اور فری بھی آگے چلی آئی اور سکینہ کا ساتھ دیا۔

''رخسار باجی کو سچ پتا تھا تو سچ کا ساتھ دیتی۔ اگر آپ کو کسی نے دھوکا دیا ہے تو آپ کی اپنی بیٹی نے۔''

''چلو وچی اور معافیاں مانگنے کی ضرورت نہیں۔ یہ تو اچھا ہوا عافی بھائی کو تم نے سچ بتا لیا ورنہ ہم سب اس جھوٹ کی شادی میں شریک ہو کر گناہگار بن جاتے۔''

''ہاں دوری۔ ان کو بس ان کی بیٹی کی فکر ہے کوئی اس عورت کا بھی سوچے جو عافی بھائی کی بیوی ہے اور تیرہ سال سے عافی بھائی کے انتظار میں ہے۔''

دعا کا اثر تھا یا دوستوں کی ہمت افزائی، شان کی طبیعت اب ذرا بہتر تھی۔ شان نے پرستائش نظروں سے دوستوں کو دیکھا۔

فری، دوری، وچی، ممی آنٹی اور سکینہ ایک دوسرے ہاتھ پکڑ کر وہاں سے آ رہی تھی۔

اب شان اور اس کی ماں بھی چل دیئے تو عافی کی جانب سے آئے کچھ دوست، پڑوسی، ورکرز اور ملازم بھی ہال سے نکل آئے۔ سب باہر آ کر وچی اور ممی اور ان سب کی ہمت کی داد دے رہے تھے۔

سب کی زبان پر ایک ہی فقرہ تھا۔ Aafi is very lucky man he has a true fraind like vachan

وہ مسکرائی تھی اور سب کو اپنی گاڑی میں ڈال کر پنڈی لائی تھی۔ گاڑی میں جگہ کم تھی فری اور دوری نے سکینہ کو آج بخوشی اپنی گود میں بٹھایا تھا۔

اس نے شکریہ کیا تو دونوں بولیں۔

''آج تو ہم تمہیں اپنی پلکوں پر بھی بٹھا سکتے ہیں۔کیوں دوری؟''

''ہاں فری۔آج تو اس نے کمال کر دیا۔کیسے سب کا منہ بند کر دیا۔''

''ہاں دوری۔اس کے بولنے کے بعد سب چپ ہو گئے ورنہ تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔''

''تھینک یو سکی ہماری وچی کا ساتھ دینے کے لیے۔''

انہوں نے اس کے نام کے آگے ''ی'' لگا دیا تھا۔یعنی اب ان کا دل سکینہ سے صاف ہو چکا تھا اور اب سکینہ کو بالآخر سچے دوست مل ہی گئے تھے جن کے آگے اسے شو مارنے کے لیے کسی جرم کا ہاتھ تھمانے کی ضرورت نہ تھی۔

وچی، شانی، ممی اور آنٹی بھی ان کی دوستی سے خوش تھیں۔

وہ سارے راستے سکینہ کو اپنی گود میں بٹھا کر آئی اور بہت ساری باتیں بھی کرتی رہی۔

☆......☆......☆

فری، دوری، سکی...... اگلے روز اپنے خاندان والوں کو عافی کی شادی روکنے کی ساری باتیں بتاتی رہی تھیں۔

سب عافی اور اس کی وائف کے لیے دعا گو تھے۔

اور وچن آج بے فکری کی نیند سوئی ہوئی تھی۔

بارہ بج گئے تھے۔کملا وچن کے اٹھنے کا انتظار کر کر کے تھک گئی تھی۔اور بالآخر بہو کو اٹھانے اس کے کمرے میں آئی۔

''ابھ بہو۔گھوڑے بیچ کے سوئی ہے کیا؟''

''ہاں اماں! سارے گھوڑے کیا خوب داموں میں بکے ہیں۔''

''اچھا چلو اب اصطبل سے باہر آؤ اور چلو عافی کی بیوی کے گھر۔''

''عافی کی بیوی؟'' وچن کے لیے تو خود یہ سرپرائزنگ نیوز تھی اور ایکسائٹمنگ بھی۔

یعنی بندگی اور عافی کی انڈر اسٹینڈنگ ہوگئی ہے اور بات میاں بیوی تک آ پہنچی تھی۔

"چلو نا بہو، دیکھو میں تیار ہو کر بیٹھی ہوں اور وہاں شان کے گھر میں بھی سب تیار ہو کر انتظار کر رہے ہوں گے۔

"ماں جی بس دس منٹ۔" وہ ٹاول اٹھا کر واش روم آئی۔

"آپ نے یہی ساڑھی عافی اور رخسار کی شادی پر پہنی تھی نا؟"

"ہاں سب وہی کپڑے پہن رہے تھے جو عافی کی شادی کے دن کے لیے بنائے تھے اس لیے میں نے بھی پہن لیے۔"

"ٹھیک ہے میں بھی وہی ساڑھی پہن آتی ہوں۔ آپ کمل کو تیار کر لیں۔"

"مما! میں تو تیار ہوں۔" وہ بھی چمکتا ہوا کرتا پاجامہ پہن کر سن گلاسز لگائے بے چین کھڑا تھا۔

وچن نے اشارتاً اس کی تعریف کی تو وہ باہر چلا گیا۔

"صبح سے سوال پر سوال پوچھ رہا ہے۔ اچھا ہے کل سو گیا تھا اسے کچھ پتا نہیں چلا۔"

"اسے کہنا منہ بند رکھے۔ ایسا نہ ہو وہاں......"

"ہاں ہاں بہو سمجھا دیا ہے اسے۔"

☆......☆......☆

کچھ دیر بعد پھر وہی منظر تھا۔ سب عافی کی شادی والے کپڑے پہن کر تیار ہوئے تھے۔ سب کے ہاتھوں میں گفٹ بھی تھے۔ آج فری نے اپنے گھٹنے پر سکینہ کو بٹھایا تھا جبکہ دوری کے گھٹنے پر سب کے گفٹ رکھے تھے۔ کمل کو کملا نے گود میں بٹھایا تھا جبکہ شان اور اس کی ماں فرنٹ میں بیٹھے تھے اور وچن خوشی خوشی ڈرائیو کر رہی تھی۔

آج پھر ترلوک سنگھ ان کے آنے سے پہلے وہاں موجود تھا۔ اس نے جیسے دروازہ کھولا وہ سب آندھی طوفان کی مانند اندر گھس آئے۔

عافی لان میں ہی کھڑا تھا۔ سب اسے مبارک باد دے رہے تھے۔

''کہاں ہے ہماری بھابھی عافی بھائی؟''فری نے پوچھا تو عافی نے ان سب کو برآمدے کے صوفے پر بیٹھنے کو کہا۔

عافی خود زندگی کو لانے آیا تھا۔

''عافی! شور کیسا ہے؟''

''میرے دوست تم سے ملنے آئے ہیں زندگی۔''

''اچھا! میں کیسی لگ رہی ہوں؟''اس نے اپنی الجھی لٹوں کو کانوں کے پیچھے اڑستے ہوئے پوچھا تھا۔

''بہت خوب صورت۔''عافی نے کہا اور اسے وہیل چیئر پر بٹھایا۔

وہ خوشی خوشی اسے باہر لے آیا۔

اسے دیکھتے ہی سب نے اس کا وارم ویلکم کیا اور بہت سے پھول اور گفٹ اسے دیئے۔سب کے لبوں پر ان دونوں کے لیے دعایا کلمات تھے۔

وہ تھینک یو،تھینک یو کہنے لگی۔وہ سب اسے بھابی بھابی کہہ رہے تھے۔اس کی آنکھوں میں پانی آ گیا۔

''ارے ایسے خوشی کے موقع پر روتے نہیں بیٹا۔''شان کی مما نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔

''تیرہ سال ہوئے اس بھیانک زلزلے کو۔میں عافی کے انتظار میں ملفوج پڑی رہی۔آپ سب کا یہاں ہونا خواب سا لگتا ہے۔خدا کا بہت شکر ہے کہ تم سب آئے اور اللہ کرے ہمیشہ آتے رہو۔''

کملا کی آنکھیں بھر آئیں۔

وہ سب بھی رو دیئے۔بس ایک وچن دنگ سی کھڑی تھی۔اسے اپنی آنکھوں پر جیسے وشواس ہی نہ ہو رہا ہو۔

عافی کے سامنے اتنی بڑی آزمائش ہے۔ہے بھگوان اس کا تو دماغ ماؤف ہونے لگا۔وہ چکرانے لگی تھی کہ عافی نے اسے تھام لیا۔

"وچن۔"

"وچن......" وہ جیسے بے ہوش سی ہوگئی تھی۔ زندگی کو دیکھ کر شاک لگا تھا اسے۔

سب نے اسے کمرے میں سلایا۔

"کیا ہوا انہیں؟" زندگی نے پریشانی سے پوچھا۔

"بیٹا! یہ میری بہو ہے۔ عافی سب سے پہلے اسی کا ہی دوست بنا ہے۔ تمہیں ڈھونڈنے کے لیے اس نے کیا کچھ نہیں کیا۔ آج تم اور عافی ساتھ ہو تو وجہ یہ ہے۔ اب دیکھو خوشی سے بے ہوش ہوگئی ہے۔"

"ماشاءاللہ...... پھر تو یہ میری محسن ہیں۔"

وچن کو ہوش آ گیا تھا۔ زندگی وہیل چیئر گھسیٹ کر وچن کے پاس آئی۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور پھر عقیدت سے چوم لیا۔

"میں آپ کا احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔ اور شکریہ بھی نہیں کہوں گی کہ شکریہ تو بہت چھوٹا لفظ ہوگا۔"

وچن کی آنکھوں میں حیرت تو پہلے ہی تھی اب اس کے لیے ہمدردی سمٹ آئی۔

جس کرب سے عافی گزرا تھا وہ بھی اسی کرب سے گزری تھی۔

"عافی نے بہت درد سہا ہے۔ اسے خوش رکھنا۔"

"میری تو سانس سانس عافی کے سپرد ہے۔"

وہ سب گھل مل گئے تھے۔ زندگی نے ان کو اپنی ساری کہانی سنائی تھی۔ سب کی آنکھیں نم تھیں۔

کملا بندگی اور زندگی کے ناموں کو مکس کر گئی تھی اور جب اب زندگی اپنے منہ سے بندگی کا ذکر رہی تھی تو اسے کھٹکا سا ہوا۔

"کیا یہ وہی لڑکی تھی جس سے وچن، عافی سے ملوانا چاہتی تھی۔" اسے بہو کا بے ہوش ہونا اور خاموش ہونا کچھ کچھ سمجھ آ رہا تھا۔

"آپ بندگی کو بلائیں نا۔ ہم ان سے بھی ملیں گے۔" کملا نے تجویز پیش کی تو سب نے ہامی بھر لی۔ زندگی نے بندگی کو فون کر کے بلا لیا۔

وہ آج بھی زندگی کی ہر بات مانتی تھی۔اس نے فون کیا تھا آنے کو کہا تھا تو وہ سب چھوڑ کے چلی آئی تھی۔

عافی کو بندگی کا آنا بہت اچھا تھا۔لیکن وہ لڑکا بھی بندگی کے ساتھ تھا اور بے حد بے تکلف تھا۔ عافی نے برداشت کرلیا۔نا جانے اسے یہ اور کیا کیا برداشت کرنا تھا۔

فری، دوری تو اسے دیکھ کر پاگل سی ہوگئی۔بار بار فرط جذبات سے کہہ اٹھتی، ”ماشاءاللہ۔آپ بہت خوب صورت ہیں۔“

اور وہ جس ادا سے تھینک یو کہتی۔وہ تو دل فریب ہی تھا۔سکینہ بھی اب ان کے ہی ساتھ تھی۔گو کہ وہ خوش دل کو پہلے سے جانتی تھی لیکن اسے کسی بات کی بھنک نہ تھی۔اور وہ چپ ہی رہی تھی۔بتایا نہ تھا کہ اس نے ہی وچن کو اس کی جگہ پیپر دینے کے لیے کہا تھا۔

وچن نے بھی اسے آنکھوں آنکھوں میں چپ رہنے کا کہا تھا۔

نوجوان لڑکا ان کے لیے کھانے پینے کا انتظام کر آیا تھا۔فری اور دوری ذرا سی دیر گزرنے کے بعد پھر بولی تھی۔

”آپ بہت خوب صورت ہیں ماشاءاللہ۔عافی بھائی۔یہ بہت خوب صورت ہیں۔ہیں نا؟“

”ہاں! پر پہلے اور بھی زیادہ خوب صورت تھی۔“

”سچ۔اس سے بھی زیادہ۔“

”ہاں۔اس سے بھی زیادہ اور معصوم بھی بہت تھی۔“

”سچ۔“ وہ دونوں بہت خوش تھیں۔

”ہاں! معصوم، بندہ نواز، عبادت گزار۔“

”ہاں بھئی عبادتیں تو اب بھی بہت کرتی ہے۔“

”نہیں زندگی۔اب کہاں۔اب تو میری زندگی بس عزت پارلر کے اردگرد گھومتی ہے۔اب تو نمازیں قضا ہو جاتی ہیں اور یوں بھی انسان دین اور دنیا کو ساتھ کہاں لیا پھرتا ہے۔دین کے ہو جانے

کے لیے دنیا ترک کرنی پڑتی ہے اور دنیا ترک نہیں ہو سکتی۔"

"لیکن پھر بھی ہم نے تو تم سے ہی دین اور دنیا کے سارے سبق سیکھے اور اب تو سوچتی ہوں وہ تیاگی تو نا جانے کیا تیاگ کر جاتے ہیں جو گھروں کو چھوڑ کر خدا کی تلاش میں بیابانوں کی خاک چھانتے ہیں۔"

اُف! یہ کیا۔ اسے تو خود کی برائی سننے کی عادت ہو گئی تھی۔ اس نے اپنا ایسا ہی امیج بنا رکھا تھا۔ چالاک، مکار، لالچی، خود پرست اور آٹھ آٹھ بوائے فرینڈ والی لڑکی۔ تا کہ پھر سے کوئی اس کی معصومیت سے فائدہ اٹھا کر اسے بے وقوف نہ بنائے۔ لیکن وہ بھول گئی تھی نیکی کے راستوں پر چلنے والے بے شک پتھروں سے گزرتے ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ ان کے قدموں میں کانٹے نہیں چبھنے دیتا۔ ان کے راستے کے کانٹے پھول بنتے جاتے ہیں اور ایک دن ایسا آتا ہے ان کے راستے پھولوں سے بھر جاتے ہیں۔

پارلر میں بھی وہ سب سے لڑتی، کئی کئی دن تنخواہیں لڑکیوں کی روک کر رکھتی تا کہ لوگ اس کی برائی کریں۔ اس سے ڈریں، اس سے دور رہیں لیکن پھر اپنی عاجز فطرت کے زیرِ اثر مجبور بندگی ان کی ایسی ایسی مدد کر گزرتی کہ واہ واہ ہو جاتی۔ اور پھر وہ غصے میں جھاڑتی پھرتی۔

لیکن سب اسے سمجھ گئے تھے۔ کوئی سا کی برائی بس اتنی ہی حد تک کرتا کہ غصے کی تیز ہے لیکن دل صاف ہے۔

یہ سب باتیں اسی نوجوان نے کی تھیں۔ جواب بھی عافی کے لیے سوالیہ نشان تھا اور اب تو وچن کے لیے بھی۔

پر اب زندگی نے یہ گتھی بھی سلجھا دی نوجوان کا تعارف کروا کے۔

"عافی! تم نے اسے پہچانا؟"

عافی حیران تھا۔

"یہ نوٹی ہے ہمارا۔"

"او تیری۔" یادوں کے قوزوں سے وہ شرٹ اور نیکر والا لڑکا شرارت کرتا منہ بناتا نظر آیا۔

اس نے تو فرطِ جذبات میں اسے گلے سے ہی لگا لیا۔

''تم ساتھ تھے ان کے؟''

''میں چھوڑ کر نہ جاسکا۔''اس کا لہجہ شکوہ زدہ تھا۔وہ سب کچھ تو جانتا تھا۔نوٹی اب کمل کے ساتھ کھیلنے چلا آیا تھا۔وہ یوں بھی اتنے سارے بڑوں میں بور ہو رہا تھا فوراً مان گیا اور نوٹی کے ساتھ باہر آیا تھا۔وچن بھی تو سب جانتی تھی اس کے متعلق۔اور اب سنی سنائی یادداشت میں جان پہچان کے گٹھ جوڑ ملاتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں آپ کے بیٹے کا خیال رکھوں گا۔''

''جانتی ہوں۔عافی سے بہت سن رکھا ہے تمہارے متعلق۔''وہ مسکرایا تھا اور کمل کو ہاتھ سے پکڑ کر باہر لے آیا۔

''عزت پارلر دراصل اس کی والدہ کا ہی پارلر تھا۔ان کی وفات کے بعد عزت سنبھالتی ہیں۔''

سب کچھ گڈمڈ سا تھا۔عافی نے ایک بار پھر نوٹی کو تلاش نہ کیا۔بلکہ کتنی یاد آتی رہی تھی اس کی۔وہ خطوں ورقعوں کا تبادلہ اور اس کی منتیں۔

کاش وہ نوٹی کو ڈھونڈ لیتا تو کب سے ان تک پہنچ جاتا۔زندگی بے حد بے رحمی برتتی رہی تھی۔خیر اپنے بھی اعمال کون سے اچھے تھے۔

عافی نے تاسفاً سوچا تھا۔

وچن بھی بے دل سی اس گھر سے نکلی تھی۔کیا شدید آرزو تھی اس کی کہ وہ اپنی زندگی میں یہ اچھا کام کر جائے ان دونوں کو ایک ہوتا دیکھے لیکن اب اسے لگتا تھا گوتم بدھ ٹھیک ہی کہہ گئے تھے۔''دکھ کی وجہ خواہشات ہیں۔''

اگر دکھ ہیں تو ضرور وجودِ خواہش ہے۔کاش ہم سب کچھ اس رب پر چھوڑ دیں اور حوصلہ کر کے کہہ دیں یارب میری ایک بھی خواہش پوری نہ کر۔جو جو تجھے اچھا لگے وہ وہ کر اور خواہشات کی وادی میں ڈوبنے کی بجائے اپنی رضا میں راضی رکھ۔

وچن بہت دکھی تھی۔اس کی خواہش تھی عافی اور بندگی مل جائے لیکن وہ نہ مل سکے تھے۔وہ

خاموش بھی بہت تھی ان سب کو اپنے اپنے گھر چھوڑ رہی تھی۔ وہ سب بہت خوش تھے۔ خاص طور پر آنٹی......آنٹی نے تو اترتے وقت اسے اور حیران کر دیا۔

''وچی! کل تک میں رخسار کا سوچ رہی تھی مجھے کہیں کہیں لگ رہا تھا رخسار کے ساتھ غلط ہوا ہے لیکن آج زندگی اور بندگی سے مل کر یہ احساس ہوا کہ کتنی بڑی ناانصافی ہو جاتی جو تم خاموش ہو جاتی۔''

اب وہ کیا کہتی کہ ناانصافی تو اب بھی ہوئی ہے۔ عافی کے ساتھ، بندگی کے ساتھ اور زندگی کے ساتھ بھی۔

☆......☆......☆

سندھیا سے وہ جاتی ہوئی روشنی اور آتے ہوئے اندھیرے کو تک رہی تھی۔

دل کا حال عجیب تھا۔ آج اس میں اٹھ کر دا جانے کی بھی ہمت نہ تھی۔ آج دیا کمل نے جلایا تھا۔ کملا اس کی نگرانی کر رہی تھی۔ وہ بھاگتے بھاگتے یہ خوش خبری دینے ماں کے پاس آیا تھا۔

''مما! آج میں نے دیا جلایا اور روئی بھی پتلی کر کے میں نے ڈالی۔ بس تیل دادی نے ڈالا۔ کہہ رہی تھی میں گرا دوں گی۔ دادی کنجوس ہو گئی ہے نا۔''

''ایسا نہیں کہتے بیٹا۔ انہیں برا لگے گا۔''

''کوئی نہیں وہ سن نہیں رہی۔ وہ کچن میں ہیں۔''

''میں سن رہی ہوں میرے لال۔'' وہ بھی کملا تھی۔

اس نے مٹھیاں بھینچ کر ایک آنکھ بند کر کے کہا۔ ''اوپس......سوری دادی۔''

''بدمعاش۔''

''دادی۔ بدمعاش نوٹی کو کہتے ہیں اب آپ مجھے بدمعاش نہ کہیے ورنہ میرا بھی نام بدمعاش پڑ جائے گا جیسے نوٹی بھیا کا نام پڑ گیا۔ ان کا اصل نام فیضی سکندر شاہ ہے۔''

''نام فیضی سکندر شاہ ہے۔''

''تو فیضی کہنے کو کہے نا سب کو۔''

''یہی نا کہہ نہیں سکتا کیونکہ ان کی ممی انہیں نوٹی کہتی تھی اس لیے وہ اپنے لیے یہی نام سنتے ہیں۔''

''اب ایسا نہ ہو۔''

''چل بدمعاش۔ جا یہاں سے آج تمہیں فلم نہیں بنانی کیا۔''

''دادی! وڈیوز کہتے ہیں۔''

''ہاں وہی۔''

جا بجا دادی پوتے کی گفتگو سے وہ مسکرائی تھی۔ کمل گھر سے باہر سائیکل چلانے چلا گیا تھا۔ کملا وچن کے پاس آن بیٹھی۔

''بندگی کو ڈھونڈ رہی تھی نا تم اور مل گئی زندگی۔''

''زندگی تو مل گئی لیکن عافی کی زندگی کھو گئی۔''

''اب کیا ہوگا بہو۔ لگتا ہے عافی کی سزا ختم نہیں ہوئی۔ اگر تکلیف سہنے والا اپنی تکلیف کو لفظ بہ لفظ یاد رکھے تو وہ تکلیف دینے والے کو سو بار بھی کہہ دے، ''جاؤ تمہیں معاف کیا۔'' لیکن پھر بھی جب جب وہ اس تکلیف کو یاد کرتے ہیں تب تب دل تکلیف زدہ ہو جاتا ہے۔ اب کوئی دل اس قدر تکلیف میں ہو تو تکلیف دینے والے کا بھلا کیسے ہو سکتا ہے۔

''تو کیا عافی کی زندگی ایسی ہی رہے گی؟''

''پتا نہیں ماں جی۔ لیکن اب اس کی زندگی اور بھی مشکل ہو جائے گی۔ رب سب کو موقع دیتا ہے پہلے عافی کے پاس موقع تھا اس نے جتنا چاہا بندگی کا دل دکھایا اب بندگی کی باری ہے۔''

''لیکن وہ ایسی نہیں لگ رہی تھی۔''

''ماں جی، وہ جیسی بن گئی ہے وہ ہی عافی کو بے حال کرنے کے لیے کافی ہے۔ ہم جسے دنیا بھر کی خوشیاں دینا چاہتے ہیں ان کی زندگی میں مسلسل صدمے ہوں، سناٹے ہوں، تکلیفیں ہوں تو رونے والا تو رو دھو کے آنسو پونچھ بھی لیتا ہے لیکن اس کے آنسو چاہنے والے کے دل پر کسی تیز دھار کی مانند گرتے ہیں جو اسے اندر ہی اندر زخم دے رہے ہوتے ہیں۔ درد دے رہے ہوتے ہیں۔

اور جب آپ صرف کسی ایک کو چاہتے ہو اور اسے مسلسل دنیا کی ٹھوکریں کھاتے دیکھتے ہو لیکن اپنا نام نہ دے پاتے ہوں۔ دو جا وہ بھی ساری دنیا کی ٹھوکریں خوشی خوشی کھانے کو تیار ہوں لیکن آپ کا نام تک نہ سننا چاہتا ہو تو اس سے بڑھ کر اور کون سا دکھ ہو سکتا ہے۔"

"بھگوان رحم کرے۔" کملا ان کے لیے پریشان تھی۔ جبکہ اصل پریشانی تو اپنے گھر کی تھی۔ دیپک کی کوئی خبر بھی نہ تھی۔

☆......☆......☆

"کیسے ہو عافی۔ کیسے گزر رہے ہیں تمہارے دن۔" وہ تقریباً ایک ماہ بعد پہاڑی پر ملے تھے۔

"دن کچھ ایسے گزارتا ہے کوئی
جیسے احسان اتارتا ہے کوئی
پک گیا ہے شجر پہ پھل شاید
پھر سے کنکر اچھالتا ہے کوئی"

"میں سمجھ سکتی ہوں عافی۔" کیسے نہ سمجھتے دونوں اداس تھے۔

کتنا مشکل ہوتا ہے کسی کو بتانا اور سمجھانا کہ وہ آپ کی زندگی میں آپ کی زندگی بن گیا ہے۔ اب اپنا سب کچھ اس کے ہونے سے ہے۔

"کوئی کیوں نہیں سمجھتا عافی۔ ہم کیوں سمجھا نہیں پاتے۔" وچن نے اپنی بے بسی کہی تھی۔

"دیپک نہیں آیا؟"

"نہیں۔"

"کب آئے گا۔ وہ بھی پتا نہیں۔ ناراض ہے۔"

"ہاں۔ سکینہ والے قصے کے بعد سے ہی۔"

"لیکن اب تو...... خیر پہلے بھی ایسا ہوا ہے۔"

"ہاں ہمیشہ ایسا ہوتا ہے۔ وہ بہت زیادہ روٹھ جاتے ہیں۔ میں جتنا بھی منا لوں نہیں مانتے۔

جب ان کا اپنا دل چاہتا ہے تب ہی بات کرتے ہیں۔ اب بھی جلدی مان جائے گا۔ تم فکر مت کرو۔"

"ہاں! تم بتاؤ۔ وہاں کیا حال ہے۔ زندگی کو دیکھ کر کیسا لگا؟"

"اچھا لگا وچن۔ میرا کوئی نہیں تھا اب ایک بیوی ہے۔ سچ کہوں تو اسے زندہ دیکھ کر خوشی ہوئی لیکن اسے اس طرح دیکھ کر دکھ ہوا۔ ہواؤں سے باتیں کرنی آتی تھیں اسے۔ آسمانوں سے بلند اڑنا چاہتی تھی اور اب اپنے قدموں پہ ہی کھڑی نہیں ہو سکتی۔"

"ہاں برا تو مجھے بھی لگا تھا۔ پر کیا کیا جا سکتا ہے۔ خیر تم نے عزت بی بی سے بات کی؟"

"گیا تھا اس کے پاس۔"

"لیکن بندگی کہتی ہے اگر عزت کو کچھ بھی کہا تو وہ پھر سے روپوش ہو جائے گی۔ سنبھالو اپنی بیوی کو...... اتنی بڑی دھمکی۔ کیسے کروں؟"

"تم کیا کر سکتے ہو عافی۔ غلام اگر غلامی میں خوش ہو تو۔"

"لیکن سہوں بھی کیسے۔ اس کا راتوں کو دیر سے گھر آنا۔ ایسا لباس اختیار کرنا۔ وہ گھر...... وہ محلّہ...... میں کیسے سہہ لوں؟"

"اب اگر اسے کوئی مسئلہ نہیں عافی تو تمہیں بھی کوئی مسئلہ نہیں ہونا چاہیے نا۔"

"کوئی اپنے اصل سے بھاگتا پھرے تو شاید مجھے مسئلہ نہ ہوتا لیکن اسے اس کی اصلیت یاد ہے۔ گھر آتے ہی سر ڈھانپ لیتی ہے۔ نمازوں میں روتی رہتی ہے۔ معافیاں مانگتی ہے لیکن پھر بھی کہتی ہے اگر عزت سے بات کی تو؟"

"ویسے عافی اس کا کام ایسا ہے۔ مجھے نہیں لگتا تمہیں فرق پڑنا چاہیے۔ اگر وہ راتوں کو دیر سے آتی بھی ہے تو عزت کا ہاتھ ہوتا ہے اس پر بہت پیاری ہے بندگی اسے۔"

"لیکن وچن، لوگ انسان کو اس کے کام سے پہچانتے ہیں۔"

"کبھی کبھی لوگوں کو فکروں سے نکال لینا بھی ایک عظیم کا کام ہوتا ہے۔ اور وہ عظیم کام کر رہی ہے۔ میں عزت سے بات نہیں کر سکتا لیکن تمہیں جانا چاہیے اس کے پاس وچن۔ اسے کہہ دو عافی کا

سب کچھ لے لے بس بندگی کو رخصت دے دے۔"

"ہوں کوشش کرتی ہوں، لیکن بندگی سونے کی چڑیا ہے اس کے لیے۔ سارے پارلر کی رونق ہے وہ۔"

کوئی تو حل ہوگا نا؟"

ہوں...... آج وہ آہستہ آہستہ اتر رہے تھے۔ دونوں کے پیروں اور دل سے بھاری بوجھ ٹکرائے تھے۔ جوان کی رفتار کو ست رو بنا رہے تھے۔

☆......☆......☆

رات گہری سے گہری تر ہوتی جاتی تھی۔ بارش کا بھی امکان تھا، بجلیاں بھی کڑکتی تھیں۔ یہ ایک اندھیری رات تھی بادلوں کے باعث آسمان بھی گہرا کالا لگ رہا تھا جس میں ایک بھی تارا نہ ہو۔ یوں تو وہ بارہ بجے آجاتی تھی لیکن اب رات کے دو بج چکے تھے۔

زندگی سو چکی تھی۔ عافی بندگی کے انتظار میں جاگ رہا تھا۔ تقریباً آدھا گھنٹہ اور انتظار سے ہو پایا، اس نے گاڑی نکالی تھی اور خود پارلر آیا تھا۔ یہ عزت بی بی کا پارلر تھا۔ جو چوبیں گھنٹے کھلے رہتا۔ یہاں اس وقت بھی دن کی سی رونق تھی۔ تیز والیم میں میوزک چل رہا تھا۔ ہر سو روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ ہر سو عورتیں ہی عورتیں نظر آ رہی تھیں۔ کچھ ورکرز تھیں لیکن زیادہ تر گاہک تھیں۔

لیکن اس وقت سجنے سنورنے کا کون سا وقت ہوتا ہے۔ عافی نے سوچا اور بندگی کی جانب بڑھا۔

یہاں موجود ایک ورکر اس وسیع پارلر میں گھما گھما کر عافی کو دل کے پاس لے جا رہی تھی۔ عافی ان عورتوں کے عجیب انداز اور دیکھنے کے لیے اسٹائل سے ان کی شناخت باآسانی کر سکتا تھا۔

دل میک اپ کے پورشن میں تھی جہاں سے نکلنے والی چیٹنے منہ والی عورتوں نے عافی کو بے شرمی سے آ کر گھیر لیا۔ ایک نے ہاتھ تھام لیا۔ دوسری اس کے ماتھے پر آئی لٹوں کو چھیڑنے لگی۔

"یہ کیا حرکت ہے؟"

"وہ بھی ہم سمجھائیں گے۔" دونوں سجی دھجی عورتوں نے آنکھ مارتے ہوئے اپنے وجود کو اس

سے پاس کرتے ہوئے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

''ہٹو میرے پاس سے۔''

''کیوں......اب اتنا بھی کیا گھبرانا۔''

عافی کو شدید غصہ آیا تھا۔ وہ ان کو خود سے پرے گرا کر بندگی کی طرف بھاگا تھا۔ پیچھے سے ان عورتوں نے ایسے ایسے بے ہودہ جملے کسے کہ عافی تو عافی پوری صنف عورت ہی شرم سے پانی پانی ہو جائے۔

نہیں اب اور نہیں۔ وہ بنا دستک دیئے میک اپ روم میں چلا گیا۔

بندگی کس یخاتون کو سجا رہی تھی۔ اس نے ڈیپ نیک شرٹ، ٹخنوں تک آتی بلیو جینز پہنی تھی۔ بالوں کا اونچا جوڑا بنایا تھا۔ جس کے اردگرد بالوں میں موتی پروئے ہوئے تھے۔ بندگی کے دانتوں تلے دبے بلش برش پر اس کے ہونٹوں کی ڈارک لپ اسٹک جم رہی تھی۔ جبکہ ایک ہاتھ میں آئی بروکٹ تھی اور دوسرے ہاتھ میں آئی برو برش۔

''آج تو میں ان امیر زادوں کی ہوش اڑا دوں گی۔'' وہ عورت نا جانے کیسے کیسے نازیبا الفاظ بندگی کے آگے بیان کر رہی تھی۔

عافی کو دیکھ کر اس کی جانب مڑی اور کہا۔

''دل! تم نے بڑا ہاتھ مارا ہے۔ بڑا مزہ آتا ہو گا نا۔ مرد بہت خوبصورت ہو تو۔''

عافی کی تو سانس ہی جیسے رک گئی۔ ایسے ناپاک جملے۔ ایسی حیا سے عاری باتیں۔ یہ بے ہودہ الفاظ۔ کوئی ایسے الفاظ بندگی کے سامنے کیسے کہہ سکتا تھا۔ بندگی۔ جس سے عافی کو عبادت کے جیسی محبت تھی۔

اس نے بندگی کا ہاتھ تھاما اور اسے گھسیٹتا ہوا اس پارلر کی حدود سے باہر لایا۔

رات کا اب تک کچھ نہیں بگڑا تھا۔ یوں ہی کالی گھٹا سی چھائی ہوئی تھی۔ موسم بھی بدگمان سا تھا۔ تیز ہوائیں بے گانی سی اس رت میں پھرتی تھی۔ ان دونوں سے ٹکرائی تھیں۔

"عافی! یہ کیا بدتمیزی ہے؟"

"کیا یہ بدتمیزی ہے بندگی یا وہ بدتمیزی تھی جو وہ عورتیں...... کیسے بندگی تم ان کے الفاظ کیسے سن رہی تھی۔ وہ باتیں...... کیسے؟"

"میں صرف ان کی باتیں نہیں ان کی پوری پوری کہانیاں بھی سن لیتی ہوں۔ جن پر رات کی سیاہ سیاہی ملی ہوتی ہے۔ اور اتنا ہی نہیں کچھ تو بڑی شان سے اپنی راتوں کی تفصیل ویڈیوز بھی دکھایا کرتی ہیں۔"

عافی کا تو جیسے دل ہی تھم گیا اس نے کرب سے مٹھیاں بھینچ لیں۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا رات کے وقت کیسی عورتیں سجنے آتی ہوں گی اور کیوں بندگی دیر سے گھر آتی تھی۔

"بندگی! چھوڑ دو یہ کام۔"

"کیوں چھوڑ دوں۔ عافی کیا برائی ہے اس کام میں۔"

"بندگی! عزت بی بی تمہیں بطور ماڈل پیش کر رہی ہے۔"

"ہاں! کچھ بھی عافی۔"

"بندگی! تمہیں یہ برا نہیں لگتا؟"

"عافی! اپنے دماغ کا علاج کرواؤ۔ اس میں کچھ برا نہیں۔ میں صرف ان عورتوں کو گیٹ اپ اور نیو لوکس دیتی ہوں۔ عزت بی بی کے پارلر میں ہر کوئی آتا ہے بلکہ ہر پارلر میں ہر ایک عورت آسکتی ہے۔ پھر وہ کوئی حافظہ نورین ہو یا پھر تاریک گلیوں میں عیاری کرتی پھرتی خاتون۔"

"کچھ بھی ہو تم یہ کام چھوڑ دو۔"

"پھر وہی بات...... کیوں چھوڑ دوں...... میں کون سا اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوں...... یا پھر کوئی ہنر مند۔"

"میں عزت کو دیکھ لوں گا۔"

"آپ ہوتے کون ہیں مداخلت کرنے والے۔ ایک سچ سن لو۔ اگر عزت آپا نہ ہوتی تو میں آج پارلر میں اس وقت اسی مقصد سے ہوتی جس مقصد سے وہ خواتین آتی ہیں۔"

"بس کرو بندگی......"

''آئندہ مت آجانا مداخلت کرنے۔'' اس نے بے حد بے رخی سے کہا تھا۔

''میں بھی دیکھتا ہوں۔تم اب وہ ہی کروگی جو میں کہوں گا۔''

''اسی وجہ سے تو چھپا کے رکھا تھا زندگی کو تم سے...... میں جانتی ہوں تم میری طرح اسے بھی بے وقوف بنا رہے ہو۔لیکن اگر عافی...... اگر میری بہن کی آنکھ میں تمہاری وجہ سے ایک بھی آنسو آیا نا تو اس بار دیکھ لینا، میں تمہارا وہ حشر کروں گی کہ تم یاد کروگے۔'' اس کی آواز، اس کی آنکھوں میں بے حد نفرت تھی بلکہ اس کا ہر انداز بتاتا تھا اسے عافی سے نفرت ،نفرت اور صرف نفرت ہے۔

''تمہیں سب معاف ہے بندگی۔ جتنے چاہے وار کرلو، جو چاہے انتقام لے لو، سولی پر لٹکا دو، زندہ گاڑ دو، پر یوں زخم تو نہ دو۔ دیکھو خود کو کیا تھی تم اور کیا ہوگئی ہو۔'' اس نے اس کے حلیے کی جانب اشارہ کیا تھا۔

''اب حقیقت پسند ہوگئی ہوں۔سب کی اصلیت جان گئی ہوں۔کاش میں پہلے سے ایسی ہوتی تو تمہاری بدنیتی سے بچ جاتی۔''

''بندگی......'' اس نے دو قدم آگے بڑھائے تھے۔

''خبردار عافی! دور رہو مجھ سے ورنہ تمہارے ساتھ ساتھ میں خود کو بھی جلا لوں گی۔''

''بندگی۔'' وہ اپنی جگہ رک گیا۔

''کیوں آئے ہو تم عافی...... کیوں...... اور اب اگر آ ہی گئے ہو تو مجھ سے دور رہو۔''

''تمہیں دیکھ کر مجھے میرے گناہ یاد آجاتے ہیں۔''

''مت یاد دلواؤ مجھے وہ سب۔'' اس نے انتہائی نفرت سے کہا تھا۔

عافی ششدر سا رہ گیا۔

تعلق نہ تھا تو نہ سہی لیکن نفرت کی انتہا تو دیکھو۔وجو اس کی محبت تھی۔وہ اس کے لیے یادِ گناہ تھا۔

''یادِ گناہ......یادِ گناہ۔''

محبت کا احساس جب احساسِ گناہ بن جائے تو انسان ساری زندگی خود کو خودی کے کٹہرے میں

کھڑا رکھتا ہے۔ جہاں اس کی شرمندگی اسے خود سے خوف کھانے کو کہتی ہے۔ خودی کا خوف خودی کو زندہ مار دیتا ہے، جب کوئی خود میں خود ہی نہ ہو تو پھر کیسی محبت؟ کیسی دیوانگی؟ کیسی وابستگی؟ کیسی دل لگی۔ کون سے عہدِ وفا، کہاں کی بندگی اور کون تھا عافی؟

وہ یادِ گناہ تھا تو کیوں کر یاد آئے گا، کیسے پرانی محبت پائے گا؟ کوئی اپنا خود اپنا ہی نہ رہا ہو تو وہ رشتہ کیسے نبھائے گا۔ وفاداری کی شروعات خود سے ہوا کرتی ہے، کوئی خود سے ہی وفا نہ کر سکے تو محبتوں کو کہاں ڈھونڈو گے۔ عافی وہاں موجود تھا اور وہ اسے فراموش کر کے پارلر واپس چلی آئی تھی۔

☆......☆......☆

چلو میں ایک احساس گناہ ہی سہی، پر وہ تو وہ ہوتی۔ جو گالی تک نہ سن سکتی تھی وہ الفاظِ بے حیا پر ہاتھ پہ ہاتھ دے کر ہنسی ہے۔ مسکراتی ہے۔

''عافی! سنبھالو اپنے آپ کو۔''

''وچن! زمانے بھر کی نفرت کر لے وہ مجھ سے۔ اگر وہ مجھے دیکھنا نہیں چاہتی تو اللہ کرے وہ مجھے کبھی نہ دیکھے۔ روز کے روز، ہر گزرتے لمحے مجھے وہ کوسے، بددعائیں دے۔ لیکن خود سے وفا کر لے۔ اس کی اپنے آپ سے محبت لازمی ہے۔ اور میری مجبوری تو دیکھ نا، میں اسے اپنا کہہ سکتا ہوں نہ اپنا پن جتا سکتا ہوں۔ وہ مجھ سے بدگمان ہے بھی تو جہ میں خود ہوں۔''

''عافی! میں عزت سے ملنے کی کوشش کر چکی ہوں لیکن وہ مجھ سے مل نہیں رہی۔ مجھے لگتا ہے اسے تمہارے آنے کا انتظار ہے۔''

''ہاں لگتا یہی ہے۔''

''میں کل بندگی کے پارلر جانے کے وقت اس کے گھر چلی جاؤں گی اور اسے باتوں میں مصروف کر لوں گی۔ تم عزت سے مل لینا۔ عزت فکس بارہ بجے پارلر میں داخل ہوتی ہے۔ اس کا بنگلہ بھی پارلر کے بالمقابل ہی ہے۔ ہوں۔'' اس نے جلدی جلدی فون پر تجویز پیش کی تھی۔

☆......☆......☆

کل شب بھی عافی اس کا انتظار کرتا رہا تھا اور وہ صبح سویرا ہونے کے قریب گھر آئی تھی۔ عافی جانتا تھا کچھ تو اسے کام کی مصروفیت زیادہ تھی اور کچھ وہ عافی سے کتراتی تھی۔ دیکھنا تک نہ چاہتی تھی۔ عافی بھی اس کے آنے سے پہلے اپنے آپ کو کہیں گم ہی کر دیتا۔ دراصل وہ ڈرنے لگا تھا بندگی سے۔ پھر کہیں روپوش ہوگئی تو...... اس کے آنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں جا کر سو جاتا۔

صبح فکس بارہ بجے وہ عزت پارلر کے باہر کھڑا تھا اور وچن بندگی کے گھر میں۔

بندگی سو رہی تھی۔ رات کو دیر سے آتی تھی تو صبح دیر سے آتی۔

وچن کو دیکھ کر کہا۔

''تم...... کیا ہوا؟''

''مجھے نیند آ رہی ہے۔'' وہ عافی کی طرح عافی کے ہر ایک دوست سے کترانے لگی تھی۔

''ٹھیک ہے۔ تم سو جاؤ۔ میں عافی سے ملنے آئی ہوں۔''

''وہ گھر پر نہیں ہے۔'' اس نے عجیب سے انداز میں کہا اور اپنے کمرے میں چلی ائی۔

''یعنی تمہیں عافی کی خبر تو رہتی ہے۔''

''کبھی ستم ہے، کبھی کرم ہے۔ کبھی توجہ، کبھی تغافل۔

''یہ صاف ظاہر ہے مجھ پہ اب تک ہوا ہوں میں کامیاب آدھا''

اس نے مسکرا کر شعر پڑھا تھا۔ گویا عافی کو اس کی آدھی سی کامیابی پر مبارک باد دی ہو۔ پر آدھی ہی کامیابی۔

☆......☆......☆

وچن نے ایک دم ٹھیک ٹھیک ٹائم بتایا تھا۔ عزت بی بی اپنے بنگلے سے اپنی مخصوص شان سے نکلی تھی۔ خادمہ اور کنیز اس کے ساتھ تھیں اور ساتھ میں دوسری خواتین بھی۔ وہ کسی شہزادی کی طرح اپنے پارلر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ یہ پارلر تھا بھی تو اس کی راجدھانی۔

ڈارک براؤن میکسی میں جدید میک اپ سے آراستہ وہ ادھیڑ عمر خاتون، ایک نوجوان لڑکی سے کم

نہ لگی تھی۔

عافی کو دیکھ کر رک گئی تھی۔ عافی بھی اسے دیکھ کر اسی کی جانب بڑھا اور سلام کر کے کہا۔

"میں عافی ہوں۔"

اس نے عافی کے تعارف پر عافی کو اس انداز سے دیکھا جیسے ابھی خنجر ہی نہ اتار دے اس کے سینے میں۔ وہ براؤن میکسی سے میچنگ لپ اسٹک لگائے جولب پھیلائے مسکراتے ہوئے دیگر خواتین کے ساتھ آ رہی تھی، فوراً ہی لب سکیڑ لیے اور پیشانی کھینچ لی۔ جس کی وجہ سے اس کی پیشانی پر بہت سے بل اور جھریاں اتر آئیں جو عافی سے اس کی نفرت کو عیاں کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی اصل عمر کو بھی عیاں کر رہی تھیں۔

وہ آگے بڑھنے لگی۔

عافی نے اسے پھر سے پکار کر روک لیا۔ اس نے اس بار عافی کو سرتا پا کسی ناگواری سے دیکھا۔ وہ جلدی جلدی اٹھ کر آیا تھا۔ اس کے باوجود بھی بلیک شرٹ اور بلیک جینز میں فریش لگ رہا تھا۔ شیو تھوڑی بڑھی ہوئی تھی۔

وہ مڑی تھی۔

"مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔"

"میں بہت بزی ہوں۔"

"آپ کا استعداد ایسا تو نہیں لگتا کہ آپ کسی فریادی کی فریاد کو سنے بنا ہی مسترد کر دیں۔"

"میں نے ہی فریادی کی فریاد سنی ہے تب ہی تو فریادی یہاں آسکا ہے۔"

عافی نے اس پر ایک برہمی سی نگاہ ڈالی۔

"ایسے حیران نہ ہو مسٹر عافی! یہی سچ ہے میں تمہاری بن کہی فریاد سن چکی ہوں ورنہ تم اب تک اس زلزلہ زدگان خواتین سے نہ مل پائے تھے تو اب کیسے ملتے۔"

"اگر ایسی بات ہے تو اس فریادی کی ایک اور فریاد بھی سن لیں۔ آپ کا احسان ہوگا۔"

عزت کچھ سوچنے لگی تھی اور پھر اسی لمحے میں ہی مان گئی اور عافی کو اپنے ساتھ آنے کو کہا۔

''عافی بھی کنیز اور خادمہ کے ساتھ ان کے پیچھے چل رہا تھا۔ اس کا آفس پارلر کے آخری کونے میں تھا تاکہ ہر آنے والا پورا پارلر گھوم کر اس سے ملنے آئے اور آتے ساتھ ہی اس کے قرینے کی داد پیش کرے۔

عافی نے بھی پارلر کی خوبصورتی کی تعریف کی تو اس نے گردن اکڑا کر اسے بیٹھنے کو کہا۔

''مجھے آپ سے اکیلے میں بات کرنی ہے۔''

عزت نے آنکھوں کے اشارے سے سب کو رخصت کیا تو عافی نے کسی تمہید باندھنے کی بجائے ڈائریکٹ اس سے بندگی کے متعلق بات کی۔

''میرے یہاں آنے کا مقصد بندگی کی آزادی ہے۔''

''یہاں سب آزاد ہیں۔''

''یہ کیسی آزادی ہے۔''

''یہ بہت بڑی آزادی ہے جہاں دکھ چھو نہیں سکتے۔ دکھ بھی زندگی کا حصہ ہوتے ہیں ان کے بنا خوشی کا مزہ کیسا۔''

''بندگی کو آزاد کر دو۔ بدلے میں میرا سب کچھ لے لو۔''

''سوری ٹو سے مسٹر عافی، لیکن تمہارے پاس ایسا کچھ ہے نہیں جو مجھے چاہیے۔ ہو سکتا ہے تمہارا سب کچھ میرے لیے بے کار ہو۔''

''تو آپ کو کیا چاہیے؟''

''کچھ نہیں کیونکہ جو مجھے چاہیے وہ میرے پاس موجود ہے۔'' عزت نے ایک ایگری منٹ عافی کے سپرد کرتے ہوئے کہا۔

جس کے مطابق عزت جسے اپنا کام سکھاتی ہے۔ اسے اس کے ساتھ عمر بھر کام کرنا پڑتا ہے۔ وہ کبھی اپنا ہنر عزت سے الگ نہیں کر سکتی نا۔ کوئی دوسرا پارلر جوائن کر سکتی ہیں نا اپنی کوئی نئی برانچ کھول سکتی ہیں۔ ان کا کام صرف اور صرف عزت ہی مقرر کر سکتی ہیں مزید بھی بہت سی شرائط تھیں لیکن جو سب سے خطرناک شرط تھی اس کے مطابق ایسی خواتین جن کی تربیت عزت خود کرتی ہیں وہ کبھی شادی نہیں کر

سکتیں۔ اپنا گھر نہیں بسا سکتی۔ جن میں سے ایک بندگی بھی تھی۔

''یہ سب...... آپ کو کیا ٹھیک لگتا ہے؟''

''تو مسٹر عافی! آپ کو اعتراض ہے کیا؟''

''ہاں بالکل! مجبوریوں کو خریدنے پر کسے اعتراض نہ ہوگا۔''

''مجبوریاں...... ہاہاہا...... چلو یہ ہی سہی۔ کہاں ملے گی ایسی خریدار مسٹر عافی آپ کو۔ جو مجبوریاں خرید کو خوشیاں بانٹتی ہو۔ میں نے اپنا ہنر دیا ہے ان لڑکیوں کو۔ مانو جیسے اپنے ہاتھ کاٹ کر دے دیئے۔ بڑی ایمان داری سے سب کچھ سکھایا۔ ایک نقطہ بھی ایسا نہیں جو مجھے آتا ہو اور میری شاگرد نہ جانتی ہو...... میرے شاگردوں ک ہاتھ بھی ایسے ہی ہی جیسے کہ میرے ہاتھ۔ عزت کے شاگرد بھی ایسے ہی ید طولی رکھتے ہیں جیسی عزت۔''

''آپ کی ایمانداری پہ شک نہیں اور نہ ہی میں اس بات کی نفی کروں گا کہ آپ نے خوشیاں بانٹی ہیں ہنر سکھا کر۔ لیکن قیمت کیا وصول کر لی۔ مجبوریاں...... کسی مجبور کی مجبوریاں۔''

''یہ سب میرے پاس ہی محفوظ ہیں۔ تحفظ کا ایسا احساس انہیں اور کہیں میسر نہیں آ سکتا۔''

''پنجروں میں بھی پرندے محفوظ ہی ہوتے ہیں لیکن کیا آپ جانتی ہیں کہ دولت صرف کاغذوں کا نام نہیں۔ لوگ علم کو بھی دولت کہتے ہیں اور سچ پوچھو تو علم کی مانند ہنر بھی ایک دولت ہے۔ جس طرح دولت کا دھان ضروری ہے اسی طرح علم اور ہنر کا بھی دھان ضروری ہے۔ علم والوں نے اپنا علم نہ بانٹا، کسی کو کچھ نہ پڑھایا تو کیا فائدہ ایسے دولتِ علم کا۔ اور ہنر والے نے ہنر نہ بانٹا تو کیا فائدہ دولتِ ہنر کا؟''

عزت عافی کی بات سن کر چپ سی ہو گئی تھی۔

عافی جانے لگا تھا، عزت لاجواب سی تھی، عافی کی بات نے اس کے دل کو تو چھوا تھا لیکن اس نے دماغ کو جگا کر عافی کو روکا اور کہا۔

''آپ نے پوچھا نہیں میں نے بندگی اور زندگی کا راز آپ پر کیوں کھولنے نہ دیا؟''

عافی نے کچھ کہا نہیں بس جاتے جاتے ٹھہر گیا۔

''کیونکہ میں چاہتی تھی آپ آجائیں۔''

''آپ کی میرے آنے کی خواہش میرے ہمیشہ کے لیے چلے جانے کے لیے تھی۔'' عافی عزت کی جانب مڑا تھا۔

''بہت سمجھدار ہو۔تو کب جا رہے ہو اپنی بیوی کو یہاں سے لے کر۔جلدی چلے جاؤ۔''

''جلدی چلا جاؤں تاکہ آپ بندگی کو اس کی بہن زندگی کی فکر سے آزاد کر کے مکمل طور پر اپنا غلام بنالیں اور نہ صرف اپنے پارلر بلکہ اپنے تمام کالے دھندوں میں اسے شامل کر دیں۔''

''Admirable قابل تعریف۔''

''میں چلا بھی جاتا لیکن اب نہیں جاؤں گا۔اس وقت تو بالکل نہیں جب تک آپ خود اپنے ہنر کا دھان نہیں کر لیتی۔''

عزت نے کہا تھا اور عزت کی جیسے ہتھیلی پر سرسوں جم آیا تھا۔

اسے وہ بے وفا لگتا تھا۔اسے لگتا تھا اس نے خوش دل کی زندگی برباد کر لی تھی اور خود عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہا تھا۔اس نے جان بوجھ کر دل کو وچن سے ملایا تاکہ سکینہ سے ملنے والی رقم بھی مل سکے اور ساتھ میں عافی سے بھی ملا جائے۔اس نے دراصل دل کے ساتھ کھیل کھیلا تھا۔دل بیچ میں اس کا دل بنتی جاتی تھی۔اس نے جس جس کو اپنے ہاتھوں کا ہنر سکھایا تھا وہ بس اس کے جیسے ہاتھ ہی لے پائے تھے لیکن دل تو اس کورے کاغذ کی مانند تھی جس پر جو جو اس نے چھاپا وہ وہ اس طرح چھپ گیا کہ اسے دل میں اپنا آپ نظر آنے لگا تھا۔

ایک مدت ہوئی وہ اسے اس کے کہنے پر یہاں وہاں چھپاتی رہی تھی۔اور اب وہ اس چھپن چھپائی کے کھیل سے تنگ آ گئی تھی۔یوں بھی تنگ کر کے رکھا تھا اس عافی نے۔ابھی کچھ ماہ سکون سے گزرتے ہی تھے کہ اس کے بندے بندگی تک پہنچ جاتے اور پھر اسے ہی سارے معاملے دیکھنے پڑتے۔اب وہ تھکنے لگی تھی اور چاہتی تھی۔اب سب کچھ دل سنبھالے لیکن اس سے پہلے وہ عافی کا سامنا کرنا چاہتی تھی کہ یہ کھٹکا اتر جائے گا۔وہ آئے ان تک پہنچے اور اپنی بیوی کو لے جائے تاکہ دل بس اس

کے احکامات بجالا سکے مگراب......اب اسے لگنے لگا تھا اس نے جلد بازی کر لی تھی۔

عافی کو وہ بندگی کی زندگی برباد کرنے والا مکار سمجھتی تھی اور مکاری کے جتنے بھی گن ہوتے ہیں عزت بی بی انہیں بدرجہ اتم جانتی تھی۔لیکن آج عافی سے مل کر اسے احساس ہوا تھا کہ وہ مکار نہیں ہے وہ بس ایک سچا عاشق ہے مکار ہوتا تو عزت کے لیے مکاری کیا مسئلہ تھا۔وہ تو روز بندگی کو دعاؤں میں مانگتا ہوگا۔

جو روز اپنی محبت کو عبادت میں مانگتے ہیں ان کی محبت عبادت بن جاتی ہے۔جب محبت عبادت بن جائے تو معاملات خالق کائنات تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔ایسے عاشقوں کو چھیڑنا سراسر بے وقوفی ہوتی ہے اور وہ یہ بے وقوفی کر چکی تھی۔

☆......☆......☆

''چو چو چو! اُف نوٹی تمہیں چوہا مارنے کے لیے کس نے کہا تھا۔دیکھو کتنا خون جا رہا ہے۔سارا فرش خون وخون ہو گیا ہے۔''

''میں پکڑ ہی رہا تھا زندگی باجی۔لیکن چوہا ڈنڈے کے نیچے آ کر فنا ہو گیا۔''

''فنا ہو گیا؟'' زندگی کا دل جیسے کٹ سا رہا تھا۔بندگی بھی کمرے سے نکل آئی تھی۔عافی بھی اسی وار کو سن کر کمرے کی کھڑکی پر آیا تھا۔

''اب کچھ ایسا کرو کہ جلدی مر جائے۔اتنا نہ تڑپے۔'' بندگی نے نوٹی سے کہا تھا۔اس کی آواز میں تڑپ تھی۔

''اللہ اللہ رحم۔یہ کیا کہہ رہی ہو بندگی۔''

''صحیح کہہ رہی ہوں۔'' اس نے نوٹی کو زخمی چوہے کو مارنے کا کہا تھا۔

زندگی نے درد سے آنکھیں میچ لیں۔نوٹی نے ایک اور وار کیا اور چوہے بے چارے کا کام تمام ہوا۔اور اس سارے درد ختم ،ساکن بے روح جسم۔

''تم بہت سنگدل ہو گئی ہو بندگی۔'' زندگی نے خفا ہوتے ہوئے کہا تھا۔

''سنگ دل نہیں ہوئی ہوں بس خوش فہمیوں سے جان چھڑا چکی ہوں۔زخمی چوہا تھا جب تک

زندہ رہتا تڑپتا رہتا۔کبھی کبھی کسی کو موت دے دینا بھی معافی دے دینے جیسا ہوتا ہے زندگی۔'' بندگی نے چوہے کو افسوس سے دیکھتے ہوئے کہا تھا اور اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔نوٹی نے مردہ چوہا اٹھا کر گھر سے باہر پھینکا تھا۔

زندگی اب تک چوہے کو لے کر پریشان تھی۔عافی کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔اس نے نرمی سے زندگی کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا اور کہا۔

''بندگی نہیں بدلی زندگی۔معافی دینا بھی رحم دلی کا مظاہرہ کرنا ہے۔''

''نہیں عافی۔تم اس کی سفاکی سے واقف نہیں۔اس قدر سفاک ہوگئی ہے مجھے تو سمجھ نہیں آتی اس کی۔ ہر ایک سے لڑتی ہے کسی سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی۔اب دیکھو کتنے دن ہو گئے تمہیں آئے ہوئے۔تم سے تک اچھی طرح بات نہیں کی۔آج وہ وچن آئی تھی تم سے ملنے۔اسے اس کڑکتی دھوپ میں صحن میں کھڑا کر کے خود سونے چلی گئی ہے اور برآمدے کا یہ داخلی دروازہ اندر سے لاک تھا۔وہ بے چاری گھنٹہ سوا گھنٹہ انتظار کرتی رہی۔اب میں اس قابل نہیں کہ دروازہ کھول کر اسے اندر لے آ سکتی۔اسے کال کی تو کہتی ہے میں سو رہی ہوں میرا کام نہیں۔اب یہ کیا بات ہوئی کوئی آپ کے گھر میں دھوپ میں کھڑا ہے آپ اے سی میں سو رہے ہو۔نا جانے کیا سوچتی ہوگی وہ۔''

''اچھا!'' عافی کو وچن پر حیرت ہوئی۔کیا یہ وہی وچن تھی جو ساس کی ذرا سی بات کہنے پر اعلان جنگ کر دیتی تھی۔وہ بہت بدل گئی تھی اور ایک دم سے جیسے سمجھ دار ہوگئی تھی۔ویسے کتنی اچھی لگتی تھی وہ نادانیاں کرتی ہوئی۔ساس کی غیبت کرتے ہوئے۔عافی اب زندگی کو وچن کے متعلق بتا رہا تھا۔ان کی دوستی ایف بی فرینڈز سے شروع ہوئی تھی اور اب جیسے ایسا لگتا تھا وہ صدیوں سے ساتھ ہیں۔ایک دوسرے کے دکھ سکھ کے ساتھی جیسے۔سچے دوست زندگی کے لیے بے حد ضروری ہوتے ہیں اور ایسے دوست قسمت والوں کو ملتے ہیں۔جو سچے دل سے آپ کے لیے دعا گو ہوں۔

''ہاں یہ تو ہے عافی۔''

نوٹی فرش دھو رہا تھا۔چوہے کے فنا ہونے کے سارے آثار ختم ہو گئے تھے۔وہ اب تک سب کو

بھول گیا تھا۔ بس بندگی کا دل اسے اور اس کی تڑپ کو سوچے جارہا تھا۔ وہ جب جب کسی کو تڑپتا دیکھتی اسے اپنی پھدکن یاد آجاتی تھی۔ وہ وقت کتنا مشکل تھا جب نوٹی کے والد نے اسے زندگی کے زندہ ہونے کی خبر دی تھی۔ سر پر چھت تک نہ تھی اور مفلوج بہن۔

اسے لگتا تھا اس نے اتنے دکھ سہے بھی شاید اسی دن کے لیے تھے۔ اگر وہ پہلے والی بندگی ہوتی تو زندگی کو اس حال میں دیکھ کر ہی مرجاتی لیکن وہ زندہ تھی۔ ہوش پراگندہ ہونے کی بجائے اس کی صحت کے لیے کوشاں تھی۔ نوٹی کے والد نے اسے عزت سے ملوایا تھا۔ اس نے اپنا سارا زیور عزت کو بیچ دیا تھا لیکن زندگی کے علاج کے لیے معقول رقم اب بھی جمع نہ کر پائی تھی۔ اسے کوئی ہنر نہ آتا تھا وہ بس صبح صبح پارلر آتی۔ اسے نا جانے کیسا کیسا جدید طرز کا لباس پہنا کر میک اپ کیا جاتا۔ تا کہ وہ عزت بی بی کے پارلر میں خواتین کی توجہ کا مرکز بن سکے۔ جس کے عوض مہینے کے اختتام پر اسے کچھ ہزار روپے تھما دیے جاتے۔

آج اسے زندگی کی دوائیوں کے لیے رقم کم محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے عزت سے گھبراتے گھبراتے بات کی کہ اسے پیسے چاہئیں۔

وہ اکثر عزت سے پیسے مانگنے آجاتی تھی۔ ہر بار ضرورت مند سمجھ کر عزت اس کی مدد بھی کر لیتی تھی لیکن آج اس کے پیسے مانگنے پر وہ داغ شعلہ سی بھڑک اٹھی تھی۔

''تمہارے تو ٹھیک سے کام نہ کرنے کے پیسے کاٹنے چاہئیں اور تم ہو کہ اور پیسے مانگنے آگئی ہو۔''

''میں......میں......'' وہ اس لہجے کی توقع نہ رکھتی تھی اس لیے گھبرا گئی تھی۔

''تم اپنا کام ٹھیک سے نہیں کر رہی۔ تمہیں اپنا کام ٹھیک سے سمجھ نہیں آرہا۔ دیکھو تم میں کوئی خوبی نہیں ہے سوائے تمہارے اس خوبصورت چہرے کے تمہارے پاس کچھ نہیں ہے۔ اپنا کام سمجھ لو۔ کیا کبھی تم ایسے ڈاکٹر کے پاس اپنے کیل مہاسوں کا علاج کرنے جاؤ گی جس کا چہرہ خود اس مرض کے آثار رکھتا ہو؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ گویا اب اسے یہ سوال سمجھ آیا ہو جو کبھی نوٹی کی والدہ نے اس سے پوچھا تھا۔

''تو بس یہ سمجھو کہ ہم تمہیں اس لیے تیار کرتے ہیں کہ لوگ تمہیں دیکھ کر تمہاری طرف مائل ہوں اور تمہارے جیسا میک اپ اور ہیئر کٹنگ کرنے کو کہیں۔'' اس وقت عزت کا پارلر بس ذرا سا مقبول تھا

اسے اپنے پارلر میں خوب صورت چہرے چاہئیں تھے لیکن روتے ہوئے چہرے نہیں۔

”سارا دن روتی رہو گی تو زیادہ سے زیادہ ہمدردی بٹور پاؤ گی۔ تمہارا ایک ہی کام ہے بس رونا، آنسو بہانا اور آنسو بہانے کے عوض میں بھی تمہیں ہمدردی کے بنا کچھ نہیں دے سکتی۔“

”تمہارا خاندان زلزلے کی وجہ سے مارا گیا۔ تم ایک بیوہ ہو۔ جس کی بہن مفلوج ہے۔ مجھے افسوس ہے بہت زیادہ افسوس ہے۔ بس اب جاؤ یہاں سے۔ افسوس کر لیا تم سے۔“

”نہیں ایسا نہ کہیں۔ مجھے پیسے کی سخت ضرورت ہے۔“

”تو کماؤ پیسہ۔ اپنا کام ٹھیک سے کرو۔ اور جتنا کام کرتی ہو اتنے پیسے مانگا کرو۔ کتنے ماہ سے ہو یہاں؟“

”پانچ ماہ سے۔“

”سیکھنے والیاں دو دو ماہ میں سیکھ کر چلی جاتی ہیں اور تم ہو کہ...... اگر پیسے چاہئیں تو کام سیکھ لو۔“ عزت نے تھریڈنگ کا دھاگہ اس کی طرف اچھالا اور کہا۔

”یوں اس طرح منہ سے پکڑو اور اس طرح گھماؤ۔“

عزت نے اسے سکھاتے ہوئے ایک ہی وار میں اس کی کلائی کی جلد میں موجود رونگٹوں کے بالوں کو نکال باہر کیا۔

بندگی کے منہ سے چیخ نکلی تھی۔

”چیخو...... چیخو...... اور روتی رہو۔ نکمی کہیں کی۔ آج کے بعد ایک روپیہ زیادہ نہیں ملے گا۔“

عزت کو روتی ہوئی لڑکیاں زہر لگتی تھیں۔

اس دن بندگی وہ دھاگہ اپنے ساتھ گھر لائی تھی۔ اس نے اپنی کلائی کے بال نوچنے شروع کیے تھے۔ پھر پیروں اور گھٹنوں تک کے سارے بال نوچ لیے۔ اسے بے حد درد ہو رہا تھا لیکن اس دن اس نے دھاگے کا استعمال سیکھ لیا تھا۔

کچھ ہی وقت میں اس نے تھریڈنگ، آئی بروز اور اپر لپ سیکھ لی۔ اب عزت نے اسے مساج

اور فیشل اور ویکس کے لیے ٹرین کرنا شروع کیا تھا۔ عزت اکثر کہتی۔

"پیسہ کمانا بہت آسان ہے۔ دنیا بے وقوفوں سے بھری ہوئی ہے۔ یہ پیسے والی خواتین اپنا پرس خالی کرنے کے لیے بے چین رہتی ہیں بس انہیں ذرا حسن کا لالچ دو اور ان کے پرس خالی کرواؤ۔"

"یہاں حسن ملتا ہے۔ یہاں حسن کے سودے ہوتے ہیں۔ جو جتنا دے گا اتنا پائے گا۔"

"بس تمہیں حسیناؤں کو حسن کے خواب دکھانے آتے ہوں۔ حسن کی شوخیاں دکھاتی آتی ہوں۔" وہ اکثر بندگی کو گاہکوں کو دکھاتی۔ کہتی اسے۔

"دیکھو! موئی کالے توے سے زیادہ کالی تھی اور اب دیکھو میں نے ایسی کریم بنا کر دی ہے کہ بجلی کی طرح چمکتی ہے۔"

عزت نے کام سکھانے کے ساتھ ساتھ خواب دکھانا بھی سکھایا تھا۔ بندگی نے گاہکوں کے پرس خالی کروانا سیکھ لیا تھا۔

"عام فیشل نہیں ہربل کروالو۔ تمہاری اسکن پر سوٹ کرے گا۔ خوب صورت لگوگی۔ گلو کروگی اور ساتھ ہی ساتھ پارلر کی بنائی ہوئی کریم استعمال کروگی تو سنور جاؤگی۔"

"اب ہیئر کٹنگ کروائی ہے تو کلر بھی کروالو۔ ڈسکاؤنٹ ہو جائے گا۔ ساتھ ہی ساتھ پارلر سے میچنگ لینز بھی لیتی جاؤ بالوں اور آنکھوں کا کلر ایک جیسا لگے گا تو قدرتی حسین لگوگی۔"

سچ تھا دنیا بے وقوفوں سے بھری پڑی تھی۔ سو روپے کی تھریڈنگ کروانے آنے والی لڑکیاں حسن کے لالچ میں ہزاروں دے جاتیں اور دلہن تو بہت بڑا شکار ہوتی کہ اسے تو جیسے اپنے حسن کو شعلہ شبنم بناتا ہوتا ہے۔

روز روز تو دلہن نہیں بنوگی ور بس حسن کے خواب۔

ایک ٹائم سجنے آنے والی دلہن نہ صرف ہلدی، مہندی، ولیمے کا میک اپ کرواتی بلکہ دلہن کی فل سروس بھی لے لیتی اور عزت پارلر کی تجوری یوں بھرتی جاتی۔

واقعی دنیا بے وقوفوں سے بھری ہوئی ہے۔ عزت بی بی کا یہ قول اس کے لیے خود اعتمادی کا در

کھول گیا تھا۔ اس نے بولنا سیکھ لیا تھا، باتوں باتوں میں خواب نگری کا سفر سیکھ لیا تھا۔

"والیم کم ہے تمہارے بالوں کا۔ پمپنگ کروالو ہیوی لک آئے گا ڈسکاؤنٹ ہو جائے گا۔"

یہاں حسن کے فریب حسن والیاں دیتیں۔

یہ جو کلر میں نے کروایا ہے وہ کروالو۔ بالکل میری طرح دکھو گی۔ قدرتی حسن والیاں جب اپنے حسن کی وجہ کسی بے ڈھنگے ٹوٹکے کو بھی کہے تو لوگ آزما لیتے ہیں اور یہاں آنے والی خواتین سا فریب سے نہ بچ سکتی تھیں۔

"بندگی! آجاؤ پلیز باہر۔ چائے ہی پلالو۔"

زندگی کی آواز پر وہ باہر آئی تھی۔ عافی اندر چلا گیا تھا بندگی کو اسے نہ دیکھنا تھا تو عافی کو بھی خود کو چھپانا آتا تھا۔ اس کے لیے تو یہ بھی کیا کم غنیمت تھا کہ وہ اس کے ہاتھ سے بنی چائے پی لیتا تھا۔ زندگی سے اس کے مزاج کے متعلق جان لیتا تھا اور چھپ چھپ کر ہی سہی اسے دیکھ تو لیتا تھا، کہ ندیدے کو دید سہی۔

☆......☆......☆

عزت کا خدشہ درست ثابت ہوا تھا۔ اس کے ساتھی پکڑے گئے تھے۔

پولیس بہت جلد اس تک بھی رسائی حاصل کر سکتی تھی۔ اس نے تو جیسے چراغ جلاتے جلاتے اپنی ہی انگلیاں جلالی ہوں۔ عافی کے ساتھ کھیل کھیلنے سے پہلے اسے سوچنا سمجھنا چاہیے تھا۔ وہ ایک دیوانہ تھا جو سب لٹانے پر تلا تھا۔ عزت کچھ کر بھی نہ پا رہی تھی۔ اسے نہ پیسے کا غم تھا۔ نہ محبت کے سوا اس کی کوئی کمزوری۔

اور اس کی کمزوری اور عزت کی کمزوری ایک تھی یعنی بندگی۔

بہت بڑی غلطی ہوگئی تجھ سے عزت...... اس نے کبھی اپنی زندگی میں دیوانوں سے چھیڑ خانی نہ کی تھی اور اب کر بیٹھی تھی۔ لیکن سوچنے کی بات یہ تھی کہ اگر وہ دیوانہ تھا تو سببِ درد کیوں بنا تھا۔ محبت بندگی سے اور شادی زندگی سے......

دل تو چاہتا جا کر زندگی کو عافی کی ساری حقیقت بتا دے لیکن عزت کے اصول اپنے تھے۔

دو آدھ موی عورت کو پورا مار کر گنہگار نہیں بننا چاہتی تھی۔ اسے بے وقوفوں کو بے وقوف بنانا اچھا لگتا تھا

لیکن مسکینوں کو نہیں، بیماروں کو نہیں۔
اس نے آج تک کوئی ایسا کام نہ کیا تھا کہ دل کے کٹہرے میں کھڑی ہو کر ضمیر کے ہاتھوں ملامت ہو۔
یوں تو چھوٹے موٹے جرم کیے تھے۔ وائن اسٹور سے بنا پرمٹ کے وائن کی خرید و فروخت کرتی رہی تھی۔ اپنے علاقے کے بھتہ خوروں سے بھی بھتہ لیتی رہی تھی اور پھر exchange of candidate نے تو اس کی دنیا ہی بدل لی تھی۔ پیسہ ہی پیسہ تھا اس کام میں، پارلر میں ہر طرح کی خاتون کو ویلکم کیا جاتا تھا۔ اس لیے وہ ہر طرح کی عورتوں اور لوگوں سے سلام دعا رکھتی تھی۔ اس کی نظر میں پڑھی لکھی لڑکیاں، نہ پڑھ سکنے والی لڑکیاں سب ہوتیں۔ یہ کام اسے سب سے زیادہ نفع بخش لگتا۔ ٹیچرز سے بھی اس کی علیک سلیک تھی۔ یوں وہ اگیزامنیشن سیشن میں لاکھوں کما لیتی۔ کبھی کوئی پکڑا نہ گیا تھا اور نہ ہی کسی نے ٹاپ کیا تھا۔ وچن کا سلیکشن ہی غلط تھا۔ اگر وہ بھی بس اچھے نمبروں میں پاس کروا لیتی۔ سکینہ کی تو بات اتنی کہاں بڑھتی۔ عزت نے جب سے عافی سے روبرو ہونے کا سوچا تھا اس دن سے اس کا بیک لک شروع ہو گیا تھا۔
"عافی! تم دل کو نہیں لے جا سکتے۔ تم نے اسے چھوڑ دیا تھا اور میں نے اسے اپنا وقت دیا ہے۔ محنت کی ہے اس پر، میں دل کو تمہارے ساتھ رخصت نہیں کر سکتی۔"
گو کہ اس نے اپنے سارے کالے دھندوں کو چھپا رکھا تھا لیکن پیسے کی چمک سے وہ واقف تھی۔ اس کے وفاداروں کو خریدا بھی جا سکتا تھا۔ پر اسے کچھ تو سوچنا تھا اس عافی کا کچھ تو کرنا تھا لیکن وہ کیا کرتی۔ جدید میک اپ کی تندرست تہوں کے باوجود اس کے چہرے پر پریشانی کی شکنیں تھیں۔

☆......☆......☆

عافی اسے نظر نہ آتا تھا۔ تو وہ بھی فارغ ہوتے ہی گھر آ جاتی لیکن وہ فارغ بھی تو رات گئے ہوتی اور آج تو کچھ زیادہ ہی دیر ہو گئی تھی۔ زندگی احمد جہانزیب کی غزلیں ریپیٹ پہ لگا کر سو چکی تھی۔ اس آواز سے بچپن، لڑکپن اور جوانی تک کا کوئی ناطہ سا تھا۔

''آپ کی یاد آتی رہی رات بھر۔چشم نم مسکراتی رہی رات بھر''

گرمی کا موسم تھا، پر رات کے وقت ٹھنڈی ہوا چلتی تھی۔ پنکھا بھی چل رہا تھا۔ عافی نے بطور سنیکس بھنی ہوئی مونگ پھلیوں کا پیکٹ کھولا ساتھ میں ایک سوفٹ ڈرنک بھی لے لی۔ رات تمام گہری ہوتی جاتی تھی بندگی کا کوئی پتا نہ تھا۔ انتظار میں اس کی دو آنکھیں دروازے کو تکتی تھی۔

''کوئی دیوانہ گلیوں میں پھرتا رہا رات بھر

کوئی آواز آتی رہی رات بھر

چشم نم مسکراتی رہی رات بھر......رات بھر......رات بھر...... بالآخر وہ آ ہی گئی جس کے آنے کا انتظار تھا۔

درد کے چاند دل میں اترتے رہے رات بھر

چاندنی مسکراتی رہی رات بھر''

میوزک چل رہا تھا۔ وہ فلیٹ سینڈلز کے ساتھ دبے پاؤں آئی تھی شاید یا پھر میوزک کی آواز زیادہ تھی۔ عافی کو اس کے آنے کا پتا نہ چلا تھا اور اب وہ اس کے سر پر جیسے آن کھڑی تھی۔ اس نے گولڈن زری وار جارجٹ کی شرٹ پہنی تھی جس کے ساتھ ان بلیک تھا اور بلیک ہی جینز پہن رکھی تھی۔ ساتھ میں خوب صورت تراشے بال کھلے چھوڑ دیئے تھے۔

''آپ کی یاد آتی رہی رات بھر

چشم نم مسکراتی رہی رات بھر''

عافی اندر جانے لگا تھا۔ اسے احساس گناہ لگتا تھا وہ، تو ایسا ہی سہی۔

''رکو۔'' آج اس نے اسے پکارا تھا۔

وہ رکا تھا۔

''تمہیں عزت بی بی بلا رہی ہے۔'' وہ پہلے کبھی اس لہجے میں اسے مخاطب نہ کرتی تھی۔ اس کے اور بندگی کے درمیان آج سے تم تک کا سفر بے حد تلخ تھا۔

''ٹھیک ہے کل ملنے چلا جاؤں گا۔''

''تم اب کون سی چالاکی کر رہے ہو؟ کیا ارادے ہیں تمہارے۔ میں کچھ نہیں پوچھوں گی تم سے۔لیکن یاد رکھو، عزت بی بی کی عزت پر اگر ذرا سی آنچ آئی تو......''

''تو کیا بندگی......کیا کر لوگی تم؟''

''تم چلے کیوں نہیں جاتے عافی۔''

''تمہیں آزاد کروا لوں، چلا جاؤں گا۔''

''آزادی دلوا کے کیا کر لو گے؟ پر تو کب سے کاٹ چکے ہو۔''

''میں انتظار کروں گا۔ایک نہ ایک دن تو کٹے پر پھر سے قابل پرواز ہوں گے۔''

''جس دن ایسا ہوا عافی، اس دن پہلی پرواز کا پہلا حملہ میں تم پر ہی کروں گی۔'' اسے سخت نفرت تھی اس سے۔

''میرا سر بھی حاضر ہے۔ مجھے تمہاری پہلی پرواز اور پہلے حملے کا انتظار رہے گا۔''

''ارادے کیا ہیں تمہارے؟''

نیک سے بھی نیک ہیں۔تم فکر نہ کرو۔''

''ہونے بھی چاہئیں۔اگر میری بہن کو رلایا یا بے وفائی کی تو انتظار کے لائق بھی نہیں چھوڑوں گی۔'' اس نے دھمکی دی تھی اور اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔

دیکھ لیں گے بندگی تمہاری نفرت بھی۔یوں تو انسان کسی کی بھی نفرت کو جھیل جاتا ہے لیکن اظہار محبت کرتی وہ شرم سے اٹھتی، جھکتی آنکھیں جب نفرت ہی نفرت جتاتی ہوں تو انسان کو اس کا وجود خالی خالی سا لگنے لگتا ہے۔

''برسوں کے بعد، برسوں کے بعد دیکھا۔

ایک شخص مہربان سا

اب ذہن میں نہیں ہے ارمان جلا بجھا سا۔

برسوں کے بعد۔"

احمد جہانزیب کے سونگ چل رہے تھے۔ دو دل ماضی اور حال کی مشقت میں جل رہے تھے۔
ناجانے رات کے کس پہر ان کی ویران آنکھوں میں نیند کو ترس سا آ گیا جو ایک خمار سا ان کی آنکھوں کو چھو کر بوجھل کر گیا تھا۔

☆......☆......☆

صبح وہ ٹائم پر عزت پارلر پہنچا تھا۔ آج عزت کا رویہ بدلا بدلا سا تھا۔ شاید اس نے عافی کو زچ کرنے کی ترکیب ڈھونڈ لی تھی۔
اس کے آتے ہی اس نے وہ ایگری منٹ اس کے آگے رکھا جس پر بندگی نے سائن کیے تھے۔
"یہ لو تمہیں یہ چاہیے تھا نا...... لو میں نے دل کو آزاد کیا۔ اب تم جہاں اسے لے جانا چاہو لے جا سکتے ہو۔ میں نہیں روکوں گی۔"
"ہوں...... شکریہ۔"
"امید ہے تم تفتیش رکوا لو گے۔"
"ہاں بالکل۔ جب آپ بندگی کو آزادی پہ آمادہ بھی کر لیں گی تب......"
"یہ میرا کام نہیں۔"
"آپ کو ایک اور ایگری منٹ کرنا ہوگا جس کے مطابق آپ بندگی کو اپنے پارلر میں داخل تک نہیں ہونے دیں گی اور آئندہ اس کی زندگی سے آپ کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔"
"مسٹر عافی! میں ایسا ہرگز نہیں کروں گی۔"
"مجھے پتا ہی تھا آپ ایسا نہیں کریں گی۔ چلو ایک کافی تو منگوا لیں۔ کنیز اور خادمہ نظر نہیں آ رہیں؟"
عزت بی بی کو ان کے ناموں سے کھٹکا سا لگا۔ دونوں کل سے چھٹی پر بھی تھیں۔
"آپ ٹھیک کہتی ہیں، چمچہ گیری کرنے والے آس پاس ہونے چاہئیں۔ کہ یہ شخصیت کو چمکاتے ہیں لیکن اس وقت تک جب آپ میں کچھ چمکتا ہوا نظر آئے جس دن آپ چمکنا چھوڑ دیتی ہیں

وہ بھی آپ کو چھوڑ جاتے ہیں، زنگ آلود ہونے کے لیے۔“
عزت کی سانس تھم سی گئی تھی۔
”آپ زنگ آلود ہو چکی ہیں عزت بی بی۔ اپنے آپ کو بچا سکتی ہیں تو بچا لیں۔ آپ کے سارے رازدار میں نے خرید لیے ہیں۔“
”تم کیوں اپنی دولت اور اپنی انرجی ویسٹ کر رہے ہو حاصل تو پھر بھی کچھ نہیں ہو گا دل کبھی اپنی بہن کا گھر تباہ کر کے تم سے شادی نہیں کرے گی۔“
”عشق نہیں کیا آپ نے۔ عشق کر کے دیکھیں جواب مل جائے گا۔“
”اب مجھ سے باندھے رکھو۔ بے وقوف عاشق، ورنہ رقیب دیکھو گے اور اسے کبھی نہ پا سکو گے۔“
”میں اسے پانا نہیں چاہتا بس اسے خوش دل سے بندگی بنتا دیکھنا چاہتا ہوں۔“
”پھر تو کر دیا تم نے اس کا بھلا۔“
”بھلوں کا بھلا خدا کرتا ہے عزت بی بی۔“
عزت بی بی نے عجیب ناسمجھی میں اپنے ہاتھ گھمائے اور کہا۔
”عشق حقیقی بھی، عشق مجازی بھی۔ جب خدا سے عشق کرتے ہو تو بندے کے عشق کو ترک کر دو نا۔“
”اگر وہ بندہ ہی بندگی کرنے کی وجہ ہو تو......“
”ہوں۔“ وہ بالآخر قائل اور متاثر لگ رہی تھی۔
”بہت خوب مسٹر عافی۔“
”شکریہ عزت صاحبہ۔“ عافی نے اسے مجبور کیا تھا۔ عزت کے سارے وفادار بے وفا ہو گئے تھے۔ عافی نے سب کو خرید لیا تھا۔

☆......☆......☆

موسم کے بدن سے پھر خنکیاں پھوٹنے لگی تھیں۔ یخ بستہ ہوائیں گشت کرتی پھرتی تھیں۔ وہ دونوں شان کے گھر کے صحن میں سر جوڑے بیٹھی تھیں۔ دونوں موٹیوں نے سفید لباس کے ساتھ پیلا

دوپٹہ پہنا ہوا تھا اور ساتھ میں اسٹائیلو کے فلیٹ پیلے جوتے بھی پہنے تھے۔

''کیا تم وہ سوچ رہی ہو جو میں سوچ رہی ہوں دوری۔''

''ہاں فری۔''

''تو کیا تم نے بھی وہ سب دیکھا ہے جو میں نے دیکھا ہے۔''

''ہاں فری۔''

''اور کیا تم بھی وہی سمجھ رہی ہو جو میں سمجھ رہی ہوں۔''

''ہاں فری۔''

''تو اس کا مطلب ہے سکی اور شانی میں کچھ چل رہا ہے۔''

''ہاں فری، لیکن کیا یہ ٹھیک ہے؟''

''کیوں ٹھیک نہیں ہے؟''

''سکی بہت امیر لڑکی ہے اور شان بہت غریب۔ انجام کیا ہوگا؟''

''وہی جو پرانی فلموں میں ہوتا ہے۔''

''کیا دوری؟''

''شان کو اپنی قابلیت سے سکی کو پانا ہوگا۔''

''ہوں! ٹھیک کہتی ہو دوری۔'' اس نے پرسوچ انداز میں کہا تھا۔

''ویسے اللہ کرے ایسا ہو جائے۔''

''ہاں پھر ہم بہت ناچیں گی۔ اور ناچ ناچ کر دو تین کلو تو کم ہو جائے گا۔''

''ہاں! پھر ہماری بھی شادی ہوگی۔''

''اتنی جلدی فری؟''

''ویسے ہماری شادی اتنی جلدی نہیں ہونی چاہیے دوری۔ ورنہ ہم ایک دوسرے سے دور ہو جائیں گی۔''

''ہاں! یہ تو ہے فری۔ پھر ہم شانی اور سکی کی شادی پر کھا کھا کے ناچیں گی تا کہ کوئی ہم سے شادی بھی نہ کرے اور ہم کبھی جدا بھی نہ ہوں۔''

''ہاں بالکل۔'' دونوں نے ایک دوسرے کو فرطِ جذبات سے گلے لگا کر کہا۔

''ہم شادی کبھی نہیں کریں گی۔''

''کرنی بھی نہیں چاہیے۔'' آخری جملہ کہتے وقت وچی ان کے سر پر آن کھڑی ہوئی تھی۔

''وچی!'' وہ ہمیشہ کی طرح بہت خوش ہوئیں اور اسے گلے سے لگایا۔ وہ جب جب وچی سے ملتی تپاک سے ملتی۔

''ویسے کیا سین ہے دوستو! آک شادی وادی کی باتیں ہو رہی ہیں۔ کوئی چپکے سے دل میں سمایا ہے کیا؟''

''وچی! ہماری طرح ہمارے دل کا سائز بھی ایکسٹرا بڑا ہے۔ یہاں کوئی سما ہی نہیں سکتا۔ کیوں دوری؟''

''ہاں فری۔''

''ہاہاہا۔'' وہ دونوں اپنا مذاق بھی کیا خوب اڑاتی تھیں اور اس پر ہاتھ پہ ہاتھ دے کر ان کا ہنسنا تو دل موہ لیتا تھا۔

''ہم سکی اور شانی کے دل کی بات کر رہی تھیں۔'' دونوں موٹیوں نے ان دونوں کی طرف اشارہ کیا۔ وہ دونوں برائے نام کتابیں کھولے ایک دوسرے کو نہار رہے تھے۔

''ارے ارے دیکھو ان دو پریمیوں کو۔ زمانے کی فکریں چھوڑ چھاڑ کر ایک دوسرے میں کیسے کھوئے ہیں۔ آنٹی کہاں ہیں۔ ذرا دیکھیے تو۔ بیٹا گیا ہاتھ سے۔''

''ہاہاہا۔ دیکھ چکی ہوں وچی۔ یہ سب تمہاری وجہ سے ہی ہوا ہے۔'' ان کا انداز خوشگوار تھا۔

''میری وجہ سے کیسے آنٹی؟''

''تم ہی سکی کو ہمارے گھر لائی تھی۔''

''یار...... یہ شان کی زندگی میں سب میری وجہ سے کیوں ہوتا ہے۔''

وہ چاروں ہاتھ پر ہاتھ دے کر ہنسنے لگی تھیں اور دو دیوانے دل ایک دوجے کی موجودگی سے محظوظ ہو رہے تھے۔

وہ چاروں اب ان کی خودساختہ تنہائی میں دھماکے کی مانند مخل ہوئے تھے۔

وہ دونوں ذرا سا شرما کر، ذرا سا گھبرا کر کتابوں کو سیدھا کر کے پڑھنے لگے تھے۔

''بس بس اب بنو مت۔ عشق اور مشق چھپائے نہیں چھپتا۔'' وجی نے شرارت کی تھی۔ دونوں کی نظریں جھک سی گئی تھیں۔

''ماشاء اللہ! خوش رہو ہمیشہ۔ لیکن اس کے ساتھ اب اور بھی زیادہ محنت کرو۔ تم میٹرک کے پیپروں کے لیے اور شان تم فرسٹ ائیر کے پیپروں کے لیے۔ یار! تمہیں اب خود کو ثابت کرنا ہے اور شہزادی نہ صرف مصیبت سے نکالنا ہے بلکہ اپنا بنانا ہے۔''

''ان شاء اللہ۔'' شانی نے مسکرا کر کہا تو فری اور دوری نے خوشی سے ہوٹنگ شروع کر دی۔

شان کی ماں کی آنکھ میں پانی بھر آیا۔

☆......☆......☆

اس نے وائٹ پینٹ اور سلیولیز پیچ کلر کی شرٹ پہنی تھی، ساتھ میں وائٹ چوڑی کی مانند گول گول ائیر رنگ اور ہلکی پھلکی جیولری پہن کر وہ پارلر جانے ہی لگی تھی کہ عافی نے اسے پکارا تھا۔ وہ سفید کرتے میں پراعتماد اور خوش نظر آ رہا تھا۔

بندگی نے اس پر نظر بے وجہ ڈالی جیسے اسے اس کا اس طرح پکارنا برا لگا تھا اور پھر چند قدم آگے بڑھانے لگی۔ اس نے وائٹ کلر میں ہائی ہیل سینڈل بھی پہنے تھے۔

وہ اب اس کے بالمقابل آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''تم......'' اس نے مٹھیاں بھینچ کر نہایت ہی بے زار کن انداز سے اس کا نام لیا۔

''تمہیں یہ دینے آیا تھا۔'' اس نے ایک کورا لفافہ اس کی جانب بڑھایا تھا۔

''یہ کیا ہے؟'' اس نے برہمی سی نگاہ عافی پر ڈالتے ہوئے پوچھا تھا۔

''تمہاری آزادی کا پروانہ۔ عزت بی بی نے تمہیں آزاد کر دیا ہے۔''

''کیا۔'' اس نے جلدی جلدی لفافہ کھولا اور پیپر پڑھنے لگی۔

''یہ..... یہ کیا ہے۔ ایسا کیسے کر سکتی ہیں وہ۔ نہیں نہیں۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔'' بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

''اس نے ایسا کر دیا ہے بندگی۔ اب تم آزاد ہو۔''

''تم نے ایسا کیوں کیا عافی۔ اب میں کہاں جاؤں گی۔ کیا کروں گی۔ تم نے پھر مجھے بہت بڑی مشکل میں ڈال دیا۔'' وہ بہت غصے میں تھی۔ اسے دکھ بھی تھا، صدمہ بھی، حیرت بھی۔

''تم بہت کچھ کر سکتی ہو بندگی۔ تم ہنر مند ہو۔ اپنا پارلر کھول لو اور اپنی مرضی کا کام کرو۔ اب تمہیں عزت کے کالے دھندوں کا حصہ بننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور اگر چاہو تو اپنا گھر بھی بسا سکتی ہو۔'' عافی نے بے حد ہمت جتا کر یہ جملہ ادا کیا۔

''تم گھر بسنے دو گے میرا۔ ہر خوشی چھین لیتے ہو۔''

''تم گھر بسا کے تو دیکھو۔''

''عزت کے سوا میرا اپنا کوئی نہیں تھا اور تم نے انہیں بھی چھین لیا ہے۔''

''ایسا تمہیں لگ رہا ہے۔ اب تو عزت اور تمہارا تعلق بے غرض ہو گیا ہے۔ پہلے وہ تم میں اپنا غرض دیکھتی تھی اب ایک مخلص دوست دیکھے گی۔''

''تم نہیں جانتے انہیں۔'' اس نے آنکھ میں آنسو بھرتے ہوئے کہا تھا۔ نا جانے آنسو آزادی کی خوشی کے تھے یا عزت سے برسوں پرانا تعلق ٹوٹنے کے غم میں۔

عافی کے دل سے بہت بڑا بوجھ اتر سا گیا تھا۔

بوجھ تو بندگی کے دل سے بھی اترا تھا۔ عزت سے تعلق ٹوٹنے کا غم اپنی جگہ لیکن یہ جان بوجھ کر دہری زندگی جینا ایک الگ اذیت۔ ''دل نمازی اور کام رندانہ'' ایسے میں کبھی نہ کبھی تو جام لبوں سے لگ بھی جاتے ہیں۔

کبھی کبھی اسے لگتا وہ دہری شخصیت کی مالک ہوتی جاتی ہے لیکن مجبوریاں ہی اتنی تھی کہ اسے

کیچڑ میں رہنا پڑ گیا تھا۔ بے شک وہ کیچڑ میں کنول کا پھول بن کر رہی تھی لیکن شاید کوئی نہیں جانتا کہ کبھی کبھی کنول کا پھول بھی یہ سوچتا ہوگا کہ کاش اس کا جنم بھی ہرے بھرے میں ہوتا۔

اس نے خوشی سے اس کے جسم کو نمایاں کرتے ہوئے کپڑے اتار کر خوب صورت کڑھائی والا ایک سادہ لباس پہن لیا تھا۔ اسے اب نمائش جسم کی ضرورت نہ تھی اور نہ ہی کسی ہنر کی۔ اس کے پاس اتنا کچھ عزت پارلر میں کام کر کے جمع ہو گیا تھا کہ اب زندگی آرام سے گزر سکتی تھی۔ اس نے نماز ادا کی اور دل کھول کر خدا کا شکر کیا تھا۔ بس یہ سب عافی کی وجہ سے نہ ہونا۔ دل روٹھ جاتا۔ چلو اسی میں خیر......صبر کی عادت۔

عافی کسی کام سے آج اسلام آباد آیا تھا۔ اتنے دنوں سے کمپنی کے کئی کام رکے ہوئے تھے۔

بندگی سادہ حالت میں زندگی کے پاس آئی اور اسے محبت سے گلے لگایا۔

''کیا بات ہے۔ آج بہت خوش لگ رہی ہو۔''

''ہاں خوش تو ہوں۔''

''مجھے نہیں بتاؤ گی کیوں خوش ہو؟''

''میرے شکرانے قبول ہو گئے ہیں باجی۔'' وہ جب خوش ہوتی تو بے اختیار اسے باجی کہہ دیتی۔

''اچھا تمہیں کیسے پتا کہ تمہارے شکرانے قبول ہوئے ہیں۔''

''ہوں! باجی! کبھی کبھی دعا کرتے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے دعا قبول ہو گئی ہو۔ اسی طرح کبھی کبھی شکر شکر کرتے وقت بھی ایسا محسوس ہوتا ہے۔ جیسے شکرانہ قبول ہو گیا ہو۔ دل خدا کا گھر ہوتا ہے اس میں اتنی طاقت تو ہوتی ہی ہے باجی۔''

آج وہ بالکل پرانی بندگی کی طرح باتیں کر رہی تھی۔ زندگی ذرا سا ٹھٹکی اور پھر کہا۔

''چلو تمہاری بات ہی سہی۔ اب ایک بات میری مان لو۔''

''کیسی بات باجی؟ اوسوری آج میں آپ کو باجی کہہ رہی ہوں۔ نا جانے کیوں دل چاہ رہا ہے۔''

''دل تو میرا بھی چاہ رہا ہے کہ تم مجھے باجی کہو اس لیے تو ٹوک نہیں رہی۔''

''امی نے مجھے سکھایا تھا آپ کو باجی کہنا جب میں بولنا سیکھ رہی تھی۔ میں نے سب سے پہلا لفظ بھی باجی ہی کہا تھا۔''

''اب یہ تمہیں کیسے پتا چلا؟''

''اماں نے کہا تھا۔''

''یہ اماں بھی......'' زندگی نے آنکھ میں آنسو بھرتے ہوئے کہا۔

''وہ کتنا لڑتی تھی ان سے۔ کبھی کبھی تو ان سے چھپتی پھرتی تھیں اور آج انہیں ایک جھلک دیکھنے کو ترستی ہے۔ میں نے کامیابی کے نشے میں کتنا پیارا وقت گوا دیا۔''

''آپ نے اپنی کامیابی سے نیکیاں بھی بہت کمائیں۔ جب جب آپ چاچی کو کچھ دلواتیں یا ان کی مانگ پوری کر لیتیں وہ بہت خوش ہوتی تھیں۔ آپ کو بہت دعائیں دیتی تھیں۔''

''کاش وہ ہمارے پاس ہوتی۔ چاچے کو کوستی، لڑتی جھگڑتی......اگر وہ نہیں تو راحت اور نصرت تو ہوتے۔''

''باجی! آپ کو پتا ہے ان کے جسدِ خاکی کو تین دن بعد ملبے سے نکالا گیا اور چوتھے دن ان کو غسل دے کہ جب میں نے ان کا چہرہ دیکھا تھا تو یقین مانیں ان کا چہرہ چمک رہا تھا۔ نہیں لگ رہا تھا وہ کوئی لاش ہیں اور پرانی لاش۔ چاچی کو چاچے کے ساتھ کی گئی وفا راس آ گئی تھی۔''

''اور نصرت، راحت، دادا جی اور دادی......ان سب کا کیسا حال تھا؟''

''میں نے صرف چاچی کو غسل دیا تھا۔ باقی سب کو مددگاروں نے سنبھالا تھا۔ انسان کے دلوں میں اللہ بستا ہے باجی۔ میں نے ان دنوں لوگوں کو اپنی فکریں چھوڑ کر خدمتِ خلق کرتے دیکھا تھا۔''

''بے شک۔''

''آپ کوئی بات کر رہی تھیں باجی؟''

''ہاں! میں کہہ رہی تھی کہ عافی کو معاف کر دو۔''

''باجی!'' بندگی کی سانسیں اکھڑ سی گئی تھیں۔ کیا وہ سب جانتی ہیں؟

”میں جانتی ہوں تم اس کے بے خبر ہو جانے کی وجہ سے اس سے خفا ہو۔ لیکن اسے نہیں پتا تھا کہ ہم دونوں زندہ ہیں۔“

”او! ہاں ٹھیک ہے۔ شکر ہے زندگی بس اتنا جانتی تھی۔ تم نے معاف کر دیا نا عافی کو۔“

”ہاں آج معاف کر دیا۔“ اس نے اپنی آزادی کا سوچ کر کہا تھا۔

”اس نے بھی مجھے معاف کر دیا ہے بندگی۔ کیوں آپ نے ایسا کیا کیا ہے؟“

”میں نے اپنی خوشیوں کے گھر کو اپنے خوابوں کے اوزاروں سے توڑا ہے۔ جب عافی میرے پاس تھا میں اپنے خوابوں کی تاک میں اس سے دور بھاگتی پھرتی تھی۔ انسان کے سامنے اگر سمندروں کے پانیوں جیسی کامیابیاں، ترقیاں بھی رکھ دی جائیں تو اس کا دل نہیں برتا اور...... اور، اور، اور زیادہ زیادہ...... یہ چسکا کبھی ختم ہی نہیں ہوتا۔ لگا ہی رہتا ہے۔ مجھے بھی سمجھ نہ آتا تھا۔ میں بھی بس اور، اور، اور کی تڑپ میں کھپتی تھی۔ حتیٰ کہ اپنی کوکھ تک اجاڑ دی میں نے۔ آتی سچی خوشیوں کو نظر انداز کر کے میں خوابوں کی پرچھائیوں کی تلاش میں تھی۔“

زندگی اپنی کوکھ اجڑنے کی بات کر رہی تھی۔ بندگی کو اپنی اجڑی کوکھ یاد آ گئی۔

وہ زندگی کے کمرے سے باہر چلی آئی۔ اگر عافی اس کے دل پر وار کرتا تو وہ سہہ بھی لیتی۔ اسے معاف کر بھی دیتی لیکن اس نے گود اجاڑ دی تھی اس کی۔ ایک ماں بن کے سوچتی تو دل کٹ سا جاتا۔ اتنے سال گزر گئے اسے ہر بچے کو دیکھ کر وہ یاد آتا رہا تھا۔ اس کا کیا قصور تھا۔ وہ سوچتی تھی۔ نہیں کبھی نہیں۔ وہ کبھی عافی کو معاف نہیں کرے گی۔ اس نے پھر سے اپنے کپڑے بدلے تھے۔ اسے بندگی سے ڈر لگتا تھا۔ وہ خوش دل ہی ٹھیک تھی۔ مکار، چالاک، فنکار، لالچی...... کیونکہ وہ تنہا تھی اور بندگی کبھی تنہا نہیں جی سکتی تھی۔ تنہائی کا سفر خوش دل ہی کر سکتی تھی۔ وہ تیار ہوئی۔ اپنا بیگ اٹھایا اور عزت بی بی سے ملنے چلی آئی۔ انہوں نے ان کا داخلہ پارلر میں منع کیا تھا اپنے بنگلے پہ نہیں۔

اسے دیکھتے ہی وہ خوشی سے اٹھی اور بولی۔

”سنا تھا حساس لوگ آگے نہیں بڑھ سکتے اور آج جان لیا حساس لوگ کبھی آگے نہیں بڑھ سکتے۔“

”کیونکہ حساس لوگ آگے بڑھنا نہیں چاہتے۔ یہ کیا کیا آپ نے؟“

"تمہیں آزاد کر دیا۔"

"کیوں؟ میں نے کبھی آزادی مانگی تھی آپ سے۔"

"ہاں اسی لیے تو دے دی دراصل ذرا اپنا غرض نظر آ گیا تھا۔"

"کیسا غرض؟"

"تمہاری آزادی مانگنے والا دل لے گیا۔ اس کی ایک بات دل پہ لگ گئی۔ کہتا ہے ہنر والوں نے اپنا ہنر بانٹا نہ بانٹا تو کیا فائدہ دولت ہنر کا۔ لو بانٹ دیا میں نے بھی اپنا ہنر اور کر لیا دھان بن گئی فیاضی و سخی۔ سچ کہوں تو اب اوروں کو بھی دل کرتا ہے ہنر سکھاؤں۔ جو ہنر مجھے میرے اللہ نے دیا وہ اللہ کے بندوں میں بانٹ جاؤں۔ میں نے تمہیں نہیں سب کو آزاد کر لیا ہے۔"

"کنیز اور خادمہ کو بھی۔"

"ان کا تو نام بھی مت لو۔ وہ بے وفا نکلیں۔ خیر انہیں بھی آزاد کر دیا ہے میں نے۔"

"تو آپ اکیلی کیا کریں گی۔ آپ نے تو شان والے قصے کے بعد exchange of candidate کا کام بھی چھوڑ دیا ہے۔"

"تو جانتی ہے میرا مزاج کسی کا برا تب تک نہیں کیا جب تک اس نے نہ کچھ بگاڑا ہو۔ شان کے ساتھ جو ہوا انجانے میں ہوا۔ ہم تو سسٹم کا حصہ سمجھ کر کرتے تھے ہمیں کیا پتا تھا یہ تو حق تلافی سے بھی بدتر ثابت ہو گا۔"

"آپ کیا کریں گی؟" بندگی کو ان کی فکر تھی۔

"وہی جو کرتی آئی ہوں......" عزت نے جوں ہی جملہ مکمل کیا اندر سے ایک نوجوان مگر عجیب سے انداز والی لڑکی ان کی طرف چلی کر آئی۔ شاید زندگی میں پہلی بار سینڈل پہنے تھے اور گرتے گرتے سنبھل رہی تھی۔

"میں تو خود کو پہچان نہیں پا رہی۔ کیا یہ میں ہوں؟"

"یہ تم ہی ہو۔" اس لڑکی پر اپنے ہی حسن کا سحر سوار تھا۔ وہ جیسے سرورِ حسن میں تھی۔

"مجھے بھی ایسا بنا دیں۔" اس کے ساتھ آئی عورت نے التجا کی تھی۔ اس عورت کی حالتِ زار

خستہ تھی۔ چادر پھٹی ہوئی، آنکھیں بجھی ہوئی، چہرہ گندہ، بال بکھرے۔

''بنادوں گی لیکن ایک شرط پر۔''

''کیسی شرط۔'' خاتون نے دل پر ہات رکھتے ہوئے پوچھا۔

''بھیک مانگنا چھوڑ دو۔''

''روزی روٹی کوئی کیسے چھوڑتا ہے۔'' عورت خفا سی ہوگئی۔ ''اورآپ ایک دن کی خوب صورتی کا خواب میں اس لیے دکھانا چاہتی تھی۔ پتا ہوتا تو آتے ہی نہیں۔ یہ دھندے کا ٹائم ہے ہمارا۔''

''چلو یہاں سے۔'' اس نے اپنے گندھے ہاتھوں سے سجی سجائی لڑکی کے ہاتھوں کو چھوا جو اپنے ہی حسن میں کہیں گم تھی۔ اس طرح اپنی ساتھی فقرنی کے کھینچے جانے پر اپنی دنیا میں واپس آئی تو وہ اسے جانے کا کہہ رہی تھی یعنی یہ زیور یہ کپڑے سب اتارنے ہوں گے۔ کاش ایک دن تو اسے ملتا اور وہ خود کو دیکھے جاتی۔ خود سے عشق کر لیتی لیکن ان کی قسمت کہاں ایسی۔ اس نے بے دلی سے زیور اتارنے شروع کیے۔ بندگی نے اس کا چہرہ دیکھا۔ موٹی موٹی مصنوعی پلکوں کے کنارے بھیگے ہوئے تھے۔

''یہ کیسے اتارتے ہیں؟'' اسے زیور اتارنے نہیں آرہے تھے۔

''اس لیے تو کہہ رہی ہوں بھیک مانگنا چھوڑ دو یہ کام سیکھ لو۔''

نوجوان لڑکی کے زیور اتارتے ہاتھ رک گئے۔

ناراض فقیرنی نے بھی تعجب بھری نگاہ سے اسے دیکھا۔

''کام سیکھ لو۔ گھبراؤ نہیں مفت میں سکھاؤں گی۔''

عورت کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اس کے پاس کہنے کو الفاظ نہ تھے۔ دونوں نے عزت کا شکریہ ادا کیا۔

''میرا نہیں اس کا شکریہ ادا کرو۔''

دونوں بندگی کے پیروں پر گر گئیں۔ گھبرا کے باہر چلی آئیں۔ عزت اس کے پیچھے آئی تھی۔

''عافی نے مجھے بدل دیا ہے۔ مجھے کبھی اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی تم سب کو آزاد کر کے ہو رہی ہے اور ان مانگنے والوں کو سجا کر انہیں کام سکھا کر۔ اپنے ہنر کو اپنے تک محدود رکھنا ناشکری ہے۔ دنیا میں کئی شاہکار ہیں جو ہمیں نظر تو آتے ہیں لیکن ان کے فن کاروں کے متعلق ہم نہیں جانتے اور شاید اس کی وجہ

بھی یہی ہے کہ وہ اپنے ہنر کو محدود رکھتے ہوں گے۔ ورنہ آج وہ یوں زمانوں کی داستانوں میں بے تعارف نہ ہوتے۔تم عافی کو شکریہ کہنا اور دل...... ملتے آتی رہنا۔'' اس نے اسے گلے سے لگایا اور اس کے کانوں کے پاس آ کر کہا۔

''اپنا گھر بسا لو۔ عافی تم سے بے حد محبت کرتا ہے۔تمہاری بہن انکار نہیں کرے گی۔ وہ بھی عافی سے بہت محبت کرتی ہے اور یہ بھی جانتی ہے کہ نہ وہ مکمل ہے اور نہ ہی مکمل محبت عافی دے سکتی ہے۔''

بندگی حیرانی سے اپنے محسن کو دیکھ رہی تھی۔ وہ جانتی تھی عزت کا اس سے غرض کا تعلق ہے۔لیکن اس کے لیے یہ تعلق بھی بہت خاص تھا۔آج وہ نہ جانے کیوں اسے پہلی بار بدلی بدلی لگی تھی۔ آج اس کی محسن اسے عافی کی محسن لگی تھی۔اس کا سب کچھ عافی سے منسلک کیوں ہو جاتا تھا۔کیوں گھوم پھر کر اس کی دنیا عافی پہ آ کر ختم ہو جاتی تھی۔ وہ خاموشی سے واں سے نکل آئی۔

عافی کی باتوں نے نہ صرف عزت کی دنیا بدلی تھی بلکہ خوش دل کی دنیا تباہ و برباد کی تھی۔

کہاں سے لائے اب وہ ہمت؟ جو پھر سے شروع کرے۔یہی وجہ تھی اس نے آزاد کرانے کے لیے خریدے پرندے اپنے گھر میں آ کے رکھے تھے۔ بے شک آزادی نعمت ہے لیکن اس دنیا میں تنہا کوئی کیسے جیسے......کاں جائے...... کیسے کرے...... جیسے وہ ان پرندوں کو آزاد نہ کر پاتی تھی۔سوچتی تھی کہاں جائیں گے۔کیسے جھنڈ تلاشیں گے۔کیسے پیٹ بھریں گے۔کیسے شکاریوں سے بچیں گے؟

سوچوں میں بے بسی کا بھنور پھر سے آن چمٹا تھا۔نا جانے کتنی ہی دیر وہ یوں ہی سڑکوں پر چلتی نا جانے کیا سے کیا سوچتی رہی۔

ناول رنگِ حیات کی اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 20 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

قسط نمبر 9

عافی اسلام آباد سے شام ڈھلتے ہی آ گیا تھا۔ وہ آفس سے آ رہا تھا۔ خوبروئی کے سارے آثار نمایاں نظر آ رہے تھے۔ زندگی نے دل ہی دل میں اپنے شوہر کی وجاہت کی تعریف کی۔

بندگی گھر نہ آئی تھی۔ عافی اس کے لیے پریشان ہو رہا تھا۔ پارلر کے بنا وہ کہیں جاتی بھی نہیں تھی۔

''نہیں عافی، وہ پارلر کے بنا ایک اور جگہ جاتی ہے۔'' آج وہ کافی بہتر لگ رہی تھی۔ عافی کی آمد نے زندگی کا ملن زندگی سے کروانا شروع کیا تھا۔ وہ وہیل چیئر پر ذرا سجی دھجی بیٹھی تھی۔

''کہاں؟''

''عنایت کی قبر پر گئی ہو گی۔''

''عنایت کی قبر پر...... لیکن کیوں؟''

''یہ کیسا سوال ہے عافی؟ وہ شوہر تھا اس کا۔''

''شوہر...... ایک ایسا شوہر جو اس لائق ہی نہیں تھا کہ......''

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو عافی۔ عنایت ایسا تو نہیں تھا اور اب تو اس دنیا میں بھی نہیں ہے۔''

''بس اسی بات کا تو غم ہے ورنہ اس کے دھوکے کے عوض میں اس کے ساتھ نا جانے کیا کر دیتا۔'' عافی شدید غصے میں تھا، زندگی حیران تھی اور پوچھ بیٹھی تھی۔

''کیسا دھوکا؟''

''کیا اعتراف کروں زندگی۔'' اس نے کہا تو جیسے درد اس کی آواز اور سارے وجود سے لپٹ گیا۔ زندگی غائب دماغی سے اسے دیکھتی رہی۔

''عنایت نے بندگی کی زندگی برباد کر لی تھی یا میں نے بندگی کی زندگی برباد کر لی ہے۔''

''تم نے عافی۔''

''ہاں! میں قصور وار ہوں۔ وہ دھوکے باز تھا۔'' عافی نے عنایت کے بندگی پر ظلم کی داستان ابھی شروع کی ہی تھی کہ زندگی بہن کے درد میں تڑپ گئی۔ اسے نا جانے کیا سے کیا ہو گیا تھا۔ ابھی تو بس اس نے عنایت کی بے حسی کا سنایا تھا نا جانے اس دن کیا ہو گا جب اس کے آگے عافی کے ظلم کے کھاتے کھلیں گے۔

اس کی حالت سنبھلتی نہ تھی۔ عافی نے ڈاکٹر کو فون کیا تھا۔

☆......☆......☆

آسمان پر چاند تاروں کی رونق سجی تھی۔ زمین پر ہر سو اندھیرا بکھرا تھا۔ صبح سے رات ہونے کو آئی تھی۔ عافی کی آنکھوں کا تارہ نا جانے کہاں گم تھا۔ اس نے اسے عزت بی بی سے آزاد کر کے کہیں خود سے تو آزاد نہیں کر دیا۔

وہ بے چینی میں ادھر ادھر چکر کاٹ رہا تھا۔ زندگی اب ڈاکٹر کی دی ہوئی دوا کی وجہ سے پُرسکون تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی عنایت نے ایسا کیا ہو گا اس کی بہن کے ساتھ۔ اس کی بہن جھاڑو برتن کرتی تھی۔ اُف۔ اس کا سوچ سوچ کر دل ڈوبا جا رہا تھا اور بندگی، اس نے کبھی ظاہر تک نہیں ہونے دیا۔ وہ تو عنایت کی برسی پر، اس کے جنم دن پر بہت سی عنایتیں کرتی تھی، خیراتیں کرتی تھی۔ زندگی کی آنکھ سے آنسو رواں تھے۔ عافی اسے دکھی دیکھ کر اس کے پاس آیا تھا۔ اس کے آنسو پونچھے تھے۔

''میں جب جب اسے بدلا ہوا دیکھتی افسردہ دیکھتی تو سوچتی شاید اسے عنایت کی یاد آ رہی ہے۔ وہ گھنٹوں عنایت اور اپنی شادی کی فوٹو دیکھ کر روتی رہتی ہے۔ لیکن مجھے کیا پتا تھا عنایت اسے ایسا دھوکا دے کر گیا تھا۔'' اس کا دل کٹ رہا تھا۔ اسے اپنی بہن پر بہت رحم آ رہا تھا اور خود پر غصہ۔ اس نے اپنے خوابوں کی بھیڑ میں وقت نکال کر عنایت کے متعلق جاننے کی کوشش کرنے کا بھی نہ سوچا تھا۔ کاش کہ وہ سوچ سمجھ لیتی اور اپنی بہن کو ایسے دکھوں سے باز رکھتی۔

بچپن سے لے کر اس کی شادی ہونے تک میں اسے بلیک میل کرتی رہی۔ میرا بس اتنا کہنا ہوتا کہ ’’ماں نہیں ہے نا میری۔‘‘ وہ اپنے کھلونے، کپڑے، اپنا وقت سب مجھے دے دیتی تا کہ مجھے کبھی ماں کی کمی محسوس نہ ہو۔ پھر تو میں نے اس جملے کو ادا کر کے اس سے اپنے سارے کام کروانے شروع کیے اور وہ......

’’آج سوچتی ہوں وہ کیوں مجھے امی کی کمی محسوس نہیں ہونے دیتی تھی۔ کیوں کہ وہ خود اپنی امی کی کمی محسوس کرتی تھی شدت سے کرتی تھی۔ اور مجھے اس کے رہتے سچ کہوں تو کبھی امی کی کمی محسوس نہیں ہوئی، جبکہ میں بڑی تھی میں نے امی کو دیکھا تھا مجھے وہ یاد تھیں اور وہ تو بس دو سال کی تھیں۔‘‘ اس کے گال آنسوؤں سے تر تھے۔

’’زندگی اتنا اسٹریس نہ لو پلیز۔‘‘

’’عافی! میں اس کی ماں تو کیا کبھی اس کی بڑی بہن بھی نہ بن سکی اور وہ میری ماں بن بیٹھی۔ آ جائے وہ پوچھتی ہوں اس سے......بس اب پارلر جانے نہیں دوں گی اسے۔‘‘

اس بار عافی خاموش رہا تھا۔ اب زندگی پر یہ حقیقت تو وہ کھول بھی نہ سکتا تھا کہ وہ اتنے عرصے سے عزت بی بی کے غلاموں والی زندگی گزار رہی تھی۔ وہ نہ صرف اس کا پارلر سنبھالتی تھی بلکہ بندہ نواز بندگی عزت بی بی کی غلامی میں شراب نوشی کے کالے دھندے میں بھی اس کا ہاتھ بٹاتی تھی۔ اور یہ وہ ہی جانتی ہوں گی کہ باوضو رہنے والے ہاتھ کیسے جام اٹھاتے ہوں گے۔

عافی کا دل تو کرتا اس نے جتنے غم دیکھے ہیں اب اس کی راہوں میں وہ اتنے ہی سکھ سجا دے۔ لیکن بے بسی تو دیکھو کہ وہ اسا کرنے کی سکت بھی رکھتا ہے اور ایسا کر بھی نہیں سکتا۔ اس دکھ سے بڑا اور کوئی دکھ نہیں ہوتا کہ آپ جس پر اپنا سب کچھ لوٹانا چاہتے ہوں وہ آپ کی نظروں کے سامنے ہی دکھوں سے چور ہو۔

آج زندگی نے میوزک بھی نہ سنا تھا اور سو بھی نہ سکی تھی۔ اسے بندگی کے آنے کا انتظار تھا۔ آج وہ ماؤں کی طرح اس کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔

رات کے دس بجے دروازے پر آہٹ ہوئی۔ وہ ہمیشہ اپنے ہی گھر میں دبے پاؤں آتی تھی تا کہ

کسی کو اس کے آنے کی خبر نہ ہو۔ لیکن ناجانے یہ کسی تھا کون؟ عافی تو اسے اپنا آپ دکھاتا نہ تھا اور زندگی اکثر دوا لے کر سو جاتی تھی۔ شاید یہ ''کسی'' کا لفظ اس کی اپنی تنہائیوں کے لیے ہی تھا۔ وہ نہ چاہتی تھی ان سناٹوں کو بھی اس کے آنے کی خبر ہو...... لیکن آج تو اس گھر کی ہر ایک چیز کو جیسے اس کی آمد کا انتظار تھا۔ ساری بتیاں روشن تھیں، سارے پرندے جاگ رہے تھے، سارے گوشے منتظر تھے۔

''بندگی۔'' زندگی نے اسے پکارا تھا۔

وہ اس وقت اس کے جاگنے پر حیران ہو کر اس کے کمرے کی جانب قدم بڑھانے لگی۔ عافی اسے دیکھ کر کمرے سے باہر چلا آیا تھا۔ یہاں صحن میں جہاں پرندے جیسے صدیوں کی چپ لیے پنجروں میں بیٹھے تھے۔ ناجانے کیوں اداس تھے، ناجانے کیا سوچتے تھے۔ ناجانے کیا ملال تھا، ناجانے کیا مانگتے تھے۔ ایسے پرندے کیا سوچتے ہوں گے ان کی اداسی کا سبب کیا ہو گا؟ یہ پرندے جو پیدا ہی پنجروں میں ہوتے ہیں، انہیں کیا خبر تھی کہ انہیں اڑنے کی صلاحیت خدا نے دی ہے وہ اڑ سکتے ہیں۔ یا پھر یہ جانتے تھے کہ یہ اڑ سکتے ہیں شاید خوابوں میں خود کو اڑتے دیکھتے ہوں گے۔ کچھ تو ہو گا یوں بے سبب کیوں اداس ہوں گے۔

بندگی کمرے میں آئی تو زندگی کے آنسو بہہ نکلے۔ وہ پریشان ہو گئی۔

''کیا ہوا ہے باجی؟ آپ اس طرح تو نہ روئیں میں پریشان ہو رہی ہوں۔''

''ہمیشہ تم کیوں پریشان ہوتی ہو بندگی، کبھی ہمیں بھی پریشان ہونے دو اپنے لیے۔ کبھی ہمیں بھی رونے دو اپنے لیے۔''

''کیوں آپ روئیں۔ اللہ نہ کرے آپ روئیں۔'' اس نے زندگی کے ایک ایک آنسو پونچھے تو اس کی آنکھوں سے دوجے آنسو بہہ نکلے۔ اس نے روتے روتے بندگی کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔ اس کے ہاتھ آج بھی اس کے ہاتھوں کے مقابلے میں بے حد خوب صورت تھے۔

لیکن آج اسے اس کے ہاتھ دیکھ کر اپنے ہاتھوں کی سانولی رنگت کا غم نہ ہو رہا تھا بلکہ اسے بندگی کے خوب صورت ہاتھوں کی بدصورت لکیروں پر رونا آ رہا تھا۔ وہ روتی جاتی تھی، روتی ہی جاتی تھی۔

بندگی کا دل ہولنے لگا تھا۔اس نے گھبرا کر پوچھا تھا۔

''کیا ہوا باجی۔کون یاد آ رہا ہے۔امی یا ابو...... دادا یا دادی ؟''

''تمہاری یاد آ رہی ہے بندگی۔''

''میری یاد...... میں تو آپ کے پاس ہوں۔''

''ہاں۔تم پاس ہو میرے ہمیشہ سے پاس تھی لیکن شاید میں دور تھی تم سے بہت دور۔کبھی سمجھ نہ پائی تمہارے آنسوؤں کا مفہوم۔مجھے آنسوؤں کی زبان پڑھنی نہیں آتی تھی۔''

''کیا ہوا باجی؟''اس نے زندگی کے ہاتھ مضبوطی سے تھامے تھے۔

''کیسے رہ گئی تم عنایت کے ساتھ بندگی۔''اس کے ہاتھوں پر اس کی گرفت کم ہوئی تھی۔

''ہاں بندگی۔کیسے چپ رہی تم۔کیوں چھپایا تم نے ہم سب سے۔''زندگی نے اس بار مضبوطی سے اس کے چھوٹے ہاتھوں کو تھاما تھا اور اس کے ہاتھوں کی جانب دیکھا تھا۔

''کیسے یہ ہاتھ دوسروں کے گھروں کا کام کرتے تھے۔کیسے یہ تمہارا نازک وجود اس کی مار سہتا تھا۔وہ تمہیں ایک کمرے میں بھوکا پیاسا رکھتا تھا، بند کر کے جاتا تھا۔کیسے سہہ لیا تم نے یہ سب۔کیسے؟''وہ رو رو کر پوچھ رہی تھی۔

عافی صحن میں کھڑا تھا اس کا چہرہ بھی نم تھا وہ ان کی گفتگو سن سکتا تھا۔

''کیوں نہیں بتایا کبھی کسی کو مجھے تو بتاتی...... کیوں سہہ لیا تم نے۔''

''وہ میرے شوہر تھے باجی۔نکاح ہوا تھا میرا ان سے۔میں کیسے ان کی خامیاں بیان کرتی؟''

''لیکن بندگی!وہ مار پیٹ کرتا تھا۔''

''محبت میں کرتا تھا۔اس کے کچھ اپنے کمپلیکس تھے۔برا نہیں تھا میرا شوہر۔آپ ان سے بدگمان نہ ہوں باجی۔''

''اب بھی بندگی...... اب بھی۔اب کیوں پردہ رکھ رہی ہو۔اس نامعقول کا۔''

''نہیں باجی، ایسا نہ کہیں انہیں وہ بہت اچھے تھے۔بس ڈرتے تھے کہ میں چھوڑ جاؤں گی

انہیں۔انہیں لگتا تھا جب میں حقیقت جان جاؤں گی کہ وہ خالی ہاتھ ہیں تو چھوڑ جاؤں گی۔"

"شاید ہر کوئی ہر ایک شخص انہیں غریب جان کو چھوڑ جاتا تھا۔"

"لیکن پھر سب ٹھیک ہو گیا تھا۔آپ فکر نہ کریں میں ان سے بددل نہیں۔وہ میرا اجر تھے۔بس دعا کریں باجی، وہ جہاں ہوں اللہ انہیں خوش رکھیں۔"

"تم سچ کہہ رہی ہو بندگی؟"

"ہاں باجی، ان میں کوئی خامی نہیں تھی بس وہ غریب تھے بس اور کچھ نہیں اور اگر میں نے ان کے برے حالات میں ان کا ساتھ دیا تو کیا برا کیا؟"

"تم بہت ہمت والی ہو بندگی۔کہاں سے لاتی ہو اتنی ہمت؟"

"اللہ دیتا ہے۔"

"مجھے تو اللہ یہ سب سننے کی ہمت نہیں دے رہا، تمہیں سہنے کی ہمت کیسے دے دی؟"

"کیوں کہ آپ نے بات ان کی ہمت دینے سے پہلے سن لی۔اللہ پہلے ہمت دیتا ہے پھر مصیبت، اس لیے جو ہم سننے کی ہمت نہیں رکھتے۔لوگ بخوشی برداشت کر لیتے ہیں۔"

بندگی نے پیار سے اپنی بہن کو میڈیسن دے کر سلایا اور جب وہ سو گئی تو وہ اس کے کمرے سے باہر آئی، پرندے سو چکے تھے۔اس نے کمروں اور برآمدوں کی تمام بتیاں گل کر دیں۔بس صحن میں روشنی تھی۔وہ صحن کی بتیاں بجھانے لگی تو عافی کے موبائل کی روشنی اسے نظر آئی۔بندگی نے عافی کو باہر دیکھ کر پھر سے ایک لائٹ کھول دی۔

"بڑی مہارت سے تم نے عنایت کو تمام تر الزاموں سے بری کر دیا۔"

"ایک مرے ہوئے آدمی پر ایسے الزام کیوں لگائے تم نے؟"

"یہ سچ تھا اور میں جانتا ہوں یہی سچ تھا۔وہ تمہیں مارتا تھا پیٹتا تھا، ایک کمرے میں بند کر کے جاتا تھا۔اور تم کہتی ہو وہ محبت کرتا تھا تم سے۔"

"تو کیا نہیں کرتا تھا۔مارتا تھا پیٹتا تھا، ایک کمرے میں بند کر کے جاتا تھا لیکن آتا تو میرے

پاس ہی تھا نا مجھے چھوڑ کے تو نہیں جاتا تھا میرا شوہر۔"

"اس نے جھوٹ بولا تھا مجھ سے کہ وہ گاڑی اس کی ہے۔ وہ بنگلہ اس کا ہے۔"

"تو تم نے کون سا سچ بولا تھا عنایت سے..... کہ میں ایک بچہ گرا چکی ہوں۔" اس کی زبان کپکپا گئی۔

"میں اس کے قابل نہیں تھی۔ وہ بہت اچھے تھے عافی۔ تم نے عنایت سے جھوٹ بول کر میری شادی کروائی۔ کبھی اس کی قبر پر جا کر اس سے معافی مانگ لینا۔ وہ بہت اچھے تھے عافی۔ تمہیں معاف کر دیں گے۔ مجھے بھی معاف کر کے گئے ہیں جبکہ میں اتنی گنہگار تھی میں اس کے قابل کہاں تھی۔"

"بس کرو بندگی۔ ایسا مت کہو۔ خدا کے واسطے خود کو گنہگار سمجھنا چھوڑ دو۔ تمہارا گنہگار میں ہوں۔"

"تم سب کے گنہگار ہو عافی اور تمہارے ساتھ میں بھی۔"

"تم کسی کی گنہگار نہیں ہو۔ جو ہوا تھا اس کی وجہ میں تھا۔"

"اور جو ہو رہا ہے عافی۔ کیا اس کی ذمے دار میں نہیں ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ عافی۔ تم یہاں مجھے کھوجنے آئے تھے یہ تم بھی جانتے ہو اور میں بھی۔ میں تمہاری وجہ سے اپنی بہن کی۔"

"نہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔"

"تو کیا سنائی اسے عنایت کی کہانی۔"

مجھے یہ سن کر غصہ آ گیا تھا کہ تم اس کی قبر پر جاتی ہو۔"

"وہ میرا شوہر تھا اور تم میرے کچھ نہیں عافی۔ چلے جاؤ یہاں سے۔ میں اب بہت سمجھ دار ہو گئی ہوں۔ اب میں بندگی نہیں ہوں جو تمہاری باتوں میں آ جاؤں۔ میں خوش دل سب جانتی ہوں۔ تم میری مجبوریوں کی کہانیاں اس لیے زندگی کو سنا رہے ہوتا کہ وہ میرے رو رو کر تمہیں ایک بار پھر سے میرے لیے کوئی فیصلہ کرنے کا کہے اور تم پھر سے ہم دونوں کا فائدہ اٹھاؤ۔"

"نہیں تم غلط سمجھ رہی ہو۔"

''تو کیوں آزاد کروایا مجھے تا کہ اپنی قید میں رکھ سکو۔ایک بات سن لو عافی ، اب تمہاری نظروں نے مجھے دیکھا بھی تو میں اس وجود کو کاٹ پھینکوں گی۔'' اس نے بے تحاشا غصے میں کہا تھا اور وہاں سے اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔لیکن یہ کیا کہہ گئی تھی۔عافی کو چین نہ ہوتا تھا۔وہ کتنے دنوں سے اس سے بات کرنے کے لیے ترس رہا تھا۔وہ جانتا تھا وہ جب بھی اس سے ماضی کے متعلق بات کرے گی اسے قصوروار ٹھہرائے گی۔اس سے خفا ہو گی۔اسے ڈانٹے گی۔گالیاں دے گی لیکن اس نے تو خود کو جیسے گالیاں دی تھیں۔اس کی محبت کو گالیاں دی تھیں۔

☆......☆......☆

''میرا اللہ جانتا ہے میں نے کبھی اسے پانے کی چاہت نہیں کی۔میری محبت کو نہ سمجھتی لیکن گالی تو نہ بنا دیتی۔''

''عافی! سنبھالو اپنے آپ کو۔''

پہاڑی کے کونے میں ایک اینٹ نما پتھر بیٹھا تھا۔کل والا لباس پہنے ہوئے تھا۔وچن نے اسے تسلی دی تھی۔وہ بھی اس کے پاس ٹوٹی پھوٹی اینٹ پر بیٹھی تھی۔

''ویسے وچن؟ میں سمجھتا تھا جس دن میں اسے بتاؤں گا میں نے کیسے اس کے بنا یہ تیرہ سال گزارے ہیں تو وہ حیران رہ جائے گی۔لیکن اس نے تو مجھے حیران کر دیا یہ بتا کر اس نے تیرہ سال خود کو گنہگار سمجھ کر گزارے ہیں۔عنایت اسے مارتا پیٹتا تھا اس لیے کہ اس نے خود کو معاف کرنے کے لیے کہا تھا یعنی اس نے اسے سب بتا دیا تھا۔

''کون کرتا ہے ایسا خود کے ساتھ۔کون اپنی زندگی خود عذاب بناتا ہے؟ میں تو عنایت سے نفرت کرتا تھا کہ اس نے جانوروں جیسا رویہ بندگی کے ساتھ اختیار رکھا۔لیکن عنایت کے اس رویے کی وجہ بھی میں ہی تھا۔سچ میں مجھے پہلی بار احساس ہوا میں نے عنایت کو دھوکا دیا تھا۔''

''تم نے بندگی کا بھلا چاہا تھا عافی۔تم نے اس وقت جو کیا کوئی بھی ہوتا یہی کرتا۔اور میں تو کہتی ہوں کہ یہ تم تھے جو اس نے بھلا سوچا تھا ورنہ کوئی اور ہوتا تو عمر بھر بندگی کو سزا دیتا رہتا، بلیک میل کرتا رہتا۔''

”لیکن وہ یہ نہیں سمجھتی اور اب تو میں بھی......“

”نہیں عافی، جو گناہ تم نے نہیں کیا اسے اپنے سر مت لو۔ تمہیں زندگی سے شادی کرنے کے بعد اس بچے کا علم ہوا تھا۔ یہی صحیح تھا اس وقت اب او کا ہوتا؟ یہ سچ سب پر واضح ہو بھی جاتا تو کیا ہوتا۔ بس سب جیتے جی مر جاتے اور بندگی کا جو نقصان ہوتا سو وہ اپنی جگہ۔ آج وہ جو فخر سے کہہ رہی ہے عنایت میرا شوہر تھا، ورنہ وہ آنکھیں نہ ملا پاتی زمانے سے خود سے اور نہ ہی کسی نے اسے بیوہ کہہ کر ترس کھانا تھا بلکہ......تم جانتے ہو۔ تم نے اس کا گھر بچانے کے لیے کہا تھا۔“

”کاش ایسا ہوتا۔ لیکن سچ تو یہ تھا میں آناً فاناً بس اس سے جان چھوٹنا چاہتا تھا۔ وہ ان دنوں عجیب نفسیاتی ہوتی جاتی تھی مجھے اس طرح دیکھتی تھی کہ مجھے لگتا تھا سب کو ہمارے متعلق پتا چل جائے گا میں نے سب کچھ اپنا جرم چھپانے کے لیے کیا۔ میں نے جرم چھپانے کے لیے جھوٹ بولا عنایت نے گھر بسانے کے لیے۔ میں نے تعلق توڑنا تھا اس نے جوڑنا تھا۔ اسے اپنے سے عنایت کا میں نے ہی بنایا تھا۔ لیکن اب بہت تکلیف ہوتی ہے جب جب میں اسے اس کے مرحوم شوہر کی یاد میں روتے دیکھتا ہوں۔ وہ جسم کو زخم دیتا تھا اور میں اس کی روح کو چھلنی کرتا تھا۔ جسم کو زخم بھرنے کی صلاحیت رب نے دے رکھی ہے روح کو نہیں۔ روح کے زخم نہیں بھرتے وچن۔ نا جانے وہ مجھے کیسے معاف کرے گی اب تو میں معافی مانگنے کے قابل بھی نہیں رہا۔ میں تو خود کو خود بھی معاف نہیں کر سکتا تو کیسے رب سے معافی مانگ لوں۔“

”رب سب کو معاف کرتا ہے۔ اب پچھتا رہے ہو اور توبہ کر چکے ہو۔ بندہ جب پچھتا کر، توبہ کر کے گناہوں سے منہ موڑ لیتا ہے تو خدا اس کا ساتھ دیتا ہے تب ہی تو وہ ایک بار کی گئی غلطی کو پھر سے نہیں دہراتا۔ بندگی بھی ایک دن معاف کر دے گی تمہیں۔“

”اب معاف نہ کرے تو ہی بہتر......میں سزا چاہتا ہوں۔“

”تم سزا کاٹ چکے ہو اور سزا کاٹ رہے ہو۔“

عافی دور پھیلی وادی کو دیکھتا رہا۔ آج وچن کو احساس ہوا تھا کہ بندگی نے عافی سے پوشیدگی

اختیار کر کے ٹھیک کیا تھا۔ اسی میں مصلحت تھی وہ بندگی کو نہ پا کے بندگی کو پانے کے لیے بے تاب تھا بس۔ لیکن یہ اسے پا کر اسے روتا تڑپتا دیکھ کر کہیں خود نہ مر جائے۔

''تم چلے جاؤ عافی۔''

''اب جا بھی تو نہیں سکتا۔ اسے عزت سے آزاد کر چکا ہوں۔''

''کہیں تم اس کا گھر بسانے کا تو نہیں سوچ رہے۔''

''سوچ تو یہی رہا تھا لیکن اب مجھ سے یہ بھی نہیں ہوگا بہتر ہے وہ اپنا انتخاب خود کرے۔''

''سب کچھ اتنی جلد بازی میں تو نہیں ہو سکتا عافی۔''

''تو میں کیا کروں؟ میں اس کے ساتھ رہتا ہوں تو وہ میری نیت پر شک کرتی ہے۔ اسے لگتا ہے میں زندگی کو مجبور کر رہا ہوں کہ وہ بندگی پر ترس کھا کر اسے میری زندگی میں شامل کرے۔ خیر تم بتاؤ دیپک آیا ہے؟''

''نہیں۔ وہ نہیں آیا۔ بھارت گیا ہے رشتے داروں سے ملنے، تمہیں کیا لگتا ہے۔''

''جانا چاہتا تھا شاید کاروبار کر کے تھک گیا ہے۔ بچپن سے تو یہی سب کر رہا ہے اور یوں بھی اب اس کی دکانیں مینیجرز چلاتے ہیں۔''

''ہوں۔'' نا جانے وچن کیوں اتنی مثبت سوچ کی حامل تھی یا عافی نے اسے ایسا بنایا تھا۔ کہیں کچھ پھر سے تو غلط نہیں ہو رہا۔ یا اللہ مجھے اتنا گنہگار مت بنا کہ میں معافیاں مانگتے مانگتے تھک جاؤں۔ کم از کم اس معصوم اور مخلص دوست کا کچھ برا نہ ہو میری وجہ سے ورنہ میں تیرے بندوں سے ملنا چھوڑ دوں گا۔ مجھ سے کسی کا بھلا نہیں ہو سکتا۔ عافی نے دل ہی دل میں دعا مانگی۔ دیپک کا یوں طویل عرصے سے گھر اور کاروبار سے دور رہنا اسے مشکوک سا لگ رہا تھا۔ جہاں وچن کو لگتا تھا وہ بچپن سے کاروبار کر رہا ہے تو کچھ چینج چاہتا ہے۔ وہاں عافی کو لگتا تھا جو بچپن سے کاروبار کرتے ہیں ان کا چینج بھی کاروباری چینج ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

وہ گھر آیا تو زندگی بہت خوش تھی، بندگی نے اس کی ساری پیکنگ کر دی تھی۔

''کہاں جا رہی ہو؟''

''تمہارے ساتھ تمہارے گھر۔''

''اچھا مذاق کرتے ہو۔خود ہی تو بندگی کو کہہ گئے تھے کہ تم کل مجھے اپنے گھر لے جاؤ گے۔''

عافی نے درد سے آنکھیں میچ لیں۔اب بندگی اسے اس گھر میں دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔

''چلیں نا عافی؟''

''ہاں ابھی نہیں، کل صبح چلیں گے۔''

''صبح ٹھیک ہے۔پیکنگ ہوگئی ہے۔بندگی نے سب رکھ دیا ہے۔''

''بندگی یہاں اکیلی رہے گی؟''

''اکیلی نہیں ہے وہ۔عزت بی بی ساتھ ہیں اس کے۔وہ بیٹی مانتی ہیں اسے، میں بات کر چکی ہوں ان سے۔وہ سارے ذمے لے رہی ہے۔''

سچ تھا وہ کبھی بندگی کی ماں نہیں بن سکتی تھی کیونکہ بندگی اس کی ماں بن چکی تھی۔اب اسے کسی بچے کی طرح بہلا کر اپنی فکروں سے آزاد کر رہی تھی۔

اس نے کیرٹیکر کو فون کیا تھا اور اپنے اور زندگی کی صبح آمد کی اطلاع دی تھی۔

بندگی رات بھر صبح ہونے کا انتظار کرتی رہی۔عافی رات بھر ایک ہی گھر میں لاتعلق رہنے والی بندگی کے احساس کو محسوس کرتا رہا۔نا جانے پھر ایسی کبھی کوئی رات میسر ہو بھی کہ نہ ہو۔زندگی کے سونے کے بعد وہ باہر پرندوں کے پاس آیا تھا۔سب گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔بندگی ان کو دیکھ رہی تھی۔

''آزاد کر دو انہیں۔''

''یہ بہت معصوم ہیں۔اور یہ دنیا معصوموں کے لیے نہیں بنی۔یہاں معصوم ہونا گناہ ہے۔آزاد ہوتے ہی یا تو پھر قید ہو جائیں گے یا پھر کسی کا شکار ہو جائیں گے۔''

''تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے؟''

"کیوں کہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ یہ اپنا دفاع کرنا نہیں جانتے۔ جو اپنا آپ بچا نہیں سکتے انہیں کوئی نہیں بچا سکتا۔"

"دفاع کرنے والے کہاں خود کو بچا سکتے ہیں؟ بچنا، بچانا تو بس خدا کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ تم خود کے لیے انہیں آزاد کر دو۔ خدا خود بچائے گا انہیں۔ سب سکھا دے گا۔"

بندگی نے عافی کو مڑ کے دیکھا تھا۔

"تمہیں کیوں لگتا ہے میں تمہاری بات مانوں گی۔"

"پتا نہیں کیوں۔ مجھے لگتا ہے تم میری ہر بات مانتی ہو۔"

"بے وقوف نہیں ہوں میں۔ سب سمجھتی ہوں۔ گئے کیوں نہیں ابھی تک......"

"صبح جا رہا ہوں۔ تم سے خدا حافظ کرنے آیا تھا۔"

"تمہیں تو خدا حافظ ہی خدا حافظ ہے۔ بس زندگی کا سوچتی ہوں تو......"

"وہ میری بیوی ہے میں اسے خوش رکھوں گا۔"

"بس اسی بات کا تو ڈر ہے کہ وہ تمہاری بیوی ہے اور تم اسے کیسے خوش رکھو گے۔ جہاں عافی ہوتا ہے وہاں کوئی خوش نہیں ہوتا۔"

میں پھر بھی وعدہ کرتا ہوں میں اسے خوش رکھوں گا۔"

"تمہارے وعدے؟"

"تم کہہ سکتی ہو۔ ایک تم ہی ہو جو، جو چاہے کہہ سکتی ہو۔"

"کیا ضرورت ہے مجھے کچھ کہنے کی۔ بس اتنا کہوں گی کہ پہلے جب تم گئے تھے تو میرا دل لے گئے تھے۔ اب جا رہے ہو تو جیسے میری زندگی لے جا رہے ہو۔ میرے لیے بہت مشکل ہے عافی زندگی کو تمہیں سونپنا۔ پر میں کیا کروں میں اسے تمہاری اصلیت بھی تو نہیں بتا سکتی۔ سچ کہوں تو میں اپنی زندگی کی آخری سانس تک اپنی بہن کی فکر میں فکرمند رہ سکتی ہوں۔ تمہارے حوالے کر کے بے فکر نہیں ہو سکتی۔"

"میں تمہیں کچھ کہنا یا یقین دلوانا نہیں چاہتا بس اتنا کہوں گا، وقت کبھی ایک جیسا نہیں رہتا اور نہ حالات۔ نہ انسان، نہ دل۔ کچھ بھی کبھی ایک جیسا نہیں رہتا۔ تم مجھے بدلا ہوا پاؤ گی۔"

"کاش کہ ایسا ہوتا" اس کے انداز میں غصہ، طنز، شکوہ، گلہ، بے بسی و مجبوری سب کچھ تھا۔ وہ اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ آج یہ بات تو طے ہو چکی تھی کہ خواہ عافی کی دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے، وہ بندگی کو اپنے بدلنے کا احساس نہیں دلا سکتا۔ اور جب اسے اس کا احساس نہ ہو تو اس کی محبت کا، اس کے انتظار کا، اس کی بے بسی کا کیونکر اعتبار ہوگا۔

وہ چلی گئی تھی۔

"جہاں رہو خوش رہو، آباد رہو، خدا تمہیں صبر دے، ہمت دے اور سب دے جو تم چاہتی ہو۔"

اور بندگی تو بس زندگی کی خوشی ہی چاہتی تھی۔ بس زندگی کی خوشی ہی عافی تھا۔ کاش نہ ہوتا۔ عافی نہ ہوتا۔ اگر ہوتا بھی تو کاش زندگی کو عافی سے محبت نہ ہوتی۔

☆......☆......☆

آج کا دن بہت عجیب تھا۔ یا دن تھا بھی کہ بس یہی ایک گزرتا ایک لمحہ۔

اس لمحے زندگی بہت خوش تھی۔ مسلسل ہاتھ ہلا کر بندگی سے رخصت لے رہی تھی۔ عافی کی گاڑی دور جا رہی تھی اور وہ نظروں سے اوجھل ہو رہی تھی۔ زندگی جا رہی تھی، تیرہ سالوں کے بعد وہ جا رہی تھی۔ عافی اسے لے جا رہا تھا۔ اس کا جیسے سب کچھ جا رہا تھا۔ بس وجود باقی تھا اور سب کچھ تو زندگی تھی، گزشتہ تیرہ سالوں سے صرف وہی تھی۔ ہاں وہی تو تھی اس کا سب کچھ۔

اور اب کچھ نہیں...... عافی ہمیشہ سے اس کا سب کچھ لے جاتا رہا ہے۔

اس نے دو آنسوؤں کی موجودگی میں سوچا۔ اب بس وہ اسے خوش رکھے۔ اس نے ہمیشہ کی طرح دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور زندگی کی خوش حال زندگی کی دعائیں مانگیں۔ اور پھر بس مانگتی ہی رہی۔

"یا اللہ! اسے خوش رکھنا۔ عافی قابل اعتبار نہیں۔ اسے اس قابل بنانا کہ وہ زندگی کو خوش رکھ سکے۔ مجھے نہیں پتا کہ مکمل جہاں کیا ہوتا ہے لیکن جو بھی ہوتا ہے اسے تو زندگی کی جھولی میں ڈال دینا میرے اللہ۔ اسے مکمل کر دو میرے اللہ۔ اسے مکمل کر دو میرے اللہ۔"

☆......☆......☆

آج کا دن بہت عجیب تھا۔ یا دن تھا کہ بس گزرتا ایک لمحہ...... وقت کی گھاٹی پر کچھ لمحے آب حیات پی کر اترتے ہیں، جو گزر بھی جائیں تو گزرتے نہیں، رک جاتے ہیں، ٹھہر جاتے ہیں۔ جہاں بندگی کی دنیا اس لمحے میں ٹھہر گئی تھی وہاں زندگی کی دنیا اس لمحے میں رچ بس گئی تھی۔

یہ آؤ بھگت، یہ رونقیں، یہ سجاوٹ اور ایسا خوش آمدید......

گھر کے داخلی دروازے سے اس کے اندر آنے پر پھولوں کی برسات ہوئی تھی۔ عافی کا گھر، گھر تو نہ تھا۔ یہ تو سپنوں کا محل تھا۔ نوکر، چاکر، یہ سہولتیں، رونقیں، یہ ٹھاٹ باٹ۔

یہ تو اس کا خواب تھا۔ ہاں ہاں یہی وہ سب تھا جسے پانے کی اگن سے اس کے خوابوں کے پیچھے بھاگتی تھی۔ یہ وہی طاقت تھی اور وہی سرور......

"عافی! تم...... یہ سب...... اتنا کچھ...... یہ سب تمہارا ہے عافی؟"

"نہیں زندگی۔ یہ میرا نہیں۔" اس کے چہرے کے عضلات ابھی مایوسی سے سکڑے ہی تھے کہ عافی نے اس کی گود میں ایک فائل رکھی اور کہا۔

"یہ سب میرا نہیں زندگی، یہ سب تمہارا ہے۔ میں نے سب تمہارے نام کر دیا ہے۔ تم اب اس سب کی مالکن ہو۔"

"عافی......" اسے جیسے اپنی قسمت پر یقین نہ آتا تھا۔

"یہ سب کیا ہے عافی۔ محنت کا صلہ، صبر کا صلہ، وفا کا صلہ، یا محبت کا صلہ۔"

"اگر یہ صلہ ہے تو صرف اور صرف بندگی کی دعاؤں کا صلہ ہے۔ اس نے میری اور تمہاری کامیابیوں کے لیے اتنی دعائیں کی ہیں، تمہیں یاد ہیں نا؟"

"میں کیسے بھول سکتی ہوں۔ گھنٹوں بھوکی پیاسی رہ کر تمہارے لیے دعائیں مانگتی تھی اور میرے لیے بھی اور سب کے لیے۔" اس کی آنکھ میں پانی آنے لگا۔

عافی نے بات بدل دی۔ اس نے زندگی کی خوشیوں کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا تھا۔ وہ اسے اب دنیا جہاں کی خوشیاں دینا چاہتا تھا۔

☆......☆......☆

یہ دن بڑا عجیب تھا۔ سچ میں بڑا عجیب۔ اس دن اس لمحے میں کمل گھر سے باہر کھیل رہا تھا کہ بھاگتے ہوئے جوتوں سمیت کچن میں آیا۔

''کمال بدمعاش! دادی نے دیکھا تو کان کھینچے گی تمہارے۔ جوتے باہر اتارو۔''

''ممّا...... مم! پاپا آگئے ہیں۔ اتنا سارا سامان لائے ہیں۔''

وچن کے لیے تو جیسے وقت کا یہ لمحہ امر ہو گیا۔ اس کا دیپک اس کے سامنے تھا۔ وہی کلین شیو چہرہ، ٹھوڑی پر چک، ماتھے پر گرتے کالے گھنے بال، کاٹن کی شرٹ، لیدر کی جیکٹ۔

دیپک کا سن کر کملا بھاگتے ہوئے چلی آئی۔ آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ، لہجے میں کپکپاہٹ، آردش وان بیٹے نے ماں کو دیکھتے ہی اس کے پاؤں چھوئے۔ پھر گلے سے لگ گیا۔ پہلی بار وہ ماں سے اتنے دنوں کے لیے جدا ہوا تھا۔

وچن بھاگ کر اپنے پتی کے پسندیدہ پیتل کے گلاس میں پانی لے آئی۔

دیپک نے پانی نہ لیا چائے بنانے کا کہہ دیا۔ وچن دوڑ کر کچن میں آئی۔ چائے چڑھا دی۔ دیپک اس وقت چائے کے ساتھ پراٹھا کھاتا تھا۔ اس نے فوراً چولہے کے ایک طرف چائے، دوسری طرف پراٹھا بنانا شروع کر دیا۔ اس کے دل کا جو حال تھا وہ بس وہ ہی جانتی تھی۔ دیپک آ گیا تھا، اس کی روشنی آ گئی تھی جیسے اس کے سارے جہان سے اندھیرا بے گانہ ہو کر نکلا تھا۔ اب صرف روشنی تھی روشنی، اس کے دیپک کی روشنی۔

پڑوسی دیپک کے آنے کی خبر سن کر آنے لگے تھے۔ ہر کوئی کہہ رہا تھا۔ ''سیٹھ دیپک آ گیا ہے۔''

''ہاں...... وہ آگئے ہیں۔'' وچن کہتے نہ تھکتی تھی۔ ''وہ آگئے ہیں۔''

اس کے گالوں پر مہکتے گلوں کے رنگ بکھرتے جاتے تھے، دل کی دھڑکن بے پروا ہو کے پھرتی تھی۔

اس نے عافی کو میسج کیا۔ ''دیپک آ گیا ہے۔''

اس نے فری، دوری، سکی، شان، آنٹی سب کو میسج کیا دیپک آ گیا ہے۔ اسٹیٹس سیٹنگ کی، دیپک آ گیا ہے۔ باپو جی کو فون کر کے بھی کہا۔ اور پھر آخر میں اپنے بے تاب دل سے شرما کر کہا۔

”دیپک آ گیا ہے۔“

☆......☆......☆

نوٹی کو اب بندگی کا ساتھ دینے، اس کا خیال کرنے اور پاس رہنے کے پیسے ملتے تھے۔
بندگی نے اسے نہ کہہ دیا تھا لیکن زندگی اسی شرط پر تو جانے کو تیار ہوئی تھی۔ عافی نے نوٹی کو کام کاج چھڑوا کر بندگی کی حفاظت میں مصروف کر دیا تھا۔ عزت بی بی نے سارے برے کام چھوڑ دیئے۔ سچی خوشی کو سمجھ لیا تھا۔ ہم دراصل اس چیز کے اس چیز کے وصل کی خوشی سمجھتے ہیں اور ایسا بھی نہیں کہ خوشی کی لذت فقط فراق میں ہے۔ اصلی خوشی اپنے بہت کچھ سے کسی کو کچھ نہ کچھ دینے میں ہے۔ پریشان کو سکون، دردمند کو راحت، بھوکے کو کھانا، پیاسے کو پانی دینے میں ہے۔
کئی کئی بار ہم پڑھ چکے ہیں کہ حج کرتے جاتے لوگ جاتے جاتے رک گئے۔ وہ جا نہ سکے بلکہ جمع شدہ پونجی کسی مصیبت زدہ کو دے دی اور خدا راضی ہو گیا۔ مندروں میں چڑھاتے چڑھاوے لوگوں نے بھوکوں کو کھلا دیئے اور ثواب مل گیا۔ یعنی مذہب نبھانے سے زیادہ خدا نے ثواب اپنے بندوں کی خدمت میں رکھا ہے۔ اصل بندگی خدا کے بندوں کی، خدائی مخلوق کی خدمت کرنا ہے۔
ہم اسی کام کے لیے بھیجے گئے تھے اس جہان فانی میں۔
لیکن ہم نے پیسے کمانے کے چکر میں سب فراموش کر دیا اور جس کو یہ یاد ہے اس کو سب پھر یاد آ جاتا ہے سمجھ آ جاتا ہے۔
عزت اب بدل گئی تھی...... کہ خود کے بدلاؤ کی کوئی شرط نہیں ہوتی، بس وقت مقرر ہوتا ہے۔
آج اس نے کچرا اٹھانے والی لڑکی پر اپنے برش پھیرے تھے اور وہ تو جیسے خوشی سے پاگل ہو گئی تھی۔
کبھی کبھی وہ دل کو بلا کر بھی میک اپ کروا لیتی۔ وہ بھی غریبوں کا میک اپ کرتی۔ عافی نے جاتے جاتے عزت کو بندگی کا محافظ بنا دیا تھا۔ وہ پہلے دل کو اپنی بیٹی سمجھتی تھی اور اب وہ دل کو اپنی بیٹی بنا بیٹھی تھی۔
عزت سارا دن عافی کو دعائیں دیتی۔ بار بار عافی کا ذکر کرتی۔ اس نے کئی بار بندگی کو گھر

بسانے کا مشورہ بھی دیا تھا لیکن اس نے ہر بار مسترد کر دیا تھا۔

''کتنا مزہ آ رہا ہے آپا۔ آپ نے غریبوں کو خوشیاں دینے کے کام میں لگایا ہوا ہے۔ اب کاں پھر سے جھوٹی خوشیوں کے تختے گلے سے لگا سکتے ہیں۔''

''اللہ تمہارے دل کو بدلے۔ آمین۔''

''اللہ کبھی نہ میرا دل بدلے۔ آمین۔''

''خود کو بد دعا تو نہ دو۔''

''نہیں بد دعا نہیں۔ اپنے لیے بس یہی ایک ہی تو دعا ہے۔''

''تمہیں عافی کی محبت کیسے نظر نہیں آتی۔ وہ محبت کرتا ہے تم سے۔ تم کیسے نظر انداز کر سکتی ہو اسے اور اس کی محبت کو۔''

''جیسے وہ کرتا تھا مجھے نظر انداز اور میری محبت کو۔''

''تم بدلہ لے رہی ہو عافی سے؟''

''لے لیتی بدلہ۔ لیکن کیسے لوں۔ وہ زندگی کی زندگی جو بن بیٹھا ہے۔ میں تو پلٹ کر وار بھی نہ کر سکی۔ بدلہ بہت بڑی بات ہے آپا۔ میں تو آہ بھی نہ کر نکال سکی کہ کہیں اسے لگ نہ جائے اور زندگی کی زندگی میں میری وجہ سے کچھ برا نہ ہوا۔''

''آہ تمہاری ہی اسے لگی ہے۔''

''آپ کیسے یہ کہہ سکتی ہیں۔''

''آنکھیں دیکھتی ہیں اس کی آنکھیں دیکھ لو کبھی اس کی۔ تو پتا چلے گا کیسی آہ لگی ہے تمہاری اسے۔''

''میں کیوں دیکھو اس کی آنکھیں؟''

''دیکھو گی...... کیسے نہیں دیکھو گی۔ ایک نہ ایک دن تو دیکھو گی بندگی۔ بس کہیں ایسا نہ ہو کہ دیر ہو جائے۔ یہ جہان فانی ہے کسی شے کا کچھ پتا نہیں۔ ایک بار دیکھ لو ان آنکھوں میں۔''

''آپ مجھے گناہ کرنے کو کہہ رہی ہیں۔ وہ بہنوئی ہیں میرے۔''

بس ایک یہی تو اس کا سوال تھا جس کا جواب عزت کے پاس نہ ہوتا۔ وہ چپ ہو جاتی۔ اپنے دوپٹے سے اپنا سر دباتی۔ انسان کی زبان جب عقل کے ہاتھوں آواز کھو دیتی ہے تو دل کے اندر ہی اندر کچھ بولا جاتا ہے۔ ان بولوں کا مفہوم ہم خود نہیں سمجھتے کیونکہ ہم دنیا کے قانون دان ہوئے پھرتے ہیں لیکن وہ قدرت ہے۔ اس پر کیسی بندش۔ وہ ہر بول سمجھتا ہے، دل کی ہر ایک ٹیس، ہر ایک سسک سے واقف ہے، ہم سب سے شناسا، ہم سب کے دلوں کی رونق، وہ خالق کائنات ہے۔

عزت بی بی نے بندگی کو گناہ کرنے کے لیے بہن کا حق مارنے کے لیے نہ کہا۔ لیکن اس کا اللہ جانتا تھا وہ دل سے چاہتی تھی کہ کاش ایسا ہو جائے۔"

☆......☆......☆

سکی، شانی، دوری اور فری سب مل کر اسے چھیڑ رہے تھے۔ دیپک آ گیا ہے۔

"آج تو دیکھو، کیسی ساڑھی پہنی ہے۔"

"ہمیشہ تو پہنتی ہوں سکی۔"

"نہیں کبھی نہیں۔ کیا تم نے دیکھی ہے یہ ساڑھی پہلے دوری۔"

"نہیں سکی۔ میں نے نہیں دیکھی۔"

"فری! تم نے دیکھی ہے؟"

"میں نے تو بہت کچھ نہیں دیکھا۔ دیکھو اس نے منگل سوتر بھی نیا پہنا ہے۔"

"نیا نہیں پرانا ہے۔ دیپک نے یہی تین تولے کا گولڈ کا منگل سوتر پہلی بار میرے گلے میں ڈال کر مجھے اپنی پتنی بنایا تھا۔"

"اووووو۔" ان سب نے شور سا مچا لیا۔

"اور یہ چوڑیاں بھی اسی کی پسند کی ہوں گی۔" سکی نے معنی خیز انداز میں شرارتاً پوچھا تھا۔

"ہاں بھئی ہاں۔ سب کچھ دیپک کی پسند کا ہے۔ یہ رنگ، یہ جھمکے، یہ ہیئر اسٹائل اور میں۔"

"اوووووو......" ان سب نے پھر سے شور مچایا تھا۔

''تمہاری لو میرج ہوئی تھی؟'' سکی نے سوال پوچھا تھا۔
''نہیں......انہوں نے مجھے پسند کیا تھا۔ پھر رشتہ بھجوایا پھر باپو جی نے ہاں کہہ دی۔''
''اور پھر؟''
''پھر شادی ہوتے ہوتے مجھے ان سے محبت ہوگئی، منگنی فیملی نے کروائی تھی لیکن شادی ہوتے ہوتے مجھے محبت ہوگئی تھی ان سے۔''
''اووووووو......اب کیا دیکھا تھا دیپک میں تم نے؟'' سکی نے پھر سے سوال کیا تو سب نے بھنویں چڑھائیں۔ گویا سب ایک سوال شرارت سمو کر پوچھ رہے تھے۔
''باپو جی کو شادی سے پہلے لڑکے لڑکیوں کو ملنا پسند نہ تھا۔ میں نے تو اس کی فوٹو تک نہ دیکھی تھی۔''
''پھر محبت کیسے ہوئی؟''
''مجھے ان کی شخصیت سے محبت ہوگئی تھی۔ جو آتا ان کی رحم دلی، ان کی مہربانی، ان کی سخاوت، ان کی محنت کی کہانی سناتا اور پھر باپو جی سے جہیز نہ لے کر تو انہوں نے میرا دل موہ لیا۔''
''اووووو......اچھا جب پہلی بار دیپک کو دیکھا تو کیسا لگا تھا؟''
''جب پھیرے ہو رہے تھے تو میرا اتنا بڑا گھونگھٹ نکالا گیا تھا۔ لیکن پھر بھی میں نے ذرا سا گھونگھٹ اٹھا کر ان کا سائیڈ پوز دیکھا تھا۔ ان کی چن پر ڈمپل پڑتا ہے۔ بہت خوب صورت ڈمپل۔'' اس نے شرما کر کہا تھا۔
''ہوہوہو......واہ یار......اچھا بتاؤ پہلی بار کب دیکھا؟''
''جب انہوں نے گھونگھٹ اٹھا کے میری مانگ بھری۔ بس تب سے اب تک سیٹھ دیپک میرے دل کو اپنی مٹھی میں لیے پھرتے ہیں۔''
ان سب کا دل وچن کی محبت میں گدگدا سا رہا تھا۔ وچن بھی اپنے اور دیپک کی لو اسٹوری کے قصوں میں گم تھی۔ اسے اتنا بھی پتہ نہ چلا کہ فری اس کے ایک کندھے پر کہنی رکھے اس کی داستان محبت

سن رہی تھی اور دوری دوسرے پر۔

جب احساس ہوا تو اس نے شرارتاً کہا۔

”موٹیو! کندھے توڑو گی کیا میرے؟“

”آج توڑ بھی دیئے تو معاف کر دوں گی کیونکہ آج سیٹھ دیپک جو آیا ہے۔“

ان سب نے شرارتاً اسے چھیڑنے کے لیے کہا تھا۔

☆......☆......☆

یہ اس امر ہوتے لمحے والے دن کی رات تھی۔ ہماری یادوں میں امر ہونے والے لمحے بھی عجیب ہوتے ہیں، اگر ان لمحوں میں جذبوں کی گہرائی وسچائی ہے تو ان کا امر ہونا سفل ہو جاتا ہے لیکن اگر ان لمحوں میں تلخ رویوں کے گلے ہوں تو ان کا امر ہونا بھی کیا ہونا۔

لمحے فقط اچھی یادوں کے موتی پروئے نہیں ہوتے ان کے مقدر میں بھی غلیظ موتی آجاتے ہیں۔

وہ اس کا اپنے کمرے میں انتظار کر رہی تھی۔ اسے اپنی شادی والی رات یاد آ رہی ہے اماں اور کمل نہ ہوتے تو وہ پھر سے عزت بی بی کے پاس جاتی اور کہتی، مجھے پھر سے دلہن بناؤ لیکن ماں جی اور کمل سے ذرا شرم آتی تھی۔

دیر ہوگئی تھی۔ وہ انتظار کرتی رہی تھی۔ دیپک جب سے آیا تھا وہ اس سے بات نہ کر سکی تھی۔ اس کی آنے کی خبر سن کر محلے والے اور رشتے دار اس سے ملنے آنے لگے تھے۔ پھر شام کو وہ دکان داری سنبھالنے چلا گیا اور وہ شان کے گھر چلی گئی تھی۔

کمل سو گیا تھا۔ دیپک ماں کی گود میں سر رکھ کر سونے کی ایکٹنگ کر رہا تھا کہ کہیں ماں اندر جانے کا نہ کہہ دے اور رات کٹ جائے۔ لیکن وہ کملا تھی۔ اس نے اپنے بچے کو کانٹوں پہ چلنا سکھا کر پھولوں کی مانند پالا تھا۔ وہ کہاں اس کی عارضی نیند کی پروا کرتی۔ اس نے اپنے بیٹے کے سر پہ پیار سے ہاتھ پھیرا اور کہا۔

”بیٹا! اندر جا کر اپنے کمرے میں سو جاؤ۔ وچن تمہاری راہ دیکھتی ہوگی۔“

"ماں جی۔ مجھے آج یہاں سونا ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔لیکن پہلے تو جا تو بات وات تو کر اپنی پتنی سے۔ کتنا یاد کرتی رہی ہے وہ تمہیں۔"

"مجھے کیوں یاد کرے گی وہ؟"

"پتنی ہے تمہاری۔تم ہی کو یاد کرے گی نا۔"

"اچھا۔اچھا ماں جاتا ہوں۔"

"ویسے کیا لایا ہے تو اپنی گھر والی کے لیے۔"

"ماں! وہ بچی تو نہیں کہ میں اس کے لیے کچھ لے کر آتا۔"

"بچی تو میں بھی نہیں پھر میرے لیے کیوں لایا ہے۔ یہ سب اتنی ساری چیزیں ہاں۔"

"آپ ماں ہیں ماں جی۔"

"اور وہ تیرے بیٹے کی ماں ہے۔"

"جانتا ہوں ماں جی۔اچھا جانا۔"

"سونے نہیں دیں گی ماں جی۔ جاتا ہوں۔"

"ہاں ہاں جا۔اپنے کمرے میں جا۔"

کملا نے آنکھوں پر بازو رکھ کر سونا چاہا تھا۔ دیپک بے دلی سے اپنے کمرے میں آیا تھا۔ وچن اسی کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے آتے ہی کمرے کی بتی بجھادی اور وچن کی سمت دیکھے بنا ہی کہا۔

"میں تھکا ہوا ہوں اور سونا چاہتا ہوں۔"

وچن چپ رہی۔ دیپک نے اس کی طرف ایک بار دیکھا تک نہیں۔ وہ سو گیا تھا۔ وچن کو اب بھی سونا چاہیے تھا۔اس نے موبائل اٹھایا حسبِ عادت واٹس ایپ پر گڈ نائٹ لکھا اور اسٹیٹس سینڈ کر دیا۔اور خود چینج کرنے چلی گئی۔

اسے سب جواباً گڈ نائٹ وش کر رہے تھے۔فری، دوری، شان اور عافی بھی۔

عافی نے اسے شب بخیر کیا تھا۔

جس کے ریپلائے میں دیپک نے عافی کو لکھا تھا۔

”دور رہو وچن سے تم۔“

”دیپک؟“

”ہاں دیپک۔“

وہ غصے میں تھا۔ بے حد غصے میں۔

عافی نے پھر کوئی اور میسج نہ کیا تھا لیکن اس کا دل وچن کے لیے خوف کھانے لگا تھا۔ یہ دیپک کو اچانک سے کیا ہوا تھا۔ وہ آج ہی تو آیا تھا۔ لیکن کیا گیا بھی اسی لیے تھا۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر اب وہ میسج لکھ سکتا تھا تو تب بھی لکھتا۔ اور وچن اور عافی تو بس دوست تھے۔ یہ بات کملا بھی تو جانتی تھی۔

عافی وچن کے لیے پریشان اپنی نیندیں کھو بیٹھا تھا اور وہ مزے سے بے فکری کی نیند سو رہی تھی۔

☆......☆......☆

صبح ہوتے ہی روزمرہ کے کام منہ کھولے کھڑے تھے۔ جو اس نے جلدی جلدی نپٹائے۔

کملا دیپک سے ایجنسی کی ترقی اور فائدہ کی باتیں کر رہی تھی۔ وچن کی سمجھ کو سراہ رہی تھی۔ وہ سب سن رہا تھا اور آرام سے ناشتہ کر رہا تھا۔ کمل اسکول جا چکا تھا۔ کملا کا ناشتہ بھی تیار تھا۔ وچن اپنا اور ماں جی کا ناشتہ آنگن میں لائی تھی جہاں وہ ماں بیٹے سردیوں کی دھوپ کا مزہ لے رہے تھے۔ کملا باتوں باتوں میں عافی کا ذکر لے آئی۔ اس نے بتایا کہ عافی نے کیسے ایجنسی کی مقبولیت میں ان کی مدد کی۔

”ہاں تو ایسا ہی ہوگا۔ اب دو عورتوں کے گھر کے بنائے سنیکس یوں ہی تو مشہور نہیں ہو سکتے۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“

”مطلب یہ کہ اس عافی کو کیا فائدہ ہے۔ کوئی تو فائدہ اسے بھی ہوگا نا؟“

”نہیں بیٹا۔ وہ تو دوستی میں ایسا کر رہا ہے۔ اسے کیا فائدہ ہوگا۔“

”بنا فائدہ کوئی کیوں کسی اور کے کاموں میں ہاتھ ڈالنے لگا اور دوستی......کیسی دوستی اماں؟ اس

کا دین کچھ ہمارا دھرم کچھ۔ کہاں کی دوستی؟"

"دیپک! یہ کیا بات ہوئی؟"

"یہی بات ہے اماں۔ آپ کیوں بھولی بن رہی ہیں۔ مجھے افسوس ہے تم اس وچن کی باتوں میں آ گئی ہو۔" دیپک نے اس لہجے میں اس پر نظریں جما کر کہا کہ وچن کے تو جیسے اوسان ہی خطا ہو گئے تھے۔

"دیپک! کیا کہہ رہے ہو؟"

"آپ کیوں نہیں سمجھ رہیں، میں کیا کہہ رہا ہوں۔" اس نے سخت سے بھی سخت لہجہ اختیار کیا تھا۔

"تم ایسے کیسے بات کر سکتے ہو دیپک؟"

"معاف کرنا ماں جی۔ میں سچ میں آپ سے گستاخی کر بیٹھا۔ لیکن غلط کچھ نہیں کہا۔ آپ کے لیے بہتر ہے آپ سمجھ جائیں کہ آپ کی پڑھی لکھی ڈگریوں والی بہو کیا گل کھلا رہی ہے۔"

"دیپک۔" وچن نے تاسفاً اسے پکارا تھا اور پوچھ بیٹھی تھی۔ "تم مجھ پہ شک کر رہے ہو؟"

"کاش میں تم پہ شک کرتا وچن، لیکن مجھے یقین ہے۔"

"دیپک! بس کرو۔" ماں نے اسے ڈپٹا تھا۔

"نہیں ماں جی۔ آپ کہہ دینے دیں انہیں۔ میں سننا چاہتی ہوں۔"

"کیا سنو گی تم وچن۔ مجھے تو شرم آتی ہے کہتے ہوئے اور حیران ہو تم پہ کہ تم ڈوب کیوں نہیں مرتی۔"

"تو اس لیے تم بھارت گئے تھے۔"

"ہاں کیوں کہ میں یہ بے شرمی نہیں دیکھ سکتا۔ میری پتنی اس غیر مذہب شخص کے ساتھ......"

بہت ہو گیا تھا۔ وچن سے اب ایک اور لفظ نہیں سنا جا رہا تھا۔ اس کی برداشت جواب دے گئی تھی۔ اس نے آس پاس کا سب اٹھا کر پھینکا تھا۔

"مت کرو ڈرامہ وچن...... بس کرو۔"

"میں ڈرامہ کرتی ہوں دیپک...... ارے شرم تمہیں آنی چاہیے۔ اور کیا تم مذہب کا چرچہ کرتے ہو۔ جانتے بھی ہو مذہب کیا ہے؟"

وہ رخ موڑ کے کھڑا ہو گیا تھا۔

وچن نے اسے شانے سے پکڑ کر اپنی جانب کیا اور کہا۔

''تم کچھ نہیں جانتے دیپک۔افسوس تم کچھ نہیں جانتے۔''

''اب تم یہ نہیں کہہ سکتی۔موبائل دیکھو اپنا۔دیکھو کیا میسج لکھا ہے میں نے اس عافی کو......اور ایک منٹ رکو میں دکھاتا ہوں تمہیں۔''

وچن نے موبائل آن کیا۔دیپک کے میسج دیکھے۔

''تم نے لکھا ہے یہ؟''

''ہاں میں لکھ سکتا ہوں۔یہ دیکھو ہندی، اردو، انگریزی سب لکھ سکتا ہوں۔پڑھ سکتا ہوں اور سمجھ بھی سکتا ہوں۔''

اس کے پاس دہلی سے حاصل کردہ ایک ڈپلومہ تھا جس کے مطابق وہ ایک پڑھا لکھا نوجوان تھا۔

''کیا نہیں ہے میرے پاس وچن؟ عزت، دولت، شہرت سب کچھ تو تھا۔تم کیوں جاتی تھی اس عافی کے پاس۔کیوں دھوکا دیتی رہی مجھے۔کیوں بے وفائی کی؟ اب دیکھو میں بھی پڑھا لکھا بن کر آیا ہوں۔''

''پڑھے لکھے تو تم بن گئے دیپک! سیکھ لیا سب لکھنا، سب پڑھنا لیکن اپنی بصارت کھوآئے ہو۔تعلیم دماغ کھولتی ہے اور تمہارا تو دماغ ہی چاٹ گئی۔'' وہ بھی غصے میں آ گئی تھی۔اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

''ہاں تم تو ایسا کہو گی ہی۔عافی کی محبوبہ جو ہو۔''

''بس دیپک......بس......اب سب ختم۔''

''ختم تو ختم وچن۔میں بے وفائی برداشت نہیں کر سکتا۔''

''میں بھی بد دماغی برداشت نہیں کر سکتی۔''

''میں ابھی زندہ ہوں۔کیا باتیں کر رہے ہو تم دونوں۔شرم کرو۔پتی پتنی ہو تم دونوں۔'' کملا ان کی بحث میں شامل ہوئی تھی۔

''ماں جی! سنا یہ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''سن رہی ہوں۔ تم جاؤ اندر اپنے کمرے میں بہو۔''

''کیوں جاؤں ماں جی؟ اب کیا بچا ہے؟ آپ کا بیٹا میری مانگ میں اپنے نام کا سندور نہیں دیکھتا۔ یہ منگل سوتر نہیں دیکھتا۔ آپ بھی تو کبھی سہاگن تھی۔ ماں جی بتاؤ انہیں کہ یہ کالی موتی گرمیوں کیسے چبھتی ہیں۔ گرمیوں میں کیسے گلے میں کھپتی ہیں، کتنا تنگ کرتی ہیں۔ سردیوں میں کپڑوں میں پھنستی ہیں۔ آسان ہے یہ سوتر پہننا۔ اور یہ کہتے ہیں کہ میں بے وفا ہوں۔ میں بے وفا ہوں۔ تو ہوں بے وفا۔'' وچن نے اپنے گلے سے منگل سوتر نوچ کر پھینکا تھا۔ کالے موتی بکھر گئے تھے۔ دیپک کے قدموں سے لپٹ گئے تھے۔ وچن اپنے کمرے میں آئی تھی۔ اس نے پیکنگ کرنی شروع کی تھی۔

کملا اسے ٹھنڈے دماغ سے کام لینے کی منتیں کر رہی تھی۔

''ماں جی! آپ کہتی ہیں میں آپ کی بیٹی ہوں...... تو ماں بن جائیں میری...... کیا آپ کو بھی میرے کردار کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت ہے۔''

اس نے کچھ کپڑے اور ضرورت کا سامان بیگ میں رکھا اور گاڑی کی چابی لیے صحن میں آئی۔ اس نے بیگ داخلی دروازے کے پاس رکھا اور ایک بار مڑ کر دیپک کے پاس آئی۔

''تم سن لو، تمہارے لیے ضروری ہے کہ مذہب کیا ہوتا ہے۔ مذہب نہ فقط مکمل ضابطہ حیات ہے بلکہ اچھائی اور برائی کی وہ پرکھ ہے جو دل میں ہوتی ہے۔ مذہب کوئی نام نہیں نہ کسی نام کا محتاج ہے۔ یہ تو انسان کا اپنا ضمیر ہے۔ جس کا ضمیر زندہ وہ مذہبی، جس کا مردہ وہ بے مذہب۔ اور عبادت پتا ہے کیا ہے؟ عبادت فقط نماز، پوجا، گرجا جانا، ہاتھ جوڑنا، ماتھا ٹیکنا ہی نہیں ہے۔ ہنسنا، خوش رہنا بھی ایک عبادت ہے، شکر کرنا، آگے بڑھنا، حلال کمانا بھی ایک عبادت ہے، توبہ کرنا، معافی مانگنا، اپنی غلطی پر پچھتانا بھی ایک عبادت ہے، مدد کرنا، درگزر کرنا، دل نہ دکھانا بھی ایک عبادت ہے۔ دعا کرنا عبادت ہے، رب سے مانگنا عبادت ہے، رحم دلی عبادت ہے، سخاوت عبادت ہے، ترس کھانا عبادت ہے اور تو اور زندہ رہنا بھی ایک عبادت ہے...... اور ہم صرف تصویروں کو عبادات کہتے ہیں۔

مذہب سب کہتے ہیں کہ خالق کائنات ہیں۔ مانو جیسے سب مذہب آسمان پر چمکتے چاند کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اور ہم سب اندھے ہیں جو صرف اشاروں کو ہی دیکھتے ہیں۔ چاند ہمیں نظر نہیں آتا...... سمجھ نہیں آتا...... آئندہ کسی کو اس طرح مذہب کی پرکھ سے مت پرکھنا دیپک۔ کیا پتا عبادت کرتے وقت ہم خالق کائنات کو یاد کرتے ہیں یا وہ ہمیں...... کیونکہ ہم بھول جاتے ہیں رب کو وہ نہیں بھولتا۔"

وچن نے دیپک کی دی ہوئی سونے کی چوڑیاں اور زیورات اتار کر رکھ دیئے...... اور سسکتے ہوئے کہا۔

"خالی ہاتھ لائے تھے باپو جی سے ایک جوڑے میں۔ ایک جوڑے میں ہی جاؤں گی۔ لیکن باپو جی نے میرا دل ارمانوں سے بھر کر تمہارے پاس بھیجا تھا۔ تم خالی دل کے ساتھ بھیج رہے ہو۔"

دیپک نے بیگ کو ٹھوکر مار کر وہیں چھوڑ دیا تھا۔

کملا کی آنکھ میں پانی تھا۔ وچن کے جانے کے بعد جیسے وہ ہوش کھو کر گرنے لگی۔

"ماں جی!" دیپک نے اسے تھاما تھا۔

لیکن ماں جی نے اسے پاس آنے نہ دیا۔

"تیری پتنی نے اپنی ڈگریاں ترک کرلیں لیکن تعلیم اس کے دل سے نہیں نکلی۔ تو نے ڈگریاں حاصل کرلیں دیپک، پر تعلیم یافتہ اب بھی نہ بن سکے۔"

"ماں جی......"

"تو ان پڑھا تھا تو اچھا تھا دیپک۔ پڑھ لکھ کے آیا ہے تو پاپی بن گیا ہے۔ بہت بڑا پاپ کر دیا تم نے۔ بہت بڑا......"

☆......☆......☆

"عافی بھائی!"

دوری نے شان کے گھر کا دروازہ کھولا تھا۔

"ارے آؤ...... آؤ عافی بھی۔ بہت اچھے وقت پر آئے ہو۔ سب بہت خوش ہیں۔"

''کیوں خوش ہیں سب دوری۔'' عافی نے ان دونوں کے اسٹائل میں سوال کیا تھا۔

''کیونکہ سکینہ نے میٹرک کے پیپر میں دوئم پوزیشن لی ہے۔''

''اچھا دوری! عافی سے نہیں ہو پایا...... کیسے کر لیتی ہو؟''

''ہاں۔'' دوری کہہ کر...... ہاہاہا۔''

''اچھا سب کا نام بدلتی ہو تم دونوں۔ میرا کیوں نہیں بدلا۔ کیا میں آپ کی دوستی کے قابل نہیں۔ عمر میں بڑا ہوں کیا؟''

''نہیں عافی بھائی! آپ ممی آنٹی سے تو چھوٹے ہیں۔''

''مہربانی تمہاری مجھے ممی آنٹی سے ذرا کم بوڑھا سمجھتی ہو۔''

''ہاہاہا۔ ایسی بات نہیں عافی بھائی، ہم تو دوستوں کے نام کے آخر میں ''ی' لگاتے ہیں اور آپ کے نام کے آخر میں ''ی'' ہی ہے۔''

''ہاں دوری! میرے نام کے آخر میں تو ''ی'' ہی ہے۔'' عافی نے اس بار بالکل فری کی طرح جواب دیا تھا۔ وہ دونوں ایسے ہی سوال جواب کرتی تھیں۔

''ارے عافی بیٹا! آؤ نا...... دیکھو سکی نے پوزیشن لی ہے۔''

عافی نے سکی کے سر پر ہاتھ رکھا اور پاس بیٹھ کر پوچھا۔

''کیسا لگ رہا ہے محنت سے اتنی اعلیٰ پوزیشن لے کر۔''

''عافی بھائی! ایسا سکون سا پھیلا ہے میرے اندر، ایسی خوش ہوں میں کہ آپ کو کیا بتاؤں۔ سچ کہوں تو اس وقت اتنی خوشی نہیں ہوئی تھی جب وچن نے پیپر دے کر مجھے پوزیشن دلوائی تھی۔ جب سب مجھے مبارک دیتے تھے، ذہین کہتے تھے، دل پر بوجھ آن پڑتا تھا، شرمندگی، ندامت سے سر جھک جاتا تھا جب مام اینڈ ڈیڈ میرا نام فخر سے لیتے تھے۔ لیکن آج صبح آپ کو پتا ہے ڈیڈ نیوز پیپر لائے تھے۔ ان کی آنکھوں میں پانی تھا۔ انہوں نے صبح مجھے جو دعائیں دیں مجھے لگا جیسے میری دنیا اور آخرت سنور گئے ہیں۔ ماں باپ کو خوش کر کے ان کی دعائیں حاصل کرنا، انہیں خوش کرنا کتنی بڑی نیکی ہے۔''

"میں جان گئی ہوں، اپنی محنت سے پیپر دینا بھی ایک نیکی ہے۔ ہم سسٹم کیوں کریں اپنی محنت کریں اور نیکی کمائیں۔"

"بہت اچھی بات کہی ہے تم نے سکی۔ بہت پیاری بات۔"

"یہ باتیں، محنت اور نیکی کی تعلیم سب کچھ مجھے میرے استاد نے سکھائی ہے۔" اس نے شان کی طرف پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔

عافی مسکرادیا۔ وچن نے ذکر کیا تھا ان دودلوں کی بے تابی کا۔

"ویسے وچن کہاں ہے؟"

"ہاں عافی بھائی! وچن کہاں ہیں؟ یہ سب ان کی وجہ سے تو ہوا ہے۔"

"دیپک بھائی آئے ہیں اب وچن کہاں آئے گی؟"

"ہاں فری، وہ کہاں آئے گی کل اتنی خوش تھی وہ۔"

"ہاں دوری۔ کل تو اس کی خوشی کا جیسے کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔"

"سچ۔ کل آئی تھی وچن یہاں؟" عافی کے سوال میں فکر تھی۔

"ہاں آئی تھی۔ بہت خوش تھی۔"

"نمبر بند ہے۔ نہیں فون اٹھائے گی وہ۔ دیپک بھائی آئے ہیں۔"

"تو فون بند کیوں ہے؟ ذرا آنٹی کو فون ملاؤ۔" عافی نے دوری اور فری سے کہا۔

"سکی! آنٹی کو فون ملاؤ۔" فری اور دوری نے سکی سے کہا تھا۔

"تم دونوں کے پاس آج پھر بیلنس نہیں ہے؟"

"وہ تو کبھی نہیں ہوتا۔ کیوں دوری؟"

"ہاں فری۔ ہمیں کھانے سے فرصل ملے گی تو ہی ہم ری چارج کروائیں گے نا۔" دونوں نے بڑے مزے سے کہا اور ہاتھ پہ ہاتھ مار کر ہنسنے لگی۔

عافی، سکی، شانی بھی ان کے انداز پر ہنس دیے۔ کملاب ھی فون نہیں اٹھا رہی تھی۔

عافی کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ کیا کرے...... دیپک کے وہ میسج ......اور پھر وچن اور کملا کا فون نہ اٹھانا۔
آنٹی نے کھیر بنائی تھی سکینہ کی کامیابی کی خوشی میں۔
عافی نے بھی کچھ پیسے اسے بطور انعام دیئے۔ اور دوری اور فری سے کہا۔
''آج سے تم دونوں خوب کھاؤ پیو۔ تم دونوں کے فون کا پیٹ میں بھر دوں گا۔''
''نہیں عافی بھائی، ہم کیا کریں گی۔ کیوں دوری؟''
''ہاں فری! ہمیں تو کسی سے بات کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بس واٹس ایپ پیکیج کرواتے ہیں۔''
''ارے میری کمپنی میں ریچارج فری ہے۔ میں بہت بڑے پیکیج لیتا ہوں۔'' عافی نے رازدارانہ انداز میں کہا تھا۔
''سچ عافی بھائی۔''
''ہاں دوری......'' عافی اب سیکھ رہا تھا۔
''ارے واہ! اب مہینے میں دو بار پیزا کھائیں گے۔ کیوں دوری؟''
''ہاں فری۔'' دونوں خوش تھیں اور خوشی خوشی کھیر پروسنے لگیں۔
''اب ساری کھیر چٹ نہ کرنا موٹیو۔'' سکی جلدی جلدی آئی اور سب کا حصہ نکالا۔
''یار! دو دو چمچ تو کم کروا اپنے اپنے حصے سے اتنے سے ہمارا کیا ہوگا۔''
''تمہارا تو کبھی کچھ نہیں ہونا۔''
''پوزیشن لی ہے، نخرے کر رہی ہے۔''
''ہاں دوری! ہم بھی پوزیشن لیں گے تو اس سے بھی زیادہ نخرے کریں گے۔''
''پکا دوری؟''
''ہاں فری۔''
''ہاہاہا۔'' عافی کا ان کی باتیں سن کر ہنس ہنس کے برا حال تھا۔ پرفیکٹ میچ تھیں دونوں جیسے ایک دوسرے کے لیے ہی بنی تھیں اور سب سے جو اچھی بات تھی دونوں خوش رہتی تھیں۔ پوزیٹو سوچتی تھیں۔

کہاں سے مل گئی وچن ان سے اور کہاں سے پھر یہ سب وچن کو مل گئے۔ سچ میں ایک وہ ہی تھی جس سے دنیا اس انداز میں مل سکتی تھی۔ لیکن کوئی اس سے پوچھتا اس کی کیا رائے؟

☆......☆......☆

دوپہر کا وقت تھا۔ پنڈی میں جتنی ٹھنڈی دھوپ تھی۔ یہاں سندھ سائیڈ میں اتنی ہی تیز دھوپ۔ اکتوبر کے آخری دن تھے لیکن گرمیوں کو ابھی سردی کا دھڑکا نہ لگا تھا۔ وہ سونی کلائیاں، سونا گلا اور بے حال سا حال لیے گھر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ دوپہر کے وقت لوگ گھروں میں آرام کرتے ہیں اس لیے زیادہ آبادی سے اس کا سامنا نہ ہوا، وہ سنسان راستے سے گھر کی طرف بڑھ رہی تھی۔

کبھی اس کی بڑی بہنیں بھی یوں گھر چھوڑ کے آیا کرتی تھیں۔ باپو جی کی کیا حالت ہوتی تھی انہیں دیکھ کر۔ باپو جی کا سوچ کر قدم سوکھنے لگے تھے۔ اتنے بھاری بھاری ہو کر اٹھ رہے تھے کہ ہر قدم دل کا بوجھ بڑھا رہا تھا۔ کیا بتائے گی کیسے بتائے گی؟ لوٹ جانا اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا مشکل اس کا اعتراف کرنا ہوتا ہے اور اس سے بھی مشکل ہوتا ہے جب لوٹ جانے کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے۔ لوگ پوچھنے آتے ہیں کوئی ہمدردی جتاتا ہے، کوئی ملامت کرتا ہے تو کوئی اپنا اپنا مشورہ دے جاتا ہے...... لیکن وہ کرتی کیا؟ میکے کے سوا کوئی ڈھال بھی تو نہیں ہوتی عورت کے لیے؟ بھلا آخر اس کے قدم اس در پر آ کھڑے ہوئے جس کے دروازے اس کے لیے کبھی بند نہ ہو سکتے تھے۔

باپو جی کا گھر...... اس نے نم آنکھوں سے دروازے پر دستک دی۔

ماں کھانستے کھانستے آ رہی تھی۔ کچھ دیر لگائی آنے میں اور پھر دروازہ کھولا اور اسے دیکھ کر حیران ہو گئی۔

''وچن...... تم...... دیپک بابو کہاں ہیں...... اور کمل بیٹا؟''

''صرف میں ہوں ماں...... میں ہی ہوں۔''

''اندر آ......'' اس کی ماں اسے اپنے کمرے میں لے آئی۔ اس کے چہرے کی جھریوں میں پریشانی سمو آئی۔ وہ بار بار ساڑھی کے پلو سے پسینہ پونچھتی تھی۔ اس نے وچن کو بٹھایا اور کچھ کھانے پینے کے لیے لے آئی۔

اس کی بہویں اور بڑے اپنے کمرے میں سوئے تھے۔ ماں نے اپنی الماری سے کچھ چوڑیاں نکالیں اور اسے پہنا دیں۔ پھر ایک منگل سوتر نکالا اور اسے پہنانے لگی۔لیکن وچن نے ہاتھ کے اشارے سے روک لیا اور آگے بڑھ آئی۔

''پگلا گئی ہے کیا۔سونا گلا رکھے گی۔دنیا کیا کہے گی؟''

''سونا دل ہو گیا ہے ماں جی، دنیا کیا کہے گی۔'' وہ تاسف سے کہہ کر ماں کے بیڈ پر بیٹھی۔

''جھگڑا ہوا ہے دیپک سے؟ پتی پتنی میں جھگڑا ہوتا ہے۔'' ماں بھی اس کے روبرو بیٹھ گئی۔

''ہاں ماں، پتی پتنی میں جھگڑا ہوتا ہے...... اور کاش کہ وہ جھگڑتا لڑتا لیکن وہ تو شک کرتا ہے۔ نہیں شک بھی نہیں، شک والا یقین ہے اسے کہ میں اس سے بے وفائی کر رہی ہوں۔''

ماں نے سن کر پہنے اپنے منہ پر ہاتھ رکھا اور پھر وچن کو چپ کروا دیا، تاکید کی کہ یہ بات کسی کو پتہ نہ چلے۔

''کیوں ماں؟ کب تک سچائی کو چھپائیں گے آپ؟''

''بیٹا! یہاں تو پتی کے مار پیٹ کرنے پر بھی پتی کو برا نہیں کہا جاتا تو شک کرنے پر کیا کہا جائے گا۔اور تو سیٹھ دیپک کی پتنی ہے۔اس کا تو جھوٹ بھی سچ۔اس کا تو شک بھی یقین۔''

''ماں! کیا آپ بھی؟''

''نہیں نہیں وچن۔کبھی نہیں۔مجھے دیوتا بھی آ کر کہے تو میں نہ مانوں۔''

''کیوں ماں! آپ کو کیوں مجھ پر یقین ہے؟''

''میں نے جنا ہے تمہیں۔پالا ہے، پوسا ہے۔میں کیا نہیں جانتی تمہاری اخلاقیات کو۔ارے جانے انجانے تو کئی سبق تو نے اپنی ماں کو بھی پڑھا لیے ہیں۔''

''تو وہ کیوں نہیں جان پایا ماں۔میری کل کائنات ہے وہ پھر کیوں اسے میری دنیا اپنے آپ میں نظر نہیں آتی۔کیا مرد کا دل اتنا چھوٹا ہوتا ہے؟ ماں......'' وہ تڑپ سی رہی تھی۔

''نہیں چھوٹا تو نہیں ہوتا بس وہ اپنی بادشاہت میں ایک اکیلا راجہ بننا پسند کرتا ہے۔اور ردی

سدی بھی یہی کہتی ہے تب ہی تو لڑکی کو اپنا سب چھوڑ کر اپنا دل ایک ہی مرد میں لگانا ہوتا ہے۔"

"یہ تو دل لگانا نہ ہوا، یہ تو دل مارنا ہوا نا......"

"دل لگانے کے لیے دل کی بازی تو لگائی جاتی ہے پھر یہ قسمت ہے دل جیت گیا تو دوجہ دل اپنا ہار دل ہار گیا تو نہ دوجے کا دل ملا اور نہ پھر اپنا دل اپنا رہا۔"

"میں ہار گئی ہوں ماں۔"

"وچن نہ ہارتی ہے نہ ہار مانتی ہے۔" منگل نے اس کے گلے میں پھر سے منگل سوتر ڈالتے ہوئے کہا۔

"وچن انسان ہے ماں اور انسان ہارتے بھی ہیں اور ہار مانتے بھی ہیں اور وچن تو پھر بہت ہی بری طرح ہار آئی ہے۔" اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

☆......☆......☆

نوٹی بندگی کے گھر کے باہر کھڑا لڑکیاں تاڑ رہا تھا۔ پیلی شرٹ اور نیلی جینز میں چوکھا لگتا تھا۔ بندگی نے اسے اندر بلایا تھا۔

"مت دیکھا اتنی ساری لڑکیوں کو۔ اتنی ساری لڑکیوں کو دیکھو گے تو بدنام ہو جاؤ گے اور پھر ایک بھی نہیں ملے گی۔"

ہو جانے دو بدنام، یوں بھی نیک نامی سے ڈرتا ہوں۔"

"کیوں گھر نہیں بسانا تمہیں؟ تم نہیں چاہتے تمہارا بھی گھر ہو۔"

"چاہتا تو ہوں پھر سوچتا ہوں گھر بسا کے کرنا کیا ہے؟"

"کیوں...... ماشااللہ خوش شکل ہو۔ ماں باپ اتنا چھوڑ گئے ہیں کہ ساری عمر بیٹھ کر کھا سکوں۔"

"کیوں پھر گھر نہیں بسانا تمہیں۔ اب تو عافی سے پیسے بھی لیتے ہو، میری خیال داری کرنے کے لیے۔"

"آپ طعنہ دے رہی ہیں۔ عافی اور بندگی یہی چاہتے تھے۔ آپ ہی تو ہر حال میں چاہتی تھی

کہ عافی یہاں سے چلے جائیں۔ میں اگر نہ کہتا تو کیا وہ چلے جاتے۔"

"نہیں طعنہ نہیں دے رہی بس گھر بسانے کا کہہ رہی ہوں۔ کہا نا ڈر لگتا ہے۔ کسی کے جانے سے اور پھر نہ آنے سے۔"

"ہر کوئی تو ایک جیسا نہیں ہوتا۔ تم میری زندگی کی مایوسی اپنی زندگی میں تو مت بھرو۔"

"نہیں میں میرے دل کی مایوسی اپنی زندگی میں بھر رہا ہوں۔"

"غلط کر رہے ہو نوٹی۔"

"مایوس نہ ہوں تو کیا ہوں؟ بچپن میں یتیم ہوا۔ اتنے ڈسپلن سکھا کے ماں چلی گئی کہ......"

"نوٹی تم......وہ ہر سنجیدہ بات میں شرارت لے آتا۔"

"تم میں کوئی ڈسپلن نہیں اچھا۔ کوئی ڈسپلن ہوتا تو یوں لڑکیاں نہیں تاڑتے۔ لگتا ہے تمہیں وچن کی اخلاقیات کی کلاس لینی چاہیے۔"

"نہ بھئی توبہ......وہ تو نقصان کرنے والی عورت ہے۔ پہلے اپنا نقصان کیا، دیتی رہتی پیپرز، کیا خوب کماتی اور پھر عزت کا نقصان کیا۔ کتنا کماتی تھی عزت صاحب! امیر زادیوں کی جگہ پیپر دلوا کر۔"

"بھئی عزت نے تو سچی خوشی ڈھونڈ لی ہے اور وچن کی فرائیڈ سنیکس ایجنسی تو مانو نکل پڑی ہے۔"

"ہاں نقصان تو ہم جیسوں کا ہوا نا......"

"تمہارا ابھی نقصان کہاں ہوا ہے۔ تم عافی سے پیسے لے رہے ہو۔"

"آپ پھر طعنہ دے رہی ہیں؟"

"نہیں......ویسے سچ میں نقصان تو کسی کا نہیں ہوا۔ میں سوچ رہا ہوں کہ جب الٹے اور بے ضمیر دھندوں کو چھوڑنے پر نقصان نہیں ہوتا تو ہم چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔"

"کیونکہ ہمیں خدا پر بھروسہ نہیں ہوتا۔ ہم ڈرتے ہیں۔ چھوڑنے کا سوچ بھی تو چھوڑ نہیں سکتے۔ ہم اگر یہ سوچ لیں گے برے کام کرنے سے بھی، خدا ہمیں دے رہا ہے تو اچھے کام کرنے سے کیا نہیں دے گا؟"

''ہوں! ویسے ایک بات کہوں میری تو نکل پڑی ہے۔ یہ وچن اور عافی مجھے پہلے کیوں نہیں ملے۔عافی سر مجھے منہ مانگے پیسے دیتا ہےاور ریچارج باقی سارے اخراجات بھی سب وہی کر رہا ہے۔ لیکن مجھے ڈرلگتا ہے کہیں آپ پھر سے نہ روپوش ہو جائیں۔اس بار ایسا سوچے تو میرے بارے میں ضرور سوچنا بندگی آپا۔''

''ہاہاہا۔میں روپوش ہوگئی تھی کہ زندگی کا دل نہ ٹوٹے ،لیکن زندگی ہی عافی کے ساتھ ہے تو مجھے کیوں کرخوار ہونا۔''

''پوائنٹ......''

''پوائنٹ یہ ہے کہ تم اب برے کام چھوڑ دو۔''

''چھوڑتو دیئے ہیں آپا۔میں کتنا تو اچھا ہوں۔''

''لڑکیاں مت تاڑو۔''

''سچ کہوں میں نہیں تاڑتا۔وہ دیکھتی ہیں مجھے۔اب میں اتنا خوب صورت ہوں۔ماشاءاللہ۔''

''اپنے منہ میاں مٹھو۔''

''اچھا زندگی آپی سے بات کرتے ہیں۔''

''کہاں بات کر رہی ہے۔''

''ابھی ٹرائے کرتے ہیں۔''

نوٹی نے وڈیو کال کی تو زندگی فوراً نظر آ گئی۔وہ بہت خوب صورت ، بہت فریش اور بہت خوش لگ رہی تھی۔

بندگی کی آنکھ بھر آئی۔ہیلو کے بعد اس سے تو کوئی بات نہیں ہوئی۔

''بندگی آپی آپ کو دیکھ کر رونے لگی ہیں۔آپ مجھ سے بات کریں۔''

''نوٹی! تم بہت نوٹی ہو۔''

''اسی لیے تو میں نوٹی ہوں۔''

''آپ کیسی ہیں؟''

''میں بہت خوش ہوں۔عافی تو کوئی محلوں کا شہزادہ ہے۔''

''اور آپ خود کو ان ڈائریکٹلی شہزادی کہہ رہی ہیں۔''

''نوٹی......''

''اچھا اچھا آپ بولیں۔ورنہ بندگی آپا دو چانٹے مارے گی مجھے۔''

''ہاں تو کہاں تھے ہم؟''

''یہی تو پتا نہیں چل رہا کہاں ہوں میں۔اتنا خوب صورت محلوں جیسا گھر،اتنی ساری کمپنیاں، اپنا سب کچھ عافی نے میرے نام کر دیا ہے۔پتا ہے وہ مجھے آفس بھی لے گیا تھا اور مجھے نہ صرف اپنی مسز کے طور پر ملایا بلکہ سب کو کہہ دیا میں ان کی مالکن ہوں۔میں باس کی وائف نہیں بلکہ باس ہوں۔''

''انٹرسٹنگ......پھر؟''

''پھر کیا نوٹی،جو میری خوشامد ہوئی ہے،سب میرے آگے پیچھے۔آفس میں بھی اور گھر میں بھی۔ میرے پاس چوبیس گھنٹے اتنے سارے ملازم رہتے ہیں اور ایک میک اپ آرٹسٹ بھی ہیں۔جو بندگی کی طرح کی ماہر تو نہیں لیکن مجھے شہزادی بنا کے رکھتی ہے۔روز نا جانے کتنے تو لوگ آتے ہیں مجھ سے ملنے۔ کچھ یوں ہی پڑوسی آتے ہیں تو کچھ عافی کی سفارش کروانے،اپنا کام نکلوانے آتے ہیں۔سب یہاں مجھے میم کہتے ہیں۔بس کاش کہ میں اس میری اور عافی کی دنیا میں اپنے قدم رکھ سکتی۔مجھے اب اس وہیل چیئر سے نفرت ہونے لگی ہے۔میں نے عافی سے کہا ہے مجھے بہت بڑے ڈاکٹر کو دکھائے۔''

''آپ نے کہا ہے آپ تو ڈاکٹروں سے بےزار رہتی تھیں۔''

''نہیں نوٹی۔اب تو میں چلنا چاہتی ہوں۔بلکہ اڑنا چاہتی ہوں۔مجھے تو لگتا ہی نہیں میں تیرہ سال سے اپاہج رہی ہوں۔مجھے تو لگتا ہے میں اب وہی زندگی ہوں۔مجھے اب خواب آتے ہیں میں پھر سے خواب دیکھنے لگی ہوں اور نیند بھی بنا نیند کے گولیاں لیے آجاتی ہے۔یہ سب بہت شاندار ہے۔ بہت شاندار،میری تو دنیا ہی جیسے بدل گئی ہے۔بندگی کہاں ہے،رولی یا ابھی تک رو رہی ہے۔''

''نہیں، وہ نہیں رہ رہی۔ آپ کی باتیں سن کے ماشاءاللہ، ماشاءاللہ کہہ رہی ہے۔''

''اسے کہو اب اس کے لیے بھی کوئی اچھا رشتہ دیکھوں گی بس ایک بار چلنے لگ جاؤں۔''

''میرے لیے بھی ڈھونڈنا زندگی آپی۔ یوں بھی بندگی آپا نے ابھی ابھی مجھے کہا ہے مجھے ایک بھی نہیں ملے گی۔''

''وہ میں نے اس لیے کہا کہ تم تاڑو ہو۔''

''تم دونوں ابھی تک بچے ہو۔''

''اسی لیے تو میں کہہ رہا ہوں، مجھے بچوں کا ابا بنا دیں۔''

''ایک نوٹی کو تو سنبھالیں ہم...... بہت سے نوفی ہمارا بیڑا غرق کر دیں گے۔''

''کیسی پھوپھو ہیں آپ میرے بچوں کی؟''

''بس کیا کروں، ایسی ہی ہوں نوٹی۔''

''اچھا بس اللہ حافظ۔''

''خدا حافظ۔''

''چلو آپ کی پریشانی تو ختم ہوئی۔ خواہ مخواہ عافی سر پر شک کرتی رہتی ہیں۔ ویسے وہ اتنے برے نہیں ہیں جتنا آپ سمجھتی ہیں۔'' نوٹی کو اب تک وہ کہانی یاد تھی جو عافی نے اسے بندگی سے شادی نہ کرنے پر سنائی تھی۔

اور بندگی بھی کہاں کچھ بولی تھی۔ وہ عافی کو صرف برا نہیں، بہت برا سمجھتی تھی۔

☆......☆......☆

چھوٹا سا گاؤں تھا۔ وچن کے میکے آنے کی خبر پھیل گئی تھی۔ ابھی تک کوئی اس کی آمد کی وجہ نہیں جانتا تھا۔ لیکن شام ہوتے ہی گاؤں کی عورتیں جو اس سے ملنے آئیں تو وچن کی ماں کی سانس جیسے پھول سی گئی۔ اس نے منگل سوتر نہ پہنا تھا، آنکھیں بھی بے تحاشا رونے کی وجہ سے سرخ ہو گئی تھیں۔ کوئی اور بیٹی ہوتی تو کوئی بات کہہ دیتی لیکن یہ بیٹی آسودہ گھر کی تھی سب نے اسی کو زچ کرنا تھا۔ اس کی غلطی نکالنی تھی۔

لیکن انہیں کیا پتا تھا وہ وچن تھی۔ وہ جہاں ہوتی خود کی پہچان خود بناتی۔

عورتوں نے آتے ہی اس کی تعریفیں کرنی شروع کیں۔ کہاں پہنچا دیا تھا اس نے پاپڑ بنانے والی کملا کے نام کو۔ سب کو وچن پر فخر تھا۔ سب اپنا ہی معاملہ لے آئی تھیں۔ کچھ تو اپنے ہاتھوں سے بنائے سنیکس کی مشہوری کے لیے سنیکس بنا آئی تھیں اور کچھ نمکو بنانے والی عورتیں بھی تھیں۔ کسی کو وچن کی روئی ہوئی آنکھیں سونا گلا نظر نہیں آیا تھا۔

ماں کو جیسے اطمینان ہو گیا تھا۔ آسودہ لوگ بھی غموں کی آندھی سے گزرتے ہیں یہ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں۔ وچن کی جگہ پر اس کی کوئی بہن ہوتی تو اس وقت تک اس کی ماں وضاحتیں دے رہی ہوتی لیکن آج تو کوئی اس کی طرف دیکھ بھی نہ رہا تھا۔ اسے آج پہلی بار اپنی بیٹی کی ماں ہونے پر فخر ہوا۔ وچن کے باپو بھی وہاں موجود تھے۔ عورتوں کو یوں وچن کی چاپلوسی کرتے دیکھ کر اس کا سینہ بھی فخر سے پھول گیا تھا۔ ابھی عورتیں وہاں موجود تھیں کہ کملا آ گئی تھی کمل کو لے کر۔

وچن نے ساس کے پاؤں چھو کر آشرواد لیا اور عورتوں کو ان کا سر کھانے کے لیے کہہ دیا۔

"کملا سنیکس کی مالکن آ گئی ہیں۔ آپ ان سے بات کریں۔"

"ارے مالکن میں کہاں، میں تو بس نام کی مالکن ہوں۔ سب کچھ تو وچن کرتی ہے۔ پچھلے جنم میں کوئی بہت ہی اچھے کام کیے ہوں گے کہ مجھے اس جیسی بہو ملی۔"

"باپو جی نے ماں سے کہا تھا۔ بیٹے ساتھ رہ کر فرض نبھاتے ہیں اور بیٹیاں اپنے ماں باپ کا فرض اپنے جیسے تیسے گھر میں گزارا کر کے نبھاتی ہیں اور اگر بیٹیاں سسرال میں جا کر یوں رچ بس جائیں کہ ان کے بنا ان کے گھر والوں کا گزارا نہ ہو تو ماں باپ کا فخر بن جاتی ہیں۔" وچن نے اپنے جنم کا تو جیسے قرض ہی اتار دیا ہو۔

ماں جی چپ رہ گئی، کیا کہتی۔ وچن کی ہمت ہی اس کی دشمن تھی۔ اب بھی وہ اس ہمت سے بیٹھی عورتوں اور ساس سے گفتگو کر رہی تھی کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ لیکن رات کوئی بھر ذرا اسے دیکھتا کیسے پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی تھی۔ اگر باپو جی دیکھتے تو دل ہی کٹ جاتا۔

عورت تھی وہ جتنا جوڑتی کہیں نہ کہیں سے پھر سب کچھ اکھڑ جاتا۔ پہلے ساس اکھڑی رہتی تھی اب پتی۔

سچ پوچھو! تو اماں کا دل کرتا وہ بھی ایک عام عورت ہوتی۔ تھوڑی سی خود غرض ہوتی۔ ذرا اپنے متعلق تو سوچتی۔ لوگوں کا سوچتے سوچتے اس نے خود کی جیسے خودی ہی مٹا دی تھی۔

☆......☆......☆

”تم چل رہی ہو بہو۔ میں کچھ نہیں سنوں گی۔ دو دن سے میرا تو سر چکرا گیا ہے۔ میں کیا جانو یہ حساب کتاب۔ کس کو کتنا دینا ہے کتنا لینا ہے، میرا تو دماغ ہی رہ گیا اور اب تو اس اجنبی کے متعلق دیکھے تمہارے سارے خواب پورے ہونے والے ہیں۔ اب نہ پیٹھ دکھاؤ۔“

”ماں جی! اب دل راضی نہیں ہو رہا۔ بہت دکھایا ہے دیپک نے۔“

”دل کو راضی کر لو بہو۔“

”ماں جی! کیسے کروں۔ کوئی اپائے ہو تو بتا دو کیا کروں۔ وہ مجھے یوں میری ہی نظروں سے گرا دیں گے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔“

”میں سمجھ سکتی ہوں بہو تمہارے دل کا حال۔ لیکن یہ کوئی حل تو نہیں۔“

”ماں جی! میں کہاں سے کوئی اُتم حل ڈھونڈ لاؤں۔ آج تک جو بھی کیا ہے دیپک پر الٹا ہی اس سب کا اثر ہوا ہے۔ آج سمجھ آیا اس نے ایک نظر دیکھ کر مجھے بس پسند کیا تھا مجھ سے محبت تو کبھی کی بھی نہیں۔“

”نہ بیٹا وچن۔ بس اسے ذرا سا اختلاف ہے۔“

”اختلاف نہیں اختلافات ماں جی۔ جب رشتے میں صرف اور صرف اختلافات ہوں تو دو ایک ہوئے لوگ دوسے الگ ہو کر میں اور تم رہ جاتے ہیں۔ پھر تم نے یہ کیا، میں نے وہ کیا، کی کہانی شروع ہو جاتی ہے اور یوں اختلافات جیت جاتے ہیں، محبت ہار جاتی ہے، میں اور دیپک بھی میں اور دیپک ہو گئے ہیں۔ اور افسوس تو اس بات کا ہے مجھے اب جا کے پتا چلا ہے کہ میں اور دیپک تو کبھی ہم ہوئے ہی نہیں۔“

”تم اس کے پڑھ لکھ رہنے کی وجہ سے ایسا کہہ رہی ہو؟“

''نہیں ماں جی! میرا پڑھا لکھا ہونا اس کے لیے گالی سا بن گیا تھا، اور اب آپ مجھے ایجنسی کی بھاگ دوڑ سنبھالنے کے لیے کہہ رہی ہیں، یاد رہے یہ ایجنسی جیسے جیسے نام کرے گی دیپک اپنا من مارتا رہے گا۔نہیں برداشت کر پائے گا۔ میرا نام، میری پہچان، میرا ذکر، میرا ہنر آپ کے بیٹے کے لیے باعث شرم ہے۔ انسان جب کچھ اچھا کرتا ہے تو ظاہر ہے محنت تو کرتا ہوگا۔ میرا بھی دل کرتا ہے دیپک مجھے ایک بار تو پرستائش نظروں سے دیکھے لیکن وہ تو مجھے اپنی نیک نامی پر دھبہ سمجھتا ہے۔ وہ صاف صاف کبھی کہہ نہ سکا اور میں سمجھ نہ پائی کہ وہ چاہتا کیا ہے لیکن اب میں سمجھ گئی ہوں کہ وہ چاہتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ گونگی، بہری اور اندھی بن کر رہوں۔''

''نہ بہو ایسا نہ کہو۔ کمل کا تو سوچو۔''

''ماں جی! میں گونگی، بہری، اندھی نہیں۔ پال لوں گی کمل کو، مرد جب اپنی بیوی سے نفرت کرنے لگے نا، تو اس کی اپنی اولاد اسے صرف اپنی بیوی کی اولاد لگتی ہے۔ اور پھر دیپک تو مجھ پر شک کرتا ہے نا جانے اس کا شک کس اسٹیج میں ہے اور کس اسٹیج تک آئے گا۔''

''نہیں نہیں وچن۔ اب ایسا نہ کہو۔ میں تو مر جاؤں گی اب اس عمر میں مجھے یہ دکھ نہ دو۔ گھر چلو بیٹا میں ہاتھ جوڑتی ہوں۔''

''ماں جی! آپ کیوں ہاتھ جوڑ رہی ہیں۔ آپ کیوں رو رہی ہیں۔''

''کیا کروں میں۔ کیا کر سکتی ہوں۔ بیٹھے بٹھائے ایسی آفت سی گر پڑی ہے۔ میں نے بہو نہیں ساتھی بنایا تھا تمہیں۔ میرا ساتھ چھوڑ کے جاؤ وچن۔ میں تو اب جینے لگی تھی۔ دیپک کے باپو جی کے بعد تو خوشیاں جیسے روٹھ گئی تھیں۔ تم نے مجھے جیسے پھر سے زندہ کر دیا ہے۔ پہلے کمل دیا، پھر دوست دیئے، نام دیا، ایجنسی کا مالک بنایا۔ اتنی خوشیاں دیں اب خوشیاں دے کر لینے والی مت بن۔ تُو تو سب کا سوچتی تھی، سوچ تو تیرے یہاں آنے سے کتنی عورتوں کا گزارا مشکل ہو گیا ہے۔''

''ماں جی......''

''بس تو چل رہی ہے آج ہی۔ رخصت لے کر میکے سے۔''

''ٹھیک ہے ماں جی۔ میں آپ کا مان رکھ لیتی ہوں لیکن میں گھر نہیں آؤں گی۔''

''ارے تو کہاں رہے گی؟''

''ایجنسی کے لیے جگہ کم پڑ رہی تھی۔ میں نے ایک مکان محلے میں ہی کرائے پر لے لیا تھا۔ میں وہیں رہوں گی۔''

''کون سا......وہ پڑوس والا گھر؟''

''ہاں وہی۔''

''چلو۔یہی سہی۔تو چل تو......''

''ٹھیک ہے۔'' وہ مانی تو کملا کے دل کو سکون آیا۔

☆......☆......☆

زندگی کی دنیا اس سے بڑے عرصے بعد مہربان بن کے ملی تھی۔

اتنی خوشیاں تھیں......کہ دامن کم پڑ جاتا۔

اسے اب بس ٹھیک ہونا تھا۔اس کا علاج بڑے بڑے ڈاکٹروں سے کروایا جا رہا تھا۔دن میں دوبار وہ ملک کے بہترین فزیوتھراپسٹ سے تھراپی لیتی ،ورزش کرتی ،باقاعدگی سے دوائیں لیتی۔

عافی اسے بے حد خوش رکھتا تھا۔اس کا بھی دل چاہتا وہ عافی کو ساری خوشیاں دے لیکن جسمانی کمزوری کی بدولت وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو پا رہی تھی۔

آج ذرا سا یہ سوچ کر اداس تھی کہ ملازمہ کسی کے آنے کا پیغام لے آئی۔

''کون ہے۔'' ملازمہ ذرا تذبذب کی سی کیفیت میں تھی۔

''اچھا تم چلو میں آتی ہوں۔''

''آئی ہوگی کوئی پہچان بڑھانے یا کوئی سفارش وغیرہ کرانے ،آج کل تو چندہ مانگنے والیاں اور مصیبت زدہ بھی آتی تھیں۔

زندگی وہیل چیئر پر بیٹھی تھی۔ایک ملازمہ اس کی مدد کر رہی تھی۔

وہ گیسٹ روم میں بیٹھی تھی۔ زندگی کو وہیل چیئر پر دیکھ کر حیرانی سے کھڑی ہوگئی۔ اس کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ زندگی کے آتے ہی اس نے عجیب سے انداز میں دریافت کیا تھا۔

''آپ مسز عافی ہیں..... رائٹ؟''

''جی ہاں......'' اس نے خوش خوشی کہا تھا۔

''او مائے گڈنیس۔ کانٹ بلیو ڈیٹ۔ آپ مسز عافی ہیں۔'' وہ طنزیہ مسکرا کرنا جانے کیا کہنا چاہتی تھی۔

''ایکسکیوز می! آپ کون ہیں؟''

''رخسار..... میں رخسار ہوں..... عافی سے کہنا میں آئی تھی اور مجھے بہت افسوس ہوا اس کے لیے۔''

''یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ۔ میں سمجھ نہیں رہی۔''

وہ عجیب سے انداز میں مسکرائی اور پھر آنکھوں کے کنارے نم کرتے ہوئے کہا۔

''آپ کی وجہ سے مجھے عافی نے چھوڑ دیا۔ ہماری شادی ہونے والی تھی۔ مجھے آج تک خود پر کبھی افسوس ہوتا تھا، کبھی خود پر ترس آتا تھا لیکن آج عافی پر ترس آ رہا ہے۔ افسوس ہو رہا ہے بہت افسوس کہ عافی نے مجھے چھوڑ کر آپ کا انتخاب کیا۔''

رخسار کبھی ہنس رہی تھی، کبھی رو رہی تھی اور زندگی ہکا بکا اس نازنین کو سر سے پا تک دیکھ رہی تھی۔ عافی نے اسے میرے لیے چھوڑ دیا؟

رخسار مسلسل تنقید کرتی رہی تھی۔ وہ اپنی جگہ درست بھی تھی۔ اس پر ایک اپاہج لڑکی کو ترجیح دی گئی تھی۔ ذرا ذرا سی دیر بعد وہ زندگی کو سر سے پا تک دیکھتی۔

''نہیں نہیں۔ تم نہیں بندگی۔ عافی تم سے محبت نہیں کر سکتا۔'' وہ ہنستے ہوئے عجیب سے لہجے میں اس سے مخاطب تھی۔

زندگی اس قدر حیران اور صدمے میں تھی کہ اس کی درستگی بھی نہ کر سکی۔ کہ وہ بندگی نہیں زندگی ہے۔

☆......☆......☆

وہ ہی کام، وہی لوگ، وہی محلہ اور وہی وچن، وہ ویسی ہی تھی بس گلہ خالی تھا اور جیسے زندگی خالی تھی۔
ایجنسی اس کی محنت سے اب مقبول ہو رہی تھی۔ آج کسی کمپنی کے نمائندے نے آ کر انٹرسٹ ظاہر کیا تھا کہ وہ اس ایجنسی کو انٹرڈیوس کروانا چاہتے ہیں۔ وچن کے لیے یہ ایک بہت بڑی کامیابی تھی۔ اب ان کے سنیکس کسی کمپنی کے نام سے مشہور ہوں گے تو سمجھو ملک بھر میں بیچے اور خریدے جائیں گے۔ وہ بہت خوش تھی لیکن دیپک......؟
کیا اسے اس لیول پر یہ سب کچھ کرنا پسند آئے گا؟ خیر تو اسے خود وچن بھی نہ تھی تو وچن کے احکامات کیسے پسند آتے۔ اس نے دیپک کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ دل جلتا تھا لیکن کیا کرتی۔ اسے اب کسی غلط فہمی میں مبتلا رہنے کی بھی غلط فہمی نہیں ہو سکتی تھی۔
وہ ماں کی تلاش میں ایجنسی والے گھر سے نکلی ہی تھی کہ دیپک گھر سے کسی کام سے نکل رہا تھا۔ دونوں گھر ایک ساتھ ہی تھے۔ وچن دیپک کو دیکھ کر پھر سے اندر چلی گئی۔ کسی کی آنکھوں میں اپنا گرا ہوا مقام دیکھ کر کہاں ان آنکھوں کو پھر سے دیکھ سکنے کی ہمت کی جا سکتی تھی۔ اس نے بھی نہ کی اور اندر چلی آئی۔
دیپک نے ایک تاسفاً سانس بھر لی اور ابھی سانس چھوڑی بھی نہ تھی کہ محلے والے آ گئے۔ کون آیا تھا آج؟ اتنی بڑی گاڑیوں میں؟ دیپک لاعلم تھا۔ وہ ان کا سوال سمجھ نہ سکا لیکن وچن کی ایجنسی کی ایک عورت نکل آئی اور بڑی خوشی سے کہا۔
”وہ جو لوگ آئے تھے نا۔“
اب کملا بھی گھر سے نکل آئی تھی۔
وہ جو لوگ آئے تھے وہ کسی کمپنی سے آئے تھے اور ہمارے سنیکس کو مشہوری دینے آئے تھے، انہوں نے کہا ہمارے پاپڑ بہت پسند کیے جا رہے ہیں اور اب سارے ملک میں وہ ہمارے پاپڑ سپلائے کریں گے۔“
”ارے واہ! یہ تو بہت اچھی خبر ہے۔ بادائی ہو کملا بہن۔“
”ہاں ہاں بادائی ہو۔ بہت بہت مبارک۔ لوگ خوش اور حیران تھے۔ کیا قسمت پائی ہے آپ

نے کملا بہن۔"

"یہ سب میری بہو کی محنت سے ممکن ہو پایا ہے۔" کملا نے دیپک کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں وہ تو ہے کملا بہن۔ بھگوان سب کو ایسی بہوئیں دیں۔"

"وچن جیسا کوئی نہیں۔" کملا نے فخر سے کہا۔

"بے شک۔" کسی کو اس کی ذہانت پر کوئی شبہ نہ تھا۔

"صرف بہو کیوں بیوی بھی ہو تو ایسی۔ ہم تو ساس بہو کے مسئلوں میں الجھے رہتے ہیں اور دیپک کو دیکھو۔" اس کے کسی بچپن کے دوست نے آ کر خوشی سے کہا تھا۔

دیپک نے ماں کو غصے سے دیکھا تھا۔

"ہاں دیپک کے تو بھاگ کھل گئے۔ پڑھی لکھی بیوی ہے۔ سمجھ دار ہے۔ ذہین ہے۔"

بس یہی تو دیپک کا مسئلہ تھا۔ اس نے غصے سے مٹھیاں بھینچ لیں اور گھر کے اندر چلا آیا۔ کملا باہر وچن کی تعریفیں کرنے میں مصروف تھی اور یہاں دیپک کا دل وچن کی گلہ کیے جا رہا تھا۔ نا جانے اور کتنا نیچا دکھائے گی اس کی دھرم پتنی اسے۔

اس کا سر بھاری ہونے لگا۔ کملا تعریفیں کر کر کے اندر چلی آئی۔ دیپک سامنے بیٹھا تھا۔

"دیکھا دیپک! وچن نے کیا کر دکھایا۔ یہ تو وچن ہی کر سکتی تھی۔ صرف وچن۔"

"چپ کر جائیں ماں جی۔ اس کی طرح آپ کا بھی دماغ خراب ہو گیا ہے۔" اسے شدید غصہ آ گیا تھا۔

"دماغ تو تمہارا خراب ہو گیا ہے دیپک کپور۔ تمہیں پتا ہے تمہارا مسئلہ کیا ہے۔ تم تمہاری اپنی دھرم پتنی سے جلتے ہو۔"

"ماں جی۔ مجھے کیا ضرورت ہے اس سے جلنے کی۔"

"کیونکہ تم اس کی جیسی خوبیاں اپنے میں دیکھنا چاہتے تھے لیکن تم کاروبار میں پھنس گئے۔ اور بھی وہ نہ کر پائے جو وچن کر چکی ہے۔"

”ماں جی! بہت ہو گیا۔“

”ہاں دیپک! بہت ہو گیا۔ اب بس کرو، اپنی بیوی سے جلنا چھوڑ کر اس کا ساتھ دو۔ وہ سب کچھ ہمارے لیے کر رہی ہے۔“

”ہمارے لیے؟ ہمارے لیے کیوں کر رہی ہے۔ ہمیں ضرورت کیا ہے اس سب کی۔ ماں! کیا نہیں دیتا، کیا نہیں کرتا، میں اس گھر کے لیے، وچن کو یہ سب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ کو سمجھانا چاہیے اسے، لیکن آپ تو......“

”دیپک! وہ کچھ غلط کرے تو سمجھاؤ اسے۔ محلے کے کتنے گھر اس کے کام سے آسودہ ہوئے ہیں۔ تو چاہتا ہے میں وچن کو منع کر دوں تاکہ یہ غریب عورتیں بھوکی مریں۔“

”ہمارا سب کیا ماں جی؟“

”نہ کر شرمندہ مجھے دیپک کپور۔ نہ کر شرمندہ۔ دیکھ اپنی بیوی کو کتنا بلند اخلاق ہے اس کا۔ وہ کیسے سب کے متعلق سوچتی ہے۔ لوگوں کے غم بانٹتی ہے اور تو تو مندر کو چندہ بھی اپنا نام ہونے کے لیے دیتا ہے لیکن اسے دیکھو وہ جو کر رہی ہے کسی میں اس کا نام نہیں۔ پاپڑ تک میرے نام سے مشہور ہیں۔“

”کیا نام ہے اس کا ڈہاں کون ہے وہ؟ سب جانتے ہیں اس کے باپو جی کی اوقات۔“

”اس لیے کہہ دیتی ہوں۔ اپنے پیر پر کلہاڑا مار بیٹھا ہے تو۔“

”یہ نیک کام تو اس دن کر بیٹھا تھا جس دن اس کے ساتھ پھیرے لیے تھے۔“ دیپک کا انداز تلخ تھا۔

”پچھتانا تو اسے چاہیے۔ بد دماغ آدمی مل گیا تھا اسے۔ پہلے اسے آگے پڑھنے نہ دیا۔ یہاں تک کے اخبار تک گھر میں آنے نہ دیتے تھے۔ اور وہ سب کچھ چھوڑ کر من مار کر پاپڑ بیلتی تھی۔ اب جب پاپڑ بیل کر کامیابی حاصل کر لی تو تجھے اب بھی اس سے مسئلہ ہے۔ سوچ بچار کر دیپک۔ سب کے پاؤں کس مت بالآخر تو، پرلوک کی طرف جاتے ہیں۔ ہمیشہ تو بھی رہنے والا نہیں۔ اور نہ ہی وقت ہمیشہ ایک جیسا رہے گا۔ اس سے پہلے کہ بات حد سے بڑھ جائے، اپنی گھرہستی بچا لے۔ وچن کی چاہت کی قدر کر، وچن کی قدر کر۔“ کملا بھاشن دے کر چلی گئی لیکن دیپک کے اردگرد جتنی روشنی تھی اس کا سبب

بس آگ تھا۔ دیپک جل رہا تھا، ہاں وہ جل رہا تھا۔

☆......☆......☆

اس نے عافی سے ذکر نہ کیا تھا کہ رخسار آئی تھی اور کیا کیا کہہ گئی ہے بس چپ چاپ سی ہو گئی تھی۔ کچھ دیر پہلے میک اپ آرٹسٹ سے لڑی تھی کہ وہ اسے خوب صورت نہیں بناتی۔ پھر تھراپی والوں سے بھی لڑ بیٹھی تھی۔

وہ کیوں جلدی ٹھیک نہ ہو سکتی تھی۔ آج اس نے بیساکھیوں کی مدد سے چلنا چاہا تھا لیکن سب کچھ بہت جلدی تو نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ بری طرح گر گئی تھی اور زخمی ہوئی تھی۔

''کیا ہوا زندگی؟ کیوں ایسا کر رہی ہو؟''

''عافی! مجھے ٹھیک ہونا ہے۔''

''تم ٹھیک ہو رہی ہو۔ سب ڈاکٹرز تمہارے متعلق مثبت کمنٹس دے رہے ہیں۔ مجھے جلدی ٹھیک ہونا ہے۔''

''زندگی! زندگی! جلدی کیا ہے؟''

''میں تمہارے قابل نہیں عافی۔ تیرہ سال کی طویل بیماری نے مجھے ختم کر دیا ہے۔''

''یہ کس نے کہا اب تم سے۔ تم میں کوئی کمی نہیں ہے زندگی۔ خود کو دیکھا ہے عافی کیا تم۔''

''میں خود کو دیکھنا نہیں چاہتا زندگی۔ میں تو صرف ایک گنہگار بندہ ہوں۔''

''میں تمہیں کچھ نہیں دے سکتی۔ عافی! لوگ ہنستے ہیں مجھ پر۔ کہاں تم، کہاں میں۔''

''بس زندگی...... ہمیں کسی سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ کیا میری کوئی بات بری لگی ہے؟''

''نہیں عافی۔ تم تو میری جان ہو۔''

''تو اپنی جان کو پریشان کرنا چھوڑ دو۔'' عافی نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

''ٹھیک ہے لیکن تم دعا کرو میں جلدی ٹھیک ہو جاؤں۔''

''ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔''

وہ خاموش ہوگئی۔ اسے بار بار رخسار کی طنزیہ ہنسی یاد آ جاتی۔

☆......☆......☆

پہاڑ پر معمول کی ریل پیل تھی۔ وہ گرے رنگ کی ساڑھی میں ملبوس اس کے عقب میں نمودار ہوئی تھی۔ اس کا سچا اور ایک مخلص دوست اس کے سامنے اسی کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ عافی سامنے تھا۔ آج اس نے سادہ قمیض شلوار پہنا تھا جو گہرے نیلے رنگ کا تھا۔

وچن کو دیپک کی باتیں یاد آنے لگی تھیں۔ اس کے قدم بھاری ہو رہے تھے۔ بے قصور ہوتے ہوئے بھی عافی کا سامنا کرنے کی اس میں ہمت نہ تھی۔ وہ اس کا دوست، اس کا مسیحا، جسے وہ اپنے سارے سر درد بتاتی تھی۔ وہ اس کا گرو سا تھا، جس نے اسے زندگی کو جینا سکھایا تھا، اس کے نظریات بدلے تھے، نیکی سکھائی تھی، محبت سکھائی تھی۔ ہاں اس نے کیا کیا نہ سکھایا تھا اسے؟

وچن سوچوں میں غلطاں سی عافی کو دیکھ رہی تھی۔ ہوا بہت تیز تھی۔ اس کی ساڑھی کا پلو پھڑ پھڑا رہا تھا۔ عافی نے مڑ کے دیکھا تو وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ فوراً اس کے پاس آیا۔

''کہاں ہو تم وچن۔ نہ کوئی میسج، نہ کوئی کال۔ کہاں ہو تم۔'' عافی کا انداز فکر مند تھا۔

''پتا نہیں عافی، میں کہاں ہوں۔'' اس نے نہایت ہی ٹوٹے لہجے میں کہا اور اسی جگہ بیٹھ گئی جہاں وہ بیٹھا کرتی تھی۔

''دیپک کے ساتھ کوئی مسئلہ ہوا ہے؟''

''مسئلہ تو میرے ساتھ ہوتا ہے۔ انسان کی شخصیت کی خوبیاں جب کسی اپنے کے لیے خامیاں بن جائیں تو اس سے بڑا مسئلہ کیا ہوگا۔ وہ خود کہتا تھا میری ماں میری دنیا ہے، مجھے تاکید کرتا تھا اسے خوش رکھو۔ اس کی سیوا کرو لیکن اب جب میں نے ماں جی کے لیے یہ سب کیا تو......''

''کیا بس یہی بات ہے؟''

''کئی باتیں ہیں۔ کیا کیا سنو گے۔'' وہ ایک دم ٹوٹی پھوٹی سی لگ رہی تھی۔

''میں سننا چاہتا ہوں وچن ۔ پلیز سچ بتاؤ کیا پرابلم ہے دیپک کا؟''

''پرابلم وہی پرانی ہے۔تم مسلم ہو اور وہ ہندو۔''

''بس اور بھی کوئی وجہ ہے؟''

''دوسری وجہ بھی پرانی ہے۔تم مرد ہو میں عورت۔''

عافی سوچ میں پڑ گیا۔اسے بہت دکھ ہوا تھا۔

''غلطی میری ہے۔ مجھے سمجھنا چاہیے تھا۔تم ایک شادی شدہ عورت ہو۔ میں تمہارے دپی اور دیپک کے درمیان آ گیا۔''

''نہیں عافی۔ ہمارے درمیان تو بہت کچھ تھا بس میں نے دیکھا نہیں۔ بلکہ آج احساس ہوا اس کے اور میرے درمیان کے کتنے فاصلے کبھی سمٹے ہی نہ تھے۔''

''تمہیں سچائی بتانی چاہیے تھی۔ کہ ہمارے درمیان کچھ نہیں......''

''وہی تو عافی کچھ ہوتا تو بتاتی۔ جب کچھ نہیں تھا تو کیا بتاتی۔ کیا ثبوت پیش کرتی۔ میری وفا، میری محبت اسے نظر نہیں آ رہی تھی تو میں نے بھی جھولی نہ پھیلائی۔اور اب پھیلاؤں گی بھی نہیں۔''

''مت برتو اس قدر سخت گیری۔ٹوٹ جاؤ گی۔''

''میں ٹوٹ چکی ہوں عافی۔ دیپک کے شک نے مجھے توڑ پھوڑ دیا ہے۔''۔

''شک ہے شک کو دور کیا جا سکتا ہے۔''

''نفرت بھی تو ہے۔شک دور ہو بھی گیا تو کیا؟''

''مجھ سے نہ ملو وچن۔''

''تم سے بھی نہ ملوں عافی۔ میں پہلے سے بہت تنہا تھی۔''

''تنہائی بعض اوقات بہتر ہوتی ہے۔ہمارا ساتھ بہت خوب صورت رہا۔''

وچن کی بڑی بڑی آنکھیں بھر آئیں۔

''ہماری دوستی بہت خوب صورت ہے عافی۔''

''دعاؤں میں یاد رکھنا وچن۔''

''تم سب خوشیاں پاؤ گے عافی۔ میری یہی دعا ہے۔''اس کی آنکھ سے آنسو بہہ نکلے تھے۔

''تم دیپک کو مناؤ گی۔''

''نہیں عافی۔ مجھ میں اب ہمت نہیں ہے۔''

''اچھا مت منانا۔ لیکن وعدہ کو مجھ سے کہ اگر وہ منانے آئے تو مان جاؤ گی۔''

''عافی.....''اس نے درد سے آنکھیں میچ لیں۔ عافی پیار سے اپنی چھوٹی سی مخلص دوست کو آخری بار دیکھ رہا تھا۔

''تم کبھی نہیں بھولو گی مجھے۔''

''مجھے بھی تم ہمیشہ یاد آؤ گے۔''اس نے آنسوؤں کی موجودگی میں کہا تھا اور مسکرانے کی ناکمل کوشش کی تھی۔

عافی اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔ اس نے رخ موڑ لیا۔ اس کا دل اور آنکھیں دونوں بھر آئی تھیں۔ عافی نے پہاڑی سر نہیں کی تھی وچن کر آئی تھی۔ وہ زینے اوپر چڑھ رہا تھا وہ نیچے اتر رہی تھی۔ دونوں میں ایک دوسرے کو موڑ کے دیکھنے کی ہمت نہ تھی۔

آج سردی زیادہ تھی یا دل سرد تھا۔ ان کے انداز اور قدم کانپتے ہوئے اٹھ رہے تھے۔ ولی قنداری دربار کے زینے دو دوستوں کو جدا ہوتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ یہاں کا موسم آج اداس تھا۔ اس وادی میں نمودار ہونے والی دوستی، پھر یہ دوستی اسی وادی میں نشو ونما پاتی رہی اور جیسے آج وہی دوستی آج یوں اختتام پذیر ہوئی۔ تو موسم تو اداس ہونا ہی تھا۔ دل تو بھر آنے ہی تھے۔ عافی نے نیچے آ کر اپنی آنکھیں رگڑیں اور وچن دربار میں چپ چاپ وا داس بیٹھی تھی۔ آج تو یہاں کے کبوتر بھی اداس تھے۔ نا جانے کیوں دانہ نہ کھاتے تھے۔

☆......☆......☆

گرم کپڑوں کا موسم تھا۔ دونوں موٹیاں سفید سویٹر اور سفید شال میں کیوٹ بالو لگ رہی تھی۔ ساتھ میں دونوں نے اپنے موٹے تازے کالے بالوں کی اونچی پونی ٹیل بنائی ہوئی تھی۔

ان کے گھنے بال سفید ویلوٹ کی پونی سے آزاد ہو کر نیچے کی طرف کھلے اور بکھرے ہوئے تھے۔

ان کے ساتھ شان تھا۔ اس نے ہمیشہ کی طرح سویٹر پہننے کی بجائے شرٹ کے نیچے سے ہائی نیک پہن لی تھی۔ آج یہ لوگ سکی کے گھر انوائٹ تھے۔ اس لیے سب بہت اچھی طرح تیار ہوئے تھے۔ وہ پہلی بار سکی کے گھر کے اندر جا رہے تھے ورنہ باہر سے ہی دیکھ کر دل پہ ہاتھ رکھ دیتے تھے۔

جیسا اس کا گھر باہر تھا ویسا اندر سے بھی۔ یعنی خوب صورت۔

سگی نے ان کا گرم جوشی سے استقبال کیا اور اندر لے آئی۔ آج سکینہ کے ڈیڈ گھر پر آفس کا کام لیے بیٹھے تھے۔ انہیں دیکھ کر انھوں نے بھی انہیں ویلکم کہا اور اپنے پاس ہی بٹھا لیا۔

''آپ لوگ بیٹھیں، میں بس ذرا سی دیر میں چلا جاؤں گا۔''

''ڈیڈ اٹ از اوکے۔ اور ان سے ملیں۔ یہ شان ہے۔ انہوں نے مجھے پڑھایا ہے اور ان کی وجہ سے ہی میں نے پوزیشن لی ہے۔''

ڈیڈ نے شان کو چشمہ اتار کر دیکھا۔ وہ نو عمر نوجوان اتنا ذہین تو نہ لگتا تھا۔

''آر یو سیریس؟''

''جی ڈیڈ......''

''گریٹ۔'' ڈیڈ نے سر سے پا تک شان کو دیکھا۔ اس کی پرسنالٹی دلچسپ تھی۔ ''خود کیا کرتے ہو نوجوان؟''

''ڈیڈ! ہی از شان۔'' سکینہ نے یاد دہانی کروائی۔ تو شان اسے بھی یاد آ گیا۔ میڈیا میں اس کی وجہ سے سکینہ والا مسئلہ اور بڑھا تھا۔

''او......'' وہ خاموش ہو گئے اور پھر کہا۔ ''ویڈ گڈ جاب ڈین......تمہاری قابلیت کی داد دینی پڑے گی۔ سکینہ! تم نے اپنے دوست کو کچھ دیا بھی ہے یا نہیں۔ اس کی وجہ سے ہم اتنے سوالوں کے

جواب دینے سے بچ گئے۔تھینک یو......" ڈیڈ نے چیک بک نکالتے ہوئے کہا اور شان سے مخاطب ہوا۔

"یہ بس میری طرف سے......"

"نہیں سر۔سکینہ ہماری دوست ہے۔"

"بھئی دوستی اپنی جگہ، نفع اپنی جگہ۔تمہاری وجہ سے میری بیٹی نے شاندار کامیابی حاصل کی ہے۔"

اب وہ کیا کہتا، اس نے تو پہلی سے ہی اس کی بیٹی کو اپنے دل سے اپنا مانا تھا۔اس کا نفع تو بس اس کی خوشی تھی جو اسے مل چکا تھا۔

"رکھ لو نوجوان۔"

"نو سر۔آئی ڈونٹ......"

"اوکے اوکے۔تمہاری مرضی۔" ڈیڈ نے چیک واپس لیا اور اپنا سامان سمیٹ کر کہیں چلے گئے۔وہ آگے آگے جا رہے تھے۔ان کا سامان اور کوٹ ان کے ملازم نے اٹھایا تھا۔وہ جوں ہی گھر سے نکلے ان کا شوفر مؤدب ہو کر گاڑی ان کے لیے حاضر کیے کھڑا تھا۔

فری اور دوری نے ایسا رعب، ایسا دبدبہ صرف فلموں میں دیکھا تھا۔

"شان کو اپنی قابلیت اور بڑھانی ہوگی دوری۔اتنے کچھ نہیں ہوگا۔"

"ہاں فری۔یہ اتنا آسان نہیں لگ رہا۔"

"ہاں دوری۔یہ آسان نہیں۔شان نے غلط جگہ دل لگا لیا۔اب بہت زیادہ محنت کرنی پڑے گی۔"

"دل ہمیشہ ہی غلط جگہوں پر لگتا ہے۔"

"اچھا ہے ہمارا دل محفوظ ہے۔" دونوں نے بڑے ہی شکر مندانہ انداز میں کہا۔

"ہاں دوری، شکر ہے۔" انہوں نے دل پر ہاتھ رکھ کر دل کے محفوظ ہونے کی جیسے تصدیق کی اور جب دل نے گواہی دی کہ میں اپنی جگہ پر محفوظ ہوں تو جیسے جان میں جان آئی۔

"کیوں دوری! دل ٹھیک ہے نا تمہارا؟"

"ہاں فری! دل ٹھیک ہے ہمارا۔"

''کیوں......اب تم دونوں کے دل کو کیا ہوا ہے۔'' سکی کی والدہ نے ان کا آخری جملہ سن لیا اور آ کے کہا تھا۔دونوں موٹیاں بات بدلنے میں کچی تھیں۔

''آنٹی! وہ بس ہم اپنے اپنے دل کا چیک اپ کر رہی تھیں۔''

''یعنی خود کی ڈاکٹری خود۔''

''ہاں نا......''

سکی کی والدہ خوش دلی سے مسکرا دیں اور پوچھا۔

''وچن نہیں آئی؟''

''نہیں۔وچن کو ٹائم کہاں۔وہ بہت بزی ہیں۔ان کی ایجنسی کی ترقی ہو رہی ہے۔اس منڈے کو پارٹی ہے۔آپ کو بھی انوائٹ کیا ہے۔''

''او شور، ہم ضرور آئیں گے۔سکینہ! تم دونوں کو یہاں بٹھا کر کہاں چلی گئی؟''

''وہ ذرا شان کو کچھ دکھانے لے گئی ہے۔''

''ہاں! بہت شاپنگ کی ہے اس نے شان کے لیے۔''

''اور ہمارے لیے۔'' دونوں نے ترنت پوچھا۔

''ظاہر ہے تم دونوں کے لیے بھی کی ہوگی۔''

''او سو سویٹ آف ہر......'' دونوں بہت خوش ہو گئی تھیں۔ان کے موٹے موٹے گال خوشی سے سرخ ہو گئے تھے۔آج کل ان کے بہت فائدے ہو رہے تھے۔رکی چارج فری تھا، شان کے گھر کھانا پینا فری ہو جاتا، پھر سکینہ تو روز پیزا منگواتی تھی اور آج تو گفٹ ملنے کی بھی توقع تھی۔

''فری! ہم بہت لکی ہیں نا؟''

''ہاں دوری! بہت لکی۔'' دونوں بچوں کی مانند خوش ہو رہی تھیں۔

☆......☆......☆

انتظامات کیا کمال کے تھے۔وچن اور سب دوستوں نے ایجنسی والے گھر کو کچھ اس طرح سے سجایا تھا کہ جیسے کوئی عالی شان ہوٹل یا کوئی ہال ہو۔پچھلے چار پانچ دن سے فری، دوری، سکی، شانی اور کمل وچن کے اس فنکشن کی تیاری کر رہے تھے۔کمل تو وڈیو بھی وائرل کر چکا تھا۔اس سب کچھ ریڈی تھا۔ فری، دوری، سکی اور شان تیار ہو کر وقت پر پہنچ گئے تھے۔سکی اور شان کی ماں بھی آئی تھی۔اپنی آنٹی ذرا مذہبی سی اسکارف اوڑھے معصوم سی لگ رہی تھی اور سکی کی والدہ نے تو وچن سے بھی فیشنی ساڑھی پہنی تھی۔ان کی کمر اور آستین واضح تھے۔فری اور دوری نے انہیں دیکھ کر سردی کی سی ایک جھرجھری بھر لی۔

''انہیں سردی نہیں لگتی کیا؟''

''ہاں دوری! پتلے لوگوں کو سردی نہیں لگتی۔''

''یہ سب کچھ ہم موٹوں کو کیوں لگتا ہے؟''

''بس قسمت قسمت کی بات ہے۔ویسے دونوں آنٹیاں کیوٹ لگ رہی ہیں۔''

''انہیں چھوڑو، کمی آنٹی کو دیکھو۔ابھی ابھی پارلر سے آئی ہیں۔'' شان نے کہا تو دونوں باہر آئیں۔ مہارت سے سجا جوڑا، موتیوں کی سفید مالا، کالر والا بلاؤز، سلک کی سادہ سفید نئے تنگ والی ساڑھی اور خوب صورت ائیر رنگ۔

''کمی آنٹی.....'' فری اور دوری نے ہاتھ کے اشارے سے زبردست کہا تو وہ اترا کر برادری کے لوگوں کی طرف آئی۔یہ محفل ان کی تھی، آج کا دن ان کا تھا۔

''کمی آنٹی کی عمر کی عورتوں کو تو دل کا دورہ پڑے گا آج عافی بھائی!'' فری اور دوری کال پر تھی۔''آ ئٹم لگ رہی ہیں۔''

''وچن کہاں ہے؟'' فری اور دوری نے اس طرف دیکھا۔وہ مہمانوں کے ساتھ مصروف تھی۔ ہر چہرہ خوش تھا، سب کے ہونٹوں پر وچن کا نام تھا۔اس نے کر دکھایا تھا۔کہاں وہ اپنی قسمت کو کوستی تھی کہ اتنی ذہین ہونے کے باوجود وہ اپنی تعلیم مکمل نہ کر سکی اور باپو جی نے اس کی شادی کروا دی اور اب پارلر بیلتی ہے لیکن جوں ہی اس نے اپنے حالات کو ایکسپٹ کر کے خوش رہنا شروع کیا، اسے رب

نے اور نوازا تھا۔ وہ رب کے سوا کسی سے کچھ نہ مانگتی تھی۔ دیپک گھر خرچ ماں کو دیتا تھا لیکن وہ کبھی ہاتھ نہ پھیلاتی تھی۔ اپنی ضروریات کو ادھر سے کھینچ کر ادھر پورا کرتی تھی اور آج دیکھو! وہ تو جیسے سلیبریٹی تھی۔

دوست، رشتے دار، میکہ، سسرال وہاں سب موجود تھے۔ بس وہ نہ تھی جن کو آنکھوں کو دیکھنے کی عادت تھی خواہ وہ کھلی ہوں یا بند۔

وچن ان دونوں کو نہ دیکھ سکتی تھی لیکن وہ دونوں وچن کو دیکھ رہے تھے۔

دیپک اپنے گھر کی چھت کے جھروکوں سے اور عافی وڈیو کال سے۔

وہ ڈارک بلیو اور گولڈن رنگ کی ساڑھی میں بے حد سادہ اور خوب صورت لگ رہی تھی۔ اس کا گلا آج بھی سونا تھا، دل بھی سونا تھا۔ وہ اسٹیج پہ کھڑی جیسے زبردستی مسکرا رہی تھی۔

کمپنی کا اگریمنٹ سائن کرنے کے بعد اسے مائیک تھمایا گیا تھا کچھ کہنے کے لیے۔

باپو جی نے زور سے تالیاں بجائی تھیں۔ وہ بہت خوش تھے، ان کا سینہ فخر سے پھولا ہوا تھا۔ وچن نے بھگوان کا شکریہ ادا کرنے کے بعد باپو جی کو مخاطب کیا۔

''باپو جی! آپ ٹھیک کہتے تھے۔ ہمیں بیٹیوں کو ہر صورت تعلیم دینی چاہیے۔ عزت اور ذلت تو رب دیتا ہے۔ بیٹیوں کو گھروں میں بٹھائے رکھنے سے بھی وہی ہوگا جو رب نے لکھا ہے تو کیوں نا ہم رب پہ بھروسہ رکھ کر بیٹیوں کو آگے بڑھائیں۔''

''میں آپ کا احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔ یہ سب آپ کا خواب تھا اور میری ساس کے تو کیا کہنے۔ انہوں نے بتا دیا ہے سب کو، ساتھ دینا ساتھ رہنا کیا ہوتا ہے۔ یہ ان ہی کی ان تھک محنت، لگن اور ہاتھ کے ذائقے کی وجہ سے ممکن ہو پایا ہے۔''

کملا امیر عورتوں کی طرح فخر سے کھڑی داد وصول کر رہی تھی۔ وچن مائیک رکھ کر جانے لگی تو عورتوں نے یکجا ہو کر کہا۔

''نہیں وچن! اتنی جلدی مت جاؤ اور بھی کہو، کچھ ہمیں اور بھی سننا ہے۔''

اب وہ کیا کہتی۔ اس نے تو بولنا بھی کم کر لیا تھا۔ لیکن باپو جی اسے اور کچھ کہنے کا کہہ رہے تھے۔

''کوئی کویتا سناؤ وچن۔'' عورتوں نے بھرپور تالیوں میں کہا تھا۔ پہلے وچن خاموش ہوگئی تھی۔ لیکن پھر جب سب نے اصرار کیا، وچن نے لمحے بھر کو سوچا اور پھر دل سے ایک کویتا گائی۔

''ایک خلش دل کی یہ کیا سے کیا کرگئی
خوشیوں کی آنکھیں بارش بھرگئی
لوگ اپنوں سے بھی بے خبر ہوگئے
خوشبوئیں پھول کے شوق میں کھوگئے
پا کے جگنو ذرا روشنی کے لیے
دل ترستا ہے اب زندگی کے لیے
سرخ پھولوں کے جو زم سائے ملے
اپنوں کی شکل میں جو پرائے ملے
ان کے پیچھے ذرا سورج کے بھاگیے
کچے رنگوں کی ہیں تتلیاں دیکھیے
ایک پل ہی ملا تھا خوشی کے لیے
دل ترستا ہے اب زندگی کے لیے
ایک خواہش میں تھی سینکڑوں آندھیاں
پل میں بکھرے سب ہی رشتوں کے آشیاں
پیاسے لب کا یہی سب کو حاصل ہوا
جستجو دریا تھی خشک ساحل ملا
کھو کے نیندیں کسی اجنبی کے لیے
دل ترستا ہے اب زندگی کے لیے''

وچن نے اس انداز میں غزل پڑھی کہ سب دنگ رہ گئے۔ یہاں اکثر موجود لوگ اس کے سونے گلے کی مانند اس کی کویتا کا مطلب بھی نہ سمجھ سکے اور بس تالیاں بجادیں۔

''لیکن باپو جی!'' وہ سب سمجھ رہے تھے۔ اس نے اوپر دیکھا تھا۔ دیپک اوپر تھا، گھر کے کپڑوں میں، عام سے حلیے میں۔

لیکن عافی...... وہ بھی سمجھ چکا تھا اب تک وچن اور دیپک ایک دوسرے سے دور تھے۔

اور دیپک...... دیپک بھی سب سمجھ رہا تھا۔ اسے وچن کی کہی لائن یاد آرہی تھی۔

''سرخ پھولوں کے جو زم سائے ملے
اپنوں کی شکل میں جو پرائے ملے
ان کے پیچھے ذرا سوچ کے بھاگیے
کچے رنگوں کی ہیں تتلیاں دیکھیے''

''بہت دور چلی گئی ہو وچن...... بہت دور...... میں چاہو بھی تو تم پر کوئی سایہ نہیں کرسکتا۔ تمہارا قد پہلے بہت بڑا تھا، اب اور بڑا ہوگیا ہے۔'' اس نے آنسو بھگوتے ہوئے سوچا تھا۔

☆......☆......☆

پہاڑوں نے اپنے ہی لوگوں کو نگل لیا تھا۔ زندگی آگے نکل آئی تھی۔ ذہن آگے نہ نکلتا تھا، خواب کی دنیا آج بھی تباہ و برباد تھی۔ وہی چیخیں، وہی پکار...... وہی بندگی کو کھودینے کا درد۔

''بندگی...... بندگی...... بندگی!'' وہ خواب میں پکار رہا تھا۔

زندگی حقیقت میں سن رہی تھی اور سنتی رہی تھی۔

''عافی! عافی! سب ٹھیک ہے۔ تم خواب دیکھ رہے ہو۔''

''بندگی...... بندگی۔'' وہ ڈرا سہا ہوا تھا۔

''عافی! تم خواب دیکھ رہے ہو۔ ٹیک اٹ ایزی۔''

''ہاں۔'' اس نے آنکھیں کھول لیں۔ اس سردی میں بھی وہ سر تا پا پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔

"عافی! تم ٹھیک ہو۔ ہم سب ساتھ ہیں۔"

"ہاں......"

"تم خواب دیکھ رہے تھے۔"

"میں خواب دیکھ رہا تھا؟"

زندگی نے اسے پانی دیا۔ وہ ہانپتے ہانپتے پانی پی کر روم سے باہر چلا گیا۔

وہ زلزلہ آگے چلا گیا تھا لیکن وہ اب بھی اس کی تباہی کا شکار تھے۔ زندگی کو جسمانی روگ تھا۔ عافی کو ذہنی روگ۔

وہ سہاروں سہاروں چل کر باہر آئی جہاں عافی کھڑا تھا۔ وہ اس خواب کے بعد بہت ڈسٹرب لگتا تھا۔

"کیا دیکھتے ہو خواب میں عافی! کیوں بندگی کو زور زور سے پکارتے ہو؟"

"میں دہرانا نہیں چاہتا زندگی۔ یہ ایک خوف ناک اذیت ہے میرے لیے۔"

"اچھا ٹھیک ہے عافی۔ اندر آ جاؤ۔ سونے کی کوشش کرو۔"

"ہاں چلو چلتے ہیں۔"

زندگی بھی بہت پریشان ہو جاتی تھی۔

☆......☆......☆

"یہ میں ہوں، یہ میری نانی ہے اور یہاں ان کے جانے کی تیاری ہو رہی ہے۔" کمل نے وڈیو کرتے ہوئے اس وقت مقبول ہونے والا ڈائیلاگ اپنے ویورز سے بولا تھا۔

نانی صاحبہ حیرانی سے پیشانی کھجا کر نئی جنریشن کی مصروفیت کے متعلق سوچ رہی تھیں۔ "یہ کس قدر تیز بچے تھے......اور نا جانے کہاں تھا ان کا بچپن۔"

کمل اس عمر میں کمانے لگ گیا تھا۔ ماں سے پڑھتا بھی تھا، لیکن کھیلتا کب تھا۔ وہ سوچ میں تھی کہ انیلا آ گئی۔

ماں نے اپنی پریشانی کا ذکر انیلا سے کیا تھا۔

''ارے ماں! وچن کا بچہ ہے، وچن سے کم ہوگا کیا۔ کھیلتا بھی ہوگا، پڑھتا تو ہے ہی۔ وچن بھی تو ایسی تھی، سندھ میں جب گرمیوں کی چھٹیاں ہوتی تھیں وہ تب بھی دھوپ چھاؤں کا بید بھاؤ کیے کتابیں پڑھتی رہتی تھی۔ کب کھیلتی تھی اور جب کبھی اگر کھیل لیتی تو ہم لڑکیاں تو لڑکیاں لڑکوں کی پکڑ میں بھی نہ آتی۔ میں تو کہتی تھی اسے دوڑ کروانی چاہیے۔ وہاں سے بھی جیت آئے گی، ملک کا نام روشن کرے گی۔''

اماں چپ ہوگئی۔ کیا کہتی۔ وہ تو اسے پڑھا کر پچھتا رہی تھی۔

''کیوں اماں! آپ وچن کی کامیابیوں سے خوش نہیں کیا؟''

''نہیں ایسا نہیں ہے۔'' ماں نے اوپری دل سے کہہ دیا تھا لیکن وہ بھی تو ایک عورت تھی۔ وہ جانتی تھی ایک پرائے گھر کو اپنا بنانے میں عورت کو خود کو کیسے جلاتی ہے، کیسے بجھاتی ہے، پھر جا کے گھر بستا ہے۔ رشتے بنتے ہیں، عورت پھر جا کے ایک لڑکی سے عورت بنتی ہے۔ وچن کو یا تو وہ پڑھاتے ہی نہیں یا پڑھاتے تو اس کی سنگا بندی میں جلد بازی نہ کرتے۔ اسے پڑھائی پوری کرنے دیتے۔ کچھ بننے دیتے......آج اماں پچھتا رہی تھی جب اپنی بیٹی کو تنہا دیکھ رہی تھی۔ وہ ایک ہفتے سے یہاں تھے اور دیپک کو دیکھا تک نہ تھا۔

نا جانے کیا ہوگا؟ وچن اتنی کامیاب ہوتی جاتی تھی اور پھر جب سب کو پتا چلا، ان کے آپس کا رشتہ تو وچن اتنی ہی بدنام ہوگی، جتنا اس کا نام تھا۔

اماں کی اکھیاں بھر آئیں۔

انیلا وچن کی باتیں کر رہی تھی کہ کملا آ گئی۔ کملا اور انیلا کی ساس کا چھتیس کا اکھڑا بڑا مشہور رہتا تھا۔ جانی دشمن سی تھیں وہ ایک دوسرے کی۔ ان کی دشمنی جوانی سے اب تک قائم تھی لیکن اب کملا بدلی تھی۔ انیلا کو دیکھتے ہی اس کی ساس کی خیریت معلوم کی۔

انیلا کملا کے اس عمل پر حیران سی رہ گئی۔ کملا ماسی تو بالکل بدل گئی تھی ورنہ وہ اور اس کی ساس کی خیریت۔ وہ تو مندر میں ہوں بھی تو منہ ایک دوسرے سے موڑ لیتی تھی، رستے میں دیکھ جائیں تو گھونگھٹ اوڑھ لیتی۔

"کبھی لاؤ اسے گھر ہمارے۔ یاد تو کریں کہ دل کھٹا کیوں کر بیٹھی تھیں۔ کیوں یہ رنجش پالی تھی۔ نصیب تو دونوں کا ایک سا تھا وہ بھی بیوہ میں بھی بیوہ......" کملا نے آہ بھر کے کہا تھا۔

"نا جانے کتنی سانسیں بچی ہیں۔ اگلی بار آئے تو اسے لے آنا" کملا کہہ کر وچن کے پاس چلی آئی جوان کی باتیں سن چکی تھی۔

"وا! اماں جی بڑی نیکیاں ہوں رہی ہیں دشمنوں کو گھر بلایا جا رہا ہے۔" وچن نے مزے سے کہا تھا۔

"بس بہو اب اس عمر میں بھی نہ سمجھوں گی تو کب سمجھوں گی کہ مہمان ہوں اس دنیا میں اور مہمان وہی اچھا ہوتا ہے جو آدابِ مہمانی جانتا ہو۔"

"ویسے آپ کی عمر کو کیا ہوا ہے؟ لٹکے جھٹکے دیکھے ہیں اپنے؟"

"وہ تو بس یوں ہی۔ اچھا یہ بتا، عافی کیوں نہیں آیا تھا ہمارے فنکشن میں؟"

"دیپک نے ایسے میسج کیے تھے۔ کیسے آتا۔"

"تجھ سے پوچھا تھا اس نے کچھ؟"

"ہاں پوچھا تھا۔"

"ارے تو کوئی بات بنا دیتی، ضرور سچ بتا آئی ہوگی۔"

"ہماری دوستی میں جھوٹ کی کبھی گنجائش نہیں رہی ماں جی۔ کیسے جھوٹ بولتی۔"

"تو سچ بول دیا۔ کیا سوچتا ہوگا وہ۔ اس نے کتنی بھلائی کی ہم سے۔"

"کیا سوچے گا وہ جانتا ہے یہ مسئلہ ازل سے تھا اور شاید ابد تک رہے گا۔ انسان انسان پیدا ہوا تھا لیکن انسانیت بھول بیٹھا اور خود کو اپنے وجود کو بس مذہب سمجھ بیٹھا ہے۔"

"ہوں! عافی بہت اچھا لڑکا ہے۔ تمہیں اس طرح اس کا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔ اپنے دوست کے ساتھ ایسا رویہ اچھا نہیں ہوتا۔"

"کچھ چیزیں ہمارے بس میں نہیں ہوتیں۔ مجھے دیپک نے میری ہی نظروں میں گرا دیا ہے۔ جب خود سے نظریں ملاؤں تو سوچوں گی۔ اماں! میں کتنی ناکام رہی ہوں۔ دیپک کو احساس تک نہیں دلا

سکی کہ وہ میرے لیے کیا ہے۔ محبت لفظوں کی محتاج ہوتی ہے؟ عمل سے یہ ظاہر نہیں ہوتی۔ آنکھیں بتا نہیں پاتیں دل کا حال اور نہ ہی ذہن ٹھیک ترجمانی کر کے زبان کو اتھلا پتھلا کر بیان کروا سکتا ہے۔ محبت ایک اندھا یقین ہے اور اندا پن جو بھی ہو، ہے تو ایک عجیب ہی۔'' وچن نے گہری سانس لے کر دلی حال بیان کیا۔

کملا بھی خاموش بیٹھی تھی۔ وہ جب جب وچن سے بات کرتی اس کی سوچوں کے در جیسے کھل جاتے۔ دونوں ساس بہو اپنی اپنی سوچوں میں مصروف تھے کہ وچن کی ماں کی آواز آئی۔

''دیپک بابو! بڑا یاد کیا ہم نے آپ کو آپ آئے نہیں۔'' کملا اور وچن نے ایک دوسرے کو دیکھے بنا باہر دیکھا۔

دیپک وچن کی ماں سے بات چیت کر رہا تھا۔

''اب کیوں آیا ہے ماں جی، آپ کا بیٹا؟''

''اب آ ہی تو گیا ہے۔''

''نہ ماں جی نہ۔ جانے کے لیے آنا، آنا نہیں ہوتا۔''

''وچن! ابھی تو تو نے کہا محبت لفظوں کی محتاج ہوتی ہے۔ وہ آ گیا ہے تو اب لفظ بھی ڈھونڈ لے گا۔ پتی ہے تمہارا۔''

اب وہ کیا کہتی۔ پتی پتنی کا رشتہ تو ہوتا ہی محبت کے لیے ہے۔ وہ پتی ہے اس لیے جب دل چاہے آتا ہے، جاتا ہے، محبوب ہوتا تو ٹھہر ہی جاتا۔ نہ آتا اور نہ ہی جا سکتا۔

☆......☆......☆

راولپنڈی اسٹیشن میں معمول کی بھیڑ بھاڑ تھی۔ لوگ اپنی اپنی منزلوں کی تاک میں نظر آ رہے تھے۔ ماں، باپو جی کا زیادہ سامان نہ تھا بس دو چھوٹے سائز کے بیگ تھے۔ جو دیپک کا ملازم اٹھائے آ رہا تھا۔ دیپک ماں، باپو جی کے ساتھ یہاں وہاں کی باتیں کرتا ہوا ٹرین کی جانب بڑھ رہا تھا۔ ساتھ میں وہ ایک آدھ نظر وچن پر بھی ڈال لیتا۔

اس کا گلا خالی تھا۔ آنکھیں بھی خالی تھیں لیکن چہرے پر کوئی شکن نہ تھی۔ وہ پر اعتماد تھی۔ ویسے جب جب باپو جی کو اسٹیشن چھوڑنے آتی رو رو کے اس کا برا حال ہو رہا ہوتا لیکن آج اس کی آنکھ سے ایک آنسو تک نہ گرا۔ ماں باپو جی دعائیں دیتے ہوئے چلے گئے تھے۔ کمل دیر تک ہاتھ ہلا کر بائے کرتا رہا تھا۔ ٹرین دور جاتے جاتے آنکھوں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ کمل نے موڑ کر ماں کو دیکھا۔

"مما! آج آپ روئی نہیں؟"

"اب رونا نہیں آتا بیٹا۔"

"کیوں...... کیا آپ بڑی ہو گئی ہیں۔"

"نہیں...... بہت چھوٹی ہو گئی ہوں۔"

"ہاہاہا مما Stop kidding"

"نہیں بیٹا، میں مذاق نہیں کر رہی بس جانے والوں کو جانے دینا سیکھ گئی ہوں۔" اس نے کہا اور آگے بڑھ آئی۔

"پاپا! مما آپ سے خفا ہیں کیا؟"

"تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"کیونکہ اب وہ چھپ چھپ کے روتی نہیں۔"

"پہلے روتی تھی کیا؟"

"ہاں روتی تھی۔ آپ جب جب ان سے بات نہیں کرتے تھے وہ روتی تھی لیکن اب شاید آپ سے وہ ناراض ہیں اس لیے نہیں روتی۔"

"نہیں! ایسی کوئی بات نہیں بس وہ بزی ہیں۔"

"ہاں پاپا! وہ تو ہیں، مما اب بہت بزی رہتی ہیں۔ پہلے میرے ساتھ گیم کھیلتی تھیں لیکن اب تو موبائل ہی نہیں اٹھاتی۔ کوئی کام ہوتا ہے تو دادی کا موبائل اٹھا لیتی ہیں۔"

"ہوں...... ان کا موبائل کمرے میں پڑا ہے۔ کل دے دینا انہیں۔ اب چلیں۔"

''گھر نہیں چلتے پاپا۔ حسن ابدال چلیں۔ میں بہت دنوں سے بڑے مندر نہیں گیا۔''

''گوردوارے؟ میں بھی بہت دنوں سے نہیں گیا۔''

وچن چلی گئی تھی۔ وہ گوردوارے آئے تھے۔

☆......☆......☆

''ویری گڈ مسز عافی.....you can do it''

فزیوتھراپسٹ سامنے کھڑی حوصلہ افزائی کر رہی تھی۔ وہ باتھ روبز اور باتھ سلیپرز میں ملبوس چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا رہی تھی۔ اس کے کلر ہیرس کی لٹیں گارڈن میں چلتی ہوا کے باعث لہرا رہی تھیں۔

''ویل ڈن...... ویل ڈن مسز عافی...... ویل ڈن۔'' دو ٹرینڈ خواتین اس کے دائیں بائیں کھڑی تھیں تا کہ قدم لڑکھانے پر وہ اسے تھام لیں لیکن وہ ہمت کر کے آگے بڑھ رہی تھی۔ سالوں سے سوئے اس کے مسلز بری طرح کھنچ رہے تھے۔ وہ درد شدید درد محسوس کر رہی تھی۔

''گڈ جاب...... گڈ جاب...... سم مورفیٹ مسز عافی۔ بس کچھ اور قدم۔'' فزیوتھراپسٹ آگے بڑھنے کے لیے رہنمائی کر رہی تھی۔ زندگی دم سادھے ہانپتی کانپتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی لیکن اب بس اس کی ہمت جواب دے رہی تھی۔ وہ گرنے لگی تھی، خواتین نے اسے گرنے سے بچا لیا تھا۔ وہ پسینے سے شرابور ہو چکی تھی۔ سانسیں جیسے ٹوٹ ٹوٹ کے آ جا رہی تھیں۔ چہرہ بے حد سرخ پیلا ہو گیا تھا۔

عافی ابھی ابھی آیا تھا۔ اسے تکلیف میں دیکھ کر دردمندی سے اس کی جانب فوراً بڑے بڑے قدم اٹھاتے ہوئے آیا۔

''تم ٹھیک تو ہو۔'' اس نے اسے جوس پلایا تھا۔

''ٹھیک ہو رہی ہوں۔'' اس نے زبردستی ہنستے ہوئے کہا۔ اس کے دل کی دھڑکن بہت تیز چل رہی تھی۔

''جلدی کیا ہے زندگی You can tack your time''

''تمہیں نہیں پتا عافی، تم نے مجھے کیا کچھ دے دیا ہے۔ میں بس اس سب کے قابل بننا چاہتی

ہوں، تمہارے قابل بننا چاہتی ہوں۔"

"تم قابل ہو زندگی۔ خود کو یوں اذیت نہ دو، میں تمہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔"

"میں خوش ہوں عافی۔ پتا ہے میں کیا چاہتی ہوں؟"

"کیا؟"

"میں تمہارے ہاتھ میں ہاتھ لیے یہ ساری دنیا دیکھنا چاہتی ہوں۔ تمہارے قدموں سے قدم ملا کر۔"

"زندگی پلیز ڈونٹ بی سلی۔ اپنا خیال رکھو۔"

"اچھا اچھا رکھوں گی اپنا خیال۔"

عافی فزیوتھراپسٹ کو سلو ٹریٹمینٹ کرنے کو کہہ رہا تھا۔

"نو مسٹر عافی! آپ کی مسز ریکوری کی اہل ہیں۔ یہ بہت بہادر خاتون ہیں۔ وہ ٹھیک ہونا چاہتی ہیں، جلدی چلنا چاہتی ہیں۔ انہیں اب کون روک سکتا ہے۔"

"زندگی ٹھیک ہو رہی ہے؟"

"یس مسٹر عافی۔"

"او یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" عافی نے خوش ہو کر زندگی کا صدقہ نوٹوں سے اتارا اور سارے پیسے ملازموں میں بانٹ دیئے۔

"مسز عافی! آپ بہت لکی ہیں۔ آپ کے ہزبینڈ لوونگ ہیں۔"

"وہ تو ہیں۔" زندگی نے عافی کی طرف دیکھ کر خوش ہوتے ہوئے کہا تھا۔

☆......☆......☆

دیپک گھر آیا تو اسے کمل کی بات یاد آئی۔

اس نے اپنے کمرے میں وچن کا موبائل تلاشا اور اسے زیادہ محنت کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ سامنے والی دراز میں ہی وچن کا موبائل پڑا تھا۔ اس کی بیٹری وچن کے دل کی مانند ست پڑ چکی تھی۔ دیپک نے موبائل چارج پر رکھا تھا اور خود ماں کے پاس آ بیٹھا تھا آج اسے شکایت تھی ماں سے

کہ وہ بہت بزی رہتی ہیں۔
''کہاں بزی رہتی ہوں۔بس مشغول رہتی ہوں اب میں کملا فرائیڈ ایجنسی کی مالکن جو ہوں۔''
ماں نے خوشی سے کہا کہ دیپک بھی مسکرا دیا۔
''آج کل آپ کالا چشمہ نہیں پہنتیں؟''
''وچن کہتی ہے یہ سورج کی روشنی میں پہنا جاتا ہے اور آج تو بادل ہی بادل ہیں۔''
''بہت کچھ سکھا دیا ہے آپ کو آپ کی پڑھی لکھی بہو نے۔''
''ہاں بہت کچھ سیکھا ہے میں نے تیری پڑھی لکھی پتنی سے۔سب سے زیادہ تو اس نے مجھے خوش رہنا سکھایا ہے۔دیکھو میں کتنی خوش ہوں اور اس نے کہاں خوش رہنا سکھایا۔پہلے تو لڑتی جھگڑتی رہتی تھی۔سچ کہوں تو دیپک، وہ لڑنے جھگڑنے والی تھی ہی نہیں۔میں ہی اپنا سکہ گھر میں چوکھا رکھنے کے لیے مستی کیا کرتی تھی۔'' کملا نے ایک آنکھ بند کرتے ہوئے کہا تھا۔
''نہ ماں جی میں نہ مانو۔آپ اسے بے وجہ چھپا رہی ہیں۔''
''نہیں ایسا نہیں ہے۔ارے تیری پتنی تو ایسے سب سمجھ گئی تھی اور ایسے ترنت سارے کام کر جاتی تھی کہ میں ڈر جاتی تھی کہ کہیں میں پیچھے نہ چھوٹ جاؤں۔سچ کہوں تو میں اس کی رفتار سے کبھی اپنی رفتار ملا ہی نہ سکی۔اس لیے اسے تنگ کرتی رہتی تھی تاکہ تو جورو کا غلام نہ بن جائے۔لیکن تو تو......'' کملا خاموش ہوگئی۔کچھ دیر پہلے والی ہنس مکھ کملا کے چہرے پر بھرپور اداسی بھر آئی۔
''کیا ہوا اماں؟''
''بہت برا ہوگیا دیپک کپور۔بڑا پاپ ہوگیا، پہلے مجھ سے اور اب تجھ سے۔ہم نے پرائی اولاد کو اپنے گھر لا کر اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔جبکہ اس نے تو ہمیشہ ہمیں اپنا مانا، پڑھی لکھی لڑکی تھی صرف کتابیں پڑھنا جانتی تھی، کوئی چالاکی نہیں جانتی تھی اور ہم بڑے چالاک تھے، کیونکہ وہ کتابی دنیا میں رہتی تھی اور ہم اصلی والی دنیا میں رہنے والے تھے، اسے اچھائی، سچائی، وفاداری کے سبق آتے تھے اس کی اخلاقیات بلند تھیں اور ہم کیا جانتے تھے۔وہ کورا کاغذ تھی ہم نے جیسا جیسا لکھا اس پہ وہ خود کو

ویسے ویسے ڈالتی گئی۔ میں نے دن رات اسے رسوئی میں ڈالے رکھا۔ وہ رسوئی میں پڑی سارے کام کرتی رہی۔ گھر کے کام بھی کروائے۔ پاپڑ بھی بیلوائے۔ اور وہ چپ چاپ ہمارے کام کرتی رہی۔ ہمارے ونش کو آگے بڑھایا، ہمارے گھر کے رازوں کو راز رکھا اور ہم، تم کیا کرتے رہے؟ میں مالکن بنی پھرتی رہی۔ ٹکے ٹکے کا حساب کرتی تھی میں اس سے۔ وہ کچھ مانگتی تو میں ہنگامے شروع کر دیتی تھی۔ نا جانے کیسی ناسمجھی تھی۔ میں اسے بہت ستاتی تھی دیپک۔ شاید ڈرتی تھی تیرے سوا میرا کوئی نہ تھا۔ مجھے لگتا تھا وہ تجھے مجھ سے دور لے جائے گی۔ لیکن دیکھ میں کیا کر بیٹھی تجھے اس سے دور کر بیٹھی۔''

''نہیں ماں جی۔ یہ ہر گھر میں چلتا ہے آپ دل پر بوجھ نہ لیں۔''

''کیسے نہ لوں دل پر بوجھ۔ میں کون کون سی خطا مانوں۔ دیپک! جو تو مجھے گھر خرچ کے لیے پیسے دیتا تھا نا وہ میں صرف گھر میں خرچ کرتی تھی۔ جو بچ جاتا تھا دھان کر لیتی تھی لیکن بہو کے ہاتھ خالی رکھتی تھی۔ نا جانے وہ اپنی ضروریات کیسے پوری کرتی تھی۔''

''ماں جی۔'' حیرت سے دیپک کے ماتھے شکنیں ابھر آئیں۔

''دیپک! بہت پاپی ہے تیری ماں اور مطلبی بھی۔ اور تجھ سے کیا گلہ کروں۔ تو بھی مجھ پہ ہی تو گیا ہے، تو نے بھی تو اس کورے کاغذ پر اپنی مرضی سے سب لکھا۔ اسے پڑھنے لکھنے نہ دیا۔ وہ من مار کر گھر بیٹھ گئی۔ آج سوچتی ہوں ہم سے اتنی زیادتیاں کیوں ہوئیں۔ تو ایک ہی جواب ملتا ہے کہ وچن پڑھی لکھی تھی اور ہم ان پڑھ۔

ہمیں لگتا تھا ایک پڑھی لکھی لڑکی آئے گی اور پڑھائی جھاڑ جھاڑ کر ہم پر زور آور ہو جائے گی لیکن ہم بھول گئے تھے ہم سے زور آور کون ہو سکتا تھا۔ ہم بہت زور آور ثابت ہوئے۔ اتنے زور آور کے رشتوں کا بھرم بھی توڑ بیٹھے، اس کا پڑھنا لکھنا عیب نہ تھا لیکن ہم نے عیب سمجھ لیا۔ ہم لوگوں کی باتوں میں اتنا آگئے کہ بھول بیٹھے کہ تمہیں تو وہ پہلی نظر میں بھا گئی تھی اور سچ یہ ہے کہ میں نے بھی جب اسے پہلی بار دیکھا تھا تو دیکھتی رہ گئی تھی۔'' کملا یادوں کے میلے میں پیچھے چلی آئی تھی۔ جہاں وہ پہلی بار وچن کے ٹوٹے پھوٹے گھر میں بنارسی کی ساڑھی اور سونے کے زیور پہنے ہوئے بیٹھی تھی۔

وہ اس گھر کی چار دیواری کو دیکھ کر جیسے منہ بنا رہی تھی وچن کو دیکھ کر اتنا اپنے بیٹے کی پسند کو سراہ رہی تھی۔

وچن کی ماں بتا رہی تھی اسے کیا کیا آتا ہے لیکن کملا نے روک لیا۔ وہ کہنے لگی کہ اس کا اکلوتا بیٹا ہے اور اب وہ بہو نہیں بیٹی لینے آئی ہے اسے جو جو آتا ہے سو ٹھیک ہے۔ جو جو نہیں آتا میں خود سکھا دوں گی۔

کملا کی بات سن کر وچن کی ماں حیران، خوش اور چپ ہو گئی۔ شاید وہ اس اثناء میں یہ کہنا ہی بھول گئی کہ ان کی بیٹی پڑھی تھی ہے۔

"میں بہت خوش تھی۔ میں نے رسم کر لی تھی۔ سب میں مٹھائی بانٹ لی تھی۔ وچن کی آواز، دھیما لہجہ، اس کا چہرہ، اس کے اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے کا سلیقہ میرے دل میں گھر کر گیا تھا۔ میں بہت خوش تھی تمہارے لیے۔ اپنے لیے بہت خوش تھی۔ شکر بھی کر رہی تھی لیکن جوں ہی مجھے تیری دور کی پھوپھی نے بتایا کہ وچن پڑھی لکھی ہے تو میں نے اس سے کہا تھا کہ سب اسکول جاتے ہیں، آج کل کی ساری لڑکیاں اسکول جاتی ہیں لیکن سنبھالنا تو گھر ہوتا ہے۔

ارے وچن اسکول نہیں جاتی وہ تو اسکول کے بچوں کو پڑھاتی ہے ماسٹر رانی ہے۔ خود کالج میں پڑھی ہے اتنے انعام جیتتی ہے۔ شہر کے کالج بھی پڑھ آئی ہے۔ وچن کے باپو اسے اپنا بیٹا سمجھتے ہیں تو سمجھ لڑکی نہیں لڑکا لے جا رہی ہے۔ وچن تو لڑکوں کی طرح کماتی ہے۔

بس وہ ہی پل تھا دیپک...... مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا، بس اسی پل میں بہو سے کھنچ گئی لیکن کیا کرتی رسم کر آئی تھی۔ یہاں آئی تو لوگوں نے خوب جتایا کہ وہ پڑھی لکھی ہے، ہاتھ نہ آئے گی۔ اور بس میں......"

کملا رو رہی تھی۔

"مجھ سے پاپ ہو گیا دیپک۔ تم نے سے بھی پاپ ہو گیا۔ ہم اس کو پڑھ لکھ لینے کی سزا دیتے رہے اور دیکھو! ہماری کیسے سن لی بھگوان نے۔ کیسی مصیبت آئی بہو پہ۔ کیسے اس نے ڈگریاں چھوڑ دیں۔ کتنا دکھ ہوا ہوگا اسے ان کاغذوں سے تعلق توڑتے ہوئے جو اس نے دن رات اتنے سالوں کی

محنت سے حاصل کیے تھے۔اس کے سب دکھوں کی وجہ ہم ہیں دیپک۔ پر وہ کبھی سمجھے گی نہیں، بڑا ہی بلند اخلاق ہے اس کا۔"

"ماں! آپ دل پر بوجھ نہ لیں۔ جو ہونا تھا ہو گیا۔ دراصل آپ کو وچن میں اب موہ پڑ گیا ہے اس لیے آپ سارے دوش اپنے میں نکال رہی ہیں۔"

"اس نے موہ ہر لیا ہے دیپک۔تو اس کا قصور گنوا مجھے، جو تو اسے قصوروار سمجھتا ہے۔"

"ماں! آپ سو جائیں۔" دیپک کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے اپنی ماں کو خود ترسی سے بچائے۔اس نے جیسے تیسے بہلا پھسلا کر اپنی ماں کو سلا دیا تھا اور کمرے میں آ گیا۔

وچن کا موبائل چارج ہو چکا تھا۔اس نے موبائل چارجر سے ریمو کیا، ماں کی کہی باتیں اس کے ذہن میں ارتعاش کر رہی تھیں۔اسی اثنا میں اس سے وچن کے موبائل کا واٹس ایپ اوپن ہو گیا تھا۔

اس نے گروپ میں خوش ہو کر لکھا تھا۔

"دیپک آ گیا ہے۔" شاید فری نے پوچھا تھا۔

"کیسا لگ رہا ہے؟"

"جیسے میری دنیا مجھے مل گئی ہو۔"

"بہت محبت کرتی ہو تم اپنے شوہر سے۔"

"بہت زیادہ۔تمہاری سوچ سے بھی زیادہ۔اپنی سوچ سے بھی زیادہ۔بہت زیادہ۔"

"کبھی وہ کہیں چلا جائے تو۔" فری کے اس میسج کا جواب عافی نے دیا تھا۔

"نہ کہو ایسا وچن کو کہیں کچھ ہو نہ جائے۔اس کے لیے اگر کوئی دعا بھی مانگنی ہے تو سدا سہاگن رہنے کی مانگنا۔"

"عافی بھائی! آپ وچن کو بہت اچھے سے جانتے ہیں۔"

"کیسے نہیں جانوں گا۔سارا دن دیپک کی باتیں کر کر کے سر کھاتی ہے۔سچ کہوں تو وچن سے سن سن کر میں دیپک نامہ لکھ سکتا ہوں۔"

"لکھنا بھی چاہیے تمہیں عافی۔ میرے ڈیپک ہیں ہی اتنے اچھے۔" یہ میسج وچن نے لکھا تھا۔
"مبارک ہو وچن۔ ڈیپک آ گیا۔" یہ میسج دوری نے کیا تھا اور پھر فوراً ہی ایک میسج آیا تھا اس کا۔
"کیا لایا ہے تمہارے لیے؟"
"میرے لیے تو ان کا آنا ہی بہت ہے۔ مجھے اس کے سوا کچھ نہیں چاہیے۔"
"عافی بھائی ٹھیک کہتے ہیں۔ اسے بس سدا سہاگن رہنے کی دعا دو۔"
پھر سارے گھر گروپ ممبرز نے اسے سدا سہاگن رہنے کی دعا دی اور وہ سب کو شکریہ کہہ رہی تھی۔
اس کے بعد وچن کا کوئی میسج نہ تھا۔ گروپ ممبرز کے میسجز تھے۔
"کہاں ہو وچن؟ ڈیپک آ گیا ہمیں بھول گئی؟"
"ہاں بھئی ہاں۔ ہم جانتے ہیں تمہیں تمہارے شوہر سے کتنی محبت ہے لیکن ہم بھی تو تمہارے دوست ہیں۔"
پھر بہت سے میسج اس کی گروپ سے گم شدگی کے متعلق تھے۔ اس گروپ میں کملا بھی ایڈ تھی اور کمل بھی۔ کمل نے سب کو میسج کیا تھا۔
"مما اب موبائل استعمال نہیں کر رہیں۔"
اور پھر عافی نے لیفٹ کر دیا تھا جس کا سب سے زیادہ افسوس کمل کو ہوا تھا۔

❁ ❁

ناول **رنگِ حیات** کی اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی **20** تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

قسط نمبر 10

فری اور دوری ہاتھوں میں ہاتھ لیے راولپنڈی کی گلیوں میں شاپنگ کر رہی تھیں، یہ فراخدلی پیپروں سے نجات کی خوشی میں تھی۔ان کے سیکنڈ ائیر کے پیپر اختتام پذیر ہو چکے تھے۔آج ان دونوں نے بھڑکیلا پنک کلر زیبِ تن کیا ہوا تھا۔شلواریں وائٹ تھیں اور وائٹ ہی دوپٹہ تھا لیکن سینڈلز پنک تھے اور بریسلیٹ بھی پنک ہی تھا۔

ان دونوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔پیپر بھی اچھے ہوئے تھے۔شان کو اپنی زندگی کی طرف لانے کے لیے جو انہوں نے کتابیں کھول کھول کر اس سے الٹے سیدھے سوال پوچھنے شروع کیے تھے تو وہ ایک نیکی تھی اور اس نیکی کا صلہ یہ تھا کہ اب انہیں مشکل سے مشکل ٹاپک بھی سمجھ آنے لگے تھے پھر استاد دوست تھا اور ہم عمر بھی اور خود ایک طالب علم وہ اچھی طرح سمجھتا تھا۔وہ دونوں کیا پوچھنا چاہیں گے۔کہاں اٹکیں گی، کیا سمجھ نہیں پائیں گی کیا مشکل لگے گا۔کیا اسے آسانی سے سمجھ پائے گی۔کیسی مثالیں دے کر سمجھانا چاہیے۔

بہرحال پیپر شاندار رہے اور اب بوجھ ہلکا ہو چکا تھا تو جیب بھی ہلکا کر رہی تھیں۔دونوں نے بہت سی شاپنگ کی اور پھر ایک جگہ آ کر ٹھہر گئیں۔

''مکمل ساڑھی سینٹر۔'' الیکٹرک بورڈ پر روشن اکھروں پر لکھا تھا۔

''وچن کے پتی کی دکان۔''

''ہاں دوری۔''

''چلیں کیا۔''

''بہت مہنگے کپڑے لگ رہے ہیں۔''

''ایسے ہی دیکھ کر آتے ہیں۔خریدیں گی کچھ نہیں۔''

''ہاں فری،ٹھیک ہے خریدیں گی کچھ نہیں۔''

دیپک شاپ میں موجود تھالیکن تھاوہ ایک کیبن میں۔ جہاں درمیانے سائز کی چار دیواری کے ہوسو،اس کی دکان کا ہرایک کونا سی سی ٹی وی فوٹیج کے ذریعے دیکھا جا سکتا تھا۔وہ جیل کی مدد سے سارے بالوں کواوپر اٹھائے ہلکی گرے شرٹ میں کافی فریش لگ رہی تھی،اس کی توجہ ساڑھی ڈیلر کی طرف تھی۔یہ ایک انڈیشن ساڑھی برینڈ تھا جو دنیا میں انڈین ساڑھیوں کوانٹرڈیو کروا تھا۔

''ہمارے ہاں ساڑھیاں زیادہ تر شادی بیاہ کی تقریباً کے لیے ہی خریدی جاتی ہیں۔ یہاں ایک ایسے برینڈ کی ساڑھی کیونکر بکے گی جس کا پرنٹ سادہ ہو۔اور کام سمپل۔ایسی ساڑھیاں اگر آرڈر پراپنے ملک میں بناؤں تو میرا اور کسٹمرز دونوں کا فائدہ ہوگا۔''

''آپ کو ہر طرح کا فائدہ دیں سکتے ہیں اور ہمارا مشرہ بھی یہی ہے کہ آپ اپنا سوچیں، بہت فائدے میں رہیں گے۔''

''باجی! بات کچھ یوں ہے کہ ہم مانتے ہیں گاہک بھگوان بھیجتے ہیں۔ انسان، انسان سے ہوشیاری کر کے کما سکتا ہے لیکن بھگوان سے کیسی ہوشیاری۔ایسے فائدے ہمیں راس نہیں آتے۔''

''آپ سوچ لیں سیٹھ دیپک۔کہیں اس بے وقوفی پر بعد میں پشیمان نہ ہوں۔''

''آپ سے ایک بات کہوں؟''

''جی سیٹھ،کہیں۔''

''باجی! کبھی کبھی ایسی بے وقوفیاں آپ بھی کر لیا کریں۔''

''ایسی بے وقوفیاں قدرت کو بہت پسند آتی ہیں......'' دیپک نے آخری جملہ کہا۔

ڈیلر کچھ اور کہنا چاہتا تھا لیکن دکان کے مینیجر نے ہاتھ کے اشارے سے روک لیا۔

دیپک جانے لگا تھا کہ اس کی نظر سی ٹی وی پر پڑی۔

''فری اور دوری۔''اب اسے ان کے نام رٹ گئے تھے۔وہ فوراً باہر آیا۔
فری اور دوری کو دیپک کی دکان کے ایک چیکو ورکر نے گھیر لیا تھا اور ساڑھیاں کھول کھول کر دکھا رہا تھا۔
''نہیں بھئی نہیں، بس اور مت دکھائیں۔''
''نہیں نہیں۔کوئی مسئلہ نہیں۔آپ دیکھ لیں، پسند کر لیں۔''
''نہیں بھائی۔ہم ساڑھی نہیں خریدیں گی۔''
''کیوں؟''
اب کیا کہتی کہ وہ موی تھیں۔خاموش ہو گئیں۔
سوال پھر دہرایا گیا۔''اب یہ عزت افزائی کرے گا کہ خریدنی نہیں تھی تو دکان پہ آئی کیوں۔''
''ہاں دوری!نہیں آنا چاہیے تھا۔''
انہوں نے بہت ہی آہستہ کہا تھا۔وہ گھبرائی ہوئی لگ رہی تھی۔
''ارے کیوں نہیں آنا چاہیے تھا؟آپ کی اپنی دکان ہے،جب چاہے آئیں۔''یہ دیپک تھا۔
''آپ......دیپک بھائی ہیں نا؟''
''ہاں بالکل۔آپ نے کیسے پہچانا مجھے؟''
''وچن نے بتایا تھا۔آپ کی چن پر ڈمپل پڑتا ہے جو اسے بہت پسند ہے۔''
یہ بات سن کر دیپک سمیت منیجر بھی مسکرایا تھا۔وہ دونوں بہت زیادہ زیادہ سچ کہہ کر بہت زیادہ شرمائی اور ہچکچائی تھی۔جس کے بعد فوراً ہی معافی مانگ لی۔
''سوری دیپک بھائی۔''
''نہیں،وچن کی ساتھی ہیں آپ۔اس کی طرح اخلاق کی بھی پکی ہوں گی۔جھوٹ بولنا کہاں آتا ہوگا آپ کو۔''
''ہاہاہا۔''وہ اپنی تعریف سن کر کھلکھلا اٹھی۔

''آپ کیا لیں گی؟''

''کچھ نہیں دیپک بھائی۔ہم تو بس ایسے ہی دکان دیکھنے آئی تھیں۔''

''گیتا بہن کو بلاؤ۔ان سے کہو انہیں ساری دکھان دکھائیں۔اوران کے لیے کچھ چائے وغیرہ کا بھی انتظام کیا جائے۔میری دھرم پتنی کی خاص سہیلیاں ہیں یہ۔''

دیپک کا اتنا کہنا تھا کہ سارے سینٹر والے ان کی طرف متوجہ ہوئے۔گیتا نے انہیں دکان کا کونا کونا دکھایا۔یہاں ساڑھیوں کے علاوہ لہنگے،شرارے،فینسی میکسیاں،غرارے،فراکیں اور دیدہ زیب قمیض شلوار اور مہنگے ترین دوپٹے اور چنریاں بھی دستیاب ہیں۔

دوری اور فری مہنگے ترین ملبوسات کے ٹرانس میں تھیں۔پھر سینٹر کی سجاوٹ اور ماحول کا بھی اثر تھا۔

کچھ دیر بعد دیپک کا ایک ملازم ان کے لیے چائے اور دیگر لوازمات لایا تھا۔انہیں پیزا اور سب کچھ بہت پسند تھے۔

''دیپک بھائی!آپ کو کیسے پتا۔ہمیں یہ سب پسند ہیں۔''

''مجھے تو اور بھی بہت کچھ پتا ہے۔''دیپک نے مسکرا کر کہا تو اس کے چہرے کا ڈمپل مزید دلکش لگنے لگا تھا۔

''اچھا اور کیا جانتے ہیں آپ دیپک بھائی؟''

''یہ کہ آپ دونوں کا ایک دوسرے کے بنا گزارا نہیں اور آپ کے پیپر آج ختم ہوئے ہیں۔''

''ہاں۔''موتیوں کے منہ کھل گئے۔پیزا منہ میں تھا۔دراصل دیپک نے غیر متوقع بات کی تھی۔

''ارے آپ کو کیسے پتا؟''دیپک کے جواب دینے سے پہلے ہی ان دونوں نے سرگوشی کی۔

''ضرور وچن نے بتایا ہوگا۔''دیپک کے گستاخ کانوں نے سن لی۔

''نہیں وچن نے تو بالکل نہیں کہا۔''

''نہیں۔ہم نہیں مانیں گی۔ہم جانتی ہیں وچن آپ سے بہت محبت کرتی ہے۔آپ سے باتیں بھی شیئر کرتی ہوں۔''

دیپک کی دلچسپی بڑھی تھی۔

''اچھا مجھے تو نہیں بتاتی کہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔''

''شرماتی ہوگی نا دیپک بھائی لیکن ہمیں سب بتاتی ہے۔ کہتی ہے ان کی منگنی ارینج منگنی تھی لیکن شادی لو میرج۔ یعنی شادی ہوتے ہوتے انہیں آپ سے محبت ہوگئی تھی۔''

''لیکن اس نے تو مجھے کبھی دیکھا بھی نہ تھا۔''

''لیکن سنا تو تھا آپ کے متعلق۔ آپ اتنے اچھے کام کرتے تھے۔ آپ نے ٹوٹا ہوا مندر بنوایا ت ھا، کنواں بھی بنوایا تھا اور روچن کے باپو جی سے جہیز تک نہ لیا تھا۔''

''ہوں! وہ آپ کو سب بتاتی ہے۔''

''کیوں نہیں بتائے گی۔ بیسٹ فرینڈ جو ہے ہماری۔''

''کاش! میری بھی ہوتی۔''

''آپ کی تو پتنی ہیں نا دیپک بھائی۔''

''ہاں! بس میں بھول جاتا ہوں۔''

''کیا؟ اچھا مذاق کر لیتے ہیں آپ دیپک بھائی۔'' دونوں نے یکساں کہاں تھا اور اس انداز سے کہا تھا کہ دیپک کو پیار سا آ گیا۔

''دوری! چار بج گئے۔ امی پھر سے ڈانٹیں گی۔''

''ہاں فری۔ مجھے بھی امی ڈانٹیں گی۔ تو ہم چلیں۔''

''ہاں دوری چلتے ہیں۔ دیپک بھائی! ہم پھر کبھی آئیں گی۔ ابھی گھر میں بھی نہیں بتایا۔''

''ٹھیک ہے جیسی آپ کی مرضی۔ آپ کے وقت کا شکریہ۔ کسی کو اپنا وقت دینا بھی ایک نیکی ہوتی ہے۔ اس نیکی کے لیے شکریہ۔ بس دو منٹ آپ اور ویٹ کر لیں۔'' دیپک نے انہیں روکا اور خود ملازم کے پاس آیا۔ فری اور دوری بہت امپریس تھیں۔ ان دونوں نے ایک بچایا ہوا پیٹیز بھی آدھا آدھا کر کے کھا لیا۔

''رزق کو یوں چھوڑا نہیں کرتے نا۔''

''ہاں دوری! کھا لو۔ ہمارے لیے ہی تو منگوائے تھے۔''

''لیکن پلیٹ خالی بھی تو نہیں کرنی چاہیے تھی نا۔''

''بہت کھالیا۔''

''ہاں دوری۔ آئندہ ایسی بھوکی عادت نہیں کریں گی۔''

''ہاں فری پکا۔'' دونوں نے آخری پیٹیز ختم کی۔

دیپک پھر سے ان کی طرف آیا۔ اس کا ملازم ان کے پیچھے تھا۔ دیپک نے آتے ہی ان دونوں کو خوب صورت دوپٹے گفٹ کیے۔

''یہ کیا دیپک بھائی؟''

''کچھ بھی نہیں۔''

''نہیں دیپک بھائی۔ ہم یہ نہیں لیں گی۔''

''ارے کیوں نہیں لو گی۔ بھائی کہہ رہی ہو مجھے۔ میں بہنوں کے سر پر دوپٹہ تک نہ ڈالوں۔''

دونوں ایک دوسرے کو استفہامیہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ گیتا نے پروفیشنل انداز میں دوپٹہ کھول کر فری اور دوری کو پہنا دیا۔ وہ دونوں فینسی دوپٹوں میں خود کو دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

''بہت کیوٹ لگ رہی ہو۔'' دیپک نے تعریف کی۔

''دیپک بھیا! آج مجھے دوپٹہ گفٹ کردیں میں بھی تو آپ کو بھیا کہتی ہوں۔'' یہ گیتا تھی۔

''یوں تو یہاں آنے والی اکثر خاتون مجھے بھائی یا بھیا کہتی ہیں لیکن آج ان دونوں نے ایسے پکارا جیسے سچ میں میری چھوٹی بہنوں نے مجھے پکارا ہو۔'' دیپک نے پیار سے ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔ گیتا مسکرائی تھی۔ فری اور دوری بھی بہت خوش تھیں۔

''آپ بہت اچھے ہیں دیپک بھائی۔ وچن آپ کے متعلق بالکل ٹھیک کہتی ہے۔'' انہوں نے جاتے ہوئے کہا تھا۔ دیپک نے انہیں باہر تک چھوڑا تھا۔ جاتے ہوئے وہ سارا راستہ دیپک بھائی کے گن گاتی رہیں۔

☆......☆......☆

"عافی سر آ رہے ہیں میم۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ میں ریڈی ہوں۔ میری بیساکھیاں مجھے پکڑاؤ۔"

عافی آ چکا تھا۔ زندگی اسے سرپرائز دینے کے لیے اپنے پیروں پر بیساکھیوں کی مدد سے کھڑی تھی۔ عافی آیا تو وہ خود بیساکھیوں کی مدد سے اس کے پاس آئی۔

وہ شاکڈ سا تھا۔

"یا اللہ خیر...... یہ تم ہو۔"

"یہ میں ہی ہوں عافی۔"

"او میں کتنا خوش ہوں۔ یہ ایک بہت ہی عمدہ سرپرائز ہے۔"

"میں بھی بہت خوش ہوں عافی۔ یہ سب تمہاری وجہ سے ممکن ہو پایا ہے۔"

"نہیں یہ تمہاری اپنی محنت ہے۔"

وہ گارڈن میں عافی کے قدموں کے ساتھ اپنے قدم ملا رہی تھی۔

"اچھا چلو کہیں باہر چلتے ہیں۔"

"مجھے بندگی کے پاس لے جاؤ عافی۔ بہت یاد آ رہی ہے اس کی۔ روز کہتی ہے آج کل میں آؤں گی لیکن مجھے پتا ہے نہیں آئے گی۔ عزت بی بی اسے کہیں آنے جانے نہیں دیتی۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔" اب وہ کیا کہتا اسے بندگی کی کتنی یاد آئی تھی۔ اور وہ عزت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی وجہ سے آنے سے کتراتی تھی۔

"او تھینک یو عافی۔ تم نے اس زندگی کو زندگی دے دی۔"

"زندگی صرف اور صرف اللہ دیتا ہے زندگی۔ مجھے ہر بات کا کریڈٹ نہ دو۔"

"بس تم نہیں سمجھ سکتے عافی۔ میرے دل میں تمہارا کیا مقام ہے۔"

"مقام تو بدلتے رہتے ہیں زندگی۔"

"تمہارا مقام اپنی جگہ پہ قائم تھا اور ہے۔" وہ مسکرا دیا۔ "کبھی کبھی ہم کسی کی حد سے زیادہ محبت

کے مستحق نہیں ہوتے یا پھر خود کو اس قدر چاہے جانے کے قابل نہیں سمجھتے۔''

''محبت یہی تو ہے عافی۔ اس کی زد میں مستحق غیر مستحق سب ہی آتے ہیں۔ یہ ان کو بھی ہو جاتی ہے جن کے پاس سب کچھ دینے کو ہوتا ہے اور ان کو بھی ہو جاتی ہے جن کے پاس کچھ دینے کو نہیں ہوتا۔'' اس نے عافی کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا تھا۔ ''اگر کبھی میری طرف سے کوئی کوتاہی کوئی کمی نظر آجائے تو مجھے معاف کر دینا بندگی۔''

''بندگی۔'' زندگی ہنسنے لگی۔ ''آپ بھی دادی اماں کی طرح ہم بہنوں کے ناموں کو مکس کرتے ہیں عافی۔ کئی بار مجھے بندگی بلاتے ہیں۔''

عافی دنگ رہ گیا اور فوراً معافی مانگ گی۔ ''غیر ارادی طور پر ایسا ہو جاتا ہے شاید۔''

''کوئی بات نہیں ہے عافی۔ میں نے تو ایسے ہی کہہ دیا تھا۔ اچھا کل چلیں گے ضرور اور بندگی کو مت بتانا کہ میں اب چل سکتی ہوں۔''

''نہیں بتاؤں گا۔''

''اس نوٹی کو بھی مت بتانا۔ بندگی کا خاص چمچہ ہے۔''

''نہیں بتاؤں گا......اور کچھ؟''

''نہیں۔ کچھ نہیں۔'' وہ بہت خوش تھی۔ عافی نے اس کی خوشی کے لیے دل سے دعا مانگی۔ وہ اکثر زندگی کے لیے خوش رہنے کی دعا مانگتا جب کہ وہ اپنا سب کچھ اسے دے چکا تھا۔ اپنی زندگی میں اپنا نام ایک خاص مقام بھی دے چکا تھا۔ بس بندگی اس کے دل سے نہ اترتی تھی۔ وہ تنہائیوں، اداسیوں کی ساتھی ذرا سے اکیلے پن میں یادوں میں وارد ہو جاتی۔ یہ اس کی سالوں پرانی عادت تھی۔ وہ جانتا تھا اس کی عادت کی اب اسے عادت ہو گئی ہے۔ یہ عادت اب جانے سے نہیں جائے گی بس خدا دلوں کا پردہ رکھنے والا تھا۔ سب اس کی مرضی سے ہوتا ہے۔ عافی دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا۔ زندگی خوشی سے اسے چل کے دکھا رہی تھی۔ وہ بیساکھیوں کے علاوہ دیوار یا کسی شے کے سہارے سے بھی بخوبی چل سکتی تھی۔

☆......☆......☆

موتیاں گروپ میں دیپک کے دیئے ہوئے دوپٹوں کی پکس شیئر کر رہی تھیں۔ ساتھ میں دیپک کی اتنی تعریفیں تھیں کہ دیپک نے کبھی کسی سے نہ سنی ہوں۔

''وچن سے مل کر تو ہمارا فائدہ ہی فائدہ ہے۔ پہلے ہم نے نمایاں نمبروں سے میٹرک میں وچن کی وجہ سے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ پھر سکینہ کے مسئلے پر چشم دید گواہ بن کر جو آواز اٹھائی تو سارے کالج اور خاندان والوں کی نظر میں آ گئی۔ پھر شان جیسا ٹیچر بھی وچن کی وجہ سے ملا۔ آنٹی ہمیں اچھے اچھے پکوان کھلاتی ہیں اور کمی آنٹی اتنے سارے سنیکس گفٹ کرتی ہیں۔ عافی بھائی ری چارج کرتے ہیں۔ اور آج دیپک بھائی نے سات سات ہزار کے دوپٹے گفٹ کیے ہیں۔''

''ہاں دوری، لیکن ہم اتنے لکی ہو گئے ہیں۔ ہیں نا؟''

''ہاں فری۔ لیکن ہم اتنے سارے احسانوں کا بدلہ کیسے چکائیں گی۔''

''جب تم خود کچھ بنا جاؤ تو اتار لینا۔'' یہ سکی کا میسج تھا۔

''ہاں یہ ٹھیک کہا۔ سکی! تم ہمارے ساتھ رہ کر ذہین ہو گئی ہو۔''

''ہاں کیوں نہیں۔''

''اچھا فری، ہم اگر کچھ بن گئیں تو ہم کملا آنٹی کو کیا دیں گی؟''

''وہ ہمیں سنیکس دیتی ہیں تو ہم انہیں اچھے سے ریسٹورنٹ میں کھانا کھلائیں گی۔''

''ہاں فری اور شان کی مما کو کیا دیں گی؟''

''ان کو سکی جیسی بہو دیں گے نا اور کیا۔''

''او کے میرا کیا تعلق؟'' سکی نے فوراً پوچھا تھا۔

جب تک ایک اور میسج آیا تھا۔

''اچھا شان کو کیا دیں گے؟''

''اسے بھی سکی دیں گے نا۔''

''ارے کوئی مجھے بھی بتائے گا یہ اپنے احسان اتارنے کے لیے مجھے کیوں دیا جا رہا ہے۔''

"تم نہیں سمجھو گی تم تو امیر زادی ہو۔"

"نہیں بتاؤ نا؟"

"فری! تم اسے چھوڑو...... اور سکی! تم چپ کر جاؤ۔ سوچنے دو ہمیں کہ جب ہم کمانے لگیں گی تو کیسے کسی کا احسان اتاریں گی۔"

"دفع ہو جاؤ۔" سکی کو غصہ آ گیا۔

"تم چھوڑو سکی کو، یہ بتاؤ عافی بھائی کو کیا دیں گے؟"

"ہاں دوری۔ انہیں کیا دیں گے۔ انہوں نے تو کتنا کچھ دیا ہمیں۔"

"تب تک ان کے بچے ہو جائیں گے ہم انہیں بہت سے کھلونے اور چاکلیٹس دیا کریں گی۔"

"ہاں فری، اور کپڑے بھی......"

"اچھا! مجھے کیا دو گے...... یا مجھے کچھ نہیں دو گے۔" سکی نے میسج کیا تھا۔ اس نے بھی تو بہت سے گفٹ دیئے تھے دونوں کو۔

"تمہیں شان دیں گے۔"

"مجھے شان تم کیوں دو گی؟"

"تم چپ کرو۔ تمہیں نہیں پتا تم امیر زادی ہو۔"

"یار! کیا نہیں پتا یعنی مجھے کچھ نہیں دو گے؟"

"تمہیں شان دیں گے نا۔"

"پھر وہی بات۔"

"سکی! تم چپ کرو۔ اچھا بتاؤ دیپک بھائی کو کیا دیں گے؟"

"نہیں۔ پہلے سوچتے ہیں وچن کو کیا دیں گے۔"

"عافی بھائی نے کہا تھا وچن کو سدا سہاگن رہنے کا آشرواد دو، تو دعا دینا بھی تو احسان اتارنا ہے نا۔"

سکی نے تالیاں ماری تھیں۔

دیپک یہاں دھیمی ہنسی ہنس رہا تھا۔ وچن کا موبائل اس کے پاس تھا۔

"احسان کے بدلے دعا۔ تم دونوں سستے میں نمٹا رہی ہو وچن کو۔"

"سکی! تم چپ رہو۔ تم امیرزادی ہو۔ تم نہیں سمجھتی کہ دعا سے بڑھ کر قیمتی چیز نہیں ہوتی۔"

"دفع ہو جاؤ۔" سکی نے پھر سے غصہ کیا تھا۔

"اچھا دیپک بھائی کو کیا دیں گے۔"

دیپک تجسس سے ان کے ریپلائے کا انتظار کر رہا تھا۔

"دیپک بھائی نے ہمیں دو پٹے دیئے ہیں تو ہم انہیں کیا دیں گی۔"

"انہیں بھی دعا دے دو، سب سے تو سستے میں جان چھڑا آئی ہے۔"

"سکی! تم چپ کرو۔ منہ بند کرنے والے اموجی کے ساتھ۔"

"ہاں ہاں۔ میں تو امیرزادی ہوں۔" سکی نے بھی منہ پر انگلی رکھنے والا اموجی سینڈ کیا۔

"ہم کی آنٹی کو ریسٹورنٹ لے جائیں گی۔ عافی بھائی کے بچوں کے لیے شاپنگ کریں گے۔ سستا کہاں ہے یہ سب۔ اور شان کی مما اور شان کو سکی کو دیں گے اور سکی کو شان، شان کو سکی۔ ایسے رشتے کروانے میں جان بھی جاتی ہے۔ ہم تم دونوں کو ایک کرنے کے لیے جان تو دے ہیں اور کیا دیں۔ لیکن سکی کو ہماری جان سستی لگتی ہے دوری۔"

"ہاں فری۔"

"ایک منٹ...... ایک منٹ۔ یہ مجھے اور شان کو ایک کرنے کے لیے جان کیونکر دو گے تم دونوں؟"

"تم چپ کرو سکی۔ تم نہیں سمجھو گی تم امیرزادی ہو۔"

"اف اللہ۔" سکی زچ ہو گئی تھی۔

"اچھا بتاؤ، دیپک بھائی کو کیا دیں گی ہم؟"

"ہاہاہا......" دیپک مزے لے رہا تھا۔ وہ کیسے کہتا کہ ان کی یہ باتیں ہی اس کے لیے کافی ہیں۔

وہ ان کی باتوں سے بے حد محظوظ ہو رہا تھا۔ اتنے میں وچن غصے میں اپنے کمرے میں آئی۔ دیپک کو پتا تھا وہ آئے گی۔ اس نے اس کے موبائل کی بیٹری چارج اسے لوٹانے کی نیت سے کی تھی۔ لیکن اب اس گروپ کی وجہ سے نہ لٹایا تھا۔ ایک تو دل سے سارے بوجھ اترے تھے دوسرا اب بہت ہو گیا تھا۔ وہ چاہتا تھا وچن اپنے گھر آئے اور وہ آئی بھی تھی۔ دیپک کو اخلاقیات کا درس دینے، کہ کسی کا موبائل اٹھانا اور اس کے دوستوں کے میسجز پڑھنا غیر اخلاقی سرگرمی ہے۔''

''ہاں میرا اخلاق اتنا بلند نہیں۔ لیکن تم خود ہی موبائل چھوڑ گئی تھی۔''

''میں موبائل اس لیے تو نہیں چھوڑ گئی تھی کہ آپ یوز کرلیں۔'' وچن نے اپنا موبائل دیپک سے چھین لیا تھا۔

''تم اپنی تمام چیزیں چھوڑ کر ایک جوڑے میں گئی تھی۔'' دیپک نے ہٹ دھرمی دکھائی اور موبائل واپس لے لیا۔

''ایسا کیوں کر رہے ہو؟'' اس نے حتمی انداز میں پوچھا تھا۔

''تاکہ تمہارے دل کی جان سکوں۔''

''کیا کرو گے میرے دل کی جان کر۔ اور اب کیا کرو گے۔ اتنے سال بیت گئے ہیں دیپک۔''

''یہی تو وچن اتنے سال بیت گئے تم نے مجھے تو وہ کبھی نہیں بتایا جو فری، دوری اور اپنے دوستوں کو بتاتی رہی ہو۔''

''کیا بتاتی رہی ہوں؟'' وہ فضول سی بحث سے زچ ہونے لگی تھی۔

''یہی کہ......''

''اُف او دیپک! موبائل دو میرا۔ میں آپ سے بات نہیں کرنا چاہتی۔''

''موبائل تو میں نہیں دوں گا۔''

''آپ بہت بد اخلاق ہیں دیپک۔''

''تمہیں ہمیشہ میں برا لگتا ہوں وچن، ذرا دیکھو تمہاری دوستوں میں کتنا مقبول ہو گیا ہوں۔ کتنی

تعریفیں کر رہی ہیں وہ میری۔لیکن تمہیں میں بداخلاق لگتا ہوں۔" اس نے سینے پر اپنے بازو باندھتے ہوئے کہا تھا۔

"کیوں کر رہے ہو یہ سب۔فری اور دوری بھی تو غیر مذہب ہیں۔پھر یہ سب کیوں؟"

"مذہبی بن گیا ہوں۔تم نے ہی کہا تھا جس کا ضمیر زندہ ہے وہ مذہبی ہوتا ہے۔"

"آپ کے ضمیر کو سونے کی بیماری ہے۔آج جاگا ہے کل سو جائے گا۔"

دیپک اس کی بات پر مسکرایا تھا۔اب وہ جانتا تھا وہ اس کی مسکرانے کی ادا پر فدا تھی۔

"دیپک!موبائل دے دو میرا۔"

"نہیں دوں گا۔" اس نے اس کے پاس آکر شرارت سے کہا تھا۔

"آپ کا ضمیر کبھی نہیں جاسکتا۔" وہ غصے میں جانے لگی۔

"جاگ چکا ہے۔اب تو سونے بھی نہیں دیتا۔خواب بن کر سامنے آجاتا ہے اور کہتا ہے......"

"مجھے نہیں سننا دیپک۔" وہ غصے سے چلی گئی تھی۔کملا بھاگتی ہوئی آئی تھی کہ کہیں زیادہ جھگڑ نہ بیٹھیں۔لیکن یہاں تو اس کے آنے سے پہلے ہی بات ختم ہو چکی تھی۔وچن غصے میں جا چکی تھی۔دیپک خوش مزاجی سے موبائل پر میسجز پڑھ رہا تھا۔فری اور دوری ابھی تک سکی کی بات بات پر چپ کروا رہی تھی اور ابھی تک یہ فیصلہ نہ کر پائی تھی کہ جب وہ کچھ بن جائیں گی تو دیپک کو کیا دیں گی۔

"ہاہاہا۔" دیپک کا تو دل ہی خوش ہو گیا تھا۔

"ماں جی!ان سے کہو مجھے اگر کچھ دینا چاہتی ہیں تو بعد میں نہیں بلکہ ابھی دیں،میرا نمبر اس گروپ میں ایڈ کر دیں۔"

"لیکن بیٹا!تو تو.....فری اور دوری بھی تو غیر مذہب ہیں۔" کملا نے اسے یاد دلوایا تھا۔

"ماں!اب آپ بھی طعنے دیں گی۔"

"یعنی تو اب؟"

"ماں!آپ بھی۔" اب سیٹھ دیپک سمجھ گیا ہے کہ وہ سیٹھ دیپک ہے کیوں؟" گاہک اور

دکاندار کا رشتہ بھی تو ایک رشتہ ہوتا ہے۔اب اقلیت کے بھروسے تو کاروبار نہیں چلتے۔ لینا دینا، اٹھنا بیٹھنا سب ساتھ میں ہوتا ہے۔ میرے مینجر سمیت دکان میں تقریباً ہر مذہب کے لوگ کام کرتے ہیں، سب کا ایک ہونا ہی نیکی ہے، سب کا ساتھ چلنا ہی اوتم ہے۔"

"چلو اچھا ہے۔تم نے دل صاف کر دیا۔ ویسے سچ کہوں جیسے تم نے آج فری اور دوری کو دیکھ کر اپنی بہن کہہ دیا، ویسے ہی جب میں عافی سے ملی تو مجھے تم میں اور اس میں کوئی فرق نظر نہیں آیا۔ نا جانے کیوں اس کے متعلق سنتے ہی وہ میری دعاؤں میں شامل ہو گیا تھا۔جس طرح میں تمہارے لیے چاہتی ہوں کہ تمہیں تتی ہوا نہ لگے اسی طرح میرا دل عافی کے لیے بھی فکر مند رہتا ہے۔ تمہیں ایسے میسج نہیں کرنے چاہئیں تھے دیپک۔"

"میں معافی چاہتا ہوں ماں! میں جانتا ہوں میں نے آپ کا دل دکھایا ہے۔"

"کبھی عافی سے بھی معذرت کر لینا۔ اپنی غلطی مان لینا بھی نیکی ہے۔ ہٹ دھرمی چھوڑ دینا بھی بھلائی کا کام ہے۔"

"ٹھیک ہے ماں، جب عافی سے سامنا ہوا میں معذرت کر دوں گا۔"

ماں جی بہت خوش ہو گئی۔ فری اور دوری کے میسج جاری تھے۔

"آخر تم لوگ مجھے، شانی کو اور آنٹی کو اتنا ہلکا کیسے لے سکتے ہو۔"

"تم چپ کرو۔ تم امیر زادی ہو۔"

"ہاہاہاہا۔" دیپک یک دم کھلکھلا اٹھا۔

☆......☆......☆

نوٹی کا میسج آتے ہی وہ عزت بی بی سے رخصت لے کر گھر آ گئی۔ آج اس نے تھری پیس سوٹ پہنا تھا۔ دوپٹہ سر پر تھا، چہرہ میک اپ سے عاری تھا۔ کسی قسم کی کوئی جیولری بھی نہیں پہنی تھی۔ وہ آج سچ مچ کی بندگی لگ رہی تھی۔ وہ آئی تو عافی اس کے پنچھیوں کے پاس کھڑا تھا۔ بندگی، عافی کو نظر انداز کر کے بے تابی سے زندگی کے کمرے میں آئی، لیکن وہ وہاں نہیں تھی، واش روم کا دروازہ کھلا تھا۔ وہ وہاں

بھی نہیں تھی۔ اس نے غور سے سنا تو کچن سے برتن کھٹکنے کی آواز آرہی تھی اور دو قدم چل کر آئی تو دیکھا زندگی خود چائے بنا رہی تھی۔

"یا اللہ! باجی!" وہ اسے اپنے قدموں پر کھڑا دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں پانی آ گیا تھا۔

عافی اور نوٹی صحن میں کھڑے تھے۔ بندگی نے زندگی کو گلے سے لگا لیا تھا اور اب باقاعدہ باآواز رونے لگی تھی۔ جیسے پہلے زیادہ خوش ہونے کی صورت میں رو لیتی تھی۔

"ارے بندگی...... بندگی! میں تمہیں رلانے تو نہیں آئی نا۔ اب چپ ہو جاؤ۔"

"رونے دو اسے زندگی۔ بالآخر ہماری اس خوش دل سے جان چھوٹی ہے۔" عافی نے مذاق، مذاق میں کہا تھا۔ دراصل بندگی، زندگی کو دیکھ کر خوش ہوئی تھی اور عافی بندگی کو۔

"مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔" بندگی اسے ہاتھ سے پکڑ کر برآمدے تک لا رہی تھی

"سرپرائز دینا چاہتی تھی۔"

"میں بہت خوش ہوں باجی۔"

"پتا ہے، تم بہت خوش ہو۔ جب جب خوش ہوتی ہو مجھے باجی کہتی ہو۔"

"آپ نے کمال کر دکھایا ہے باجی۔"

"یہ میرا نہیں عافی کا کمال ہے۔ اس نے میرے علاج کے لیے نا جانے کہاں کہاں سے ڈاکٹر اور فزیو تھراپسٹ جمع کر دیے۔"

بندگی نے پہلی بار عافی کو تشکر نظروں سے دیکھا۔ اس کی توقع کے برعکس عافی نے اس کی بہن کا خیال رکھا تھا۔ وہ بہت خوش تھی۔

"چائے پلا دو بندگی۔ بہت مس کرتی رہی ہوں تمہارے ہاتھوں سے بنی چائے کو۔"

"جی...... جی ضرور۔"

"بندگی باجی! مجھے مت بھول جانا، میں بھی یہاں ہوں۔" نوٹی نے صحن سے صدا بلند کی۔

”تم خود کو کبھی بولنے کہاں دیتے ہو۔“

”یہی تو ہماری خاصیت ہے۔“

”یہی تو تمہاری خامی ہے..... خوش فہم۔“

”آج آپ کا دن ہے زندگی باجی! آپ کہہ دیں جو کہنا ہے۔“

”ارے دن میرے ہی ہوتے ہیں۔ تمہارا دن کبھی نہیں آئے گا۔“

”میں نے آپ کو اپنے دل بخش دیے۔“ نوٹی نے پاس آ کر کہا۔

”ماشاء اللہ۔“ بندگی چائے بناتے ہوئے بہن کو خوش دیکھ کر اس کی پکی خوشیوں کی دعائیں مانگنے لی۔

☆......☆......☆

”کملا آنٹی نے بہت اچھا مشورہ دیا۔ ہم دیپک بھائی کو اپنے گروپ میں ایڈ کر رہی ہیں۔“

”یہ دیپک بھائی ہیں ہماری وچن کے پتی۔“

”انہیں کون نہیں جانتا۔“ شان نے ویلکم کے لیے میسج کیا تھا۔

”میں اتنا بھی مشہور نہیں۔“

”وچی کے دل کے مالک ہیں۔ مشہوری تو بنتی ہے۔“

”ہاں یہ تو ہے۔ اس ملکیت کا بھی پانا ہی مزہ ہے لیکن؟“

”لیکن کیا دیپک بھائی۔“

”وچن مجھ سے خفا ہے۔“

”کیوں..... کیوں..... کیوں..... کیوں۔“ سب گروپ والوں نے مل کر پوچھا تھا۔

”اب یہ مت پوچھوں کیوں..... اب یہ سوچو کہ ناراضگی ختم کیسے ہو؟“

”آپ سوری کہہ دیں۔“

”پھول دے دیں۔“

''چاکلیٹ دیں۔''

''یہ سب کر چکا ہوں۔''

''بات بڑی لگتی ہے۔''

''ہاں......یہی سمجھو۔''

''کوئی حل نکالو۔''

''ہاں......ہاں......کیوں نہیں۔'' وہ سب کم عمر تھے۔ دیپک جانتا تھا اس کے کیے دھرے کا حل ان کے پاس نہیں نکلے گا لیکن ان کے مشوروں کا اپنا ہی مزہ تھا۔

''رومینٹک ڈنر پر لے جائیں وچی کو۔'' سکی نے امیری مشورہ دیا تو جواب آیا۔

''تم چپ کرو سکی۔ تم امیر زادی ہو۔''

''ہاہاہا۔''

دیپک کا ہنس ہنس کر برا حال تھا۔ یہ دوستیاں، یہ بے فکر عمر کی مستیاں۔ اس کے جی کو بہت بھاتی تھیں۔

☆......☆......☆

شام کا وقت تھا۔ زندگی، بندگی سے بہت ساری باتیں کر کے سو گئی تھی۔ پنچھی پنجروں میں اونگھ رہے تھے اور نوٹی برابر منہ کھول کے جمائی لے رہا تھا۔ جمائی لیتے ہوئے ہی اس نے پوچھا تھا۔

''عافی سر! نا جانے آج کی شام کیوں اداس ہے؟''

''اداسی کا کوئی سبب نہیں ہوتا۔ بے وجہ بھی اداسیاں آن گھیرتی ہیں۔''

''آپ بھی بے وجہ اداس ہو جاتے ہیں۔ نہیں؟''

''کیوں؟'' اس نے جوں ہی سوال پوچھا، کچن میں سے کچھ گر کر ٹوٹنے کی آواز آئی۔ عافی اور نوٹی فوراً کچن میں آئے۔ الائچی کی شیشی ٹوٹی تھی۔ شاید زندگی نے چائے بناتے وقت سنک کے کنارے پر رکھ دی تھی۔ وہ ڈنر کے لیے چکن میرینیٹ کرنے آئی تھی اور اب خون وخون ہوگئی تھی۔

''بندگی آپا۔'' نوٹی فرسٹ ایڈ باکس لانے گیا تھا۔ عافی کا دل اسے زخمی دیکھ کر زخمی سا ہوا تھا۔

بندگی اب بھی وہی بندگی تھی۔ خون دیکھ کر بے چین ہو جاتی تھی۔ عافی نے اس کے زخم پر اینٹی سیپٹک لگایا۔ وہ اور بھی زیادہ درد سے اچھل پڑی لیکن کیونکہ عافی سامنے تھا اس لیے آنکھیں میچ کر درد و برداشت کرنے لگی۔

''کیوں ایسا کرتی ہو تم؟ دیکھو کتنا خون بہہ گیا۔''

''میں نے جان بوجھ کے نہیں کیا۔ بس شیشے کی شیشی تھی نظر نہیں آسکی۔'' سورج غروب ہونے کی وجہ سے یہاں تیز زرد روشنی کھڑکی سے آرہی تھی۔

''کیا کر رہی ہو اس وقت کچن میں؟''

''کھانا بنانے کے لیے آئی تھی۔'' اس نے درد سے چہرے کے عضلات کھینچتے ہوئے کہا تھا۔

''بس کل سے تم کھانا نہیں بناؤ گی۔ میں اپنے گھر کی کک بھجوا دوں گا۔'' بندگی نے ہاتھ کھینچ لیا۔ ابھی پٹی باندھنا باقی تھا۔

''یہ کیا کر رہی ہو؟ زخم ابھی تازہ ہے۔''

''تمہیں دیکھ کر تو سارے زخم تازے ہو جاتے ہیں عافی۔ کس کس زخم پر مرہم رکھو گے۔''

''پٹی باندھنے دو۔''

''چلے جاؤ نا عافی۔ کیوں نہیں جاتے؟ کیوں آجاتے ہو۔ کیوں؟'' وہ روہانسی سی ہوگئی تھی۔

''چلا تو گیا ہوں جس طرح تم نے نکالا ہے اسی طرح چلا گیا ہوں۔ میرا آنا رسم دنیا بن گیا ہے۔''

''نہ نبھاؤ یہ رسم۔ مت آیا کرو۔ مت دکھایا کرو مجھے اپنی شکل۔''

''تم نے ہی کہا تھا مجھے زندگی کی ہر خوشی کا خیال رکھنا ہوگا۔ تم بھی تو اس کی خوشی ہو۔ میں بس اسے ہی خوش کرنے کے لیے آگیا۔''

''اتنے نوکر ہیں تمہارے...... اتنی گاڑیاں ہیں...... تمہیں آنے کی کوئی ضرورت نہیں اور مجھے تمہارے مزید کسی احسان کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم دولت مند ہو تو تمہیں تمہاری دولت مبارک۔ میرے ہاتھ ابھی سلامت ہیں۔ میں اپنے کام خود کر سکتی ہوں۔ مجھے کسی کک کی ضرورت نہیں۔''

”میں تو بس ایسے ہی کہہ رہا تھا۔ میرا مقصد تم پر اپنی دولت مندی کا شوشہ چھوڑنا بالکل نہ تھا۔“
”اگر ایسا ہے تو نوٹی کو کیوں مسلط کر گئے ہو مجھ پر؟“
”تم پٹی کروالو بندگی۔“
”نہیں کرواؤں گی۔“ وہ غصے میں تھی اور عافی کا دل اس کے زخم سے رستا خون دیکھ کر خون ریزہ ہو رہا تھا۔
”کبھی عزت آپا کے پاس چلے جاتے ہو، کبھی نوٹی کو میرا خیال رکھنے کے لیے بھاری بھر کم رقم دیتے ہو۔ کیا سمجھتے ہو تم خود کو؟“
وہ مسلسل پٹی لیے اس کے ہاتھ کے پاس آجاتا اور وہ جھٹک لیتی۔ تھوڑی دیر پہلے درد درد کر رہی تھی اور اب جیسے خود درد بن گئی تھی۔
”کیا ثابت کرنا چاہتے ہو تم۔“
”تم پٹی کروانے دو گی۔“ اس نے حتمی انداز میں پوچھا۔
”نہیں دوں گی۔“
”دیکھتا ہوں میں بھی۔“ عافی نے اس بار زبردستی اس کی کلائی تھام لی اور پٹی باندھنے لگا۔
”چھوڑو مجھے۔“
”خون بہہ رہا ہے اور تم ہو کہ......“
”تو بہتا رہے۔ تمہارا کیا؟“
”جان چلی جائے گی میری۔ یہیں دم نکل جائے گا۔“ عافی نے بے حد بلند آواز میں اسے ڈانٹ کر کہا تھا۔
وہ اس کا غصہ اور وارفتگی دیکھ کر سہم گئی تھی۔ اب کی بار اسے غصے میں دیکھ کر ہاتھ کھینچنا بھول گئی تھی۔ عافی نے پٹی باندھ لی تو کچھ اطمینان ہوا۔
”اب اسے کھولنا مت ورنہ زندگی کو نیند سے جگا کر بھجواتا ہوں۔“ عافی نے کہا اور کچن سے نکل آیا۔

بندگی نے پیچھے سے دانت پیس لیے۔ ”نا جانے کیا سمجھتا ہے خود کو۔“

”پرانی بیٹھک کا مکین۔“ عافی نے جاتے جاتے کہا تھا۔ نوٹی باہر تھا اس نے سب سن لیا تھا۔

”خیال رکھا کرو اس کا۔“

”عافی سر......“

”جی۔“

”عافی سر! آپ آج بھی۔“ وہ چپ ہو گیا۔ اداس بھی لگتا تھا۔ ”اب میں آپ سے آپ کی اداسی کا سبب نہیں پوچھوں گا۔“

”تم ہمیشہ سے سب جانتے تھے۔“ عافی نے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔ نوٹی نے اسے سامنے تار پر لٹکا ہوا تولیہ لا کر دیا۔

”میں ہمیشہ سے آپ کے اور بندگی آپا کے ایک ہونے کی دعا کرنا چاہتا تھا لیکن جب جب زندگی باجی کو دیکھتا تو دعا مانگ سکتا۔“

”کوئی بات نہیں یار۔ خدا رازوں پر پردہ رکھنے والا ہے۔ تم پر بھی بھید نہ کھولنا مہربانی ہے پیارے رب کی۔“

”لیکن میں دعا کرنے کی نیت تو کرتا ہوں نا۔ بندگی آپا کہتی ہیں کسی کو دعا دینا بھی نیکی ہے اور دعا کی نیت کرنا بھی نیکی ہے۔“

عافی مسکرایا۔ وہ پہلی نظر میں اسے بدمعاش سا نوجوان لگتا تھا، لیکن وہ بدمعاش کیسے ہو سکتا تھا۔ بندگی کی صحبت ملی تھی اسے۔ بس جس طرح وہ خوش دل بنتی پھرتی تھی۔ یہ موصوف بھی کوئی بہروپ اپنا بیٹھے تھے۔ پر وہ آج بھی وہی نوٹی تھا، بدگی نے اسے بدلنے نہیں دیا تھا۔ اس لیے تو عافی کی منفی باتوں کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھا اور بس اپنی مثبت باتیں کیے جا رہا تھا۔

”میری دعا کی نیت بھی قبول ہو سکتی ہے۔ اگر آپ چاہیں تو......“

”وہ کیسے؟“ عافی ہاتھ پونچھ کر اس کے پاس آ بیٹھا تھا۔

''بندگی آپا بہت تنہا ہے۔ آپ اگر ان سے دوسری شادی......'' نوٹی نے نہایت ہی احتیاط اور رازداری سے کہا تھا۔

''ایسا نہیں ہوسکتا نوٹی۔''

''کیوں نہیں ہوسکتا۔ آپ ایسے بے ترس تو نہ تھے۔ یہ تو بے رحمی ہے، اپنے ساتھ بھی اور ان کے ساتھ بھی۔''

''نوٹی! احساس ہے مجھے۔ اس کی تنہائی کا، اس کی بے قراری کا، اس کے ہر ایک درد، ہر ایک آنسو کا۔ بس بات اتنی ہے کہ اپنے مقدر میں لکھے کو ٹھکراؤ تو مقدر روٹھ جاتا ہے۔ تیرہ سال میں دیوانوں کی مانند اسے ڈھونڈتا رہا۔ سوچا تھا کہ بچھ جاؤں گا اس کے قدموں میں، خاک بن جاؤں گا، لیکن اب اسے خود سے دور نہیں ہونے دوں گا۔ اس کا دامن خوشیوں سے بھر دوں گا۔ اور دیکھو تو مجھے رب نے استطاعت بھی عطا کی ہے، میں اس کے سب غم خود میں ضم کرسکتا ہوں۔ لیکن کیا فائدہ؟ مقدر روٹھا ہوا ہے۔ آج زبردستی اس کے زخم پر پٹی باندھ لی۔ ہر بار تو زبردستی نہیں کرسکتا۔'' عافی کا دل کٹ سا رہا تھا۔ بندگی کے زخم سے نکلے خون کی بوندیں اس کے کرتے پر گری تھیں۔

''وہ بس چاہتی ہیں زندگی باجی خوش رہے۔ اس لیے ایسا کرتی ہیں۔'' نوٹی کی اپنی سوچیں تھیں۔

''کاش وہ اس لیے ایسا کرتی نوٹی میاں۔''

''تو اور کیا عافی سر۔''

''بس کیا کیا بتاؤں تمہیں میں۔ میں نے ہی دغا دیا تھا۔ میں ہی مجرم تھا، میں ہی سزا کاٹ رہا ہوں۔ وہ تو بس صرف اور صرف میری تھی۔ میں ہی اس کا نہیں تھا اور اب ستم ظریفی یہ ہے کہ بتا بھی نہیں سکتا۔ مجھے جتنا بھی دور جانے کا کہتی رہے میں اسی کے در کی خاک ہوں، دل اسی کے پاس چھوڑ جاتا ہوں۔ زندگی میں سب سے مشکل کام کسی کو دغا دے کر، اپنی سچی محبت کا یقین دلوانا ہے۔ یہ اتنا کٹھن کام ہے کہ کیا کہوں۔''

اللہ سچی محبت کا رکھوالا بن جاتا ہے۔ آپ کی محبت سچی ہو تو کوئی بال بھی بانکا نہیں کرسکتا آپ کی محبت کا۔ اب سے میں آپ دونوں کے ایک ہونے کی دعا کروں گا۔''

عافی کو نوٹی میں وہی نوٹی دکھ رہا تھا۔ عافی مسکرا دیا۔ نوٹی جذباتی لگ رہا تھا۔

''مت مانگا کر ایسی دعا۔ سچ کہو تو ہم ایک ہی ہیں۔ بس وقت آگے بڑھ گیا ہے ورنہ تو وہ آج بھی وہی بندگی ہے اور میں آج بھی پرانی بیٹھک کا واسی۔'' عافی نے نوٹی کے شانے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا تھا۔

نوٹی کے من میں ان گنت سوال تھے۔ چہرے پر بندگی کے لیے پریشانی۔ پر وہ کیا کرتا ہر سوال کا جواب بھی تو نہ دیا جا سکتا تھا۔ اسے جہاں لگتا تھا بندگی، زندگی کی وجہ سے عافی سے دور تھی جبکہ اصلیت تو یہ تھی کہ بندگی، زندگی کی وجہ سے عافی کے پاس تھی ورنہ تو شاید وہ اس سے نفرت کا تعلق بھی نہ رکھتی، اور جو اس کی خبر ہونے کا یہ جو سکون تھا اس سکون کے کیا کہنے۔

اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا وہ صحیح سلامت ہے۔ ورنہ تو اس کے انویسٹی گیٹرز جو عزت بی بی کے ہاتھوں بک کر رپورٹ بنا کر عافی کو پیش کرتے رہے تھے اس ہر ایک رپورٹ کے مہاتم کو یاد کرنا بھی مرنے کی سی اذیت کا سا تھا۔ ابھی تو وہ زندہ تھا۔ نفرت بن کر ہی سہی، کہیں نہ کہیں تو تھا وہ۔

☆......☆......☆

فری، دوری بالوں کی اونچی پونی بنائے شال کے گھر کے کچن میں بریانی بنا رہی تھیں۔ آج وچی آ رہی تھی اتنے دنوں بعد اور دیپک بھی۔ دیپک کی آمد کو خفیہ رکھا گیا تھا۔ سکی اور شانی ایک دوسرے کو دیکھنے میں مصروف تھے، بظاہر وہ سلاد بنانے کے لیے مدد کر رہے تھے۔

''دوری! یہ ایک دوسرے میں کیا دیکھتے رہتے ہیں؟''

''ہاں فری! پتا نہیں کیا دیکھتے ہیں۔ لیکن یہ اس طرح دیکھتے رہے تو سلاد نہ کبھی کٹے گا نہ کبھی بنے گا۔''

''ہاں فری! تو کیا کریں؟''

''کہہ دیتی ہیں کہ کام ختم ہو گیا ہے۔''

''ہاں دوری، کہہ دیں کام ختم ہو گیا ہے۔''

منصوبے بناتے ہی دونوں نے یکساں کہاں تھا۔

''کام ختم ہو گیا ہے، لہٰذا آپ باہر جا کے ایک دوسرے کو نہارتے رہیں۔ سلاد کے لیے سبزیاں

کاٹنے کا شکریہ۔"

"نہیں نہیں۔ یہ تو ہمارا فرض تھا۔ کیوں شانی؟"

"ہاں سکی۔ یہ تو ہمارا فرض تھا۔" وہ دونوں ان کے انداز میں بے وجہ کا احسان جتا گئے تھے۔

"پانچ چھ مٹر چھل گئے ہیں اور ایک ٹماٹر بے ڈھنگے چوپ کر گئے ہیں۔"

"ہاں دوری! اوپر سے کہتے ہیں ہمارا فرض ہے۔"

دونوں حیران تھیں۔ وچی بھی کچن میں آئی تھی۔ اس کو دیکھتے ہی دونوں نے گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا تھا۔ وچی کی نظر آتے ہی ڈھنگے ٹماٹر پر پڑی۔

"یہ کس نے چوپ کیا ہے؟"

"ان دو دیوانوں نے۔" موتیوں نے صحن میں بیٹھے شان اور سکی کی طرف اشارہ کیا۔ وچی ہنسنے لگی۔ کیوں کپل، میں فوراً ایچ ادر......

"ہنسو وچی، ہنس لو۔ جب ان کی دیوانگی ہم سے قربانیاں مانگے گی تو کوئی نہ کوئی تو جان سے جائے گا۔"

"دیوانے وہ ہیں، محبت انہیں ہے۔ قربانیاں ہم کیوں دیں گے۔ ہم کچھ دینا ہو تو دعا دیں گے۔ دوستوں کی دعائیں لیتی جا۔ جا تجھ کو سکھی سنسار ملے، میکے کی کبھی نہ یاد آئے، سسرال میں اتنا پیار ملے۔"

"وچی! اتنا آسان تھوڑی ہوگا۔ ایک محلوں میں رہنے والی ہے اور دوسرا اس کرائے کے گھر کا باسی...... ہاہاہا...... لگتا ہے ساسو ماں کی طرح فلمیں بہت دیکھ لی ہیں۔ خیر ہم تو ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو۔ کیوں دوری؟"

"ہاں فری۔"

"امن ہو یا جنگ دوستوں کے سنگ ہو
سرخ مجھے پسند ہے چاہے خون ہو یا رنگ ہو"

وہ جذبات میں اکثر یہی انقلابی شعر پڑھتی اور حوصلے سے ایک دوجے کا ہاتھ تھام کر ساتھ

ہونے کی یقین دہانی کرواتی۔

”ہاہاہا۔ مطلب خودساختہ قربانیاں۔“

”قربانیاں کبھی خودساختہ ہوئی ہیں کیا؟“ یہ دیپک تھے۔

”دیپک بھائی۔“ ان دونوں نے خوشی سے استقبال کیا دیپک کا۔

”خودساختہ ہی سہی میں تم دونوں کا ساتھ دوں گا۔“

”دسکی کو گھر سے بھگانے میں مدد کریں گے؟“

”نوبت یہاں تک آئے گی کیا؟“

”آ بھی سکتی ہے۔ امیر زادی ہے۔“

”او.....“ دیپک نے انہیں چاکلیٹ دیتے ہوئے کہا تھا۔

”واہ یہ تو ہماری من پسند ڈیری ملک ہے۔ تھینک یو دیپک بھائی۔“

بدلے میں وہ بس مسکرا دیا۔ اس کی نظریں وچن پر تھیں جو اس کی وہاں موجودگی سے ڈسٹرب لگ رہی تھی۔ فری اور دوری چاکلیٹ لے کر سکی اور شانی کے پاس آئیں۔ وچن نے دیپک کو نظرانداز کر کے سلاد کاٹنا شروع کیا۔

”وچن! احتیاط سے، چوٹ نہ لگ جائے۔“

”مجھے چوٹیں نہیں لگتیں۔“

”کیوں، تم کوئی اور سیارے کی مخلوق ہو؟“

”نہیں۔ جنم تو اسی دھرتی پہ لیا تھا لیکن دھرتی والوں نے کسی اور سیارے کا بنا دیا۔“

”میں تم سے باتوں میں کبھی جیت نہیں سکتا وچن۔ اس لیے یہ باتیں چھوڑو، میں باتیں کرنے نہیں آیا۔“

”آپ باتیں کرنے کبھی نہیں آتے، آپ باتیں سنانے آتے ہیں۔ سنا کر جائیں جو سنانے آئے ہیں، میں ہمیشہ کی طرح سن لوں گی۔“

''آج میں باتیں سنانے بھی نہیں آیا۔ میں بس غلط فہمیاں مٹانے آیا ہوں۔''
''آپ کو کیوں لگتا ہے کہ غلط فہمیاں کہیں ہیں؟ رشتوں کی سچائی کو غلط فہمی آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔'' وچن تلخ ہو گئی تھی۔ اس کے ہاتھ تیزی سے سبزیاں کاٹ رہے تھے۔
''میں جانتا ہوں، میں نے تمہارا دل دکھایا ہے۔ شاید تمہاری امیدوں کی کسوٹی پر پورا نہیں اتر پایا۔''
''دیپک! کیا کہنا چاہتے ہو۔'' وہ زچ ہو رہی تھی۔ اس کے سوال پر وہ ذرا سا چپ ہو کر گویا ہوا۔
''واپس آ جاؤ وچن۔ بس اتنا کہوں گا۔''
''بس اتنا...... بس اتنا کہیں گے سیٹھ دیپک آپ۔'' وچن کی آواز کانپ گئی تھی۔ آنکھوں کے کنارے نم ہونے لگے تھے۔ دل میں ٹوٹتے تڑپتے ارمانوں کی چتا جیسے جلنے لگی تھی۔
''بس اتنا کہیں گے۔ بس اتنا کہیں گے تو آپ نے کہہ دیا اور میں نے سن بھی لیا۔ اب آپ چلے جائیں یا پھر میں چلی جاؤں؟''
''ہاں بس اتنا ہی کہنے آیا تھا، گھر آ جاؤ وچن۔''
''پھر زمانے کا خوف کھانے لگے ہو آپ سیٹھ دیپک۔ کب تک زمانے کے ڈر سے ہمارے کمزور رشتے کو سہارا دیتے رہو گے۔ پھر کسی نے کہہ دیا ہوگا کچھ۔ پھر کسی نے پوچھ لیا ہوگا کہ پتنی کیوں الگ گھر میں رہتی ہے۔ کب تک زمانے کے دباؤ میں آ کر اس رشتے کو نبھاؤ گے۔ کب تک زمانے کے ڈر سے گھر کی دہلیز پار کرواتیں گے۔ اور کب تک سیٹھ دیپک؟''
''تب تک جب تک تم وہ سچ نہیں بتاؤ گی۔ جو تم دوستوں کو تو بتا سکتی ہو لیکن مجھے نہیں۔''
وچن نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں میں غضب کی حیرت سمو کر اسے دیکھا اور پوچھا۔
''کیسا سچ؟''
''یہی کہ تمہیں مجھ سے اتنی ہی محبت ہے جتنی مجھے ہے۔''
وہ دنگ رہ گئی اور اسے اور زیادہ غصہ آنے لگا۔ وہ اس کی دھرم پتنی تھی، پھیرے لیے تھے اس نے اس کے ساتھ، وہ اس کے بیٹے کی ماں تھی۔ اس کے ساتھ اتنے سالوں سے ایک ہی چھت کے نیچے

رہ رہی تھی اور دیپک کہہ رہا تھا اسے اظہارِ محبت کی ضرورت تھی۔

''دیپک! کیا تمہیں اتنے سالوں میں ایک بار بھی میری محبت کا احساس نہیں ہوا۔کیا میرے دل کی ہر ایک کیفیت اتنی بے مول تھی؟ آپ کیا سوچتے رہے ہو دیپک......کیا سمجھتے رہے ہو؟''

''میرا وہ مطلب نہیں تھا وچن۔''

اس کے ہاتھوں نے بے انتہا افسوس سے سبزیاں کاٹنا چھوڑ دیا۔

''کیا مطلب تھا آپ کا دیپک؟ آج تو بتائیں مجھے۔کیا سوچتے رہے تھے آپ میرے متعلق؟''

''نہیں تمہارے متعلق نہیں وچن۔میں شاید تمہارے بارے میں سوچ ہی نہیں سکا۔جب جب سوچا بس اتنا سوچا، اتنا سمجھا کہ میں تمہارے لائق نہیں ہوں۔''

''کیوں دیپک کیوں'' وہ بے حد تلخ ہو گئی تھی۔اسے غصہ بھی آرہا تھا اور دکھ بھی ہو رہا تھا۔

''تم ایک پڑھی لکھی لڑکی ہو وچن۔ہر میدان میں سب سے آگے چلنے والی......اور میں؟''

دیپک کی بات نے تو اس کا دل ہی توڑ دیا۔

''تو سیٹھ دیپک! آپ نے مجھے کبھی اپنے اور اپنے آپ کو کبھی میرے لائق سمجھا ہی نہیں۔'' اس کی آنکھ سے آنسو بہہ نکلے۔جسے اس نے بے دردی سے پونچھا اور دیپک کے روبرو آ کھڑی ہو گئی۔

''بس یہی وجہ تھی سیٹھ دیپک کہ جو بات میں اپنے دوستوں کو بتا سکی کبھی آپ کو نہ بتا پائی۔آپ نے خود ہی سارے فیصلے جو کر لیے، کبھی میری آنکھوں میں تو دیکھا ہوتا، میرے لہجے، میرے انداز پر تو غور کیا ہوتا۔یا پھر آپ نے مجھے کبھی سا قابل بھی نہ سمجھا کہ میں آپ کی پتنی آپ سے توقعات وابستہ رکھ سکتی ہوں، آپ سے وفا کر سکتی ہوں۔آپ سے محبت کر سکتی ہو۔'' اس نے آنسوؤں کی موجودگی میں کہا۔

''وچن......''

''سیٹھ صاحب! مجھے لگتا تھا آپ پتی ہیں، اس رشتے کے رعب میں آ کر آپ میری تذلیل کر جاتے ہیں، مجھے نظر انداز کر جاتے ہیں لیکن آپ نے تو کوئی کسر نہیں چھوڑی۔آپ تو میری محبت، میری وفا کی تذلیل کرتے رہے۔'' اس کے آنسو اب اس کے ہی دل پر گرنے لگے تھے۔دکھ اتنا شدید

تھا کہ آواز گھٹنے لگی تھی۔ اسے افسوس تھا بے حد افسوس۔

''واپس آجاؤ'' اس نے دیپک کے الفاظ دہرائے اور پھر جواب دے دیا۔

''کبھی نہیں آؤں گی دیپک! کبھی نہیں آؤں گی'' اس نے کہا اور چلی گئی۔

فری اور دوری، وچن کے جانے کے بعد کچن میں آئے۔ وچن نے سارا سلاد کاٹ دیا تھا۔

''سارا تو نہیں کاٹنا تھا دوری۔''

''ہاں فری! کسی سے محبت میں سلاد کٹ نہیں رہا تھا اور کوئی محبت میں اتنا سلاد کاٹ گیا تھا۔''

سلاد کے بعد انہوں نے دیپک کو دیکھا۔ اس کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا۔

''وچی اب بھی ناراض ہے دیپک بھائی۔''

''ہاں! ناراض تو ہے لیکن یہ اس کا حق ہے۔ میں نے اس کا دل دکھایا ہے ہمیشہ۔''

''اس نے بھی آپ سے محبت کی ہے ہمیشہ۔ مان جائے گی۔ کیوں دوری؟''

''ہاں فری! آپ بریانی کھالیں۔''

دیپک نے ان کی خوشی کے لیے ذرا سی بریانی کھالی لیکن دل تو اس کا ڈوب مرنے کا کہہ رہا تھا۔ کتنا دکھ دے دیا اس نے اسے۔ وہ جو اس کو خواب میں بھی تکلیف نہ دے سکتی تھی۔ وہ جو اس پوری دنیا میں صرف اس کی تھی۔ وہ جو اس کے ایک کہنے پر من مار بیٹھی تھی، کیسی غلطی ہوگئی، کیسا گناہ ہوگیا؟ دیپک شدید پشیمان تھا۔

☆......☆......☆

ماں جی محلے والی خواتین کے ساتھ بیٹھ کر موتبری محسوس کر رہی تھی۔ اب کملا کا شمار گنی چنی خواتین میں ہوتا تھا، دیپک گھر آیا تو اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ وہ خواتین کو جلدی جلدی نمٹا کر دیپک کے کمرے میں آئی۔ وہ شدید دکھ آنکھوں میں بسائے ساکت سا بیٹھا تھا۔ کملا گھبرا گئی تھی۔ فوراً دیپک کے پاس آئی۔ اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا، اسے بخار نہیں تھا بلکہ اس کا جسم، دل سرد پڑنے سے سرد پڑ گیا تھا۔

''کیا ہوا دیپک! میں کاڑھا بنا آؤں۔ طبیعت خراب لگ رہی ہے تمہاری۔''

''ماں! آپ نے ٹھیک کہا تھا ہم سے پاپ ہو گیا ہے۔''

دیپک کے منہ سے یہ سن کر وہ سنجیدہ ہو کر اس کے پاس آ بیٹھی۔

''چلو اچھا ہے تمہیں احساس ہو گیا۔''

''لیکن میں نے کیسے یہ کر لیا..... یہ سب۔ انسان اتنا سخت کیسے ہو جاتا ہے۔ کیوں اتنا اندھا ہو جاتا ہے۔ کیوں سمجھ پر پردہ پڑ جاتا ہے، کیوں ہم کسی کو اتنا دکھ دے دیتے ہیں۔ میں نے وچن کو بہت دکھ دیئے ہیں، مجھے تو لگتا تھا، میں ہزاروں روپیہ کے لباس اسے دکان سے پہننے کو دیتا ہوں، میرے گھر میں اس کی تمام ضروریات پوری ہو رہی ہیں۔ وہ اچھا کھا پی لیتی ہے، جہاں چاہے، جب چاہے آ جا سکتی ہے، لیکن میں نے کبھی یہ نہ سوچا تھا کہ وچن اور میرے درمیان ایک ہونے کے باوجود اتنے فاصلے تھے کہ کبھی وہ اپنے من کی بات میرے آگے ہونٹوں پر نہ لا سکی۔ میں نے کیوں نہیں سوچا کبھی کہ شوہر کا فرض بیوی زندگانی پوری کرنا ہوتا ہے نا کہ صرف ضروریات......''

''اب تو سمجھ گیا ہے نا، تو اب کیوں وقت برباد کر رہا ہے۔ جا جا کے اپنی پتنی کو گھر لا۔''

''ماں جی! میں سمجھ گیا ہوں لیکن اب اپنی کی گئی غلطیوں کا سامنا کیسے کروں؟ وہ مجھے معاف نہیں کرے گی۔''

''کیوں نہیں کرے گی؟ مجھے بھی تو معاف کر دیا نا۔''

''کاش ایسا ہو جائے۔''

''ایسا ہی ہو گا بس اسے وقت دو۔ میں بات کرتی ہوں وچن سے۔''

''ماں جی! بچپن سے میری ہر ایک غلطی کو ٹھیک کرتی رہی ہیں۔ اب بھی آپ ہی کچھ کریں۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔''

''بیٹا! اگر میں کر سکتی تو پہلے ہی کچھ کر سکتی تھی۔ تو سچ کہتا ہے اس کا دل بے دردی سے توڑا ہے ہم نے۔ اب بس جلدی کچھ کر۔ ایسا نہ ہو کہ وہ ٹوٹے دل کو درد سے جوڑ دے۔ جب درد میں انسان دل جوڑتا ہے تو اس کا پہلے کی مانند نرم ہو سکتا، سخت بن جاتا ہے۔ اسے سخت بننے نہ دینا دیپک۔ کہیں وہ کوئی

سخت فیصلہ نہ کر بیٹھے۔ کہیں تمہاری نظر میں خود کو نہ پا کر خود کو کھو ہی نہ دے وہ۔ اس کے ٹوٹے دل کو اپنی محبت سے جوڑ دے۔ دل توڑنے والا دل جوڑتا ہے تو دل ٹوٹنے کا احساس تک باقی نہیں رہتا۔"

"میں سب کچھ کر کے دیکھ چکا ہوں ماں جی۔"

"تو ہار مان رہا ہے؟"

"ماں جی! میں اسے مزید دکھ کیسے دوں۔ جھوٹ بول نہیں سکتا۔ سچ بولتا ہوں تو اسے مزید دکھ ہوتا ہے۔"

"تو اب سچ مت بول۔ اب بس کچھ ایسا کر کہ وہ آجائے۔"

"ماں! جھوٹ کی بنیاد پر زندگی بھر چلنے والے رشتے نہیں نبھائے جاتے۔"

"نہیں تو، تمہیں جھوٹ بولنے کا کون کہہ رہا ہے۔ اسے پہلے اعتماد میں لے پھر آہستہ آہستہ سب بول دینا۔"

"بار بار اس کا دل نہیں دکھا سکتا ماں۔ یہ اذیت بار بار نہیں جھیل سکتا۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا، تم فکر مت کرو۔"

"ہاں ماں...... اب تو سب ٹھیک کرنا پڑے گا۔"

☆......☆......☆

آج امانت کی برسی تھی۔ وہ قبرستان سے نم آنکھوں سے لوٹی تھی۔ ہاتھ پر اب بھی پٹی بندھی تھی۔ گھر آتے ہی خیر و خیرات کے کاموں میں لگ گئی تھی۔ زندگی اس سے وڈیو کال پر بات کر رہی تھی۔ آج وہ صبح سے اس کے لیے فکر مند تھی، ہر سال اس دن وہ بے حد اداس ہوتی تھی، آج کے دن تو عزت بی بی بھی اسے چھٹی دے دیا کرتی تھی۔ وہ عافی کو بتا ہی رہی تھی کہ بالآخر بندگی نے کال لے لی۔

"کیسی ہو بندگی؟"

"ٹھیک ہوں باجی۔"

"لگ تو نہیں رہی......" زندگی کا اتنا کہنا تھا کہ وہ رونے لگی۔

''بندگی! اتنے سال گزر گئے امانت کو گئے ہوئے، اب تو سنبھل جاؤ۔''

''کیوں چلے گئے وہ باجی، اتنی جلدی۔''

''بندگی! سب کو جانا ہوتا ہے۔''

''ہاں۔ بس یہی سوچ لیتی ہوں۔'' وہ بچوں کی مانند اپنے مرحوم شوہر کو یاد کر کے رو رہی تھی۔ اس کا ہر ایک آنسو عافی کے دل پر جیسے گر رہا تھا۔

اس دن تو وہ بھی کبھی نارمل نہیں رہا تھا۔ یہ آٹھ اکتوبر کا دن تھا۔ اس دن اس نے بھی صدیوں سے سوئی زمین کو جاگتے ہوئے دیکھا تھا۔ آج بندگی کو اتنا دکھی دیکھ کر اور بھی رنجیدہ ہوا تھا۔ وہ رہی تھی۔ اس نے کیا نہ کھایا تھا۔ دادا، دادی، بچے، چاچی، چاچا، سب کی لاشیں دیکھی تھیں۔ اس سے صبر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ جذباتی ہو گئی تھی۔ اسے روتا دیکھ کر عافی بے چین ہو گیا تھا۔ اس نے زندگی سے اس کا موبائل لے لیا تھا۔

''بندگی۔'' وہ اسے پکار رہا تھا۔

''مت رویا کرو اتنا پلیز۔'' اس کی آواز میں عجیب سا درد تھا۔ ''دیکھو چپ کر جاؤ ورنہ میں ابھی پنڈی آتا ہوں۔''

اس بات پر اس نے اوپر دیکھا تھا۔

''نہیں، تم نہیں آؤ گے عافی۔''

''میں آ رہا ہوں۔'' اس نے حتمی فیصلہ سنایا تھا جیسے۔

بندگی نے اس کے آنے کے خوف سے آنسو پونچھ لیے تھے اور کہا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔ مجھے کسی کی ضرورت نہیں۔ کوئی نہیں آئے گا یہاں۔''

عافی نے کال کاٹ دی اور زندگی سے کہا۔

''چلو چلتے ہیں۔''

''عافی! ہم کل ہی تو آئے ہیں۔''

''تو کیا ہوا آج پھر چلتے ہیں۔''

''لیکن تمہاری تو امپورٹنٹ میٹنگ تھی۔''
''پھر کبھی کرلوں گا میٹنگ۔تم نے دیکھا تھا بندگی نے اپنی کیسی حالت بنا رکھی تھی۔''
''وہ اس دن ایسی ہی ہوتی ہے۔کل تک ٹھیک ہوجائے گی۔ہمارے جانے سے اور بھی ڈسٹرب ہوگی۔''
''لیکن......''
''عافی! مجھے ابھی فزیوتھراپسٹ سے ملنا ہے۔آج کچھ ٹیسٹ بھی کروانے ہیں اور تمہاری بھی تو میٹنگ ہے۔''
''زندگی! ہمیں اس کے پاس ہونا چاہیے۔'' عافی کے لہجے میں عجیب سے تڑپ تھی۔
''عافی! ریلیکس...... وہ ٹھیک ہے۔'' زندگی سمجھ نہیں سکی تھی۔ بندگی کے آنسو عافی کے دل پر گرتے تھے۔اس نے اسے ہمیشہ خوب رلایا تھا۔وہ اسے اتنا رلا چکا تھا کہ اب جب بھی وہ روتی تھی اس کا سارا وجود رونے لگتا تھا۔
''میم! فزیوتھراپسٹ صاحبہ آئی ہیں۔'' ملازمہ نے دراوزے پر دستک دے کر انفارم کیا تھا۔
''میں آتی ہوں۔'' اس نے بیساکھیاں خود ہی لے لیں اور آگے چل نکلی۔آج عافی اسے بیساکھیاں دینا بھول گیا تھا اور نہ ہی سہارا دے رہا تھا۔
''عافی.....'' زندگی نے اسے مدد کے لیے پکارا تھا۔وہ اس کا سہارا چاہتی تھی لیکن اسے تو اس وقت خود کسی سہارے کی ضرورت تھی۔وہ اپنی ہی جگہ پر بیٹھا رہا۔زندگی کا ہاتھ معلق سا رہ گیا۔ملازمہ اندر آ چکی تھی۔اس نے آتے ہی زندگی کو تھام لیا۔تو عافی بھی اپنے حال میں آیا۔اس نے زندگی کو آکر سنبھال لیا تھا۔عافی اسے کبھی گرنے نہیں دے سکتا تھا لیکن خود لڑکھڑا گیا تھا۔آج اس کے قدم آگے پیچھے پڑ رہے تھے۔زندگی اسے فکرمندی سے دیکھ رہی تھی۔وہ زلزلہ آیا تھا آ کے چلا گیا تھا لیکن اس کی تباہیاں آج بھی جاری تھیں۔زندگی خود کو میچور اور دور رس سمجھتی تھی،اسے آج تک بندگی بے حد حساس اور اوور تھنکنگ والی لگتی تھی لیکن آج عافی کو دیکھ کر احساس ہوا،وہ تو حساسیت کے معاملے میں بندگی کے جیسا ہی تھا۔

☆......☆......☆

عزت نے برے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔عافی کی ایک بات پر عمل کر کے اس کے اندر سکون کا در کھلا تھا۔عافی نے اسے اچھا سبق دے دیا تھا۔اس کے پاس بہت دولت تھی، وہ اپنی دولت کا دان بہت مرتبہ کر چکی تھی لیکن اس کی اصلی دولت اس کا ہنر تھا۔جب اس نے اپنے ہنر کا دان دینا شروع کیا تھا، سخاوت کی ایک روشن لو دل میں روشنی پھیلانے لگی تھی۔اصلی اصل دولت کا دان کرنا ہی اصل دان ہے۔اگر اپنے ہنر، اپنی صلاحیتوں کو ہم صرف اور صرف پیسہ کمانے کے لیے استعمال کرتے ہیں تو ہم خود غرض سے بن جاتے ہیں۔کسی کو کچھ دینے والی خوشی اس وقت دگنی ہو جاتی ہے جب ہم اپنے فن کو ضرورت مندوں کے حق میں استعمال کریں۔کاش کہ اس بات کو ہر کوئی سمجھے۔ڈاکٹر بھی کبھی کبھی کسی کا مفت علاج کر دیں۔وکیل بھی کبھی کبھی کسی کا مفت کیس لڑ لیں، ہر فن کار میں اپنے فن کو بانٹنے کا جذبہ ہو، دولت کا دان کرنا بے حد لازمی ہے لیکن جس ہنر، جس فن سے دلوت کمائی جاتی ہے اس کا دال اصلی دان ہوتا ہے۔

عزت نے نرم و نازک لبوں کو خوب سجایا تھا۔اب وہ سوجھے، پھٹے لب لال کرنے لگی تھی۔آج ایک مانگنے والی لڑکی کو کچھ پیسے بھی دیئے، لپ اسٹک بھی لگائی اور لپ اسٹک دی بھی۔اس کی آنکھوں میں جو چمک ابھری تھی۔اس چمک کو دیکھ کر عزت بی بی کا دل ٹھنڈا ہو گیا تھا۔اس نے اب فری بیوٹیشن کورس ایک این جی اوز کی مدد سے اوپن کیا تھا۔جو کم آمدنی والے لوگوں کو بیوٹیشن کا کورس سکھا رہے تھے۔

آج ۱۸ اکتوبر کا دن تھا۔وہ جانتی تھی خوش دل آج بہت اداس ہوگی۔آج کے دن اس نے اپنے کئی رشتے کھوئے تھے۔وہ سمجھ سکتی تھی ایک کمزور سی لڑکی کے لیے اپنے اتنے سارے رشتے داروں کو بے یارو مددگار رہو کر سپرد خاک کرنا کس قدر دشوار رہا ہوگا۔

آج وہ اس کی طرف آ گئی۔عافی بھی پنڈی آنے سے خود کو روک نہ سکا تھا۔

عزت اندر تھی، بندگی روتی رہی تھی۔عافی باہر بیٹھا تھا۔اس نے عافی کو آنے سے منع کیا تھا۔یوں بھی عافی کی موجودگی وہ اپنے آس پاس ممنوع کر چکی تھی لیکن وہ کیا کرتا، کرتا بھی کیا۔وہ روتی رہی تھی۔وہ تڑپتا رہا تھا۔

”دل! بس کرو میری جان۔پانی پی لو۔“

''آپا! اماں اور چاچی کے زیور مجھے نوچ کر دیئے گئے تھے۔ دادا جی کے جیب سے نکلے پانچ سو بھی مجھے دیئے گئے تھے۔ چاچے کے پاس بھی سو روپے تھے اور بچوں کی ٹافیاں......'' وہ بے انتہا رو رہی تھی۔ ''آپا! امیر اور غریب صرف انسان نہیں ہوتے۔ امیر اور غریب کی لاشیں بھی ہوتی ہیں، غریب لاشیں بے پرواپڑی تھیں، اجتماعی قبروں میں دبائی جا رہی تھیں اور امیر لاشوں کے کئی کئی وارث جمع تھے۔ بھوک اور افلاس میں لالچی پھرتے درندے بھی تھے جو کچھ پانے کے غرض سے ہر بھاری پتھر کے نیچے لاش تلاشتے تھے، خاص طور پر خواتین کی لاشیں۔'' وہ یادِ ماضی سے زخمی تھی، روتی ہی جاتی تھی۔ اس کے پاس وہ ٹافیاں موجود تھیں بس۔ باقی سب پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے وہ بیچ چکی تھی۔ خرچ چکی تھی۔

''میں آج وہی لائی ہوں۔ تم نے وہ زیور مجھے بیچے تھے۔'' عزت بی بی نے اپنے پرس سے وہی چین اور بالیاں نکالی تھیں جو وہ بیچنے اس کے پاس آئی تھی۔

''اللہ اللہ۔ اماں! چاچی! کتنی خوش ہوتی تھی وہ یہ بالیاں پہن کر۔''

''اور اماں کا یہ اللہ لکھا لاکٹ ان کے لیے بے حد مقدس تھا۔ کس قدر عقیدت تھی انہیں اس سے۔ اللہ میرے اللہ۔'' وہ رو رو کر ان کے لیے دعا کر رہی تھی۔ پھر کافی دیر بیٹھی رہی۔ روتی رہی، کچھ دیر روتی پھر کہتی۔ ''میں گنہگار ہوں۔ میں گنہگار ہوں۔ مجھے معاف کر دینا۔'' پھر کہتی۔ ''گناہ مت کرنا، کبھی گناہ مت کرنا۔ بہت بڑی قیمت چکانی پڑتی ہے۔''

عافی جانتا تھا وہ اپنے کس گناہ کو کوستی تھی۔ اس سے کی گئی محبت اب اسے گناہ لگتی تھی۔

''معاف کرو خود کو میری بچی۔ انسان غلطیوں کا پتلا ہوتا ہے۔''

''اللہ مجھے کاف کر دے مجھے۔ میں ایک مکروہ گناہ کر بیٹھی ہوں۔ میں نے محبت کی۔ گناہ کیا اور محبت میں حد سے گزر گئی۔ گناہ پر گناہ کیا۔''

''نہیں۔ تم نے محبت کی تھی بس۔''

''ایسی محبت جو آپ کو اپنے اللہ کے آگے شرمندہ کر دے۔ وہ محبت محبت نہیں ہوتی، گناہ ہی ہوتی ہے۔''

''عافی تو سمجھتا تھا وہ اس سے نفرت کرتی تھی، اس محبت سے نفرت کرتی تھی جس میں وہ بس عافی

کی ہوگئی تھی جس میں اسے عافی کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا لیکن وہ تو خود سے نفرت کرتی تھی۔ عافی کو لگتا تھا وہ کبھی نہ کبھی اسے معاف کر دے گی۔ پر وہ تو خود کو معاف نہ کر سکی تھی۔ وہ اگر جلتا رہا تھا تو وہ سلگتی رہی تھی۔

"بس اب بھول بھی جاؤ دل۔ ایک کام کرو، چلو وضو کر لو۔ تمہیں اب بس سکون قرآن پاک پڑھنے سے ہی مل سکتا ہے۔ اٹھو۔ اٹھو میری بچی۔ اٹھو وہ سب کا خدا ہے۔ بھلے سے بھلوں کا بھی، برے سے بروں کا بھی اور تم جتنی توبہ کر چکی ہو اتنی توبہ ہر کوئی تو نہیں کر سکتا۔ اٹھو۔" عزت جیسے تیسے کر کے اسے سنبھال رہی تھی لیکن عافی کو کون سنبھالتا۔

وہ کافی دیر اندر اس کے پاس رہی، جب بندگی کو سکون آیا تو اسے بھی گھر کی یاد آئی۔ نماز پڑھنے کے بعد وہ کچھ اچھا محسوس کر رہی تھی۔ نوٹی ان کے لیے کافی بنا آیا تھا۔ بندگی حسبِ معمول انگلیوں پر تسبیح پڑھ رہی تھی، باہر عافی بھی ایسا ہی کر رہا تھا۔ عزت نے اسے کھڑکی سے دیکھا تھا۔ وہ سوچنے لگی تھی۔ دونوں کے دکھ ایک جیسے تھے۔ عادتیں بھی ایک تھیں۔ دونوں پر بلا کی آفتیں گزر چکی تھیں۔ لیکن پھر بھی دونوں کس قدر دور تھے۔ وہ اندر نہیں آیا تھا، باہر تڑپ رہا تھا۔ وہ باہر نہیں آئی تھی، اندر تڑپتی رہی تھی۔ دونوں یکساں تڑپتے تھے۔ دونوں یکساں جلتے تھے۔ کاش وہ ان کو ایک کر سکتی۔ کاش وہ ان کے ایک ہونے کا سبب بن سکتی۔ کاش کہ ایسا ہو سکتا۔ اس نے ٹھنڈی سانس بھر کر دل ہی دل میں کہا تھا۔

☆......☆......☆

بندگی جب سو گئی تو عافی کو بھی گھر کی یاد آ گئی۔ زندگی کئی بار کال کر چکی تھی۔ دارالحکومت میں رات اترتے ہی وہ گھر آیا تھا۔ اس نے زندگی سے آنکھیں ملانے سے گریز کی تھی۔ اگر اس سے آنکھیں ملاتا تو کہیں وہ بندگی کی تڑپ کو اس کی آنکھوں میں جھانک ہی نہ لیتی۔ وہ سیدھا کمرے میں آیا اور کچھ کھائے پیئے بنا ہی سو گیا۔ کتنی ہی دیر اسے نیند نہ آئی۔ وہ ساکت سا ایک سمت لیے بیڈ پر پڑا ہوا تھا۔ کہ نوٹی کا نمبر اس کی موبائل اسکرین پر چمکنے لگا تھا۔ اس نے فوراً اٹھا لیا۔ بندگی کا خیال تھا۔

"عافی سر! وہ گھر میں پولیس آئی تھی۔ عزت بی بی پکڑی گئی ہے۔ وہ بندگی باجی کو ان کا سیکنڈ ہینڈ کہہ کر اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں۔ آپ جلدی آئیں۔"

وہ ایک دم اٹھ بیٹھا۔اس کے حواس خطا ہو چکے تھے۔

''عافی! کیا ہوا ہے؟'' پاس میں سوئی زندگی نے پوچھا تھا۔

''اسے کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ میں کچھ نہیں ہونے دوں گا اسے۔'' اس کے منہ سے بس یہ جملہ ہی نکل پایا تھا اور وہ جو ابھی ملنے کی سکت بھی نہ رکھ پا رہا تھا یک دم اٹھ کے نا جانے کہاں سے کہاں چلا گیا تھا۔زندگی تکتی کی تکتی رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

''میں اپنے سارے جرم مانتی ہوں لیکن اس کا کیا قصور ہے، اسے تو جانے دو نا۔''

عزت لاک اپ میں تھی۔ بندگی انسپکٹر کے سامنے بیٹھی تھی۔

''قصور؟'' انسپکٹر نے اسے سر سے پا کاٹ کھانے والی نظروں سے دیکھ کر کہا تھا۔

''قصور نکل آئے گا۔ نکال لیں گے۔ اب اسے ایسے بھی تو جانے نہیں دے سکتے۔'' اس نے بندگی کے پاس آ کر کہا تو اس نے آنکھوں میں سختی برت کر اسے باز آنے کے لیے کہا تھا۔

''اُف۔ ماشاءاللہ۔ کیا آنکھیں ہیں۔ کیا خوب صورت چہرہ۔''

''دیکھو تم ایسا نہیں کر سکتے۔ میری پہنچ بہت آگے تک ہے۔'' عزت نے غصے سے کہا تھا۔

''پہنچ یہاں پہنچنے سے پہلے ہوتی ہے بی بی۔ یہاں آن کے بعد کچھ نہیں ہوتا۔ نہ آگے نہ پیچھے۔''

''میں تمہیں ڈس مس کروا سکتی ہوں۔ سمجھے تم۔''

''پہلے خود کو تو رہائی دلواؤ۔ اور اب چپ کرو، مجھے میرا کام کرنے دو۔''

''تو دل......دل، دل، دل آپ کا اصلی نام کیا ہے؟'' انسپکٹر نے دل پہ ہاتھ رکھتے ہوئے نہایت ہی عجیب انداز میں پوچھا تھا۔

''بندگی۔'' اس نے رخ بدل کر جواب دیا تھا۔

''بندگی عرف دل۔ واہ کیا بات ہے۔'' وہ من ہی من میں مسکرانے لگا تھا۔عزت کا دل چاہ رہا تھا وہ سر پھوڑ دے اس بدنیت انسپکٹر کا۔

”کہاں رہتی ہیں آپ دل؟“

”جہاں سے آپ لے آئے تھے۔“ اس نے قدرتاً کتراتے ہوئے کہا تھا۔ وہ پہلے سے ڈری سہمی ہوئی تھی اور انسپکٹر کی نظریں اسے اور پریشان کر رہی تھیں۔

”کون کون رہتا ہے تمہارے گھر میں دل؟“

”کوئی نہیں۔“

”اسٹرینج۔ خوب صورت لڑکی۔ خوب صورت تنہا لڑکی۔“ وہ دل جوئی کرنے لگا۔ اسے اس انکوائری سے لطف مل رہا تھا۔ اور بندگی کی جیسے جان جا رہی تھی۔

”یہ تنہا نہیں۔ میں اس کے ساتھ ہوں۔“ عافی آیا تھا۔ بندگی کی جان میں جان آئی تھی۔

”آپ کی تعریف؟“

☆......☆......☆

”کہاں جا سکتا ہے اس وقت عافی۔ کس کی کال آئی تھی۔ اس کا پرسنل نمبر تو بند تھا۔ پھر کسی دوسرے نمبر پر اس وقت کون کال کر سکتا ہے۔“

زندگی بے حد الجھی تھی۔

”رخسار...... وہ لڑکی...... جو لڑکی گھر تک آسکتی ہے وہ یوں آسانی سے تو عافی جیسے مرد کو نہیں چھوڑ سکتی۔ لیکن میں کیسے اسے فراموش کر سکتی ہوں۔ مجھے اس پر نظر رکھنی چاہیے۔ ملازموں نے بتایا تھا کہ شادی ہونے والی تھی ان دونوں کی۔ یہ بات اتنی آگے تک پہنچ گئی تھی۔ وہ یوں ہی عافی کو جانے تو نہیں دے گی۔ مجھے پتا کرانا ہوگا، ملنا پڑا تو مل بھی لوں گی۔ پتا تو چلے آخر چاہتی کیا ہے۔ لیکن میں یہ بھی تو نہیں جانتی کہ عافی اس وقت وہاں ہے یا کہیں اور۔“

زندگی بستر پر کروٹ بدل بدل کر نا جانے کیا سے کیا سوچے جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

''عزت بی بی کا کیا ہوگا۔'' اس نے عافی کی گاڑی میں بیٹھتے ہی پوچھا تھا۔ وہ آج بہت زیادہ روئی تھی جس کی وجہ سے اس کی آنکھیں بے تحاشا سرخ تھیں اور آواز گھبرائی ہوئی۔ عافی خاموش رہا تھا۔ وہ بندگی کو اس انسپکٹر کی نظروں سے دور لے آیا تھا۔ اس کا خون اب تک کھول رہا تھا۔ اسے بار بار اس کی نظریں یاد آرہی تھیں۔

''عافی! عزت بی بی کا کیا ہوگا۔ وہ کیوں نہیں آرہی؟''

''ان کی بیل نہیں ہوئی۔''

''کب ہوگی ان کی بیل؟'' بندگی بے حد پریشان تھی۔

''کل ہی ہو جائے گی۔''

''کل ان کی بیل کروا دینا۔ عزت بی بی کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔ وہ توبہ کر چکی ہیں سارے برے کام چھوڑ چکی ہیں۔''

توبہ کا اصول اس دنیا کے لیے ہوتا ہے۔ اس دنیا کی سزائیں اپنی ہیں۔ یہاں توبہ کرنے والوں کی ہی سزائیں ملتی ہیں۔ یہاں ہر کوئی اپنے گناہ کی سزا بھگت رہا ہوتا ہے۔ جیسے کہ وہ اپنے گناہوں کی سزا کاٹ رہا تھا۔ وہ گنہگار تھا تب ہی تو اسے یہ دن دیکھنا پڑا تھا۔ اگر وہ گنہگار رہوتا تو کیا کوئی بندگی کو اس نظر سے دیکھ سکتا تھا۔ اسے اکیلا سمجھ کر بے وجہ شک کی بنیاد پر اتنے گھنٹے تفتیش کر سکتا تھا۔ وہ گنہگار ہی تو تھا جو بندگی کے سامنے ہوتے ہوئے بھی اس پر اپنا کوئی حق نہیں جتا سکتا تھا۔ آج کے قصے سے وہ تڑپ رہا تھا۔ اپنی بے بسی کا سوچ کر وہ تڑپ رہا تھا اور بندگی کو بس عزت بی بی کی پروا تھی۔ عافی کی تڑپ سے اسے کوئی غرض نہیں تھا۔

''تو کیا انہیں سزا ہوگی۔ وہ جیل جائیں گی۔ بتاؤ نا عافی، بتاتے کیوں نہیں ہو۔''

''وہ اپنا جرم مان چکی ہیں۔ اور تم مت گھبراؤ تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ عزت بی بی نے تمہیں مجھ سے چھپانے کی خاطر سب سے چھپا کر رکھا تھا۔ تمہارا نام کہیں بھی نہیں ہے اور اب وہ انسپکٹر بھی تمہیں تنگ نہیں کرے گا۔''

اس کے چہرے پر مزید پریشانی در آئی۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"گھر جا رہے ہیں۔"

"لیکن یہ راستہ تو میرے گھر کی طرف نہیں جا سکتا۔"

"میں تمہیں اپنے گھر لے جا رہا ہوں۔"

"نہیں کبھی نہیں۔ میں وہاں کبھی نہیں جاؤں گی۔ تم گاڑی روک لو۔" وہ ایک دم غصے میں آ گئی تھی۔ وہ تڑپ سی اٹھی۔ عافی کی آج کی اصل آزمائش تو اب شروع ہوئی تھی۔

"بندگی! تم یہاں محفوظ نہیں ہو۔"

"کیوں محفوظ نہیں ہوں۔ ابھی تو کہا تم نے کہ میرا نام کہیں نہیں ہے۔"

"میں کیسے سمجھاؤں تمہیں۔" عافی سخت پریشان تھا بندگی کے لیے اور وہ بھی بس اسے زچ کرتی جاتی تھی۔

"مت سمجھاؤ مجھے جانے دو۔ میں تمہارے ساتھ ہرگز نہیں آ سکتی۔"

"اور میں تمہیں ان بھوکی نظروں کے لیے تنہا نہیں چھوڑ کے جا سکتا۔ تم کچھ بھی کہو میں تمہیں یہاں اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔"

"تم آئے ہی کیوں تھے عافی۔ چلے جاتے۔ عزت بی بی کی پہنچ بہت دور تک ہے۔ وہ مجھے آزاد کروا دیتی۔"

"تم کچھ بھی کہہ دو اب میں تمہیں یہاں نہیں رہنے دوں گا۔"

"تم سمجھ جاؤ پلیز۔ کیوں نہیں سمجھ رہے۔" اس نے درد سے ہاتھ جوڑ کر التجا کی تو عافی نے گاڑی روک لی۔

"ایسی التجائیں مت کیا کرو بندگی۔ مت بار بار ہاتھ جوڑا کرو۔ تمہارے لیے میں......"

"عافی! مجھے میرے گھر چھوڑ دو۔" اس کی ضد تھی۔ وہ بے بسی سے اس گاڑی سے نکلنے کا سوراخ

ڈھونڈ رہی تھی۔

"بندگی! تم میرے ساتھ محفوظ ہو، تمہیں کیوں یہ یقین نہیں آتا۔"

"تمہارے ساتھ کوئی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ میں تم پر یقین نہیں کر سکتی۔" اس نے بدگمانی کا کھلم کھلا اظہار کیا تھا۔

"ٹھیک ہے مت کرو یقین۔ بس میرے ساتھ چلو۔ یقین خود آ جائے گا اور میں تمہیں اپنے گھر لے جا رہا ہوں۔ وہاں زندگی ہے تمہاری بہن۔ مجھ پر نہیں تو اس پر یقین کر لو۔ یہاں یہ انسپکٹر بار بار آتے رہے گا۔"

وہ اب بھی عافی کی باتوں پر دھیان دھرنے کی بجائے یہاں سے نکلنے کی کوشش کیے جا رہی تھی۔

"بندگی...... بندگی۔" اس بار عافی نے اسے سختی سے پکارا تھا۔

"چپ چاپ بیٹھو۔ اگر تم یہاں سے اتری تو میں زندگی کو سب سچ بتا کر ہمیشہ کے لیے تمہیں اپنے گھر میں رکھ لوں گا۔"

"کیا کہا تم نے؟" اس نے لال پیلی ہوتے ہوئے پوچھا تھا۔

"وہی جو تم نے سنا۔ نوٹی ٹھیک کہتا ہے میرے پاس دوسری شادی کا آپشن شروع سے تھا۔"

بندگی دنگ رہ گئی۔

"تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو۔"

"میں صرف کہہ نہیں رہا میں کر بھی سکتا ہوں۔ اور تم سے ہاں بھی کروا سکتا ہوں۔ تمہیں پانا میرے لیے مشکل نہیں بندگی۔ میں چاہتا تو زندگی کو مجبور کر کے کب سے تمہیں اپنا بنا سکتا تھا لیکن میں نے کبھی ایسا نہیں کیا، اور اب تم بھی مجھے مجبور مت کرو اور سمجھنے کی کوشش کرو۔ عزت بی بی قید میں ہے۔"

"سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ تم نہ آتے تو کچھ غلط نہ ہوتا۔"

"ٹھیک ہے کوستی رہو مجھے جتنا کوسنا ہے۔ لیکن اس وقت کوئی اور چارہ نہیں ہے میرے پاس۔ تمہارا مسئلہ میں ہوں نا۔ میں وعدہ کرتا ہوں تمہاری نظروں سے دور رہنے کی پوری کوشش کروں گا۔"

''ایک ہی گھر میں ایسا کیسے ممکن ہوگا؟''

''ہو جائے گا۔''

اسے اعتبار تو نہ تھا لیکن سچ تو یہ تھا انسپکٹر کی نظروں نے اسے بہت ڈرایا تھا۔ وہ چپ ہو گئی تھی یعنی مان گئی تھی۔ عافی نے دل ہی شکرادا کیا۔

''تمہاری طرف سو سو نظریں اٹھیں، تم دوسروں کی نظروں میں یوں اس طرح آؤ۔ اس سے پہلے میں تمہیں اپنی نظر میں قید کرلوں گا۔'' عافی کا دل بے تحاشا جل رہا تھا۔ آج اسے اپنی غلطی پر پچھتاوا ہو رہا تھا۔ اسے بندگی کو عزت بی بی سے آواز کروا کر اپنے ساتھ آنے پر مجبور کرنا چاہیے تھا۔

☆......☆......☆

شب سے صبح ہونے کو آئی تھی۔ نا جانے آسمان پر ٹمٹماتے تارے کہاں چھپ گئے تھے۔ نا جانے آنکھوں کو سکون بکھیرتی نیندیں کہاں غائب تھیں۔ عافی کی محبت، اور اس محبت پر زندگی کا ایمان نا جانے کہاں گم تھا۔ بے یقینی سی بے یقینی کی ایک آگ تھی جو دل کو ہزاروں الجھنوں کے خولوں میں تنہا بھٹکا رہی تھی۔ آج پہلی بار وہ عافی کو اتنا بے چین دیکھ چکی تھی۔

صبح کاذب کا اندھیرا قائم تھا۔ عافی کی گاڑی پورچ میں آرکی تھی۔ گاڑی میں کسی لڑکی کا عکس ابھر رہا تھا۔ اس کی بے تابیاں انتہا پذیری کی حد پار کر رہی تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنا آپ کھوتی، گاڑی میں اترنے والی لڑکی کا چہرہ نمودار ہوا تھا۔

''بندگی......'' بہن کو دیکھ کر اس کے چہرے کے تنے ہوئے عضلات کس سے کھا گئے تھے۔ وہ بہن کی محبت میں تڑپ سی اٹھی تھی۔ اس سے ان کے اندر آنے کا انتظار نہ ہو پایا۔ وہ سہاروں کو تھامتی ہوئی باہر نکل آئی۔

بندگی زندگی کو دیکھ کر اس سے لپٹ گئی۔

''کیا ہوا ہے؟'' وہ پریشان ہو رہی تھی۔ عافی رخ بدل کر کھڑا تھا۔ بندگی میں سکت کہاں تھی کہ کچھ بول پاتی۔

"زندگی! بٹھاؤ اسے میں پانی لاتا ہوں۔"

عافی جب تک پانی لاتا، بندگی نے ٹوٹے ٹوٹے الفاظوں میں بتایا تھا۔

"وہ عزت آپا کو پولیس پکڑ کر لے گئی......اور......اور......باجی......مجھے بھی پولیس لے گئی تھی۔"

زندگی نے حیرانی کے باعث منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور اپنا سہارا کھونے لگی۔ عافی پانی کچن سے لے آیا تھا۔ اس نے آتے ہی زندگی کو گرنے سے سنبھال لیا۔ عافی کو دیکھ کر زندگی کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ عافی اس کی بہن کی مدد کر رہا تھا اور وہ کیا سے کیا سوچ رہی تھی۔

عافی نے احتیاط سے اس کی بہن کے پاس بٹھایا اور کہا۔

"سامنے والی انیکسی کو صبح خالی کرنے کو کہہ دینا۔ بندگی اب سے وہاں رہے گی۔"

وہ اتنا کہہ کر کمرے میں آیا تھا۔ زندگی اس کی اس ادا پر ہی تو مرتی تھی۔ وہ باقی مردوں کی طرح نہ پہلے تھا اور نہ ہی تو آج۔

☆......☆......☆

اس دنیا کے تعلق، اس دنیا کی دوستی بھی اس ہی دنیا کی طرح ناپائیدار ہوتی ہیں، وقت جو آن پڑا تو انسان پر اس کے تنہا سفرِ حیات کا راز افشا ہو جاتا ہے۔ عزت بی بی کے ہزاروں تعلق، اس کی قلا کے مدح، اس کے اونچے اونچے خاندانوں کی خاتون کسٹمرز، سب کی سب پیچھے ہٹ گئی تھیں۔ عزت کی گرفتاری نے Candidate Exchange کے معاملے کو پھر سے آگ لگا دی تھی۔ لوگوں کو، میڈیا کو پھر سے سکینہ یاد آ گئی تھی۔ ہر بات پھر سے چلنے لگی تھی۔ گو کہ اس نے سیکنڈ پوزیشن لے کر اپنے آپ کو ثابت کیا تھا مگر وہ کہتے ہیں نا 'بد سے بدنام' ہونے میں کیا وقت درکار ہوتا ہے۔ پولیس کو عزت اور سکینہ کے کالز ریکارڈز بھی مل گئے تھے۔ اب تو وچن بھی اس سب سے بچ نہیں سکی تھی۔ بندگی بھی مسلسل زیر تفتیش تھی۔ دیپک اب بھی وچن سے بات کرنے کو تڑپ رہا تھا، پر وہ تھی کہ دردسی بن گئی تھی۔ اب تو اسے سزا سے بھی ڈرنا لگتا تھا۔ بس اس بات سے ڈرتی تھی کہ اگر وہ سامنے آتی ہے تو سکینہ کے خلاف پولیس کو ثبوت مل جائیں گے۔

فری اور دوری کے گھر پھر سے میڈیا والے چکر پر چکر کاٹنے لگے تھے۔ پہلے کی بات الگ تھی انہیں سکینہ سے نفرت تھی لیکن اب وہ سکینہ سے ان کی سکی بن گئی تھی۔ انہوں نے کسی سے بھی ملنے سے انکار کر دیا۔

شان کو بھی میڈیا والے گھیر لیتے تھے۔ وہ سکی کی وجہ سے پہلے سے پریشان تھا اور آج تو پھر سکینہ کی موم بھی آئی تھی۔

''تم کچھ دنوں کے لیے کہیں چلے جاؤ بیٹا! سکینہ مشکل میں ہے، تم اتنا تو کر سکتے ہو نا؟''

اب وہ کیا اور کیسے کہتا کہ وہ سکینہ کے لیے کیا کیا کر سکتا تھا۔ شان شہر سے باہر چلا گیا تھا۔ فری اور دوری بھی اس کے ساتھ آئی تھی۔ شان کی ماں کو ڈر تھا کہ اگر سکی کو کچھ بھی ہوا تو شان کہیں پہلے والی حالت میں پھر سے نہ چلا جائے۔ فری اور دوری کی آنٹی کو تسلیاں دیتی رہتیں اور شان پر پوری نظر رکھتی ی۔ اس کی ہر ایک چیز کا خیال رکھتیں لیکن اس وقت انہیں وچی کی بھی تو پروا تھی۔

دوستوں پر برا وقت آیا تھا۔ وہ چاہ کر بھی کچھ نہیں کر پا رہی تھی۔ دونوں اکثر سر جوڑ کر دکھ بانٹتیں رہتیں۔

☆......☆......☆

وچی آج عزت سے ملنے آئی تھی۔ حراست میں آ کر عزت کے چہرے پر عمر کے اثرات بھی واضح ہوئے تھ۔ آج وہ ایک لاغر و موروسی خاتون نظر آ رہی تھی لیکن انداز آج بھی دلبرانہ تھا۔ وچن کو دیکھتے ہی کہا۔

''اخلاق کا تیرے جیسا پکا آج تک نہیں دیکھا۔ آ گئی اخلاقیات کی پاس داری کرنے کے لیے۔ میں بس آپ سے ملنے آئی ہوں۔''

''یہاں بس کوئی ملنے نہیں آتا بس اس لیے ہی کہہ رہی تھی۔''

''آپ کو دیکھ کر پہلی بار احساس ہوا کہ کاش میں چپ رہ جاتی۔ کاش فری اور دوری کے ذریعے اس مسئلے کو سب کے سامنے نہ لاتی تو آپ آج آزاد ہوتی۔''

''میں تو اب بھی آزاد ہوں، یہاں آکر احساس ہوا پوری زندگی اور زیادہ اور بھی زیادہ کی حرص میں قید رہی ہوں۔ اور اب کوئی حرص نہیں ہے، کوئی قید نہیں ہے، بالآخر اس عمر میں، میں آزاد ہو ہی گئی۔ سچ پوچھو تو میری آزادی کا وسیلہ میرے رب نے تجھے بن کر بھیجا تھا۔ اگر میں خوش دل سے اس کی بہن زندگی کی جان چھڑانے کے لیے تمہارا انتخاب نہ کرتی تو کبھی تم عافی کو بندگی سے نہ آن ملاتی۔ اور پھر تم؟ کون دوسروں کی جگہ پیپر دے کر ٹاپ کر لیتا ہے۔ سب تو بس پاس ہوتے رہتے تھے اور تم نے تو ٹاپ کر دیا۔ مجھے کبھی کبھی تمہارا انتخاب غلط لگتا تھا، میں جانتی تھی تم دوسروں سے الگ ہو اس لیے تم سکینہ کی شادی کی مجبوری میں مجبور کر کے تمہیں پیپر دلوائے تھے۔ ورنہ تو سب کو پیسوں کا لالچ ہی کافی ہوتا تھا، کبھی کبھی تمہارا انتخاب بالکل درست لگتا تھا، عافی سے بس ایک تمہارا ہی تعلق تھا۔ میں جانتی تھی تم ایک دن عافی کو لا کر دل کے سامنے لے آؤ گی اور یوں میں دل کو صرف اپنے اور اپنے قابو میں کر لوں گی۔ لیکن عافی تو آیا اور اس کے آنے کے بعد زندگی بھی چلی گئی۔ پر میں...... میں کہاں پہلے جیسی عزت بی بی رہی۔''

''آپ کو مجھے نہیں منتخب کرنا چاہیے تھا عزت بی بی۔ آپ خود بھی تو عافی کو زندگی سے ملا سکتی تھی۔''

''دل میرے کاموں کا، میرے پارلر کا دل تھی۔ میں کچھ بھی ایسا نہیں کرنا چاہتی تھی کہ اسے مجھ پر شک ہو۔ میں نے جسے جسے اپنے ہاتھوں سے کام سکھایا تھا، ان سب نے میرے جیسا کام کرنا شروع کیا تھا لیکن دل...... دل تو جیسے میں ہی بن گئی تھی۔ ہاں وچن وہ دل، عزت بی بی بن گئی تھی۔ جیسے میرا کوئی ہم جنس۔ میں نہیں چاہتی تھی دل مجھ سے کبھی بھی بدظن ہو۔ میں چاہتی تھی اسے سب کچھ اتفاق لگے۔ بس ایک اتفاق...... ایسے اتفاق کبھی نہیں ہونے چاہئیں تھے عزت بی بی۔ میں تو عافی کو بندگی سے ملانے آئی تھی لیکن کہاں کچھ بھی وہ ہوتا ہے جو ہم سوچتے ہیں۔ وہ بھی نہ ہو سکا جو آپ نے چاہا، وہ بھی نہ ہو سکا جو میں نے چاہا۔'' اس نے بے حد تاسف سے کہا اور چلی گئی۔

''مسز دیپک کپور! کیا تعلق ہو سکتا ہے عزت بی بی سے ان کا۔'' انسپکٹر اب اس کیس میں پذیرائی حاصل کرنے کے بعد حوصلہ مند و چکنا ہو گیا تھا۔ اس کی نظر عزت کی ہر ایک حرکت پر تھی۔

وچن کو اخلاقیات یہاں آکر اس پر بھاری پڑ گئی تھی۔ اس نے عزت سے ملنے آکر بہت بڑی

غلطی کرلی تھی۔ کاش وہ سب کی طرح عزت بی بی کو تنہا چھوڑ دیتی، کاش چھوڑ ہی دیتی۔

☆......☆......☆

''آخر بندگی انیکسی میں کیوں ہے عافی! وہ میری بہن ہے۔ میری بہن میرے گھر میں کیوں نہیں رہ سکتی۔''

''زندگی! اسے آزاد اور تنہا رہنے کی عادت ہے۔ تم جانتی ہو وہ خوددار لڑکی ہے۔ مجھے تو ڈر ہے کہیں انیکسی کا بھی رینٹ نہ دینا شروع کردے۔ بندگی کو وہاں ہی رہنے دو۔ یہاں لے آئے تو چلی نہ جائے۔''

''او عافی! لیکن وہ وہاں اکیلی کرے گی کیا؟''

''بندگی ہے۔ خدا کی بندگی کرے گی اور کیا۔ اور جب جب تمہاری یاد آئے گی اس طرف آ جائے گی یا پھر تم چلی جانا اس کے پاس۔''

''ہاں یہ تو ہے۔ خیر میں اسے بتادوں گی کہ تم ایسا سوچتے ہو۔ ورنہ کیا پتا کیا سوچتی ہوگی۔ بہنوں کو کوئی انیکسی میں رکھتا ہے کیا؟''

''سب ٹھیک ہے زندگی۔ تم پریشان مت ہو۔ تمہارے رہتے میں کیوں پریشان رہنے لگی۔''

''ویسے بندگی کا نام تو نہیں آئے گا نا؟''

''کوشش تو یہی ہے۔''

''کیا مطلب عافی؟''

''بات توقع سے بھی آگے نکل چکی ہے۔ عزت نے گناہ تسلیم کرلیے ہیں۔ نا جانے کتنے ٹیچرز اور اسٹوڈنٹس کی ڈگریاں کینسل کی جا چکی ہیں۔ بس بندگی اس حوالے سے خوش نصیب ہے کہ وہ اس دلدل میں رہ کر بھی اس دلدل سے پاک رہی ہے۔ پر چھینٹے تو سب پر لگتے ہیں نا۔ اس نے بھی ذرا سا ساتھ دیا تو تھا لیکن اس جانب سے بھی میں مطمئن ہوں۔''

بندگی کو عزت نے خود ہر ایک کام سے چھپا کر رکھا تھا۔ وہ اس کا انمول ہیرا تھا۔ بس وچن کی بار اسے مجبور کرلیا تھا کہ وہ سکینہ کی بڑی بہن بن کر وچن کو سکینہ کی جگہ پیپر دینے پر آمادہ کرلیں تا کہ وچن

بندگی سے مل سکے۔لیکن وہ وچن تھی۔وچن اگر پکڑی بھی گئی تو کبھی بندگی کا نام نہیں لے گی کہ اس نے اسے مجبور کیا تھا لیکن کاش کہ عافی وچن کے لیے کچھ کرسکتا۔

اسے ایک ہی بار میں آج اپنی مخلص دوست کس قدر یاد آئی تھی۔خیر وہ کب یاد نہ آتی تھی۔مخلص دوست، دوست نہیں ہوتے، ہماری عزت بن جاتے ہیں۔ناجانے وہ یاد آتے ہیں یا یاد ہوتے ہیں۔

☆......☆......☆

آج وچن کی شادی کی اینی ورسری تھی۔اس کے لیے یہ دن کسی تہوار سے کم نہ ہوتا تھا۔ہر سال وہ اس دن صبح ہوتے دیپک کو وش کرتی تھی۔دیپک کبھی جواب دیتا تھا،کبھی بچپنا کہہ کر چلا جاتا تھا اور کبھی اگر بات چیت بند ہوتی تو گھور کر چلا جاتا۔لیکن وچن اس دن کا احترام کبھی نہ بھولتی۔آج بھی یاد تھا لیکن آج وہ سوچتی کیوں یاد تھا اسے وہ سب کچھ۔اس کا تعلق تو سرے سے دیپک سے یک طرفہ تھا۔اسے بہت ناگوار گزرا تھا یہ جان کر کہ دیپک نے کبھی اسے اپنے اور اپنے آپ کو اس کے لائق ہی نہ سمجھا تھا۔

یہ دکھ اس کی روح سے آچمٹا تھا۔اس نے کیا کیا نہ کیا تھا اس رشتے کو دل سے نبھانے کے لیے بار بار ہونے والی ہتک وذلت تک کو بھی خوشی خوشی اپنایا تھا۔وہ اپنی خودداری سے لے کر اپنا آپ تک لٹا چکی تھی۔کیا تھی وچن۔ایک تیز طرار، چاق وچوبند اور ذہین لڑکی۔

کامیابیاں اس کے انتظار میں تھیں جب وہ دیپک سے دل کا رشتہ نبھا رہی تھی۔اس نے دیپک کی خوشی کے لیے سب کچھ چھوڑ دیا اور آج پتا چلا وہ رشتہ تو مجبوری کا رشتہ تھا۔لوگوں کی لعنت ملامت کے ڈر سے گلے میں بے سرے ڈھول جیسا بجتا ایک رشتہ۔دل کا ایک کمزور، ناتواں سا ایک رشتہ......اس نے خود کو آئینے میں دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔کتنی خوش فہم تھی، کتنا غلط سوچتی تھی وہ۔دیپک نے خود اس کے گھر رشتہ بھجوایا تھا۔ماں جی نے کہا تھا اس کے بیٹے نے اسے پسند کیا تھا۔اس لیے وہ اس غریب گھرانے میں اس کا رشتہ لے آئی تھی۔کسی نے کملا کے لہجے کا طنز نہ سنا تھا۔سنا تھا تو بس اتنا دیپک نے وچن کو پسند کیا ہے۔

اور آج پتا چلا ہوگا کہ میں پڑھی لکھی ہوں۔سب کہتے ہیں علم تو ایک سوغات ہے لیکن اس کے لیے......

ایک نظر میں پسند آنا تو ایک طلسم سا ہوتا ہے۔اس نے سنا تھا یہ ایک ایسا طلسم ہوتا ہے جس کا کوئی توڑ نہیں ہوتا لیکن وہ بدنصیب تھی شاید۔اس کے اس طلسم کا توڑ اس کی حاصل کردہ تعلیم تھی۔ یہ طلسم بے کار و بے معنی رہا تھا۔اسے تو سمجھ نہ آتا تھا وہ اتنی خوش فہم کیسے رہی تھی۔ یا محبت کرنے والے سب ہی خوش فہم ہوتے ہیں۔ایسی خوش فہم کے کبھی سمجھ نہ پائی۔ دیپک کا رویہ کب اس کے ساتھ اچھا رہا تھا۔ محبت تو محبت ہوتی ہے نا؟ کہاں دیپک کا اپنی ماں اور اپنے بیٹے سے محبت بھرا رویہ اور کہاں وچن سے......محبت ہو تو محبت کا بھرم خود بہ خود رکھا جاتا ہے لیکن محبت ہو ہی نہ مجبوری ہو۔اور اس مجبوری سے شدید نفرت ہو۔اس نے درد سے آنکھیں میچ لیں۔کافی دیر وہ بند آنکھوں سے ماضی کے متعلق سوچتی رہی اور جب آنکھیں کھولیں تو دیپک باقی ایجنسی ورکرز کے ساتھ سامنے کھڑا تھا۔ وہ ان سب کو یوں اچانک دیکھ کر چونک گئی تھی۔

”ہیپی اینورسری۔“ دیپک سمیت سب نے یکساں کہا تھا۔تمام ورکرز مختلف رنگوں کے پھول لیے کھڑی تھیں جبکہ دیپک کے ہاتھ میں سرخ گلابوں کا بکے تھا۔

”اتنے سال ہو گئے دیپک! تمہیں آج تک یہ نہ پتا چل پایا مجھے سفید گلاب پسند ہیں۔آج بھی رسم دنیا نبھانے کے لیے آ گئے ہو۔ یہ سرخ گلاب لے کر۔“ وچن نے دل ہی دل میں شکوہ کیا تھا۔ورکرز یکے بعد دیگرے پھول دے کر اسے وش کر رہی تھیں۔ دیپک ایک ایک قدم آگے اس کی جانب بڑھ رہا تھا۔اس کا دل چاہا روک لے لیکن سب ورکرز موجود تھے۔رسم دنیا نبھانے کی باری اب اس کی تھی۔

اس نے مجبوراً مسکرا کر دیپک سے سرخ گلاب لیے۔موقع اچھا تھا دیپک۔ سیٹھ دیپک اس لیے تو تھا کہ وہ موقع ہاتھ سے کبھی نہ گواتا تھا۔اس نے فوراً اپنی پاکٹ سے ایک لمبی ڈبیہ نکالی جس کا رنگ سرخ گلابوں سے مماثلت رکھتا تھا۔ورکرز جانے لگے تو دیپک نے سب کو روک لیا۔

”ارے کہاں جا رہی ہیں آپ سب۔رکو، تو بتاؤ تو ذرا، یہ منگل سوتر میری بیوی کے گلے میں کیسا لگ رہا ہے۔“

یہ گولڈ کا زیور تھا۔ورکرز تو دیکھتی رہ گئیں۔

وچن نے مصنوعی ہنسی ہنس کر ہاتھ آگے بڑھایا اور شکریہ بھی کہا تھا۔ یوں ہی رسم دنیا نبھانے کے لیے۔

"نہیں، میں خود پہناؤں گا۔"

"دیپک۔" اس نے باز آ جانے کے لیے کڑی نظروں سے اسے دیکھا لیکن دیپک بے فکر تھا۔

اس نے موقع کا خوب فائدہ اٹھایا اور وچن کے سونے گلے میں کالی موتیوں کا منگل سوتر پہنا دیا۔

"یہ اصلی موتیاں ہیں وچن۔ موسم کے اثرات سے پاس ہوتی ہیں۔ میں نے ہمالے سے خاص تمہارے لیے بنوائی ہیں۔"

"ہمالے سے......" ورکرز نے خوش ہو کر کہا تھا۔

"ہاں، کیسی لگ رہی ہے میری پتنی؟"

"بہت ہی زیادہ جادہ اچھی۔" یہاں اکثر خواتین زیادہ کو جادہ کہتی تھیں۔ "کتنا سوندھر ڈیزائن ہے، نازک اور مہنگا۔" خواتین تعریف کرتی چلی گئی تھیں وہ دونوں وچن کے آفس میں اب تنہا تھے۔

وچن منہ پھیر کے کھڑی تھی۔ دیپک نے اسے شانوں سے تھام کر اپنی جانب کیا تھا۔

"وچن! معاف نہیں کر سکتی مجھے؟" دیپک کی نظریں اس کے چہرے پر تھیں۔

"نہیں کر سکتی۔" وچن کی نظریں جھکی تھیں۔

"تو مجھے بتا دو میں ایسا کیا کروں کہ تم مجھے معاف کر دو۔"

"اب کوئی فائدہ نہیں دیپک۔ مجھ پر ساری حقیقتیں عیاں ہو چکی ہیں۔"

"ہو سکتا ہے اب بھی کوئی حقیقت باقی رہی ہو۔"

"اگر کوئی حقیقت رہ بھی گئی ہو گی تو وہ بھی تلخ ہی ہو گی۔ اب مجھ میں اور تلخیاں سہنے کی ہمت نہیں ہے۔"

"سنا ہے پتی پتنی ساتھ ہوں تو بڑی سے بڑی تلخیاں نہیں لگتیں۔"

"جب ساتھ ہوں نا دیپک! سب سے بڑی تلخ، تلخی ہی یہی ہے کہ آپ آج بھی آپ ہیں اور میں آج بھی میں۔ آپ اور میں کب ایک ہوئے ہیں۔"

"ہم جدا بھی تو نہیں ہوئے نا۔" دیپک پر امید تھا۔

''آپ کو ایسا لگتا ہے لیکن مجھے نہیں۔''

''ایسا ہی ہے وچن۔ ہم کل بھی ایک تھے اور آج بھی......''

''صرف لوگوں کے لیے نا۔'' وچن نے بے حد اداسی سے کہا تھا۔

''وچن! میں کیسے تمہیں یقین دلواؤں۔'' اس نے سامنے آ کر پوچھا ہی تھا کہ کملا بھاگتی ہوئی آئی تھی۔

''بہو! پولیس آئی ہے۔''

وچن تلخی سے مسکرا دی اور کہا۔

''وہ تو آنی تھی۔''

''کیا؟ لیکن کیوں؟'' دیپک آگے بڑھ آیا تھا۔ پولیس کے ہاتھ میں وارنٹ بھی تھا۔

''ہم مسز دیپک کو سکینہ ابراہیم کے میٹرک کے پیپر دینے کے جرم میں گرفتار کرتے ہیں۔''

''ایے کیسے؟ کیا ثبوت ہیں آپ کے پاس۔'' دیپک پولیس سے الجھنے لگا تھا۔ وچن خود سامنے آئی تھی۔ لیڈیز پولیس اسے دیکھتے ہی آگے بڑھ آئی۔

''میں وچن ہوں۔ میں چل رہی ہوں آپ کے ساتھ۔''

''نہیں۔'' دیپک سامنے آ گیا تھا۔

''اب تمہیں لوگوں کا خوف نہیں رہے گا دیپک۔ میرا یہ جرم تمہاری مجھ سے جان چھڑوا دے گا۔ پہلے کہہ نہ سکتے تھے میں پڑھی لکھی ہوں اور تمہارے لائق نہیں ہوں۔ اب تم کہہ سکتے ہو میں مجرم ہوں اور اس لیے تمہارے قابل نہیں۔''

''وچن! ایسا مت کہو۔'' وچن کی بات سن کر دیپک کی آنکھ بھر آئی۔ کملا بے ہوش ہونے لگی۔ دیپک نے ماں کو گرنے سے بچایا۔ اس کی دھرم پتنی کو پولیس لے گئی۔

وچن کا بہت نام تھا۔ اس گلی کوچوں میں، جس کا جتنا نام ہوتا ہے وہی اتنا بدنام ہوتا ہے۔ اس نے کسی کو نہ دیکھا تھا۔ بس نظریں نیچی کر کے گئی تھی۔

☆......☆......☆

سکینہ تھک گئی تھی جھوٹ بولتے بولتے۔ بالآخر اس نے سچ اگل لیا تھا۔ وہ نازوں پلی لڑکی لیڈیز پولیس کے چار پانچ تھپڑ پڑنے پر سب اگل چکی تھی۔ سکینہ کا چہرہ اس اسکیچ سے ملتا تھا لیکن وچن کا تو وہ اسکیچ بنا گیا تھا۔

"مجھے معاف کر دینا وچی۔" سکی نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا۔

اس نے مسکرا کر اسے گلے لگایا تھا۔

"تمہارا کوئی قصور نہیں، مجھ سے جرم ہوا ہے، سزا تو ملنی تھی مجھے اور یہ کتنا اچھا ہے اس دنیا کی غلطی کی سزا اس دنیا میں مل جائے، تاکہ اس دنیا میں جائے تو سرخرو ہو کر جائے۔"

سکی اس کی بات سن کر اور بھی رونے لگی۔

عزت بی بی، سکینہ کے والد، دیپک، عافی نے جان ماردی لیکن کسی کی رہائی ممکن نہ ہوسکی۔ عزت بی بی کو قانون سے تعاون کرنے کی وجہ سے کم از کم سزا پانچ سال قید سنائی گئی تھی۔ وچی اور سکی کو چھ ماہ کی قید سنائی گئی تھی۔

☆......☆......☆

وقت ان کے ساتھ جفا کر رہا تھا۔ یا پھر انہوں نے وقت رہتے وقت سے وفا نہ کی تھی۔ یہ قیدی اور ایک قیدی سی ان کی بساط۔ حال برا تھا، سوچوں سے بھی برا۔ بہت برا۔ وچن سب سے مل لیتی تھی۔ سوائے عافی اور دیپک کے...... اس چھ ماہ میں وہ ان سے بالکل نہیں ملی۔ ہاں کملا، فری، دوری، شانی اور آنٹی سے ملاقات ہوتی رہی تھی۔

بندگی کا نام وچن نے نہیں لیا تھا۔ بندگی کا نام لیتی تو سکینہ کی سزا اور بھی بڑھ جاتی اور ساتھ بندگی کو بھی دھوکا دینے کے جرم میں گرفتار کر لیا جاتا۔ اس نے ایک بار بھی نہیں کہا کہ اس نے مجبور ہو کر کسی کی مدد کی مد میں پیپر دیئے تھے۔ اگر کہتی تو شاید اسے سزا نہ ہوتی۔ لیکن اس نے کچھ نہ کہا تھا اور جیل کے اندھیروں کو چپ چاپ قبول کر لیا تھا۔ سکینہ بھی چپ چپ سی رہتی تھی۔ عزت بی بی یہاں بھی بہت خوش تھی۔ ان کا کام یہاں بھی جاری تھا۔ لیڈیز پولیس صبح صبح اس سے ہونٹ سرخ کروانے لالی پاؤڈر

لگوانے آجاتی۔ ساتھ میں وہ وچن اور سکی اور باقی تمام خواتین کو بھی اپنا فن سکھاتی رہتی تھی۔ ان تینوں نے اپنے کیے کی سزا پالی تھی۔ کسی طور وہ مطمئن تھی لیکن جب جب سکی اپنے والدین کے متعلق سوچتی تو اداس ہو جاتی اور جب جب وچی اپنے ماں باپو جی کے متعلق سوچتی تو آنسو بہا لیتی اور ننھے کمبل...... اس کا تو وہ سوچ بھی نہ پاتی۔ اگر اس کے متعلق سوچتی تو دل کٹ سا جاتا۔ کتنا مشہور تھا اس کا بیٹا۔ اب شاید مجرم ماں کی وجہ سے کبھی وڈیوز اپلوڈ نہ کر پائے گا اور اس کی برداری کے لوگ جو وچن کو دیکھ کر اپنی بچیوں کو پڑھانے بھجواتے تھے۔ سب نے بیٹیوں کو اسکول، رخ کالجوں سے نکال کر گھروں میں بٹھا دیا ہوگا اور صحیح ہی کیا تھا۔ ٹھیک تھا یہ، پڑھی لکھی لڑکیوں کون سمجھ سکتا تھا۔ اس کا دل شدید زخمی تھا۔ دیپک سے وہ اس لیے نہ ملتی تھی کہ اب اس نے راستے بدلنے تھے۔ پہلی بار اس نے اپنا منگل سوتر غصے میں آ کے خود اتارا تھا۔ دوسری بار پولیس والوں نے اسے حوالات میں ڈالنے سے پہلے اتروایا تھا۔ اس کا گلا ہی سونا نہ تھا۔ اسے لگتا اس کی زندگی ہی سونی ہو چکی ہے۔ اتنی سونی کہ کہیں دور دور تک یادوں کا بھی کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ وچن نے سوچ لیا تھا وہ آزاد ہو کر حسن ابدال جائے گی اور پھر پنجہ صاحب کی چار دیواری سے کبھی نہ نکلے گی۔ دنیا، محبت، رشتے وہ کسی کے بھی قابل نہ رہی تھی۔ حتیٰ کہ ان گلی کوچوں، اس محلے میں سر اٹھا کر چلنے تک کے لائق نہ رہی تھی۔

☆......☆......☆

عافی نے وعدہ نبھایا تھا۔ مہینوں کے مہینے گزر گئے تھے۔ وہ کبھی بندگی کے سامنے نہ آیا تھا۔ بندگی اور زندگی کو بھی حوصلہ ملتا تھا۔ اب وہ دونوں بیساکھیوں کی بجائے ایک بیساکھی کی محتاج رہی تھی اور ڈاکٹر پرامید تھے وہ بہت جلد اس ایک بیساکھی سے بھی اپنی جان چھڑا لے گی، بندگی اسے خوش دیکھ کر بہت خوش تھی۔ وہ بار بار بندگی سے کہتی:

”دیکھو بندگی! یہ سب کچھ میرا ہے۔ یقین نہیں آتا یہ سب کچھ......“

”آپ اس سب کی حق دار ہو، کیوں یقین نہیں آتا؟“

”ہاں وہ تو ہے۔“ اس نے تہہ دل سے کہا تھا۔

وہ گارڈن میں ٹہل رہے تھے۔ بندگی اپنی بہن کو چہل قدمی کراتے وقت سخت محتاط اور چوکنی رہتی۔

''سب آپ کا ہے زندگی۔ سب کچھ آپ ہی کا ہے۔ یقین کرلو'' وہ خوشی سے مسکرادی۔

''تمہیں پتا ہے بندگی، میں نے ہمیشہ سے یہ سب چاہا تھا۔ یہ شان وشوکت، میرا خواب۔ یہی وہ میرا خواب تھا جو مجھے رکنے نہیں دیتا تھا، بھاگنے کو کہتا تھا۔ دنیا کی دوڑ میں سب سے آگے گزر جانے کو کہتا تھا، میں یہی تو اپنے رب سے مانگتی تھی۔ خدا کتنا مہربان ہے نا۔ میں سچ کہوں بہت ناشکری ہوں۔ تیرہ سال میں اس ایک کمرے میں پڑی دو چیزوں کا انتظار کرتی تھی۔ ایک اپنی موت کا اور دوسرا عافی کا، مجھے یقین تھا دونوں ایک نہ ایک دن ضرور آئیں گے لیکن میری دلی تمنا تھی کہ عافی پہلے آئے۔ پھر بے شک موت بھی آجائے۔''

''ایسی باتیں نہ کریں باجی۔'' وہ اداس ہوگئی تھی اس لیے زندگی کو باجی کہہ رہی تھی۔ وہ مسکرائی۔

''تم اور عافی بالکل نہیں بدلے۔ دونوں ایک جیسے ہی ہو۔''

''آپ بھی کہاں بدلی ہیں۔''

''نہیں میں تو بہت بدل گئی ہوں۔ میں بہت مطمئن اور خوش ہوں۔ میں جتنا شکر کروں کم ہے۔ میں نے جو جو مانگا تھا سب مجھے مل گیا، بس میں نے کبھی صحت نہیں مانگی تھی۔ نادان تھی نا، یہ نا سمجھی تھی۔ اڑتے پھرتے پنچھی کیسے زمین پر آن گرتے تھے۔ لیکن جب گری تو جانا، جان ہے تو جہان ہے۔''

''آپ گزری باتیں تو یاد کرنے والوں میں سے نہیں تھی۔''

''کہا نا میں بدل گئی ہوں۔ انسان بن گئی ہوں۔''

''تو پہلے کیا تھیں؟'' بندگی نے ذرا سی شرارت کی تھی اور اسے شانوں سے پکڑ کر گارڈن میں رکھے سفید جھولے پر بٹھایا۔

''پتا نہیں، انسان تو نہ تھی لیکن......'' جسمانی تھکن اس کے لہجے میں عیاں تھی۔

''ہاہاہا...... باجی! آپ کی باتیں فلسفیانہ ہوتی ہیں۔''

''ایک تم ہی سے ہوتی ہیں۔ عافی تو آج کل بہت بزی رہتا ہے۔''

”کیوں۔“

”ذرا ڈسٹرب تھا گزشتہ دنوں...... تمہیں پتا ہے نا وچن کے متعلق۔“

”کیا ہوا وچن کو؟“

”عزت بی بی کے ساتھ قید ہوئی ہے۔ اور مجرم تو میں تھی۔ میں نے ہی اسے مجبور کیا تھا۔ پیپر دینے کے لیے۔“

”اب تم مت کود پڑنا اپنا گناہ تسلیم کرنے کے لیے۔ تم نے صرف اسے پیپر دینے کے لیے مجبور کیا تھا۔ اس نے اپنی مرضی سے پیپر دیئے تھے۔“

”نہیں باجی......“

”خبردار! جو تم نے یہ بات دہرائی بھی۔ اگر تمہیں کچھ بھی ہوا تو میں مر ہی جاؤں گی۔ زیادہ لمبی قید تو ہے ہی نہیں، بہت جلد دونوں آزاد ہونے والی ہیں۔“

”لیکن باجی؟“

”کچھ نہیں...... کچھ بھی نہیں۔ تم اس سب سے دور رہو گی۔“

”ٹھیک ہے لیکن میں ایک بار ان سب سے ملنے ضرور جاؤں گی۔ میرا نام نہ لے کر انہوں نے مجھ پر احسان کیا ہے۔“

”اچھا ٹھیک ہے مل آنا۔ میں عافی سے کہہ دوں گی کہ تم وچن سے ملنا چاہتی ہو۔“

”صرف وچن ہی نہیں، میں سکینہ اور عزت بی بی سے بھی ملنا چاہتی ہوں باجی۔“

”ٹھیک ہے کہہ دوں گی۔ پہلے عافی وچن کی وجہ سے پریشان تھا اور اب تم پریشان ہو رہی ہو۔“

”آپ نہیں ہو پریشان؟ آخر وچن ہی تو عافی کو آپ کے پاس لائی تھی۔ آپ کو عافی کو ملانے والی وہی تو تھی۔“

”یہ احسان تو میں کبھی بھول نہیں پاؤں گی، لیکن میں پریشان ہو بھی جاؤں تو اس کے لیے کیا کر سکتی ہوں۔ ہمیں حقیقت پسند ہونا چاہیے بندگی۔ یہ حقیقت ہے اس نے جرم کیا اور سزا پائی۔ ہر کسی کو

اپنے کیے کی سزا تو ملتی ہے۔ مجھے ہی دیکھ لو۔ کبھی اپنی گود خود اجاڑی تھی اور اب یہ وقت آیا ہے کہ بچوں کے قہقہوں کو ترستی ہوں۔"

"باجی! سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"سوچتی ہوں کوئی بے بی ایڈوپٹ کر لوں۔"

"اچھی سوچ ہے آپ کی۔"

"بس عاقی مان جائے۔"

"مان جائیں گے۔ آپ کی مان جائیں گے۔"

وہ یہ سن کر خوش ہو گئی تھی۔

☆......☆......☆

"کبھی چہچہاتی چڑیوں کو چپ دھرتے دیکھا ہے کیا دیپک کپور...... اور کیا کبھی دھنک کے رنگوں کا سناٹا سنا ہے تو نے؟"

"ماں جی۔" اس نے تڑپ کر ماں کو پکارا تھا۔ اداس آنگن میں بے رنگ ساڑھی پہنے کملا بہت اداس لگ رہی تھی۔

"ایسی ویران سی ہو گئی ہے میری بہو۔ گنہگار تو ہم تھے لیکن سزا اسے مل رہی ہے۔ قلم کاغذ پکڑنے والے ہاتھوں سے ہم نے یوں قلم کاغذ لیے...... کہ وہ ترستی تھی۔ اگر ہم اسے آگے پڑھنے دیتے تو وہ علم کی پیاس بجھانے کے لیے کیوں سکینہ کو بس میں پڑھاتی؟ کیوں اس کی جھوٹی کہانی کو اپنی زندگی سے مماثلت دے کر اس کی مدد کرنے کو کود پڑتی۔ قصوروار صرف ہم ہیں دیپک پتر۔"

"ہم نے دعائیں مانگی تھیں نا کہ کسی طرح یہ تعلیم یافتہ بہو ہمارے گھر نہ آئے۔ ہم نے ہی اسے جاہلوں جیسی زندگی گزارنے پر مجبور کیا تھا اور آج دیکھو کیا ہو گیا ہے۔"

"کچھ نہیں ہوا اماں...... بس برا وقت آیا ہے، آ کر چلا جائے گا۔ آپ فکر مت کریں۔" دیپک ہلکے نارنجی کرتے میں بازو چڑھاتے ہوئے ماں کے پاس بیٹھتے ہوئے بول رہا تھا۔

”میں وچن کے بنا اب نہیں جی سکتی اور کمل...... کمل کو بھی تو نے ہوسٹل بھیج دیا ہے۔“

”وہ وہاں محفوظ ہے ماں۔ سب وہاں اس کا خیال رکھتے ہیں۔ وہاں رہے گا تو اچھے سے پڑھ پائے گا۔ یہاں رہتا بھی تو کیسے اس کے سوالوں کا جواب دیتیں آپ۔ جب وچن آئے گی تو اسے لے آؤں گا۔“

”وہ آئے گی بھی؟“ کملا نے دل ہی دل میں سوال دہرایا تھا لیکن دیپک سے پوچھا کچھ نہیں۔ وہ پہلے سے پتنی اور بیٹے کے دکھ میں دکھی تھی۔ کملا اسے اور دکھی نہیں کرسکتی تھی۔

☆......☆......☆

پہاڑوں نے اپنے ہی لوگوں کو نگل لیا۔ وہ پھر سے وہی خواب دیکھ رہا تھا۔ زندگی اس کے سرہانے بیٹھے اسے پکار رہی تھی۔

”عافی! کچھ نہیں ہے تم خواب دیکھ رہے ہو۔“

”بندگی...... بندگی...... بندگی۔“ وہ اسے پکار رہا تھا۔ اس کی پکار میں درد ہی درد تھا۔

”عافی! ریلیکس...... تم ریلیکس ہو جاؤ۔“ زندگی نے پانی چھڑکا تھا تو اس کا خواب آج پہلی بار ٹوٹا تھا۔ آج خواب میں بندگی اس سے جدا نہیں ہوئی تھی۔

”عافی! کیا دیکھتے ہوئے خواب میں۔ ہمیشہ ایک ہی خواب کیوں آتا ہے تمہیں؟“

”پتا نہیں۔“

”چلو، تم ریلیکس ہو جاؤ۔ صبح ہو گئی ہے۔ میں تمہارے لیے چائے لاتی ہوں۔“

”ہاں...... ہاں۔“

وہ واش روم میں فریش ہونے کے لیے چلا گیا تھا۔ اس کا تنفس خواب کی وجہ سے بے حد تیز تھا۔ دل بھی بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

”ناجانے وہ بندگی کو کس اذیت میں اپنے خواب میں دیکھتا ہے اور ہر بار بندگی کو ہی کیوں خواب میں دیکھتا ہے؟“ وہ ان ہی سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی کہ چائے آ گئی۔ عافی بھی فریش ہو کے آیا تھا۔

”عافی! تم فکرمت کرو۔ وچن بہت جلد آجائے گی۔ سب بہتر ہو جائے گا۔ پہلے جیسا۔“

”ہاں میری بھی یہی دعا ہے۔ وہ بہت معصوم ہے زندگی اور میری وجہ سے اس مشکل میں ہے۔ اگر وہ بندگی کا نام لے لیتی تو با عزت بری ہوتی۔ اس نے بندگی کا نام میری وجہ سے نہیں لیا تھا۔“

”نہیں عافی، تمہاری وجہ سے نہیں۔ وہ خود سزا چاہتی تھی۔ تم نے ہی بتایا تھا وہ خود کو مجرم سمجھ بیٹھی تھی اور چاہتی تھی اس دنیا کے کیے کی سزا اسے اس دنیا میں مل جائے۔ وہ خود کو سزا دے چکی تھی۔“

عافی کا دل اس کے لیے مسلسل پریشان تھا۔ زلزلے کی قید کے بعد، اس درد کے بعد جو اس نے سہا تھا اس کے بعد تو وہ کسی کے بھی درد میں تڑپ پڑتا تھا اور وچن تو پھر اس کے دل کے بہت قریب تھی۔ ایک بہت ہی مخلص اور خیر خواہ دوست۔

”بندگی وچن سے ملنا چاہتی ہے اور سکینہ اور عزت بی بی سے بھی۔“

”ٹھیک ہے۔ میں گاڑی بھیج دوں گا۔“

”تم خود لے جاؤ نا اسے۔“

”مجھے کچھ کام ہے زندگی۔ میں نوٹی سے کہہ دیتا ہوں۔“

”ٹھیک ہے تمہاری مرضی۔ ویسے تم جاتے تو بہتر تھا۔ پچھلی بار یاد ہے، وہ انسپکٹر......“

”تم فکرمت کرو۔ میرا منیجر ہوگا اس کے ساتھ۔“

”عافی! تم بھی نا۔ تمہیں میری بہن کا بالکل خیال نہیں ہے۔“

اب وہ کیا کہتا، سوتے، جاگتے، ایک اسی کا تو خیال رہتا تھا۔ زندگی منہ پھلا کر بیٹھی تھی۔

”لے جائے گا نوٹی اسے...... اچھا چلتا ہوں میں۔“

یہ دیکھو۔ خواب میں اسے تکلیف میں دیکھ کر تڑپنے لگتا ہے اور اب اس کے ساتھ جا نہیں سکتا۔ وچن بھی تو عافی سے نہیں ملنا چاہتی، شاید اس لیے...... زندگی محبت میں تھی اور محبت ہو خوش فہمی نہ ہو یہ ہو نہیں سکتا۔ اسے بھی ایک نہیں سو خوش فہمیاں تھیں۔ کئی درجنوں جتنا بھرم تھا۔ اندھا اعتماد، اندھی محبت۔

☆......☆......☆

عزت بی بی میک اپ سے عاری سادہ قیدی کا لباس اوڑھے ہوئے تھی۔ ان کے چہرے پر کوئی ملال، کوئی غم، کوئی پچھتاوا نہ تھا۔ وہ اپنے فیصلے پر خوش لگ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر تہ دل سے مسکرا اٹھی اور سلاخوں سے بازو نکال کر کہنے لگی۔

”دل……دل……اور میری دل……تو آ گئی۔“

”کیسے نہ آتی عزت آپا۔ کیسے نہ آتی۔ میرا بس چلتا تو میں یہاں آپ کو بھی رہنے نہ دیتی۔“

”بس یہ سب تمہارے اختیار میں جس طرح نہیں ہے اس طرح میرے بھی بس میں نہیں یہ سب۔“

”آپ کو کائی بال تک بانکا نہ کر سکتا تھا۔ بس آپ……“

”شرمندگی بھی کوئی چیز ہوتی ہے دل۔ خودی کی خودی سے شرمندگی۔“

”آپ بہت اچھی تھیں اور اچھی ہیں۔ آپ نہ ہوتیں تو مجھ سی بے سہارا لڑکیاں بک چکی ہوتیں۔“

”میں سہارا تو دیتی تھی لیکن غرض میرا امفاد تھا۔ دیکھو آج تم تنہا بھٹک رہی ہو۔ ورنہ تمہارا گھر بار ہوتا۔“

”میں اتنی خوش نصیب نہیں ہوں۔ ہاں یہ میری خوش نصیبی ہے کہ آپ کا دستِ شفقت میرے سر پر رہا ہے۔ آپ پارلر کی فکر نہ کریں میں جاتی رہوں گی۔“

”اب پارلر کی فکر کہاں؟ پارلر میں کام کرنے والیاں کام چلاتی رہی ہیں اور آگے بھی چلائیں گی۔“

”بس فکر تو اب تمہاری ہے؟“

”میری فکر نہ کریں۔ میں ٹھیک ہوں۔“

ابھی بہت سی باتیں کرنی تھیں کہ ملاقات کا وقت ختم ہو گیا۔ وہ نم آنکھوں کے ساتھ وچن سے ملنے کو تیار تھی۔ وچن ساڑھی کے بجائے پھیکے قیدیوں والے لباس میں تھی۔ اسے دیکھ کر بولی۔

”شکریہ کرنے آئی ہو۔“

”تم سے ملنے بھی آئی ہوں۔“

”اچھا تب تو مجھے شکریہ ادا کرنا چاہیے۔“

”نہ میں شکریہ کروں گی اور نہ تم۔“

''ہاں ٹھیک ہے تم شکریہ نہ کرو بس ایک کام کرلو۔''

''کیسا کام؟''

''میری قربانی کو بے جا جانے مت دو۔ عافی کو اپنا لو۔ بہت محبت کرتا ہے وہ تم سے۔''

''تم بھی اس کی باتوں میں آ گئی۔ سحر انگیز باتیں کرتا ہے وہ۔ میں بھی کبھی اس کی باتوں میں آ گئی تھی اور میں ہی کیوں، دادا، دادی، زندگی سب اس کی باتوں میں آ جاتے تھے۔ بس ایک چاچی اسے ٹھیک سمجھتی تھی اس لیے تو نجات پا گئی تھی۔''

''بندگی! غلطی سب سے ہوتی ہے۔ مجھے دیکھو، غلطی کی سزا کاٹ رہی ہوں نا۔ عزت بی بی کو دیکھو، سکینہ کو دیکھو۔''

اس نے کہا کچھ نہیں بس اپنی خوب صورت آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟''

''دیکھ رہی ہوں، اس حالت میں بھی تمہیں عافی کی فکر ہے۔ جب کہ مل نہیں رہی اس تے تم۔ مجھے لگا اس سے ناراض ہو اور آج ہمارے درمیان کم از کم عافی کی بات نہ ہو گی۔''

''میں عافی سے ناراض نہیں ہو سکتی۔ اس نے تو مجھے سچ کا راستہ دکھایا ہے اور تم۔ تم جہاں بھی ہو گی عافی کا ذکر وہاں ضرور ہو گا۔ جانتی ہو کیوں؟''

''کیوں؟'' وہ نا سمجھی تھی۔

''کیونکہ اس کی محبت طاقت ور ہے۔ تم جتنا اس کے نام سے بچتی ہو اس کا نام، اس کا ذکر اتنا ہی تمہارے آس پاس ہوتا ہے۔''

''وہ ساتھ میں پڑا بڑھا ہے ہمارے۔ ہماری دنیا اس حوالے سے گول گول گھوم کر پھر ایک نقطے پر مرکوز ہو جاتی ہے۔''

''اس کی محبت وقت نہیں ہے نا۔ ہوتی تو ایک بار گزر جاتی۔ گزرے ہوئے وقت کی مانند پھر کبھی واپس نہیں آتی۔ محبتیں وقت جیسی نہیں ہوتیں۔ وقت کی فطرت ہے، گزر جاتا ہے پھر واپس نہیں آتا اور

محبت کی فطرت ہے ٹھہر جاتی ہے۔ پھر کہیں نہیں جاتی۔ یوں تو ہر نقطہ مٹ جاتا ہے لیکن محبت میں نقطہ نقطہ نہیں رہتا۔ دل پر کھینچی گئی لکیر بن جاتا ہے۔ جو طاقت رکھتی ہے، وقت کو پھر سے واپس کھینچنے کی قوت رکھتی ہے۔ تم جب جب عافی سے دور جاؤ گی اس کی محبت کھینچ لائے گی تمہیں۔"

بندگی وچن کی بات سن کے مسکرائی اور کہا۔

"میں اس پر یقین نہیں کرسکتی اور تمہیں بھی یہی مشورہ دوں گی۔"

"پھر تو میں کہوں گی اپنا مشورہ اپنے پاس رکھو۔"

"ٹھیک ہے رکھ لیا، جیسی تمہاری مرضی۔" اس نے کندھے اچکا کر کہا تھا۔ وہ اسے حسرت سے دیکھتی رہی تھی۔ "کاش وہ سمجھ جاتی۔ کاش وہ سمجھا سکتی۔"

کچھ مزید باتوں کے بعد یہاں بھی ملاقات کا وقت ختم ہو گیا تھا۔ وہ سکینہ سے ملنے آئی تھی۔ اس نے بھی اس کا نام کہیں نہیں لیا تھا۔ خیر اگر وہ اس کا نام لیتی تو اور ایک جرم میں پھنستی۔ وچن کو اموشنلی بلیک میل کرنے کے جرم میں۔

امیر زادی، بکھرے بال، بکھرے حال میں تھی۔ اسے دیکھ کر دل نے نہیں پوچھا، کیسی ہو۔ وہ خاموشی سے اسے تکتی رہی۔ اس کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا۔

"بس کچھ دنوں کی بات ہے۔ تم جلد آزاد ہو جاؤ گی۔"

"یہاں ایک ایک رات کاٹنا بہت مشکل ہے دل باجی۔"

"دل بڑا کرلو۔" بندگی نے اسے اپنی سی ایک تسلی دی۔

"دل ہی تو بڑا نہیں تھا۔ دل بڑا ہوتا تو کم نمبر حاصل کر کے خوش رہتی۔ آج سمجھ میں آرہا ہے تعلیم حاصل کرنا دل والوں کا کام ہے۔ جو فیل ہونے کا حوصلہ رکھتے ہیں وہ ہی اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ جنہیں فیل ہونا نہیں آتا وہ تعلیم حاصل نہیں کرسکتے۔ جیسے کہ میں۔"

"تم نے محبت کر کے دوسری بار پوزیشن لی تھی۔ کیس چل رہا ہے۔ تمہاری اور وچن کی ڈگریاں تم دونوں کو مل جائیں گی۔ تم دونوں پھر سے اپنی تعلیمی زندگی کا آغاز کرسکتی ہو۔"

''مجھے تو اب کتابوں سے ڈر لگتا ہے اور ان پڑھ لوگوں پر رشک ہوتا ہے۔ کاش میں انگوٹھا چھاپ ہوتی تو یہاں نہ ہوتی۔'' اس نے تڑپ کر سلاخوں کو اپنے ہاتھوں سے مسلتے ہوئے کہا تھا۔

''ابھی تم عمر میں چھوٹی ہو۔ پر ایک دن تمہیں فخر ہوگا کہ ایک غلطی کی سزا سے تم نے کیا کیا نہ کچھ پالیا ہے۔'' دل نے یہ کہا تو اسے شان یاد آیا۔ اس کی یاد آتے ہی لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی لیکن اگلے پل ہی وہ مایوس ہوگئی تھی۔ وہ ایک سزا یافتہ لڑکی تھی۔ ایک تہمت سی۔ شان کیونکر اس سے تعلق رکھے گا۔

وہ ملاقات کا ٹائم ختم ہونے سے پہلے ہی بڑی ہی خاموشی سے چلی گئی تھی۔ بندگی نے ان سب کے لیے دعاؤں میں ہاتھ بلند کیے تھے۔

☆......☆......☆

وہ پنڈی آئی تو اسلام آباد واپس نہ آئی۔ عافی نے بہت بار واپس آنے کا پیغام بھیجا۔ زندگی بھی منتیں کرتی رہی لیکن وہ واپس نہ آئی تو عافی خود ایک اور بار اسے لینے آ گیا۔

''تم پھر آ گئے۔'' وہ پارلر سے نکل رہی تھی۔ آج وہ کافی فیشن ایبل لگ رہی تھی۔ اس نے اپنا پرانا کام پھر سے شروع کر دیا تھا۔

''تم نہیں آئی تو مجھے آنا پڑا۔'' اس نے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

''میں وہاں کیوں آؤں؟'' اس نے اپنے بالوں کو کیچر میں لپیٹتے ہوئے پوچھا۔ عافی کو دیکھ کر اس کا موڈ خراب ہوگیا تھا۔

''یہاں تم تنہا ہو، اس لیے۔'' وہ اس کے پاس آ کر اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''اب سب ٹھیک ہو چکا ہے۔''

''تمہیں کیسے سمجھاؤں؟'' وہ وین میں بیٹھ چکی تھی۔ عافی بھی اس ہی وین میں بیٹھ گیا۔ نوٹی ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس نے ہمیشہ کی طرح اپنے بالوں کی چھوٹی پونی بنائی تھی اور کلائیاں بریسلیٹ سے بھری تھیں۔ ہاف سلیوز میں اس کے کندھوں سے کچھ نیچے بنے ٹیٹو نظر آ رہے تھے۔ بیچ رستے میں اس نے گاڑی روک لی اور کہا۔

"مجھے کچھ کام ہے۔آگے آپ چلا لیں۔" اس نے وین کی چابی عافی کی طرف اچھالی تھی۔
"نوٹی!" بندگی نے اسے سختی سے پکارا تھا لیکن وہ اس کے غصے کی پروا کیے بنا سیٹی بجاتے ہوئے چلا گیا تھا۔
"کیسا لڑکا ہے یہ؟" بندگی حیران تھی۔عافی ڈرائیو کرنے لگا تھا۔وہ پاس میں ہی بیٹھی نوٹی کو کوس رہی تھی۔عافی نے مسکرا کر ڈرائیونگ شروع کر دی تھی۔
"گھر لے جانا مجھے۔"
"انیکسی۔"
"اُف!بات مان جایا کرو نا۔"
"بات نہیں مانتی تو یہ سب کرنا پڑتا ہے۔" وہ اسے اسلام آباد لے جا رہا تھا۔
"نہیں عافی،تم ایسا نہیں کر سکتے۔میں نہیں جا سکتی۔مجھے عزت بی بی کا پارلر دیکھنا ہے۔"
"اس نے تمہیں آزاد کر دیا ہے۔اب یہ بہانہ تو نہیں چلے گا۔اس لیے ایک بات سمجھ لو۔میں اب تمہیں تنہا نہیں چھوڑوں گا۔"
"ہزاروں لڑکیاں تنہا رہتی ہیں۔میں بھی رہ لوں گی۔یوں بھی تنہائیاں تم سے تو اچھی ہوتی ہیں۔"
اس بار اس نے بس دیکھا تھا کہا کچھ نہیں تھا۔وہ بھی آرام سے بیٹھی تھی۔نا جانے کیا سوچ رہی تھی۔عافی ڈرائیونگ کر رہا تھا۔آج وہ لونگ روٹ لے رہا تھا۔اس کا بس چلتا تو وہ کبھی اس سفر کو ختم نہ ہونے دیتا۔موسم بھی آج ذرا مہربان تھا۔کن من بارش بھی ہو رہی تھی۔اسلام آباد کی سرد ہوائیں اسے چھو کے عافی سے گزر رہی تھیں۔وہ جان بوجھ کر اسلام آباد کی سڑکوں پر سست رفتاری سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔رخسار بھی آج اپنی شادی کے کارڈ بانٹ رہی تھی۔اس نے عافی کے لیے بھی ایک کارڈ رکھا تھا۔وہ اسے راستے پر تھی کہ اسے عافی نظر آ گیا۔وہ آج اپنی گاڑی کے بجائے اس کھٹارا وین میں تھا اور پاس میں وہ بیٹھی تھی۔رخسار نے ڈرائیور کو گاڑی کی رفتار وین سے ملانے کے لئے کہا۔وہ غور سے بندگی کو دیکھ رہی تھی۔رخسار کو وہ اسکیچ یاد آیا۔جو عافی بندگی کی تلاش میں بنوایا کرتا تھا۔

”یہ تو بالکل وہی تھی۔ ہاں...... یہ ہی تھی وہ۔ بندگی۔“
اس نے اپنے موبائل میں اس کے اسکیچ کی پک محفوظ کی تھی۔ وہ فوراً اپنے فون میں وہ اسکیچ ڈھونڈنے لگی۔ کچھ ہی دیر میں وہ اسکیچ اس کے سامنے تھا۔ رخسار کو سب سمجھ آ گیا تھا۔ اس کے چہرے پر آج ایک مدت کے بعد وہ پرانا والا سکون نظر آ رہا تھا۔ عافی نے اسے بندگی کے لیے چھوڑا تھا لیکن جو اس کے گھر میں اس کی بیوی کے مقام پر تھی وہ بندگی نہیں تھی، بندگی تو یہ ہے۔ اگر یہ بندگی ہے تو وہ کون ہے؟ پتا کرنا ہوگا۔
اس نے اب ڈرائیور کو گاڑی تیز رفتاری سے چلانے کو کہا تھا۔ وہ عافی سے پہلے عافی کے گھر پہنچنا چاہتی تھی۔

☆......☆......☆

زندگی لانج میں تھی۔ اب وہ ایک بیساکھی کی مدد سے چل سکتی تھی۔ اس نے پیچ کلر کا ڈریس پہنا تھا۔ دوپٹہ سادگی سے گلے میں اڑسا تھا۔ ذرا ذرا سے میک اپ اور ہلکی پھلکی جیولری میں وہ کافی فریش اور خوش نظر آ رہی تھی۔
”بی بی جی! کوئی آپ سے ملنے آیا ہے؟“
”کون ہے۔“
”وہ رخسار بی بی۔“ ملازمہ نے ذرا کترا کر نام لیا تھا۔
زندگی اس کا نام اور اس کا چہرہ کبھی نہیں بھولی تھی۔ نا جانے کیوں، نہ کوئی رشتہ تھا، نہ کوئی تعلق پھر بھی ایک بار ملنے کے بعد رخسار ذہین نشین ہوگئی تھی۔ وہ آ کر بیٹھ چکی تھی۔ ہمیشہ کی طرح خوب صورت، پُراعتماد اور محتاط لگ رہی تھی۔ زندگی اس کی طرف چل آئی اور سختی سے پوچھا۔
”اب کیوں آئی ہو؟“
”میں اپنی شادی کا کارڈ دینے آئی ہوں۔ میرا ہونے والا شوہر ملٹی نیشنل کمپنیوں کا مالک ہے بندگی۔“ اس نے چالاکی کا مظاہرہ کیا تھا۔

"مبارک ہو تمہیں۔ پر میں بندگی نہیں، زندگی ہوں۔"
رخسار کے جیسے تن بدن میں عافی کی بیگم کا نام سن کر ٹھنڈک اتر آئی۔ اس نے بڑی چالاکی سے لب کھولے اور کہا۔
"عافی مجھے اگر چھوڑ سکتا تھا تو وجہ صرف اور صرف بندگی تھی، زندگی تو کبھی کہیں تھی ہی نہیں۔"
"کیا مطلب ہے تمہارا؟" زندگی اسے ناسمجھی سے دیکھ رہی تھی۔
اس نے اپنے موبائل سے وہ اسکیچ دکھایا تھا جو بندگی کا تھا۔
"عافی سر بندگی کو ڈھونڈتے رہے تھے، بندگی کے لیے پاگل ہوئے پھرتے تھے۔ اسی کی تلاش میں لاکھوں خرچ کر دیتے تھے۔ زندگی کا نام تو ہم نے کہیں سنا بھی نہ تھا۔ میں گزشتہ آٹھ سالوں سے عافی سر کے آفس میں کام کر رہی تھی۔"
زندگی بے سہارا ہونے لگی لیکن اس سے پہلے کہ وہ گر جائے ہمیشہ کی طرح عافی نے اسے آکر سنبھالا تھا۔ بندگی بھی اس کے ساتھ تھی۔ رخسار اسے معنی خیز انداز میں دیکھ رہی تھی۔
"تو یہ ہے بندگی! ماشاءاللہ۔ جب ساتھ ہی رہنا تھا تو اتنے عرصے چھپتی کیوں رہی تھی تم...... عافی سر تو......" رخسار کی زبان ان تینوں پر چنگاریاں برسا رہی تھی۔ رخسار کی بات سن کر بندگی کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔
"تم کون ہو اور یہاں کیا کرنے آئی ہو؟ کیا بکے جا رہی ہو۔"
بھرم تو رکھنا تھا پر بندگی یہ نہیں جانتی تھی، یہ دنیا "دنیا فانی" ہے یہاں ہر ایک چیز کا وقت مقرر ہوتا ہے۔ سچ کا، جھوٹ کا، بھرموں کا، رازوں کا، دکھوں کا، غموں کا۔ سب کا وقت مقرر ہوتا ہے۔ اس ے رازِ ماضی کی عمر بس آج تمام ہوئی تھی۔
"میں تو بس یہ کہنا چاہتی تھی کہ وچن نے تمہاری گم شدگی کا راز میرے منا کرنے کے باوجود عافی پر کھولا تھا۔ عافی نے مجھے تمہاری وجہ سے چھوڑا تھا۔ بندگی۔"
"رخسار...... اسٹوپ اِٹ۔"

"اب آپ چلا نہیں سکتے سر۔ کیونکہ اب نہ آپ میرے باس ہیں اور نہ ہی میرے منگیتر۔ ویسے میں خوش ہوں آپ کی زندگی کی یہ کنفیوزن دیکھ کر۔"

"کوئی کنفیوزن نہیں ہے۔ سمجھی تم۔" بندگی رخسار کے روبرو تھی۔

"ہاں! عافی مجھے ڈھونڈ رہا تھا۔ مجھے ڈھونڈتا تو زندگی تک پہنچتا نا۔" اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا بات کیسے چھپائے تو یہ بول دیا۔

"پر عافی سر تو جانتے ہی نہ تھے زندگی، زندہ بھی ہے۔ سب کہتے تھے زلزلے میں عافی سر کی بیوی مر گئی ہے۔"

"رخسار......"

"اور......اور وہ دیوانگی......"

"بند کرو اپنی بکواس۔ چلی جاؤ یہاں سے۔" بندگی غصے میں آ گئی تھی۔

اس نے بندگی کے کہنے پر اپنا بیگ اٹھایا، زندگی کے پاس آئی، جو ادھ موئی سی ہو کر اس کے چہرے کو تک رہی تھی۔

"یہ دونوں تمہیں دھوکا دے رہے ہیں زندگی۔" رخسار نے اس طرح زندگی کے کانوں کے پاس آ کر سرگوشی کی کہ عافی اور بندگی دونوں نے اس کا جملہ سنا تھا۔ زندگی نے درد و ندامت کے آنکھیں میچ لیں، مٹھیاں ضبطِ غم سے بھینچ لیں۔

"تم......تم گیٹ آؤٹ......" بندگی نے رخسار کو ہاتھ سے پکڑ کر دروازے کی جانب دھکیلا تھا۔

"جا رہی ہوں میں...... دھوکے باز لڑکی۔" اس نے نفرت کے بدلے میں نفرت کا تبادلہ کیا تھا۔ بندگی کے لیے صرف اور صرف زندگی اہم تھی۔ وہ مڑ کر اپنی بہن کے پاس واپس آئی۔

"پاگل لڑکی ہے۔ عافی نے شادی نہیں کی نا، بدلہ لے رہی ہے آپ اس کی باتوں پر کان مت دھرنا باجی۔"

لیکن وہ تو کان دھر چکی تھی۔ جو کبھی دماغ نے نہ کہا تھا وہ سن چکی تھی۔ عافی کے وہ خواب......وہ

تڑپ...... آہ وہ کبھی کیوں نہ جان پائی۔ اس کے ذہین سے ماضی کے منظر ٹکرانے لگے۔

وہ دونوں اچھے تھے۔ جب جب وہ بندگی سے باتیں کرتی تھی وہ عافی کے متعلق ہی بات کرتی اور اب جو دونوں میں یہ عجیب سی جھجک تھی۔

''ہاں...... ہاں...... وہ جھوٹ بول گئی ہے۔'' عافی نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔

''تم...... تم جس دن آئے تھے، اتنے سارے پھول لے کر آئے تھے۔''

''تمہارے لیے لایا تھا زندگی اور کس کے لیے لائے گا۔'' عافی کے جواب دینے سے پہلے بندگی نے پاس آکر کہا تھا۔

''پر عافی تو جانتا بھی نہ تھا کہ میں زندہ ہوں۔''

''نہیں جانتا تھا نا...... میں نے بتایا تھا نا۔'' وہ بہن کے دکھ میں تڑپ رہی تھی لیکن وہ تو دکھی ہو چکی تھی۔ ماضی سے اب تک وہ تمام لمحے جوان کی محبت کے گواہ تھے وہ تمام لمحے آج یادوں میں جھانک کے سچ کہہ رہے تھے۔ یا پھر ان کی محبت کی چغلی کھا رہے تھے۔ لمحے محبت کے دعوے دار لمحے۔ اسے سب سمجھ آنے لگا تھا۔ اس کی شادی سے پہلے عافی کا دادا جی سے اپنی شادی کی بات کرنا، گھر چھوڑ کر جانا، بندگی کی طویل بیماری۔

وہ سن سی ہوگئی تھی۔ بندگی جھوٹ پر جھوٹ بول رہی تھی۔ عافی بھی اس کے ہر جھوٹ میں اس کے ساتھ شریک تھا۔

''میں نے بتایا تھا، وچن کو میں نے بلایا تھا اور وہ پھول عافی تھوڑی لایا تھا، وچن لائی تھی۔ آخر کو وہ عافی کی بیسٹ فرینڈ ہے، تمہارے اتنے سالوں کے بعد ملنے کی خوشی میں''۔

وہ جتنے بھی اب جھوٹ بول دیتی، پر زندگی کو عافی کی وہ حیرانی یاد تھی۔ وہ الفاظ یاد تھے، وہ چونک جانا یاد تھا۔ اس نے اسے دیکھ کر کہا تھا۔ ''زندگی! تم...... تم زندہ ہو؟''

اب کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ پہلے سن بیٹھی تھی پھر بندگی نے جب بار بار اسے پکارا تو اس نے کھینچ کر ایک زوردار طمانچہ بندگی کے چہرے پر رسید تھا۔

''بس کرو بندگی! کتنے جھوٹ بولو گی۔ بس کرو تم دونوں۔ چپ ہو جاؤ۔ اب میں بس سچ سنوں گی صرف سچ۔''

''سچ کچھ نہیں ہے۔ یہ سب ایک غلط فہمی ہے۔'' وہ باز نہ آ رہی تھی تو وہ اسے خود سے دور جھٹک کر سہاروں کو تھامتی عافی کے پاس آئی اور اس کے کالر تھام کر اس سے پوچھا۔

''عافی! سچ بتاؤ۔ تمہیں تمہاری محبت کی قسم۔ آج سچ بتاؤ۔''

''زندگی! ہم بعد میں بات کریں گے۔''

''مجھے بتاتے ہو یا نہیں۔ کسے ڈھونڈتے تھے۔ کیوں تڑپتے تھے۔ کس کی آس میں رخسار کو چھوڑا تھا۔ تمہیں کس سے محبت ہے۔ کس کا ہاتھ مانگا تھا تم نے دادا جی سے؟''

عافی نے آنکھیں بند کر دیں، کہا کچھ نہیں۔ بندگی بھاگ کر اس کے پاس آئی تھی۔

''دیکھا عافی صرف تمہارا ہے۔''

''تم تو چپ کرو بندگی۔'' اس نے بھرپور طاقت سے بندگی کو پرے دھکیلا تھا۔ وہ زندگی کے اس ردعمل کی توقع نہ رکھتی تھی اس لیے خود کا بچاؤ نہ کر سکی اور دور جا کر گری۔ اس کے گرنے سے ایک سخت جان گل دان اس کے سر پر آن گرا تھا۔ پیشانی سے خون رسنے لگا تھا۔

عافی نے اسے تڑپ کر پکارا تھا۔ ''بندگی۔''

اس کی تڑپ میں ایسا کچھ تھا کہ بنا کچھ کہے وہ سب سمجھ گئی تھی۔

بندگی اپنی چوٹ کی فکر کیے بنا اپنی بہن کے پاس آئی۔

اس نے پھر اسے پرے پھینکا تھا۔ اس بار بھی وہ گری تھی اور مزید زخمی ہوئی تھی۔

''زندگی! یہ کیا کر رہی ہو تم؟''

''تم کیا کر رہے ہو عافی؟ چلے جاؤ میں اس دھوکے باز کو جان سے مار دوں گی۔'' وہ اپنی بیساکھی سے اپنی بہن کو پیٹنے لگی تھی۔

''زندگی پاگل ہو گئی کیا۔ مت کرو ایسا۔ مت مارو اسے۔''

وہ بھرپور غصے میں تھی۔

”میں نے کہا رک جاؤ۔“

”نہیں عافی! میں جان سے ماردوں گی اسے۔“

”اگر جان سے مارنا ہے تو مجھے مارو زندگی۔ میں بندگی سے محبت کرتا ہوں۔“ اس کا بس اتنا کہنا تھااور سارے پیار کے بھرم چکنا چور۔

”مجھے مارو۔ اس کا کوئی قصور نہیں تھا اور اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں ہی قصوروار تھا اور میں ہی قصوروار ہوں۔ بندگی نے تو بس جو کیا تمہاری محبت میں کیا زندگی۔ وہ تم سے بہت محبت کرتی ہے۔ اتنی محبت کہ تمہارے لیے وہ ہمیشہ خاموش رہی۔“

زندگی میں کچھ سننے کی سکت باقی نہ تھا۔ وہ ٹوٹا دل لیے ٹوٹے قدم لیے اپنے کمرے میں جارہی تھی۔

عافی بندگی کی چوٹیں دیکھنے آیا تھا۔

”تم جاؤ عافی! تم جاؤ۔ زندگی کو مناؤ۔ اسے تمہاری ضرورت ہے۔“

عافی نے اس بار بھی بندگی کی بات مان لی اور اسے زخمی چھوڑ کر اپنے کمرے میں آیا تھا۔ زندگی خاموش تھی لیکن چہرے کے عضلات بتا رہے تھے وہ صدمہ میں ہو جیسے۔

”زندگی! دیکھو...... اس وقت میری زندگی میں صرف تم ہو۔ صرف اور صرف تم۔“

”مجھے تمہارے پاس رہنا تھا عافی۔ صرف زندگی میں نہیں۔“ اس نے شکست خوردہ ہو کر کہا۔

”ایسا نہیں ہے زندگی، مجھے تمہارا پورا خیال ہے۔“

”خیال ہے عافی، پیار نہیں۔“

”زندگی! میں کیسے سمجھاؤں تمہیں۔“ عافی پریشان تھا۔

”مت سمجھاؤ۔ میں سمجھنا نہیں چاہتی بس مجھے سچ بتا دو شروع سے لے کر اب تک کا سچ بتا دو۔“

”تم مجھے اور خود کو مشکل میں ڈال رہی ہو۔ بس جو ہوا سو ہوا۔ جانے دو۔ میں آگے نکل آیا ہوں۔ تم بھی آگے بڑھ آؤ۔“

''اب تو یہ نہ کہو عافی کہ تم آگے نکل آئے ہو۔ آج بتا دو مجھے جب تم بندگی کو چاہتے تھے تو مجھ سے شادی کیوں کی؟''

''زندگی! دیکھو سنو۔ دنیا میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جنہیں ان کی محبت نہیں ملتی۔ میں ان لوگوں میں سے ایک ہوں لیکن اپنی فیملی تو ہر کسی کو عزیز ہوتی ہے نا۔ تم میری فیملی ہو، تم مجھے عزیز ہو، جو ہوا بھول جاؤ۔ میں معافی مانگتا ہوں۔ معاف کردو مجھے۔''

''عافی! مجھے سب سچ بتاؤ۔ پلیز پلیز۔'' وہ بضد تھی۔

بہت مشکل تھا یہ...... عافی کے لیے بہت مشکل تھا، لیکن پھر بھی اب کون سی راہ باقی بچی تھی۔ اس نے سچ سننا تھا۔ عافی نے سچ کہا تھا۔

❁ ❁

ناول رنگِ حیات کی اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی 20 تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

افشاں آفریدی کا بہت خوبصورت نیا ناول
کون خوابوں کے پار رہتا ہے
ہر ماہ باقاعدگی سے کتاب گھر پر پیش کیا جا رہا ہے
نئی اقساط پڑھنے کیلئے وزٹ کریں
kitaabghar.com

منعم ملک کا بہت خوبصورت نیا ناول
طائرِ آشیاں
ہر ماہ باقاعدگی سے کتاب گھر پر پیش کیا جا رہا ہے
نئی اقساط پڑھنے کیلئے وزٹ کریں
kitaabghar.com

قسط نمبر 11

بندگی اسلام آباد سے سیدھا پنڈی واپس آئی۔ عزت بی بی اس کے سامنے تھی۔ درمیان میں جیل کی سلاخیں تھیں۔

''تم فکر کیوں کرتی ہو؟''

''اب کیا ہوگا؟''

''اسی لیے میں نہیں چاہتی تھی عافی ہماری زندگی میں آئے۔''

بندگی نے سر پر سینڈیج لگایا ہوا تھا، کلائی پر بھی پٹی بندھی تھی۔ آنکھوں میں آنسو نہ تھے لیکن چہرہ بھرپور اداس تھا۔

''تم کیا چاہتی ہو؟''

''میں بہت دور جانا چاہتی ہوں، اتنی دور کہ ان دونوں کو میری بھنک تک نہ پڑے۔''

''تم فرار اختیار کر رہی ہو، لیکن کب تک بھاگو گی۔ عافی تمہیں ڈھونڈ لے گا۔''

''جب تک بھاگ سکتی ہو بھاگوں گی۔ اللہ کی زمین بہت بڑی ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ میں تمہاری مدد کروں گی۔''

''لیکن آپ تو......؟''

''میں قید ہوں دل۔ مرتو نہیں گئی ہوں۔ میں تمہیں چھپا لوں گی لیکن ایک وعدہ کرو مجھ سے۔''

''کیسا وعدہ؟''

''اگر دو دلوں کو ملانے میں اللہ تعالیٰ کی زمین تنگ پڑ گئی تو تم نفرت کی اس بھاگ دوڑ کو چھوڑ دو گی اور پھر جو قدرت کا فیصلہ ہوگا وہ منظور کر لوگی۔''

''قدرت اپنا فیصلہ کر چکی ہے۔ وہ زندگی کا ہے اور زندگی کا رہے گا۔ یہی ہماری قسمت میں لکھا تھا۔''

''قسمت بدل بھی تو سکتی ہے۔ پہلے بھی قسمت لکھنے والا وہی تھا اور اب بھی وہی ہے۔ اس کی مرضی جو لکھ دے۔ مجھے یقین ہے عافی صرف تمہارا ہے۔''

''اللہ نہ کرے آپا۔ میری بہت کی محبت ہے وہ۔''

''یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ کب کس کی توبہ سن لے۔ اچھا تو جا۔ یہاں سے تجھے میرا بندہ مل جائے گا۔'' عزت نے کاغذ پر ایک پتا لکھا اور اسے ایک خط لکھ کر دیا۔ ''جاؤ یہاں سے۔''

''ٹھیک ہے۔ لیکن آپ کو عافی سے کہنا ہوگا وہ مجھے ڈھونڈے نہیں۔''

''میں کہہ دوں گی۔ اب سب قسمت کے بھروسے ہوگا۔ تم اپنا وعدہ یاد رکھنا۔''

''ہاں یاد رکھوں گی۔'' اس نے عجلت میں وعدہ کر لیا تھا۔

''بہت شکریہ۔ اللہ حافظ۔'' وہ جلدی میں نکل گئی تھی۔

''میں دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر چھپا لوں گی لیکن قسمت مجبور نہیں ہو سکتی۔ وہ تم دونوں کو کسی نہ کسی نہج پر پھر روبرو لے آئے گی۔'' عزت کو پکا یقین تھا۔

☆......☆......☆

سچ بالآخر جھوٹ کے قوضوں سے نمودار ہوا تھا۔ عافی کی زبان نے حرف حرف سچ اگلا تھا۔

زندگی نے سچ جا کر اسے اپنے کمرے سے نکال دیا تھا۔ وہ عافی کی شرافت پر قسم اٹھا سکتی تھی۔ اس دنیا میں اگر وہ کسی کی اصالت مندی کے زمرے میں لاتی تو فقط عافی تھا۔ عافی سے دل کا رشتہ بھی تو اس کی مروت کا نتیجہ تھا جو وہ دوسرے مردوں کی مانند آنکھ بھر کے غیر عورتوں کی جانب متوجہ نہ ہوتا تھا۔

ایسی بے یقینی کا مقام تھا کہ دل و دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ کتنا آسان تھا کسی کو محبت میں دھوکا دینا۔ کون ایسا دشمن محبوب ہوتا ہے، بندگی اور زندگی دونوں عافی سے محبت کر بیٹھی تھیں اور عافی نے با آسانی سارے وعدے فراموش کر کے زندگی کو چنا کیونکہ زندگی کے ساتھ میں اسے اپنی زندگی دکھتی تھی۔ اتنا ہی نہیں اس نے ہرجائیت کی بھی حد کر دی۔ وہ تو سوچتی تھی اسے تمام سزائیں اس لیے ملیں کہ اس نے عافی

جیسے اعلیٰ ظرف شخص کے بچے کو اس دنیا میں آنے نہ دیا۔ وہ تو اتنا کم ظرف نکلا کہ بندگی کی کوکھ کو بدکاری کا الزام دے دا۔ اسے جتنی محبت تھی اتنی نفرت ہو رہی تھی۔ وہ کہتا تھا اسے لگتا تھا وہ زلزلے کی قید میں پھنسا تھا کیونکہ وہ گنہگار تھا۔ خدا نے اسے سزا دی تھی۔ نہیں وہ سزا کہاں تھی وہ تو صحیح سلامت نکلا تھا۔

”جوں ہی بندگی شادی کے بعد رخصت ہوئی میں ہر ایک چیز میں اسے دیکھنے لگا تھا۔ اس کی یاد میں اتنی طاقت تھی کہ دل بار بار شور مچاتا، کہتا، وہ تھی تمہاری، وہ ہی ایک واحد ساتھی تھی۔ اس سے جذبوں کا تعلق تھا، اس کے کھانوں سے ذائقے کا تعلق تھا۔ وہ رازدار تھی، اسی پر میں افشا تھا۔ دل کے ہر ایک بھید کو وہ جانتی تھی، چہرے پر پڑنے والی ہر شکن سے واقف تھی۔ وہ ہر غم سے واقف تھی، وہی عافی کی واقف دار وہی، خدمت گزار، دعا گو ہستی۔ کیسے نہ ہوتی مجھے اس سے محبت۔ کیسے نہ ہوتی مجھے اس سے محبت؟“

زندگی کو اس کی کہی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا اس کا فوٹو فریم غصے سے اٹھا پھینکا تھا۔

”تم وقت ضائع کرتے ہو عافی۔ بہت وقت ضائع کرنے کے عادی ہو۔ تم نے یہ جاننے میں وقت ضائع کر لیا کہ تمہیں بندگی سے محبت ہے۔ تمہیں اس وقت اپنی محبت کا احساس ہوا جب تم دھوکے بازی میں آگے نکل چکے تھے۔ جب تم اس معصوم کو اس کی بے لوث محبت کی سزا دے چکے تھے۔ آج وہ سمجھی تھی وہ معصوم سا دل رکھنے والی کیوں کہتی تھی، ”معصوم مت کہنا، معصومیت ایک گالی ہے میرے لیے۔“

”اُف...... اُف۔ اس نے کیسے سہا ہوگا۔ جب محبت احساس جرم بن جائے تو کوئی کیسے سہے؟ اس احساس جرم کی وجہ سے وہ عنایت جیسے بد دماغ آدمی کو جھیلتی رہی۔ کبھی کسی کو کچھ نہیں بتایا۔ کچھ نہیں۔ ماں کے مرنے کے بعد اسے جب جب بندگی سے اپنا کام نکلوانا ہوتا وہ کہتی دیتی۔ ”ماں نہیں ہے نا میری۔“ اور بندگی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چھوٹی بہن کی بجائے ماں بن جاتی، اس کی ہر بات مان جاتی۔ اور میں کبھی بڑی بہن تو کیا تمہاری بہن تک نہیں بن پائی۔ نہیں سمجھ پائی تم عافی کے آتے ہی کیوں چھپ جاتی ہو۔ سارا دن میرے ساتھ ہوتی ہو لیکن عافی کے آنے کے وقت انیکسی چلی جاتی ہو۔ میں کچھ نہیں سمجھ پائی کبھی کچھ نہیں کر پائی تمہارے لیے۔“

وہ ساری رات سونا سکی۔ صبح ہوتے ہی اس نے عافی اور بندگی کو اپنے کمرے میں بلایا۔

☆......☆......☆

"ایسا کیسے ہوسکتا ہے، وہ انکسی میں نہیں تو کہاں گئی ہے؟"

"وہ تو اسی وقت چلی گئی تھی۔ انیکسی تو وہ گئی ہی نہیں۔" ملازمہ کی اس بات پر عافی اور زندگی دونوں چونکے تھے۔

"عافی! بندگی کہاں ہے۔ کہیں تم نے تو کچھ پھر سے نہیں کیا۔" وہ سخت بدگمان تھی۔

"نہیں۔ میری بات نہیں ہوئی اس سے۔"

"تم کہو اور میں مان لوں گی۔ یوں بھی وہ آنا نہیں چاہتی تھی یہاں۔ کہیں تم اسے بلیک میل تو نہیں کرتے رہے ہو۔ یا پھر مجبور۔ وہ ایسے کیسے جاسکتی ہے۔"

عافی خود بے حد پریشان اور حیران تھا۔ اوپر سے زندگی کے سوالات۔

"بتاتے کیوں نہیں ہو اب کیا کیا ہے تم نے میری بہن کے ساتھ۔"

اس نے نوٹی کو فون کیا تھا۔

"آپ لے گئے تھے کل آپی کو۔ اس کے بعد تو میں نے انہیں دیکھا بھی نہیں۔" نوٹی نیند سے ابھی اٹھا تھا۔

"کہاں ہے وہ۔ کیا کہہ رہا ہے نوٹی۔"

"وہ وہاں نہیں آئی۔"

"جھوٹ...... جھوٹ...... جھوٹ! جھوٹے! کہاں ہے میری بہن۔ کیا کیا ہے تم نے۔ کون سا کھیل کھیل رہے ہو اب تم؟"

"محبت کرتا ہوں میں اس سے...... نہیں کیا میں نے کچھ۔" عافی زچ ہو گیا تھا۔ پریشان بھی تھا اس لیے چیخ اٹھا تھا۔

☆......☆......☆

پھر وہی بے کلی، بے خودی کا عالم تھا۔ وہ چلی جاتی تھی تو سکون دل لے جاتی تھی۔ وہ مارا مارا سے ڈھونڈتا پھرتا تھا۔ ایک لمحے میں سب کچھ جیسے فنا ہو گیا تھا۔ اب کچھ نہ بچا تھا۔ کچھ بھی نہیں۔ اس کا گھر، اس کا دل سب اجڑ گیا تھا۔

''کہاں جاؤں...... کہاں ڈھونڈوں۔ کہاں چلی گئی ہو...... کہاں چلی جاتی ہو۔ کیوں چلی جاتی ہو؟''

فراق محبت نے اچھا جھنجوڑا تھا اور قسمت بھی تو دیکھو۔ اتنے برسوں کا انتظار اور اب پھر سے انتظار۔ کون کہتا ہے صرف دنیا محبت کرنے والوں سے امتحان لیتی ہے۔ محبت کا امتحان تو محبت خود بھی لیتی ہے اور اس پر قسمت کی مار الگ دردِ دل ثابت ہوتی ہے۔

نا جانے وہ کیا کرے...... قسمت سے گلا کرے۔ رخسار کو سزا دے۔ زندگی پر چیخے۔ کیا کرے وہ کیا کرے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تھا۔ وہ دیوانہ وار اس کے گھر میں اس کا انتظار کرتا رہا تھا ہر آہٹ پر وہ دروازے کو تکتا، ہر بار مایوس ہوتا۔

''عافی سر! وہ آجائیں گی آپ سنبھالیں اپنے آپ کو۔''

''بس یہی دعا کرو وہ آجائے۔ اب کی بار کہیں دور نہ چلی جائے۔ وہ میرے پاس تو کبھی نہیں رہی نوٹی۔ لیکن یہاں رہتی تھی بھی تو دور نہیں لگتی تھی لیکن جب جب کہیں چلی جاتی ہے نا، تو یہ دوری مار ڈالتی ہے۔''

''آپ سچ کہہ رہے ہیں۔ انہیں جلدی آنا چاہئے۔ یہ ان کے بنا کتنا خالی لگ رہا ہے۔ یہ پنچھی۔ ان کو تو دیکھو یہ کتنے اداس ہیں۔ جب جب بندگی آپی گھر میں ہوتی ہیں نا، میں نے دیکھا ہے یہ تمام پنچھی ان کے کمرے کی جانب دیکھتے ہیں۔ سو بھی جاتے ہیں تو ان کے کمرے کی طرف رخ کر کے۔ مجھے اس کمرے کی چابی دو۔''

''لاتا ہوں۔''

☆......☆......☆

یہ کمرہ، یہ چار دیواری۔ اس کے سلیقے، اس کے ہاتھوں سے چھوا ہوا کونا کونا، اس کی خوشبو کو سمائے ہوئے یہاں کا ہر ایک ذرہ، جیسے اس کے نہ ہونے کے غم میں ماتم زدہ تھا۔ یہ اس کا بستر، یہ تکیہ، جس میں وہ نا جانے کتنے آنسو سموتی رہی تھی۔ عافی آج تک اس کمرے میں نہ آیا تھا لیکن آج پہلی بار آیا تھا۔ اسے اس کمرے کے سناٹے میں اس کی سسکیاں سنائی دے رہی تھی۔

''نا جانے کہاں تھی کس حال میں تھی۔''

سامنے والی دیوار پر اس کی شادی کی فوٹو لگی تھی۔

''عنایت نے کیا تم سے اتنی محبت کی تھی۔ نا جانے وہ کیسی محبت کر گیا تھا کہ وہ نہ ہو کے بھی اس کے پاس تھا۔ اور وہ پاس ہو کے بھی اس سے دور رہا تھا۔ آج اسے عنایت کی قسمت پر رشک ہو رہا تھا۔ وہ بے شک اس دنیا میں نہ تھا لیکن جس بھی دینا میں تھا اپنے پیچھے دعاؤں کا پیکر، وفا کا پیکر چھوڑ گیا تھا، وہ جہاں بھی ہوگا، سرخرو ہوگا۔ بندگی سے دعاؤں کے تعلق میں رہا ہوگا۔''

''زندگی باجی! آپ۔'' نوٹی نے اچانک دروازہ کھلنے پر سے بے ساختہ کہا تھا۔ زندگی کا نام سن کر عافی باہر آیا تھا۔ زندگی بہت غصے میں لگ رہی تھی۔ عافی اسے دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا وہ کس مقصد سے آئی تھی۔ لیکن پھر بھی سامنا تو کرنا تھا۔

''بندگی کہاں ہے؟ اس کا لہجہ بے حد عجیب تھا۔ ان میں سے کسی نے بھی اپنا لباس ابھی تک نہ بدلا تھا۔ لیکن کل ان کے چہرے پر جو بے فکری تھی، اس پر یہ سارے مہنگے لباس چار چاند سا کام کر رہے تھے اور آج جیسے ان کے دل کی مانند ان کے یہ مہنگے لباس، ان کی حالت۔ سب ماتم زدہ سے لگتے تھے۔

عافی خاموش رہا تھا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ یہ تمہارا گھر تو نہیں؟''

''میرا گھر؟ وہ تو اب شاید کہیں بھی نہیں۔''

''اب تمہارا گھر ت کیا، اب تمہارا کچھ بھی نہیں۔ میرا بس چلے تو میں تم سے تم کو ہی لے کر در بدر کر دوں۔ بے بس کر دوں محتاج کر دوں۔ اتنا تھکا دوں، اتنا تڑپا دوں کہ تم میں تمہارا کچھ باقی نہ بچے۔''

اس نے شدید نفرت سے کہا تھا۔ اس کے بدن کا زور بیساکھیوں نے اٹھایا ہوا تھا۔

''م جو چاہو وہ کرلو۔ میں اُف تک نہیں کروں گا۔'' عافی نے نظریں جھکا کر کہا تھا۔

''تمہیں میں نے اف تک کرنے کے لائق نہیں چھوڑا۔'' اس نے فخریہ کہا تھا اور کچھ کاغذ اس کی جانب بڑھا دیئے تھے۔ عافی کا مینجر اب زندگی کے احکامات بجا لا رہا تھا۔ پیپرز پڑھنے کی ضرورت کہاں تھی وہ سب سمجھ گیا تھا۔ زندگی نے اسے نہ صرف اس کے گھر سے بلکہ تمام تر جائیداد اور بزنس سے بے تعلق کر دیا تھا۔

''سب کچھ تمہارا ہی تھا۔ تمہیں مبارک ہو۔'' عافی جانے لگا تھا۔

''رکو۔ میں تم جیسے آدمی سے کوئی رشتہ نہیں رکھنا چاہتی۔ طلاق کے کاغذات پر دستخط کر کے جاؤ۔'' جب اس نے اس کی ہر سزا دل سے قبول کی تھی تو یہ کیسے نہ کرتا لیکن نا جانے کیوں ہاتھ کانپ رہے تھے۔ تعلق توڑنا بہت مشکل ہوتا ہے شاید۔

''زندگی تمہاری ہے۔ اس کا خیال رکھنا۔ اسے کچھ بھی ہوا میں نہیں چھوڑوں گی تمہیں عافی۔'' بندگی کی باتیں اس کے کانوں میں سنائی دینے لگی تھیں۔

''عافی! سائن کرو پلیز۔'' اس نے پھر سے کہا تو عافی نے اپنے اندر کی جھجک کا سامنا کر کے دستخط کر ہی دیئے۔

نوٹی اور مینجر ناسمجھی و حیرت سے دیکھتے رہے تھے۔ پرندے بھی اچانک شور مچانے لگے تھے۔ شاید ان کو بھی تعلق ٹوٹنے کی بھنک پڑ گئی تھی۔

''جاؤ عافی۔ چلے جاؤ۔ تمہیں در، در کی ٹھوکریں مبارک ہوں۔'' اس نے انتہائی نفرت انگیز انداز میں کہا تھا۔

عافی نے مسکرا کر اس کی مبارکباد قبول کی اور بندگی کے گھر کو ایک بار حسرت سے دیکھ کر آگے بڑھ گیا۔

''یہ کیا کیا آپ نے زندگی باجی! عافی سراب کیا کریں گے، کہاں جائیں گے؟'' نوٹی بے چین ہو گیا تھا۔

''دعا کرو مر ہی جائے۔ایسے انسانوں کو جینے کا کوئی حق نہیں ہوتا۔''

''آپ ایسا کیوں کر رہی ہیں۔آپ تو ان سے بہت محبت کرتی تھیں۔''

''محبت انسان سے کب ہوتی ہے۔محبت انسان میں موجود خوبیوں سے ہوتی ہے۔کسی کی صورت کی خوبیاں متاثر کرتی ہیں تو کسی کی سیرت کی خوبیاں اپنی طرف مائل کرتی ہیں۔صورت بگڑ جائے تو انسان قدرت کی مرضی سمجھ لیتا ہے لیکن سیرت کا بگاڑ کا ذمہ دار انسان خود ہوتا ہے۔عافی ویسا نہیں نکلا جیسا میں اسے سمجھی تھی۔جب عافی،عافی نہیں تو میری عافی سے محبت بھی نہیں۔بس دعا کرنا میں اب اس کو جانے دوں۔معاف کر دوں۔اسے اس کے حال پر چھوڑ دوں لیکن اگر ایسا نہ ہوا تو میری نفرت اسے جلا دے گی کیونکہ میں بندگی نہیں،زندگی ہوں۔''اس نے دانت کچکچا کر کہا تھا۔اس کا دل انتقام کی آگ میں جھلس رہا تھا۔

☆......☆......☆

''سکینہ کی طبیعت اب کیسی ہے؟''عزت نے وچن سے قید کے دوران سوال کیا تھا۔

''کیسی ہوگی؟اتنی کم عمری میں قید کاٹنا آسان تو نہیں۔''وچن اس کے لیے پریشان تھی۔سکینہ بے حد نڈھال سی رہتی،جیل کا ماحول اس مخمل کی اوٹ میں پلنے والی کی شان پر پورا کہاں اترتا تھا۔

''اسے یہاں رہنا سیکھنا ہوگا؟''عزت نے حتمی طور پر کہا تھا۔

''سیکھے گی تو تب نا،جب ڈپریشن سے نکلے گی۔وہ بے حد ڈپریس ہے۔''وچن سکینہ کے متعلق اور عزت تو ان دونوں کے لیے پریشان تھی۔اس لیے موقع پاتے پوچھنے لگی۔

''دیپک ملنے آتا ہے۔تم ملتی کیوں نہیں ہو؟''

''وہ اب نہ ملے تو ہی بہتر ہے۔میں اس کے لیے پہلے بھی باعثِ شرم تھی اور اب تو وہ نظریں جھکا کر چلتا ہوگا۔''وچن نے بے سکون ہو کر کہا تھا۔

''پڑھی لکھی سزا یافتہ پتنی۔''اس کے انداز پر عزت بی بی کا دل بھر آیا۔

''تمہاری سزا ختم ہونے والی ہے۔کہیں دور جا کے زندگی کو پھر سے جی لینا۔''

''اب وہ پہلے سا حوصلہ کہاں۔ اب تو دل کی تباہی سے پہلے ہی دل تباہ تباہ سا رہتا ہے۔'' وہ بے حد مایوس تھی۔ جبکہ اس کی کوئی غلطی نہیں تھی۔ دیپک اور اس میں اس قدر دوریاں تھیں اور جب وہ سزا یافتہ ہے تو...... سوچ میں یہ باتیں آ بھی جائیں تو وہ نہ سوچ پاتی۔ جھٹک دیتی ایسے خیالات کو۔ بھٹکا دیتی ایسی سوچوں کو جو اس سے کہتی اس کا پتی اس سے ملنے آتا ہے لیکن رسم دنیا نبھانے کے لیے۔

☆......☆......☆

''شان اب fsc کا اسٹوڈنٹ تھا۔ فری اور دوری نے اس سے ایک سال قبل fsc کلیئر کر دی تھی۔ اب وہ میڈیکل کے ٹیسٹ کی تیاری کر رہی تھی۔

''تمہیں کیا لگتا ہے دوری! ہماری شکل ڈاکٹر بننے والی ہے؟'' فری نے آئینے میں خود کو دیکھ کر، پرکھ کر، سوچ سمجھ کر دیکھا اور کہا۔

''کہیں سے بھی ہماری شکل ڈاکٹر بننے والی نہیں لگتی۔ مجھے تو شک ہے ہمیں کوئی میڈیکل انٹری ٹیسٹ کا فارم بھی دے گا یا نہیں۔''

''ڈاکٹر شکل سے نہیں عقل سے بنتے ہیں، سمجھا دو ماں ان کو۔ اب سے ایسا سوچیں گی تو کیسے تیاری کر سکیں گی۔''

ماں کچن میں سے نکل آئی اور کہا۔

''شان ٹھیک کہہ رہا ہے اور کیا ہوا ہے تم دونوں کی شکلوں کو۔ گوری چٹی ہو، نقش بھی پیارے ہیں۔''

''آنٹی! موٹی بھی تو ہیں نا۔'' دونوں نے اس انداز میں کہا کہ نا چاہتے ہوئے بھی شان اور آنٹی ہنس پڑیں۔

''یہ دونوں ہنس رہے ہیں دوری۔''

''ہنس سکتے ہیں فری۔ پتلے لوگ ہیں۔''

اس بات پر وہ اور مسکرا دیے تھے۔

''آج کل زیادہ نہیں مسکرا رہے ہمارے استاد جی۔''

''اگلے ویک سکی اور وچی جو آزاد ہو رہی ہیں۔''

''ہاں کیوں نہیں۔آخر کار ہم سب دوست ہیں۔''

''ہم سب تو دوست ہیں لیکن کوئی خاص بھی تو ہے۔'' دونوں اسے تنگ کر رہی تھیں۔شان بھی زچ ہونے کے بجائے من ہی من مسکرا رہا تھا۔پر دل کا حال بھی تو چھپانا تھا۔اس لیے سختی سے ان دونوں کو ڈانٹا اور کہا۔

''تم دونوں تیاری کرو۔آسان ٹیسٹ مت سمجھو۔یہ سلیکشن کئی لوگوں کا خواب ہے۔''

''بھئی ہمارا خواب تو بس ہماری تا عمر دوستی ہے۔''

''ہاں فری......اور اچھا کھانا پینا بھی۔''

''سیریس ہو جاؤ ورنہ ڈانٹ پڑے گی۔''

''ہمیں آج اچھے نمبر لانے کا بہت افسوس ہو رہا ہے۔کہاں پھنس گئی ہم دونوں۔کیوں دوری؟''

''ہاں فری، کہاں پھنس گئی۔''

وہ سر جوڑے ماتم کرنے لگی۔شان نے ان کو کچھ دیر کے لیے ان کے حال پر چھوڑ دیا۔یوں بھی اس کے دل کی خوشی دل میں ہی کہیں اندر ہی اندر مچلتی تھی۔لبوں پر وجہ بے وجہ مسکراہٹ آن لپکتی تھی۔دل انتظار کے پل پل نہ صرف گنتا تھا بلکہ محسوس کرتا تھا۔فری اور دوری اس کی بے چینی با آسانی محسوس کر سکتی تھیں۔پھر سے سب دوست ملیں گے۔دونوں یہ سوچ سوچ کر ٹیسٹ کی پریشانی سے آزاد ہو جاتی تھیں۔

☆......☆......☆

''مینجر صاحب! وہ کہاں ہے۔'' زندگی نے عافی کی کرسی پر بیٹھتے ہی سوال پوچھا تھا۔

''میم! عافی سر بالاکوٹ میں ہیں۔''

''وہاں کہاں؟'' زندگی کے چہرے پر پریشانی تھی۔

''ان کا ایک گھر ہے وہاں۔'' مینجر نے ادباً کہا تھا۔

''ہوں! تو ایک گھر چھپا کے اپنے پاس بھی رکھا تھا۔''

''جی میم۔ وہ کہتے تھے وہ ان کا آبائی گھر ہے۔''

''آبائی گھر۔'' اس نے طنز کیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی عافی کہاں ہو سکتا تھا۔ پرانی بیٹھک والے پرانے گھر میں، عافی نے بتایا تھا اس نے وہ گھر خرید کر مرمت کروا دیا تھا۔ پر زندگی کو یہ بھی کہاں راس آ رہا تھا۔ وہ تو عافی کو سڑک پر لانا چاہتی تھی۔ یہ بندگی کی دعائیں ہی تھیں جو اس کو بچاتی آئی تھیں۔ زندگی اسے ہر طرح سے برباد کو چکی تھی لیکن وہ تھا کہ برباد ہی نہ ہوتا تھا۔ ابھی بھی ایک گھر تھا اس کا۔ ایک چھت تھی۔ زندگی کا مقصد صرف اس کا مقام چھیننا نہ تھا۔ وہ تو اس کا سکون چھیننا چاہتی تھی، حوصلہ چھیننا چاہتی تھی لیکن وہ تھا کہ بالا کوٹ والے گھر میں سکون سے بیٹھا تھا۔ اسے غصہ آنے لگا تھا۔ ایک تو بندگی کا کچھ پتا نہیں چل رہا تھا۔ زندگی اس کی فکر میں بے چین رہنے لگی تھی اور رخسار...... اس کا بھی کچھ تو کرنا تھا۔ وہ سوچ چکی تھی وہ کیسے رخسار سے بدلہ لے گی۔

☆......☆......☆

بالآخر آزادی کا دن آ گیا تھا۔ گزشتہ چھ ماہ میں انھوں نے اس قید میں بہت کچھ سیکھا تھا۔ وہ جو اپنے ہاتھوں سے ذائقوں کو لذتوں کو بُنتی تھی وہ جیل کے کھانے کو بھی چبانا سیکھ گئی تھی۔ نا جانے کیسے اپنے اپنوں کے بنا جی گئی تھیں، مٹی سے بنا وجود مٹی، مٹی لگنے لگا تھا۔ خاک پر سونا، اٹھنا بیٹھنا، جاگنا، چلنا خاک سا کر گیا تھا۔ اب نہ انا تھی، نہ کوئی نخرہ۔ نہ کسی بات پر منہ سے چھی چھی نکلتا، نہ کسی مجرم کو دیکھ کر منہ تک ہاتھ جاتا، نہ کسی ملزم کا سن کر کلیجہ منہ کو آتا۔ ایسا لگتا تھا خوابوں کی دنیا سے کہیں دور نکل آئی تھی۔ کسی ایسے جہاں میں جہاں فقط تلخ حقیقتیں تھیں، کوئی خواب نہ تھا، کوئی خیال نہ تھا۔ خواب ہیں، خیال ہیں، تو انسان ہیں، خواب و خیال نہیں تو انسان، انسان نہیں، سوچوں کے بنا کھوکھلا سا بس ایک وجود باقی رہ جاتا ہے۔ پھر یہ قید فقط ایک قید تو نہ تھی۔ دل کی دل کو سزا بھی تو تھی۔ ایک سوچی سمجھی سزا۔ دلوں کی دھڑکنوں سے دوری سی۔ آنکھوں کی نور سے ناراضی سی، کتنے دن بیت گئے اس نے دیپک کو نہ دیکھا نہ سوچا تھا۔ لیکن وہ کہاں اس کو خود سے پرے کر سکتی تھی۔ آج اسے جب اس کا سامان لوٹایا گیا تو اس میں منگل سوتر تھا۔ اس کا ہینڈ بیگ اور اس کی ساڑھی۔ آنکھوں میں گرفتار ہونے سے پہلے کا منظر لہرایا تھا۔ وہ

اس کی اینورسری کا دن تھا۔ اس نے سادہ لباس تبدیل کر کے اپنی ساڑھی پہنی تھی۔ دن بہت خوب صورت تھا، اجلی اجلی دھوپ کھلی تھی۔ روشن و چمک دار سا ایک دن۔ آزاد دن۔ وہ جوں ہی جیل کے دروازے سے باہر نکلی، اس کی پہلی نگاہ دیپک پر پڑی تھی۔

وہ جو خالی خالی مٹی مٹی سی رہ گئی تھی، نہ کوئی خیال، نہ جذبوں کی کوئی پکار، نہ آس نہ کوئی امید، خالی خالی سی آنکھیں، نہ خوابوں کا پلکوں پر کوئی بوجھ تھا۔ پھر بھی نا جانے کیوں اسے دیکھ کر اس سے پلکیں نہ جھپکی گئیں۔ وہ اسے لینے آیا تھا۔ اسے اب ایسی کوئی امید تو نہ تھی۔ جو شخص صرف اس وجہ سے اسے اپنے دل میں جگہ نہ دے پایا کہ وہ پڑھی لکھی تھی۔ وہ ایک سزا یافتہ عورت کو کیوں کر اپنے ساتھ لے جائے گا۔ بس ملنے آیا ہوگا، لیکن اب کیا ملنا ملانا۔ وچن نے رخ موڑ لیا اور آگے بڑھنے لگی نا جانے کس سمت۔ اس نے آج بھی وہ منگل سوتر نہ پہنا تھا۔ اس کا دل اس قدر سخت سا ہو گیا تھا کہ وہ اسے بیچ کر حسن ابدال تک پہنچنا چاہتی تھی۔ اور اب وہی اپنی زندگی سیوا کر کے گزارنا چاہتی تھی، لیکن شاید اس کی ضرورت وہاں نہ تھی، یہاں تھی۔ یہ تو مرشد کی مرضی ہوتی ہے اپنے پاس بلا کر رکھے یا یہاں رکھ کر دوسروں کے لیے مثالی بنائے۔

دیپک نے اسے ہاتھ سے پکڑ لیا تھا۔ دیپک کا دل اس کا حال دیکھ کر تڑپ اٹھا تھا۔ کیوں اس نے خود کو سزا دی۔ کیوں نہیں کہا اس نے سکینہ کی مدد کی تھی بس کچھ تو کہتی۔ کچھ تو کرنے دیتی۔"

"جانے دو مجھے دیپک۔ مجھے کوئی بات نہیں کرنی۔"

"ٹھیک ہے بات مت کرو۔ میری سن لو۔"

وہ وہ رک سی گئی۔ تیز دھوپ، یہ آزاد ہوا، کھلی کھلی فضائیں، یہ تنہائی اور دیپک۔ اس کا دیپک۔ دل کو کیسے محبت میں محبت کے سراب کا سمجھایا جا سکتا ہے۔ وہ بھی رک گئی دیپک کی سننے کے لیے۔

"میں کبھی زندگی میں پچھتایا نہیں وچن، لیکن تمہارے معاملے میں نا جانے کیوں پچھتاوے ہی پچھتاوے میرے وجود سے چمٹنے لگے ہیں۔ پہلے پچھتایا تھا کہ تم سے شادی کرنے میں جلد بازی کر لی۔ اب پچھتاتا ہوں تمہارے ساتھ ناانصافی کر لی۔"

"تو اپنے پچھتاوے کی وجہ سے مجھے واپس لے جا رہے ہو، پرائسچت کرنا چاہتے ہو۔"

"میں جانتا ہوں، میں باتوں سے تمہیں منا نہیں پاؤں گا۔ میں پچھتا تو رہا ہوں لیکن چاہتا بس کچھ نہیں سوائے تمہاری خوشی کے۔ میں تمہیں خوشی دینا چاہتا ہوں۔"

وچن نے دیپک پر ایک نگاہِ حسرت ڈالی اور کہا۔

"دیپک! کوئی کسی کو خوشی نہیں دے سکتا۔"

"محبت تو دے سکتا ہے نا۔" دیپک نے ترنت کہا۔

"میری محبت سے کبھی آپ کو خوشی میں دے سکی؟ نہیں دیپک کوئی کسی کو بھی بے لوث محبت ہونے کے باوجود نہ تو محبت دے سکتا ہے نہ خوشی۔"

"اس وقت تک جب تک آپ کی محبت کی قدر نہ کی جائے۔ جو غلطی میں نے کی وہ تم مت کرو وچن۔ معاف کر دو مجھے۔ قدر کر لو میری محبت کی، میرا احساس کر لو۔ کمل کا سوچ لو۔ ہم جدا نہیں ہو سکتے۔ جدائی مت لاؤ وچن۔ اب بہت ہو گیا۔ بس اب چلو میرے ساتھ۔"

دیپک نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ جو اس نے کھینچ لیا تھا۔

"لوگ طعنے دیں گے دیپک! آپ کی پتنی سزایافتہ ہے۔"

"جانے دو لوگوں کو۔"

"ہم تو جانے دیں گے لوگ خود ہمارے درمیان آتے رہیں گے جیسے پہلے آتے تھے۔ مجھے پڑھا لکھا اور آپ کو بے تعلیم کہہ کہہ کر۔"

"میں معافی مانگ رہا ہوں نا۔ معاف کر دو نا۔ کمل، ماں جی، دوری، فری، شان اور تمہارے میکے والے سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

دیپک نے اسے زبردستی اپنے ساتھ لگا کر گاڑی میں بٹھایا تھا۔ نا جانے وہ دیپک کے ساتھ جا کر صحیح کر رہی تھی یا غلط۔ دیپک سامنے ہو تو سمجھ کچھ کہاں آتا تھا۔ اب زیادہ سوچا نہ جاتا تھا۔ وہ چپ چاپ اس دن کو دکھاتی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

وہ مخلص مسکراہٹ اس کے استقبال میں خاموش کھڑی تھی۔

''عافی!'' اس نے زیرِ لب شناسائی میں اس کا نام لیا تو اس نے دور سے ہاتھ ہلایا تھا۔ عافی مسلسل مسکرا رہا تھا۔ عافی کی مسکراہٹ ہی وچن کی آزادی کا تحفہ تھا۔ آج اس کے پاس وچن کو دینے کے لیے کچھ اور نہ تھا۔

بدلے میں وہ بھی مسکرا دی۔ خالی ہاتھ تو وہ بھی تھی۔

عافی نے وچن اور دیپک کو ساتھ دیکھ کر ہی اطمینان کر لیا تھا، لیکن وچن کو عافی کو دیکھ کر کچھ عجیب سا لگا تھا، آج اسے وہ درزیوں کا ملازم نہیں لگ رہا تھا بلکہ کسی اور کا ہی ملازم لگ رہا تھا مگر اب اس میں زیادہ کچھ سوچنے کی سکت نہ تھی۔ وچن کا دل اسی محلے میں جانے سے ڈر رہا تھا جہاں سے اسے گرفتار کیا گیا تھا۔ اتنے عرصے سے کمائی گئی عزت کا بھرم بھی تو ہوتا ہے۔ کتنا مشکل تھا اس ٹوٹے بھرموں کی کرنچیوں پہ چلنا، گزرنا۔ جوں جوں وہ اپنے گھر کی جانب بڑھ رہی تھی اس کا دل ڈوبے جا رہا تھا۔ نا جانے کیسے سب کی نظروں کا سامنا کرے گی۔

''کیا سوچ رہی ہو وچن؟'' دیپک نے اسے اداس اور مایوس دیکھ کر پوچھا تھا۔

''میری سزا بہت جلدی کیوں ختم ہوگئی؟''

نا جانے یہ کیسا سوال تھا۔ اس نے جیسے عمر بھر کے شکوے اس ایک سوال میں کر دیئے تھے۔ وہ آزاد ہونا نہیں چاہتی تھی یا کیا پتا آزادی اب اسے اچھی نہ لگتی تھی۔ اس نے بریک لگا دی تھی اور اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ کچھ نہ رنگ ہوتے تھے کبھی اس چہرے پر؟ اور آج جیسے اس کا چہرہ ہر ایک رمق سے عاری تھا۔ شاید زندگی کے سب ہی انداز سمجھ آگئے تھے۔ درست اور غلط کی تمیز اسے اخلاقیات نے کروائی، محبت کا سبق اسے عافی سے ملا۔ دل اس کا دیپک کی وجہ سے ٹوٹا اور جو معتبری، فخر، انا جیسی کچھ چیزیں انسان کے اندر ہوتی ہیں وہ اس قید کی وجہ سے ناپید ہوگئیں۔ زندگی کو سمجھ کر زندہ رہنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ کچھ آگاہیاں دشوار تر ہوتی ہیں۔ نا جانے دیپک کیسے اسے پھر سے جینا سکھائے گا۔

اس نے وچن کے ساتھ برا کیا تھا اور اب اس کے ساتھ برا ہو رہا تھا۔ اگر آپ اپنے پیاروں کا غم بانٹنا چاہتے ہوں اور آپ اس کا اختیار بھی رکھتے ہوں لیکن اس اختیار کا استعمال نہ کر پا رہے ہوں تو اس سے بڑھ کر دکھ بھلا اور کیا ہوگا۔

''گھر چلو دیپک۔ اس ٹینشن کو جلدی ختم ہونا چاہیے۔''

''کیسی ٹینشن؟'' اس نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

''تم نہیں سمجھو گے۔'' وہ چپ ہوگئی۔ بول تو کچھ دیپک بھی نہ رہا تھا لیکن پھر بھی کوئی آواز سی درمیان تھی جو آج بھی کہتی تھی، محسوس کرواتی تھی کہ وہ ایک دوجے کے ہیں۔

''مت لے جاؤ مجھے اپنے ساتھ دیپک۔ تم نام نموس رکھنے والے ہو۔ مجھ جیسے قید گزارنے والوں کی کب تک سہو گے۔'' اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

☆......☆......☆

فری، دوری، شان، آنٹی، بے چینی سے وچن کی راہ تک رہے تھے، اس کی ایجنسی میں کام کرنے والی خواتین، پھولوں کے بکے اور ہار لیے اس کے استقبال کے لیے کھڑی تھی۔ کملا ڈھول ڈمامے لیے کھڑی تھی۔ باپو جی اور اس کے میکے والے فخر سے اس کے منتظر تھے۔ محلے والے کھڑکیوں سے جھانکتے تھے۔ کچھ ان کی خوشی میں شریک تھے اور کچھ اپنے اپنے کام کرتے ہوئے ان کی طرف متوجہ تھے۔

کچھ ہی دیر بعد دیپک کی گاڑی کی آواز آئی، فری اور دوری پوری قوت کے ساتھ دوڑ کر اس کے پاس آئی اور ہمیشہ کی طرح وہ ان کے درمیان سینڈ وچ سی بن کر رہ گئی۔

''آئی مس یو...... آئی مس یو سو مچ وچی۔'' دونوں نے تپاک سے اسے گلے لگایا اور بھرپور جذبات سے لبالب ہو کر آنکھیں میچتے ہوئے کہا۔ وچن دیکھتی رہ گئی۔ کیا سب کچھ پہلے جیسا تھا۔ دیپک کے چہرے پر فخریہ سی دھیمی دھیمی مسکراہٹ تھی۔ کملا ڈھول کی تھاپ پر رقص کر رہی تھی۔ ساتھ میں محلے کی دیگر خواتین بھی شامل تھیں۔ سب اسے مبارک باد پیش کر رہے تھے۔ ورکرز پھولوں کے ہار پہنا رہی تھیں۔ وچی کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔ اس نے اردگرد نظریں گھمائیں، کھڑکیوں سے جھانکتی خواتین پرستائش نظروں سے اس کی جانب دیکھ رہی تھیں۔ ہر کسی کے چہرے پر خوشی تھی، ہر لب پہ مسکراہٹ تھی۔

یہ سب کیا ہے؟ کوئی اس سے نفرت کیوں نہیں کر رہا؟ کوئی طعنہ، کوئی تلخ بات کیوں کر نہیں ہو رہی۔ وہ بہت حیران تھی۔

شان اور آنٹی نے بھی اچھی طرح اس کا استقبال کیا تھا اور باپو جی۔
وہ شاہ رخ خان کی طرح باہیں پھیلائے مسکرا کر بیٹی کے استقبال میں کھڑے تھے۔ وچی بھاگ کر ان کے پاس آئی تھی۔ انہیں دیکھتے ہی اس کے اندر جیسے صبر و تحمل کے سب ہی پیمانے ٹوٹے تھے۔ باپو جی کے شانے پر سر رکھتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ماحول ذرا عجیب سا ہو گیا تھا، جس کے لیے سب خوش تھے وہ ہی رو رہی تھی۔ استفہامیہ سی نظریں اس کی جانب اٹھنے لگی تھیں۔
''ارے بجاؤ نا ڈھول۔ اتنے دنوں بعد بیٹی باپ سے مل رہی ہے۔ روئے گی تو ضرور نا۔''
دیپک نے ماحول میں پھر سے رنگ بھر دیئے۔ فری اور دوری کملا کے اسٹال میں لمبے لمبے ہاتھ نیچے سے اوپر اٹھا کر ڈھول کی تھاپ پر تالی بجانے لگی تھی۔
''مجھے معاف کر دینا باپو جی۔''
''ارے معافی کیسی۔ میں تجھ سے ناراض نہیں ہوں۔ دیپک باپو نے بتایا اسکالرشپ کس عجلت میں آئی تھی اور کیسے آناً فاناً تمہیں ولایت پڑھنے کے لیے جانا پڑ گیا۔'' باپو جی کی بات سن کر وہ سن سی ہو گئی۔
اس نے ایک بار پھر سب پر نظر ڈالی۔ وہ سب جھوٹی خوشی منا رہے تھے۔ سچ چھپایا گیا تھا۔
دیپک خوشی خوشی اس کے پاس آیا تھا اور پاس آ کر پوچھا تھا۔
''کیسا لگا یہ استقبال۔'' وہ پر مسرت تھا۔
''جھوٹا لگا سیٹھ دیپک۔ جھوٹا لگا۔''
''یہ کیا کہہ رہی ہو وچن؟''
''تم مجھے کبھی میرے اصل کے ساتھ نہیں اپنا سکتے دیپک۔'' اس نے نم آنکھوں سے کہا تھا۔ دل کا بوجھ یک دم بڑھ گیا تھا۔
''وچن!''
''مجھے تنہا چھوڑ دو دیپک۔'' وہ غصے میں آگے بڑھی لیکن سر چکرا سا گیا۔ وچن کی ماں اس سے ملنے آ رہی تھی۔ اس نے اسے تھام لیا۔ دیپک بھی آگے بڑھ آیا۔ ڈھول دمامے بند ہو گئے۔ ماحول پھر سے عجیب ہو گیا۔

''بند کرو یہ سب۔''

''لیکن وچن کو کیا ہو گیا کملا؟''

''وہ شاید پہلی بار ہوائی جہاز پر آئی ہے نا۔ ذرا طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ اب سب جاؤ، کل آنا۔ بہو آرام کرے گی۔''

ماں پانی کے چھینٹے ڈال رہی تھی۔

''ڈاکٹر کو بلاؤ دیپک بابو۔''

''ہاں ماں۔'' دیپک اسے بے ہوش دیکھ کر ذرا بوکھلا سا گیا تھا۔ ''تم مجھے کبھی میرے اصل کے ساتھ نہیں اپنا سکتے دیپک۔''

وچن کا جملہ اس کے کانوں میں گونجتا رہا۔ اسے ہسپتال لایا گیا تھا۔ اس کا چیک اپ ہو رہا تھا۔ فری اور دوری لب کاٹے سر جوڑے بیٹھی تھیں۔

''ہم نے وچی سے بہت باتیں کرنی تھیں۔ کیوں دوری۔''

''ہاں فری۔ ہم نے بتانا تھا کہ ہم میڈیکل کالج میں سلیکٹ ہو گئی ہیں۔ لیکن ہم بتا نہ سکی او وچی...... وچی کو نا جانے کیا ہوا۔ اور شانی بھی پتا نہیں کہاں چلا گیا ہے۔ سکی بھی تو آج ہی......''

''لیکن شان۔ سکی تو...... یہ کیا ہو رہا ہے فری۔''

''ہاں دوری۔ یہ کیا ہو رہا ہے ہمارے دوستوں کے ساتھ۔ اور دیپک بھائی کو دیکھو۔ کتنے خوش تھے وہ اور اب دیکھو جب سے ڈاکٹر نے کہا ہے کہ وچی کسی صدمے کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی ہے، ان کی حالت تو دیکھو۔ اور کمل تو اپنی مما سے ملا بھی نہیں۔''

دونوں کا دل دوستوں کے دکھ سے کٹ رہا تھا۔ دونوں اداسی کے عالم میں بیٹھی تھیں اور آج کوئی ان سے پوچھنے والا نہ تھا۔

''کیوں جوؤں کی منتقلی کر رہی ہو۔''

☆......☆......☆

اس عظیم اور خوب صورت علاقے سے ذرا سا دور، جہاں قطاروں میں دیدہ زیب بے نیاز و شان دار بنگلے تھے۔اس خوب صورت رہائشی علاقے کی جانب بڑھتی سڑک کے راستے جہاں سر سبز سدا بہار اور دیگر انواع کے درخت ہوا سے لہرا رہے تھے وہاں یہ ہوائیں اس کے بدن کو چھو کر جیسے دل تپا رہی تھیں۔وہ وچی سے ملنے کے بعد سکی سے ملنے آیا تھا۔لیکن گیٹ پر ہی اسے چوکی داروں نے بتایا کہ سکینہ کو اس کے والدین انگلینڈ لے گئے ہیں اور اب وہ کبھی پاکستان نہیں آئیں گے۔

''تم اب بھی اپنے کیے پر شرمندہ کیوں ہو سکی۔میں نے تو کبھی تم سے کوئی شکایت نہیں کی تو پھر یوں بنا بتائے تم اتنی دور کیسے جا سکتی ہو۔''

اتنے میں ہی دوری کا میسج آیا تھا۔پاکستان سے جانے سے پہلے اس نے وائس لوڈ اپنے پاپا کے موبائل سے دوری کو سینڈ کیا تھا۔

''میں اب یہاں نہیں رہ سکتی دوستو! یہاں بہت انسلٹ فیل ہوتی ہے۔اگر یہاں رہی تو میں کبھی بھی اپنے آپ کو اس گلٹ سے نہیں نکال سکوں گی اور نہ ہی لوگ مجھے میرا ماضی بولنے دیں گے۔ یہاں کی فضا مجھے چیخ چیخ کر بتاتی ہے کہ میں ایک سزا یافتہ مجرمہ ہوں۔جسے میں نہیں سن سکتی دوستو۔''

''سنا تھا لوگ محبت کرنے والوں کے درمیان آجاتے ہیں۔لیکن تم تو خود ہی لوگوں کو ہماری محبت کے درمیان لے آئی سکی۔''

سنسان سڑک کے ایک بینچ پر بیٹھ کر وہ اس کی یاد میں آنسو بہا رہی تھی۔چھ ماہ سے شان اس سے ملنے کی تڑپ میں تڑپتا رہا اور آج اسے اس تڑپ کے بھی لوٹ جانے پر تڑپ ہو رہی تھی۔کوئی یادوں میں، خوابوں میں، دل میں بس کر یوں چلا کیسے جا سکتا تھا۔اور جانا بھی ایسا جانا۔ایسا جانا کہ جیسے جانا جہاں انتظار کی بھی کوئی شرط نہ ہو۔پھر سے ملنے کا کوئی امکان نہ ہو۔

''تم جہاں گئی ہو سکی! وہاں آنے کی میری اوقات نہیں۔لیکن تمہاری محبت امانت ہے میرے پاس سکی۔تم جب بھی آؤ گی میں اسے تمہیں لوٹا دوں گا۔مجھے یقین ہے تم اپنی امانت پا کر مجھے میری امانت لوٹا دو گی۔''

''میری محبت! وہ محبت جو تمہیں مجھ سے ہے۔ میں وہ محبت لے کر رہوں گا اور وہ محبت جو مجھے تم سے ہے میں وہ محبت تمہیں دے کر رہوں گا۔'' اس نے سیاہ سویٹر پر مفلر پہن رکھا تھا۔ اپنے آنسو چھپانے کے لیے اس نے مفلر سے چہرہ ڈھک دیا تھا۔

☆......☆......☆

وہ عام سے لباس میں تھا، اس کا حلیہ دیکھ کر ہی احساس ہو سکتا تھا کہ وہ کس حال میں ہے۔

''تھک گئے ہو۔'' عزت بی بی نے سلاخوں کے فاصلے سے سوال کیا تھا۔

''نہیں۔'' عافی نے مسکرا کر کہا تھا۔

''کیوں نہیں تھکتے تم؟''

''محبت تھکنے نہیں دیتی۔ محبت ہماری سوچ سے بھی زیادہ طاقتور ہوتی ہے عزت بی بی۔''

''ہاں! تمہیں دیکھ کر اس طاقت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ویسے اسے ڈھونڈ تو رہے ہو گے تم، یا پھر اسے ڈھونڈنے کی خواہش دل سے نکل گئی ہے؟''

''جب محبت ہو جاتی ہے تو کہا جاتا ہے، "Fall in love"......Fall یعنی گرنا۔ جانتی ہو کیوں۔ کیونکہ محبت میں we can not rise up محبت میں گرنے کے بعد محبت میں پھر اٹھا نہیں جا سکتا۔ ہاں آگے بڑھا جا سکتا ہے۔ زندگی کو نئے انداز میں پرویا جا سکتا ہے۔ لیکن اس محبت میں گر جانے کے بعد اٹھا نہیں جا سکتا۔ اپنی محبت کو کبھی بھلایا نہیں جا سکتا۔ اگر آج بھی آپ کو آپ کی محبت یاد آتی ہے، کسی گلی سے گزرتے ہوئے، کسی لمحے کو دہراتے ہوئے۔ اگر آج بھی آپ کا دل و دماغ اتنی بڑی دنیا میں کسی ایک کی سوچ و فکر رکھتا ہے، کوسوں دور ہوتے ہوئے بھی، سارے راستے، سارے رابطے منقطع ہوتے ہوئے بھی اگر آپ سوچتے ہیں، وہ کہاں ہے، کیسا ہے، کیا وہ جہاں بھی ہو گا کبھی اسے ہمارا خیال آتا ہو گا، تو اس کا یہی مطلب ہے کہ آپ اپنے حصے کی محبت کر چکے ہیں۔ اب پھر آپ کو کسی اور سے محبت نہیں ہو سکتی becuse we fall in love once، محبت بس ایک بار ہوتی ہے، محبت بس ایک سے ہوتی ہے۔ میرے دل سے بھی بندگی کو ڈھونڈنے کی خواہش کبھی نہیں نکل سکتی۔''

''تو مجھ سے پوچھنے کیوں نہیں آئے کہ وہ کہاں ہے؟''

''کیونکہ مجھے میرے اس سوال کا جواب پتا ہے، وہ جہاں بھی ہے اسے میرا خیال کبھی نہ آتا ہو گا۔'' عافی نے اس دردمندی سے یہ فقرہ کہا کہ عزت بی بی کا دل بھر آیا۔

''اب تم آزاد ہو۔ وہ بھی تنہا ہے اپنی محبت جتا کیوں نہیں لیتے؟''

''محبت لفظوں کی جادوگری ہوتی ہے۔ کوئی کسی کو اپنا دل کھول کے نہیں دکھا سکتا کہ وہ کتنی محبت کرتا ہے۔ محبت جتانے و بیان کرنے کے لیے لفظوں کا ساتھ چاہیے، لیکن میرے لفظ شرمندہ ہیں عزت بی بی۔ میں نہ ہی اپنا دل کھول کے دکھا سکتا ہوں کہ میں اس سے کتنی محبت کرتا ہوں اور نہ بتا سکتا ہوں کیونکہ وہ کبھی میرا یقین نہیں کرے گی۔ میں نے ہی اس سے محبت کی، میں نے ہی اس کا محبت میں دل توڑا۔ وہ آپ نفرت کرتی ہے مجھ سے...... اور وہ تنہا کہاں ہے، آپ ہیں نا اس کے ساتھ۔''

''میں تو یہاں ہوں عافی۔''

''آپ کا ہونا ہی کافی ہے پھر چاہے آپ جہاں بھی ہوں۔''

''پاس ہونے والے تو پاس ہوتے ہیں لیکن دل تو کوئی ایک خاص رکھتا ہے، جس کو بھول جاؤ تو وہ یاد ہی یاد آتا ہے۔ اس کے پاس جاؤ عافی۔ میں تمہیں اس کا پتا بتاتی ہوں۔''

عافی کا دل دھڑک سا گیا۔ لیکن محبت کے اس مقام میں ایسی خودغرضیاں کہاں ہوتی ہیں۔

''اس نے آپ کو مجھے اپنا پتا دینے کو کہا ہے؟''

عزت بی بی خاموش رہ گئی۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔

''نہیں نا...... تو نہ بتائیں مجھے اس کا پتا۔ میں بس اس کی خیریت کا طلب گار ہوں۔''

''عافی! لیکن تمہیں جانا چاہیے۔ اب تو تم دونوں کے درمیان زندگی بھی نہیں ہے۔''

''ہم زندگی کی وجہ سے کب جدا تھے؟ وہ مجھ سے جدا میری وجہ سے تھی۔ سچ کہوں تو میں نے اس کے ساتھ جو کچھ کیا اس کے لیے میں آج تک خود کو معاف نہیں کر پایا۔ تو میں تصور ہی کیسے کر سکتا ہوں کہ وہ مجھے معاف کر دے۔''

''تم سزا بھگت چکے ہو عافی! بہت زیادہ دکھ جھیل چکے ہو۔ اتنا بڑا ایمپا ئرلٹ گیا تمہارا، تم سڑک پر آ گئے ہو۔''

''سب اس پہ قربان عزت بی بی۔ زندگی نے سب کچھ مجھ سے چھینا ہے تو وجہ بندگی ہے۔ زندگی مجھ سے اپنی بہن کا بدلہ لے رہی ہے۔ وہ بدلہ جو بندگی کبھی نہ لیتی۔''

''کتنی محبت کرتے ہو تم اس سے عافی؟ تمہاری محبت دیکھ کر تو دل کرتا ہے تم دونوں کو ایک کروا کے ہی مروں۔''

''میری محبت سے اتنی محبت نہ کرو عزت بی بی۔ یہ مرنے نہیں دیتی۔ جیسے میں جیتا رہا ہوں۔''

عزت بی بی اس کی بات سن کر مسکرائی اور کہا تھا۔

''ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہوتا ہے۔ تمہیں تو پھر محبت کا سہارا ہے۔ ویسے ایک بات کہوں۔ جاتے جاتے اس نے کہا تھا اگر قسمت پھر سے تمہیں اس کے سامنے لے آئی تو وہ تم سے بھاگنا چھوڑ دے گی۔''

''کیا؟'' وہ مسکرا دیا تھا۔ ''اب تو میں آپ کو بالکل اس کا پتا نہیں بتانے دوں گا، کیونکہ مجھے میری قسمت پر پورا بھروسہ ہے۔''

''پکے دیوانے ہو۔''

''شکریہ! یہ اعزاز مجھے بہت عزیز ہے۔''

''اور تم مجھے عزیز ہو۔ اللہ کرے وہ تمہاری قسمت کی گردش میں جلد از جلد وقوع پذیر ہو۔''

''آمین۔'' عافی نے خوش ہو کے کہا تھا اور الوداع کہہ کر چلا گیا تھا۔ عزت بی بی کافی دیر تک عافی کے جانے کے بعد عافی اور اس کی محبت کو سوچتی رہی تھی۔

☆......☆......☆

وچن کو ہوش آ گیا تھا۔ وہ دیپک سے خفا تھی۔ وہ اس سے نظریں چرا رہی تھی۔ اب تو اس کے میکے والے بھی چلے گئے تھے بس باپو جی وہاں اپنی بیٹی کے پاس تھے۔

''تم اب بالکل ٹھیک ہو وچن۔ ڈاکٹر نے کہا ہے تم اب گھر جا سکتی ہو۔''

"گھر...... مجھے گھر نہیں جانا۔" اس نے رخ بدلتے ہوئے کہا۔ وہ دیپک کی جانب دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔

"گھر تو جانا ہوگا وچن!"

"کیوں دیپک...... کیوں جاؤں میں آپ کے ساتھ۔ آپ کو پتا ہے گھر ہوتا کیا ہے؟ گھر کہتے کسے ہیں؟ گھر عمارتوں کا نام نہیں ہے، گھر اس سکون کا نام ہے جس میں خوف نامی کوئی شے نہیں ہوتی۔ جہاں آپ جیسے ہیں ویسے رہ سکتے ہیں، میں آپ کے گھر میں ویسے نہیں رہ سکتی جیسی میں ہوں تو کیونکر چلوں میں تمہارے ساتھ۔"

"تو کیا تم ساری زندگی اپنے آپ کو ایسے جرم کی سزا دیتی رہو گی جو تمہیں مجبور ہو کر کرنا پڑا۔ یا پھر ساری زندگی ماتھے پر لکھوا کے زندگی گزاروں گی کہ میں سزا یافتہ مجرم ہوں۔ مجھے مزید سزا دیتے رہو۔"

"دیپک! آپ نے باپو جی تک سے جھوٹ بولا ہے۔"

"تم جب ان کے پاس تھی ان کی عزت تھی۔ اب میرے پاس ہو میری عزت ہو۔ میں نہیں سمجھتا اب ان کا تم پر مجھ سے زیادہ حق ہے۔ تم میری ہو اور تمہاری زندگی کے سارے فیصلے بھی میرے ہیں۔"

"آپ کو مجھ سے زیادہ آپ کی عزت عزیز ہے۔ آپ ڈرتے ہیں لوگ آپ سے سوال کریں گے۔ آپ رسوائی سے ڈرتے ہیں لیکن کب تک آپ سچ چھپائیں گے۔ کبھی نہ کبھی تو سچ سامنے آئے گا سیٹھ ڈیپک۔ کبھی نہ کبھی تمہیں بتائے گا کہ تمہاری پتنی سزا کاٹ چکی ہے۔"

"کوئی نہیں بتائے گا مجھے۔ کسی میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ سیٹھ دیپک سے اس طرح بات کرے۔"

"مجھ میں ہمت ہے اور میں سچ بتا کے رہوں گی۔"

"تم ایسا کچھ نہیں کرو گی۔"

"میں ایسا ہی کروں گی۔ دیکھو دیپک! آپ اور میں دونوں سختیاں برداشت کرنے کی عمر میں ہیں، کل کو وقت بہت آگے نکل جائے گا، ہم اس سب کا سامنا شاید اس وقت نہ کر سکیں، میں سب کو سچ بتانا چاہتی ہوں اور آپ فکر نہ کریں۔ میں سب کو سب کچھ بتا کے آپ کے ساتھ نہیں رہوں گی۔ آپ کی

عزت پہ آنچ نہیں آئے گی۔ میں چلی جاؤں گی۔"

دیپک کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ وچن کو کیسے سمجھائے۔ اس نے ہی تو وچن کا اعتبار توڑا تھا۔ وہ صرف پڑھی لکھی تھی اور دیپک اسے خود کے لائق نہ سمجھتا تھا۔ اب تو وہ قصوروار ہے تو دیپک کیوں اسے اپنا بنائے گا۔ وچن نے طے کر دیا تھا وہ اب جھوٹ کی بنیاد پر کسی رشتے کی بنیاد نہ رکھے گی۔ دیپک اسے سمجھا نہیں پا رہا تھا۔ وہ بھی سمجھ نہ سکتی تھی۔

☆......☆......☆

موسم دونوں طرف سرد تھا، دل کے اندر بھی، آب و ہوا کے لحاظ سے بھی۔ فری اور دوری سرخ رنگ کی ہائی نیک کے اوپر بلیک کلر کی کرتی پہنے ہوئے تھی اور ہمیشہ کی طرح اپنے صحت مند بالوں کی اونچی پونی بنائی ہوئی تھی۔ آج وہ سر جوڑ کے بیٹھنے کی بجائے آنٹی کے پاس افسردہ بیٹھی تھی۔ آج کالج میں ایک فنکشن تھا جسے آرگنائز کرنے والی ٹیم میں عافی بھی شامل تھا۔ وعافی کو کرسیاں درست کرتے، فلور پر کالینیں لگاتے دیکھ کر دنگ رہ گئی تھی۔ اس سے بھی زیادہ حیرانی انہیں یہ جان کے ہوئی تھی کہ ان کی وائف زندگی نے ان کا سب کچھ حاصل کر لیا۔

"عافی بھائی نے ان کے لیے رخسار کو چھوڑ دیا۔ جبکہ سچ پوچھو تو رخسار اور عافی بھائی کی جوڑی مجھے بے حد پسند تھی۔"

"ہاں فری۔ اگر زندگی صحت مند ہوتی تو میں تو عافی بھائی کو ان کے لیے رخسار جیسی خوب صورت لڑکی کو چھوڑنے کبھی نہ دیتی۔"

"ہاں دوری۔ لیکن ہم کر ہی کیا سکتے تھے۔ زندگی باجی کس حال میں تھی اس وقت۔"

"ہاں فری! لیکن اب ہم ان کو باجی تو نہیں کہیں گے۔ وہ اس قابل ہی نہیں۔ مجھے تو بہت غصہ آ رہا ہے ان پر۔ دل کرتا ہے روز روز اسلام آباد جاؤں اور ان کے سامنے چیخ کر بولوں، تُو بے وفا ہے۔"

دونوں کا دل بے انتہا جل رہا تھا۔

"ہاں دوری! اس سے تو اچھی ان کی بہن بندگی تھی۔ بندگی ایسا کچھ کرتی بھی تو سمجھ آتا۔ وہ کس

قدر خوب صورت تھی۔ لیکن زندگی نے یہ سب کیا۔"

"تم دونوں شاید بے وجہ بدگمان ہو رہی ہو۔" آنٹی نے کچن سے صدا بلند کی۔

"نہیں آنٹی! بے وجہ نہیں کہہ رہی ہم یہ سب ہمارا تو دل کرتا ہے روز اسلام آباد جائیں اور ان کے سامنے چیخ کر بولیں۔

"ہاں، ہاں! پتا ہے تم دونوں زندگی کو بے وفا تصور کرتی ہو کیونکہ تم دونوں تصویر کا صرف ایک رخ دیکھ رہی ہو۔"

"تصویر کا ایک ہی رخ دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ دوسرا رخ خالی ہوتا ہے آنٹی۔ کیوں دوری؟"

"ہاں فری! دوسرا رخ خالی ہوتا ہے۔" اس نے ایک سینری کی فریم اتار کر مثال بھی دی تھی۔

"ڈاکٹر بننے والی ہو تم دونوں۔" آنٹی نے سر پکڑا تھا۔

"ہاں! وہ تو ہے ماشاء اللہ۔ ملک کے غیر صحت مند لوگوں کا مستقبل ہمارے ہاتھوں میں جو ہے۔ کیوں دوری؟"

"ہاں فری۔"

"بس پھر تو اللہ ہی مالک ہے ہمارے ملک کے صحت مند لوگوں کا۔" ان نے ان کے پاس آ کر کہا تھا۔

"تم دوست ہو ہمارے شانی۔ ہمیں تمہیں اچھی طرح جانتی ہیں اس لیے ہمارے آگے خوش رہنے کا ناٹک مت کرو۔ کیوں دوری؟"

"ہاں فری! ہم سب جانتی ہیں تمہیں سکی کے جانے سے کتنا دکھ ہوا ہے۔"

"ہاں دوری، ہاں فری۔ مجھے سکی کے جانے سے بہت دکھ ہوا ہے، لیکن کیا سکی کے جانے سے تم دونوں کو دکھ نہیں ہوا؟"

"ہاں دکھ تو بہت ہوا ہمیں۔ ہم ساری رات سوئی نہیں تھیں۔"

"میں بھی نہیں سو پایا تھا۔ اس رات بھی اور شاید زندگی بھر بھی۔ لیکن سو نہ پانے کا یہ مطلب تو

نہیں کہ ہم جاگیں بھی نہیں۔ کبھی کبھی نیندیں ہمیں جاگے رہنے کے لیے اڑ جاتی ہیں۔ میں جاگ گیا ہوں دوستو! اور اب میں سونا نہیں چاہتا۔''

اتنی گہری بات! نومودہ میڈیکل کے اسٹوڈنٹ کی سمجھ سے باہر تھی۔ یہ تو شانی جانے اس نے کیا ہی کہا تھا۔ وہ دونوں سوچتی ہی رہی تھیں۔ آنٹی چائے بنا رہی تھیں، کچن سے انہیں گہری سوچ میں دیکھ کر پوچھا۔

''کیا ہوا...... تم دونوں کیا سوچ رہی ہو؟''

''سوچ رہی ہیں روز لندن جائیں اور سکی کے سامنے چیخ کر کہیں، تُو بے وفا ہے۔''

ان کا انداز غیر متوقع تھا۔ آنٹی کے ہاتھوں سے چائے گر گئی۔ یہ لو...... ایک نئی فرمائش۔

☆......☆......☆

وچن کسی کو کچھ نہ بتائے اس لیے دیپک اسے ہسپتال سے رات گئے گھر لایا تھا۔ محلے کے تقریباً تمام گھروں کے چراغ گل تھے، ہر سو اندھیرا تھا، جیسے ہر جانب تاریکی کی راج دھانی ہو۔ جو وہاں کی ہر ایک شے پر حاوی ہوتی جاتی تھی حتیٰ کہ دلوں پر بھی۔

وہ گھر آتے ہی اپنے کمرے میں چلی آئی۔ باقی جی کو نمستے تک نہ کیا اور نہ ہی کسی سے بات کی۔ کمل سے وہ ابھی تک نہیں ملی تھی۔ وہ سو رہا تھا، دیپک نے سب سے سب کچھ چھپایا تھا لیکن باپو جی سے سب کچھ چھپا نہیں رہ سکتا تھا۔ ان کی سدھ بدھ کہتی تھی، اس کی بیٹی تکلیف میں تھی، اب اور رہا نہ جاتا تھا۔ انہوں نے پوچھ ہی لیا تھا، کملا بھی انہیں سب بتانا چاہتی تھی، ان کا پوچھنا ہی تھا کہ کملا سب کچھ سچ بتانے چلی آئی۔

''بھائی جی! دراصل وچن......'' اس نے ابھی الفاظ منہ سے نکالے ہی تھے کہ دیپک سامنے ہاتھ باندھ کے کھڑا ہو گیا۔

''وچن ہوائی جہاز کے سفر کے صدمے میں ہے۔ آپ کے آگے ہی تو ڈاکٹر نے کہا تھا، ہاں میرے آگے ہی ڈاکٹر نے کہا تھا لیکن کاش کہ ایسا ہی کہا ہوتا۔''

باپو جی بھی ضد پر تھے اور دو ٹوک پوچھ رہے تھے۔

"باپو جی! میرے گھر میں بھی کچھ ایسی باتیں ہوسکتی ہیں جنہیں میں کسی کو بتا نہیں سکتا۔ آپ سمجھ دار ہیں اس لیے نہ پوچھیں تو بہتر ہے بلکہ میری آپ سے بنتی ہے، آپ وچن سے بھی کچھ نہ پوچھیں۔" دیپک نے انتہائی نرم لہجے میں درخواست کی تو باپو جی چپ ہو گئے اور کمل کے ساتھ سونے چلے آئے۔ کملا دودھ گرم کر کے آئی تھی۔ وچن نے کھانا نہ کھایا تھا تو کیسر والا دودھ ہی پی لے، لیکن وہ......

"ایسا کب تک چلے گا دیپک۔" کملا دودھ واپس لائی تھی اور زور سے دیپک کے پاس آ کر کہا تھا۔

"بتانے کیوں نہیں دیا انہیں۔ وہ ہی وچن کو سمجھا سکتے ہیں۔"

"وچن سمجھ جائے گی۔"

"لیکن وہ کوئی غیر تو نہیں، اس کے باپو جی ہیں۔"

"وچن کے باپو جی ہیں، وچن چاہے تو انہیں بتا دے لیکن میں نہیں بتاؤں گا اور جہاں تک ہو سکا وچن کو بھی کسی کو کچھ بتانے نہیں دوں گا۔"

"اس طرح تو تم وچن کو کھو دو گے دیپک۔"

"اگر ایسا ہے تو ایسا سہی ماں! مجھے وچن کا کھونا منظور ہے لیکن میں یہ نہیں چاہوں گا کہ وہ خود کو کھو دے۔ آپ جانتی ہیں وہ لڑکی سکینہ اور اس کے والدین ملک چھوڑ گئے ہیں۔ جانتی ہو کیوں، کیونکہ ان کے آس پاس سب تعلیم یافتہ لوگ تھے۔ سب کچھ جانتے تھے۔ لوگوں نے طرح طرح کی باتیں کر کر کے ان کا جینا مشکل کر دیا۔ یہاں قانون کسی جرم کی سزا ایک بار سناتا ہے اور لوگ تو ہر روز سزا دیتے ہیں۔ ہر روز کیا لوگوں کا بس چلے تو وہ ایک ہی دن میں عمر بھر کی سزا دے دیں۔ ابھی وچن جذباتی ہو رہی ہے۔ میری پچھلی کوتاہیوں کی وجہ سے وہ مجھے سمجھ نہیں پا رہی لیکن آپ تو سمجھیں ناماں جی۔"

"وہ چپ نہیں رہے گی دیپک، وہ سب کو سچ بتا دے گی۔ کل صبح ہوتے ہی وہ سب کو سچ بتا دے گی پھر تم کیا کرو گے؟"

"کہہ دوں گا وہ صدمے میں ہے۔ پاگل ہو گئی ہے لیکن میں یہ سچ نہیں بتاؤں گا کہ وہ جیل سے سزا کاٹ آئی ہے۔"

دیپک اپنی بات پر قائم تھا لیکن باپو جی نڈھال سے ہو گئے تھے۔ وہ خود کو روک نہ پائے دیپک اور کملا کی گفتگو سننے سے۔

☆......☆......☆

"فررررری......"

"دوررری......"

دونوں نے ایک دوسرے کو حیرت کے باعث اس انداز میں بلایا تھا۔

"کیوں چیخ رہی ہو؟"

"شانی! رخسار کی شادی پھر ٹوٹ گئی۔"

"کیا؟ لیکن کیوں؟"

"کیا اور کیوں؟ پتا نہیں، لیکن یہ ہی سچ ہے۔ اس نے فیس بک پر کمنٹس دکھائے تھے۔"

"اگر رخسار کے دلہے نے رخسار سے شادی نہیں کی تو کس سے کی؟" حیرت، تجسس اور بے یقینی۔

"پتا نہیں۔"

"آؤ پتا کرتے ہیں۔" شانی نے رخسار کی فیس بک آئی ڈی سے اس کی شادی کے کارڈ پر دلہے کا نام پڑھا اور سرچ لیا تو وہ سب دنگ رہ گئے۔

"یہ...... یہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔"

یہ ایک زبردست جھٹکا تھا ان سب کے لیے۔

☆......☆......☆

"وچن سزا کاٹ آئی ہے؟ کیا یہ وہی سکینہ ہے جس کے بارے میں روز خبریں چھپتی رہی ہیں۔ اگر ایسا ہے تو کیا وچن نے اس کے پیپر دیئے تھے؟"

سمجھ سب صاف صاف آ رہا تھا لیکن دل صاف صاف انکاری تھا۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ وچن اپنے اصولوں کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کر سکتی۔ وچن اپنے باپو جی کی وہ بیٹی تھی جس پر انہیں ہمیشہ سے ناز تھا۔ وہ

اپنے تمام بچوں میں اپنے آدرش ڈالنا چاہتا تھا لیکن کسی اور کے دل کو ان کے آدرش نہ چھوتے تھے۔ وہ تو وچن تھی جوان کا مان رکھتی آئی تھی۔ سچے اچھے سنسکاروں کا چلن بس ایک اسی میں ہی تو تھا لیکن وچن......؟

وچن......اور......جرم؟ جس کا اخلاق اتنا بلند تھا وہ کیسے کوئی جرم کر بیٹھی۔ وہ بھی ایسا جرم جس کی سزا وہ کاٹ آئی تھی، یا پھر کاٹ رہی تھی۔

وہ ساری رات سو نہ سکے۔ بے یقینی ہی اتنی تھی۔

☆......☆......☆

رخسار کے دلہے ذیشان نے شادی کر لی تھی۔ شادی کی فوٹو بھی وائرہو چکی تھیں۔ جنہیں دیکھ کر شانی، فری اور دوری کی آنکھیں کھول کھول ہو گئی تھی۔

''بے چاری رخسار......اب تو اسلام آباد جانا پڑے گا۔ زندگی کے سامنے چیخ کر کہنا پڑے گا تو بے وفا ہے۔''

''چپ کر کے بیٹھو۔ تم دونوں کے کہنے سے کیا ہوگا۔ جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا نا۔''

''لیکن یہ کیسے ہوسکتا ہے؟''

''جیسے بھی ہوسکتا ہو لیکن اب یہ ہی حقیقت ہے۔ رخسار کے دلہے ذیشان نے جو کہ بہت بڑے باپ کا اکلوتا بیٹا ہے اس نے زندگی سے شادی کر لی۔''

☆......☆......☆

''زندگی اور ذیشان......'' عافی نے حیرت سے کہا تھا۔

''لیکن جوڑ بہترین تھا۔ وہ ایک ساتھ بہت پیارے لگ رہے تھے لیکن رخسار......''

''زندگی! تم نے رخسار سے بدلہ تو لے لیا، لیکن ایسا بدلہ، شاید تم نے جلد بازی کر لی۔ ایسی جلد بازی نہیں کرنی چاہیے تھی تمہیں۔'' عافی نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔ زندگی نے بے شک اسے اپنی زندگی سے نکال دیا تھا لیکن کوئی تعلق تو آج بھی تھا۔ جان پہچان کا تعلق۔ اچھی جان پہچان کا تعلق۔

☆......☆......☆

اس نے طے کرلیا تھا وہ اپنے لوگوں کو دھوکے میں نہیں رکھے گی، لیکن وہ جوں ہی ایجنسی آئی اسے پتا چلا آج دیپک نے سب کو چھٹی دے رکھی ہے۔ اسے یہ سن کے غصہ آیا تھا۔ وہ گھر کی طرف مڑی ہی تھی کہ دیپک کو سامنے پا کے غصے سے اس سے کہا۔

''کب تک تم یہ سب کرتے رہو گے۔''

وہ ہمیشہ کی طرح سینے پہ ہاتھ باندھے کھڑا ہوا تھا۔

''جب تک کرسکوں گا کروں گا۔''

''تو ٹھیک ہے کرتے رہو جو آپ کو کرنا ہے۔ وہ کرتے رہو اور جو مجھے کرنا ہے وہ بھی میں کر کے ہی رہوں گی۔'' وچن بہت اجڑی اجڑی اور کمزور لگ رہی تھی۔

''میں تمہیں مزید تمہاری زندگی کے ساتھ یہ سب کچھ نہیں کرنے دوں گا۔ تم سزا کاٹ چکی ہو۔ ڈگریاں ترک کر چکی ہو اور بس اب بس میں مزید تمہیں ذلیل وخوار ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔''

''صاف صاف کیوں نہیں کہتے دیپک کہ آپ خود کو میری وجہ سے مزید خوار اور ذلیل نہیں ہونے دے سکتے۔ اور میں بھی تو یہی چاہتی ہوں کہ بس آپ میری وجہ سے ذلیل وخوار نہ ہوں۔ کوئی آپ سے کچھ نہ پوچھے، جو بتانا ہے میں خود بتاؤں گی۔''۔

''اچھا اگر بات صرف اتنی ہے تو مجھے بتانے دو، میں اپنے انداز میں بتاؤں گا جو بتانا ہے۔''

''آپ سچ کبھی نہیں بتائیں گے دیپک اور آپ جب تک سچ نہیں بتائیں گے لوگ پوچھتے رہیں گے، سوال دہراتے رہیں گے۔ میں مجرم ہوں، میں سزا کاٹ آئی ہو'' اس نے غصے سے کہا اور گھر چلی آئی۔

گھر آتے ہی کمل اس کی طرف دوڑ کر آیا تھا اور اس سے لپٹ گیا تھا۔ وہ ماں کو دیکھ کر رونے لگا تھا۔

''اب میں کبھی آپ کو ولایت جانے نہیں دوں گا مما...... اور میں ہوسٹل بھی نہیں جاؤں گا۔''

وچن جو پتھر سی ہوگئی تھی، کمل کے چھوتے ہی جیسے انسان کا روپ دھارن کرلیا تھا۔ وچن کو یوں لگا جیسے مدتوں بعد اس کی آنکھوں میں آنسو آئے تھے۔ اس نے کمل کو گلے سے لگایا تھا اور روتی ہی رہی تھی۔

کمل اپنی ماں کو یوں روتے دیکھ کر تذبذب کی سی کیفیت میں یدیک کی جانب دیکھنے لگا۔ دیپک نے

اسے ماں کو چپ کروانے کا اشارہ دیا تھا۔ کمل نے سمجھ کر ہاں کہا اور ماں کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"Stop crying mom، اب میں ہوسٹل نہیں جاؤں گا۔"

وچن نے اب اسے غور سے دیکھا تھا۔ وہ بہت کمزور اور سانولا سا لگ رہا تھا۔

"یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کمل، تم اتنے کمزور کیوں ہو گئے ہو؟"

"مجھے آپ کے ہاتھوں سے بنا کھانا اچھا لگتا ہے مما۔ وہاں مجھے کچھ اچھا نہ لگتا تھا۔"

اس نے ایک بار پھر کمل کو گلے لگا لیا تھا اور بے انتہا چوما تھا۔ دیپک نے کمل کو بلانے کے لیے کہا تھا۔ کملا نے سمجھ کر کہا۔

"کمل! آ جاؤ۔ دیکھ میں نے چھولے پوری بنائی ہے۔"

"oh dadi so sweet of you۔" وہ خوش ہو کر کملا کے پاس آیا تھا۔ وچن اب تک دبے دبے آنسو رو رہی تھی۔ دیپک نے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے صحن میں رکھی چارپائی پر اپنے ساتھ بٹھایا۔

"تمہیں لگتا ہے تم مجرم ہو، سزا کاٹ آئی ہو لیکن تم یہ بھول رہی ہو کہ تم ایک بیٹی، ایک بہو، ایک پتنی اور ایک ماں ہو۔ تم نے جو جرم کیا اس کی سزا تمہیں مل چکی ہے۔ اب تم کیوں سب کو اس جرم کی سزا دینا چاہتی ہو جو تم نے کیا تھا۔ مجرم اپنے جرم سے مجرم بنتا ہے اور اس کے اپنے بنا جرم کیے مجرم کہلاتے ہیں۔ کمل کو دیکھ لو، اس کا کیا قصور ہے۔ جو بات کسی کو پتا نہیں اسے بتانے کی ضرورت کیا ہے؟"

"آج اگر پتا نہیں دیپک، کل سب جان جائے گا۔ کل سب جان گئے تو سب پہلے آپ میرا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ کیا میں نہیں جانتی آپ کو اپنی عزت کتنی عزیز ہے اور آپ لوگوں کی کتنی پروا کرتے ہیں۔"

"اپنی عزت عزیز ہے مجھے تم نے ٹھیک کہا وچن۔ تم بھی تو میری عزت ہو۔"

"ہاں! وہ تو ہے لیکن مجبوراً...... ایک تعلیم یافتہ گلے پڑی بیوی، جسے کبھی آپ نے اپنے لائق نہیں سمجھا۔ جس کا وجود آپ کے لیے باعثِ شرم رہا، جس کا چرچا آپ کے چرچے سے زیادہ ہوتا ہے اور کوئی اگر آپ سے آ کر کہتا ہے کہ آپ کی پتنی پڑھی لکھی اور سمجھدار ہے تو آپ کو لگتا ہے، وہ آپ کا مذاق اڑا رہے ہیں، تو اب آپ مجھے کیوں روک رہے ہیں۔ میری ذہانت تو آپ کے نزدیک میرا عیب تھی۔

تو اب کیا ہوا؟ اب کیوں مجھے مجرم نہیں سمجھتے۔'' وہ غصے میں کہتی چلی گئی تھی۔

دیپک اس کے پیچھے جانا چاہتا تھا لیکن باپو جی نے آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا او کہا۔

''جانے دو اسے۔''

''باپو جی! آپ نہیں جانتے، وہ ٹھیک نہیں ہے۔''

''میں سب جان گیا ہوں دیپک بابو۔''

دیپک نے حیرانی سے ان کی جانب دیکھا تھا۔ وہ وچن کے غم کو وچن سے بھی چرانا چاہتا تھا، چھپانا چاہتا تھا۔ وہ وچن کے باپو جی تھے لیکن انہیں اس سچ سے واقف نہیں ہونا چاہیے تھا۔ باپو جی بات کرنے آئے تھے، اس مسئلے کا کوئی حل نکالنے آئے تھے، لیکن دیپک نے ان سے کوئی بات نہیں کی۔ نا جانے کہاں وہ اب اپنے اور وچن کے مسئلے مسائل خود حل کرنا چاہتا تھا۔ وہ جانے لگا لیکن جاتے جاتے وہ ایک بار مڑا اور باپو جی کے پاس آیا اور ہاتھ جوڑ کر بنتی کی، کہ وہ نہیں چاہتا وچن کو کوئی کچھ کہے یا اس سے کوئی کچھ پوچھے۔

''آپ کا اپنی بیٹی پہ حق ہے باپو جی، لیکن آپ میری بیوی کو نہیں ڈانٹ سکتے۔ جب کہ وہ آپ کی ڈانٹ سننا چاہتی ہے، سب کے طعنے سننا چاہتی ہے، وہ خود کو سزا دینا چاہتی ہے، لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔'' دیپک نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

باپو جی دنگ رہ گئے تھے۔ یوں تو دیپک نے وچن پر سے جیسے اس کے باپو جی کے سارے اختیار ختم کر دیئے تھے۔ لیکن نا جانے کیوں انہیں ان کے داماد بہت اچھے لگ رہے تھے۔ بیٹیاں اپنے باپ کی عزت ہوتی ہیں اور جب انہیں لے جانے والا بھی انہیں اپنی عزت سمجھتا ہے تو ماں باپ اپنی بیٹیوں کی طرف سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ باپو جی کی نگاہوں میں آج ان کے داماد کا قد اور بھی بڑھ گیا تھا۔

☆......☆......☆

قطاروں میں کھڑے سرسبز و شاداب صدا بہار کے کم سن و جوان درختوں نے اس راہ سے گزرنے والے نا جانے کتنے محبت کرنے والوں کو دیکھا تھا۔ کہا جاتا ہے صدا بہار کے یہ درخت سو سو سال جوانی کو ترستے ہیں اور پھر جا کر کہیں یہ جوان ہوتے ہیں۔

شان ان راستوں سے گزر کر اسی بنگلے کی جانب آیا تھا جہاں اب وہ نہیں رہتی تھی۔ وہ جا چکی

تھی۔ اپنے اس عالی شان بنگلے کو چھوڑ کر اور اپنے شان کو چھوڑ کر۔

صرف اتنا ہی ہوتا تو بھی وہ سہہ لیتا لیکن وہ نہ صرف چلی گئی تھی بلکہ اس تک رسائی کے سب ہی راستے بند کر گئی تھی۔ اس ٹیکنالوجی کے دور میں بھی شان اس کی خبر کے لیے ترس رہا تھا۔ اس نے ایسا کیسے کرلیا، ٹھیک ہے انہوں نے ساتھ جینے مرنے کی قسمیں نہیں کھائی تھیں، محبت کا باقاعدہ اعلان بھی نہ کیا تھا لیکن جو لمحات انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ گزارے، کیا وہ قابل فراموش تھے؟ کیا وہ خوشیاں، وہ مسکراہٹیں جو دونوں کے لبوں پر ایک دوجے کو دیکھ کر بکھرتی تھیں، وہ درگزر کی جاسکتی تھیں؟ کیا دل کو خالی کر جانے والوں کے دلوں کو دل کا خالی پن نہیں کھاتا۔ اس نے نم آنکھوں سے اس بنگلے کی بند کھڑکیوں اور دروازوں کو دیکھا تھا۔ نہ فقط یہ در و دروازے بلکہ اس نے دل کا در بھی بند کر دیا تھا۔ یہاں اب کچھ نہ تھا۔ چوکیدار بھی نہ تھے، بس ایک مالی بابا تھا۔ جو اسے دیکھ کر اس کے پاس آیا تھا۔ اور اس سے بات کرنے پر پتا چلا تھا کہ وہ بھی یہاں بس کچھ دن ہی رہے گا۔ اس کے بعد گاؤں چلا جائے گا۔

اس کی بات سن کر شان مسکرایا تھا۔ وہ جانتا تھا یہ مالی کہیں نہیں جائے گا۔ اتنا بڑا بنگلہ ہے، بے یار و مددگار کوئی نہیں چھوڑتا۔ وہ ایسا اس لیے کہہ رہا تھا کیوں کہ شاید اسے ایسا کہنے کو کہا گیا تھا۔

”چلو، تم یہ تو جانتی تھی سکی کہ میں آؤں گا۔ میں آ گیا ہوں اور آتا رہوں گا۔ میں یہ تو نہیں جانتا کہ تم مجھے اور میری محبت کو چھوڑ کر کیسے چلی گئی لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ تم میرے لیے اور میری محبت کے لیے ضرور آؤ گی۔“

شان نے جدید ٹیکنالوجی کے استعمال کو ترک کر کے قدیم طریقہ پیغام اختیار کیا تھا۔ اس نے ایک لیٹر لکھا اور اسے پوسٹ کرنے کی بجائے اس کے بنگلے کے پرانے پوسٹ باکس میں ڈالا۔

”میں تمہارا انتظار کروں گا سکی، کرتا رہوں گا۔ یہاں آتا رہوں گا، کبھی نہ کبھی تو تم آؤ گی۔“

اس کے عزائم پختہ تھے۔ وہ فقط تعلیمی سرگرمیوں میں ہی سب سے آگے نہ تھا بلکہ اسے دل کی خواہشات کا مان رکھنا آتا تھا۔ اس کا دل جو چاہتا وہ دل کی چاہ کے راستے آنے والی ہر مشکل کو پار کرنا جانتا تھا اور پھر یہ راہ تو سرسبز تھی۔ جہاں کا سبزہ صدا بہار تھا، جیسے اس کے دل میں اس کی محبت صدا بہار تھی۔

☆......☆......☆

''کیا کیا سوچا تھا ہم نے دوری؟''

''ہاں فری! دیکھونا، شان کس قدر کھویا کھویا رہنے لگا ہے۔ ہم نے تو سوچا تھا ان کی محبت میں پرانی فلموں والا کوئی سین آئے گا۔ کہیں سے سکی کے ڈیڈ آئیں گے اور کالر چڑھا کر بولیں گے، حیثیت دیکھی ہے اپنی جو میری بیٹی کا رشتہ لے آئے ہو، اور پھر شان کو محنت کرنی پڑے گی، پتھر کاٹنے پڑیں گے، مزدوری کرنی پڑے گی، پھر اتنی محبت دیکھ کر ایک دن سکی کے ڈیڈ آئیں گے اور کہہ دیں گے، بس کر دو بیٹا، مجھے معاف کر دو، میں تمہاری محبت کو سمجھ نہیں سکا، تم سے زیادہ محبت ہماری سکینہ سے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ میں اس کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دیتا ہوں۔''

''ہاں دوری، لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ سکی کے ڈیڈ تک بات پہنچی ہی نہیں اور سکی چلی گئی۔''

''ہاں فری! دل تو کرتا ہے روز لندن جائیں او سکی سے کہیں، تُو بے وفا ہے۔''

''ویسے تم دونوں کو ایسا کچھ زندگی سے بھی تو کہنا تھا۔'' شان کی ماں نے ان کے لیے پاستہ پروستے ہوئے کہا تھا۔

''ہاں کہنا تو ان سے بھی تھا۔'' دونوں کا دل جل رہا تھا۔

''تو اسلام آباد جا کر کہہ نہیں سکے تو لندن کیسے جاؤ گے۔'' شان کی والدہ نے بھنویں چڑھا کر کہا تھا۔

''ہاں آنٹی! یہ تو ہم نے سوچا بھی نہیں تھا۔'' دونوں سر جوڑ کر بیٹھی تھیں۔

''اچھا اب کچھ کھا لو، خالی پیٹ کہاں سوچ سکو گے۔''

''آپ کو نہیں پتا آنٹی، ہم دوستوں کے متعلق کتنا سوچتی ہیں اور کب کب سوچتی ہیں۔'' وہ پاستہ چھوڑ کر سوچنے لگی تھی۔ آنٹی نے اپنا پاستہ ختم کر لیا تھا۔ ان دونوں کی نظریں آنٹی پر تھیں۔

''فری! کیا جو میں سوچ رہی ہوں وہ تم بھی سوچ رہی ہو۔'' اس نے پر سوچ انداز میں سوال کیا تھا۔

''ہاں دوری! وہی تو میں سوچ رہی ہوں۔''

''یہ آنٹی کچھ زیادہ بے فکر نہیں لگ رہیں؟''

''ہاں دوری! لگ تو رہی ہیں۔''

''تو کیا، سکی شادن سے بہت محبت کرتی تھی نا، تو ایسے کیسے بے وفائی کر کے چلی گئی۔''

''ہاں فری!''

''اور ہمیں تو دیکھو، ہم سب جانتے ہوئے بھی لندن جانا چاہتی تھی اور جا کے کہنا چاہتی تھی...... کون بے وفا ہے دوری؟''

''تصویر کا دوسرا رخ کیسے دیکھتے ہیں؟''

''سیکھنا پڑے گا۔''

دونوں سر جوڑے بیٹھی تھیں اور آنٹی کو شک کی نگاہوں سے دیکھے جا رہی تھیں۔

''ممی آنٹی سے پرانی فلموں کی سی ڈیز لینی پڑیں گی۔''

''ہاں دوری! ایسا کرنا ہی پڑے گا۔''

وہ دونوں بنا پاستہ کھائے جانے لگی تھیں اور چلی بھی گئی تھیں۔ ان کے جانے کے بعد شان انہیں پڑھانے آیا تھا۔ پاستہ جوں کا توں دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ فری اور دوری کھانا بنا چھوئے چلی گئیں۔

''مما! یہ دونوں کہاں چلی گئیں؟''

''پتا نہیں۔ لیکن لندن جانا چاہتی تھیں۔ سکینہ کو بے وفا کہنے۔ اسلام آباد تو جا نہیں سکتیں زندگی کو بے وفا کہنے۔ یہ کیا جائیں گی لندن۔ اتنی دور...... ہوں......'' آنٹی کا انداز مختلف تھا۔

☆......☆......☆

گزشتہ دن تو جیسے تیسے گزر گیا تھا۔ دیپک نے کیسے بھی کر کے وچن کو بے وجہ کی رسوائی سے بچا لیا تھا، لیکن آج وہ کیا کرتا۔ آج وچن اس کے جاگنے سے پہلے ہی ایجنسی آئی تھی۔ تمام خواتین بھی آ چکی تھیں۔ ہر کوئی اپنے اپنے کام میں مصروف تھا کہ وچن نے سب کو اپنے آفس میں بلوایا تھا۔ دیپک بنا نہائے ہی ایجنسی پہنچا تھا، لیکن اس کے آنے سے پہلے وچن نے تمام ورکرز کو ایک ساتھ بلوا لیا تھا۔ تمام خواتین وچن پر نظریں مرکوز کیے ہوئے آفس میں کھڑی تھیں۔ وچن نے بولنا شروع کر دیا تھا۔ دیپک تک آواز نہیں آ رہی تھی لیکن اس لمحے جان سی جا رہی تھی۔ وہ ان خواتین کے چہروں پر آتے جاتے رنگ

بھانپ سکتا تھا۔ سب کی سب محوِ حیرت تھیں۔ وہ سب پھٹی پھٹی آنکھوں سے بے یقینی سی بے یقینی لیے وچن کی جانب دیکھ رہی تھیں۔ دیپک کا دل ان کی کیفیات دیکھ کر زور سے دھڑکا تھا۔ کتنی بار سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ یہ سب تمہارے ساتھ اس لیے کھڑی ہیں کیونکہ تم ان کے آگے کھڑی ہو، انہیں ذرا بھی اندازہ ہوا کہ تم گر رہی ہو، یہ سب تمہارے گرنے سے پہلے تمہارا ساتھ چھوڑ جائیں گی، تم کیوں نہیں سمجھتی۔ کیوں نہیں سمجھتی وچن۔'' اس نے وچن کو ہاتھ سے تھام کر اپنی جانب کرتے ہوئے پوچھا تھا۔ وہ چپ ہوگئی تھی۔

دیپک ان عورتوں کی طرف سامنے آیا اور اونچی آواز میں کہا۔

''وچن کی طبیعت خراب ہے اس لیے اس نے جو جو کہا ہے کوئی اس کی باتوں پر یقین نہیں کرے گا۔''

''دیپک! میں بالکل ٹھیک ہوں۔''

''نہیں...... بالکل بھی نہیں، تم ٹھیک نہیں ہو وچن۔ جاؤ گھر جا کر آرام کرو، تمہیں آرام کی سخت ضرورت ہے وچن اور آپ سب بھی اپنا اپنا کام کریں۔''

''لیکن دیپک بیٹا۔'' ایک ضعیف خاتون نے آگے بڑھ کر کہا لیکن دیپک نے اسے مزید کچھ کہنے سے روک لیا تھا۔ وہ خاموش ہوگئی، تو فری اور دوری عورتوں کے جمگھٹے سے نمودار ہوئیں اور سامنے آ کر کہا۔

''کیا دیپک بھائی صاحب۔ آپ کیوں ہماری وچی کو پارٹی دینے سے روک رہے ہیں۔''

''پارٹی......کیسی پارٹی؟'' دیپک پریشان تھا اور ناسمجھی کے عالم میں پوچھ بیٹھا تھا۔

''وہی پارٹی دیپک بابو، جو آپ وچن بٹیا کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی خوشی میں دینا چاہتے تھے۔'' باپو جی نے آتے ہی کہا تھا اور خواتین کی طرف دیکھ کر مزید کہا۔ ''اب تو پارٹی ہو کر ہی رہے گی، بہنوں اور ماتاؤں، آپ سب جا کر اس پارٹی کی تیاری کریں۔''

سب خوش ہوگئی تھیں۔ دیپک کے گھر کی پارٹی صرف پارٹی تھوڑی ہوتی تھی باقاعدہ جشن سا ہوتا تھا، تہوار سا۔ وہ سب بہت ایکسائٹڈ لگ رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں ان کا تجسس دیکھا جا سکتا

تھا۔فری اور دوری بھی خوش تھیں۔دیپک نے باپو جی کو دیکھا تھا جو ان کے پاس مسکراتے ہوئے آئے تھے اور دیپک کے کندھے پر ہاتھ رکھ کے کہا تھا۔

”وچن کا باپو جی ہوں۔اسے بچپن سے درست راستے پر چلنا سکھایا ہے تو اب کیسے غلط راہ پر چلنے دے سکتا تھا۔آپ کے گھر کے معاملے میں مداخلت کے لیے معذرت خواہ ہوں دیپک بابو۔لیکن وچن کو میں نے صرف اس لیے نہیں پڑھایا لکھایا تھا کہ وہ کامیابی حاصل کر سکے۔دراصل میں وچن کو مثال بنانا چاہتا تھا، ان بچیوں اور عورتوں کے لیے جو خود کو مجبور اور کمزور سمجھتی تھیں۔میں ہی جانتا ہوں بیٹی کو ایک ایسے معاشرے میں گھر سے باہر نکال کر پڑھنے بھجوانے کے لیے میں نے کیا کچھ سنا، کیا کچھ سہا ہے۔کچھ لوگوں کو لگتا تھا میں بیٹی کی کمائی کرنا چاہتا ہوں تو کچھ لوگ منہ منہ پر کہہ جاتے تھے کہ مجھے اس دن عقل آئے گی۔جب میری بٹیا کوئی گل کھلائے گی۔“باپو جی نے بڑے ضبط سے کہا تھا۔

دیپک نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا جبکہ فری اور دوری کی آنکھیں یہ سن کر بھر آئی تھیں۔

وچن خاموش کھڑی تھی۔باپو جی نے پھر سے سلسلہ کلام جوڑا تھا۔

”ہمارے بچے صرف ہمارے بچے نہیں ہوتے۔یہ بچے ہمارے معاشرے کے ایسے افراد ہوتے ہیں جن کے مستقبل کے درست فیصلے اس معاشرے کی کامیابی وتندرستی کا سبب بنتے ہیں۔میں چاہتا تھا میں اور میرے بچے معاشرے کی ترقی کا باعث بنیں۔آج میرے گاؤں کی بچیاں پڑھتی ہیں۔دو بچیاں اقلیتی پوسٹوں پر ماسٹرانی بنی ہیں۔ہمارے گاؤں کی ایک بچی شہر میں ڈاکٹری پڑھ رہی ہے۔ہمارے گاؤں کے بچے مختلف کیڈٹ کالجز میں پڑھ رہے ہیں۔اس کے علاوہ بہت سی بچیاں تعلیم حاصل کر رہی ہیں یا پھر ایسا کہا جائے ہمارے چھوٹے سے گاؤں میں ایسی بچی نہیں جو اسکول نہ جاتی ہو۔اپنے گاؤں میں تعلیمی ترقی دیکھ کر دل بہت خوش ہوتا ہے۔آج ان سب کو دیکھ کر لگتا ہے یہ بہت آسان تھا بس ایک قدم اٹھانا تھا اور بس......وہ قدم تم نے اٹھایا تھا۔میں جانتا ہوں میں تمہیں منزل تک نہ پہنچا سکا۔حالات ایسے ہی تھے، پہلا قدم اٹھانے والے خود منزل تک پہنچے یا نہ پہنچے، دوسروں کو ان کی منزل ضرور دکھا دیتے ہیں تم نے بھی سب کے لیے مثال قائم کی ہے۔سب کو اپنی منزل دکھائی ہے تمہیں دیکھ

کر تمہارے نقش قدم پر لوگ چلے ہیں۔ تم یہاں بہتوں کے لیے قابل مثال ہو، ایک مثالی لڑکی ہو۔"

"میں ایک قیدی بھی ہوں باپو جی...... اور مجرم بھی۔"

"اگر مجرم ہو تو سزا بھی کاٹ آئی ہو۔ بہادری سے سچ کا ساتھ دیا ہے تم نے۔ مجھے تم پر فخر ہے وچن۔"

"لیکن میں اب مثالی نہیں رہی باپو جی۔ مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی۔"

"ہر مثالی شخص جسے ہیرو کہا جاتا ہے۔ اس کا دامن کبھی عام آدمی کی طرح صاف نہیں ہوتا۔ ہمیشہ پہلا قدم اٹھانے والا ہی کھائی میں گرتا ہے۔ تمہاری وہ سزا بھی بس ایک کھائی تھی۔"

"باپو جی! میں نے سکینہ کی مدد کرنی چاہی تھی۔ لیکن سارے پیپر یہ سوچ کر نہیں دیئے تھے۔ میں لالچی سی ہو گئی تھی۔ اور تو اور میں نے اس کام کو اپنا مستقبل سمجھنا شروع کیا تھا۔ میں بہت پیسے کمانا چاہتی تھی۔ نا جانے کیا ہو گیا تھا، لالچ آنکھیں بند نہیں کرتی بلکہ لالچ میں آنکھیں کھلی رہتی ہیں اور کچھ نظر نہیں آ رہا ہوتا۔ ذہانت ایک نعمت ہے لیکن میں نے اپنی نعمت کو اپنا عیب بنا دیا۔ ذہین اور چالاک میں فرق ہوتا ہے باپو جی۔ میں ذہین سے چالاک بن گئی۔ سوچ سمجھ کر غلطیاں کرنے لگی۔ میں اب جب سوچتی ہوں تو خود کو معاف نہیں کر پاتی۔ میں نے اپنے ساتھ ساتھ سب کا برا کر دیا باپو جی۔"

"نہیں وچی! اب ایسا بھی نہیں ہے۔ دیکھو تمہاری وجہ سے ہماری زندگی میں کس قدر مثبت تبدیلی آئی، ہم میڈیکل کالج تک تمہاری وجہ سے پہنچی ہیں، تمہاری وجہ سے ہم نے میٹرک میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ جس کی وجہ سے اچھے کالج میں ہمارا ایڈمیشن ہوا۔ ہم شان جیسے ٹیچر سے ملیں، ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو لگتا ہے تمہیں ہماری مدد کے لیے بھجوایا گیا تھا ورنہ اس وزنی جسم کے ساتھ ہم بس لوگوں کو ہنسانے کے ہی کام آ سکتی تھی۔" دونوں کی آنکھیں نم تھیں۔ باپو جی نے ان کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں انکل! وچن ایک مثال ہے اور مثال کو بس مثال رہنا چاہیے۔ تمہیں جب جب کوئی الجھن ستائے تو ہمیں دیکھ لینا۔"

"ہاں یہ بچیاں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں وچن۔ اب ان کو ہی دیکھتی رہنا۔"

"آپ فکر نہ کریں ہم خود کو دکھاتی رہیں گی۔ ہم اور بھی زیادہ محنت کریں گی اور آگے بڑھے گی،

ڈاکٹر بنے گی اور آپ سب کا علاج مفت کریں گی۔ کیوں دوری؟"
"ہاں فری! آپ کا بھی علاج مفت کریں گی باپو جی۔"
"ہوں! پھر تو مجھے بیمار پڑنا پڑے گا۔"
"ارے نہیں۔ ان کا یہ مطلب تو نہیں تھا۔ وہ انکل...... وہ۔"
"کچھ نہیں بیٹا میں مذاق کر رہا تھا۔"
"How sweet انکل!"
"اچھا پارٹی ذرا جلدی ہو جائے تو اچھا ہوگا۔ دیپک بابو! آپ کہیں تو کل ہی ہو جائے پارٹی؟"
"کل؟ ہم کیا پہنیں گی۔" دوری اور فری نے یکساں کہا تھا۔
"دکان پر آ جاؤ۔ بہت ہی ڈیسنٹ ورائٹی آئی ہے۔"
"نہیں دیپک بھائی! ہر بار تھوڑی اچھا لگتا ہے۔"
"بھائی بھی کہتی ہو اور اچھا وچھا بھی سوچتی ہو۔"
"لیکن......"
"لیکن ویکن کچھ نہیں۔ یوں بھی ڈاکٹر بن کر ہمارا علاج فری میں کرنے والی ہو تو دکان پر آنے کی جھجک کیسی؟ ویسے ایک بات کہوں تم دونوں دل کی ڈاکٹر بننا۔ باقی سب تو میرا ٹھیک رہتا ہے بس ذرا دل......" دیپک نے وچن کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا۔
فری اور دوری بھی سمجھی تھیں اور مسکرا کر کہا تھا۔
"اللہ آپ کے دل کی حفاظت کرے دیپک بھائی...... آمین۔"

☆......☆......☆

"my dear move on" ہرے بھرے پارک میں گم صم بیٹھی سکینہ سے اس کی موم نے کہا تھا، ہوا بہت تیز چل رہی تھی۔ اس نے بلیک شرٹ اور جینز پر بلیک گرم اونی کوٹ پہنا تھا۔ اور گلیوز بھی موٹے تھے۔ وہ کچھ کہہ نہ سکی تھی بس ایک درد بھری آہ سی بھر لی تھی۔

''تم کب تک یوں اداس رہوگی؟ دیکھو تمہاری عمر کی لڑکیاں کتنی خوش رہتی ہیں۔''

''میں بھی خوش رہتی موم! اگر میٹرک میں فیل ہو جاتی لیکن میں نے تو ٹاپ کرنا تھا۔''

''تم وہ سب بھول کیوں نہیں جاتی۔''

''نہیں بھول سکتی مام۔ مجھے وہ قید خانہ نہیں لگتا بلکہ سرد خانہ لگتا ہے جہاں میں خود کو مار آئی ہوں۔'' اس نے اس انداز میں کہا کہ موم کا دل جیسے پسیج گیا تھا۔

''تمہیں سایکاٹرس کی ضرورت ہے بیٹا۔'' سکینہ کی موم نے نہایت ہی پریشانی سے کہا تھا۔

☆......☆......☆

پارٹی حسبِ توقع بے حد بہترین تھی۔ فری اور دوری نے خوب صورت بے بی پنک میکسی پہنی تھی۔ وہ بہت خوش تھیں۔

''ہم زیادہ موٹی نہیں لگ رہ ہیں۔''

''ہاں! میکسی کی فٹنگ اور سلائی ہی کچھ ایسی ہے۔ ہمیں تو لگتا تھا ہم قمیض شلوار پہننے کے لیے ہی بنی ہیں لیکن ہم تو بہت پیاری لگ رہی ہیں۔ ماشاء اللہ''۔

وہ دونوں خود کی خود پر ہی واری نیاری جا رہی تھیں اور ایک دوسرے کی نئ پرانے تمام پوز میں فوٹو کھینچ رہی تھیں۔ دیپک انہیں ہی دیکھ رہا تھا۔ زندگی میں کچھ ہو یا نہ ہو، انسان کے اندر ایک معصوم دل ہونا لازمی ہے۔ جو ذرا ذراسی خوشی میں خوش ہونا جانتا ہو۔ جن کے لیے چوڑے پلان نہ ہوں، نہ بہت بڑے خواب، لیکن دل میں ایک ایسی سچائی ہو، جس میں اپنا آپ جیسا ہے ویسا نظر آئے۔ بے وجہ کا فخر، بے ضرورت گھمنڈ اور انا والا رونا دھونا نہ ہو۔ دیپک نے بچپن سے لے کر ہر ایک ذمے داری نبھائی تھی۔ بس دل پر نظر ثانی نہ رکھ سکا تھا۔ رکھتا تو دل میں وہموں، گمانوں کی بجائے اچھائیوں کو رکھ دیتا۔ جن کے دل اچھے ہوتے ہیں ان کے اپنے نہ ہو کر بھی اپنے رہ جاتے ہیں اور جن کے دل میں گمان ہی گمان ہوتا ہے، ان کے اپنے ان سے بدگمان ہو جاتے ہیں، رشتوں کو کھونے سے بہتر ہے رشتوں میں معصومیت اختیار کر لی جائے۔ اگر یہ بھرم ہو بھی تو اس بھرم کو پال لیا جائے کہ ہمارے اپنے ہمیں چھوڑ

کے کبھی نہیں جاسکتے۔تو جانے والے بھی رک جاتے ہیں۔ جہاں انا اپنوں کے پیروں میں بندھی رشتوں کی بیڑیاں کھول دیتی ہے وہاں دل کی معصومیت ان بیڑیوں کو مزید مضبوطی سے کس لیتی ہے۔ اب ان دونوں کو ہی دیکھ لو۔کالج پہنچ گئیں لیکن اسکول فرینڈ آج بھی رابطے میں ہیں۔کملا اور شان کی مما جیسی ادھیڑ عمر خواتین ان کی بیسٹ فرینڈ تھیں۔وہ کبھی کسی بھی عمر کی کمپنی میں بور نہیں ہوتی تھیں۔ہم سب کسی نہ کسی کو دیکھ کر بدلتے ہیں۔کسی نہ کسی سے متاثر ہوتے ہیں۔کوئی نہ کوئی ہماری انسپائریشن ہوتا ہے۔فری اور دوری وچن کی وجہ سے بدلی تھیں اور دیپک ان کی وجہ سے بدل رہا تھا۔یہ دونوں جنہیں وہ چھوٹی بہنوں کی طرح مانتا تھا لیکن اصل میں تو یہ دونوں دیپک کے لیے بہتر زندگی گزارنے کی مثال تھیں۔انہیں دیکھ کر سمجھ آتا تھا کہ کوئی کسی کو محبت ہونے کے باوجود بھی چھوڑ کے کیوں جاتا ہے؟ان کے نزدیک اگر کوئی اپنا ہمیں چھوڑ کر جاتا ہے تو وجہ ہم خود ہوتے ہیں۔ذرا اس انداز سے سوچا جائے تو جانے والوں کو روکا جاسکتا ہے۔جنہیں دل کبھی بھول نہیں سکتا۔جیسے اس نے وچن کو اب تک روکے رکھا تھا لیکن کاش وہ پہلے ہی دل میں معصومیت رکھ دیتا تو وہ جانے کا سوچتی بھی نہیں۔وہ ہی جانتا تھا وچن کا سونا گلا دیکھ کر اسے کتنی تکلیف ہوتی تھی، اسے یہ بھی پتا تھا کہ وچن کو بھی اپنے سنگھار میں گلا سونا چھوڑتے وقت کتنی تکلیف ہوتی ہوگی۔لیکن نا جانے کب اس کے دل کی سچائی کی اسے خبر ہوگی۔

وچن کے گھر میں کوئی بھی پارٹی ہو اور اس سے کویتا کی فرمائش نہ کی جائے یہ ہو نہیں سکتا تھا۔تمام ورکرز نے اس سے ایک ساتھ مل کے فرمائش کی تھی۔جیل کی کوٹھریوں سے آنے والے اتنا جلدی کہاں نورمل سکتے ہیں۔اس نے منع کر دیا تھا لیکن سب بضد تھے تو اس نے ذہن پر بہت بوجھ ڈالا اور آس پاس کے منظر اور دل کے حال کو مدنظر رکھ کر کچھ الفاظ کہنے کو تیار ہوئی تھی۔سب منتظر تھے اور سب سے زیادہ دیپک منتظر تھا۔آج اس نے سفید کرتے پر ہلکے گلابی رنگ کی واسکٹ پہنی تھی۔وچن نے بھی ہلکے گلابی رنگ کی ساڑھی پہنی تھی۔بال جوڑے کی مدد سے باندھے تھے اور لبوں پر بے بی پنک لب گلوز لگایا تھا۔ وہ سادہ بہت سادہ لگ رہی تھی۔کانوں میں ننھے ایئر رنگ پہنے تھے اور کلائیوں میں ایک کڑا۔اس کی آنکھیں خالی تھیں۔بس پنک آئی لائنر اس کی موٹی موٹی آنکھوں اور گھری پلکوں میں مہارت سے فری

نے لگائی تھی۔

کچھ کہنے کو کہہ رہے تھے سب پر وہ کیا کہتی۔ الفاظ جیسے دبے دبے سے دھندلے دھندلے سے دماغ میں موجود تھے۔ وہ جب سے آئی تھی بہت کم ایسے لوگ تھے جنہوں نے اس کی آواز سنی تھی۔ لوگوں نے محسوس تو کیا تھا اس کی خاموشی کو، کملا سے پوچھا بھی تھا کہ وہ اتنی چپ چپ کیوں رہنے لگی ہے۔ لیکن جواب کملا سے قبل لوگوں نے خود ہی ڈھونڈ لیا تھا۔ ولایت میں اکیلی رہی ہو گی۔ کس سے باتیں کرتی بس سارا دن پڑھتی رہی ہو گی۔ اور کچھ کا خیال تھا، وہ ولایت سے آئی ہے، کچھ تو شوشا بنتا تھا۔ یعنی وہ گھمنڈی ہو گئی تھی۔ سب اس کے متعلق ہی باتیں کر رہے تھے کہ اس نے خود پر بچی خاموشی کی چادر جیسے اتاری اور لب کھولے۔

''شام ہونے کو ہے۔''

اس نے ماحول کے اردگرد نظر دوڑا کر دیکھا اور پھر ایک کویتا اسے یاد آئی۔

شام ہونے کو ہے\
شام ہونے کو ہے\
لال سورج سمندر میں کھونے کو ہے\
شام ہونے کو ہے\
اور! اس سے پرے کچھ پرندے\
قطاریں بنائیں ان ہی جنگلوں کو چلے\
جن کی پیڑوں کی شاخوں پہ ہیں گھونسلے\
یہ پرندے وہیں لوٹ کر جائیں گے اور سو جائیں گے\
شام ہونے کو ہے\
ہم بھی حیران ہیں\
ان مکانوں کے جنگل میں اپنا کوئی بھی ٹھکانہ نہیں

شام ہونے کو ہے
ہم کہاں جائیں گے؟
ہم کہاں جائیں گے؟
ہم کہاں جائیں گے؟

وچن نے کویتا مکمل پڑھ لی لیکن آج جو درد تھا اس کی آواز میں نا جانے کیوں سب کے دل تھم سے گئے۔ کویتا میں پوچھا گیا سوال ''ہم کہاں جائیں گے؟'' اس سوال میں بے انتہا درد تھا۔ فری اور دوری کی تو آنکھیں ہی بھر آئیں۔

جن کا ساتھ ہم چاہتے ہیں وہ ہمارے ساتھ ہوں لیکن اب اعتبار نہ ہو تو ساتھ عارضی اور بے معنی لگتا ہے۔ اسے بھی دیپک کا ساتھ بے معنی لگتا تھا۔ یا پھر اس نے وفا کی چوٹ کچھ گہری کھائی تھی۔ آپ کسی سے صرف اور صرف وفا کریں اور دوسری جانب سے سالوں بیت جانے کے بعد بھی یہ سننے کو ملے کہ اب وفا کروں گا۔ بے بھروسے والی بات ہوتی ہے۔ وچن کو بھی اب کوئی بھروسہ نہیں تھا۔

دیپک بھی سمجھ گیا تھا کہ وہ اس سے کس قدر بدگمان ہوئی تھی۔ اعتبار کوئی دکھانے اور جتانے والی چیز ہوتی تو وہ یہ کوشش کر لیتا لیکن کیا کریں اعتبار کرنے کے لائق جو اعتبار ہے اس کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔ اسے بس وقت دینا تھا وچن کو تاکہ وہ ان مکانوں کے جنگل میں اپنا ٹھکانہ، اپنی محفوظ جگہ ڈھونڈ لے۔

☆......☆......☆

فنکشن ختم ہونے کے بعد فری اور دوری ممی آنٹی کے کمرے میں پرانی فلموں کی سی ڈیز اٹھا بیٹھی تھیں۔ نا جانے پلے، پاز کرتے ہوئے کتنی فلمیں جلدی جلدی دیکھ لی تھیں۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

''دادی کو بلا لو۔ وہ ہیلپ کریں گی آپ۔''

''ہاں فری! کمل ٹھیک کہتا ہے ممی آنٹی ہیلپ کر سکتی ہیں۔''

''ہاں دوری، ٹھیک ہے تو ممی آنٹی سے پوچھا جائے۔''

یہ خیال آتے ہی انہوں نے ممی آنٹی کو گھیر لیا۔

''آنٹی! آنٹی! بتائیں۔ جب لڑکا غریب گھر کا ہو اور لڑکی امیر گھر کی تو مسئلہ کیا ہوتا ہے؟''

''مسئلہ ہی یہی ہوتا ہے کہ لڑکا غریب گھر کا ہے اور لڑکی امیر۔''

''کمی آنٹی! مذاق مت کریں ہم شانی اور سکی کی بات کر رہے ہیں۔ سکی لندن چلی گئی ہے اور نا جانے کیوں ہمارا دل بالکل اس بات کو ماننے کو تیار نہیں کہ ہم لندن جائیں اور سکی سے کہیں کہ تو بے وفا ہے۔ کیوں دوری؟''

''ہاں فری! اور کتنی محبت کرتے ہیں وہ دونوں ایک دوسرے سے، ہم جانتے ہیں سب جانتے ہیں۔ کیوں فری۔''

''ہاں دوری۔''

کمی آنٹی نے اپنی ساڑھی کا پلو کمر پر کسا اور ان کے ذرا پاس آ کر دوٹوک انداز میں بولی۔

''یہ کیوں دوری، ہاں فری ہی کرتی رہو گی یا پوری بات بھی بتاؤ گی؟''

''پوری بات یہ کمی آنٹی کہ ہم تو سمجھے تھے اس لو اسٹوری میں سکی کا باپ ولن ہوگا، وہ اپنی بیٹی کا ہاتھ شان کو اس لیے نہیں دے گا کہ وہ غریب ہے اور شان محنت مزدوری کر کے اسے بالآخر پا لے گا لیکن...... لیکن ولن تو کوئی بنا ہی نہیں۔ محبت کو تو بے وجہ ہی نظر لگ گئی۔''

''بے وجہ نظر محبت کو نہیں لگتی، کوئی تو کوئی وجہ ہوگی محبت میں یا غلط فہمیاں آ جاتی ہیں یا پھر ولن۔ تم دونوں کو کیا لگتا ہے، زیادہ چانس غلط فہمی کا ہے یا ولن کا؟''

''کیسی غلط فہمی آنٹی۔ سب سے بڑی غلط فہمی یہ ہوتی ہے کہ ہم جسے چاہتے ہیں اس کی زندگی میں ہمارے علاوہ بھی کوئی ہے۔''

''یہ تو نہیں ہو سکتی۔ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ کیوں فری۔''

''ہاں دوری۔''

''پھر کوئی لڑائی وغیرہ بھی نہیں ہوگی سکی تو قید میں تھی۔'' کمی نے پر سوچ انداز میں سوچا تھا اور پھر کہا۔ ''پھر تو سکی کے اس طرح چلے جانے کی ایک وجہ ہو سکتی ہے کہ کہیں اس کا رشتہ وشتہ تو کہاں کسی اور

سے طے نہیں ہو گیا ہوگا؟''

''نہیں...... ایسا نہ کہو کمی آنٹی۔ ہم تو غریب لوگ ہیں۔ ہم تو لندن بھی نہیں جا سکتے یہ رشتہ کیسے توڑیں گے۔ کیوں فری؟''

''ہاں دوری۔ ہم غریب لوگ ہیں۔ ہم تو اسلام آباد تک نہیں جا سکے۔ زندگی کو بے وفا کہنے جبکہ دل تو ہمارا کرتا ہے ہم روز اسلام آباد جائیں اور......''

''اچھا اچھا ٹھیک ہے تو پھر کچھ اور سوچنے دو۔'' کمی آنٹی سرخ نگ والی انگوٹھی اپنے ہونٹوں میں دبائے سکی اور شانی کے رشتے کے متعلق سوچے جا رہی تھی۔ ''جب محبت میں دو لوگوں کے قدم آگے بڑھتے بڑھتے نہ صرف رک جاتے ہیں بلکہ ان کی سمت ہی ایک دوسرے کے مخالف ہو تو سمجھ لینا چاہیے کچھ نہ کچھ درمیان حاصل ہو چکا ہے۔ اب تم کہتی ہو غلط فہمی کوئی نہیں ہو سکتی تو ولن ہی، لیکن ایک منٹ...... کہیں وہاں بھی یہ سب تو نہیں جو یہاں ہو رہا ہے۔'' آنگن میں وچن اداس کھڑی تھی۔ اسے دیکھ کر کملا نے اچانک کہا تو فری اور دوری وچن کی طرف چلے آئے۔

''تم بتاؤ ناوچی۔ تم تو سکی کے ساتھ تھی۔ تمہیں کچھ تو کہا ہوگا اس نے۔ وہ کیوں چلی گئی؟''

''اسے جانا تھا اس لیے چلی گئی۔'' وچی کی طرف سے روکھا سا جواب۔

''مطلب تمہیں پتا ہے وہ کیوں گئی ہے۔ اور تم ہمیں نہیں بتا رہی۔ شان کی حالت دیکھی ہے تم نے وچی۔''

''ابھی وہ اتنے آگے نہیں بڑھے تھے کہ قدم پیچھے نہ جا سکے۔ اب سکی نے اتنا بڑا فیصلہ بے وجہ تو نہیں کیا ہوگا۔''

''ہم مانتے ہیں وچی۔ وہ نہ کسی نام میں بندھے تھے نہ کسی رسم میں، لیکن دل، دل سے تو بندھا تھا نا؟''

''جن کے دل بندھے ہوتے ہیں ان میں جتنے بھی فاصلے ہوں، دل دی ڈور دل سے جڑی ہوتی ہے، جو ایک دوسرے کو ایک دوسرے کی طرف کھینچ ہی لیتی ہے۔ اس لیے تم دونوں ہلکان مت ہو۔'' وچی انہیں سمجھا رہی تھی۔ اتنے میں کملا نے پرانی فلموں میں سے ایک کہانی بھی نکال لی تھی۔

''مجھے لگتا ہے، سکی کو کوئی مرض لاحق ہوا ہوگا اس لیے وہ آرام سے لندن میں مرنے گئی ہوگی۔''

"کمی آنٹی ی ی ی ی۔" موتیوں نے ایسا حل تو دوستوں کی محبت کا نہیں مانگا تھا۔

"ہاں! کتنی فلموں میں ایسا ہوا ہے۔ ہیرو یا ہیروئن مرنے والے ہوتے ہیں تو کوئی بے وفائی کر لیتا ہے تاکہ زندہ رہنے والا مرنے والے کو بھول کر اپنی زندگی اچھی طرح سے گزار سکے۔ یہ بھی محبت کی ایک قسم ہے، محبت میں بے وفائی کر لیں۔"

دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پوچھا۔

"کیوں فری......مل گیا پرانی فلموں سے کوئی حل۔"

"نہیں دوری۔نہیں ملا اور ملے گا بھی نہیں۔ یہ نئے دور کے ہیرو ہیروئن ہیں۔ یہاں مسئلے مسائل بھی نئے ہوں گے۔ خیر کچھ بھی ہو ہم اپنے دوستوں کو ملوانے کے لیے جو کچھ ہو سکے گا کر لیں گے۔"

"کیا کرو گی تم دونوں۔ مان جاؤ میری بات۔"

"آپ کی بات کمی آنٹی خدانخواستہ سچ ہو۔ کہ سکی لندن مرنے کے لیے گئی۔"

"تو کیوں گئی۔ خود ہی سوچو میرے گھٹنے ہائے میرے گھٹنے۔"

"ڈھول کی تھاپ پر جب آپ ناچتی ہیں کمی آنٹی تو یہ بھول جاتی ہیں کہ آپ کے گھٹنوں میں ابھی جان نہیں بچی۔ یہ مرنے والے ہیں۔"

"ہاں بھئی یہ لو ہمارے مستقبل کے ڈاکٹر ان کے ہوتے ہوئے گھٹنوں کا قتل عام ہو گا۔"

"سوری کمی آنٹی! ہم ذرا سکی اور شان کو لے کر پریشان ہیں۔"

"تم دونوں فکر مت کرو۔ مجھے کچھ سمجھ آ گیا ہے۔"

"نہیں کمی آنٹی، آپ نہ سمجھیں تو ہی بہتر۔ سکی صرف مرنے کے لیے لندن نہیں جا سکتی۔ ارے مرنا ہوتا تو یہاں مرتی۔ لندن جانے کی کیا ضرورت تھی۔ کیوں فری؟"

"ہاں دوری! ویسے بھی اپنی محبت کے آگے مرنا کتنا رومینٹک ہوتا ہو گا نا۔"

"ہاں فری، ایک رومینٹک ڈیتھ۔"

وہ دونوں تو ٹاپک سے ہی ہٹ گئی تھی لیکن کمی آنٹی سمجھ گئی تھی۔ انہوں نے عمر جو گزاری تھی۔

☆......☆......☆

شان روزان راہوں سے گزرتا جو سکینہ کو اس کے بچپن سے جانتی تھی، یہ بوجھل سی شامیں مایوس تو تھیں۔ تڑپتے وااداس دل کی مانند سرد بھی تھی لیکن یہ شامیں، یہ لمحے اس کے دل میں پنپتی سچی محبت کی گواہ بھی تو تھیں۔ محبت سے پہلے بھی انسان اکثر اوقات تنہا ہوتا ہے، کئی بار تو تن تنہا ہی اپنی تنہائیوں کے مزے بھی لیتا ہے، لیکن جب محبت ہو جاتی ہے تو دل کے در کسی کے انتظار میں کھولے رہتے ہیں اور پھر ان تنہائیوں کو دل تک رسائی حاصل کرنے راستہ سامل جاتا ہے۔ پھر یہ تنہائیاں دل میں ایسے گھر کر لیتی ہیں کہ محفل ہو یا تنہائی، پھر کیا فرق پڑتا ہے۔

انسان تنہا محبت ہونے سے قبل ہوتا ہے محبت کے بعد عاشقوں پر سب سے بڑا ظلم بھی یہی ہوتا ہے کہ ان کی تنہائی بھی تنہا نہیں ہوتی۔ خیال دلبر ہوتی ہے۔ اسی لیے تو محبت کرنے والا دل کبھی تنہا نہیں ہوتا۔

”میں تم سے نہیں پوچھوں گا کیوں تم چلی گئی۔ بس آنے میں اتنی دیر نہ کر لینا سکی کہ مجھ سے تم یہ پوچھ نہ سکوں کہ ہمیں یہاں کیوں آتا ہوں۔“ اس نے لیٹر باکس میں لیٹر ڈالا تھا۔

شان تو دل کا حال لکھ کر بتا رہا تھا۔ وہ کم از کم اتنا تو جانتا تھا کہ وہ لندن میں ہے لیکن عافی کا آج بھی وہی حال تھا۔ سچ ہے قسمت کی دیوی ایک بار ہی در پر دستک دیتی ہے۔ نا جانے وہ کہاں تھی؟ اس نے اپنی دکان میں بیٹھتے ہوئے سوچا تھا۔ مجاہد صاحب نے اسے کاروبار کا فن سکھا دیا تھا۔ زندگی نے اسے روڈ پر لانے کی کوئی کسر نہ چھوڑی تھی لیکن جا کو رکھے سائیاں مار سکے نہ کوئی...... اس نے لوگوں کی ہمیشہ مدد کی تھی اور اب اس کے اپنے خاص طور پر مسز مجاہد اس کے برے وقت میں ان کے ساتھ آن کھڑی تھی۔ مسز مجاہد نے اسے ہر طرح کی فیسلٹی دینی چاہی تھی مگر عافی زندگی کے انتقام کو رد نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا زندگی اس سے انتقام لے کر خوش ہے تو اس کی خوشی ہی سہی۔ بالاکوٹ والا گھر تو تھا ہی اس کے پاس۔ اب گزر بسر کے لیے ایک دکان بھی تھی۔ یار دوست بھی نئے تھے اور کچھ پرانے پڑوسی بھی۔ لیکن کون جانتا تھا کہ یہ وہی راہیں ہیں، جہاں سے بندگی کی بھی راہیں گزرتی ہیں۔ عافی کی دکان سے ذرا سا دائیں مڑنے پر ایک بڑا بورڈ لگا تھا جس پر ایک خوب صورت ماڈرن کلر کی فوٹو کے ساتھ لکھا تھا: ”گل بہار بیوٹی پارلر“

وہ اسی پارلر میں کام کرتی تھی۔ یہاں کی اونر سے اس نے پہلے دن ہی کہا تھا وہ عبایا میں ہی رہے گی۔ پارلر میں عبایا میں۔ بات تو انوکھی تھی لیکن عزت بی بی کی بھی تو عزت رکھنی تھی اور پھر لڑکی کا کام بھی تو خود عزت بی بی کے کام جیسا تھا۔ اس لیے یہاں کی موٹی سی گوری چٹی چھوٹی آنکھوں والی مالکن میڈم گل نے خوش دل کی ساری باتیں مان لی تھیں۔

''راشن ختم ہے لڑکیو، کیا کرتی ہو، کہاں ہوتی ہو، بس سارا دن موبائلوں سے فرصت نہیں ملتی نا۔ جاؤ ساتھ میں ایک نئی دکان کھلی ہے۔ راشن لے آؤ۔ چائے بنانے کے لیے کچھ موجود نہیں۔'' میڈم کام کی وجہ سے تھکی ہوئی تھی۔

اس نے بندگی سمیت لڑکیوں کو گھر سے پیسے دے کر نکال دیا تھا۔ یہ ایک معمولی سا گھر تھا جو گلی کے آخری کونے میں موجود تھا۔ بندگی ان لڑکیوں کے ساتھ لمبی گلی چل رہی تھی۔ من چلے لڑکوں کی نگاہیں بس ان ہی پر تھیں۔ لڑکیاں بھی شوخ تھیں۔ کوئی کچھ کہہ دیتا تو کہاں چپ کر لیتی۔

''نمبر تو دے دو۔''

''شکل تو دھو کر آؤ۔''

''اس میں کون سی بڑی بات ہے، لو دھو لی۔'' لڑکی نے پیپسی کی بوتل منہ پر انڈیل کر کہا تو شوخ لڑکیاں ہنسنے لگیں اور آگے بڑھ گئیں۔

سامنے ہی عافی کی دکان تھی۔ لڑکیوں نے دکان پر پہلے قدم رکھا تھا۔

''کیا چاہیے؟'' عافی نے پوچھا۔

کیا چاہیے تھا...... لڑکیاں ایک دوسرے کو تکنے لگیں۔

''لسٹ کہاں ہے؟''

''برقعے والی کے پاس۔''

''اور برقعے والی کہاں ہے؟''

''وہ...... وہ...... ابھی تو ہمارے ساتھ تھی۔ کہاں گئی۔'' لڑکیاں دکان سے اتر آئیں۔ بندگی رخ

موڑے کھڑی تھی۔اس نے قسمت پر جو چھوڑا تھا تو قسمت پھر سے سامنے لے آئی تھی۔وہ عافی ہی تھا، وہ بندگی ہی تھی۔اس سے پہلے کہ عافی اسے دیکھ پائے اس نے رخ موڑ لیا تھا۔دل بے حد بری طرح دھڑک رہا تھا۔اس نے عزت سے کہا تھا اس بار اسے اگر قسمت اس کے سامنے لے آئی تو وہ بھاگنا چھوڑ دے گی۔وہ کن کن سوچوں کو اور کس کس بے چینی کو اس ایک لمحے میں جی رہی تھی کو شوخ لڑکیاں اس کے پاس آئیں، اسے بے تکلفی سے اپنی جانب کھینچا اور کہا۔

''یہاں کیوں کھڑی ہو۔چلو اندر۔راشن لائیں ورنہ میڈم کا تو پتا ہے۔''

اس سے پہلے کہ بندگی کچھ کہے،لڑکیوں نے اسے ہاتھ سے تھاما اور دکان کے اندر کھینچ لائیں۔

''دو کلو چاول، ایک کلو چائے کی پتی، دو کلو چینی۔'' شوخ لڑکیاں لسٹ پڑھنے لگیں۔بندگی نے خود کو ان کی اوٹ میں چھپا لیا تھا تا کہ عافی نہ دیکھ سکے۔

''آتا ہوں ایک منٹ۔'' عافی نے لڑکیوں سے کہا تھا۔

''جلدی کریں بھائی۔''

''ہاں ہاں......بس ایک منٹ۔'' اس نے آٹے کی بوری پیٹھ پر لاد کر قطار میں رکھی تھی اور ان کے پاس آیا تھا۔بندگی رخ بدل چکی تھی۔اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی پارلر کی جانب بڑھ رہی تھی۔

عافی یہاں کیا کر رہا ہے......وہ کیوں آیا ہے یہاں......وہ یہاں ہے تو زندگی کہاں ہے؟

''پیسے......پیسے۔'' راشن لینے کے بعد لڑکیاں ایک دوسرے کو استفہامیہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔

''برقعے والی......اف یہ لڑکی۔'' لڑکیوں میں سے ایک لڑکی تیزی سے اس کی جانب بھاگی تھی۔اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کے اسے روکا تھا۔بندگی گھبرائی ہوئی تھی۔

''تم یہاں کیوں آ گئے۔'' اس نے زیرِ لب کہا تھا۔

''پیسے لینے۔'' چنچل سی لڑکی نے بل چباتے ہوئے ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔بندگی غائب دماغی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔پیسے دو۔''

"پیسے؟"

"ہاں پیسے۔ پیسے دو جلدی۔" اس نے اس کے ہاتھ سے نوٹ کھینچے تھے اور پھر سے دکان کی طرف بھاگ آئی تھی۔ جہاں عافی شل سا کھویا کھویا سا کھڑا تھا۔

"پیسے لو بھائی۔" لڑکیوں نے شاپرز ہاتھوں میں اٹھائے اور پیسے کاؤنٹر پر سامنے رکھ دیئے۔ پھر دوپٹے درست کرنے لگیں اور ایک بار پھر سے کہا۔

"پیسے لے لو بھائی۔"

عافی کا حال سابقہ رہا۔

"بھائی! پیسے لیتے ہیں آپ یا ہم چلے جائیں۔" لمبی لڑکی نے زور سے کہا تو باقی تین چھوٹے قد والی لڑکیاں زور سے ہنسی تھیں۔ عافی نے جلدی سے پیسے اٹھائے اور جاتے جاتے انہیں دو ہزار واپس دیئے۔ لڑکیوں نے خوشی خوشی پیسے لے کر شکریہ کہا اور آگے چل دیں۔

"دو ہزار واپس کیے ہیں۔ ارے واہ، ایک ہزار واپس کرنا تھا۔ اپنی تو نکل پڑی۔"

"دیکھو دیکھو، نوٹ تو اصلی ہے نا؟"

لڑکیاں نوٹ دیکھ رہی تھیں۔

"اصلی ہے۔"

"لیکن ایسے کیسے دے دیا دکان دار نے؟"

"بھول گیا ہوگا۔"

"ایسے کیسے بھول گیا۔ گنجی ہے کیا؟"

چاروں نے مستی سے کہا تھا اور ہنسنے لگی تھیں۔

"شورٹ ٹرم میمر...... ہاہاہا۔"

بندگی واپس جا چکی تھی۔ یہ چاروں بھی بھاری بھاری راشن کی تھیلیاں لیے پارلر کی جانب بڑھ رہی تھیں کہ وہی لڑکے ننھی کنگھی بالوں میں پھیرتے ہوئے اچانک سامنے آئے اور کہنے لگے۔

''اب تو منہ بھی دھولیا اور شرٹ بھی بدل لی۔ اب تو نمبر دے دو۔''

''اتنی جلدی کیا ہے؟ اچھے سے شکل تو دھولو۔'' لڑکیوں نے کھلکھلاتے ہوئے کہا اور پارلر چلی آئی۔ جہاں لڑکوں نے دل تھام لیا تھا۔ وہاں عافی کا دل بے تحاشا زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

''وہ بندگی تھی اس کی بندگی۔'' وہ کیسے نہ پہچان سکتا تھا۔ محبت کو محبت کھینچ آتی ہے۔ آج اسے احساس ہوا تھا کوئی بھی جذبہ بے مول نہیں ہوتا۔ ہر سچے جذبے میں صداقت کی گونج ہوتی ہے۔ اس گونج میں ایسی طاقت ہوتی ہے کہ دو دلوں کے درمیان فاصلے خواہ میلوں کے ہی کیوں نہ ہوں، ملنے کا سبب بن ہی آتا ہے۔ عافی نے سچے دل سے خدا کا شکر ادا کیا تھا اور بندگی آنکھوں میں آنسو چھپائے دل جیسے مٹھی میں لیے بیٹھی تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا۔ اس نے یہ دوری بہن کا گھر بس جانے کے لیے اختیار کی تھی اور بہن کا گھر اور اس بہن کا کیا ہوا۔ اس نے تڑپ کر زندگی کی ایف بی آئی ڈی دیکھی اور پھر سب سچ سامنے آ گیا۔

''یا اللہ! باجی نے شادی کر لی۔'' اسے جتنی حیرت ہو سکتی تھی اتنی ہوتی رہی تھی۔ جس بہن کا گھر بسانے کے لیے اس نے دن رات دعائیں مانگی تھیں۔ وہ بہن کسی اور کا ہاتھ تھام کر خوش لگ رہی تھی۔ کیا کرے کیسے کرے، کیسے پوچھے اپنی باجی سے کہ یہ کیا کر دیا انہوں نے۔ وہ چپ تو نہیں بیٹھ سکتی تھی اس نے نوٹی کے پاس اتنے دنوں بعد فون کیا تھا۔

نوٹی نے فوراً کال سن لی۔ نمبر نیا تھا لیکن بندگی آپی سے رفاقت بھی تو پرانی ہے۔ اس نے ہیلو کہنے میں وقت لگا دیا پر نوٹی کو اپنی خاموش آپی کو پہچاننے میں وقت نہ لگا تھا۔ بندگی باجی کہتے ہی اس نے شکوے شروع کیے تھے۔ فرطِ جذبات میں آنکھیں ٹمٹمائے پوچھا تھا۔

''آپ مجھے چھوڑ کے کیسے جا سکتی ہیں باجی۔ میرے لیے میری فیملی کے نام پر ایک آپ ہی تو ہیں۔ جو کچھ تھا وہ زلزلے کی وجہ سے لوٹ گیا اور ابو بھی۔ آپ نے ٹھیک نہیں کیا ہے۔ میں کہہ دوں آپ سے، آپ نے ٹھیک نہیں کیا ہے۔ آپ جہاں بھی جاتیں مجھے بتا کر تو جاتیں۔'' نوٹی کا دل ہلکا ہونے سے بھی نہ ہونا تھا۔ بندگی کوئی بات نہ کر پا رہی تھی اس وقت اس کی دل جوئی لازمی تھی۔ اسے آج وہ وہی

بچہ لگ رہا تھا جو صحن میں بیٹھ کر ان کے گھر پڑھنے آتا تھا۔ وہ فون پر ہی رونے لگا تھا۔

''سب کیسے ہیں نوٹی؟''

''سب ٹھیک ہیں آپی۔ بس عافی سر کا حال بے حد برا ہے۔ مجھ سے تو دیکھا نہیں جاتا۔ زندگی باجی نے ان کا سب کچھ ان سے چھین لیا اور شادی کر لی۔''

''زندگی خوش تو ہے؟'' بہن کی تڑپ میں تڑپ کر بہن نے پوچھا تھا۔

''میں کہہ تو رہا ہوں آپی۔ یہاں سب ٹھیک ہیں۔ خوش بھی ہیں۔ سوائے عافی سر کا حال برا ہے۔ لیکن آپ تو ان کے متعلق پوچھیں گی ہی نہیں۔ جیسے آپ کا ان سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔''

''تعلق تھا۔ وہ میرے بہنوئی تھے اور اب وہ بھی نہیں رہے۔ تو کیوں پوچھوں میں کسی غیر کے متعلق کچھ۔''

''ان کے ساتھ ٹھیک نہیں ہوا آپی۔ آپ تو سمجھیں نا۔''

''میں نہیں سمجھنا چاہتی نوٹی۔ وہ تم بس مجھے اپنی بتاؤ۔''

''میں سمجھتا تھا زندگی باجی نے ان کے ساتھ غلط کیا ہے لیکن ٹھیک تو آپ نے بھی نہیں کیا۔ آپ خود کو ان کی بربادی کے الزام سے بری نہیں کر سکتی۔'' نوٹی نے دوٹوک لہجے میں کہا تھا۔ بندگی نے فون کان سے ہٹا لیا تھا۔ ایک مدت ہوئی اس نے قسمیں اٹھا اٹھا کر، واسطے دے دے کر، خود کو عافی کی یک طرفہ محبت سے نجات دلوائی تھی۔ خود کو اتنے دکھ دیئے تھے کہ عافی کے کسی عمل سے اسے کوئی دکھ نہ پہنچے۔ مدت ہوئی اس نے خود کو بیوہ کہا، بیوہ سمجھا۔ اب کیسے خود کو سمجھاتی کہ دو گھڑی بیٹھ کر سوچا جائے کہ عافی برباد ہو چکا ہے۔ آباد لوگ دوسروں کی بربادی کا سوچا کرتے ہیں اور برباد لوگ دوسروں کی بربادی دیکھ کر بس ایک آہ بھر لیتے ہیں۔ ان کے اپنے زخم تازے ہو جاتے ہیں۔ اس نے بھی نہ پوچھا، نہ عافی کے متعلق کچھ کہا۔ جو ذکر پیچھے رہ گیا تھا اس ذکر کو رہنے ہی دیا۔ اسے آج پتا چلا اسے عافی سے ذرا بھی ہمدردی نہ تھی۔ بس فکر تھی تو زندگی کی۔ زندگی عافی سے محبت کرتی تھی اور عافی اسی کا تھا تو وہ کیسے کسی اور کی ہو گئی تھی؟

☆......☆......☆

نوٹی نے فون رکھتے ہی، عافی کو بندگی کی خیریت بتانے کے لیےفون کیا تھا۔
عافی جانتا تھا وہ یہاں سے گئی تھی تو نوٹی سے رابطہ ضرور کرے گی۔ اسے نوٹی کے فون کا ہی انتظار تھا۔

’’کیسی ہے وہ نوٹی؟‘‘

’’آپ کو کیسے پتا چلا میں نے بندگی آپی کے متعلق بتانے کے لیےفون کیا ہے؟‘‘

’’محبت والے دلوں کو بہت کچھ پتا ہوتا ہے یار! تم نہیں سمجھو گے۔‘‘

’’سمجھنے کی ضرورت تو آپ کو ہے عافی سر! بندگی آپی نے ایک بار بھی آپ کے متعلق نہیں پوچھا۔ میں نے بتایا بھی آپ کیسے حال میں ہیں، لیکن انہوں نے تو جیسے کچھ سننا ہی نہ تھا آپ کے متعلق۔‘‘

عافی نوٹی کی بات سن کر مسکرایا تھا۔ اب کیسے بتاتا وہ اپنی آنکھوں سے اس کا حال دیکھ گئی تھی۔ جب آنکھوں دیکھا حال پتا ہو تو پوچھتی کیا۔

’’آپ خوش فہم ہیں میں بتا تا چلوں آپ کو۔‘‘

’’اچھا یہ بتاؤ اتنے جلے ہوئے کیوں ہو۔ لڑکیاں سب ایک جیسی ہوتی ہیں۔ ہم لڑکے بے وجہ خوار ہوتے ہیں۔‘‘

’’خیر اب اس پکی عمر کے مرد کو ایک تم ہی لڑکا کہہ سکتے ہو ورنہ تو......‘‘

’’ہاہاہاہا۔‘‘ وہ دل سے مسکرایا۔ ’’اب ہیرو تم ہو۔ نوجوان ہیرو۔‘‘

’’نوجوانی میں کوئی ہیرو نہیں ہوتا۔ عمر لگتی ہے ہیرو کو ہیرو بننے میں۔‘‘

’’نہیں اب ایسا بھی نہیں ہے۔ ہر کوئی ہیرو ہوتا ہے۔ اپنی اپنی زندگی کی کہانی کا۔‘‘

’’ہوں۔‘‘ نوٹی بالآخر مان گیا تھا۔ عافی آج بے حد اچھے موڈ میں تھا شاید یہ بندگی کی ایک جھلک کی وجہ سے تھا۔

☆......☆......☆

''لڑکے کا اپنا چھوٹا سا ریسٹورنٹ ہے یہاں۔اس کے علاوہ بھی اس کی فیملی پاکستان میں نامی گرامی مانی جاتی ہے۔لڑکا شکل اور صورت کا بھی اچھا ہے۔اپنے ملک سے دور رہنے کے باوجود دین کا بھی پکا ہے۔پھر کوئی دور دور تک رشتے داری بھی نہیں اور بولڈ سی فیملی سے تعلق رکھتا ہے۔یہاں کوئی ایشو بھی نہیں ہوگا تمہیں۔مجھے اور تمہارے ڈیڈ کو کوئی ایشو نہیں اس رشتے سے؟ تم کیا کہتی ہو۔تم کیا سوچتی ہو سکینہ؟''

''میں......میں کہاں کچھ ٹھیک سوچتی ہوں۔اگر ٹھیک سوچتی تو میٹرک فیل کہلوانا پسند کرتی نا۔''

''سکینہ! او مائے ڈیئر بھول جاؤ وہ سب......آگے بڑھو۔''

اس نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے اپنے کمرے میں جانے لگی۔

''سکینہ! تم نے بتایا نہیں۔تم اسد کے متعلق کیا سوچتی ہو؟''

''مما! میرا دماغ خراب ہے۔میں کبھی کچھ ٹھیک نہیں سوچ سکتی۔''

''ایسے کیسے چلے گا سکینہ۔تمہیں کوئی فیصلہ تو لینا ہوگا۔''

''مما! آپ لے لیں جو فیصلہ لینا ہیں۔''

''میں لے چکی جو فیصلے لینے تھے اب اور نہیں۔'' اس نے بے حد مشکل سے کہا تھا اور وہاں سے چلی آئی تھی۔

''اسد کو فون کریں آپ اینڈ اسے اپنے پیرنٹس کو ساتھ لانے کو کہیں۔میں جلد از جلد رسم کرنا چاہتی ہوں۔''

''تمہیں نہیں لگ رہا تم بہت جلد بازی کر رہی ہو۔'' سکینہ کے ڈیڈ فکر مند تھے۔ان کے ایک ہاتھ میں سگار اور دوسرے میں اخبار تھا۔آنکھوں پر موٹا چشمہ لگا تھا۔کالے اور سفید مکس بال پیشانی پر بکھرے تھے۔

''جلد بازی! آر یو سیریس۔کیا آپ اپنی بیٹی کا حال نہیں دیکھ رہے۔اس کی سائیکاٹرس نے کہا ہے مجھے۔پرانی زندگی بھلانے کے لیے اس کی زندگی کی شروعات نئے انداز سے کرنا ضروری ہے۔''

''لیکن یہ بھی تو کوئی حل نہیں۔وہ اس سب سے خوش نہیں لگ رہی اور یہ کوئی عمر ہے۔مجھے یہ

سب کچھ اس طرح عجلت میں کرنا ٹھیک نہیں لگ رہا۔"

"آپ سمجھ نہیں رہے۔ یہ سب کرنا ضروری ہے۔ میں بس اسے نارمل دیکھنا چاہتی ہوں۔ اس تنہائی اور ڈپریشن سے دور دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"لیکن میں اب بھی یہی کہوں گا، وقت کے ساتھ ساتھ سب نارمل ہو جائے گا۔"

"اگر کچھ نارمل ہونا ہوتا تو ہو جاتا۔ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔" سکینہ کی ماں اکلوتی بیٹی کی پریشانی میں شدید پریشان تھی۔ سکینہ کو بہت سی چیزوں کو سوچ سوچ کر ڈپریشن تھا اور سکینہ کی ماں کو سکینہ کا ہی ڈپریشن تھا۔

☆......☆......☆

آج بھی ان شوخ لڑکیوں نے عافی کی دکان کا رخ کیا تھا۔ شوخ لڑکیاں ہزار روپے واپس کرنے آئی تھی۔ ایسا کرنے کا ان کا دل تو نہ تھا لیکن کر رہی تھی۔ جسے عافی نے بھانپ لیا تھا۔

"مجھے آپ نہ دیتی تھی تو خیر تھی۔ مجھے یاد نہیں تھا۔"

"وہی تو آپ گنجی ہیں لیکن ہم تو گنجی نہیں نا۔"

"کیا...... کیا مطلب؟" عافی نے ناسمجھی کا مظاہرہ کیا تھا۔

"مطلب یہ کہ آپ کو یاد نہیں تھا مگر ہم تو جانتی تھیں کہ آپ نے غلطی سے ہزار کی بجائے دو ہزار واپس کیے ہیں۔ کسی اور کے پیسے اس طرح اپنے پاس نہیں رکھنے چاہئیں۔"

"یہ ضرور آپ کے ساتھ آئی ہوئی پردہ نشین نے آپ کو سمجھایا ہوگا۔" عافی نے مسکرا کر پوچھا تھا۔ بندگی کے سوا یہ کام اور کون کر سکتا تھا۔

"ہاں پر آپ کو کیسے پتا چلا؟"

"بس پتا چل گیا۔"

"گنجی عقل مند ہے۔" لڑکیوں نے سرگوشی کی تھی۔

"گنجی تو ہوتے ہی عقل مند ہیں۔" عافی نے قہقہے کے ساتھ خوشگواری سے کہا تھا۔ لڑکیاں کچھ دیر کے لیے شرمندہ ہوئیں۔

''اچھا رکو۔ یہ ہزار روپے واپس لے جاؤ۔''

''کیا؟'' لڑکیوں نے خوشی اور حیرت سے پوچھا تھا۔

''ہاں واپس لے جاؤ۔ یہ آپ کی ایمان داری کا انعام ہے۔''

''ایمان داری کا انعام۔'' لڑکیوں نے مزید خوش ہو کر پوچھا تھا۔

''عبایا والی میڈم نے تو کہا تھا، اس ایمان داری کا انعام کبھی نہ کبھی ملے گا لیکن اتنی جلدی مل گیا۔'' لڑکیاں توقع سے زیادہ خوش لگ رہی تھیں۔ انہوں نے بڑی گرم جوشی سے ہزار روپے اٹھا لیے۔

''گنجی بہت نائس ہے۔''

وہ جانے لگی تھی۔

''رکو۔'' عافی نے روکا اور کہا۔ ''اپنی میڈم سے کہنا۔ یہاں آ کر مجھے بھی کچھ سمجھا جائے۔ ہم بھی اپنی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔'' عافی نے شرارتاً کہا تھا۔

''اوہو...... کیوں نہیں۔ ہم ضرور کہیں گے۔''

''اچھا انہیں میری دکان پر لے آؤ تو ہزار روپے بطور انعام اور دوں گا۔''

''کیا......''

''ہاں۔''

''پھر تو ہم ضرور لائیں گے۔'' لڑکیوں نے شوخی سے ببل گم چباتے ہوئے کہا تھا۔

☆......☆......☆

آج بھی وہ ان ساکن کھڑے صنوبر کی موجودگی میں دل کی بات کاغذ پر لکھ کر لیٹر باکس میں رکھ رہا تھا کہ اس نے دیکھا۔ باقی تمام لیٹر اس لکڑی سے بنے باکس سے نیچے گر گئے تھے۔ اس نے پھر سے تمام لیٹر اٹھا کر لیٹر باکس میں واپس ڈالے۔ آج دل ان تمام لیٹرز کو دیکھ کر اداس ہو گیا تھا۔ نا جانے آج دل کی اداسی کا یہ عالم کیوں تھا۔ دل کی اداسی اور شام کی یہ رُت۔ نا جانے کیوں یہ اداسی یہ گواہی دیتی تھی کہ سرحدوں کے اس پار کوئی اسے اپنی یادوں میں مدعو کیے بیٹھا تھا۔

"میں یاد تو آتا ہوں گا نا سکی۔ میں یاد تو آتا ہوں گا؟ یا پھر وہ بھی نہیں۔"
صنوبر کے درختوں کی قطاروں کے بیچ لگے ایک بینچ پر بیٹھ کر اس نے سوچا تھا۔

☆......☆......☆

لڑکیاں اس دن کے بعد روز آتیں اور ایک ہی بات کہتیں، آپ ہزار روپے تیار رکھنا۔ ہم جلد میڈم کو یہاں لائیں گی۔

وہ ایک ہفتے سے بندگی کو آنے بہانے باہر لے جانے کے لیے اکسا رہی تھیں مگر وہ تھی کہ ٹس سے مس نہ ہوتی تھی۔ پر لڑکیوں کو بھی ایک ہزار کا لالچ تھا۔ کیسے جانے دیتیں۔ سارا دن منصوبے سوچتی رہتیں کہ کسی طور میڈم کو گجنی کی دکان تک لے جایا جائے۔

"لگتا ہے بیماری کا بہانہ مارنا پڑے گا۔"

"لیکن بیماری کا بہانہ کرنے سے ہوگا کیا۔"

"بیمار کو ہسپتال لے جایا جاتا ہے گجنی کی دکان پر تھوڑی۔"

"تم سمجھی نہیں بے وقوف۔ ہم آدھی رات میں بیمار ہونے کا بہانہ کریں گے۔ آج رات تو گل میڈم بھی شادی پر دلہن سجانے کے لیے جا رہی ہیں۔ ندا اور تم بھی ان کے ساتھ جاؤ گی۔ یہاں صرف عبایا والی میڈم، میں اور کلثوم ہوں گے اور اچانک سے کلثوم کی طبیعت بہت خراب ہو جائے گی۔ میں میڈم سے کہوں گی وہ کلثوم کو ہسپتال لے جائے اور اس طرح سمجھ گئی نا تم سب۔"

"وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن انجکشن وغیرہ لگا تو میں سو روپے زیادہ لوں گی۔" کلثوم نے پہلے سے طے کر لیا تھا۔

"اوکے ڈن۔" سب مان گئے تھے......اور اب رات کا انتظار تھا۔ ندا گجنی بھائی یعنی عافی کو پلان سمجھا آئی تھی اور تاکید کی تھی کہ دکان کھلی رکھی جائے ورنہ بند دکان تک میڈم کو لانے کے بھی ہزار روپے لے گی۔ عافی نے سینے پر ہاتھ رکھ کے حاضر کہہ دیا تھا۔

"ویسے ایک بات تو بتائیں۔" ندا نے دکان کے کاسمیٹک پورشن سے نیلز پالش اٹھا کر پوچھا۔

''کون سی بات؟''

''آپ انہیں ہی کیوں اپنی دکان پر بلوانا چاہتے ہیں؟'' ندا نے نیلز پالش اپنے نیلز پر اپلائے کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے؟''

وہ کم سن سولہ سال کی لڑکی سوچنے لگی اور پھر بولی۔

''درس لینا چاہتے ہوں گے۔''

یہ ایک شرارت تھی۔ اصل بات وہ بول نہ سکی تھی کہ اسے شک ہے وہ میڈم سے محبت وغیرہ کرتے ہیں۔ کیسے ڈائریکٹ بھول سکتی تھی۔

''اچھا! اگر تمہیں ایسا ہی لگتا ہے تو ایسا ہی سہی۔''

عافی مان گیا تھا۔

''سچ میں۔ یہی بات ہے، کوئی اور بات نہیں۔'' وہ پوشیدہ سے انداز میں دریافت کر رہی تھی۔

''تم سب بہت شاطر ہو۔ جلد پتا کر لو گی۔''

''وہ تو ہم کر لیں گے۔'' ندا نے نیلز پینٹ کر لیے تھے اور اب ان کو پھونکیں مار کر سکھاتے ہوئے جانے لگی تھی او جاتے جاتے کہا تھا۔

''اس سب میں کلثوم کو کوئی انجکشن لگا تو سو روپے وہ زیادہ لے گی۔''

''حاضر۔'' عافی نے مسکرا کر سینے پر ہاتھ رکھ کر بات مان لی۔ ندا خوش ہو گئی اب سو اور ملیں گے تو ان کا حصہ برقرار رہے گا۔

☆......☆......☆

لیٹر باکس آج غائب تھا۔ بنگلے پر آج خاموشی کا پہرہ بھی نہ تھا۔ شان داخلی دروازے سے اندر آیا تھا۔ وہاں کافی لوگ موجود تھے۔ لان میں غریبوں کے کھانے کا اہتمام کیا گیا تھا شاید۔ شان کا دل دھڑک اٹھا تھا۔

''کیا وہ واپس آئے تھے؟'' اس نے عالم اضطراب میں ادھر ادھر دیکھا تو نظروں میں مانوس سا چہرہ بس مالی کا ہی سمایا تھا۔ وہ فوراً مالی کے پاس آیا اور اس اہتمام کا سبب دریافت کیا۔ مالی نے مسکرا کر اسے خوش آمدید کہا اور بتایا کہ یہ سب اس نے مالکوں کے کہنے پر کیا ہے۔

''لیکن کیا کوئی خاص وجہ؟'' شان نے مسکرا کر تحمل سے پوچھا مگر مالی بابا کے جواب نے اسے چونکا دیا۔ مالی جو بات بڑے وثوق سے بتا رہا تھا وہ بات شان کے لیے کہاں قابل برداشت تھی۔ اتنی ہمت وہ کہاں سے لا سکتا تھا۔

''سکینہ بی بی کی بات پکی ہوئی ہے وہاں ولایت میں۔ بی بی جی بہت خوش ہیں۔'' مالی کہتا گیا۔ جو جو اس کے پاس کہنے کو تھا، بتاتا گیا جو جو کچھ بتانے کو اس کے پاس تھا۔ لیکن اب شان کی سماعتوں کے لیے سننے کو کچھ نہ بچا تھا۔ سکی اسے چھوڑ کے جا سکتی ہے لیکن وکسی اور کی کیسے ہو سکتی ہے؟

☆......☆......☆

پلان ایک دم فنٹاسٹک تھا۔ آدھی رات کو کلثوم نے پیٹ پکڑ کر شور مچانا شروع کیا تھا۔ پلان سوچا سمجھا تھا بس ندا کل میڈم کے ساتھ نہیں گئی تھی۔ کل میڈم اپنے ساتھ ندا کی بجائے مہر کو لے گئی تھی جس نے یہ پلان بنایا تھا۔ کلثوم کی صدا سن کر بندگی اپنے کمرے سے نکلی تھی۔ وہ سونے کے لیے تیار تھی شاید یا سو کے اٹھ آئی تھی۔ خیر کچھ بھی تھا کمرے سے یوں پہلی بار بے حجاب باہر آ کر بندگی نے ان دونوں کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔ یہ ان کی میڈم تھی۔ کلثوم اس کے اوس و حسن کے صدمے میں چلی سی گئی۔ ندا بھی دیکھتی رہ گئی۔ انہوں نے اس سے خوب صورت نیچرل حسینہ آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

''اب سمجھ میں آیا آپ اتنی عبادت کیوں کرتی ہیں۔'' کلثوم درد بھول کر کہنے لگی۔

''کیوں؟''

''کیونکہ آپ کو خدا نے اتنا حسین بنایا ہے۔ اگر میں آپ کے جتنی حسین ہوتی تو میں بھی اتنی ہی عبادت کرتی۔''

''بے وقوف! تم اب پیپ پکڑو اور درد، درد کرو۔'' ندا نے اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا تو وہ سمجھ کر

پیٹ پکڑ بیٹھی۔

''کیا ہوا اچانک سے تمہیں۔''

''اچانک کہاں۔ جب سے کھانا کھایا ہے اسے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔ لگتا ہے فوڈ پوائزنگ ہوئی ہے۔''

''او میرے خدا۔'' بندگی نے پریشانی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

''اسے ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہوگا میڈم۔''

''ہاں اچھا۔ ٹھیک ہے۔'' میڈم فوراً مان گئی تھی۔ یہ سب تو بہت آسان تھا۔ ندا کے دل میں ایک ہزار پانے کی خوشی میں لڈو پھوٹنے لگے تھے جبکہ کلثوم کی اداکاری بھی داد طلب تھی۔ ندا اسے تھمب سے چیئر کرتی رہی۔

''تو چلیں نا میڈم۔ اسے ڈاکٹر کے پاس لے جاتے ہیں۔''

''لیکن اس وقت کیسے جائیں گے؟'' درد سے چُور ہوتے ہوئے کلثوم نے سوال کیا تھا۔

''تم فکر مت کرو۔ یہاں پاس میں ایک ڈاکٹر ہیں۔'' بندگی مطمئن تھی۔

''یہاں کوئی ڈاکٹر بھی ہے۔'' ندا کا موڈ آف ہو گیا۔ ''تو کوئی بات نہیں۔ چلو ان کے پاس کلثوم کو لے چلتے ہیں۔'' پلان تو میڈم کو گھر سے باہر نکالنے کا تھا۔

''نہیں۔ حالت تو دیکھو اس کی۔ کیسے لے جائیں گے۔ کتنا درد ہو رہا ہے اسے۔'' بندگی نے فکر مندی میں کہا تھا۔

''تو اسے ایسے بھی تو درد میں تڑپتا نہیں چھوڑ سکتے نا۔'' ندا چاق و چوبند تھی۔ ان کا ستر فیصد کام ہو چکا تھا۔ بندگی ان کے ڈرامے کے ٹرانس میں آ چکی تھی لیکن عین وقت میں بندگی نے اپنا فون نکالا اور ڈاکٹر صاحبہ کو کال کی جو پارلر کی ہی کسٹمر تھی۔

''دھت تیرے کی۔'' سارا پلان چوپٹ ہو کر رہ گیا تھا۔ ڈاکٹر آئی تھی اور انجکشن بھرے کھڑی تھی۔ بنا سو روپے کے انجکشن۔

"یہ ظلم تو نے کیوں کیا؟"

☆......☆......☆

"نہیں۔ایسا نہیں ہو سکتا۔"

فری اور دوری سر جوڑے وچن کے گھر میں بیٹھی تھیں۔

"سکینہ ایسا نہیں کرسکتی۔ہمارے اچھے شانی کے ساتھ اتنا برا نہیں ہو سکتا ممی آنٹی۔"

کملا بھی سوچ میں پڑ گئی تھی۔

"کوئی ہمیں چندہ دے دے۔چندہ نہیں تو بھیک ہی سمجھ کر دے دے۔ہم غریبوں کی کوئی تو مدد کرے تاکہ ہم لندن جائیں اور سکی سے کہیں،تو بے وفا ہے۔"

"اب چندہ اور بھیک لے کر کیا کرو گی تم دونوں۔جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا۔"

"ارے ایسے کیسے جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ایسا تو نہیں ہونا تھا ممی۔کیوں فری۔"

"ہاں دوری۔"

"تو کیسا ہونا تھا۔وہی جو ہوتا ہے امیر لڑکی غریب لڑکا۔بس پیسوں کا ہی مسئلہ ہونا تھا۔امیری اور غریبی کا رونا رونا تھا اور بس شان کے دو چار امتحان پھر ہیپی اینڈنگ۔"

"یہ بھی تو شان کا ہی امتحان ہے۔"

"یہ امتحان کہاں ممی آنٹی۔یہ تو سیدھا رزلٹ ہے اور رزلٹ یہ ہے کہ ہماری سکی اب شان کی نہیں ہو سکتی۔"

"کوئی جب ایک بار اپنا بن جائے تو کہاں پرایا ہو سکتا ہے۔اور ایسی محبت جو امتحان بھی نہ لے اور دسترس میں بھی نہ ہو۔"

ممی آنٹی آج کل تھوڑی مشکل باتیں کرنے لگی تھیں۔شاید گھر کے ماحول کا اثر تھا۔ان کے بیٹے اور بہو کے درمیان غلط فہمیوں کی دیوار ابھی تک قائم تھی۔کبھی وہ ان کے درمیان دوری کی وجہ خود ہوتی تھی،روز بہو اور بیٹے میں پھوٹ ڈالنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرتی اور اب انہیں ایک کرنے کے لیے

جتن کرتی رہتی تھی۔ نا جانے کس منحوس گھڑی میں اس نے اپنے ہی بیٹے بہو کی خوشیوں کو نظر لگا لی۔ وہ آج کل خود کو دوشی مانتی تھی۔

"ممی آنٹی! کہاں کھو گئی آپ۔" فری اور دوری نے پکارا تھا۔

"کہیں نہیں۔ تو ہم کہاں تھے۔ ہاں یاد آیا تم دونوں کو چندہ یا بھیک چاہیے لندن جانے کے لیے تا کہ تم وہاں جا کر سکی سے کہو، تو بے وفا ہے۔"

"ہاں ممی آنٹی۔"

"لیکن تم دونوں کیوں جاؤ گی۔ کسی نے جانا ہے تو خود شان ہی جائے۔ ایک بندے کا اتنا خرچہ بھی نہیں ہوگا۔ چندہ بھی کم لگے گا اور بھیک بھی کم چاہیے ہوگی۔"

"ہاں ممی آنٹی! یہ تو ہم نے سوچا بھی نہیں۔ ہم کیوں جائیں اتنی دور لندن۔ سکی سے یہ کہنے کے لیے کہ وہ بے وفا ہے۔ شان ہی چلا جائے۔ آخر بے وفائی تو اسی کے ساتھ ہوئی ہے۔ کیوں فری؟"

"ہاں دوری۔"

"شان ہی چلا جائے اور پھر خرچہ بھی کم لگے گا اور شان کا تو وزن بھی ہم سے کم ہے۔ ہم تو موٹی بھی ہیں۔ کیا پتا ہماری ڈبل ٹکٹ لگتی ہو۔ کیوں دوری؟"

"ہاں فری۔ تو شان کو کہتے ہیں وہ جائے او ہماری طرف سے سکی سے کہے کہ تو بے وفا ہے۔ کیوں دوری؟"

"ہاں فری۔"

"ہاں دوری۔" ممی آنٹی بھی سنجیدہ تھی۔ یہی ٹھیک تھا۔ شان ہی جا سکتا تھا۔ شان کو ہی جانا چاہیے۔

☆......☆......☆

"یہ ظلم تو نے کیوں کیا۔"

وہ تین پلان بنانے والی مہر کے ارد گرد بیٹھ کر اس کا گلا دبوچتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"اب مجھے کیا پتا تھا کوئی ڈاکٹرانی بھی یہاں رہتی ہے۔" ان کا موڈ آف تھا۔

''میرے تو دل میں ہزار روپے کے لڈو پھوٹ پھوٹ کر چل گئے۔'' ندا نے مایوسی سے کہا تھا۔

''اب کیا کریں گے؟''

''بھول جائیں گے اور کیا کریں گے۔''

''یعنی ہار مان لی تم نے کلثوم۔''

''تمہیں مفت کا انجکشن لگتا تو تم بھی بھول جاتی۔'' کلثوم نے بازو سہلاتے ہوئے کہا تھا۔

''ویسے کہہ تو صحیح رہی ہے۔ میڈم کو باہر لے جانا ممکن نہیں ہے اور لڑکیو! تم کو اب کیا بتائیں، کہ میڈم کتنی خوب صورت ہیں۔'' ندا اب بندگی کے حسن کے سحر میں تھی۔

''اب وہ چھوڑو پلان بی سنو۔'' مہر کے پاس اب بھی پلان تھا۔ لیکن اب کوئی سننے کو تیار نہ تھا۔ سب نے کانوں پر ہاتھ دھر لیے تھے اور یکجا ہو کر کہا تھا۔

''نہیں ں ں ں۔''

☆......☆......☆

وہ پھر سے اسی سمت چل دیا تھا جہاں صنوبر کے گھنے درخت شان سے کھڑے تھے۔ اس نے آج پھر سے لیٹر لکھا تھا، لیکن آج لیٹر لکھتے وقت اس کی آنکھوں کے پورے نم تھے۔ آج جانا میں نے سکی کی درحقیقت ''محبت ہوتی کیا ہے'' آج جان لیا آج ہی مان بھی لیا۔ دراصل جب محبت ہوتی ہے تو صدا کے لیے ہو جاتی ہے اس کا زاوال نہیں ہو سکتا، اس پر عمر کے بادل برس جائیں یا پھر انتظار کی آگ لگ جائے اس کا زوال نہیں۔ تم اب کسی اور کی ہو لیکن اب بھی مجھے اپنی محبت لگتی ہو۔ جب تک مجھے اپنی لگو گی سکی میں آتا رہوں گا۔ لکھتا رہوں گا بے شک یہ حرف ضائع ہی کیوں نہ ہوں۔ او یہ وقت کا کھونا ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بے وجہ کا رونا ہی کیوں نہ ہو۔ میں آتا رہوں گا سکینہ۔ ان حرفوں کے ضائع کے لیے، وقت کو کھونے کے لیے اور رونے کے لیے...... میں آتا رہوں گا۔'' اس نے لیٹر باکس میں لیٹر رکھا تھا۔

''کیا یہ وہی لڑکا ہے؟''

''ہاں مالک۔ یہ وہی لڑکا ہے۔'' مالی نے ہاں کہا تو اس نے آنکھوں پر نظر کا چشمہ لگا کر دیکھا۔

''یہ لڑکا؟ یہ میں نے اسے پہلے بھی شاید کہیں دیکھا ہے۔''

''یہ سکینہ بی بی کا استاد تھا مالک! کبھی کبھی باقی دوستوں کے ساتھ گھر بھی آتا تھا اور جب سے آ گئے ہیں روز آتا ہے اور اس لیٹر باکس میں خط ڈال کر جاتا ہے۔ آج بھی خط ڈالا ہے۔''

''اس نے تم سے پوچھا نہیں کہ باقی کے خط کہاں گئے؟''

''نہیں مالک۔ نہیں پوچھا۔''

''لیکن کیوں نہیں پوچھا۔''

''شاید اسے کوئی امید نہیں کہ یہ خط کبھی اس تک پہنچیں گے جس کے لیے لکھے گئے ہیں۔''

''ہوں۔'' مالک نے تمباکو نوشی کرتے ہوئے کہا تھا۔ مالی بابا جانے لگا تھا، سرگیٹ کا دھواں اس نیم واروشن کمرے میں پھیلا ہوا تھا۔ مالک نے اسے روکا تھا۔ اس نے قریب آ کر تابعداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جی کہا تھا۔

''مجھے وہ خط بھی لا دو۔ اور اگر وہ لڑکا اس خط کے متعلق یا پھر پچھلے خطوط کے متعلق پوچھے تو کہہ دینا، وتم نے پھینک دیئے ہیں۔''

''ٹھیک ہے مالک۔''

مالی بابا نیچے آیا تھا۔ شان خط پوسٹ کر کے چلا گیا تھا۔ آج کسی کی نظر اس پر تھی۔ سکی کے ڈیڈ سگریٹ کے دھوئیں کی موجودگی میں اپنے کمرے کی کھڑکی سے اسے جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

☆......☆......☆

''ہم نے بہت کوشش کی لیکن میڈم کو باہر لانا بہت مشکل ہے۔'' ندا پھر سے نیلز پینٹ کر رہی تھی۔

''کوشش تو تمہیں کرنی ہوگی۔ چلو اس بار پھر سے کوشش کرو، میں ہزار کی جگہ دو ہزار دوں گا۔''

''دو ہزار۔'' اس نے دو ہزار کا سن کر نیلز پینٹ کرنے چھوڑ دیئے تھے۔

''اب تو آپ کی ملاقات کروانی ہی پڑے گی میڈم سے۔''

اس نے لڑکیوں کی ٹولی کو دکان پر بلا لیا۔ کچھ ہی دیر میں مہر، کلثوم اور گیتی دکان پر آئی تھی۔

''گنجی ہمیں ایک ہزار کی بجائے دو ہزار دے رہا ہے۔'' اس نے انتہائی راز داری سے دوستوں سے کہا تھا۔

''میرا نام عافی ہے۔'' اس نے راز داری کے باوجود سنا بھی اور ٹوکا بھی۔

''اچھا سوری۔''

''سوری ہاں! آپ نے بھی تو کبھی ہمیں اپنا نام نہیں بتایا۔''

''اب بتا تو دیا ہے۔ دیکھتا ہوں یاد رکھتے ہو۔''

''وہ سب آپ چھوڑیں، ڈسٹرب نہ کریں، ہمیں سوچنے دیں۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔ آرام سے سوچو اور ٹھنڈا پیو۔'' عافی نے ٹھنڈا ٹھنڈا اورنج جوس فریزر سے نکال کرانہیں دیا تھا۔ وہ پائپ سیدھا کر کے فوراً جوس پینے لگی اور پھر مہر نے کہا۔

''پلان ہے میرے پاس۔''

''اس بار میں ہرگز انجکشن نہیں لگواؤں گی۔'' کلثوم نے توبہ کرتے ہوئے کہا تو مہر نے کہا۔

''سنو تو......''

''ہاں ہاں سن تو لو۔'' عافی نے طرف داری کی تھی۔

''دیکھیے گنجی۔ میرا مطلب ہے عافی...... عافی بھائی! آپ کو میڈم سے ملنے سے مطلب ہے نا، چاہے وہ باہر آئیں یا نہ آئیں۔''

''ہاں یہ تو ہے۔ میرا غرض صرف ملاقات ہے۔''

''تو بس مسئلہ ہی حل۔''

''مسئلہ کیسے حل؟''

''ہم میڈم کو گھر سے باہر نہیں لاسکتی ہیں۔'' گیتی نے ناخن دانتوں سے کترتے ہوئے پوچھا تھا۔

''تو گنجی کو تو گھر میں لے جاسکتی ہیں نا۔'' مہر نے پتے کی بات کی تو سب خوش ہوگئیں۔ عافی بھی خوش تھا۔ اس نے مہر کو ٹوکا بھی نہیں کہ وہ اسے پھر سے گنجی کہہ رہی تھی۔ اسے تو بس بندگی سے ملنا تھا۔

''ہم گھر جا کر باتھ روم کا نل..... نہیں نہیں کچن کا نل توڑ دیتے ہیں اور پھر پلمبر کو بلوائیں گے اور ہمیں پتا ہے ہمارا پلمبر کون ہوگا؟'' مہر نے پوچھا تو سب نے مارے خوشی سے کہا۔

''ططنجی ی ی ی ی۔''

عافی ان کی جانب ہی دیکھ رہا تھا۔ اس لیے انہوں نے فوراً بات بدلی اور کہا۔

''عافی بھائی......''

☆......☆......☆

وچن متھا ٹیکنے کے بعد ولی قنداری کے دربار کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ اس نے اس قدر سست رفتاری سے کبھی یہ سیڑھیاں عبور نہیں کی تھیں۔ آج کمل، کملا اور دیپک اس کے ساتھ تھے۔

''بہو! جلدی کرو۔ اتنی سستی دکھاؤ گی تو شام ہو جائے گی۔''

وچن تیز تیز چلنے کی بجائے ست اعتقادی وہیں ایک زینے پر بیٹھ گئی۔ لوگوں کی بھیڑ آس پاس تھی۔ لوگ معمول کے مطابق آ، جا رہے تھے۔

''کیا ہوا بہو! تم ٹھیک تو ہو۔ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟'' کملا نے فکرمندی سے اس کی پیشانی کو چھو کے دیکھا تھا۔

''طبیعت ٹھیک ہے ماں جی۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ آگے بڑھتی رہیں میں آہستہ آہستہ آتی ہوں۔''

''بہو! تم تو سب سے پہلے پہاڑی پر چڑھ جاتی تھی۔ اتنی تیز رفتار تھی تمہاری؟''

''ماں جی! رفتار انسان کی نہیں ہوتی۔ رفتار اس کے دل کی ہوتی ہے۔ ان عزائم کی ہوتی ہے جو اس کے دل میں ہوتے ہیں۔ جب دل خالی ہو جاتا ہے تو رفتار، رفتار نہیں رہتی ایک طرح کا گزرنا ہوتا ہے۔ میں بھی گزر آؤں گی۔ آپ چلی جائیں۔''

کملا اداس ہو کر آگے جانے لگی۔ کیا کرتی وہ سچ ہی تو کہتی تھی رفتار انسان کی نہیں اس کے دل میں بستے عزائم کی ہوتی ہیں۔ وہ اوپر چڑھنے لگی۔ کمل کا ہاتھ اس نے مضبوطی سے تھاما ہوا تھا۔ وہ اپنے

ویوورز کے لیے پہاڑی کا راستہ ریکارڈ کر رہا تھا۔ دیپک اس کے پاس آ بیٹھا تھا۔ اس نے ہمیشہ کی طرح نہ رخ موڑا نہ اٹھ کے چلی گئی، بس خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھی رہی۔ اس نے اخلاقیات پڑھی تھی، کسی کے پاس سے یوں اٹھ کر جا نہ سکتی تھی اور نہ ہی مخاطب کو نظر انداز کر سکتی تھی۔ دیپک اس کی اس بے بسی پر مسکرایا تھا۔ اچھے موڈ میں ہوتی تو خود کہتی میں نے اخلاقیات پڑھی ہے اس لیے آپ کی بات اخلاق سے سن رہی ہوں۔

''میں جانتا ہوں تمہاری سست رفتاری کی وجہ میں ہوں۔ لیکن کیا تم مجھے معاف نہیں کر سکتی۔''

''میں نے کہا نا، انسان کی سست رفتاری کی وجہ اس کا دل ہوتا ہے۔ دل ہی خوش فہم ہو تو ٹھوکر تو نصیب میں آ ہی جاتی ہے۔'' وہ یہ کہہ کر اٹھی تھی۔ ابھی دو زینے ہی اوپر بڑھائے تھے کہ اسے اپنے سامنے رخسار نظر آئی تھی۔ ماں جی دس بیس زینے اوپر تھیں لیکن اس طرح کہ انہیں دیکھ سکتی تھی۔ رخسار اور وچن آمنے سامنے دیکھ کر رک گئی تھی۔ بلکہ پھر سے نیچے اترنے لگی تھی۔

''دادای! رکو۔ کہاں لے جا رہی ہو آپ مجھے۔''

''اسٹاپ...... اسٹاپ...... ساری وڈیو خراب ہو جائے گی۔''

مگر وہ کمل کی سنے بنا برق رفتاری سے نیچے اترنے لگی تھی۔

''تمہیں دیکھ کر کیوں ایسا لگ رہا ہے کہ تم میرا گھر توڑنے کے بعد خوش نہیں رہی ہو؟''

''میں نے تمہارا ابھی برا نہیں چاہا رخسار۔''

''تم تو کسی کا برا نہیں چاہتی لیکن برا کرنے والوں کا برا حال تو ہوتا ہے۔ سنا ہے جیل کاٹ آئی ہو؟''

''میں مجرم تھی۔ میں نے جرم کیا تھا اس لیے سزا بھی پائی تھی۔ مجھے اس کا کوئی ملال نہیں۔''

''اچھا لگا سن کر...... لیکن عافی...... عافی کے ساتھ تم نے اچھا نہیں کیا وچن۔ اگر اس روز تم اس کی اور میری شادی ہونے دیتی تو آج وار ب پتی، روڈ پتی نہیں ہوتا۔''

''کیا؟'' وچن کو صدمہ لگا جیسے۔ ''کیا کہا تم نے۔ کیا مطلب ہے تمہارا۔'' اس نے بھول پن سے دریافت کیا۔

''اس کی لنگڑی بیوی، جسے تم اس کی زندگی میں لائی تھی اس نے عافی کا سب کچھ اپنے نام کر کے اسے اس کے تمام بزنس اور پراپرٹی سے عاق کر دیا ہے، اور اتنا ہی نہیں اب وہ انڈسٹریل عافی در، در کی ٹھوکریں کھا رہا ہے۔''

''نہیں! ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟'' وہ حیران تھی۔

''ایسا ہی ہوا ہے وچن۔ اور میری وجہ سے ہی ہوا ہے۔ میں نے ہی اس لنگڑی زندگی کو بتایا تھا کہ اس کی معصوم بہن اور اس کے شوہر کا افیئر بہت پرانا ہے۔'' اس کے چہرے پر نفرت اور حقارت تھی۔

''کیا..... کیوں کیا تم نے ایسا؟'' وچن کو شدید دکھ ہوا تھا۔ اتنا درد کہ جیسے اس کے تن بدن میں درد کی ایک لہر سی اٹھی۔ وہ اس لمحے عافی کا دکھ سن کر اپنا توازن کھونے لگی۔ اس کے قدم غیر ارادی طور پر نیچے کی جانب بڑھے۔ وہ ایک زینہ نیچے اتر آئی اور بے دھیانی میں دوسرا زینہ عبور کرنے لگی تو اس کا پیر پھسلا۔ لیکن اس سے پہلے کہ بیلنس لوز کرے، دیپک نے اسے شانوں سے پکڑ کر تھام لیا اور گرنے نہ دیا۔ کملا نیچے اتر آئی تھی۔ اس نے رخسار کے آخری جملے سنے تھے۔ اس لیے اپنی ساڑھی کا پلو کمر پر کس کر غصے سے سامنے آئی اور کہا۔

''مجھے بہت افسوس ہوا تھا جب میں نے سنا تھا کہ تمہاری دوسری شادی بھی ہوتے ہوتے نہیں ہوئی۔''

رخسار کے حسین چہرے پر پسینہ آ گیا۔

''ویسے سنا ہے عافی کی بیوی سے ہی تمہارے دوسرے ہونے والے شوہر نے شادی کر لی۔ تمہارے بقول تو وہ ایک لنگڑی عورت ہے، تو ایسا کیا دیکھ لیا تمہارے دوسرے ہونے والے شوہر نے اس لنگڑی عورت میں جو تم میں اسے نظر نہ آیا تھا۔ شاید وفا کی کمی تھی۔ اس لیے تو اتنی جلدی اب ایک اور امیر آدمی تمہاری زندگی میں ہے۔'' کملا نے یوں کہا کہ کمل نے سر پکڑ لیا۔

''بے چاری رخسار آنٹی۔ کس نے کہا تھا مما سے پنگا لینے کے لیے۔ شاید جانتی نہیں میری مما مشہور کملا کی بہو ہیں۔''

رخسار تو پانی پانی سی ہو گئی لیکن وچن کی حیرت اپنی جگہ قائم تھی۔ زندگی نے شادی کر لی۔ یہ کیسے

ممکن تھا؟ اسے اچنبا سا لگا تھا۔ اس نے اسی بھولے پن میں دیپک کا ہاتھ تھام لیا اور اس کے سینے پر عالم پشیمانی سے سر رکھ دیا۔ وچن حیران سی تھی اپنے محسن سے دوست کا زوال سن کر اداس تھی۔ لیکن دیپک کہیں نہ کہیں اپنے رب کا شکر گزار تھا۔ آج بالآخر اتنے دنوں بعد وچن کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے مسکرا کر شکر ادا کیا۔ کسی محبت کرنے والے کی بے حالی دوسرے محبت کرنے والوں کی محبت کے لیے رنگِ حیات بھی ہوسکتی ہے۔ دیپک کو یہ سوچ کر حیرت والی خوشی سی ہو رہی تھی۔

"جانے انجانے آج دیپک تمہارا قرض دار ہو گیا ہے عافی۔" دیپک نے دل ہی دل میں کہا اور وچن سے وعدہ کیا وہ عافی کا ساتھ دے گا۔ اسے یوں بے حال نہیں چھوڑے گا۔

☆......☆......☆

لڑکیوں نے گھر آتے ہی پلان پر کام شروع کیا۔ اب ہزار روپے زیادہ تھے تو جلدی بھی زیادہ تھی۔ وہ جلدی جلدی کوئی ایسی ٹھوس شے کی تلاش میں لگ گئی تھیں کہ جس کا وار ہو اور گل بی بی کے کچن میں پانی ہی پانی بھر آئے۔ مہر گوشت کاٹنے والا چھرا لے آئی تھی اور کہا تھا۔

"ہٹ جاؤ۔ گھر میں عید کے دن گوشت میں ہی کاٹتی ہوں۔"

باقی لڑکیاں ادھر اُدھر ہو گئیں۔ مہر پوری طاقت سے گوشت کاٹنے والے انداز میں نل پر وار کر رہی تھی۔ اس دوران اس کے چہرے کے عضلات تن سے رہے تھے اور ماتھے پر بے شمار بل پڑ رہے تھے۔ آہ...... آہ کی آواز بھی اس کے منہ سے آ رہی تھی۔ ذرا سی دیر میں اسے پسینہ آ گیا تھا، مگر نل کا کچھ نہیں بگڑا تھا۔ مہر کے انتہائی واروں کے باوجود کچھ نہ ہوا تھا۔ ندا نے نل کھولا اور بند کیا۔

"یہ تو پہلے جیسا ہی ہے گوشت کاٹنے والی لڑکی! کھولو تو پانی آتا ہے بند کرو تو بند ہو جاتا ہے۔"

گیتی نے اب اپنی قوت دکھائی تھی۔ پوری طاقت سے نل کو اپنی جانب کھینچا تھا، مگر نتیجہ اب بھی صفر کا صفر تھا۔ یعنی نل صحت مند تھا۔ اب ندا کا نمبر تھا۔ کلثوم نے تو پہلے سے انجکشن کھایا تھا۔ اب وہ آگے نہیں بڑھ رہی تھی لیکن ندا نے اسے اپنے ساتھ کر لیا وہ صحن سے کیاری کی اینٹ اکھاڑ آئی تھی اور اب ندا اور کلثوم نے پوری طاقت سے نل پر وار کیا تھا لیکن نل جوں کا توں تھا۔ عافی دروازے پہ ہی کھڑا تھا کہ

کب نکل ٹوٹے اور کب اسے صدا لگائی جائے لیکن نل توڑنا ان اندان اور کمزور لڑکیوں کے بس میں نہ تھا۔ اینٹ کا وار جاری تھا کہ انہیں آواز آئی۔

''کہاں ہو تم سب۔ کسٹمرز پیڈی کیور کے لیے جمع ہو گئے ہیں اور ندا! تمہیں تو مہندی لگانے جانا تھا نا۔'' میڈم یعنی بندگی عبایا میں کھڑی پوچھ رہی تھی۔ چاروں متر ددسی ہو گئیں۔

''کیا ہوا ہے۔ تم سب ایسے......''

''کچھ نہیں میڈم۔ ہم نل توڑ رہے تھے۔''

''ہاں...... کیا کہا؟'' بندگی سمجھ نہ پائی جو ندا نے دھکڑ پکڑ میں کہا تھا۔

''نہیں...... وہ...... ہم...... ہم...... ہم...... وہ پانی...... پینے آئی تھیں۔'' کلثوم نے بات سنبھال لی تو تینوں نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ اس دوران انہوں نے تذبذب کے باوجود اتنا کیا کہ اینٹ چھپالی۔

''اچھا ٹھیک ہے جاؤ تم یہاں سے۔ میں ٹھنڈے پانی کا کولر بنا کر آتی ہوں۔''

وسب ایک سائیڈ کھڑی ہو کر ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھی۔ بندگی نے چھوٹا اورنج اور وائٹ کلر کا کولر سنک کے پاس سے اٹھایا اور نل کے نیچے رکھا۔ کولر نل کے نیچے رکھنے کی دیر تھی کہ نل دھڑم سے اپنی جگہ سے اکھڑا سا گیا اور پانی کا زبردست فوارہ سا فضا میں بلند ہوا۔ اب تذبذب میں بندگی تھی۔ پانی تیز تر مقدار میں رواں تھا۔ وہ نل کو بند کرنے کی بے کار کوشش کر رہی تھی۔ لڑکیوں کا منصوبہ کام کر گیا تھا۔ دو ہزار روپے کے لڈو دل میں پھر سے پھوٹنے لگے۔ انہوں نے خوش ہو کر ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا اور ہنستے ہوئے کہا۔

''Yes''

''جاؤ...... جاؤ...... گجنی کو بلاؤ۔''

ندا بھاگ آئی۔ چپل وپل کی کچھ خبر نہیں تھی۔ دوپٹہ بھی نکل توڑتے وقت پتا نہیں کہاں گر گیا تھا۔ وہ دوڑ کر باہر آئی، عافی کو آواز دی۔

''گنجی! اندر آؤ۔ کام ہو گیا۔''

عافی بھی فوراً اندر آ گیا تھا۔

''کچن یہاں ہے۔'' آگے کا راستہ کلثوم نے دکھایا۔

بندگی پانی کی وجہ سے بھیگ گئی تھی۔ اس کا چہرہ بھی بے نقاب ہو چکا تھا۔ عبایا فل گیلا تھا اور اب عافی سامنے تھا۔ لڑکیوں نے ان کو آمنے سامنے کھڑا کر دیا تھا۔

اس نے سہم کر بھیگے لبوں سے حیرت زدہ لہجے میں اس کا نام لیا تھا۔ ''عافی......''

اور عافی کی جیسے دنیا ٹھہر گئی تھی۔ اس پل میں جب وہ اس کے سامنے تھی، تو کہاں کچھ اور آس پاس تھا بس وہ ہی وہ...... ایسا پہلے بھی کئی بار ہوا تھا۔ دونوں نے کئی بار گھر کے ٹوٹے نل جوڑے تھے اور عافی تو تھا ہی بندگی کے گھر کا پلمبر۔

لڑکیاں دم سادھے کھڑی ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے آج تک کبھی سنجیدگی سے اس متعلق نہ سوچا تھا کہ عافی، میڈم سے ملنا کیوں چاہتا تھا۔ انہیں تو پیسوں سے مطلب تھا لیکن آج وہ چاروں جیسے سب سمجھ گئی تھی اور ایک دوسرے کو معنی خیز انداز میں دیکھ کر کہا۔

''oh it is so romantic'' وہ دونوں بری طرح بھیگ چکے تھے۔ اور ایسا لگ رہا تھا ان دونوں کے درمیان اس ایک لمحے میں جیسے زمانے بیت رہے ہوں۔

''mad for each other'' ان چاروں کے جملے سے جیسے وہ اپنے موجودہ حال میں آئے تھے۔

''یہاں بھی بدنام کر دیا تم نے مجھے۔ بہت عزت تھی میری یہاں۔''

''محبت ہی اتنی ہے تم سے۔ جو محبت دل میں ہو، وجود میں ہو، اعمال میں ہو۔ وہ کیسے چھپ سکتی ہے۔''

''اس محبت نے تو مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ رسوائی رسوائی اور بس رسوائی ہی میرے نصیب میں آئی۔ مجھے تو اس محبت سے اب نفرت سی محسوس ہوتی ہے۔ میں اللہ کی زمین میں اگر کسی چیز سے نفرت کرتی ہوں تو وہ تمہاری محبت ہے عافی۔''

''غلط فہمی ہو جاتی ہے بندگی اور اس معاملے میں مجھے افسوس ہے کہ تم غلط فہم ہو۔''

وہ اس کی بات سن کر طنزاً مسکرائی تھی اور آگے بڑھنے لگی تھی۔ عافی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ لڑکیوں کا تجسس مزید بڑھ گیا۔ وہ یک ٹک ہو کر انہیں دیکھ رہی تھیں۔

''ہاتھ چھوڑو میرا عافی۔'' وہ ہاتھ چھوڑنے کی بجائے سامنے آ گیا تھا۔ اس کی نگاہیں اسی پر تھیں۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے عافی۔ کیوں آئے ہو تم یہاں۔'' اس نے وہاں سے جانے کی ایک بے کار سی کوشش کرنے کے بعد زچ ہو کر کہا تھا۔

''میں تمہیں تمہارا وعدہ یاد دلوانے آیا تھا۔ تم نے عزت بی بی سے ایک وعدہ کیا تھا۔''

''میں نے وعدہ عزت بی بی سے کیا تھا۔ تم سے نہیں۔ اس لیے تمہارے آگے میں جواب دہ نہیں۔''

''جواب دینا پڑے گا بندگی ورنہ میں روز آتا رہوں گا۔''

''ٹھیک ہے تو سن لو۔ میں وعدہ وفا کر چکی ہوں۔ عزت بی بی نے کہا تھا کہ تمہیں اگر مقدر میرے سامنے لائے تو میں بھاگنا چھوڑ دوں گی اور میں اب یہاں سے نہیں جاؤں گی۔ یہاں کام کرتی رہوں گی، لیکن یہاں کام کرنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ تمہاری میری زندگی میں کوئی جگہ اب بھی موجود ہے۔ آگے بڑھ جاؤ عافی۔ تھوڑا احساس کر لو۔ میں کسی کی بیوہ ہوں۔ مجھے رسوا مت کرو۔ مت آیا کرو میرے سامنے۔ نہیں دیکھنا چاہتی تمہیں۔'' اس نے صاف صاف کہہ دیا تھا اور اب جانا چاہتی تھی لیکن عافی اب بھی سامنے حائل تھا۔ لڑکیاں اپنی جگہ پہ ساکن سی کھڑی تھیں۔ میڈم گل اب ان کے پیچھے تھی۔ انہوں نے آتے ہی پوچھا تھا۔

''یہاں کیا ہو رہا ہے۔ کہاں ہو تم سب۔''

میڈم گل کو دیکھتے ہی سب لڑکیاں بھاگ گئیں۔ عافی بھی بندگی کے راستے سے ہٹ گیا۔ میڈم گل آگے آئی تھی۔

''یا اللہ! یہ نل کیسے ٹوٹ گیا۔ آج تو پانی آنے کا نمبر بھی نہیں۔''

عافی ان کی بات سن کر نل درست کرنے لگا۔ بندگی موقع پا کر جا چکی تھی۔ میڈم گل پریشان ہو

رہی تھی پانی ختم ہو گیا تو پارلر کا کام کیسے چلے گا۔ عافی نے انہیں تسلی دی اور اگلے چند منٹوں میں عافی نے پانی کا بہاؤ بند کر دیا اور پھر کچھ ہی دیر میں اس نے نل درست کر دیا تھا۔ نل درست کرتے ہوئے اسے بندگی کی مایوس کن باتیں یاد آ رہی تھیں۔ پر وہ کیا کرتا، خود سے اس قدر نفرت کا جواز بھی تو اس نے خود ہی اسے دے دیا تھا۔ وہ اس کی نفرت کا مستحق تھا۔ نا جانے کیوں یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ وقت کے دوش پر ملنے والی سزاؤں نے، تنہائی نے، اداسی نے، اس کی محبت نے بندگی کے زخموں پر مرہم رکھا ہو گا لیکن کچھ زخم ایسے ہوتے ہیں جو وقت کے ساتھ ساتھ ناسور بن جاتے ہیں۔

☆......☆......☆

پھر وچن اپنے محسن دوست کی تلاش میں نکلی تھی۔ اس نے اسلام آباد کا رخ کیا تھا۔ وہ زندگی سے ملنا چاہتی تھی، پوچھنا چاہتی تھی کہ عافی کہاں اور کس حال میں ہے؟ رات بھر وہ عافی کے متعلق سوچتی رہی تھی، اسے اس سے یوں لاتعلق ہونا چاہیے تھا، جانتی تو تھی وہ خود کی تباہی کے کس مقام پر کھڑا تھا۔ کس قدر تکلیف سے گزرا تھا۔ کس طرح وہ خود کو گنہگار تصور کر چکا تھا۔ اس نے اتنی محبت کر کے جو پایا تھا، یوں بھی کب اس سب پر اپنا حق سمجھتا تھا، وہ خود کو مٹی بنا چکا تھا، جو جو وہ پاتا، اسے بندگی کی دعاؤں کا نتیجہ لگتا، جو جو وہ کھوتا شکر کرتا، صبر کرتا کہ اس دنیا کی چیز تھی اسی دنیا میں ملی اور اسی دنیا میں چھن گئی۔ وہ سب جانتی تھی سب کچھ تو جانتی تھی۔ پھر کیسے تنہا چھوڑ دیا اس نے عافی کو۔ وہ دوست سے بڑھ کر ایک خیر خواہ، ایک محسن، ایک روحانی گرو سا تھا۔ عافی نے جس سچائی سے اس سے اپنا تعارف کروایا تھا، ایسا لگتا تھا وہ اس کے ماضی اور مستقبل جیسے اس کے ہر ایک پل کو اس کے ساتھ جی آئی تھی۔ کبھی کبھی تو وہ اس کی تکلیف کو اس طرح سمجھ جاتی تھی جیسے وہ اس کی زندگی جی آئی ہو۔ اسے آج عافی کے ساتھ گزارا ہوا ایک ایک پل یاد آ رہا تھا۔ وہ عافی کی یادوں کو ساتھ لیے عافی کے آفس پہنچی، آج اس نے زیبرا پرنٹ کی ساڑھی پہنی تھی۔ جس کا بلاؤز سفید رنگ کا تھا اور کناروں پر سفید رنگ کی موٹی موٹی سی لیس لگی تھی، ساتھ میں اس نے سفید رنگ کے چھوٹی سی ہیل والے سینڈل پہنے تھے اور سفید ہینڈ بیگ بھی اٹھایا تھا۔ اسے اس آفس میں کون نہیں پہچانتا تھا۔ سب مانوس چہرے تھے لیکن حیرت کی بات تو یہ تھی کہ رخسار

بھی یہاں تھی۔ وہ یہاں زندگی کو اسسٹ کر رہی تھی، کل تک تو لنگڑی لنگڑی کہہ رہی تھی۔ نا جانے اس میں اب اس کا کون سا غرض تھا۔ غرض کی دیوی...... اس نے اس پر ترچھی سی نگاہ ڈالی اور بنا کچھ بولے سیدھا آفس کی طرف آئی اور مینیجر سے کہا وہ وچن ہے اور زندگی سے ملنے آئی ہے۔

''سوری! میم ابھی کہیں جا رہی ہیں۔''

''آپ انہیں بتائیں تو میں آئی ہوں۔'' وچن نے ابھی یہ کہا ہی تھا کہ زندگی سامنے اپنے آفس سے نمودار ہوئی۔ اس نے گرے رنگ کی جینز کے ساتھ جسٹ سی سفید اور گرے رنگ کی شرٹ پہنی تھی۔ لمبے کالے بالوں کی اونچی پونی اس پر کافی سوٹ کر رہی تھی، اس کے چہرے پر عجیب سا سکون تھا اور انداز فخرانہ تھا۔ آفس سے نمودار ہوتے ہی اس کے آفس میں کام کرنے والے کام چھوڑ کر اس کے ادب میں کھڑے ہوئے تھے اور گڈ آفٹر نون میم کہا تھا۔ وہ سیجل سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے کسی کے گڈ آفٹر نون کا جواب دے رہی تھی اور کسی کے نہیں۔ صحت کے حوالے سے بھی وہ کافی تندرست لگ رہی تھی۔ اب کمزوری کے پرانے آثار کہیں نظر نہ آتے تھے، حلقے زدہ نم رہنے والی آنکھیں جدید میک اپ کی وجہ سے شدید اٹریکٹو لگ رہی تھیں۔ بس چال میں ذرا سا ڈیفکٹ صاف نظر آ رہا تھا۔ جس کی وجہ سے اس نے ایک خوب صورت چھڑی سی اٹھائی تھی۔ جو اس کا عیب نہیں بلکہ اس کی ادا لگ رہا تھا۔ وہ چل کر سیدھا وچن کے پاس آئی اور اسے گلے لگا کر کہا۔

''وچن! تم یہاں۔ تم یہاں کیسے آئی؟''

ابھی وچن نے جواب نہ دیا تھا کہ پیچھے سے ایک پروقار شخص ان کے سامنے آیا اور زندگی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

''چلیں سویٹ ہارٹ۔''

زندگی نے جواب میں وچن کی جانب دیکھا تھا تو وہ بھی اسی کی جانب متوجہ ہا اور سر تا پا اس پر ایک سرسری سی نظر ڈالی۔ اس کی نگاہ وچن کی مانگ کے وسط کے سندور اور منگل سوتر پر ٹھہر گئی۔

''یہ میری فرینڈ ہے وچن۔''

''بہت خاص سی فرینڈ لگ رہی ہے۔''

زندگی نے مسکرا کر ہاں کہا تھا۔

''اس سے زیادہ اچھی طرح اور کون جانتا ہے مجھے۔''

زندگی کے انداز میں ذرا سا طنز ذرا سا تاسف تھا۔

''اوکے ڈیئر۔ میں چلتا ہوں۔ تم اپنی فرینڈ کو وقت دو۔'' اس نے زندگی کو ہگ کرتے ہوئے کہا اور باس والے رعب و دبدبہ کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔ زندگی فرطِ جذبات سے اسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں وہ ہی چمک دیکھی جا سکتی تھی جو ایک نئی دلہن کی آنکھوں میں نظر آتی ہے۔ اپنے خاوند کے جانے کے بعد اس نے کسی ٹین ایجر لڑکی طرح پوچھا تھا۔

''کیسے لگے تمہیں میرے شوہر؟''

وہ مسلسل اسے حیرت میں ڈال رہی تھی۔ اس کے بعد بھی وہ اس کے ساتھ کسی پرانی سہیلی کی طرح کا برتاؤ اختیار کیے ہوئے تھی۔

''کیا لو گی تم وچن؟''

''عافی کافی آفر کرتا تھا۔ تم بھی کافی منگوا لو۔'' اس نے دانستہ طور پر عافی کا نام لیا تھا لیکن کوئی فائدہ نہ تھا اس کا چہرہ کسی بھی تاثر سے عاری تھا۔ اس نے بنا کسی تاثر سے کافی منگوائی۔ اس دوران اس نے کسی سے ہنس ہنس کر بات کی۔ وہ بلا کا انداز رکھتی تھی خود وچن اس کے ہر ایک انداز کو بنا پلک جھپکے دیکھے جا رہی تھی۔ اپنی کال کے اختتام پر اس نے مسکرا کر کہا تھا۔

''اچھا میں بعد میں بات کرتی ہوں۔ ابھی میں اپنی ایک خاص دوست کے ساتھ مصروف ہوں۔''

اس نے جوں ہی لیٹیس ایپل فون ٹیبل پر رکھا وچن اس سے پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

''ہماری مکمل زندگی میں کوئی چار یا پانچ ملاقاتیں شاید ہوئی تھیں، وہ نامکمل سی۔ ہم سہیلیاں تو بالکل نہیں ہیں۔''

''ہم سہیلیاں ہیں وچن۔ اب تم ہی بتاؤ ایسا کیا ہے جو تم میرے متعلق نہیں جانتی؟''

''میں تمہیں بالکل نہیں جانتی زندگی۔ بلکہ میں کیا میرے اچھے اچھے بھی تمہیں نہیں جان سکتے۔''

''تو پھر کیوں وقت ضائع کرنے آ گئی ہو۔'' اس کا لہجہ عجیب سا ہوا تھا۔

''مجھے عافی کا پوچھنا تھا۔ تم نے ایسا کیوں کیا زندگی۔ اور رخسار کی شادی کیوں تڑوائی۔ اور پھر اسے یہاں بھی کام کرنے دیا۔''

''ریلکس وچن! ویسے میں تمہیں جواب دہ نہیں ہوں لیکن نا جانے کیوں دل کہتا ہے تمہیں جواب دوں۔ شاید عافی کے ذریعے میں تمہیں بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ جس طرح تم میرے پاسٹ سے واقف ہو اور اسی کی مناسبت سے عافی کی تلاش میں میرے پاس آئی ہو۔ میں نے عافی کے ساتھ کچھ نہیں کا۔ اس نے ہی اپنا سب کچھ میرے نام کیا تھا، اپنی خوشی سے۔''

''لیکن تم نے عاق کر دیا اسے۔ اس کے پورے ایمپائر سے۔''

''ہاں بس میں اتنا ہی کر سکی لیکن اگر میرے اختیار میں کچھ اس سے بھی برا ہوتا تو میں وہ بھی کر جاتی۔''

''تم محبت کرتی تھی اس سے۔''

''او وچن! محبت انسان سے نہیں، انسان میں موجود صفات سے ہوتی ہے، کسی کی کوئی بات، کسی کی کوئی عادت، کسی کا چہرہ، کسی کی آواز، کسی کی خودداری، یا پھر کوئی نہ کوئی چیز جو دل کو اچھی لگ جائے۔ مجھے عافی سے محبت اس کی شرافت کی وجہ سے تھی۔ اب تم ہی بتاؤ کیا وہ شریف ہے؟'' اس نے وچن سے پوچھا لیکن سلسلۂ کلام جوڑے رکھا۔ اس لیے وچن کچھ کہہ نہ پائی۔

''مجھے تو لگتا ہے اس حوالے سے میں بہت کمزور ہوں، بہت ویک سی ہوں۔ میں عافی کو اس کے کیے کی عبرتناک سزا دینا چاہتی ہوں لیکن میں اسے ایسی کوئی سزا دے نہیں پا رہی جو اسے ایسی تکلیف دے، ایسی تکلیف دے کہ وہ یاد رکھے۔''

''اور یہ رخسار۔'' وچن نے اس کا نام لیا تو وہ چونکی ہو گئی جو دروازے پر کان دھرے دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔

''اس بے چاری نے کیا کیا۔ کیوں اس کا گھر بنانے سے پہلے تباہ کر دیا۔ کیوں کیا تم نے اس

کے ساتھ ایسا۔ وہ ایک اچھی لڑکی ہے۔"

وچن کے منہ سے اپنی تعریف سن کر رخسار ٹھٹھر سی گئی۔ وہ وچن سے نفرت کرتی تھی اور وچن کا خیال اس کے متعلق کچھ اور ہی تھا۔

"تمہارا مسئلہ پتا ہے کیا ہے وچن؟" زندگی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ وچن نے جواب میں پھر سے کہا۔

"رخسار سچ میں اچھی لڑکی ہے زندگی۔"

"تم سب پر آسانی سے ٹرسٹ کر لیتی ہو وچن۔ یہی وجہ ہے کہ سزا کاٹ آئی ہو۔ اور رہی بات رخسار کی تو میں نے اس کے ساتھ کچھ نہیں کیا۔ کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑھی۔ کچھ لوگ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے لیے بار بار کھڑے رہتے ہیں۔ اس نے خود ہی اپنے سابقہ منگیتر یعنی میرے شوہر سے کہا تھا کہ اس نے کس طرح اپنے سابقہ منگیتر یعنی عافی کو اس کی لنگڑی بیوی کے آگے ایکسپوز کیا۔ مرد کے لیے عورت کا تصور، ایک معصومانہ صنف کا ہوتا ہے۔ سازی اور دھوکے باز عورت کسی مرد کو پسند نہیں ہوتی۔ رخسار کی بات سن کر وہ مجھ سے رخسار کے کیے کی معافی مانگنے آیا تھا۔ مجھے دیکھ کر اسے رخسار پر اور غصہ آیا تھا۔ میرے پاس تھا ہی کیا۔ میں تو مکمل طور پر صحت مند بھی نہیں تھی۔ جس کے پاس صحت نہ ہو ایسی عورت کو تباہ کر کے خوش ہونے والی عورت سے کون شادی کر سکتا تھا۔ اس لیے رخسار کی دوسری شادی ہوتے ہوتے نہ ہو سکی۔"

"جھوٹ بول رہی ہو تم۔" رخسار سامنے آئی تھی۔

"اچھا! تو تم سچ بولو۔"

"تم نے ذیشان کو میرے بارے میں بھڑکایا تھا۔" رخسار نے لال پیلی ہوتے ہوئے کہا۔

زندگی اس کی بات سن کر مسکرائی تھی اور بھنویں چڑھا کر کہا۔

"میں نے ذیشان کو بھڑکایا تھا اور وہ بھی اتنا بے وقوف تھا کہ بھڑک بھی گیا۔ بچوں والی باتیں مت کرو بے وقوف لڑکی۔ تمہاری بابس ہوں یہاں میں۔ اس لیے میری بات غور سے سنو۔ بنا کسی ثبوت

اور دلائل کے کبھی کسی پر انگلی مت اٹھاؤ، تمہارا بار بار ذیشان کو کہنا کہ میں تمہیں بھڑ کا رہی ہو۔ میرا کام آسان کرتا گیا تھا۔

'دیپک کا فون آیا تھا۔ اس نے پوچھا تھا اس سے کہ پتا چلا عافی کا۔ اس نے رخسار اور زندگی کی بحث بازی کا ذکر کر دیا۔

''تو تم ادھر کیا کر رہی ہو۔''

''میں ان دونوں کی لڑائی سننے تو نہیں آئی تھی لیکن یہ دونوں ایک دوسرے سے مخاطب ہیں تو میں ان کی گفتگو کے درمیان کیسے مداخلت کر سکتی ہوں۔''

دیپک زبردست ہنسا اور کہا۔

''ہاں۔ تم نے تو اخلاقیات پڑھی ہے۔ ہے نا؟''

''ہاں وہی تو میں نے اخلاقیات پڑھی ہے۔'' اس کا انداز بھی پھر اپنا تھا۔ وہ اپنی زندگی کی جانب بڑھ رہی تھی دیپک کو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی تھی ورنہ تو سزا کاٹنے کے بعد وہ جیسے پتھر سی ہو گئی تھی۔ کبھی کبھی محبت سے پتھر دل موم نہیں ہوتے لیکن درد سے ہو جاتے ہیں۔ اس پر اس محبت کا اثر نہیں ہو رہا تھا جو دیپک کو اس سے تھی۔ حتیٰ کہ اس پر اس کی اپنی محبت بھی بے اثر ثابت ہوئی تھی جو اسے دیپک سے تھی۔ لیکن وہ تازہ تازہ سزا کاٹ آئی تھی۔ دکھ دیکھ آئی تھی۔ یہی وجہ تھی شاید کو عافی کا درد اس کے دل میں اترا تھا اور وہ کہتے ہیں نا کہ ایک غم کے بہانے دو جے کئی غم ستانے آ جاتے ہیں۔ اس کے دل کا دروازہ کھلا تو ایک غم کے بہانے سو غم دل میں داخل ہوئے جہاں غمگین آہ ہو۔ وہاں محبت نہ ہو یہ ہو نہیں سکتا۔ اس کے دل پر بھی محبت اثر انداز ہوئی تھی۔ وہ جان چکی تھی کہ زندگی محبت کے بنا کچھ نہیں۔

رخسار اور زندگی بڑی تفصیل سے ایک دوسرے کو غلط ٹھہرا رہے تھے۔ رخسار یہ ماننے کو تیار نہ تھی کہ اس کے منگیتر نے خود زندگی کو پرپوز کیا تھا۔ اس میں تھا کیا وہ لنگڑاتی تھی اور شکل وصورت میں بھی عام سی تھی۔ اس وقت تو غم زدہ بھی رہتی تھی۔ ایسا کوئی اسٹائل بھی نہ تھا جو دل چرا لیتا اور وہ اس کے مقابلے خود کو بہترین سمجھتی تھی۔ پر وچن سمجھ گئی تھی۔ اس لے لاچاری اور بے چارگی کی جیت جیت لی تھی۔

کسی سے ہمدردی کب محبت میں بدل جائے یہ کون جان سکتا ہے۔اور پھر زندگی جیسی امیر عورت کو اپنانا، ذیشان کے بزنس کے لیے بھی بہت مثبت تھا۔

''تم جا سکتی ہو......گیٹ آؤٹ......''

''تم مجھے نکال نہیں سکتی۔اس آفس میں پانچ سال تک کام کرنے کی کنٹریکٹ فائل اس آفس میں موجود ہے۔'' رخسار نے کہا اور غصے میں چلی گئی۔ وہ چلی گئی تو جیسے زندگی کو وچن یاد آئی۔ وہ ہینڈ بیگ تھامے ان کی گفتگو سن رہی تھی۔

''اب عافی یہاں نہیں ہے زندگی۔تم اس کا کنٹریکٹ ختم کر سکتی ہو۔'' وچن نے ہینڈ بیگ سائیڈ میں رکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''مجھے پتا ہے۔ میں چاہوں تو یہ اس آفس میں نظر بھی نہیں آ سکتی۔لیکن یہ ایک بے وقوف لڑکی ہے۔دشمنی پہ آ جاتی ہے تو اپنا بھی نقصان کر بیٹھتی ہے۔ایسے بے وقوف دشمن آنکھوں کے سامنے رہیں تو ہی بہتر ہے۔''

''اب وہ تمہارا کیا بگاڑ لے گی زندگی۔ بے وجہ اسے نفرت کی آگ میں جھلسا رکھا ہے۔''

''تم صحیح کہہ رہی ہو۔ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔لیکن بے وقوف سی سازیں کر کے مجھے لنگڑی لنگڑی کہہ کر میرا مرتبہ بڑھا دیتی ہے۔''

وچن مسکرائی تھی اور پوچھا تھا۔

''عافی کہاں ہے؟''

''تمہیں اب بھی لگتا ہے کہ مجھے پتا ہو گا وہ کہاں ہے؟''

''تم خود کو معاف نہیں کر پاؤ گی زندگی۔خود کی خود کو معافی بھی آسان نہیں ہوتی۔''

زندگی اس کی بات پر چونکی تھی۔

''اور رہی بات عافی کی تو...... جب تک میں زندہ ہوں تم اسے برباد نہیں کر سکتی۔اس لیے خود کو مت تھکاؤ۔اپنی اعلیٰ شان زندگی انجوائے کرو، جو آج تمہارے پاس ہے وہ ایک خواب ہے۔

ایک خواب جیسا سب کچھ۔اس کامیاب خواب کی وجہ عافی ہے۔تم اس حقیقت کوفراموش نہیں کرسکتی۔ تمھیں لگتا ہےاس نے تمھیں دھوکا دیا،اس نے خود کو دھوکا دیا تھا لیکن اس دھوکے کے کھیل میں عافی نے تمہارے سارے خواب پورے کر دیئے۔تم نے پوچھا تھا کیا وہ شریف ہے؟ تو میرا جواب ہے، و بہت شریف ہے۔تم جان بھی نہیں سکتی اس نے بندگی کے ساتھ جو کیا اس کے بعد خود کو کتنی سزائیں دیں۔اتنی سزائیں کہ اس کی زندگی ہی سزا بن گئی۔"

زندگی نے رخ موڑ لیا تھا۔وچن نے پھر اس کی سمت لی اور سلسلۂ کلام جاری رکھا۔

"عافی اور رخسار میں فرق ہے۔جس طرح تم رخسار کو خوار کرنے کے لیے جان بوجھ کر اس آفس میں اپنی نظروں کے سامنے رکھی ہوئی ہو اور رخسار یہ سمجھتی ہے کہ تم کچھ کر نہیں سکتی،اس طرح تم بھی شاید یہ سمجھ بیٹھی ہو کہ عافی کچھ کر نہیں سکتا تھا۔عافی مالک تھا اس کمپنی کا۔وہ چاہتا تو کچھ بھی کر سکتا تھا لیکن اس نے نہیں کیا اور تم جانتی ہو اس نے تمھیں سب کچھ دے کر واپس کیوں نہیں لیا۔" وچن نے آخری بات کی تھی اور جاتے جاتے پھر ایک بار رکی تھی۔

"عافی تمھیں خوش دیکھنا چاہتا ہے زندگی۔پلیز خوش رہو۔جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔نفرت کی آگ میں جلنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ذیشان کو تم نے جیسے بھی پا لیا ہو لیکن ہے وا یک شاندار چوائس۔عافی کو تنہا مت سمجھو اور پلیز خوش رہو۔" اس نے آخری الفاظ کہے اور چلی گئی تھی۔

زندگی کی آنکھیں نم تھیں۔یہ عورت تو اسے واقعی بہت اچھی طرح جانتی تھی۔کسی کو تباہ کرنے کا جذبہ خود کو بھی تباہ کر رہا ہوتا ہے۔وہ واقعی خوش نہیں تھی جبکہ ذیشان ایک اچھا انسان تھا اور اسے خوش رکھنا چاہتا تھا۔

چاہ تو سب لیتے ہیں لیکن محبت میں خوشی وہی دے سکتا ہے جو خوش رکھنا چاہتا ہو۔

❁ ❁

ناول **رنگِ حیات** کی اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی **20** تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

قسط نمبر 12

آفس سے باہر آئی تو رخسار اسے سامنے ہی ملی۔ وہ اسے دیکھ کر اس کے پاس ہی آ رہی تھی۔
"تھینک یو۔"
"کس بات کے لیے رخسار۔"
اس نے تمہید باندھنی چاہی لیکن وچن نے ہاتھ کا اشارہ کر کے اسے روک لیا اور کہا۔
"دیکھو رخسار! میں اس وقت بھی تمہاری بھلائی چاہتی تھی اور اب بھی تمہاری بھلائی چاہتی ہوں۔ یہ کھیل ختم کر دو۔ عانی کے لیے تمہاری محبت یکطرفہ تھی، ساری عمر اس یک طرفہ محبت کے سپرد مت کر دو۔ آگے بڑھو، تمہارے آگے تمہاری ساری زندگی پڑی ہے۔"
"میں آگے ہی تو بڑھ رہی تھی۔ ذیشان سے شادی کر رہی تھی۔"
"جو ہوا سو ہوا۔ پھر سے آگے بڑھو رخسار اور اس طرح آگے بڑھو کہ پرانا سب پیچھے رہ جائے۔"
اگر وہ ذیشان سے منگنی کر لینے کے بعد عانی کی زندگی میں مداخلت نہ کرتی شاید آج بات کچھ اور ہوتی۔ وچن نے اسے پاس بٹھا کر سمجھایا کہ وہ اس آفس سے اب دور رہے تو بہتر ہے یا پھر اگر وہ اپنا کام کرنا چاہتی ہے تو بس کام کرے۔ ذیشان کے آگے زندگی کو نیچا دکھانے کی چالیں چلنا بے کار ہیں۔ اسے زندگی اور ذیشان کی زندگی پر فوکس کرنے کی بجائے اپنی زندگی پر فوکس کرنا چاہیے۔
رخسار خاموشی سے سن رہی تھی شاید وچن کی بات اس کے دل میں گھر کر گئی تھی۔ اس نے اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود بھی رخسار کو ایک دوست کی طرح سمجھایا تھا اور اب جا رہی تھی۔ جاتے جاتے رخسار نے اسے پکارا اور کہا۔

''تم نے سچ میں اخلاقیات پڑھی ہے وچن۔''

وچن مسکرائی اور سر ہاں میں ہلایا۔اس نے اخلاقیات پڑھی تھی۔

☆......☆......☆

فری اور دوری نے لندن جا کر سکینہ کو بے وفا کہنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔کیونکہ اب وہ چاہتی تھی کہ شان لندن جائے اور سکی سے کہے۔

''تو بے وفاق ہے۔شان تم جا سکتے ہو۔''

''شان کیسے جا سکتا ہے؟''اس کی ماں نے پریشانی سے پوچھا تھا۔

''آنٹی! ہوائی جہاز سے اور کیسے۔''دوری نے ہوائی جہاز اڑنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

''لیکن یہ کیوں جائے؟''

''تو کیا ہم جائیں آنٹی؟بے وفائی اس کے ساتھ ہوئی ہے تو یہ ہی سکی سے کہے گا کہ تُو بے وفا ہے۔ہم کیوں جائیں۔کیوں دوری؟''

''ہاں فری۔یہی جائے گا۔''

''شان کہیں نہیں جائے گا۔''آنٹی نے پھر سے کہا تھا۔

''کیوں نہیں جائے گا۔شان ضرور جائے گا۔''

''ہمارے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں تو کیا ہوا آنٹی۔شان نے اسکالرشپ اپلائے کی ہے اور باقی کے اخراجات کی ذمے داری دیپک بھائی نے اٹھائی ہے۔''

''شان نہیں جائے گا۔میں نے کہہ دیا ہے تو بس کہہ دیا ہے۔''آنٹی نے روہانسی ہوتے ہوئے کہا تھا۔ایسے جیسے آنسوؤں کی برسات سے اس کا گلا رگڑا ہو۔

''انہیں کیا ہوا دوری؟''

''ہاں فری۔انہیں کیا ہوا؟''

''اب کیا ہوگا دوری۔''

''سوچتے ہیں فری۔''

''پر اب کوئی ٹینشن نہیں ہے۔ اب ہم نے سوچ لیا ہے تو سوچ لیا ہے۔ شان لندن جا کر رہے گا۔ کیوں دوری؟''

''ہاں فری۔''

دونوں کے عزائم پکے لگتے تھے۔ شان بھی ماں کا رویہ دیکھتا رہ گیا تھا۔

''امن ہو یا جنگ ہو دوستوں کے سنگ ہو
سرخ مجھے پسند ہے خون ہو یا رنگ ہو''

''کیوں دوری۔''

''ہاں فری۔''

انہوں نے شان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر حوصلہ افزائی کے لیے شعر پڑھا تھا جو وہ ہمیشہ ایسے مواقع پر پڑھتی تھیں۔

☆......☆......☆

مہر، کلثوم، ندا اور گیتی کام ہوتے ہی عافی کے پاس دکان پر آئے تھے اور آج گجی کی بجائے سیٹی بجا کے شرارت بھرے انداز میں کہا تھا۔

''ہیرو......دو ہزار روپے دو۔''

عافی نے مسکرا کر دو ہزار دیے اور شکریہ بھی کیا تھا۔

''پہلے کہہ دیتے ماجرہ کیا ہے تو ہم پہلے ہی آپ کا کام کر دیتے۔'' دو ہزار کے نوٹ لہراتے ہوئے کہا تھا۔

''اب تو ماجرہ پتا چل گیا ہے نا تمہیں۔''

''ہاں! وہ تو ہے۔'' چاروں نے مزے سے کہا تھا۔

''ویسے کیا اٹم پھنسا رکھی ہے۔ سچ کہوں تو میڈم اتنی خوب صورت ہے کہ انہیں دیکھ کر تو ہم

دیکھتے رہ گئے تھے۔ ملی کہاں تھی۔ مطلب پہلی بار کہاں دیکھا تھا۔'' ان کا تجسس کمال تھا۔ عافی کے لبوں پر ذرا ذرا سی مسکراہٹ تھی۔ وہ اسے چھیڑ رہی تھیں اور جیسے کبھی تنگ کبھی محظوظ ہو رہا تھا۔ وہ سب جیسے سر پر کھڑی تھیں جیسے کوئی آفت منڈلا رہی ہو۔

''بتاؤ نا، پہلی بار کہاں ملے تھے۔''

''ہاں بتاؤ نا۔'' گیتی نے تو ہاتھ جوڑ کر درخواست کی تھی۔ وہ اسے زچ کرنے کے موڈ میں تھیں۔

''ہم ساتھ میں رہتے تھے۔''

''اووووو۔ ساتھ میں رہتے تھے۔ ہاؤ رومینٹک۔ آگے بتاؤ نا۔''

''آگے کیا بتاؤں؟'' عافی بھولا بن رہا تھا۔

''بنو مت ہیرو۔ ٹھیک بتاؤ۔'' گیتی کے تجسس کی مانو انتہا ہو گئی تھی اس لیے اب غصے میں پوچھ رہی تھی وہ۔

''دراصل......ہم......ایک ہی گھر میں پلے تھے۔ میں آپ کی میڈم کے گھر میں لے پالک بچہ تھا۔''

''اوووو......یعنی بچپن کی محبت؟''

''ہاں یہی سمجھو۔''

''اووووووو......''

''لیکن اگر بچپن کی محبت تھی تو اب تک آپ دونوں......'' چاروں نے پوچھا بھی اور سوچا بھی۔ اور پھر بالآخر جیسے سوچ ہی لیا اور کہا۔

''ان کی شادی کسی اور سے ہو گئی تھی۔''

عافی خاموش رہا۔

''اور آپ کی؟''

''میری بھی شادی ہو گئی تھی۔''

''اووووو۔'' اب کی بار افسوس بھرا ''او'' تھا۔

''تو اب آپ کی وائف کہاں ہے؟''

''ہماری ڈائیورس ہو چکی ہے۔''

''ہاں ں ں ں ں؟'' ان کو یہ سن کر کتنی خوشی ہوئی تھی یہ تو وہی جانتی تھیں۔ ''ان کا طلاق ہو گیا یعنی راستہ صاف ہے۔''

اس عمر میں دو محبت کرنے والوں کو ایک کرنے کا جو مثبت جذبہ دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ چاروں بھی اب اسی جذبے سے سرشار تھیں اور پلاننگ کرنے لگی تھیں کہ کیسے ان دونوں کو ملانا ہے۔ جیسے فری اور دوری شان اور سکی کے فراق میں پریشان تھیں اور تہہ دل سے خواہش مند تھیں کہ کسی طرح ان کا آمنا سامنا ہو جائے۔

☆......☆......☆

وہ شام کو آرام کر کے اٹھی تھی۔ منہ دھو آئی تھی اس لیے چہرے پر نمی سی تھی۔ آنگن میں غیر مانوس سا شور تھا۔ وہ فوراً چل کر اس جانب آئی، دیپک سامنے کھڑا تھا، اس کے ساتھ آئے محلے کے مزدور آنگن کی دیوار پر کچھ لکھ رہے تھے۔ اس نے غور سے دیکھا تو وہ لمبا چوڑا سا وائٹ بورڈ تھا، وہ سامنے چل کر آئی اور وائٹ بورڈ کو دیکھنے کے باوجود پوچھا۔

''یہ کیا ہے؟''

''یہ ایک بورڈ ہے نئے زمانے کا بورڈ جیسے ہمارے زمانے میں بلیک بورڈ ہوتے تھے جن پر سیاہ سیاہی لگا کر انہیں چمکایا جاتا تھا اور پھر استاد ان پر لکھتے تھے۔ ویسا ہی یہ بورڈ ہے۔''

''مجھے پتا ہے دیپک۔ لیکن یہ یہاں کیوں ہے؟''

''کیونکہ یہاں تم نے لکھنا ہے اور محلے کے کالج جانے والے بچے بچوں کو پڑھانا ہے۔ میں نے چار بچوں کا ایڈمیشن بھی کر دیا ہے۔ آگے اور بھی ایڈمیشن ہوں گے۔''

''لیکن دیپک؟'' وہ سمجھ کر بھی سمجھ نہ پا رہی تھی۔ اس گھر میں تو اسے اخبار پڑھنے کی اجازت نہیں تھی۔ یہاں جہاں وہ چاہ کر بھی اپنے بیٹے کو ٹیوشن نہیں پڑھا سکتی تھی۔ وہاں ٹیوشن سنٹر؟

"بھنگ ونگ تو نہیں پی آپ نے؟" سوال کرتے وقت اس کے ماتھے پر بل تھے جسے دیکھ کر دیپک نزدیک آیا اور کہا۔

"میں بالکل ٹھیک ہو گیا ہوں وچن اور سمجھ چکا ہوں، انسان کی خوشی اس کے اپنوں کی خوشی میں ہے۔ تم ٹیوشن پڑھانا چاہتی تھی۔ تم نے شادی کے بعد مجھ سے اجازت مانگی تھی تو آج میں نے تمہیں اجازت دے دی۔"

"لیکن دیپک! تب اور اب میں بہت فرق ہے۔"

"کیا فرق ہے وچن! تم سزا کاٹ چکی ہو۔ اب بس قانون کے مطابق تم اپنی تعلیمی سرگرمیوں میں کچھ عرصے تک آگے نہیں بڑھ سکتی لیکن میں وعدہ کرتا ہوں، میں اب تمہاری تعلیمی سرگرمیوں کو آگے بڑھاؤں گا۔ تم جہاں چاہے وہاں پڑھ سکتی ہو۔"

وچن حیران تھی۔

"اور یہ...... یہ ایجنسی...... یہ ایجنسی کون سنبھالے گا؟"

"جس کا یہ آئیڈیا تھا۔"

"عانی......"

"ہاں وہی...... اس ایجنسی کو اب عانی کا انتظار ہے۔"

وچن مسکرادی تھی۔

"آپ بہت اچھے ہو دیپک۔"

"ہاں وہ تو میں ہوں۔" اس نے کالر چڑھا کر بولا تھا۔

☆......☆......☆

دو ہزار روپے ابھی تک خرچ بھی نہ ہوئے تھے کہ میڈم گل نے اپنی عدالت لگا کر ان چاروں کو بلایا تھا اور بھنویں چڑھا کر پوچھا تھا۔

"نل کس نے توڑا تھا؟"

"ہم نے تو نہیں توڑا تھا۔" چاروں صاف صاف مکر گئی تھیں۔

"بنومت۔" میڈم گل جیسے چیخی تھیں۔ وہ سب دم سادھے کھڑی تھیں۔ اس کی کڑی نظریں چاروں پر تھیں۔

"جلدی سے بتاؤ ورنہ چاروں کی تنخواہ کاٹوں گی۔"

کیا بتاتے چاروں نے ہی توڑا تھا لیکن...... ایک منٹ...... انہوں نے تو کوشش کی تھی نل تو میڈم دل سے اکھڑا تھا تو انہوں نے بھی میڈم دل کا نام لے لیا تھا۔

"لڑکیو! سیدھی طرح بتا دو تو ہی بہتر ہوگا ورنہ......"

"بتا تو رہے ہیں میڈم دل نے توڑا تھا۔"

"دو ہزار روپے کاٹوں گی میں تم سب کی تنخواہ سے......" میڈم گل نے بھنویں چڑھا کر کہا تھا۔

"کیوں...... کیوں...... کیوں...... ہماری تنخواہ سے کیوں؟" چاروں نے بے تاب ہو کے پوچھا تھا۔

"کیونکہ مجھے تمہاری وجہ سے نقصان ہوا ہے اور اب تم ہی اس نقصان کی بھرپائی کرو گی۔"

"ارے کیسا نقصان۔ پلمبر نے نل ٹھیک کر دیا اور پیسے بھی نہیں لیے۔ ہاں ہمسایہ ہے نا وہ، ہمارا ہمسائے گری کی وجہ سے پیسے نہیں لیے۔" گیتی کچھ زیادہ وضاحت دے رہی تھی۔ ندا نے اس کے بازو پر کاٹا تو وہ چپ کر گئی۔

پارلر کے کام کے لیے پانی کس قدر ضروری ہے۔ جانتی تھی ہو تم سب۔ پانی نہ ہونے کی وجہ سے کلر کروانے آنے والی کسٹمر کو ناراض کرنا پڑا اور پانی کا ٹینکر منگوانا پڑا وہ الگ خرچہ۔ دل تو کرتا ہے اس ماہ کی تنخواہ ہی کاٹ دوں تم سب کی۔" میڈم بہت غصے میں تھی۔ انہیں اپنا حتمی فیصلہ سنا کر غصے میں چلی گئی تھی۔ چاروں افسوس سے ایک دوسرے کی جانب دیکھ رہی تھیں۔ ابھی تو دو ہزار ہاتھ میں آئے اور ابھی ہی بجھو چلے بھی گئے۔ سب کے موڈ آف ہو چکے تھے۔

☆......☆......☆

”تم کہیں نہیں جاؤ گے شان۔“ آنٹی نے صاف صاف کہا تھا۔

”تم جاؤ گے شان اور آنٹی کی فکر بالکل مت کرنا۔ ہم دونوں ان کا خیال رکھیں گے۔ کیوں فری؟“

”ہاں دوری۔ ہم ان کا خیال اپنی جان سے بھی زیادہ رکھیں گے۔“

”اور وہاں میرے بیٹے کا خیال کون رکھے گا۔ میں اپنے بیٹے کو پردیس نہیں بھجواؤں گی۔ اور تم دونوں چپ کر جاؤ۔ سمجھ آئی میری بات کہ نہیں؟“

”نہیں......“ دونوں نے ڈھٹائی سے کہا تھا اور شان کے کمرے میں پیکنگ کرنے آ گئی تھیں۔

”آنٹی! آپ ہی تو چاہتی تھیں شان آگے بڑھے۔ وہ اسکالرشپ حاصل کر چکا ہے اور آپ کچھ اور سوچنے کی بجائے یہ کیوں نہیں سوچتی کہ وہ وہاں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے جا رہا ہے۔“

”میں بے وقوف ہوں، جو تم دونوں جیسا کہو ویسا سوچوں۔“

”ٹھیک ہے مت سوچیں مگر ہمیں بھی پھر منع مت کریں۔ ہم اپنے دوستوں کی محبت کو یوں رائیگاں نہیں جانے دیں گے۔ کیوں دوری۔ کیسا ڈائیلاگ تھا؟“

”ہاں فری زبردست۔“ اس نے ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا تھا اور فری کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

”ہم ان دونوں کو ایک کرنے کے لیے کچھ بھی کریں گے۔ کیوں فری؟“

”ہاں دوری۔ یہ ہماری دوستی کا امتحان ہے۔“

”اگر یہ امتحان ہے تو دیکھنا تم دونوں فیل ہو جاؤ گی۔“ آنٹی نے بددعا کے طور پر کہا تھا۔

”فیل...... ہاہاہا۔ فیل تو اب ہم ہو ہی نہیں سکتیں آنٹی۔ بے وجہ اپنی انرجی ویسٹ مت کریں۔“

”آخر چاہتی کیا ہو تم دونوں؟“

”وہی جو آپ نہیں چاہتیں۔ کیوں فری؟“

”ہاں دوری۔“ اس بار ان کا انداز ذرا مختلف تھا اور وہ کچھ الگ ہی انداز میں آنٹی کو دیکھ رہی تھیں۔

”ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟“

”ہم سب جان گئے ہیں آنٹی۔ کیوں فری؟“

''ہاں دوری۔''

''کیوں دوری، ہاں فری۔بس یہی کرتی رہو۔یہی کرنا آتا ہے تم دونوں کو۔'' آنٹی نے نقل اتاری تھی۔

''میں بھی دیکھتی ہوں شان کیسے جاتا ہے۔'' آنٹی کالے اسکارف میں لال پیلی ہورہی تھی۔

''فری! اب تو بہت ہوگیا۔کہیں آنٹی اموشنل ولن نہ بن جائے۔اس سے پہلے کہ وہ شان کو مجبور کرے ہمیں کچھ کرنا ہوگا۔''

''پہلے تو یہ سوچو کہ وہ مجبور کیسے کرے گی۔گزشتہ دنوں کملا آنٹی کی پرانی فلموں کی کلیکشن دیکھ کر جو انہیں آنٹی پر شک ہوا تھا۔وہ یقین میں بدل رہا تھا۔اب وہ دونوں فلمیں دیکھ دیکھ کر ولن کے کردار کو سمجھ گئی تھیں۔انہیں پتا تھا اب آنٹی کیا کریں گی۔

''پکا آنٹی ایسا ہی کریں گی۔پکا تو آنٹی اب شان کو کہے گی تم لندن نہیں جاؤ گے۔اگر ماں کا دودھ پیا ہے تو۔''

''ارے لڑنے تھوڑی جارہی ہے کہ ایسا کہے گی۔وہ کہے گی، تمہیں میرے دودھ کا واسطہ، یا پھر کہے گی، اگر لندن جانا ہے تو تمہیں میری لاش پر سے گزرنا ہوگا۔یا پھر کہے گی کہ میرا مرا ہوا منہ دیکھو گے جو لندن گئے تو؟''

''ہاں فری۔''

''ہاں دوری۔''

''تو اب.....تو اب.....ہمیں کچھ بھی کر کے اس ڈرامے کو روکنا ہوگا۔شان لندن جائے گا تو جائے گا۔'' ان کے عزائم شاندار تھے۔

☆.....☆.....☆

وہ چاروں چوکڑی مارے عافی کی دکان پر بیٹھی دو ہزار کا ماتم کر رہی تھیں۔ندا کے ہاتھ میں مونگ پھلی کا کون تھا۔جس میں ان چاروں نے ہاتھ مار مار کے تقریباً پھاڑ دیا تھا۔وہ مونگ پھلیاں کھا

کراچی گود میں رکھ رہی تھی۔

''میری طرف نہ دیکھو۔ میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔'' عافی نے ہاتھ اٹھا کر کہا تھا۔

''جانتے ہیں ہم اور آپ کو کچھ کہہ بھی نہیں رہے۔ یہاں گلی کے اس کونے میں کہاں آپ کی دکان اتنا کماتی ہوگی۔'' ندا نے افسوس بھرے انداز میں کہا تھا۔

''لیکن آپ فکر نہ کریں ہیرو۔ ہم میڈم دل اور آپ کو ملانے کے لیے اب بغیر کسی معاوضے کے کوشش کرتے رہیں گی۔'' کلثوم نے کہا تو سب نے ہامی بھری تھی۔ عافی امپریس اور حیران ہوا تھا اس لیے پوچھ بیٹھا۔

''یہ مہربانی کیوں؟''

''کیونکہ میڈم دل بہت اچھی ہیں۔ ہمیں انہوں نے اس طرح پارلر کا کام سکھایا جو آج تک کسی نے نہیں سکھایا۔ میں پانچ سالوں سے کام سیکھ رہی ہوں لیکن اب تک کانپتی ہوئی مہندی لگاتی تھی لیکن انہوں نے مجھے مہندی کی کون کو ایسے پکڑنا سکھایا کہ پورے شہر میں کوئی مجھ سے مہندی لگانے کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔''

''ہاں یار میڈم دل بہت اچھی ہے۔ کتنی دعائیں کرتی رہتی ہے ہم سب کے لیے۔ انہوں نے ہمیں جو سکھایا دل سے سکھایا، ان کی ہی وجہ سے مہینوں میں سیکھنے والی چیز ہمیں ہفتوں میں سمجھ آ گئی۔''

چاروں ایک دوسرے سے متفق تھیں۔

''ساری ہمدردی اپنی میڈم سے اور میرے لیے کچھ نہیں۔ میری دکان کی تمام نیل پالش تم چاروں نے خالی کی۔ روز جو بھی اپنی پسند کے اٹھا کے لیے۔''

''ہاں مگر آپ کے دیئے گئے دو ہزار تو چلے گئے نا۔''

''ارے واہ! اس میں میرا کیا قصور؟'' عافی نے سینے پہ ہاتھ باندھ کر کہا تھا۔

''ہاں! بس کیا کریں ہماری تو قسمت ہی خراب ہے۔'' چاروں کا انداز تاسفانہ تھا۔ وہ اب ہاتھ جھاڑ کر اٹھی تھیں جس کی وجہ سے مونگ پھلیوں کے چھلکے فرش پر بکھر گئے تھے۔ جنہیں دیکھ کر انہوں نے کندھے اچکا کر سوری کہا اور جانے لگی۔ چاروں بے حد افسردہ تھیں۔ عافی نے جاتے جاتے انہیں پکارا

تھا۔ وہ پلٹی تو دیکھا عافی کے ہاتھ میں ایک ہزار کا نوٹ تھا۔

"یہ لے جاؤ۔ اگلے ہفتے ایک اور ہزار دوں گا۔"

"لیکن......"

"لیکن ویکن کیا؟ ایک اکیلا تو بندہ ہوں، کوئی دوسرا بوجھ بھی نہیں، دکان کونے میں ہی سہی لیکن دکان تو ہے نا...... پھر سے کمائی ہو جائے گی۔" عافی نے ندا کی ہاتھ پر ہزار روپے رکھتے ہوئے کہا تھا۔ وہ چاروں کچھ سوچ رہی تھیں اس لیے استفہامیہ انداز میں ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔

"اب سوچ کیا رہی ہو؟ لے بھی لو۔"

"نہیں نہیں۔ دل نہیں مان رہا۔ آپ رکھ لیں، ہم پارلر میں کچھ نہ کچھ کر لیں گے۔"

"اسی لیے تو میں یہ ہزار روپے دے رہا ہوں۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا تم چاروں میڈم گل کی کسر اس کے کسی کسٹمر سے نکالو۔"

"آپ کو کیسے پتا ہم ایسا کرنے کا سوچ رہی تھیں۔"

"میں سب جانتا ہوں۔"

"ارے آپ کیسے جانتے ہیں۔" وہ حیران تھیں۔

"کیونکہ زندگی میں ہمارے آگے ہمیشہ دو راستے ہوتے ہیں۔ ایک درست اور ایک غلط۔ تم سب اپنے افسوس کی وجہ سے غلط راستہ اختیار کرنا چاہتی تھی۔ جو میں نہیں چاہتا کیونکہ غلط راستے پر چل کر پچھتاوے کے بنا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔"

"لیکن! پھر کوئی کاش بھی تو نہیں رہتا۔ آپ نے شاید کسی سے کبھی بدلہ نہیں لیا۔ لے کر دیکھیں بہت مزہ آئے گا۔" کچی عمر کی لڑکیاں من موجی سی تھیں۔ انہیں کافی کی باتیں سمجھ میں نہ آ سکتی تھیں۔ دو ہزار روپے چھوڑ کر منصوبے بناتے ہوئے چلی گئی تھیں۔ عافی مسکرا رہا تھا۔ یہ عمر اور اس عمر کی نادانیاں۔

"آئندہ سے کاسمیٹک لینے گئے تو تمام کاسمیٹکس پر زیادہ پیسے لگائیں گے۔"

"ہاں! اور آج وہ نیلی آنکھوں والی لڑکی سروس کروانے آئے گی۔ اس کا فیشل کرتے ہوئے

مہنگی کریمیں ختم کرنی ہیں۔"

"ہاں اور......"

"اور......" میڈم گل سے بدلہ لینے کی ٹھان چکی تھیں۔

☆......☆......☆

ذرا سی دیر ہوتی تو نا جانے کیا ہو جاتا۔ بات بس ایک منٹ کی تھی۔ اگر فری اور دوسری ایک منٹ میں ماں بیٹے کے سامنے نہ آتیں تو آنٹی نے اپنے بیٹے کو اموشنل کر کے روک لینا تھا لیکن وہ دونوں کسی طوفان کی طرح آئیں، بجلی کی طرح چمکیں، بادلوں کی طرح گرجیں۔

آنٹی شان سے قسم لے رہی تھی کہ وہ اس جذباتی سین میں فن برپا کرنے لگی۔

"آنٹی قسم دے گی تو تم قسم قسم کرتے رہو گے شان۔ اگر ایسا تھا تو محبت کیوں کی؟"

"میں...... میں۔" شان کچھ کہنے والا تھا کہ آنٹی بولی۔

"تم دونوں خاموش رہو۔ یہ ہوم ماں بیٹے کے درمیان کی بات ہے۔"

"ایسے کیسے خاموش رہیں۔ یہ صرف آپ کی بات نہیں۔ اس بات کا تعلق سکی سے بھی تو ہے اور وہ ہماری دوست ہے۔ ہم اس کے ساتھ ایسا ویسا کچھ نہیں ہونے دیں گے۔"

"جب وہ آئی تھی تو مجھے تم دونوں سکی کو چائے تک کا پوچھنے نہیں دیتے تھے۔ یاد ہے کتنی نفرت کرتے تھے اس سے۔ اور اب دوستی نبھا رہی ہو۔ مجھے تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیسی دوستی ہے جو ایک طرف ہی ثبت ہے۔ تم دونوں صرف سکی کے متعلق سوچ رہی ہو۔ شان بھی تو تمہارا دوست ہے، استاد ہے، ہم راز ہے۔ اس کے بارے میں کیوں نہیں سوچ رہی تم دونوں۔ وہ لڑکی اپنی مرضی سے چلی گئی۔ حتیٰ کہ اس نے کسی سے بات تک کرنا، کسی کو کچھ بتانا تک مناسب نہ سمجھا۔ یوں بھی کہاں وہ لوگ اور کہاں ہم لوگ۔ ہمارا کیا میل جول۔ کیسا رشتہ۔ چند دنوں کا نا مکمل ساتھ؟"

"یہی تو آنٹی اس چند دنوں کے نامکمل سے ساتھ کو مکمل کیا جا سکتا ہے۔"

"بہت ہی ڈھیٹ لڑکیاں ہو تم اور تمہاری ہی سنگت کا اثر ہے جو شان چپ کھڑا ہے۔"

''کیونکہ شان جانا چاہتا ہے اور اس کا جانا لازمی بھی ہے۔ محبت اس نے خود اپنی مرضی سے کی تھی تو فیصلہ بھی اسے خود کرنے دیں اور سکی کون سا خلاء میں چلی گئی ہے۔ جہاں جانا ناممکن ہو، اسی دنیا میں ہے وہ۔ جب وہ اس دنیا میں ہے تو وہ کیوں نہیں مل سکتی۔ کیوں دوری؟''

''ایک منٹ......ایک منٹ......آپ سب پلیز خاموش ہو جائیں۔'' شان اب اس گتھم گتھا سے تنگ آ گیا تھا وہ بنا کچھ کہے چلا گیا تھا۔ نا جانے عداوت کا یہ کیسا وقت آ گیا تھا جہاں اس کے سب اپنے اسے آزما رہے تھے۔ فری اور دوری کا سوال اپنی جگہ درست تھا۔ سکی سے محبت کرنا اس کی اپنی مرضی تھی۔ کسی سے محبت کرنے سے پہلے ہم اپنے آپ تک کو خاطر میں نہیں لاتے لیکن اس محبت کا حصول ہمیں اس قدر بے بس کر دیتا ہے کہ ایک آسان اور درست راستہ جو ہمیں ہماری محبت تک پہنچا سکتا ہے۔ جو ہمیں نظر آ رہا ہوتا ہے لیکن ہم جان بوجھ کر اس راستے کو نظر انداز کرتے ہیں۔ فری اور دوری صحیح کہتی ہیں۔ تم اسی دنیا میں ہو۔ میں بھی یہاں ہوں، اسکولرشپ بھی آ چکی ہے۔ دیپک بھائی اور وچن تمام اخراجات اٹھا رہے ہیں لیکن امی بھی تو درست ہے۔ آج تم سے شدید شکایت ہو رہی ہے سکی۔ یوں اس طرح بھی بھلا کوئی جاتا ہے۔ اس نے صنوبر کے درختوں کے راستے میں پڑے ایک بوسیدہ سے بینچ پر بیٹھ کر خط لکھا تھا اور پھر اسے پوسٹ کر آیا تھا۔ کافی دیر وہ اسی ویران سڑک پہ بے مقصد گشت کر رہا تھا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ معرکہ آرائی اپنے اپنوں اور محبتوں کے درمیان نہ ہو بلکہ اس کی ذات اس کشمکش میں پھنسی ہو۔

آہ......تم کیوں چلی گئی سکی۔ کیوں اس طرح؟ اس کی آنکھیں نم تھیں۔ یہاں کوئی ایسا مبصر کہاں تھا جو دیکھ پاتا، سمجھ پاتا۔

☆......☆......☆

یہ ایک روشن سا دن تھا۔ عافی بے حد مصروف رہا تھا۔ اب جا کر فراغت سی پائی تھی کہ اچانک ایک شاندار کار اس کی دکان کے باہر آ کھڑی ہوئی۔ اس نے حیرانی اور غور سے دیکھا۔ ایک مانوس سی شکل والا نوجوان شخص ہلکے رنگ کے کڑکتے کاٹن کے قمیض شلوار میں اس کی دکان کی جانب بڑھا تھا۔ عافی

اسے دیکھ کر مسکرایا اور دکان کے اندر آنے کا اشارہ کیا تھا۔اس کے بیٹھنے کے لیے فولڈ کی ہوئی کرسی کھولی اور خود سامنے پر جوش انداز میں آکر بیٹھا اور پوچھا۔

''چلو اچھا ہوا۔تمہیں اپنا تعارف دینے کی ضرورت نہیں پڑی۔تم پہچان گئے مجھے۔لیکن مجھے تو یاد نہیں ہے کہ ہم اس تپ ملیں چکے ہیں۔''

عافی مسکرایا تھا۔میں نے وچن کی آنکھوں میں،اس کی باتوں میں،اس سے کی گئی ہر ملاقات میں آپ سے بھی ملاقات کی ہے۔سیٹھ صاحب اور یوں بھی آپ تعارف کے محتاج کہاں۔''

دیپک اس کی بات سن کر مسکرایا تھا اور اس کی ہاں میں ہاں بھی ملائی تھی۔

''ہاں!ہم دونوں وچن کی مناسبت سے نا فقط ایک دوسرے کی زندگی سے بلکہ شاید ایک دوسرے کی عادات سے بھی واقف ہیں۔''

''کیسی ہے وچن؟''

''تمہارے لیے پریشان ہے۔''

''میں نے کہا بھی تھا اسے،میری فکر نہ کیا کرے۔''

''فکریں تو بے پرواہوا کرتی ہیں اور ایک مخلص دوست بھی دوسرے مخلص دوست کی فکر سے آزاد نہیں ہوسکتا۔''سیٹھ دیپک نے کہا تو عافی نے بات مان لی۔اب وہ اس کے سامنے ٹھنڈا اور کچھ لوازمات رکھ رہا تھا۔جو اس کے دکان میں ہی موجود تھے۔

''تمہیں سب بہت یاد کرتے ہیں عافی۔ماں تو تمہارا نام لیتے نہیں تھکتی،اور کمل بھی اکثر تمہارا پوچھتا ہے اور وہ ہماری پیاری سی موٹی ڈاکٹر رانیاں تمہارے احسان کیسے اتارنے ہیں سوچتی رہتی ہیں۔''

''فری اور دوری......بہت ہی پیاری سی چھوٹی سی دوست......''عافی کے لبوں پر ماضی کی میٹھی سی دوستوں کی یاد،میٹھی سی ہنسی لے آئی۔دل ان کا نام سن کر جیسے کھل سا گیا۔اپنے دوستوں کی تو بات ہی کچھ ایسی ہوتی ہے۔دنیا کے سارے فساد ایک طرف اور صحبتِ یارانہ ایک طرف۔

دیپک کے منہ سے سب دوستوں کی خبریں سن کر وہ بہت خوش ہوا تھا۔دیپک بھی کافی دیر تک

اس دکان پر بیٹھا رہا۔اس نے عافی کو ایجنسی سنبھالنے کی پیش کش بھی کی۔لیکن عافی نے مسترد کر دی۔ وہ کیسے کہتا وچن اور اس کا رشتہ اس کے لیے کیا تھا۔اور وچن کی خوشی اس کے لیے کتنی اہم ہے۔وہ بس اسے خوش دیکھنا چاہتا تھا۔وہ اس کی آنکھوں میں آنسو کا ایک قطرہ تک نہ دیکھ سکتا تھا۔جب وچن نے اپنی آنکھوں میں آنسو چھپا کر اسے سچ بتایا تھا کہ اب ان کی دوستی ان دونوں کے رشتے کے درمیان آ رہی ہے تو اس نے اسی وقت طے کر لیا تھا کہ وہ اپنے سائے تک کو اپنے محسن دوست پر پڑنے نہیں دے گا اور اب......

''نہیں۔میں نہ سننے تو نہیں آیا۔میں تمہیں اپنے ساتھ لے جانے کے لیے آیا ہوں۔''

''میں آپ کا شکر ادا کروں مجھے سمجھ نہیں آ رہا۔آپ نے مجھے آپ کے گھر کی ایجنسی سنبھالنے کے لائق سمجھا آپ کا بہت شکریہ۔لیکن میں یہاں خوش ہوں۔ایک ہی بندہ ہوں۔اتنا کما کے بھی کیا کرنا ہے میں نے؟''

''میں جانتا ہوں آپ ایک خوددار انسان ہیں لیکن وچن نے آپ کو ہر صورت اپنے ساتھ لانے کے لیے کہا ہے۔اگر تم ساتھ نہ چلیں تو وہ خود تمہیں لینے آ جائے گی۔تم جانتے تو ہو اسے۔ایک بار جو ٹھان لیا سو ٹھان لیا۔''

عافی مسکرا دیا۔ہاں وہ ایسی ہی تھی لیکن اس نے پھر بھی دیپک سے معذرت کر لی۔ساتھ بھی نہیں چلا اور وچن کو آنے سے بھی منع کروا دیا۔سچ تو یہ تھا اس کا دل بھی وچن سے ملنا چاہتا تھا۔وہ چاہتا تھا وہ آئے۔کبھی وہ پھر سے ملیں اور وہ اس کی نان اسٹاپ باتیں سنے۔اخلاقیات کے لیکچر سنے۔اس کی جھیل جیسی بڑی بڑی آنکھوں میں جھانک کر اس کے دل کا حال جان لیں۔لیکن وہ نہیں جا سکتا تھا۔چاہ کر بھی نہیں۔وہ اگر وہاں گیا تو وہ مخلص سی روح اس کی خاطر جو پریشان رہے گی وہ پریشانی اس کے لیے کئی سوال پیدا کرے گی اور کیا پتا پھر سے اس کا اور دیپک کا رشتہ اس کے ہونے کی وجہ سے خراب ہو جائے۔

''تم اگر اتنی بڑی گاڑی میں میرے ساتھ چلو گے تو لوگ پہلے میرے کردار کو ہدف بنائیں گے اور پھر مجھ پر مذہب کی ادلہ بدلی کا الزام تھوک دیں گے۔'' یادوں کے کوٹھے میں سے اس کی ایک یاد

ذہین کے دریچے پر اتر آئی تو وہ دل کھول کے ہنسا اور زیرِ لب کہا۔
"پاگل لڑکی۔کل تک میرے ساتھ محلے تک نہ آ سکتی تھی اور جب اب اسے پتا چلا کہ میں ایک چھوٹی سی دکان چلا رہا ہوں تو سب کچھ بھول کر دوستی نبھانے لگی ،لیکن مجھے سب یاد ہے وچن اور میری دعا ہے تم ہمیشہ اپنے گھر میں خوش حال زندگی گزر بسر کرو۔" عافی نے نم آنکھوں سے اسے دعا دی۔

☆......☆......☆

آج پھر شرارتی ٹولے نے نل توڑا تھا اور عافی کو گھر کے اندر بلایا تھا۔بندگی کو باتوں میں الجھا کر پارلر سے الگ کیا تھا۔عافی بھی وقت پر آیا تھا لیکن اس بار وہ محتاط رہی تھی۔ذرا سا نابھیگی تھی اس کے چہرے پر نقاب تھا۔

"ان بچیوں نے بہت محنت کی ہے ہمیں ملانے کی بندگی۔ چہرے سے نقاب تو اتار دو۔"
"کاش کہ تم بھی نقاب کر سکتے تو میں تمہارا یہ فریبی چہرہ نہ دیکھ سکتی۔" بندگی نے غصے میں کہا تھا اور آگے بڑھنے لگی۔شریر لڑکیاں باہر کھڑی تھیں۔جوں ہی بندگی آگے بڑھی۔انہوں نے دروازہ باہر سے کنڈی کر دیا اور منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی ہی شرارت پر ہنسنے لگی۔
"کھولو ندا! مہر......دروازہ کیوں بند کیا۔" وہ پریشان سی ہو گئی۔
"کلثوم......کیتی......کہاں چلی گئی تم سب۔" اس نے دروازہ جوں ہی اندر سے بجانا شروع کیا وہاں سے پارلر سے تیز پنجابی گانوں کی آواز ابھری۔یہ گانے میڈم گل کے فیورٹ تھے۔
"یہ جو سِلی سِلی آندی ہے ہوا......کتھے کوئی روندا ہوا گا۔"
یااللہ......وہ گھبرا گئی تھی۔ایک مرد کے ساتھ باتھ روم میں بند ہونا۔اس کے تو رونگٹے بدنامی کے خوف سے کھڑے ہو گئے تھے۔عافی بھی کہاں جانتا تھا ان شریر لڑکیوں کی شرارت اس قدر بڑھ جائے گی۔
اس نے بھی نل کی فکر چھوڑ کر دروازہ بجایا تھا اور چاروں کو آواز دی تھی۔
"ندا! دروازہ کھولو......کہاں ہو تم؟" عافی نے فون نکالا اور کال کی۔جو کلثوم نے اٹینڈ کی تھی۔
"دروازہ کھولو کلثوم۔ہم باتھ روم میں بند ہیں۔"

''ہمیں پتا ہے ہم نے ہی تو بند کیا ہے۔شرارتی لڑکی۔''
''دروازہ کھولو۔اپنا ہیرو دروازہ کھولنے کا کہہ رہا ہے۔'' کلثوم نے باقی سب کو بتایا۔
''ہیرو ہے ایکٹنگ تو کرے گا نا؟ میڈم کے آگے کہہ رہا ہوگا دروازہ کھولو۔جبکہ ہیرو کے دل کی تو ہم سب جانتے ہیں۔'' انہوں نے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر قہقہہ بلند کیا تھا۔
''میں نے کہا، دروازہ کھولو۔''
''سمجھ گئے ہیرو......ہم میوزک اور تیز کرتی ہیں۔آپ بات کرو جو بات آپ نے کرنی ہے۔ہم پہرا دے رہی ہیں۔'' انہوں نے رازداری سے کہا تھا لیکن عافی بندگی کی پریشانی دیکھ کر پریشان سا ہو گیا تھا۔وہ مسلسل اپنے خوب صورت ہاتھوں سے دروازے پر ضرب دے رہی تھی جس کی وجہ سے اس کے نازک ہاتھ سفید ہو گئے تھے۔اس کی آنکھوں میں بے پناہ خوف سا تھا، ماتھے پر بے شمار بل پڑ گئے تھے۔
''ایسے کیسے پہرہ دے رہی ہو۔دروازہ بند کرنے کو کس نے کہا تھا۔'' عافی بندگی کی جانب دیکھ کر فون پر بات کر رہا تھا۔اس کے آخری کلمات جیسے بندگی کے کانوں پہ پڑے، پہلے وہ حیران ہوئی اور پھر جیسے سب سمجھ میں آ گیا۔
اس نے دروازہ بجانا چھوڑ کر عافی کی جانب دیکھا اور کہا۔
''تم اتنا بھی گر سکتے ہو؟''
''بندگی......''
''تم نے ان بچیوں کا استعمال کیا؟''
''نہیں......میں نے؟''
''تم انکار کرنے کی حالت میں نہیں ہو عافی۔'' اس نے انتہائی بے زاری اور نفرت سے کہا تھا۔
''اللہ کی زمین تنگ کردی ہے تم نے مجھ پر۔دل تو کرتا ہے جان سے ماروں تمہیں۔''
''تم مجھے جان سے کبھی نہیں مار سکتی۔کسی کو جان سے مارنے کے لیے حد سے زیادہ نفرت کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔تم مجھ سے اتنی نفرت نہیں کر سکتی۔'' عافی کا اتنا کہنا ہی تھا کہ اس کے ہاتھ میں جو

جو آیا وہ اٹھا اٹھا کر عافی کو مارتی رہی۔ لیکن باتھ روم میں موجود اشیاء میں اتنی جان کہاں تھی کہ عافی کی جان جاتی۔ پلاسٹک کا مگ، بالٹیاں، صابن، صابن دانی۔

ایک بے کار کوشش...... عافی کو کچھ نہیں ہوا تھا۔ لیکن اس کا غصہ بڑھا تھا۔ وہ بنا وقت کھوئے پھر سے دروازے کی جانب آئی۔ اور زور زور سے اپنے ہاتھوں سے دروازہ بجانے لگی۔

''رک جاؤ۔ بے کار کی کوشش مت کرو۔''

''تم چپ کر جاؤ عافی ورنہ آج تمہارا آخری دن ہوگا۔'' وہ نفرت ہی نفرت سی بن گئی تھی۔ آنکھوں میں نفرت، انداز میں نفرت، احکامات میں نفرت۔

اور عافی محبت ہی محبت سا تھا۔ آنکھوں میں محبت، انداز میں محبت، احکامات میں محبت۔ بندگی اب کپڑے دھونے والے سخت صابن سے دروازے پر ضربیں لگا رہی تھی کہ عافی پاس آیا اور اسے ایسا کرنے سے روکنے کے لیے اس کے ہاتھ سے صابن لینے کی کوشش کی۔ جو اس نے اٹھا کر عافی کے سر پر دے مارا اور پھر کپڑوں پر رگڑنے والا برش اٹھا اور پھر سے دروازہ بجانے لگی۔

بندگی! عافی کے سر پر سخت صابن نے سخت وار کیا تھا لیکن پھر بھی وہ اپنی چوٹ بھول کر اس کے پاس آیا اور اس سے کپڑے دھونے والا برش لینے کی کوشش کی جو اس نے عجلت میں ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں لیا۔ برش اس کے پاس ہی تھا وہ بہت غصے میں تھی۔

لیکن عافی بھی نامراد نہ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ بندگی کا اسکارف لگا تھا۔

یہ لمحہ انہیں ابتداء عشق کے لمحات میں جیسے لے گیا تھا۔ دونوں کے ذہن میں سے یادوں کے کوٹھے جیسے یکساں کھولے تھے۔

''دیکھ سکتا ہے بھلا کون یہ پیارے آنسو
میری آنکھوں میں سما جائے تمہارے آنسو

یہ آنکھیں...... یہ آنسو۔'' احمد جہانزیب کے سر ہوا میں بکھرے تھے۔ وہ پرانی بیٹھک میں عافی سے اس کی کتاب چھین چکی تھی۔ جسے واپس پانے کی کوشش میں عافی کے ہاتھ اس کا دوپٹہ لگا تھا۔

اور آج بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ عافی من ہی من مسکرایا تھا۔ قسمت اس کے ساتھ تھی۔ وہ آج بھی رخ بدلے کھڑی تھی۔ اس نے آج بھی اس کا اسکارف شرافت سے اس کے سر پر رکھا تھا۔ وہ اب بھی غصے میں تھی، مٹھیاں بھینچ کر رخ موڑے کھڑی تھی۔

”تم نے سچ میں اللہ کی زمین مجھ پر تنگ کر رکھی ہے۔ میں کہاں جاؤں؟“

”تو مت جاؤ نا کہیں بندگی۔ مت جاؤ۔ دور جانا چھوڑ دو۔ ہم فقط ایک دوسرے کی محبت ہی نہیں ہم ایک دوسرے کی مانگی ہوئی دعائیں ہیں۔ یہ کوئی عام سی کشش نہیں ہے جس میں ہم بس ایک دوسرے کی جانب کھنچ رہے ہیں۔ یہ سب تو انتظار کی وہ تپش ہے جو ہمیں جلا جلا کر ایک دوسرے کے مقابل آن کھڑا کرتی ہے۔ یہ صبر و آزمائش کا وہ مقام ہے جو خود ”بس، بس“ کرتا ہے۔ یہ ہماری محبت......“

”محبت......؟ خوش فہم ہو تم عافی۔“

”کیوں تم مجھ سے محبت نہیں کرتی۔؟“

”کرنے کی سوچ بھی نہیں سکتی۔ نفرت کرتی ہوں میں تم سے۔ دور رہو مجھ سے تم۔“ اس نے پھر سے دروازہ بجایا تھا۔

عافی سامنے ہی تھا۔ ٹوٹے نل پہ اس نے کپڑا باندھا تھا۔ بندگی دروازہ بجا بجا کر تھک گئی تو خود ہی پیچھے ہو گئی۔ اس نے دیوار سے ٹیک لگائی تھی۔ عافی سینے پر ہاتھ باندھے ہلکا سا مسکرا بھی رہا تھا۔

”یہ دروازہ اب اسی وقت کھلے گا جب باہر کوئی گڑبڑ ہو ورنہ میرے سپاہی جان باز ہیں۔“

”تم......“ اسے غصہ آیا تھا۔

”بندگی! رک کیوں گئی ہو۔ مجھ پر غصہ کر سکتی ہو تم اور سچ کہوں تو میں چاہتا ہوں تم مجھ پہ غصہ کرو۔“

”تمہیں سمجھ کیوں نہیں آتا اور یہ کیا بدتمیزی ہے۔ اپنی چالاکیاں اپنے پاس رکھو، تمہیں تمہاری بیوی چھوڑ کر چلی گئی اس لیے تم مجھ سے بدلہ لینے چلے آئے۔ میں ایک بار تمہاری باتوں میں آ گئی تھی۔ بار بار تم یہ محبت کا کھیل کھیل کر مجھے میری ہی نگاہوں میں نہیں گرا سکتے۔“

”اب ایسا تو نہ کہو۔“ اس کا دل دکھا تھا۔

''کیوں نہ کہوں؟''

''میرا دل دکھتا ہے۔''عافی نے سچ کہا تھا۔

''دوسروں کا دل دکھانے والے کا بھی دل دکھتا ہے؟''اس نے قدرے نروٹھے پن کا مظاہرہ کیا تھا۔

''میں جانتا ہوں میں گنہگار ہوں اور تم جو سزا دو وہ بھی مجھے قبول ہوگی۔''

''افسوس تو اسی بات کا ہے۔تم گنہگار ہو اور میں تمہارے گناہ میں برابر کی شریک......میں تمہیں کیا سزا دوں گی۔ایک گنہگار دوسرے گنہگار کو کیا سزا دے گا۔''اس نے شدید ٹوٹے ہوئے انداز میں کہا تھا۔

''تم سچ میں میرا دل بہت دکھاتی ہو بندگی۔''

''سچ بولتی ہوں،جو تمہیں کڑوا لگتا ہے۔تمہیں آئینہ دکھاتی ہوں اور اگر میری باتوں سے اتنا ہی دل دکھتا ہے تو کیوں بار بار سامنے آجاتے ہو۔''

''سامنے تو آتا رہوں گا بندگی۔پھر چاہے تم میرا دل میرے سینے سے نکال کر اپنے ہاتھوں میں ہی نچوڑ دو۔''

''تم پاگل ہونے لگے ہو۔باجی نے تمہارا سب کچھ تم سے چھین لیا ہے۔صدمے میں ہو تم۔علاج کرواؤ اپنا۔''

''مجھ سے کوئی کچھ نہیں چھین سکتا۔میں اگر اپنی پہ آؤں تو تم بھی جانتی ہو سب کچھ واپس پا سکتا ہوں۔زندگی نے جو مجھ سے چھینا اور جو زندگی نے ذیشان سے شادی کر کے اب تک پایا میں سب کچھ چھین سکتا ہوں۔واپس لے سکتا ہوں۔''

''اچھا تو لیتے کیوں نہیں ہو؟''

''کیونکہ وہ تمہاری بہن ہے۔تم محبت کرتی ہو اس سے۔اس کے برے حال کا سوچ کر تمہاری آنکھیں بھر آتی ہیں۔بس اس لیے......''

''جھوٹ......تم جھوٹے ہو۔''اس نے بے دردی سے اس کی بات رد کی کہ عافی کو بھی غصہ آ گیا تھا۔

''بندگی! میں نے اپنی محنت سے اتنا بڑا ایمپائر کھڑا کیا تھا۔ چوری نہیں کی۔ کوئی ڈاکا نہیں ڈالا تھا۔ مجھے تو دو منٹ لگیں گے یہ ثابت کرنے میں کہ زندگی نے دھوکا کیا ہے اور پھر......''

بندگی کی نفرت اپنی جگہ لیکن آج بھی اسے عافی کی چالوں اور مکاریوں سے ڈر لگتا تھا۔ اسے آج بھی زندگی کی خوشی عزیز تھی۔ بندگی کیا کہتی......بس خاموش رہی تھی۔

''موٹر چلاؤ پانی ختم ہو گیا ہے۔'' باہر سے میڈم گل کی آواز آئی تھی۔

''میڈم گل......اگر وہ یہاں آ گئی ہم دونوں کو یہاں دیکھ لیا تو......''

''وہ نہیں آئے گی۔ تم بے فکر رہو۔''

''وہ اسی جانب آ رہی ہیں۔'' اس کی آواز کانپ گئی تھی۔

''ریلیکس......وہ نہیں آئے گی۔''

''تم سمجھتے نہیں عافی، وہ آ رہی ہے۔ موٹر آن کرنے کا بٹن باتھ روم کے پاس ہی ہے۔'' اس کا سانس رک سا گیا تھا۔ اس کا غصہ اب ڈر میں بدل گیا تھا۔ وہ بے حد ڈری ہوئی اور اسی خوف زدہ آنکھوں سے عافی کی جانب دیکھ بھی رہی تھی۔

''وہ نہیں آئے گی......کہا نا۔''

اس بار بندگی نے جواب نہ دیا تھا۔ کسی کے قدم ان کی جانب بڑھ رہے تھے۔ بندگی کی آنکھیں بھر آئیں۔

''میرے پاس عزت کے سوا اور کچھ نہیں تھا عافی۔'' اس کے آنسو آنکھوں کے پوروں سے بہہ نکلے تھے۔ کوئی پاس آیا تھا کنڈی کھسکانے کی آواز بھی آئی تھی۔ بندگی کا دل بے حد بے ہنگم طور پر دھڑک رہا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کی تھیں۔ دروازہ اندر کی جانب سرکایا گیا تھا۔

''اوئے ہیرو......بس آ جاؤ۔''

عافی مسکرایا تھا۔ بندگی نے بھی آنکھیں کھولی تھیں۔ سامنے ندا تھی۔

وہ بندگی پر آخری نگاہ ڈالے آگے بڑھنے لگا تھا لیکن اس سے پہلے کہ عافی باہر جائے وہ باہر چلی

اٹھی اور جاتے جاتے ان چاروں کو دیکھ کر کہا۔
''آئندہ تم میں سے کسی نے بھی ایسی حرکت کی تو بہت برا ہو گا۔ تم چاروں کو شرم آنی چاہیے۔ ایک غیر مرد کی باتوں میں آکر ایسے کام کرتے ہوئے۔'' بندگی نے ہانپتی کانپتی آواز میں انہیں ڈانٹا اور چلی گئی تھی۔
''میڈم دل کیا جانے۔ ہم کتنے سارے غیر مردوں کی باتوں میں آنا چاہتی ہیں۔ ہاہاہا۔'' چاروں نے شرارت کی تھی۔
عافی دیوار سے ٹیک لگائے دل گرفتہ سے انداز میں کھڑا اسی راہ کو دیکھ رہا تھا جہاں سے بندگی پار گئی تھی۔ ان چاروں نے زور سے اس کا نام پکارا۔
''اوئے عافی..... وہ چلی گئی، اب بل ٹھیک کر دو ورنہ اس ماہ کی سیلری سے ہم بے چاریوں کو ہاتھ دھونے پڑیں گے۔'' انہوں نے سرمستی سے کہا اور خوش فعلیاں کرتے ہوئے چلی گئی تھیں۔ عافی بہت خوش تھا لیکن..... دیکھ سکتا تھا بھلا کون یہ پیارے آنسو۔ وہ یہ بھی جانتا تھا وہ تنہا کہیں رو رہی ہو گی۔ اور شاید یہ اس کی آخری ملاقات ہو۔ بندگی ان چاروں سے چوکنی ہو گئی تھی۔ خیر جیسی بھی یہ تھی بالکل ویسی ان کی لیڈر تھی۔ اب فوکس میڈم گل پہ کرنا تھا۔

☆......☆......☆

وچن خوشی خوشی ٹیوشن پڑھا رہی تھی۔ دنیا کے سارے کام ایک طرف پڑھنے اور پڑھانے کا اس کا شوق ایک طرف..... فری اور دوری کی شامیں اب کاٹے نہیں کٹتی تھیں اس وقت وہ شان کے گھر رہنے کی عادی تھیں لیکن ان دنوں معاملات کچھ طول پکڑ چکے تھے۔ آنٹی نے انہیں یہاں آنے سے منع کر دیا تھا۔ وہ دونوں اب وچن کے اسٹوڈنٹ کے ساتھ کرسیوں پر بیٹھی سر جوڑے ہوئے تھیں۔ انہیں آنٹی سے یہ توقع بالکل نہیں تھی۔
''ہم نکالی جا چکی ہیں فری۔''
''ہاں دوری! ہماری بے عزتی بھی ہوئی ہے۔''

"ہاں فری۔لیکن ہم اس بے عزتی کا بدلہ بھی تو نہیں لے سکتی۔"

"ہاں دوری۔آنٹی اور شان کے بہت احسانات ہیں ہم پر۔" دونوں اپنی اپنی آپ بیتی بتا رہی تھی کہ ایک بچی اٹھ کر جانے لگی۔

"صبا!" اسے وچن نے پکارا تھا۔وہ روک گئی تھی۔

"بیٹا!تم روز آدی کلاس سے کیوں چلی جاتی ہو؟"

"مس!میں وہ باقی کی کلاس کا پنکی سے پوچھ لیتی ہوں۔"

"لیکن پنکی سے کیوں پوچھتی ہو۔اپنی کلاس مکمل کر کے جاؤ۔" وچن نے شفقت سے کہا تھا۔

"مس!وہ.....نماز کا وقت قضا ہو جاتا ہے۔مجھے نماز پڑھنی ہوتی ہے۔"

"ارے.....معافی چاہتی ہوں بچے۔تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔تم آئندہ سے یہاں نماز پڑھ لیا کرو۔"

"یہاں؟" بچی حیران تھی۔

"کیوں یہاں نماز نہیں پڑھی جا سکتی؟" وچن نے آرام سے پوچھا تھا۔

"نہیں مس!وہ.....آپ....."

"میں کیا؟"

بچی خاموش رہی۔

"میں نون مسلم ہوں تو کیا ہوا۔مجھے تمہارے یا کسی کے بھی یہاں نماز پڑھنے سے کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔"

"ہاں،ہاں!ہم بھی یہاں نماز پڑھتے ہیں۔" فری اور دوری نے ایک ساتھ کہا تو بچی خوش ہو گئی تھی۔وہ محلے کی نون مسلم بچیوں میں پہلی مسلم بچی تھی۔

"فری اور دوری!کل سے تم یہاں نماز کا اہتمام کرنا۔جو چیز بھی چاہیے ہو مجھ سے کہہ دینا۔"

"ہاں وچی!مطلب مس وچن!ضرور.....ہمیں یہ نیکی کا کام کرنے میں خوشی ہوگی۔"

دونوں آنٹی کی کی ہوئی بے عزتی بھول گئی تھیں۔ اب ان کا موڈ اچھا تھا۔ وجیہ کا اخلاق واقعی بہت بلند تھا وہ مذہبی پرکھوں میں پڑھنے سے پہلے اخلاقی سبق یاد کر لیتی تھی۔

''اخلاقیات کے مطابق، مذہب کا تعلق انسان کے دل اور اس کے جذبات سے ہوتا ہے۔ دوسروں کے جذبات کی قدر دانی اخلاق کی اول مثال ہے۔''

اس نے ماں جی کی جانب دیکھا۔ یوں تو فری، دوری اکثر ان کے گھر میں نماز ادا کرتی تھی لیکن یہ روزمرہ تو نہیں ہوتا تھا۔ اگر ایسا روز ان کے گھر میں ہونے لگا تو لوگ کیا کہیں گے۔ برادری کو بھی جواب دینا ہوتا ہے۔ کملا سوچ میں پڑ گئی تھی۔

☆......☆......☆

اب فری اور دوری نے بھی آنا چھوڑ دیا تھا۔ شان بھی خاموش رہنے لگا تھا۔ آنٹی کے گھر کی رونق کو نا جانے کس کی نظر لگ گئی تھی۔ یہ گھر اور وہ خود ان سب کی عادی ہو چکی تھی۔ فری اور دوری جیسے خلیق، خوش خو نفوس کا اس طرح چلے جانا گراں تو گزرا تھا لیکن وہ کیا کرتی۔

یہ سب اس سکی کے جانے کی وجہ سے ہوا ہے لیکن سکی کیوں گئی۔

اس کا جواب بھی تو صرف آنٹی کے ہی پاس تھا۔ فری اور دوری اپنی تحقیقات میں کچھ زیادہ ہی آگے نکل چکی تھی۔ گو کہ ان کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا۔ ان کی باتیں بچکانہ بھی جا سکتی تھیں۔ کوئی محض پرانی فلموں کی اسٹوریز کی بنا پر کیسے اپنی بات ثابت کر سکتا ہے۔ پر حقیقت تک جس طرح بھی جایا جائے پھر اسے سامنے لانا اتنا مشکل بھی تو نہیں ہوتا۔ نہ آتے آتے ان دونوں کو یقین آ گیا تھا کہ شان اور سکی کی لو اسٹوری میں ولن آنٹی تھی۔ اگر کسی روز شان کو اس بات کا پتا چل گیا تو......

وہ سمجھتی تھی کہ سکی کے چلے جانے سے ہر بات ختم ہو جائے گی۔ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا تھا انہیں لگتا تھا، سکی جیسی امیر لڑکی گھر میں بہو بن کر آ گئی تو شان کی ساری زندگی اس امیر لڑکی کے ناز اٹھانے میں اور اسے سہولیات مہیا کرنے میں گزر جائے گی۔ اس نے شان کو بڑی محنت سے پالا تھا۔ مشکل وقت دیکھے تھے۔ شان کی ذہانت ترقی کا ایک خواب تھی۔ جو سکی کی محبت کی وجہ سے ٹوٹتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ لیکن پہلے تو

صرف خواب ٹوٹا تھا اب تو اس کے بیٹے کا وجود ٹوٹ پھوٹ کا شکار لگتا تھا۔

اس نے ابھی جانے کا ٹھیک سے فیصلہ تک نہ کیا تھا کہ مغربی ممالک میں مشرقی باشندوں کے آنے پر پابندی عائد کر دی گئی تھی۔ موذی وائرس کی خبریں بدترین دردِ سر بنتی جاتی تھیں۔

شان نے قدرت کے اس فیصلے کو مان کر صبر تو کر لیا تھا لیکن ایسا صبر؟ کئی بار صبر آواز کے ساتھ ساتھ جذبات بھی کھا جاتا ہے۔ اب وہ کسی سے بات نہ کر سکتا تھا۔ بات کرنا چاہتا بھی تو......

آنٹی اس کا حال دیکھ کر خوف زدہ تھی۔ کہیں وہ پھر سے اس بات کا اثر نہ لے لیں۔ زیادہ محنت کرنے والے، کبھی نہ ہار تسلیم کرنے والے ذہین تو ہوتے ہیں لیکن نفسیاتی طور پر جیتنے والے ہارنے والوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ ان میں فوکس کرنے کی قوت عام انسانوں سے زیادہ ہوتی ہے۔ جو کبھی کبھی قدرتی طور پر اور کبھی کبھی انسانی مشق کی وجہ سے بہتر ہوتی جاتی ہے۔

شان کا فوکس صرف اور صرف پہ تھا۔ اب اس فوکس سے ہٹ کر کچھ اور کرنا اسے بے بس سا کر رہا تھا۔ وہ اس کی ماں تھی، اس کی سب ہی ذہنی کیفیات سے واقف تھی۔ سچ پوچھو تو وہ اس کے اندر کی کشمکش کی خبر رکھتی تھی۔ وہ اس کے غم واندوہ سے واقف تھی۔ اس کے رگ و پے میں چلنے والی کھینچا تانی، اس کے دل کی کشیدگی وہ سب سے واقف تھی لیکن وہ وہی تھی جس کی وجہ سے سکی سے اور سب کو چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ شان کچھ پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس نے بے دلی سے کتاب سائیڈ میں رکھ لی اور گھر سے باہر نکل گیا۔

اس کی ماں نے سر دیوار سے لگا لیا۔ اس کی آنکھوں میں وہ ملاقات یاد بن کر ابھر آئی۔ جب اس کی قید کے دوران وہ سکی سے ملنے گئی تھی۔ شان کی ماں کو دیکھنا جیسے شان کو دیکھ لینا تھا، وہ اپنائیت اور محبت سے ان سے ملی تھی۔ انہیں پاس بلایا تھا، ان کا ہاتھ بھی خوشی سے چوما تھا اور اظہارِ حال بھی کیا تھا کہ وہ کس قدر خوش تھی انہیں یہاں دیکھ کر۔

شان کی ماں کے چہرے کے عضلات کسی بھی قسم کی خوشی سے عاری تھے۔ وہ ان کا سخت رویہ دیکھ کر پہلے تو سمجھی تھی کہ آنٹی اس کے لیے فکرمند ہے اس لیے اس نے حوصلہ مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

''آنٹی! آپ فکر مند نہ ہوں، میں یہاں ٹھیک ہوں، قید زیادہ بڑی نہیں ہے، بس کچھ دن کی تو بات ہے، ہم سب پھر سے ساتھ ہوں گے۔ ہماری شامیں پھر سے آپ کے گھر میں گزریں گی۔ فری، دوری، شانی ہم سب پھر سے ساتھ ہوں گے۔'' اس نے فراغ دلی کا مظاہرہ کیا تھا۔

یہی تو میں نہیں چاہتی کہ سب پھر سے ساتھ ہوں۔

''کیا مطلب؟'' سکی کے چہرے سے مسکراہٹ غائب تھی۔

''مطلب یہ کہ میں تمہارے اور اپنے بیٹے کے بارے میں سب جانتی ہوں اور مجھے تمہارا اس سے ملنا، کسی بھی قسم کا تعلق رکھنا بالکل پسند نہیں۔''

سکی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ ''کیوں'' تک نہ پوچھ سکی۔

''میں نے بہت مشکلوں سے شان کو پالا ہے، پوسا ہے، اسے محنت کا عادی بنایا ہے، لیکن صرف اس کے لیے کہ ایک دن وہ اپنی پہچان خود بنائے۔ مجھے اس پر اس کی رفتار پر پورا یقین ہے وہ ایک قابل، ذہین، ہنرمند لڑکا ہے۔ میں نہیں چاہتی اس کا تعلق یا اس کا نام کسی ایسی لڑکی سے جڑے جو سزا بھگت رہی ہو۔''

''آنٹی، آنٹی! ایسا نہیں۔ میں اور شان سیریس ہیں۔ میں اس سے اور وہ مجھ سے......''

''لڑکی! تمہیں سمجھ کیوں نہیں آرہا۔ میرے بیٹے کا نام اپنے نام کے ساتھ مت لو اور تمہیں اس سے ملنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ورنہ میں تمہارے والدین کے پاس چلی جاؤں گی۔ انہیں بتاؤں گی کہ ان کی پرورش میں کمی رہ گئی ہے۔ ان کی بیٹی صرف اگزام فکسنگ ہی میں نہیں، شریف لڑکوں کو پھنسانے کے جرم میں بھی ملوث ہے۔'' آنٹی کے الفاظ آج فقط الفاظ نہ تھے، دل آزار تھے۔ ان کا لفظ لفظ دل چیر تھا۔

''آنٹی! یہ آپ......؟'' اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ شان کی ماں اس کے آنسوؤں کی فکر کیے بنا چلی گئی تھی۔ آنٹی کا انداز۔ اوف توبہ......

اور سکی...... اس کی تو جیسے کھڑے کھڑے دنیا بدل گئی تھی۔ وہ بتا نہیں سکتی تھی وہ شان سے کتنی

محبت کرتی تھی اس کی محبت تھی جو وہ یہاں آنے کے بعد بھی زندہ تھی۔ اتنے طعنے، اتنی باتیں، اتنی شرمندگی، یہ سزا اس سب کو جھیلنا اس کم سنی میں آسان نہ تھا لیکن یہ تو اس کے دل میں بسی پہلی سی محبت کا ارمان تھا، جو دنیا کی پریشانیوں سے بھاگ کر خیالوں میں زندہ رہتا۔ ان آفتوں سے دور، ان نامساعد حالاتوں سے پرے محبت کے جہاں میں جہاں شان اور وہ ساتھ رہتے۔

شان کی ماں نے آ کر وہ محبت کا جہاں، جس میں اس کی محبت آباد تھی۔ اسے برباد کیا تھا، اس کے دل کی آسودگیاں بھٹکنے لگی تھیں۔ شان کی ماں اچھی طرح جانتی تھی سکی کے والدین کس اذیت سے گزر رہے ہیں۔ وہ بیٹی کی وجہ سے شرمندہ ہوئے ہیں اور اب ایک اور صدمہ۔

یہ صدمہ سکی کبھی اپنے والدین کو نہیں دے گی۔ یہی ہوا تھا۔ شان ملاقات کے لیے جاتا اور وہ نہ ملتی۔

وچی نے بتایا تھا۔ بہت پریشان رہتی ہے۔ شان نے سوچا تھا۔ یہاں رہنا مشکل ہوتا جاتا ہے اس کے لیے۔

شان سوچتا تھا، سب سوچتے تھے کہ جب وہ باہر آئے گی سب ٹھیک ہو جائے گا۔ لیکن وہ تو......؟

شان کی ماں اسی جگہ پر بیٹھی تھی۔ وہ دروازہ کھول کر اندر آیا تھا۔ آتے ہی کچھ تلاش کر رہا تھا وہ اٹھ کر اپنے بیٹے کے پاس آئی وہ اب کچھ تلاش کر رہا تھا۔

"کیا چاہیے شان۔ کیا ڈھونڈ رہے ہو؟"

"میرا پین نہیں مل رہا امی۔"

"وہ کالے رنگ والا؟"

"ہاں وہی۔"

"تمہاری پوکٹ میں تو لگا ہے۔"

"پوکٹ میں۔" اس نے سینے کی جیب میں ہاتھ رکھ کر تسلی کی۔

"ہاں یہاں ہے۔" وہ یہ کہہ کر جانے لگا تھا۔

"شان!" ماں کے پکارنے پر وہ رکا تھا۔

''تم جانتے ہو نا تم پہلے بھی ذہنی اذیت سے گزر چکے ہو۔ تم نے ایک ہی بات کو کیوں پکڑا ہوا ہے شان۔'' اس نے بیٹے سے سخت لہجے میں بات کی تھی۔ وہ غصے میں بھی لگتی تھی۔

''فکر نہ کریں۔ اس بار پاگل نہیں ہوں گا۔''

''اللہ نہ کرے۔ ایسا مت کہو۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

وہ ماں کو اس طرح مایوس دیکھ کر سامنے مایوسی سے بیٹھ گیا۔

''آئی ایم سوری امی.....''

''جب معافی مانگ رہے ہو تو یہ بھی پتا تو ہو گا کہ جو کر رہے ہو، غلط کر رہے ہو۔''

''میں کیا کر رہا ہوں امی! مجھے اسی بات کا تو افسوس ہے، کہ میں کچھ کر نہیں پا رہا۔ تم سب کچھ کر سکتے ہو شان؟''

''اگر میں سب کر سکتا ہوں امی تو یہ احساس نامکمل کیسا؟ میں تو خود میں خود کو تلاش نہیں کر پا رہا۔ میں نہیں بتا رہا امی کہ میں کس اذیت میں ہوں۔''

''کیونکہ تم انتظار میں ہو شان۔ یہ ایک نہ ختم ہونے والا انتظار ہے۔ وہ کبھی نہیں آئے گی۔''

''نہ ختم ہونے والا انتظار۔ یہ انتظار بھی تو اسی سے وابستہ ہے امی۔ مجھے یہ انتظار بھی اتنا ہی عزیز ہے جتنی کہ وہ۔'' شان نے ماں کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا تھا۔ اس کی آنکھیں ماں سے دل کی بات کرتے ہوئے بھر آئی تھیں۔

''امی! آپ دعا کریں وہ کسی طرح آ جائے۔ آپ دعا کرتی ہیں نا؟ فری اور دوسری میرے سامنے دوست سب دعا کر رہے ہیں لیکن انتظار ختم نہیں ہو رہا۔'' اس نے افسردگی سے سر امی کی گود میں رکھا تھا۔ اس کی آنکھ کے آنسو اس کا دامن بھگو رہے تھے۔ اپنی اولاد۔ اکلوتی اولاد کے آنسو جب دامن بھگوئے تو ماں کا دل کیسے یہ سب برداشت کر لیتا ہے وہ وہی جانتی ہے اور افسوس تو یہ تھا۔ ان آنسوؤں کی وجہ بھی وہی تھی جس کا دل تڑپ رہا تھا لیکن اب خاموش تھے۔

☆......☆......☆

آج سنڈے کی ایک شام تھی، دل پر بے وجہ سی اداسیوں کا ایک قہر سا اترا تھا۔ آج چند ررات کا بھی دن نہ تھا۔ وہ حسن ابدال میں موجود تھی۔ وچن نے زگ زیگ ڈیزائن کی اورنج اور ریڈ کلر کی ساڑھی پہنی تھی۔ اور بال کھلے چھوڑے تھے۔ گوردوارے سے متھا ٹیکنے اور سوا کرنے کے بعد وہ بابا ولی قندھاری کے دربار کی سیڑھیوں کے سامنے کھڑی تھی۔ ہوا اس کے کھلے بالوں کو اڑا رہی تھی۔ اس نے ایک ننھا سا کیچر ہینڈ بیگ سے نکالا اور ہوا میں اڑتے بالوں کو ذرا قابو کیا۔ وہ چار سو سیڑھیاں عبور کرنے کے لیے تیار تھی۔

وہ بچپن سے یہاں آتی رہی تھی۔ آج بھی سب کچھ ویسا ہی تھا۔ وہی رونق، وہی لوگوں کی چہل پہل، اسٹالز اور دستی اشیاء فروخت کرنے والے بچے۔ سب کچھ وہی تھا لیکن وہ ہشاش بشاش سی نہ تھی۔ ابھی بیس سیڑھیاں ہی چڑھی تھی کہ وہ کونے میں بیٹھ گئی۔ ایک مانوس چہرے والی عورت نے پاس آ کر پوچھا تھا:

''کیا ہوا بیٹی؟''

''کچھ نہیں ماں جی۔ بس تھک گئی ہوں۔''

''ابھی سے۔'' وہ بس بیس بائیس سیڑھیوں پر تھیں۔ ''ابھی تو بہت اوپر جانا ہے بیٹی اور پھر نیچے بھی آنا ہے۔''

وچن نے مسکرا کر ہاں کہا۔

''لگتا ہے بہت تھک گئی ہو۔ ذرا سا آرام کر لو تو سفر شروع کرنا۔''

''بہت تھک گئی ہو'' اسے عورت کی بات سن کر کسی کی یاد آئی تھی۔

''کاش کہ کبھی تم بھی تھک جاؤ۔ تم کب تھکو گی وچن؟''

''عافی! کبھی نہیں۔ تم ہی تھکتے رہو گے۔ اور میں تھکاتی رہوں گی۔''

''بہت بے رحم دوست ہو تم وچن۔''

''نہیں۔ اتنی بھی بے رحم نہیں۔ تم گزارش کرو گے تو روک سکتی ہوں۔'' وہ فوراً رکی تو عافی لڑکھڑا یا تھا۔ وہ واقعی تھکا ہوا تھا۔

"اُف وچن! تمہارا چلنا بھی خطرناک اور رکنا بھی۔" وہ عافی کی حالت دیکھ کر خوب ہنسی تھی۔ اور اب بھی ہنسی جا رہی تھی۔ عافی کی یاد ذہن کے جیسے کسی کوزے سے اچانک ہی برآمد ہوئی۔ وہ پھر سے تروتازہ ہو کر سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

"عافی! کہاں ہو تم۔ یہاں کے ذرے ذرے میں تمہاری یادیں بستی ہیں۔" دوست نے دل سے دوست کو پکارا تھا یا پھر اس پہاڑی سے ان کی دوستی کا جو ناتا تھا وہ ناٹوٹنے والا تھا کہ آگے کی چند سیڑھیوں کے بعد کے راستے پر عافی، وچن کو اسی جگہ نظر آیا جہاں وہ اکثر بیٹھ کر باتیں کیا کرتے تھے۔

"عافی!" وہ فوراً اس کی جانب قدم بڑھانے لگی۔ عافی بھی اسے دیکھ کر سیدھا ہوا تھا۔

"کیسے ہو عافی؟" اس نے خوشی سے پوچھا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر بالکل تروتازہ سی ہو گئی تھی۔

"کیسا لگ رہا ہوں وچن؟"

وچن نے اسے سر سے پا تک دیکھا۔ اس نے عام سا کرتا پہنا تھا اور بہت ہی سستی سی چپل پہنی تھی۔ شیو بھی ذرا سی بڑھی تھی اور بالوں کی تراش میں بھی وہ پرانی نزاکت نہ تھی۔

"درزیوں کے ملازم ہی لگ رہے ہو، لیکن ایسے جیسے درزیوں کے کپڑے اٹھانے کی اجازت نہ ہو۔"

"ہاہاہا۔ وچن اور اس کی باتیں۔"

"آئی مس یو عافی۔"

"سیم ٹو یو وچن۔" اس نے ناک کو ذرا سا کھینچ کر کہا اور اسی جگہ بیٹھ گئی جہاں بیٹھ کر وہ باتیں کیا کرتے تھے۔

"تم میرے بلانے پر نہیں آئے عافی۔" وچن نے شکایت کی تھی۔

"ڈرتا ہوں، تمہاری خوشیوں کو میری نظر نہ لگ جائے۔"

"دعا گو رہنے والے کب بدنگاہ ہوتے ہیں۔" اس نے سوال پوچھا تھا تو شاید اس کی پہاڑی کی ہوا نے بھی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔ ایک تیز ہوا کا جھونکا ان سے ٹکرایا تھا۔

"تم نہیں جانتی وچن! نظریں تو اپنوں کی بھی لگتی ہیں۔"

''کچھ بھی کہہ دو عافی، تمہیں آنا ہی پڑے گا۔ میں تمہیں وہاں سے زیرو سے اسٹارٹ کرنے نہیں دے سکتی۔''

''اگر میں کہوں میں خوش ہوں وہاں۔''

''کہتے رہو میں نہیں مانوں گی۔''

''اگر میں کہوں وہاں میری خوش نصیبی سے ایک گل بیوٹی پارلر ہے اور......''

''اور کیا عافی؟'' وہ غیر یقینی کی کیفیت میں مسکرائی تھی۔ پہاڑوں سے ہوا ٹکرا ٹکرا کر ان کے وجود سے ٹکرا رہی تھی۔

''کیا بندگی وہاں ہے؟'' اس نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا تھا۔

اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر اپنی آنکھیں ہاں میں جھپکائی تھیں۔

''سچی۔'' غیر یقینی سی خوشی اس کے چہرے پر اُمڈ آئی۔

''مجھے پتا تھا تم جتنی محبت اس سے کرتے ہو، وہ اس محبت سے دور نہیں رہ سکتی۔ آخر محبت ایک طاقتور جذبہ ہے۔'' وہ ہمیشہ کی طرح نان اسٹاپ بولنے لگی تھی۔ عافی کو ایک منٹ کے لیے بھی احساس نہیں ہوا۔ وہ اتنے دنوں کے بعد مل رہے تھے۔ کس قدر دوریاں تھیں۔ کتنا فاصلہ تھا، کوئی کانٹیکٹ نہیں تھا۔ دونوں بڑے بڑے دکھوں سے گزرے تھے۔ وہ جیل کاٹ آئی تھی۔ وہ اپنا سب کچھ زندگی کو بخش آیا تھا۔ یوں لگتا تھا آج تک وہ بند دل لیے جی رہے تھے، آج دل صحبت دوستانہ میں کھل سا گیا تھا۔

''وچن! بندگی مجھے دیکھنا نہیں چاہتی۔''

''وہ تمہیں چھپ چھپ کے دیکھتی جو ہوگی۔''

''نہیں وچن! تم غلط سمجھ رہی ہو۔ بندگی مجھ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔''

''بات کرنے کی ضرورت کیا ہے عافی! دل کی باتیں آنکھوں سے کی جاتی ہیں۔''

''وہ مجھ سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی۔''

''تعلق تو پہلے سے قائم ہے۔ محبت کا تعلق۔ تم اس سے محبت کرتے ہو اس سے بڑا تعلق اور کیا ہوگا۔''

عافی نے سر پکڑ لیا۔ وچن اس متعلق خوش فہم ثابت ہو رہی تھی۔

''تم دیکھ لینا عافی، وہ بہت جلد تمہاری کسی بات کو رد نہیں کرے گی۔ اب تم وہیں رہو۔ میں ایجنسی کا کام دیکھ لوں گی۔ لیکن یاد رہے اگر تمہاری شادی بندگی سے ہو جاتی ہے تو تم مجھے ٹریٹ دو گے اور وہ ٹریٹ ہو گی، ایجنسی کا کام سنبھالنا۔''

''اتنی بڑی ٹریٹ کون دیتا ہے؟ اور یہ کیسی ٹریٹ ہے؟''

''عافی دیتا ہے ایسی ٹریٹ۔ اور عافی دے گا۔'' اس نے جیسے اپنا فیصلہ سنایا تھا۔ وہ عافی کو اس چھوٹی سی دکان میں زیادہ دیر تک نہیں دیکھ سکتی تھی۔

''اچھا ٹھیک ہے، اب کچھ اپنی بھی تو سناؤ۔ تمہارا کیا حال احوال ہے؟''

''عافی! میں ٹیوشن پڑھا رہی ہوں۔'' اس نے خوشی سے کہا تھا۔ ''محلے کے سارے بچے آتے ہیں، اب تو آس پاس کے محلوں سے بھی بچے آ رہے ہیں لیکن۔'' وہ لیکن کہہ کر ذرا اداس ہوئی تھی۔ اس کے بال ہوا کی وجہ سے بکھر گئے تھے۔

''لیکن کیا وچن؟''

اس نے کیچر بالوں سے نکال کر پھر سے بال باندھے اور کہا۔ ''وہ ساسوں ماں۔''

''کملا آنٹی!'' عافی حیران ہوا تھا۔ ''اب تو تمہارے درمیان سب کچھ ٹھیک تھا نا۔''

''جب سب کچھ ٹھیک ہوتا ہے نا، تو بھی کوئی نہ کوئی سوئی چبھتی رہتی ہے اور میری ساس تو سوئی نہیں ''سوا'' ہے۔''

''ہاہاہاہا۔'' عافی دل کھول کے ہنسا تھا۔ وہ آج بالکل پرانی وچن لگ رہی تھی۔ ہمیشہ کی طرح عافی خود کو پوچھنے سے نہ روک پایا۔ ''کیا ہوا؟ لڑ کر آئی ہو ساس سے؟''

''ہاں۔ بس لڑائی ہو گئی ہماری۔''

''لیکن کیوں؟ کملا آنٹی تو سویٹ ہو گئی ہیں۔''

''وہ آج بھی سویٹ ہیں لیکن ساس بھی تو ہیں۔''

''ہاہاہا۔'' وچن کا انداز دل جلوں والا تھا۔ ''اچھا اب بتاؤ گی بھی کیا ہوا ہے۔ سب کچھ ٹھیک تو ہے نا؟''

''سب کچھ ٹھیک تھا، اب تو ایجنسی کا کام بھی بہت بہتر ہو گیا تھا۔ دیپک کو بھی ان کی غلطیوں کا احساس ہو گیا تھا، میں ٹیوشن پڑھا رہی تھی۔''

''تو جب سب صحیح تھا تو؟''

''وہی پرانا مسئلہ۔ مذہب۔''

''کیا آنٹی کب سے ایسی ہونے لگیں۔ کیا انہیں ٹیوشن پڑھانے پر اعتراض ہے؟''

''نہیں! گھر میں نماز پڑھانے پر......''

''اوہ'' عافی سب کچھ سمجھ گیا تھا۔ زیر لب تبسم سی تھی۔ وچن ساس کی برائی کر رہی تھی۔ ''کہتی ہیں محلے والوں کو جواب کیا دوں گی؟ ہمارے بارے میں لوگ کیا کہیں گے۔''

''تمہیں پتا ہے عافی! ہم سب سمجھتے ہیں کہ ہم مذہبی ہیں، ہم اپنے اپنے مذہب کو جانتے ہیں اور اس لیے یہ جانتے ہیں کہ نظام کائنات چلانے والا کوئی نہ کوئی ہے لیکن اگر ہم سب مذہبی نہ ہوتے کسی کو کسی کے مذہب کا پتا نہ ہوتا تو خدا کا پتا نہ ہوتا۔ خدا تو دل میں رہتا ہے نا؟ دل میں رہنے والے کا پتا کیسے نہیں چلتا۔ اور جب پتا ہے کہ سب کے دل میں وہ ہے تو دل میں ایسی نفرتیں کیوں؟

ہمیں لگتا ہے خدا کے تصور کے ذمے دار مذاہب ہیں لیکن اگر دنیا میں ایک بھی مذہب نہ ہوتا تو کیا ہمیں پتہ نہ چلتا کہ خدا ہے؟ پتا چلتا ضرور پتا چلتا، کوئی ہمیں بتانے والا نہ ہوتا بھی تو پتا چلتا کہ خدا ہے۔ کیونکہ خدا ہمارے دل میں رہتا ہے۔ ہمیں کیسے ہمارے دل میں رہنے والے کا پتا نہ چلتا۔''

عافی کیا کہتا۔ یہاں کون ایسا تھا جو وچن کی مانند سوچتا تھا۔ وہ صرف کملا آنٹی کے برتاؤ کو غلط کیسے قرار دے۔ کوئی بھی ایک مذہب رکھنے والا دوسرے کے مذہب کو اپنے گھر میں برداشت نہیں کر سکتا۔

''تو کیا کروں؟ دوسروں کے جذبات کو نظر انداز کروں؟ کیا جو کبھی نہیں کیا وہ کر لوں؟ اخلاق کے سارے سبق بھول جاؤں؟''

عافی اس کے سوالوں کو سن کر سن میں پڑ گیا۔ یہاں آ کر مسلم اور غیر مسلم کی دوستی اکثر اوقات پھنس جاتی ہے لیکن وہ عافی تھا جو کھلی سانس لینا جانتا تھا جسے اسپیس کریٹ کرنا آتا تھا، جو مذہب اور دوستی کو مکس نہ کرتا تھا۔ وہ دوست بن کر پوچھ رہی تھی تو وہ دوست بن کر مشورہ دینے کے لیے سوچ رہا تھا اور پھر کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے کہا۔

"سینٹر کو گھر سے شفٹ کر کے کہیں اور لے جاؤ، یہی تمہارے مسئلے کا حل ہے وچن۔"

"او..... ویٹ از گریٹ عافی، میں نے ایسا کیوں نہیں سوچا۔ میں اب ایسا ہی کروں گی۔" وہ خوش ہو گئی تھی۔

"اوپر چلیں۔"

"ہاں چلو چلیں۔" بس کہنے کی ہی دیر تھی وہ پھرتیلی لڑکی اپنے انداز دکھا چکی تھی۔

"آہستہ وچن آہستہ۔"

"تمہارے ساتھ اسپیڈ بریک نہیں لگا سکتی عافی۔"

"تم تو بے بریک ہو وچن۔"

"بے بریک..... ہاہاہا۔" وہ ساڑھی کے پلو کو لہرا کے مسکرائی تھی اور ہاتھ سے اسے آگے بڑھنے کا اشارہ کر کے اوراوپر چلی گئی تھی۔ "میں کبھی تمہاری رفتار کے ساتھ اپنی رفتار نہیں ملا سکتا۔"

وہ ہانپ رہا تھا، وچن اسے تھکا دیتی تھی اور نہ صرف تھکا دیتی تھی بلکہ تھکا تھکا کر خوش ہوتی تھی اور جتنا بھی تھک جاتا تھا وچن کو خوش دیکھ کر اسے خوشی ہوتی تھی۔ وچن اسے پیچھے چھوڑ جانے پر خوش ہوتی اور وچن سے پیچھے رہ جانے پر خوش ہو لیتا۔

☆......☆......☆

وہ پھر ہوا کی مستی کے ساتھ مستی میں گم صنوبر کے درختوں کے درمیان سے گزر رہا تھا۔ آج بھی اسے خط پوسٹ کرنا تھا۔ ایک ایسا خط جس کا جواب بھی ان پرانے لکھے خطوط کی مانند کبھی نہ آنا تھا۔ نا جانے دل کب اس سلسلے کو ختم کرنے کا حکم جاری کرے گا۔ اس نے راہ میں پڑے پتھر کو زوردار ٹھوکر

مارتے ہوئے سوچا۔ ''تم کسی اور کی ہونے والی ہو سکی۔ پھر بھی دل کیوں تمہارا ہے؟''

''یہ کیسا کبھی نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے جو ہمارے درمیان اس طرح شامل ہے جو فقط مجھے ہی نظر آتا ہے۔ تمہیں کیوں نہیں نظر آتا؟ تم کیوں اس سلسلے کو محسوس نہیں کر سکتی؟ یا پھر یہ سلسلہ اب صرف میرا مقدر ہے۔ تم اس سے آزاد ہو چکی ہو۔ جس ڈور میں ہم تم بندھے تھے وہ ڈور تمہاری جانب سے اکھڑی ہے۔ اس بندھن کا ناطہ تمہاری طرف سے ٹوٹا ہے سکی۔'' اس نے خط لکھ کر ہمیشہ کی طرح گلابی لفافے میں ڈالا اور سکی کے گھر کے باہر لگے لیٹر باکس میں ڈالا تھا۔ آج وہ وہاں نہ رک پا رہا تھا۔ دل میں عجیب سی ٹوٹ پھوٹ سی چل رہی تھی۔ اس کے سکی کو حاصل کرنے کے تمام دریچے بند ہو چکے تھے۔ وہ خود کو خالی ہاتھ رہتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

موذی وائرس کی خبریں بری سے بری ثابت ہو رہی تھیں۔ ہر سو اداسی تھی، کہیں چلتی پھرتی زندگیاں منجمد ہو گئی تھیں۔ اور کہیں زندگی رہی ہی نہ تھی۔ اللہ کا شکر تھا اب تک ہمارے ملک کو اس خوف کی آگ نہ لگی تھی لیکن اب تک کوئی نہیں جانتا کہ یہ خوف کی آگ نا جانے کتنوں کو جلا کر بھسم کرنے والی تھی۔ ٹی وی پر خبریں جاری تھیں، موذی وائرس کے خوف نے انگلینڈ بھر کو جیسے ڈس رکھا تھا، ایک ایسی ناگن کی طرح جو بس سر پر منڈلا رہی تھی۔ کوئی بھی بچ نہ پا رہا تھا۔ چین پر اس وائرس کے مرکز کا الزام آئے دن خطرناک صورت اختیار کر رہا تھا۔ دسمبر 2019ء میں دریافت شدہ وائرس منتقلی کی حدوں کو تیزی سے پار کر رہا تھا۔ یہ ایک epidemic مرض تھا جو دنیا بھر کو اپنی لپیٹ میں لینے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ لوگ اس وبا کے اثر میں اس قدر آتے جا رہے تھے کہ گنتی کرنا مشکل ہوتا جاتا تھا۔

ایسے میں سکی وہاں تھی۔ شان کا دل بیٹھا جا رہا تھا جیسے اس کا دل یہاں اور دھڑکن وہاں تھی۔ وہ چہل قدمی کرتے کرتے رک سا گیا۔ دل جب زیادہ ڈرتا ہے تو ہاتھ دعا کے لیے اٹھتے ہیں۔ اس نے بھی اپنے ہاتھ جیکٹ سے نکال کر دعا کے لیے اٹھا دیے۔ آج اس نے سکی کو پہلی بار اپنے لیے نہیں بلکہ اس کے لیے مانگا۔ آج اسے احساس ہو رہا تھا کہ کسی کو پا لینا، اپنا بنا لینا ہی کافی نہیں ہوتا۔ محبت کا دم تو محبوب کے ہونے سے ہوتا ہے۔ آج اسے احساس ہو رہا تھا کہ سکی کا یہاں ہونا یا وہاں ہونا اس کے

لیے معنی نہیں رکھتا، معنی رکھتا ہے تو اس کا ہونا۔ شان نے آج صرف اور صرف سکی کی زندگی مانگی۔
وہ اپنی دعاؤں کیا اثر میں تھا کہ اس کا فون بجا تھا۔ فری کی کال تھی ویسے دوری کی بھی ہو سکتی تھی۔ وہ دونوں کب ایک دوسرے سے جدا ہوتی تھیں۔ اس لیے دونوں کے ہاتھوں جو موبائل لگتا وہ اٹھا کے کال کر لیتی۔ اور اب بھی یہی ہوا تھا۔ کال فری کے نمبر سے تھی اور آواز دوری کی۔ دونوں بہت ایکسائیٹڈ اور مسحوری لگ رہی تھیں۔

"کیا ہوا ہے۔ لاٹری لگی ہے کیا؟"

"ہماری شکلیں ہیں لاٹری لگنے والی۔" ان کا جواب تھا۔

"لاٹری شکلیں دیکھ کے نکلتی ہیں کیا فری؟"

"ہاں دوری۔ ہماری نہیں نکلی تو شکلیں دیکھ کر ہی نکلتی ہوں گی۔" دونوں نے اپنے اپنے چہرے کو چھوتے ہوئے مستی سے کہا تھا۔ شان نے ان کی حرکت پر نفی میں سر ہلایا۔ یہ دونوں کبھی نہیں سدھرتی تھیں۔

"ویسے شکلیں تو پھر بھی میک اپ وغیرہ کر کے ٹھیک کروائی جا سکتی ہیں لیکن اگر لاٹری وژن دیکھ کر نکلتی ہوں تو پھر......"

"تو پھر تو ہماری کبھی نہیں نکلے گی۔" دونوں نے زبردست قہقہے کی موجودگی میں ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہا تھا۔

شان بھی اس طرف مسکرا دیا تھا۔

"اچھا بتاؤ فون کیوں کیا تھا؟"

"ابھی ابھی یونائیٹڈ کنگڈم کے متعلق خبر سننے میں آئی ہے۔ وہاں سے غیر ملکیوں کو وطن واپسی کا پروانہ مل چکا ہے۔"

"کیا؟"

"سکی بھی آتی ہوگی شان یا ہو سکتا ہے آ چکی ہوگی۔"

خبر تھی یا شادمانی؟ اس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔ دوران نظا خون میں جیسے تیزی آ گئی تھی۔ یقین

وبے یقینی کی اس خبر میں اس کے قدم الٹے سیدھے پڑ رہے تھے۔وہ دیوانہ وار بھاگ کر صنوبر کے درختوں کو کراس کر رہا تھا۔اس کا تنفس تیز ہو چکا تھا۔سکی کی آمد کی خبر جیسے بجلی بن کر اس پر گری تھی۔وہ برق رفتاری سے لیٹر باکس کی طرف آیا۔اس نے دیکھا تھا وہاں اس کے لکھے گئے خطوط کے لفافے ذرا پھولے ہوئے لگ رہے تھے۔اس نے کانپتے ہاتھوں اور دھڑکتے ہوئے دل سے ایک لفافہ کھولا۔بظاہر تو اس میں ایک ہی خط تھا۔اس نے خط کی تہوں کو کھولا تو کاغذ کے اندر سے ایک اور کاغذ دریافت ہوا اور دریافت ہوتے ہی پھسل کر شان کے قدموں میں آن گرا۔

”I am very sorry“ بڑے بڑے اکھروں میں لکھا تھا۔وہ ان اکھروں کی شناخت کر سکتا تھا۔ایک سکی ہی تھی جو انگریزی کے لفظ ”y“ کو اس انداز میں خم دے کر لکھتی تھی۔اس کے دل کی دھڑکنوں میں شدید اتھل پتھل تھی۔اسے ابھی تک روبرو نہ دیکھا تھا کہ یہ حال تھا۔نا جانے اس کا سامنا ہو جانے پر کیا حال ہوگا۔وہ دھڑکتے دل اور کانپتے ہاتھوں کے ساتھ سوچ رہا تھا کہ محبت میں مر کر مٹ جانے والے محبت میں مرتے تھے یا محبوب کو دیکھتے ہی دم نکل جاتا ہوگا۔

اس نے خود کو کھڑے رکھنے کے لیے لیٹر باکس کا سہارا دیا اور ایک اور لیٹر وہاں سے نکالا۔یہ خط بھی پھولا ہوا لگ رہا تھا۔اس کی تہوں پر بھی ایک معافی نامہ موجود تھا۔وہی الفاظ،وہی انداز۔

اس نے اس کے معافی نامے کو سینے سے لگا لیا۔ہونٹوں سے چھو لیا۔آنکھوں سے بھگو لیا۔

وہ معاف کرنے یا معاف نہ کرنے کے مرحلے پر تو کبھی تھا ہی نہیں۔وہ تو خود سزا کاٹ رہا تھا۔سکی سے جدائی کی سزا۔سزا یافتہ بھی خطا کار بھی اور شاید اس کا گنہگار بھی۔اس نے نم و بند آنکھوں سے اپنے اندر چلتے جذبوں کے طوفان کو ذرا اپنے قابو میں کیا۔آنکھیں کھولیں،آنسو پونچھے،لمبی سی سانس لی،خدا کا شکر کیا اور اوپر دیکھا۔سکی اپنے کمرے کی کھڑکی پہ ساکن کھڑی تھی۔لمحے یوں بھی ٹھہر جاتے ہیں۔وقت کبھی کبھی کسی کسی کے لیے اپنے مزاج سے برعکس ثابت ہو کر رک بھی جاتا ہے۔ہوائیں بھی جیسے بے آواز ہو کر دبے پاؤں ہو کر چلتی ہیں۔

اس نے فل سلیو موٹے شنیل کی ڈارک براؤن شرٹ اور براؤن کلر کی جینز پہنی تھی۔ننھے کیچر کی

مدو سے آگے کے بال سر کے وسط سے ذرا برابر پیچھے باندھے تھے۔ بے شک وہ آج فرنگی وضع اختیار کیے ہوئے تھی لیکن! وہ اپنی سکی کو دیکھ سکتا تھا۔ اس فاصلے کے باوجود دیکھ سکتا تھا۔ اس کی نم آنکھوں کو، اس پر بیتے کرب کو، جدائی کے تیر اس پر کیا کیا ظلم ڈھاتے رہے تھے وہ اس کے چہرے پر صاف ظاہر تھے۔ وہ اس تڑپ کی جھلکیاں اس کے چہرے پر واضح طور پر دیکھ سکتا تھا جس تڑپ سے وہ گزر چکی تھی۔ اس نے پل بھر کے لیے بھی پلکیں نہ جھپکیں اور فلمی انداز میں باہیں پھیلا دیں۔

سکی کس حسرت سے بت بنی کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کا تو بیان ہی مشکل تھا۔ روتے روتے اب اس کی سسکیاں بن چکی تھیں۔ آنسوؤں کے درمیان سیلاب سا برپا کر رہے تھے۔

"Go sakina go! he is standing for you my child" سکی کی ماں نے اس کے قریب آ کر اس سے کہا تھا۔ اس نے ماں کی آنکھوں میں دیکھا اور جیسے پھر سے آنکھوں ہی آنکھوں میں پوچھا تھا۔

"کیا میں جا سکتی ہوں؟"

"جاؤ بیٹا۔ چلی جاؤ۔ وہ تمہارے لیے ہی آیا ہے۔" سکی کی ماں نے کہا اور سکی کے ڈیڈی کی جانب دیکھا تھا۔ وہ سگار سلگائے بیٹی کی محبت میں آنکھیں بھگوئے کھڑے تھے۔ سکی کی ماں کی جانب دیکھ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں قدرے خاموشی سے انہوں نے ہاں میں ہاں ملائی اور بیٹی کو جانے کی اجازت دی۔

سکی کے کھڑکی پر سے ہٹ جانے کی وجہ سے شان نے مایوسی سے قدم پیچھے ہٹا لیے۔ وہ اسے اس کی ماں سے باتیں کرتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ جس طرح وہ اپنی ماں کی بات مان کر سکی سے ملنے انگلینڈ نہیں جا سکا تھا اسی طرح سکی کو بھی اپنے والدین کی فرماں برداری کا مکمل اختیار تھا۔ اس نے رخ موڑ لیا تھا۔ شاید وہ ان صنوبر کے درختوں کو آخری بار کراس کر رہا تھا۔ اس کے بعد، آج کے بعد وہ پھر کبھی یہاں آنے کا حوصلہ نہیں جٹا پائے گا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔

فری اور دوسرا ایسا حقیقی منظر کبھی ہاتھوں سے جانے نہ دے سکتے تھے۔ وہ ریشے سے پھنس پھنس

کر نکل رہی تھیں کہ شان انہیں مایوس سا آگے کی جانب بڑھتے ہوئے نظر آیا تھا۔ وہ دونوں رکشے سے اتر کر جیسے موقع کی نزاکت میں پھنس سی گئی تھیں۔

''کیا ہوا ہوگا؟ کیا سکی نہیں آئی فری۔''

''ہاں سکی نہیں آئی دوری۔''

''بیبیو! پیسے تو دے دو۔'' رکشے والے نے ہارن بجا کر کرایہ وصولی کی صدا لگائی۔ فری کے ہاتھ میں پانچ سو تھے۔ اس نے رکشے والے کو دے دیئے۔ رکشے والا چینج گن رہا تھا۔

''سکی نہیں آئی دوری تو مجھے کوئی اس کی طرح کی لڑکی وہاں سے آتے ہوئے کیوں نظر آ رہی ہے۔''

''ہاں فری۔'' دوری نے آگے ہو کر کہا اور آنکھوں پر ہاتھ جا چھجہ بنا کر دیکھا۔

''ہا! ہو! ہوں ہوں۔ دوری۔ وہ سکی ہی ہے۔''

''ہاں دوری۔ وہ سکی ہے۔''

''چینج لے لو۔'' رکشے والے نے کہا تھا۔ وہ رکشے والے کو نظر انداز کر کے آگے بڑھیں۔ دونوں کی خوشی اور حیرت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

''چینج لے لو بی بی۔''

وہ آگے بڑھ رہی تھیں۔

''چینج لے لو بی بی جی۔''

''ارے چینج رکھ لو نا بابا۔ کیوں فری۔''

''ہاں دوری۔''

رکشے والا چلا گیا تھا۔ ''بڑی عجیب لڑکیاں ہیں۔''

''اس نے ہمیں عجیب کہا دوری۔''

''ہاں فری۔ لیکن چھوڑو اسے۔ سکی آ رہی ہے۔ شان بھی ہماری جانب آ رہا ہے۔''

وہ آواز دے کر شاید شان کو روکنا چاہتی ہے لیکن شاید اتنے دنوں سے خود کو شان کا نام لینے سے

روکتے رہنے کی وجہ سے اس کی زبان سے اس کا نام لیا نہیں جا رہا تھا۔

''ہاں دوری۔ شان بھی مڑ کر نہیں دیکھ رہا۔ شاید بہت ہمت جتا کر یہاں سے نکلنے کا سوچ رہا ہے۔''

''ہاں فری۔ وہ بے حد مایوس نظر آ رہا ہے۔''

''لیکن کیوں دوری۔ سکی تو آ گئی ہے۔''

''ہاں دوری۔ سکی تو آ رہی ہے۔ کاش شان پیچھے مڑ کر دیکھے۔''

''ہاں دوری۔ شان پیچھے نہیں مڑ رہا۔''

''شانی......'' انہوں نے آواز لگا کر اسے رکنے کا اشارہ کیا تھا جو ان صنوبر کے درختوں سے ٹکرا کر بس گونج بن کر رہ گئی۔ وہ نہ مڑ سکا نہ سن سکا۔

''اب کیا کریں دوری۔ شانی تو مڑ نہیں رہا۔''

''ایک منٹ دوری۔ سکی اپنی رفتار بڑھا چکی ہے۔ وہ شان کو واپس نہیں جانے دے گی۔''

''ہاں دوری۔''

دونوں کی نظریں ان دونوں پر تھیں۔ سکی نے ہیلز پہنی تھی جس کی وجہ سے وہ بھاگ نہ پا رہی تھی۔ اس نے رک کر سینڈلز اتارے اور اب وہ ننگے پاؤں تیز رفتاری سے جو بھاگی تو شان سے آ کر ٹکرائی۔ اس کی جانب شان کی پشت تھی۔ اس نے شانوں سے تھاما ہوا تھا۔ اس کے بالوں سے ننھا کیچر گر کر سڑک پر گرا تھا۔

''سکی۔'' شان نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ پر مڑ کر نہ دیکھ پایا۔ وہ جانتا تھا وہ سکی تھی۔

سکی نے اس کی پشت پر اپنا سر رکھ دیا۔ وہ بس رو رہی تھی۔ شان اس کی سسکیاں سن سکتا تھا لیکن وہ اب بھی نہ مڑ پایا تھا۔

''اواٹ از سو رومانٹک۔'' فری اور دوری بہت خوش تھیں۔

وہ جی بھر کر رو لی تو خود ہی آگے چلی آئی۔ دونوں کی آنسوؤں سے بھری آنکھوں نے جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں پہلی ہی نظر میں ایک دوسرے کو بتا دیا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی جدائی میں

کتنا تڑپے تھے۔ اس جیل کی قید سے ڈر لگتا تھا لیکن اب وہ جان چکی تھی سب سے بڑی قید یہ ہے کہ دل کو کہہ دے دل میں رہنے والا دل میں نہ آ سکے۔ یہ ایک ایسی چوکی داری ہے جس میں ہم خود ہی قید ہو جاتے ہیں دل کے پہرے آسان نہیں ہوتے۔ من موجی ہونا دل کی فطرت ہے۔ کتنا دشوار تر ہے دل میں رہنے والے دل کے حاکم کو دل کے در پر دستک دینے سے روکنا۔

''یا اللہ! ہمارے دوستوں کی محبت کو اب کسی کی نظر نہ لگے۔ آمین۔'' ان دونوں کی آنکھیں بھی بھر آئی تھیں۔

''مجھے چھوڑ کے جا رہے تھے شانی؟''

''خود کو چھوڑ کے جا رہا تھا سکی۔ تم نہیں تو پھر میں کہاں۔'' اس نے سکی کے ہاتھوں کی جانب دیکھا۔ وہ خالی تھے۔ اس کے ہاتھ میں کوئی منگنی کی انگوٹھی نہیں تھی۔ شان کے دم میں جیسے اب جا کے دم آیا تھا۔ اب جا کے اس کے لب ذرا سا مسکرائے تھے۔

''تم کسی اور کی نہیں ہو سکتی سکی۔'' اس نے جانا نے پوچھا تھا یا بتایا تھا۔

''میں تمہاری ہو چکی ہوں شان۔'' اس نے بچوں کی مانند روتے ہوئے کہا تھا۔

شان نے درد و خوشی کے اس ملن میں اپنی آنکھیں بند کیں اور اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

فری اور دوری خوشی سے اچھلنے کودنے لگی تھیں۔ اس کے پاس سے چند بچے سائیکلنگ کرتے گزرے تھے۔ انہیں اس طرح اچھلتے دیکھ کر کہنے بنا نہ رہ سکے۔

''آہستہ موٹیو! زمین پھٹ جائے گی۔''

''ہوں۔ دوری۔ تم نے سنا بچوں نے کیا کہا۔''

''ہاں لیکن آج جانے دیتے ہیں۔ سکی اور شان کے ملنے کی خوشی میں۔''

بچے اب ان دونوں کے پاس سے گزرے تھے۔ وہ سیٹی بجا کر انہیں چھیڑ رہے تھے۔ سکی شان سے جدا ہوئی تھی۔ شرم و حیا سے اس کے گال سرخ ہو گئے تھے۔ شان کی آنکھیں اسی پر تھیں۔

''ایسے نہ دیکھو شانی۔''

"میں تو اب ایسے ہی دیکھوں گا۔ اتنے دنوں سے تمہاری ایک جھلک کے لیے ترسا ہوں۔ اب تو میں ایسے ہی دیکھوں گا یہی تمہاری سزا ہے۔"

وہ سزا کا سن کر سہم سی گئی۔ آنکھوں میں جھیل کا منظر لہرانے لگا تھا۔

"میں سزا یافتہ ہوں شانی۔"

وہ مسکرایا اور کہا۔

"میں بھی پاگل ہوں سکی۔ پہلے تم نے تاپ کر کے مجھے پاگل کیا تھا اور اب بھی اگر تم نہ آتی تو میں پاگل ہی ہو جاتا۔"

اس نے شان کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر ایسا کہنے سے منع کیا تھا لیکن شان نے پھر بھی بات نہ مانی اور اپنی بات مکمل کی۔

"مجھے پاگل کرنے کی جرأت ایک تم ہی کر سکتی ہو۔ اب بس مجھے مکمل کر دو۔ جو پاگل کر سکتا ہے اسے مکمل کرنا بھی تو خوب آتا ہے۔" اس نے مزے سے کہا تو وہ بھی شرما کے مسکرا دی۔

فری اور دوری بھی اب ان کے پاس آئے تھے اور خوشی سے ان دونوں سے لپٹ گئے تھے۔ وہ چاروں ایک دوسرے کے ساتھ تھے۔ سکی نے دونوں موٹیوں کو بھی سوری کہا۔

"وی لو یو سی۔ ہمارے لیے تم ہمیشہ ہماری سکی ہو۔ کیوں دوری؟"

"ہاں فری۔"

"امن ہو یا جنگ ہو، دوستوں کے سنگ ہو
سرخ مجھے پسند ہے، خون ہو یا رنگ ہو

انہوں نے جوش میں آ کر شعر پڑھا تھا۔ جو وہ ہمیشہ ایسے موقعوں پر پڑھتی تھیں۔

☆......☆......☆

"کیا یہ ٹھیک ہے؟" سکی کی ماں نے سکی کے ڈیڈ سے پوچھا تھا۔

"یہی ٹھیک ہے۔" انہوں نے سگار ہٹاتے ہوئے کہا تھا۔

"میں سکی کے لیے ایک اچھا رشتہ تلاش کر چکی تھی لیکن آپ نے....."

"میں کبھی تمہارے کام میں مداخلت نہ کرتا اگر میں پاکستان نہ آتا۔ میں یہاں آیا، اس لڑکے کو دیکھا جو ہر موسم میں، ہر صورت میں یہاں روز آتا تھا۔ میں نے مالی سے کہہ کر اس سے یہ بھی کہلوایا کہ سکی کی منگنی ہو چکی ہے۔"

"کیا؟ آپ نے جھوٹ کیوں بولا اس سے؟"

"میں اس لڑکے کی محبت کو آزمانا چاہتا تھا۔ مجھے یہ شک تھا کہ اس کا آنا اور جانا بس اس عمر کے لڑکوں کا عام سے دل لگانا نہ ہو۔ لیکن میں نے اس کے مثبت ارادے پہچان لیے ہیں۔ سکینہ کی منگنی کی خبر سننے کے باوجود اس نے انگلینڈ آنے کے لیے اسکالرشپ اپنی قابلیت سے حاصل کی اور یہ وہی لڑکا ہے جس کا نام میڈیا بار بار سکینہ کے کیس میں لاتی رہی۔ پر یہ اس کیس سے دور ہی رہا تھا۔ جو سکینہ کے حق میں تھا اور تم نے ہی تو کہا تھا اس نے سکینہ کو اس طور سے پڑھایا کہ اس نے نمایاں کامیابی حاصل کر لی۔"

"اور تم جہاں بھی سکینہ کا رشتہ کرتی وہاں تمہیں سکینہ کی سزا کاٹنے کی بات کرنی پڑتی۔ ہم کسی سے یہ بات چھپا نہ سکتے تھے۔ جب جب سکینہ سے اس بات کا ذکر ہوتا وہ اس اذیت سے بار بار گزرتی۔ لیکن یہ لڑکا ہماری سکینہ کو اس سزا کی یادوں سے آزادی دلوا سکتا ہے۔"

"لیکن تم شاید جانتے نہیں وہ لڑکا کہاں رہتا ہے۔"

"وہ آج جہاں رہتا ہے ضروری نہیں وہ ہمیشہ وہاں رہے۔ وہ ایک قابل لڑکا ہے۔"

"لیکن اس کے والدین؟"

"جب اس کی محبت سکی کو واپس لا سکتی ہے تو وہ اپنے گھر والوں کو بھی مطمئن کر سکتا ہے۔"

"اس کے گھر میں صرف اس کی ماں ہے۔"

"آئی نو۔ وہ ایک دین دار اور اچھی خاتون ہے۔"

"تم نہیں جانتے ان اچھی خاتونوں کو شاید۔"

"پلیز۔"

"اوکے میں دعا کروں گی سب بہت ہو جائے۔"

"اٹ از ویری گڈ۔" سکی کے ڈیڈ نانی اور اس کی ماں کی جانب سے مطمئن تھے۔

☆......☆......☆

"شان کہاں رہ گیا آج۔" آنٹی پریشان تھی لیکن ان کی پریشانی دور کرنے کے لیے فری اور دوری تھیں۔ انہوں نے ہمیشہ کی طرح زور سے دروازہ کھولا اور زبردست انٹری مارتے ہوئے کہا۔

"شان یہاں ہے اپنے دوستوں کے ساتھ۔"

وہ دروازے پر کھڑا تھا۔ سکی کسی اوٹ میں چھپنے لگی تھی۔ اس میں آنٹی کا سامنا کرنے کی ہمت نہ تھی۔ شان نے اس کا ہاتھ تھاما اور نرم سے لہجے میں کہا۔

"یہ گھر اسی دن سے تمہارا ہو گیا جب تم نے پہلی بار یہاں قدم رکھا تھا۔"

اس نے ڈرتے ہوئے شانی کی آنکھوں میں دیکھا۔

"کون ہے وہاں، کس سے بات کر رہے ہو؟" آنٹی نے گھبرا کر پوچھا تھا۔ فری اور دوری کی خوشی اور شان کا رویہ کہہ رہا تھا وہ آگئی ہے جسے اس نے جانے کے لیے کہا تھا۔

"کون ہے وہاں......سکینہ؟"

"صحیح گیس کیا۔ نائس آنٹی، آپ کا تو آئی کیو لیول اوسم ہے۔" فری اور دوری نے خوشی سے کہا اور شان سکینہ کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھا تھا۔

آنٹی نے آنکھیں بند کی تھیں۔ وہ آگئی بالآخر آگئی جس کے چلے جانے کی، واپس کبھی نہ آنے کی دعائیں کی تھیں وہ آگئی تھی، لیکن اس کا آنا کیسے ممکن ہوسکتا تھا۔ اس نے سختی سے اسے باز آجانے کے لیے، اپنے بیٹے سے دور جانے کے لیے کہا تھا۔ سکی کو دیکھ کر ایک انجانے خوف و غصے کی لہر اس کے تن بدن میں اٹھی تھی۔ یہ وہی جانتی تھی اس نے کیسے اپنے غم و اندوہ پر قابو پالیا، یہ وہی جانتی تھی۔ یہ لمحہ جیسے اس کے لیے غیض و غضب کا سا تھا۔ اس کی آنکھیں پل دو پل کے لیے بھیگی تھیں۔ لیکن یہ لمحہ خود پر ضبط قائم رکھنے کا تھا۔ وہ کبھی اپنے بیٹے کے آگے اپنے دل کی بات نہ لاسکتی تھی۔ ماں بچوں کے لیے

خاص ہوتی ہے۔ بچے ہی ایک عورت کو ماں بناتے ہیں اور بچوں کی خاطر ہی ایک ماں نا جانے کیا سے کیا کر گزرتی ہے۔ شان کی ماں نے بھی ایسا کب سوچا تھا کہ زندگی میں اسے کبھی اس قدر منفی رویہ اختیار کرنا پڑے گا جسے فری اور دوری ولن کہہ سکتی تھی۔ وہ ولن تھی تو ولن سہی۔ وہ اپنے بیٹے کی ماں بھی تو تھی، حق رکھتی تھی۔ اس کا حق تھا بھی۔

"آنٹی!" وہ رخ موڑے کھڑی تھی تو فری اور دوری نے انہیں پکارا۔ جانتی تو وہ سب تھی لیکن پھر بھی کوئی کسی کو کتنا جان سکتا ہے؟ اچھی جان پہچان والوں پر بھی نا جانے کتنے ایسے خول ہوتے ہیں جو ہم نہیں جانتے۔

آنٹی مڑی تھی، سکی کو دیکھ کر جیسے جبراً مسکرائی بھی تھی۔ سکی کے لیے نہ صرف وہ شان کی ماں تھی بلکہ وہ اس کے لیے بالکل فری اور دوری کی طرح ایک فرینڈ تھی۔ واٹس ایپ گروپ میں آنٹی کی شمولیت، ان کے گھر میں آنا، پڑھنا، ان سے باتیں کرنا، مصیبت کے وقت میں، اگزام دیتے وقت ان کے حوصلہ افزا کلمات۔ وہ ان کا مذہبی معلومات فراہم کرنا، وہ کتنی اٹیچ ہوگئی تھی ان سے۔ اتنی کہ عمر کا فرق بھی ان کے درمیان نہ آتا تھا۔ عافی اور رخسار کی شادی کی رسومات وہ ان سب کے ساتھ ہوتا۔ کی آنٹی کے ٹھمکے، وہ سب یادیں، ان کے ساتھ گزارے ہوئے وہ تمام لمحے بہت خاص تھے۔ اس سکینہ کے لیے جسے آج تک کبھی مخلص دوست نہیں ملے تھے۔

آنٹی کا جبراً مسکرانا تھا کہ وہ فرطِ جذبات میں ان کی جانب بڑھی اور ان کے گلے لگ گئی۔

آنٹی کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا، سکی رو رہی تھی۔ شان کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔

"آئی مس یو آنٹی۔" اس نے روتے ہوئے کہا تو نا جانے کیوں ان کے منہ سے بھی نکل گیا۔

"آئی مس یو ٹو۔"

فری اور دوری نے تعجب سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا تھا۔ کیا سب اتنا آسان تھا۔ وہ دونوں آنٹی کو مشکوک نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

لیکن انہیں کیا پتا تھا پتھر بھی ایک روز ٹوٹ جاتے ہیں۔ مس تو بارہا کیا تھا۔ ذکر تو چلتا رہا تھا،

بات تو ہوتی رہی تھی۔ ہاں یاد تو آتی رہی تھی لیکن اب سوچنا یہ تھا کہ فری اور دوسری نے شان اور سکی کو ملانے کے لیے کیا کیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

''اوشٹ یار۔ ہم سوتے یار ملائے نہیں جاتے۔''

''ہاں دوری۔''

''پہلے ہم نے دیپک بھائی اور وچن کی پروبلم سولٹ آوٹ کرنے کی کوشش کی مگر وہاں بھی ہم کچھ نہ کر سکے جو ہوا بس ہو گیا خود بخود۔ اور اب یہاں بھی ہم نے کچھ نہیں کیا۔''

''لیکن اچھا ہے نا سب ٹھیک ہو گیا۔ کیوں دوری؟''

''ہاں فری۔ پر ٹھیک تو ہمیں کرنا تھا نا سب کچھ۔ کتنی پلیننگ کی تھی، مرمٹنے کا بھی سوچا تھا۔''

''ہاں فری۔ لیکن کوئی نہیں۔ ہم ایک نہ ایک دن محبت کرنے والوں کو ملانے کا سبب ضرور بنیں گے۔ ان شاءاللہ۔ ہمارے ارادے نیک ہیں۔'' انہوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تھا۔

''امن ہو یا جنگ ہو، دوستوں کے سنگ ہو۔

سرخ مجھے پسند ہے خون ہو یا رنگ ہو''

انہوں نے وہی جذباتی شعر پڑھا جو ہمیشہ پڑھتی تھیں۔

☆......☆......☆

فرائیڈا ایجنسی میں کام بڑھ رہا تھا۔ کام اس قدر زیادہ تھا کہ وچن کو سانس لینے کی بھی مہلت نہ مل سکی تھی۔ کملا بھی مصروف سے مصروف ترین سی نظر آتی تھی۔ نا جانے کتنے دنوں سے وہ مل کے بیٹھے نہ تھے۔ نا جانے کتنے دنوں سے انہوں نے بات ہی نہ کی تھی۔ وچن اپنے وچن کی پکی تھی۔ بچوں کو پڑھاتی رہی تھی، کسی کو درمیان میں نہ چھوڑا تھا۔ کسی کو جانے کو نہیں کہا تھا بلکہ ہر آنے والے کو ویلکم کہا جا رہا تھا۔ عافی کے مشورے پر بھی عمل کیا گیا تھا۔ اب ایجنسی میں وچن ٹیوشن پڑھاتی تھی۔

کملا نا جانے کیا سے کیا سوچے جا رہی تھی۔ گزشتہ کچھ دنوں سے اس کے من کی حالت عجیب عجیب سی تھی۔ بہو کو بھی کیا سے کیا کچھ نہ کہہ چکی تھی۔ وہ اداس تھی اور دروازہ کھٹکھٹایا گیا تھا۔

کملا کا دل خوش ہو گیا تھا۔ فری اور دوری جیسے دوست اس عمر میں ایک فزی تھراپی تھے یا پھر بنڈلز آف تھراپیز تھے۔

ٹھک ٹھک...... ٹھک ٹھک...... دروازہ کھولتے ہی اس آنگن میں جیسے ادھم سا برپا ہو گیا تھا۔

فری، دوری، سکی، شانی، بڑی ہی اپنائیت اور بے تکلفانہ انداز سے اندر داخل ہوئے اور یکے بعد دیگرے کملا کے گلے سے لگ گئے۔ کملا انہیں دیکھ کر سب پریشانیاں بھول گئی تھی۔ اس کی نظر سکی پر تھی۔

''تم...... تم آ گئی سکی۔ مجھے معلوم تھا تو آؤ گی۔ تمہارے واپس آنے کی دعائیں کی تھیں۔ میں نے منت بھی مانگی تھی۔'' کملا نے خوشی سے کہا تھا۔ سکی کا جیسے دل ہی بھر آیا تھا۔ اس نے شدتِ جذبات میں کملا کو گلے سے لگایا تھا۔ کملا کی بھی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

''ارے کھڑے کیوں ہو، بیٹھو نا۔ میں تم سب کے لیے کچھ کھانے کے لیے لاتی ہوں۔''

''ممی آنٹی پلیز، جلدی لائیں۔''

''ابھی آئی۔''

دیپک ابھی گیا نہ تھا۔ سب سے ذرا سی باتیں کر کے کچن میں آیا تھا۔ کملا بھی کچن میں ہی تھی اور اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی مٹھائی ''موہن تھال'' چاندی کے ورق سے سجا کر پلیٹ میں رکھ دی تھی۔

''موہن تھال'' آپ تو بہت خاص لوگوں کو موہن تھال پیش کرتی ہیں۔''

''تو یہ کیا کم خاص ہیں۔'' دیپک ماں کی بات سن کر مسکرایا۔

''آپ ان سب کو موہن تھال پیش کرتی ہیں۔ ان کے آنے سے خوش ہوتی ہیں، ان پر کبھی آپ اپنے گھر کے دروازے بند نہیں کر سکتی، انہیں دعاؤں میں بھی شامل کرتی ہیں۔ بس کبھی اپنے مندر میں نہیں لا سکی۔ یہاں آ کر آپ خود کو الگ کر لیتی ہیں ماں جی۔ انہیں باہر چھوڑتی ہیں۔''

''تو کیا کوئی اندر لے جا سکتا ہے؟''

''وچن...... وچن لے جا سکتی ہیں انہیں اپنے ساتھ۔ ایک وہ ہی ہے جو عقیدوں کو عقیدوں کی مانند تصور کر سکتی ہے۔''

تعلق دل سے دل کا نہ ہو تو تعصب کو جگہ مل ہی جاتی ہے۔

کملا قائل سی لگ رہی تھی۔ وہ اپنے اندر کی الجھن کو بالآخر سمجھنے لگی تھی۔ اسے کسی اور کے مذہبی عقیدے سے کوئی فرق نہ پڑتا تھا وہ اپنے لیے الگ اور دوسروں کے لیے جداگانہ نگاہ رکھنے والے عیب سے اوپر اٹھ چکی تھی۔ لیکن اب بھی کچھ لیکن ویکن سا تھا جو قائم تھا۔ تعصب صرف تعصب نہیں، یہ درجہ بندی ہے۔ اس کی الگ الگ حدیں ہیں۔ الگ الگ اسٹیج۔

کملا ان لوگوں میں سے نہ تھی جو مذہبی تعصب کی بنیاد پر ایک انسان کو ٹھیک اور دوسرے کو غلط تصور کرتے ہیں۔ یہاں تو ایسی ایسی بیماریاں ہیں کہ دماغ ہی خراب کر دیتی ہیں۔ مذہبی تعصب تو ایک ایسا مرض ہے جس کا کوئی آخری اسٹیج نہیں یہ لامحدود سی ایک علامت ہے جس کے روگی کبھی اس روگ کو تسلیم نہیں کر پاتے۔

کملا کے دل میں اور ہزاروں ایسے لوگوں کے دل میں کہیں نہ کہیں غیر مذہبی چنگاری لگی رہتی ہے۔ بہ ظاہر وہ پرسکون نظر آتی، اس کی کوئی علامت بھی اس میں نظر نہ آتی تھی لیکن کہیں نہ کہیں کوئی خدشہ ضرور تھا۔ اس کا گھر ہر مذہبی باشندے کے لیے کھلا تھا، دل بھی کھلا تھا لیکن کوئی اگر اس کے مندر کی جانب دیکھ بھی لیتا تو وہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

اب بھی مسئلہ برادری کو جواب دینے تک کا نہ تھا۔ مسئلہ تو یہ تھا کہ سنجا کے وقت جہاں اس کے گھر کا دیا جلایا جاتا تھا وہاں ہی دوسری جانب نمازی بچیاں نماز پڑھتی تھیں۔ نا جانے وچن یہ سب کیسے کر لیتی تھی۔ نا جانے کیسی سوچ تھی۔ ایسی بے پروا سوچ کس کی ہوتی ہے۔ کافی دیر خاموش ہونے کے بعد کملا نے دیپک سے پوچھا تھا۔ چولہے پر چائے کی کیتلی رکھی تھی۔ فری اور دوری کچن میں داخل ہوئی تھیں۔

”کمی آنٹی! ہمارے پیٹ میں چوہے ادھم مچا رہے ہیں۔ کیوں دوری؟“

”ہاں فری۔ آپ کے لذیذ پکوانوں اور انوکھے کھانوں کی خوشبو ہمارا حال بے حال کر رہی ہے۔“

”ہاں دوری۔“ دونوں نے موہن تھال پر حملہ کیا تھا۔

”واہ واہ کمی آنٹی۔ یور آر دا بیسٹ۔“

اب سکی اور شانی بھی کچن میں آئے تھے۔ دونوں کی نظروں میں جدائی کے بعد ملنے والی تڑپ تھی۔ انہیں بھی فری اور دوری نے ذرا ذرا موہن تھال چکھنے کو دیا تھا اور باقی ساری پلیٹ سب سے چھپا کر چٹ کر گئی تھیں اور اب ذرا سا جھجک آمیز انداز میں پلیٹ آگے کر کے کہہ رہی تھی۔

''تھوڑا اور ملے گا؟''

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔ پورا ایک کلو کا ڈبا بھر کے رکھا ہے ماں جی نے۔'' دیپک نے کہا تھا۔

''ارے واہ۔ کہاں ہے وہ ڈبا؟'' فری اور دوری نے اچھل کے پوچھا تھا۔

''وہ وہاں۔ ماں جی کے مندر میں۔''

''ارے واہ۔'' دونوں بھاگی تھیں۔ ڈبا مندر میں رکھا تھا۔ ماں جی کے دل میں کچھ چلنے لگا تھا۔ دیپک سینے پر بازو لپیٹے کھڑا تھا۔ شان اور سکی متوجہ تھے۔ ان میں سے کوئی بھی ان کے گھر کے اس حصے میں نہیں گیا تھا۔ فری اور دوری بھی کبھی نہیں جاتی تھیں۔

''نہیں رکو۔ میں دیتی ہوں۔'' کملا پھرتی سے آگے بڑھ آئی لیکن موہن تھال کی رسنا ایسی تھی کہ خود پر کنٹرول ناممکن سا تھا۔ وہ مندر کے پاس گئی تھی اور رک گئی تھی۔ دیپک نے ماں کو روک لیا تھا۔

''کچھ نہ کچھ ہونا چاہیے دیپک! پاپ پڑے گا۔ وہ احترام نہیں جانتیں۔ وہ احترام نہیں کر سکتیں۔''

''فری اور دوری کبھی کسی کا دل نہیں توڑ سکتیں ماں۔ جو دل نہیں توڑ سکتے وہی مذہبی ہوتے ہیں اور جو حقیقی مذہبی ہوتے ہیں وہ دوسروں کے مذہبی جذبات کو بخوبی جانتے ہیں۔''

مندر میں بھگوان کی مورت کے سامنے ننھا دیا جل رہا تھا۔ سامنے ہی موہن تھال کا ڈبا پڑا تھا۔

''فری! کیا تم باوضو ہو؟''

''نہیں دوری۔ کیا تم؟''

''میں بھی وضو کر کے نہیں آئی تھی۔''

''تو بس چلو واپس چلتے ہیں۔ کمی آنٹی کی پاک جگہ ہماری وجہ سے خراب نہ ہو جائے۔''

وہ دونوں موہن تھال کے بہت پاس تھیں لیکن انہوں نے موہن تھال کو چھوا تک نہیں۔ دیپک

سچ کہتا تھا جو مذہبی ہوتا ہے وہ دوسروں کے مذہبی جذبات کو بخوبی جان سکتا ہے۔
فری اور دوری نے موہن تھال نہیں کھایا تھا۔ کھانے کی چیز اور لذیذ کھانے کی چیز سے دور رہنا ان کے لیے بے حد مشکل تھا لیکن وہ اپنے منہ کی لذت کے لیے کسی عقیدے کی بے حرمتی نہیں کر سکتی تھیں۔
کملا وہیں تھی۔ چہرے پر اچھنبا سا تھا۔ دل کی کیفیت بھی بگڑی بگڑی لگتی تھی۔ جب سے ہوش سنبھالا تھا وہ اپنے مندر کی حفاظت کرتی آئی تھی۔
فری اور دوری کو واپس آتے دیکھ کر دیپک نے قدرے مطمئن لہجے میں سامنے آ کر پوچھا تھا۔
''کیا ہوا ڈبا نہیں ملا کیا؟''
''نہیں دیپک بھائی۔ ڈبا تو وہیں تھا لیکن ہم نے کمی آنٹی کے مندر کو نہیں چھوا۔ کیوں دوری؟''
''ہاں فری۔ ہم نے وضو نہیں کیا تھا۔''
کملا کی جیسے سانس میں سانس آئی تھی۔ دیپک معنی خیز نظروں سے ماں کو دیکھ رہا تھا۔ کملا بھی مسکرائی تھی۔ غیر مذہب والوں سے خطرہ نہیں ہوتا کبھی نہیں ہوتا۔ خطرے تو بے مذہب پیدا کیا کرتے ہیں جو اپنے مذہب کا قدر دان ہوتا ہے جو یہ جانتا ہے ''سب کا مالک ایک ہے'' وہ کیسے کسی کا دل توڑ سکتا ہے کہ ہر دل میں اس کا مالک بستا ہے۔ کملا کے دل کے ہر خوف کو جیسے خلاصہ ہو گیا تھا۔ آج وہ پہلے سے بھی زیادہ اپنے نو عمر دوستوں کے ساتھ مشغول تھا۔ اب تو وچن کو بھی فری اور دوری اچھی لگنے لگی تھیں۔
وچن کو دیکھ کر دیپک نے بھی جانے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ دیپک ہمیشہ کی طرح دوری اور فری کی باتوں پر دل کھول کے ہنس رہا تھا۔ ہنس ہنس کر اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا تھا۔ شان اور رکی ایک دوسرے میں کھوئے تھے۔ وچن اور کملا ایک ساتھ بیٹھی تھی۔ اب کملا کو اپنی بہو سے کوئی شکایت نہ تھی۔ وچن بھی تو ان سے دور نہیں رہ سکتی تھی اور یوں بھی اب ان سے دشمنی نبھا کے کرنا کیا تھا، پہلے تو عافی کی ساری کتھا دشمن سنا کر وہ دل بڑا کر لیتی تھی لیکن اب......؟ وہ نہیں تھا، وچن کے سب دوست یہاں موجود تھے، سب خوش تھے۔ بس عافی کی کمی تھی۔ کاش کبھی وہ بھی بندگی کے ساتھ یہاں آ سکتا۔ اس نے دل سے دعا مانگی تھی۔

☆......☆......☆

یہ یکم مارچ 2019ء کا دن تھا۔ اسلام آباد کے گردونواح کا موسم سرد تھا۔ ملک کے کئی حصے بھیگے موسم کے زیر اثر تھے۔

عافی صبح سویرے چائے کے ساتھ ساتھ اخبار لے کر بیٹھا تھا۔ آج کے اخبر کی مرکزی خبر لرزاں ترساں تھی۔ عافی کا دل دہل سا گیا تھا۔ آٹھ اکتوبر کا وہ دن آنکھوں میں جیسے کرچیاں سا چبھوتے ہوئے ابھرا تھا۔ انسانی جانوں وجذبوں کی موت کا ایک دن......

اور اب یہ دہا؟ اس نے درد سے آنکھیں میچ لیں۔

جو ظلم باہر کی نگری میں اب تک زہر بھر رہا تھا اس ظلم سے ہمارا ملک بھی بچ نہ سکا تھا۔

پاکستان ہیلتھ اتھورٹی نے covid-19 کے آج کے دو کیس کنفرم کر لیے تھے۔ عافی کو ان دونوں سے ہمدردی ہونے لگی۔ یہ دونوں پڑوسی ملک ایران کے سفر سے لوٹے تھے۔

عافی نا جانے کتنی ہی دیر افسردہ رہا تھا۔ نا جانے کیسے کیسے وہم دل میں سما رہے تھے، خدشے ہی خدشے تھے۔

ہمارا ملک ترقی پذیر ملکوں میں سے ایک ہے۔ یہاں کی صورت حال کس سے چھپی ہے۔ یہاں ایسی وبا کی آمد کا خوف مرنے کے خوف سے بھی زیادہ ڈراونا تھا۔ پھر حکومتی اداروں کا حال بھی پورا سارا تھا۔

اداسی کے عالم میں وہ سجدے میں جھک گیا۔ اپنے لوگوں، ہم وطنوں، بھائیوں، بہنوں کے لیے دعائیں مانگنے لگا۔ اس کی آنکھ نم تھی۔ کچھ دیر بعد وہ دکان پر آیا تھا، خبر ہر سو پھیل گئی تھی۔ دل لرزاں سا منظر ہر سو چھایا تھا۔ خوف ہی خوف کی باتیں، خوف ہی خوف کی سوچیں۔ دل جو دریا تھے وہ سمٹے سے تھے، سہمے تھے سب ہی حال محال سے تھے۔ روشنیوں میں اندھیروں کی ملاوٹ سی تھی، خوشیوں کو نظر سی لگی تھی۔

بندگی ان دو مریضوں کی صحت یابی کے لیے صبح سے دعائیں مانگ رہی تھی، گل پارلر میں آج پہلی بار محسوس کن خاموشی تھی۔ آج کسی کو میوزک کی یاد نہ آئی تھی۔ ایک ان دیکھا اور بس سنا سنایا سا خوف تھا جو ہر کسی کے اوسانوں پر چھایا تھا۔

بات بڑھتی بڑھتی بہت ہی بڑی ہو گئی تھی۔ جو حال سارے جہاں کا تھا وہ پاکستان کا بھی تھا۔ لیکن یہاں کی نزاکت کچھ اس لیے بھی مختلف تھی کہ حکومت سوچ میں پڑ گئی تھی جہاں ساری دنیا میں لاک ڈاؤن ہی اس اپیڈیمک کا حل تھا وہاں ہم جیسے ممالک کے لیے لاک ڈاؤن ایک اور اپیڈیمک تھا۔

اس وبا نے کسی کو نہ بخشا تھا۔ اس وبا میں نہ صرف انسان سے انسان کی جان جا رہی تھی بلکہ یہ خوف ایسا تھا اپنے تک دور بھاگنے لگے تھے۔ اس وبا سے کوئی مذہب نہ بچ سکا تھا۔ مردے دفنانے والوں کے لیے قبریں کھڑ پڑ گئی تھیں۔ جلانے والوں کے لیے سڑکیں شمشان بن گئی تھیں۔ ہر سو قبریں تھیں، قبرستان تھا، موتیں گنتی سے باہر تھیں اور مریض سوچ سمجھ کے دائرے سے باہر تھے۔

اپریل 2020ء کے پہلے ہفتے میں وزیراعظم عمران خان صاحب نے لاک ڈاؤن کا اعلان کیا تھا اور پھر یہ سلسلہ تو جیسے چل نکلا تھا۔ لوگ گھروں میں آفتوں کی خبر سنتے کبھی توبہ کرتے تو کبھی سجدے کرتے۔ عبادت گاہیں خالی تھیں۔ ہر مذہب کے انسان گھر میں بیٹھ کر دعا کرتے تھے۔ بچے اسکولز نہ جانے کے لیے کبھی خوش ہوتے تو کبھی ان دنوں کو دوستوں کو یاد کر کے روتے۔ اب نہ کوئی کھیل تھا نہ کوئی تماشا۔

بازاریں بند، کاروبار بند، دکانوں کے شٹل بند، سڑکیں ویران، گلیاں سنسان، خاموش ہمارا پاکستان، خاموش، سارا جہاں......

ہاتھ دھوتے جاؤ کے نعرے

سینی ٹائزر لگاؤ کے نعرے

ماسک پہنو! فاصلہ بڑھاؤ

نہ کسی سے ملو

نہ ہاتھ ملاؤ کہیں نہ آؤ

کہیں نہ جاؤ......

☆......☆......☆

دل جیسے مٹھیوں میں بند ہوتا تھا۔ کچھ اچھا نہ لگتا تھا۔ جہاں وچن کی ایجنسی بند تھی وہاں ٹیوشن کے بچے بھی غائب تھے۔ لوگ وائرس، وائرس کرتے تھے۔ وہاں کملا ماسک پہنے پاپڑ بیلتی تھی۔

''ماں جی! کیا کرتی ہیں آپ۔ اب کون لینے آئے گا۔'' وچن نے نیلا ماسک ذرا سا سرکاتے ہوئے پوچھا تھا۔

''کیا پتا، کوئی آجائے۔'' کملا پرامید تھی۔

''ماں جی۔ کوئی نہیں آئے گا اور کسی کو آنا بھی نہیں چاہیے۔ آپ جانتی ہیں نا۔''

''ہاں بہو۔'' اس نے صدمے سے چور لہجے میں کہا تھا۔

''یہ انسانی بے بسی کا آنکھوں دیکھا ناقابل فراموش دور ہے ماں جی۔ آسمانوں کی تہوں کو کھولنے کے منصوبے کرنے والا انسان آج مجبور بہت مجبور ہے۔ کسی اپنے سے اپنائیت نہیں جتا سکتے، کسی کے دکھ میں شرکت نہیں کر سکتے، کوئی خوشی نہیں منا سکتے۔'' وچن کا لہجہ بھی تھکن آمیز تھا۔

دیپک ماں جی کی ادویات لے کر گھر آیا تھا۔ گھر آتے ہی اس نے ہاتھ دھوئے تھے اور احتیاطی تدبیروں کے مطابق چل کر اندر آیا تھا۔ اس کے چہرے پر ماسک لگا تھا۔ ہاتھ دستانوں سے ڈھکے تھے۔ آنگن سے دھوپ آتی جاتی تھی۔ اپریل کے آخری دن تھے۔ پنڈی پر اب بھی گرمی کا وہ اثر نہ دیکھا جاسکتا تھا جو دوسرے حصوں میں تھا۔ یہاں موسم نسبتاً ٹھنڈا تھا۔ ہوا بھی چل رہی تھی۔ دیپک نے کملا کو دوائیاں دیں اور ماں کے سائیڈ میں بیٹھ گیا۔

''کیا خبر ہے بیٹا۔ کب اس قید سے رہائی ہوگی۔ حکومت کیا کر رہی ہے؟''

''ماں جی، سب کا حال سانجھا ہے، سب ایک ہی طور کی الجھن کا شکار ہیں۔'' دیپک نے فلور کشن کی مدد سے سر دیوار سے لگاتے ہوئے کہا۔ کملا یہ سن کر خاموش ہوگئی۔ وچن بھی ڈری ڈری سی سوچوں کے سفر میں کھوئی تھی۔ دیپک نے موبائل اٹھایا تو فری کی مس کال آئی تھی۔ دوری کا بھی میسج آیا تھا۔

دیپک نے ری کال کی۔

دونوں اب سامنے تھیں۔

یہ دونوں سماجی فاصلے کیسے برقرار رکھے گی۔ جب تک ادا ئیم یں سر جوڑ کر نہ بیٹھیں تب تک غم دل سے نہیں نکلتا۔

''ہاں واقعی۔'' وچن بھی ہاتھ لہرا کر سامنے آ گئی۔

''کیسی ہو دوری اور فری۔'' کملا بھی بیٹھے بٹھائے ذرا آگے ہو آئی تھی۔

''کیسے ہو سکتے ہیں کی آنٹی؟''

''لگ تو ٹھیک رہی ہو پھر انداز کیوں اتنا دکھ بھرا ہے۔'' دیپک نے مذاق کیا تھا۔

''کیا کہیں دیپک بھائی؟''

''کچھ تو کہو، تم بھی نہیں بولو گی تو ہم دکان دار گھر میں بیٹھ بیٹھ کر اکتا جائیں گے۔''

''ایسے تو نہ کہیں دیپک بھائی۔ وچن آپ کے ساتھ ہے۔ آپ بور تو نہیں ہوتے۔ کیوں دوری؟''

''ہاں فری۔ دکان پر تو ہماری کوئی کال مس نہیں کرتے تھے۔ لیکن اب......'' وہ موڈ میں آ گئی تھیں۔

''دکان پر بجتی نہیں ہوتی نا۔'' کملا کیسے پیچھے رہ سکتی تھی۔

''ماں جی! آپ بھی۔'' دیپک کا شکوہ مصنوعی تھا۔ وچن کے گال بھی بلش کر رہے تھے۔

ڈاکٹرز اس دور میں افواج سا کام کرتے نظر آ رہے تھے۔ فری اور دوری بھی ذمے داری سے اپنا کام کر رہی تھیں۔ دیپک اور وچن انہیں مایوس نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ان سب نے ان کی حوصلہ افزائی کرنی تھی۔

اس دوران جو فراخ دلی کا مظاہرہ ڈاکٹرز اور ہسپتال کے اسٹاف ممبرز کر رہے تھے وہ اپنی مثال آپ تھا۔ اس دوران یہ ثابت ہو چکا تھا کہ یہ براق سفید کوٹ میں ملبوس افراد مسیحا سے ہیں۔

لیکن فری اور دوری کے لیے ایک دوسرے سے دور رہنا بھی تو ناممکن تھا۔ شاید اس لیے وقت کو سب سے بڑا سبق سکھانے والا کہا گیا ہے۔ کون جانتا تھا کہ کرونا وائرس کے وار اس قدر بے قابو ہوں گے کہ کبھی نہ دور ہونے والوں کو اپنے اپنوں اور پیاروں سے جدائی کے گھونٹ پینے پڑیں گے۔

مریضوں کی دیکھ بھال کے لیے جہاں دوسرے نوجوان ڈاکٹرز اپنی جان ہتھیلی پر لیے اپنا فرض نبھا

رہے تھے وہاں فری اور دوری بھی پیش پیش نظر آرہی تھی۔ان پر کام کا بوجھ زیادہ تھا۔دوڑ دھوپ زیادہ تھی، پھر یوں بھی کرونا کے مریضوں کو خوفِ موت اتنا ہوتا کہ کرونا سے زیادہ خوفِ کرونا بھی جان لے لیتا۔آسو لیٹ ہونے کی وجہ سے مریض خود کو تن تنہا محسوس کرتے۔اپنے عزیز واقارب کو یاد کرتے رہتے۔اپنے خویش و بیگانہ کو دیکھنے کی آس میں، چھوڑ جانے کے خوف میں، خود کو بے بس و بے یار و مددگار سمجھتے۔

فری اور دوری سینی ٹائزر، فیس شیلڈ، اِنر اور آوٹر گلوز، ماسک، شوکور وغیرہ استعمال کیے اپنے فرائض سرانجام دے رہی تھی جبکہ ابھی تک وہ صرف میڈیکل کی اسٹوڈنٹ تھیں، اور اپنے کئی ساتھی دوستوں کے ساتھ مل کر اس مشکل وقت میں ہم وطنوں کی مدد کر رہی تھیں۔وہ فطرتاً کچھ زیادہ ہی جذباتی تھی اور پھر یہ تو انسانی تاریخ کے وہ سیاہ دن و رات تھے جسے زمانہ کبھی بھول نہ پائے گا۔

☆......☆......☆

سب دکانوں کی مانند لاک ڈاون میں عافی کی دکان بھی بند تھی۔گل بیوٹی پارلر بھی ویران تھا۔میڈم گل خوف سے باہر نہ جاتی۔اب ندا اور اس کا شرارتی گروپ بھی کہیں نظر نہ آتا۔ڈیک پر اونچی اونچی آواز میں چلنے والے گانوں کی بجائے نعت و دیگر آڈیوز سننے کو ملتی۔گھر میں بند ہونے کی وجہ سے راشن بھی جلد ختم ہوتا۔زبان و ذائقے کی جس لذت کو انسان کام کی وجہ سے فراموش کر دیتا ہے۔وہاں بے کاری کی وجہ سے ایسے ہی فراغت سے چھٹکارہ مل جاتا ہے۔اور پھر خوفِ وائرس کو بھی تو بھگانا لازمی تھا نا۔

میڈم گل کچھ زیادہ ہی اپنی نفسیات میں اس وائرس کو جگہ دے بیٹھی تھی۔اب گھر میں صرف وہ اور خوش دل تھیں۔میڈم نے باہر آنا جانا کیا ترک کیا کہ ساری ذمے داریاں بندگی پر آن پڑ گئی تھیں۔

دودھ، دہی کی دکانیں، میڈیکل اسٹورز، بیکری، پیٹرول پمپ کے علاوہ تقریباً سب کچھ بند تھا۔

آج کی نیوز میں اس صورتِ حال کو مزید سولہ جولائی تک قائم رکھنے کا کہا گیا تھا۔

میڈم گل کو لسی پینی تھی، بندگی دہی لینے کے لیے گھر سے نکلی تھی۔اس نے احتیاطی تدبیر پر عمل کیا تھا۔ماسک اور گلوز کا استعمال بھی کیا تھا اور سماجی فاصلے کا بھی خیال رکھا تھا۔عافی کی دکان بند تھی لیکن اس کی وجہ حکومتی پیغام نہ تھا۔وہ جانتی تھی عافی کہاں ہوگا۔زلزلے کے بعد سے اب تک جب جب انسانی جانوں

پر خطرے منڈلاتے ہوئے نظر آتے، عافی قدم بڑھا کر آگے آتا اور جتنی ہو سکے مدد کرتا۔ بندگی بھی ایسا کرتی رہی تھی لیکن اس معاملے میں بھی وہ عافی جتنی آزاد نہ تھی۔ اس پر پارلر کی ذمہ داریاں ہوتی تھیں۔

یہ مرض کوئی عام نہ تھا جان لیوا سے بھی جان لیوا تھا۔ وہ کسی سوچ میں پڑ گئی تھی کہ میڈم گل کا فون آیا۔

''وہی ملی کہ نہیں۔''

''آ رہی ہوں میڈم۔'' اس نے عافی کی سوچ کو بے وجہ جان کر کندھے اچکائے اور آگے بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

آئسولیٹ کیے ہوئے مریضوں کی حالت بے حد خراب تھی۔ آئی سی یو بھی بھرے پڑے تھے۔ چند مریض آکسیجن لے رہے تھے تو کچھ وینٹی لیٹر کے انتظار میں تھے۔ بہتوں نے خود کو خود ہی قرنطینہ کر دیا تھا اور یہ سب سے بیسٹ طریقہ کار سمجھا گیا تھا۔ آج فری کی طبیعت خراب لگ رہی تھی۔ وہ کورونا وائرس کے مریضوں کی دیکھ بھال کرتے کرتے تھک گئے تھے۔

''فری! ڈرنا نہیں لڑنا ہے۔''

''ہاں دوری...... لیکن اب......'' وہ تھکی تھکی سی لگ رہی تھی۔ دونوں نے حفاظتی اصولوں کا خاص خیال کیا ہوا تھا لیکن اس کے باوجود وہ بہت نڈھال اور کمزور نظر آ رہی تھی۔

عافی بھی ان کے ساتھ خدمتِ خلق کے لیے پیش پیش تھا۔ یہ جو بھی آفت تھی اس سے پہلے ایسی تباہی کہاں دیکھی تھی۔ قدرتی آفات کی مانند خطرناک، جس کا خوف مرنے سے پہلے مار رہا تھا۔ عافی ہسپتالوں میں ڈاکٹرز اور نرسز کی مدد کر رہا تھا۔

''عافی بھائی! آپ کیوں آجاتے ہیں۔ ہم تو میڈیکل سے وابستہ ہیں۔ ہماری تو ذمے داری ہے۔''

''میں کہاں آتا ہوں۔ بس لوگ اپنے پیاروں کو میرے حوالے کر جاتے ہیں۔ کورونا کے مریضوں کو کوئی تو ہسپتال لے آنے کے لیے ہونا چاہیے۔''

''اپنا خیال کریں آپ؟''

اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ہاں کہا تھا۔فری کی حالت آج کچھ کمزور تھی۔ دوری نے آنکھوں ہی آنکھوں میں عافی کو سمجھایا تھا۔

''ہمیں ٹیسٹ کو رونا ہوگا۔''

عافی نے سمجھ کر ہاں کہہ دیا۔ سچ ہے ذمے دار انسان، ذمے داری پڑنے بن جاتا ہے۔ وہ دونوں آج کافی زیادہ ذمے داری کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ عافی دونوں بچیوں کا یہ روپ دیکھ کر حیران تھا۔

☆......☆......☆

شان اور سکی مل کے اتنی جلدی پھر جدا ہونے لگے تھے۔ یہ لاک ڈاؤن او وائرل نیوز انسان کو گھروں میں محدود کیے ہوئے تھی۔ خیر زمانہ جدید تھا۔ وہ گھنٹوں بات کر سکتے تھے۔

''تم میرے گھر رشتہ بھجواؤ۔'' آج سکی نے دل کی بات لکھ دی تھی۔

''ابھی نہیں سکی۔''

وہ اپنے اپنے کمروں میں بیڈ پر جیسے پڑے تھے۔

''کیوں نہیں۔''

''فری اور دوری صحیح کہتے ہیں۔ ہماری اسٹوری کہیں نہ کہیں تو ان فلمی اسٹوری سے ملتی ہے جہاں لڑکی امیر اور لڑکا غریب ہوتا ہے۔''

''او کم آن شانی۔ ڈونٹ بی سلی او کے۔''

''کیوں کیا یہ سچ نہیں ہے۔تم محلوں کی رانی میری کٹیا جیسے گھر میں رہ لوگی؟''

''کیا کٹیا جیسا گھر۔'' وہ کٹیا کو کتیا پڑھ رہی تھی۔

شان کیا کرتا۔ بس ہنس ہی لیا۔

اب تک تو اسے جملہ سمجھ آ گیا تھا لیکن پھر بھی لکھتے وقت اس نے وہی غلطی کی تھی اور لکھا تھا۔

''ہاں میں رہ لوں گی کتیا جیسے گھر میں۔''

''ہاہاہا۔''

''اوہ'' سکی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انگلی منہ میں دبالی اور ہلکے سے سر پہ مارا۔
''بس یہ دونوں اور ان کے جیسے لوگ ہی اس وائرس سے بے خوف ہو سکتے تھے۔

☆......☆......☆

آج صبح ہی دو سینئر ڈاکٹرز کے کورونا کی وجہ سے جاں بحق ہونے کی خبر آئی تھی اور ساتھ میں یو ٹیوب پر ایک حاملہ ڈاکٹر کی فائل وڈیو وائرل ہوئی تھی۔ جس میں وہ بڑی مشکل سے کورونا کو سیریس لینے کے لیے سانس روک روک کر کہہ رہی تھی۔

دوری سے تو یہ سب دیکھا نہ جاتا تھا۔ اس نے بس آخری فقرہ سنا تھا۔

"please dont take covid very lightly, very bad, very bad symptoms"

وہ وہاں سے بھاگ گئی تھی۔ نا جانے کہاں بھاگنا چاہ رہی تھی۔ فری کی رپورٹ پوزیٹو آئی تھی۔

عافی ایسی حالت میں نہ فری کو تنہا چھوڑ سکتا تھا نہ دوری کو۔

ہاتھوں میں جو ہاتھ ہوتے تھے وہ یوں جدا بھی ہوں گے کس نے سوچا تھا۔ آج تیسرا دن تھا۔

فری اور دوری ایک دوسرے سے دور تھیں۔ فری کو آئسولیٹ کر دیا گیا تھا۔ حالت خراب ہونے کی وجہ سے وہ آئی سی یو میں تھی۔

دوری پر یہ دور بھی آئے گا۔ اتنا دکھ۔ اس کی فری اس موذی مرض سے تنہا لڑ رہی تھی اور وہ اچھے شہری کی مثال قائم کرنے پر مجبور تھی وہ فری سے دور تھی۔ دوری! دوری...... وہ دور جا کر رو رہی تھی۔ اس کا ہلکے نیلے رنگ کا ماسک اس کے آنسوؤں سے بھیگ کر گہرے نیلے رنگ کا ہو گیا تھا۔ عافی نے اسے دوسرا ماسک دیا تھا۔ ان کے درمیان چھ فٹ سے زیادہ فاصلہ تھا۔ روتے روتے دوری کی سسکیاں بن آئی تھیں۔ عافی کو دیکھ کر اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن آنسو بہتے جاتے تھے۔

''وہ ٹھیک ہو جائے گی۔'' عافی تسلی دینے آیا تھا اور وہ بس تسلی ہی دے سکتا تھا۔ ورنہ تو دل اس کا بھی خوف زدہ تھا۔

''میں اس کے بنا رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی عافی بھائی۔'' اس نے بچوں کی مانند روتے ہوئے اپنے دل کی ساری باتیں ایک ہی جملے میں کہہ دی تھی۔ عافی کا دل بھی بھر آیا۔ 2005ء میں آنے والے زلزلے کے دکھ نے اسے ایسا نرم دل بنا دیا تھا کہ وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتا۔ دیکھ کے چلتا کہ کہیں کوئی جان اس کے پیروں تلے نہ کچل جائے۔ بیٹھے پرندوں کو نہ اڑاتا۔ بے شک خود بے آواز سا رہ جاتا۔ ڈوبتی مکھیوں کو بچا لیتا۔ الٹے پڑے کاکروچ کو سیدھا کر لیتا۔ 2005ء کے بعد اس نے جہاں جہاں لوگوں کو مصیبت میں دیکھا وہاں وہاں پہنچ گیا تھا۔ دکھیاروں کے دکھ دور کرنے کی پوری کوشش کی تھی لیکن اب......

یہ کیسا دور تھا۔ آفت زدہ کو آفت مبارک جیسا۔ جی تو کٹ رہا تھا کیا کرتا۔

اس کا دل چاہا وہ اس چھوٹی سی لڑکی کے سارے دکھ لے لے جو ایک مخلص دوست تھی اور دوست کے دکھ میں دکھی تھی لیکن وقت ہی کیا ایسا آن کھڑا تھا۔ یہ وقت۔ ہاں یہ وقت بڑا جان لیوا تھا۔

☆......☆......☆

وچن نے فری کے ٹھیک ہو جانے کے لیے سکھ منی صاحب کا پاٹھ رکھا تھا۔ کمل، کملا اور دیپک بھی ساتھ میں بیٹھے دعا گو تھے۔ ان میں سے کوئی بھی ملنے نہ گیا تھا۔ فری کے پاس بس عافی تھا۔

کبھی کبھی وہ گروپ میں کال کر لیتے اور فری کو حوصلہ دیتے۔ فری سے زیادہ توجہ دوری کو دی تھی۔ وہ اب ڈیوٹی نہ دے رہی تھی۔ فری کو کورونا ہوا تھا اور دوری کو نا جانے کیا ہوا تھا۔

فری اب بھی آئی سی یو میں تھی۔ اتنا بولنے والی، اتنا خوش اخلاق، ہنسنے مسکرانے والی فرزانہ بیڈ پر بے حال پڑی تھی۔ آج ساتواں دن تھا، وہ بہت کمزور لگ رہی تھی۔ آئی سی یو میں موجود ڈاکٹر مریضوں کی حوصلہ افزائی کر رہی تھی۔

ہم صرف کورونا سے مرنے والوں کا سن رہے ہیں اور ہمیں ایسا لگ رہا ہے جسے کورونا ہوا اور وہ بس گیا سمجھو۔ لیکن کورونا کو ہرانے والے بھی ہیں۔

فری نے آنکھیں کھولی تھیں اور ڈاکٹر کی بات سننے لگی تھی۔

ہمیں ہمارے اپنوں کے لیے جینا ہے۔فری کے دماغ میں دوری کی یاد لہرانے لگی تھی۔ وہ اس کے بنا کیسے زندہ ہوگی۔اسے جب سے پتا چلا تھا اسے کورونا ہو گیا ہے وہ بس خوف ہی خوف میں زندہ تھی اور اب جب سوچ کے در کھولے تو سوچا تھا۔دوری کیسی ہوگی؟ لیکن بس وہ اتنا ہی سوچ پائی تھی اور بس پھر اس کی آنکھیں بند ہونے لگی تھیں۔اسے تیز بخار تھا، جسم تپ رہا تھا۔

عافی آئی سی یو کے باہر تھے۔وارڈوں میں مریضوں کا حال بہت برا تھا۔کورونا کے خوف سے ان مریضوں کو کوئی پانی تک نہ پوچھتا تھا۔مریض جو ڈر نہیں لڑ رہے تھے۔وہ واقعی میں لڑ رہے تھے۔ انہیں انتظامات پر کبھی کبھی غصہ آ جاتا اور وہ چیخ پڑتے۔

ہسپتال کا ماحول ہی کچھ ایسا تھا روز مرنے کی خبریں۔مردوں کی لاشیں۔

عافی سے جتنا بن پاتا دوسرے مریضوں کے لیے کرتا۔کورونا تو جان لیوا تھا ہی لیکن اس کے ساتھ جو دوسرے مسئلے تھے وہ اپنی جگہ جان لیوا سے بھی جان لیوا تھے۔اس کا خوف اس قدر گمبھیر تھا۔ یہ ایک معلق مرض تھا۔لوگ سمجھنے کو تیار نہ تھے کچھ کو تو یہ لگتا تھا یہ کوئی بیماری ہے ہی نہیں۔یہ کوئی سازش ہے اور کچھ لوگ یہ سمجھتے تھے یہ ملکی مریضوں سے نجات حاصل کرنے کا ایک نیا طریقہ ہے۔لوگ یہ بھی سوچتے ان کے مریض کورونا سے نہیں بلکہ ڈاکٹروں کے ہاتھ سے مر رہے ہیں۔مرنے والوں کے رشتے داروں کا ڈاکٹروں سے عجیب سا رویہ ہوتا تھا۔

عافی یہاں رہ کر لوگوں کو تسلیاں دیتا۔بس ایک فیصد ایسے لوگ تھے جو سمجھ رہے تھے ورنہ غم و غصہ ہر سو پھیلا تھا۔کچھ کو کاروبار تھ ہونے کا دکھ تھا، کوئی کما نہیں پا رہا تھا۔بھوک بڑھ رہی تھی اور ڈر و خوف بھی بڑھ رہا تھا۔نا جانے کیسی قیامت سی تھی جو ذرا ذرا کر کے پھیل رہی تھی۔فری کو اب ہسپتال میں آئے ہوئے دس دن ہو گئے تھے۔سانس میں تکلیف تھی۔عافی اس کی مدد کے لیے ہسپتال میں موجود تھا۔وہ سب دوستوں سے فون پر باتیں کرتی۔خاص طور پر کملا اور عافی سے۔لیکن دوری آن لائن نہ ہو پا رہی تھی۔

''اسے کہو مجھ سے بات کرے۔'' اس نے بمشکل کہا تھا۔

''ہاں فری۔کیوں نہیں۔'' عافی نے دوری کے انداز میں کہا تھا تو اس نے ہنسنے کی کوشش کی۔

"تمہیں جلدی ٹھیک ہونا ہے فری ورنہ دردانہ کو تم سے زیادہ بہتر اور کون جانتا ہے۔ اس کا حال بہت خراب ہے۔ سارا سارا دن بس دعائیں مانگتی رہتی ہے۔ کھاتی نہیں، پیتی نہیں، سوتی بھی نہیں۔ تمہیں جلدی ٹھیک ہونا ہے۔"

"ہاں مجھے ٹھیک ہونا ہے۔ میں ٹھیک ہوں گی عافی بھائی۔ دردانہ میرے بنا اور میں اس کے بنا زندہ نہیں رہ سکتی۔"

"تمہیں ڈرنا نہیں لڑنا ہے۔ فری۔"

"میں لڑوں گی۔"

"امن ہو یا جنگ ہو......" وہ کھانسی تھی۔

"دوستوں کے سنگ ہو۔" وہ بہت کھانس رہی تھی۔

"سرخ مجھے پسند ہے۔" کھانسی۔ عافی نے اسے مزید بولنے سے روکا اور شعر خود مکمل کیا۔

"سرخ مجھے پسند ہے چاہے خون ہو یا رنگ ہو۔"

اس شعر کا اصل مطلب وہ آج سمجھی تھی۔ اور پھر اس نے کورونا سے لڑنا شروع کیا تھا۔ اس نیجو دکو نہیں دوری کو بچانا تھا۔ یہ خیال آتے ہی وہ اٹھ بیٹھی اور تقریباً ایک کلو سیب جو عافی اس کے لیے لایا تھا، کھا گئی اور پھر کھاتی جاتی۔

☆......☆......☆

عافی کے ہاتھوں سے بنائے ہوئے گرم سوپ اور چائے نے یہاں کسی مریض کو مرنے نہ دیا تھا۔ سب آہستہ آہستہ ٹھیک ہو رہے تھے اور پھر فری کی سب سے باتیں۔ اس کی کھانسی جیسے ہی رکی وہ یہاں موجود لوگوں سے باتیں کرنے لگی۔ کسی کی لو اسٹوری سنی، تو کسی کی سیڈ اسٹوری۔ خواہ کچھ بھی ہو وہ لڑتی رہی، کھاتی رہی۔ اس دوران اس نے الٹیاں بھی بہت کی۔ جواب تک جاری تھی۔ وہ ٹھیک ہو رہی تھی۔ اس کی رپورٹ بھی ٹھیک ہی آئی تھی۔ اسے گھر جانے کی اجازت دی گئی تھی۔ اس وارڈ میں موجود اس کی باتیں سن سن کر اسے کھاتے، پیتے دیکھ کر بہت سے مریض ٹھیک ہوئے تھے اور وہ بھی اب گھر جا

سکتے تھے۔سب نے سماجی دوری قائم کرتے ہوئے اسے بہت سی دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا، یہاں سب جانتے تھے کہ وہ یہاں سے جاتے ہی دوری سے ملنے جائے گی۔وہ گھر آئی تھی۔عافی اس کے ساتھ تھا لیکن فاصلہ قائم تھا۔

دوری اسے نظر نہ آئی تھی۔وہ سب سے مل رہی تھی لیکن سب کو پتا تھا اس کی نظریں کیسے ڈھونڈ رہی تھیں۔

''دردانہ! آجاؤ، فرزانہ آ گئی۔'' دادی نے اس سے کہا تھا۔

''کیسی ہے وہ۔ٹھیک تو ہے نا؟ کمزور تو نہیں ہوگئی۔کسی قسم کی کوئی تکلیف تو نہیں ہے اسے؟''

دادی مسکرائی۔اس کے سر پہ ہاتھ رکھا۔

''وہ اب ٹھیک ہے تم جا سکتی ہو اس سے ملنے لیکن دور ہی رہنا۔''

وہ آہستہ آہستہ قدم بڑھا رہی تھی۔نا جانے کیسی جھجک تھی۔کسی اپنے کو کھو دینے کا خوف، کسی بہت ہی زیادہ اپنے سے دور رہنے کا خوف اس کے دل میں گھر سا کر گیا تھا مگر فری کی ایک آواز آئی تھی۔

''دوری۔''

''ہاں فری۔'' اس نے بے ساختہ کہا اور تیزی سے بھاگ کر اس کے پاس آئی اور کچھ قدم کے فاصلے سے اس کے پاس کھڑی ہو کر خوشی سے کہا۔

''تم آگئی فری؟''

''ہاں دوری۔میں آ گئی۔''

''امن ہو یا جنگ ہو، دوستوں کے سنگ ہو۔''

''سرخ مجھے پسند ہے خون ہو یا رنگ ہو۔''

دونوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ان کی دوستی، دوستانے کی مثال تھی۔

''مجھے تو لگتا ہے ان کی شادیاں بھی ایک گھر میں کرنی پڑیں گی ہمیں۔'' دادی نے مذاق کیا تھا۔

عافی اور سب مسکرائے تھے۔فری اور دوری ساتھ ہی اچھی لگتی تھی۔ان کا ایک دوسرے سے جدا

ہونا اب تو غیر فطری لگتا تھا۔عافی بہت خوش تھا پھر سے انہیں ساتھ دیکھ کر۔
آج وہ کوئی دنوں کے بعد ملی تھیں لیکن پونی ایک سی بنائی تھی اور چپل بھی دونوں کی سیم تھی۔عافی کچھ دیران کے ساتھ رہنا چاہتا تھا لیکن یہ وقت ہی کچھ ایسا تھا۔سب کا الگ الگ رہنا ہی سب کے لیے ٹھیک تھا۔
عافی گھر آیا تھا۔آج وہ حد سے زیادہ سستی محسوس کر رہا تھا اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اپنا ٹیسٹ کروائے گا۔

☆......☆......☆

لاک ڈاؤن میں ذرا سی نرمی برتی گئی تھی جبکہ کورونا کی حالت اب بھی متردد تھی۔ندا،گیتی، مہراب پھر سے پارلر آنے لگی تھیں۔
اب تو ایک ایک کسٹمر کا اتنا اتنا کام ہوتا کہ تھکاوٹ بڑھنے لگتی۔گار میں رہ رہ کر خواتین کے نہ صرف تھریڈ ہیئر لونگ ہوئے تھے بلکہ تقریباً سب ہی کو اسپیشل سروس کی ضرورت تھی۔یہ کام ایسا تھا کہ بنا کسٹمر کو چھوئے یا ان کے پاس جائے بنا،یہ کام ہونا ممکن نہ تھا۔یا یوں کہنا غلط نہ ہوگا کہ چھ فٹ کے فاصلے والی بات کو جتنا نظر انداز کیا جاسکتا تھا اتنا ہو رہا تھا۔پارلر کا کام کسی کے پاس جائے بنا،کسی کو چھوئے بنا،ہو تو کیسے ہو۔میڈم گل سب جانتی تھی لیکن یہاں فاصلہ برتنے کی صورت حال کو قائم رکھنا مطلب پارلر کا کرایہ تک گھر سے دینا تھا۔وہ ایسے نامعقول وقت میں ایسی نادانی بھی تو نہ کر سکتی تھی۔وہ ان ہی سوچوں میں تھی۔وہ اپنا ہاتھ داہنے جانب والے گال پر رکھا تھا اور بایاں پاؤں بھی ہلا رہی تھی۔کیا یہ سب ٹھیک ہے۔ان میں سے کسی کو یہ مرض لاحق ہوا تو۔اگر خوش دل کو ہوا تو۔وہ عزت بی بی کو کیا جواب دے گی۔
اسے ہمیشہ سے لگتا تھا جسے پارلر چلانا آتا ہے۔اسے کچھ اور سیکھنے کی ضرورت نہیں۔لیکن آج بڑی شدت سے احساس ہو رہا تھا کوئی اور ہنر آتا تو اچھا ہوتا۔کم از کم دھاگے کو ہی منہ پر چھ فٹ کے فاصلے سے لگایا جاتا لیکن یہاں تو چھ انچ کا بھی فاصلہ رکھنا ممکن نہ تھا۔
کاش عزت بی بی اس مشکل دور میں ان کے ساتھ ہوتی۔میڈم گل نے بڑے ہی دل سے عزت بی بی کو یاد کیا تھا یا پھر یہ عزت بی بی کی سچی توبہ کرنے کا صلہ تھا۔وہ چاہتی تو خود کو بچا سکتی تھی لیکن

انہوں نے اپنا جرم قبول کیا۔سزا قبول کی۔ نہ صرف اتنا بلکہ اس برے وقت کو صبر سے کاٹا اور شکر خدا بھی ادا کرتی رہی۔اس نے اپنے ساتھ خواتین کی حوصلہ افزائی کرنے کے ساتھ ساتھ مجرم خواتین کو اپنا ہنر بھی سکھایا۔نیکیاں خالی نہیں جاتیں۔اس کی بھی نیکی خالی نہیں گئی تھی۔کورونا کی وجہ سے جیلوں میں مریضوں کے درمیان فاصلہ رکھنا ممکن نہ تھا۔لہٰذا چند سزا یافتہ اچھے اعمال کا مظاہرہ کرنے والے مجرموں کو باعزت بری کیا گیا تھا۔جن میں سے ایک نام عزت بی بی کا تھا۔

یہ خبر نوٹی لایا تھا۔میڈم گل کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔اسے سچی توبہ پر جیسے یقین سا ہو گیا۔خود کے مفاد کے لیے وہ کام جاری نہیں رکھ سکتی تھی۔اس نے سمجھ لیا اس نے کیا کرنا ہے۔ندا سامنے کھڑی تھی۔میڈم گل نے تمام کسٹمرز کو واپس جانے کو کہا تھا۔

”لیکن اپ اس پارلر کا کرایہ کیسے دیں گی۔“

”کچھ نہ کچھ کر لوں گی۔“

”اور ہماری تنخواہ۔“ گیتی نے اپنا ہاتھ گھما کر پوچھا تھا۔مہر اور خوش دل بھی ان کی طرف متوجہ تھیں۔

”دے دوں گی۔سب کو تنخواہ وقت پر ملے گی۔خواہ مجھے اس گھر کی ایک ایک چیز فروخت کرنی پڑ جائے۔“

”ہاں ں ں ں ں۔“ میڈم گل پارلر آف کا سائن سیدھا کر کے چلی گئی۔مہر، گیتی، ندا اور کلثوم دیکھتی رہ گئیں۔

”انہیں کیا ہوا؟“

”اللہ نے سیدھا راستہ دکھا دیا۔“ خوش دل نے خوش ہو کر کہا تھا۔چاروں نے بھنویں چڑا کر ہوں ں ں ں کہا تھا۔

☆......☆......☆

”کیسے ہو عافی۔“ وچن کا میسج اس کی موبائل اسکرین پر چمک رہا تھا۔

”لگتا ہے میں وائرس کا شکار بن چکا ہوں۔“

”ہے بھگوان۔تم نے ٹیسٹ کروایا۔“

''ہاں۔ رپورٹ آ جائے گی۔''

''عافی! تم بھی نا۔ اپنا خیال بالکل نہیں رکھتے۔ بے وجہ ہسپتالوں میں پڑے رہتے ہو۔''

''میں احتیاط برتتا ہوں پر کیا کروں خوف بھی آتا ہے۔ کل کی بات ہے ایک کورونا مثبت مریض کی جان چلی گئی۔ جس کے ساتھ اس کی پندرہ سال کی بیٹی تھی۔ رشتے دار خوف سے میت کے پاس نہ آ رہے تھے۔ اب تنہا بچی کیسے کرتی یہ سب۔''

''ہاں یہ تو ہے۔ لیکن میں تمہارے لیے فکر مند ہوں اور میں آ رہی ہوں۔''

''نہیں۔ تم نہیں آنا وچن۔ تمہاری ذمے داریاں مجھ سے بڑی ہیں۔ تم ایک ماں ہو، بیوی ہو بہو ہو۔ تمہیں گھر سے باہر نہیں آنا چاہیے۔''

''تو میں کیا کروں عافی؟''

''دعا کرو وچن۔''

''تم ہمیشہ ایسا کرتے ہو۔'' اس نے اداس اموجی کے ساتھ لکھ کر سینڈ کیا۔

''معذرت۔'' اس نے پھولوں کا تحفہ سینڈ کیا۔

اس کی آنکھ بھر آئی تھی۔ کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا تو عافی کے لیے سکھ منی صاحب کا پاٹھ کرنے ہی بیٹھ گئی۔

☆......☆......☆

عزت بی بی آج آزاد ہوئی تھی۔ مہر، گیتی، ندا، کلثوم آج پہلی بار انہیں روبرو دیکھ رہی تھی۔ وہ بہت خوب صورت اور فیشن ایبل لگ رہی تھیں۔ عزت نے آتے ہی خوش دل کو گلے سے لگایا۔ خوش دل کو دیکھ کر ان کا دل بھر آیا تھا۔

''لگتا ہے میڈم دل سے انہیں بہت محبت ہے۔'' مہر نے آہستہ سے کہا تھا۔ پیارے لوگوں کو پیارے لوگوں سے محبت ہوتی ہے۔ ندا کی اپنی لوجک تھی۔ ہاں، گیتی اور کلثوم کا بھی یہی خیال تھا۔

''عافی بھائی کو بھی تو ان سے محبت ہے؟''

''محبت تو ہوتی ہی پیارے لوگوں سے ہے ہاں البتہ شادی پیارے لوگوں سے نہیں ہوتی۔'' ندا

کی پھر ایک اور لو جک۔

''او اچھا۔ چلو عزت بی بی سے ملتے ہیں شاید ہمیں بھی پیارے پیارے کام مل جائیں۔''

اور پیاری پیاری تنخواہیں بھی۔ سب سوچ کے مچل پڑیں اور ایک دم عزت بی بی کے سامنے آئی۔ ان کا میک اپ بالکل پرفیکٹ تھا۔

چاروں آنکھیں جھپکتی رہ گئیں۔

''فاصلہ برقرار رکھو اور ماسک ٹھیک سے پہنو۔'' عزت بی بی نے آتے ہی انہیں ٹوکا تھا۔ وہ مؤدب ہو کر ان کی بات مان گئی۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ چاروں کچھ بات کر پاتیں ان کا فون آ گیا اور پھر میڈم گل اٹھیں۔ آرام کرنے کے لیے کمرے میں لے گئیں۔

''اتنے بڑے لوگوں سے بات کرنا آسان کہاں ہوتا ہے۔'' ندا نے بے دلی سے کہا۔ چاروں کا موڈ خراب تھا۔

بندگی انہیں دیکھ کر مسکرائی تھی۔

''یا میرے اللہ! تو جس کو عزت بخش دے وہ کہاں کوئی اس سے چھین سکتا ہے۔''

وہ خوش تھی اس کی مہربان استاد کی شان اب بھی برقرار تھی۔

☆......☆......☆

عزت پارلر کا چاند آج ایک مدت کے بعد چمکا تھا۔ پارلر کو مکمل طور پر ان کے لیے سجایا گیا تھا۔ سکینہ پھول اور مٹھائی لیے ان کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ سزا کے دوران وچن اور عزت بی بی نے اسے بہت سنبھالا تھا۔ اس نے خود کو مکمل طور پر ڈھانپا تھا لیکن پھر بھی عزت بی بی نے اسے پہچان لیا تھا۔ وہ اسے پاکستان میں دیکھ کر خوش ہوئی تھی اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کر صاف لگتا تھا کسی کی آمد نے اس کے اندر کا، جیل کی سزا کا سارا خوف ختم کر دیا ہے اب اسے کسی چیز کا کوئی خوف نہیں۔ شان کی قابلیت سے تو وہ پہلے ہی واقف تھی۔ وہ ہی تو تھا جس نے عزت بی بی کا دل بدلا تھا۔ وہ نہ ہوتا تو candidate exchange کا کام کافی منافع بخش تھا۔

اس نے خوشی سے پھول لیے تھے۔اور وچن کا پوچھا تھا۔خوش دل بھی اس کے ساتھ تھی وہ سادہ لباس میں تھی، چہرے پر ماسک تھا۔

''وچن نہیں آسکی۔اس نے آپ کو خوش آمدید کہا ہے اور آپ کے لیے اپنے ہاتھوں سے مٹھائی بنا کر بجھوائی ہے۔''

''خیریت۔ایسی بھی کیا مصروفیت تھی اب تو لاک ڈاؤن میں بھی نرمی برتی جا رہی ہے اور اسمارٹ لاک ڈاؤن کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔''

''وہ دراصل ان کے دوست کی رپورٹ پازیٹو آئی ہے وہ گھر میں بیٹھ کر ان کے لیے دعائیں کر رہی ہے۔''

''کس دوست کی۔''خوش دل بھی ان ہی کی طرف متوجہ تھی۔

''عافی کی؟''

''عافی۔عافی کو کورونا مثبت ہے۔''

''ہاں۔''سکی نے ہاں کہتے ہوئے خوش دل کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔وہ پتھر سی پانی جگہ پر کھڑی تھی۔یا پھر جان بوجھ کر عزت بی بی کے آگے سفاک سے ری ایکشن کا مظاہرہ کر رہی تھی کہ کہیں کوئی جان نہ جائے۔اس کی محبت کو اس کے دل پہ اختیار آج بھی ہے۔

''عافی ہے کہاں؟''

''بالاکوٹ میں۔''سکی نے سوالیہ نظروں سے دل کا مشاہدہ کیا تھا۔محبت ہونا کیا ہوتا ہے، اس کی جدائی، اس کا درد، اسے کھونا اور کھو کر پا لینا۔کیسے کیسے جذبات ہیں اب وہ سب جانتی تھی کہ اب وہ پہلے کی مانند ایک نالائق و کام چور دسویں جماعت کی طالبہ نہ رہی تھی۔

❁ ❁

ناول **رنگِ حیات** کی اگلی اقساط آپ ہر ماہ کی **20** تاریخ کو پڑھ سکیں گے۔

آخری قسط نمبر13

سکی اپنا کام کر گئی تھی۔

خوش دل اپنی محترم استانی کے سامنے آنکھیں جھکائے شرمندہ سی تھی۔ وہ چائے لائی تھی اس کا چہرہ صاف تھا۔عزت بی بی نے اس کی جھجک کو بھانپ لیا تھا۔

"وہ اکیلا ہے۔ تمہیں وہاں ہونا چاہیے تھا۔"

"ایسے مریضوں کو اکیلا ہی رکھا جاتا ہے۔"

"تم اپنا وعدہ بھول گئی ہو کیا؟"

"نہیں میں اپنا وعدہ نہیں بھولی۔ میں کہیں نہیں بھاگی۔ اس کی دکان پارلر کے باہر ہی تھی۔"

"کسی کو اتنا آزمانا کیا ٹھیک ہے دل؟"

"آزمائشیں تو کب کی ہو چکیں۔ اب کیسی آزمائش؟"

"یہ دنیا اول دن سے آخر تک آزمائش ہی آزمائش ہے۔ بلکہ یہ زندگی ہی ایک آزمائش ہے۔ انسان ان آزمائشوں میں کبھی فیل تو کبھی پاس ہوتا رہتا ہے۔ کئی کئی بار تو ہمیشہ فیل ہونے والے ایسے پاس ہو جاتے ہیں کہ عقل حیران ہو جاتی ہے اور کئی بار ہمیشہ پاس ہونے والے اسے فیل ہو جاتے ہیں کہ پھر کبھی ان کی نیا پار ہو ہی نہیں پاتی۔" دل نے اپنا سر دیوار سے لگا لیا تھا۔

"وہ بھی فیل ہوا تھا کبھی ایک بار......اور بس ایک بار......اس کے بعد نہیں......اسے فیلیئر نہیں کہا جا سکتا دل۔"

"میں اسے کچھ نہیں کہنا چاہتی۔ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔"

''ہاں تمہارا اب اس سے یوں تو کوئی تعلق نہیں۔اب تو وہ تمہارا بہنوئی بھی نہیں۔تمہاری بہن اپنا گھر بسا چکی ہے اور خوش ہے۔''

محبتوں کو دلوں سے کون جدا کر سکتا ہے۔زندگی کی وہ زندگی تھا۔''

''جواب اس کی زندگی سے جا چکا ہے یا وہ اسے اپنی زندگی سے نکال چکی ہے۔

''نکال تو میں بھی اسے اپنی زندگی سے چکی ہوں''۔اس نے سختی سے کہا تھا اور بات ادھوری چھوڑ کے جانے لگی تھی۔

''اس نے اپنی میت کی وصیت تمہیں بخشی ہے۔''وہ یہ سن کر رک گئی تھی۔

''کسی کو قبر میں پہنچانے کے بعد معاف کرنے سے بہتر ہے اسے زندگی میں معافی دے دی جائے۔''

''میں اسے معاف کر چکی ہوں۔''اس نے سفاکی و بے دردی سے کہا تھا۔عزت بی بی کا دل اتنی سخت دلی پر پسیج گیا تھا۔

ادھر سے کوئی اچھی خبر بھی نہ آ رہی تھی۔عافی نے خود کو آسولیٹ کر دیا تھا۔کرونا سے ہونے والی اموات کی شرح میں نت نیا اضافہ ہوئے جا رہا تھا۔کہیں یہ آگ بجھتی ہی نہ تھی۔بڑھتی بڑھتی اور بس بڑھتی تھی۔

''میں جا رہی ہوں۔''اس نے عجلت میں کہا تھا۔

''کہاں؟''

''کچھ دن گھر جانا چاہتی ہوں۔''

''اب آپ اس شہر میں ہیں تو میں بے فکر ہوں۔''

''نوٹی گاؤں گیا ہوا ہے۔شہر میں بڑھتی وبا کی خبروں سے خوف زدہ ہو کر اس کے رشتے داروں نے اسے بلایا ہے۔''

''ہوں۔''اس نے بس ایک ''ہوں'' پر اکتفا کیا تھا۔عزت نے غور سے اسے دیکھا تھا۔

''تم ٹھیک تو ہو۔مجھے بیمار لگ رہی ہو۔''

"نہیں بس گھر کی یاد آرہی ہے۔اب وہاں زندگی نہیں رہتی۔گھر انسانوں کی نسبت سے یاد آتا ہے۔پتھروں کے مکانوں کا کیا وہم وگماں رکھنا؟ گھر کے پتھروں میں یادوں کی جان ہوتی ہے عزت آپا۔"اس نے کہا اور ہینڈ بیگ اٹھا کر چلی گئی۔

"ایک منٹ رکو۔کہیں تم خود کو تنہا تو نہیں رکھنا چاہتی۔" عزت بی بی ایک دم صحیح سمجھی تھی۔وہ بندگی کو اچھے سے جانتی تھی۔

☆......☆......☆

عافی نے Salf Quarantine کی ذمے داری تو نبھالی تھی مگر وہ تھا تو ایک مریض جس کی تیمارداری کی اشد ضرورت تھی۔بڑی مشکلوں سے وچن بالاکوٹ آئی تھی۔فری اور دوری بھی ساتھ تھیں۔شان اور سکی نے بھی آنا چاہا تھا لیکن ان حالاتوں میں زیادہ بھیڑ باڑ سوائے خطرے کے اور کچھ نہ تھا۔عافی کی دکان کے باہر ہی ندا انہیں مل گئی تھی۔عافی کے گھر کا راستہ انہیں اسی نے دکھایا تھا۔وہ ایک الگ سے کمرے میں تھا۔ندا کے پاس چابیاں تھیں۔یہ وہی گھر تھا جس میں عافی نے پرورش پائی تھی، زلزلے کے بعد اس نے اس گھر کو بالکل اسی انداز میں تعمیر کروایا تھا جیسا وہ پہلے تھا۔ندا نے گھر کا مرکزی دروازہ کھولا تھا جو پرانے طرز کا لوہے کا درمیانے سائز کا دروازہ تھا جس کے کھلتے ہی گھر کا کشادہ سا صحن آنکھوں کے سامنے آتا۔سب اندر چلی آئی۔وچن کی آنکھوں میں بھی وہ سارے نظارے آن بسے جو عافی کی زبانی اس نے سنے تھے۔سامنے وال کلاک آج بھی لگا تھا جس میں چار بجنے میں چار منٹ باقی تھے۔

دادا جی کی چائے کا وقت......زندگی کے ٹیوشن کا وقت......بندگی کے ہاتھ کی بنائی ہوئی چائے کا وقت......

ایسے جیسے وہ اس گھر میں رہ چکی ہو۔سب دیکھ چکی ہو۔اسے اس گھر میں آکر اس قدر انسیت بھرا احساس ہو رہا تھا جیسے کسی کو پرانا جنم یاد آنے سے ہوتا ہے۔اب گھڑی نے چار بجائے تھے۔اس نے "ٹن ٹن ٹن ٹن" کی آواز سنی تھی۔

''وچی! کہاں ہو تم۔ عافی بھائی ویلم کہہ رہے ہیں۔'' فری نے آواز لگائی تھی۔ اب وہ صحت مند تھی۔
''آ رہی ہوں۔ وچن صحن کے بعد کچن میں آئی تھی۔ جہاں سے عافی کا کمرہ یعنی پرانی بیٹھک نظر آ رہی تھی۔ یہاں آج بھی کباڑ تھا۔ تھوڑا نیا کباڑ۔ رنگ و روغن کے ڈبے، بالٹیاں، برش اور پرانے مکان کے ٹوٹے پھوٹے دروازے اور کھڑکیاں اور ساتھ ہی میں مٹی کی بنی پرانی بیٹھک۔

جس میں آج کوئی کباڑ نہ تھا۔ زلزلے کی آمد کے بعد نا جانے ملبے کے ساتھ یہاں کا کباڑ کہاں لے جا کر پھینک دیا گیا تھا۔ اب بس یہاں عافی کے بیڈ جیسا لوہے کا پلنگ تھا جس پر سستا سا بستر اور چادر بچھی تھی۔ کس کی سلوٹوں کو دیکھ کر لگتا تھا عافی اب بھی یہاں سوتا ہوگا۔

پرانی بیٹھک سے نکلتے وقت اس نے اوپر دیکھا تھا۔ اس مکان کی ایک کھڑکی اس رخ پر کھلتی تھی۔ یہ ضرور زندگی کا کمرہ ہوگا اور وہ چھپ کر عافی کو اسی کھڑکی سے دیکھا کرتی ہوگی۔

کچن کے باہر چاچی کا کمرہ تھا اور کچن کے سامنے لان اور دو کمرے جن میں سے ایک دادا، دادی کا کمرہ تھا اور بندگی اور بچوں کا۔ عافی نے ان کی سجاوٹ کا خاص خیال رکھا تھا وہ بالکل اس دور کے کمروں کی طرح لگ رہے تھے۔ سامنے ہی ایک ننھی سی راہداری تھی جس کے آخری کونے میں ایک الگ تھلگ اور معیاری قسم کا دروازہ تھا۔ یہ زندگی کا ہی کمرہ ہوگا۔ یہاں عافی تھا۔ وہ اس کمرے میں آسو لیٹ ہو سکتا تھا۔ وچن نے گھر دیکھ لیا تھا گھڑی میں چار بج کر دس منٹ ہوئے تھے۔ ندا اور مہر چائے بنا آئی تھیں۔ عافی اب آف لائن ہو چکا تھا۔ وچن نے آتے ہی ساڑھی کا پلو درست کرتے ہوئے عافی کا پوچھا تھا۔ عافی کے گلے میں شدید درد ہے وہ بات نہیں کر پا رہے ہیں۔ ندا نے بتایا۔ وچن ابھی عافی کا ویران گھر دیکھ آئی تھی۔ پہلے سے دل میں ایک درو کی سی کیفیت چل رہی تھی اوپر سے عافی کی طبیعت میں بہتری کا نہ سن کر اس کا درد ایک عجیب سی بے کلی میں بدلا تھا۔ ایک تو عافی سے نا جانے کیسی ایسی اپنائیت تھی کہ دل میں اس کا موہ بیٹھ گیا تھا۔ وہ ہر حال میں عافی کے لیے پر خلوص سی تھی۔ عافی نے اسے اپنے ماضی کی کہانی میں شریک کیا تھا۔ اس کے لیے یہ سچی کہانی ان فلموں، ڈراموں اور داستانوں سے کئی درجہ زیادہ تھی۔ جہاں قارئین کی خوشی ہیپی اینڈنگ میں ہوتی ہے۔ ہر ایک اسٹوری میں محبت

کرنے والوں کی جدائی سے جیسے دل ٹوٹتا ہے۔ سچ مانو تو اس سچی کہانی کے سچے ہیرو اور ہیروئن کے سچی میں نہ مل پانے سے اس کا دل ٹوٹتا تھا۔

اس کی زندگی میں اب کچھ ایسا نہ تھا جو باعثِ پشیمانی تھا۔ دیپک کا ساتھ تھا۔ اس نے اپنے نیک ناموں کی وجہ سے باپو جی کا سر بلند رکھا تھا۔ اب ان کے حالات بھی پہلے کی مانند خراب نہ تھے۔ وہ اب بہتر زندگی گزار رہے تھے۔

کملا بھی بہترین ساس ثابت ہوئی تھی۔ کمل بھی انگریزی بھول بھول کر برادری میں مقبول سے مقبول ہوتا جاتا تھا۔ وہ لاک ڈاؤن میں فنگر سلیو Finger Sleeve اور موبائل Trigger کے ساتھ گیمز کھیلتا اور اپنے یوٹیوب چینل پر اپ لوڈ کرتا۔

سکی اور شان بھی اب ایک ساتھ تھے۔ کل شان اپنی ماں کے ساتھ سکی کے گھر اس کا ہاتھ مانگنے جا رہا تھا اب سب کچھ نارمل تھا، دل کی بے چینی کا کوئی سبب نہ تھا اس نے کھڑکی کے پٹ کھول کر عافی کو دیکھا تھا۔

وہ بستر پر جیسے بس پڑا تھا۔ حالت خراب سی لگتی تھی۔ بار بار زور سے کھانستا تھا۔ گلے میں بھی شدید تکلیف تھی۔ بخار تو جیسے جان ہی نہ چھوڑ رہا تھا۔ پھر بھی کھڑکی سے وچن کو دیکھ کر اس نے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

یہ گھر اور اس گھر کے کمرے بہت بڑے تھے۔ اس نے زور سے کہا تھا۔

"تم ٹھیک ہو جاؤ گے عافی۔"

عافی نے پھر سے جبراً مسکرانے کی کوشش کی تھی۔ اس کے ہونٹ پھٹے پڑے تھے جس کا کالا پیلا سا پڑا تھا۔ وہ کھڑکی بند کر کے باہر آئی۔ ندا نے انہیں بتایا تھا عافی کچھ نہیں کھا رہا اس نے دو دن سے کھانا کھانا چھوڑ دیا ہے۔

"لیکن کیوں؟" وچن نے دور سے بلند آواز میں پوچھا تھا۔

"وہ وائرس کی وجہ سے ٹیسٹ لیس اور سمیل لیس ہو چکے ہیں۔ انہیں کسی بھی چیز کا ذائقہ محسوس نہیں ہو رہا ہوگا۔ کیوں دوری۔"

''ہاں فری۔ وہ کسی چیز کی سمیل بھی نہیں محسوس کر سکتے ہوں گے۔ اور بھوک بھی نہیں لگتی ہو گی۔ تو اب ہمیں انہیں خوراک تو دینی ہو گی۔''

''فری! تم کیا کھاتی تھی اس وقت؟''

''میں تو سب کچھ کھاتی تھی۔ اسپیشلی چاکلیٹس اور بسکٹ۔'' اس نے یاد کیا تو جیسے جی للچا سا گیا تھا۔ اس کے انداز سے لگتا تھا اسے چاکلیٹ اور بسکٹ کی یاد یاد میں بھوک لگی تھی۔ ایک فری ہی تھی جو ٹیسٹ لیس، سمیل لیس اور بھوک نہ لگتے ہوئے بھی کھا پی سکتی تھی لیکن عافی فری کی مانند نہ تھا۔ اس کی خوراک کا مسئلہ جلد حل کرنا تھا ورنہ اسے بچانا مشکل بھی ہو سکتا تھا۔ باڈی کا چست رہنا ہی وائرس سے لڑنے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔

عافی کی رپورٹ پوزیٹو آتے ہی اسے ہیلپ لائن کے ذریعے ڈاکٹرز سے جوڑ دیا گیا تھا جو اس کے کرونا علامت کی بنا پر میڈیسن دے رہے تھے۔ اس لیے لاعلاج کے لیے ادویات کا کوئی مسئلہ درپیش نہ ہو رہا تھا۔

وچن نے عافی کو ٹائم دینے کا سوچا لیکن اس کے پاس زیادہ وقت بھی نہ تھا۔ وچن نے صبح تک کا انتظار کیا۔ اب تو عافی میں اپنا موبائل اٹھانے کی بھی ہمت نہ بچی تھی۔ وہ بس بے بسی سے سو رہا تھا۔ وچن کی پریشانی بڑھ رہی تھی۔ ووری اور فری نے ساتھ مل کر بہت کچھ پکایا تھا لیکن چونکہ عافی کچھ نہیں کھا پی رہا تھا اس لیے افسردہ سی تھیں۔

''عافی یہ سب نہیں کھائے گا۔''

''تو کیا بنائیں ان کے لیے۔'' ندا بھی ان کے ساتھ تھی اور اب گیتی بھی آئی تھی۔

''میں جانتی ہوں وہ کیا کھائے گا۔'' وچن نے پرسوچ انداز میں کہا اور بنا ہاتھ ملائے گیتی کو آنکھوں ہی آنکھوں میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ دور سے چل کر آ رہی تھی۔ تھکی ہوئی لگ رہی تھی ماسک پہنا تھا مگر ذرا سا سرکا سا ہوا تھا۔ وچن نے اسے ماسک درست کرنے کا اشارہ کیا تھا۔ اس نے سوری کہہ کے ماسک درست کیا تھا۔ وہ اطمینان سے بیٹھی تو وچن نے ندا سے کہا۔

''کیا تم مصروف ہو؟''

''آج کل تو ہم سب فری ہی ہیں۔'' اس نے مسکرا کر جھجک آمیز لہجے میں کہا تھا۔

''تو پھر چلو میرے ساتھ۔''

''کہاں جا رہی ہو وچی تم؟''

''بندگی کو لینے۔ اب اس کے ہاتھ کا بنا ہوا کھانا ہی عافی کھائے گا۔'' اس نے کہا اور اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر چل دی۔ گیتی اسے پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ماسک تھا لیکن آنکھوں اور اس کی ساڑھی میں ملبوس فگر کو دیکھ کر وہ ایک خوب صورت لڑکی لگ رہی تھی۔

ندا بھی وچی کے ساتھ گئی تھی۔ گیتی سے اب تک فری اور دوری نے سارا تعارف لے لیا تھا۔ وہ کیا کرتی تھی؟ اور عافی سے کیسی ملی تھیں؟ اب وہ سب جانتی تھی۔ گیتی جو بس عافی کی طبیعت کا پوچھنے آئی تھی ان دونوں کی مزاحیہ باتوں میں الجھ ہی گئی۔ وہ دونوں تھی ہی اتنی انٹرسٹڈ کہ گیتی گھر جانا ہی بھول گئی اور باتیں کرتی رہی۔ وہ زور زور سے اس لیے بھی باتیں کر رہی تھی کہ عافی کو ان کی باتیں بہت پسند تھیں۔ لیکن آج عافی اس کنڈیشن میں نہ تھا کہ ان کی باتیں اس وثوق سے سن پاتا۔ ہاں کچھ جملے کانوں میں پڑتے۔ وہ بخار بھری نیند کے باوجود کچھ سن لیتا اور پھر کسی بھی قسم کا کوئی ردعمل نہ ظاہر کر پاتا۔ آج اس کی حالت نے تو جیسے بہتری کی امید ہی چھوڑ دی تھی۔

''عافی بھائی اس مرض میں میری وجہ سے ہیں دوری۔ انہوں نے مجھے ایک پل کے لیے بھی تنہا نہیں چھوڑا۔ ڈاکٹرز انہیں مجھ سے دور رہنے کے لیے، گھر جانے کے لیے کہتے لیکن وہ مجھے چھوڑ کر نہ گئے تھے۔ ہسپتال میں ہی رہے تھے۔ ہاں یقیناً وہ اسی وقت کرونا کے فیز ون میں انٹر ہوئے ہوں گے۔ جو کہ سب سے خطرناک فیز ہے جس میں ہمیں پتا ہی نہیں ہوتا کہ کرونا پوزیٹو ہیں اور ایسے میں ہم کرونا اسپریڈ بھی کر رہے ہوتے ہیں۔

''ہاں دوری!''

گیتی بڑی توجہ سے سن رہی تھی۔ فیز ٹو میں ٹیسٹ کا پتا چلتا ہے اسی سے اسولیشن پیریڈ شروع ہوتا

ہے اور میڈیسن شروع کی جاتی ہے۔ یہ ضروری نہیں سب مریضوں کے معاملات ایک جیسی ہوں اس کے علاوہ سیکنڈری انفیکشن کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔ کسی کو فیرنکس انفیکشن ہوتا ہے تو کسی کو اسٹمک انفیکشن، یہاں لنکس انفیکشن بھی رہا ہے۔

''عافی بھائی کو فرنکس انفیکشن ہے۔ ان کا علاج اس لیے بھی بہت مشکل ہے کہ ان کے گلے میں اس قدر پین ہے کہ پانی کی ایک بوند بھی نگلنا مشکل ہوتا ہے۔''

''اور کتنے فیز ہوتے ہیں؟'' گیتی نے گھبرا کر پوچھا تھا۔ اس کے چہرے پر خوف کی پرچھائیاں صاف عیاں تھی۔

''چار فیز اور...... کیوں دوری۔''

''ہاں فری۔ تیسرا فیز ایکٹو فیز ہوتا ہے۔''

''میں گھر جا رہی ہوں۔'' گیتی بے چینی سے اٹھ بیٹھی تھی۔

''پوری ڈیسیں کا پیریڈ سن تو لو۔''

''نہیں بس میں تو اتنے ہمیں ہی مر جاؤں گی۔'' اس نے ٹینشن اور عجلت میں کہا تھا کہ جیسے وہ خود کو کسی کرونا مریض کی جگہ رکھ رہی ہو اور یہ علامات اس کی صحت میں شامل ہو چکے ہوں۔ دوری اور فری سمجھ کر مسکرا دیں۔ اسے جاتے جاتے روکا اور کہا۔

''گیتی!''

''ہاں گیتی۔''

''ڈرنا نہیں، لڑنا ہے۔''

ان کی بات سن کر وہ مسکرائی، ماسک درست کیا اور خدا حافظ کہہ کر چلی گئی۔

''کیسے ڈرنا نہیں ہے۔ مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' وہ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے سوچ رہی تھی اور ڈر بھی رہی تھی۔

☆......☆......☆

دوپہر کا وقت تھا۔آمدورفت میں بھی اب وہ پہلے جیسی سختی نہ برتی جا رہی تھی۔مل کو کرونا سے بچاتے تو غریبی مار دیتی۔اس لیے کہیں کہیں بہت کچھ اور کہیں کہیں کچھ نہ کیا جا رہا تھا۔

بندگی کے گھر میں حسبِ معمول پرندوں کا شور تھا اور بس یہی تھا۔وہ بستر پر پڑی ان ہی کے متعلق سوچ رہی تھی۔کہیں انہیں کچھ ہو گیا تو؟ یہ بھی تو جاندار تھے۔ایک تو نوٹی بھی گاؤں چلا گیا تھا۔اب ان کی حفاظت کیسے کی جائے؟ وہ یوں بھی بیٹھ بھی نہ سکتی تھی لیکن بخار اتنا تھا کہ اٹھنا محال تھا اُف..... پر اٹھنا تو تھا ان پرندوں کے لیے، اپنے لیے۔اسے کچھ کھا لینا چاہیے تھا اس نے خود کو اچھی طرح کور کیا اور کچن میں آئی۔اللہ عطا فرمائے۔اس نے دعا مانگی اور اپنی مدد آپ کے تحت اپنے لیے کھچڑی بنانے لگی۔ابھی کام ختم نہیں ہوا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔شاید نوٹی آیا تھا۔وہ فوراً دروازے کی جانب گئی۔اس کی ٹانگوں میں درد تھا اور سر بھی دکھ رہا تھا۔

اس نے دروازہ کھولا، نوٹی نہیں آیا تھا۔وچن اور ندا سامنے تھی۔

"تم دونوں؟"

"یار بندگی اچھی خاصی تو شکل ہے ہماری۔نا جانے پھر کیوں ہمیں دیکھتے ہی تمہارے ہاتھوں کے طوطے اڑ جاتے ہیں۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔وہ مجھے....." وچن سننے کہاں کچھ آئی تھی، اسے تو آج اپنی کرنی تھی وہ بنا کچھ سنے اندر آئی۔دو دن سے موسم گرد آلود تھا، مٹی اڑا اڑ کے آ رہی تھی۔بندگی کے گھر میں بھی دھول کا بسیرا تھا وچن اور ندا جہاں سے چل کر آ رہے تھے وہاں ان کے پاؤں کے نشان بن رہے تھے۔ندا آتے ہی پرندوں کی جانب چلی گئی۔بندگی نے بھی نہ روکا۔ان سب نے ماسک اور گلوز کا استعمال کیا ہوا تھا۔

"ندا! دانہ پانی ڈال دو ان کو۔" بندگی نے بمشکل کہا تھا اور دل ہی دل میں خدا کا شکر منایا تھا۔اب وہ وچن سے کہنے آئی تھی کہ وہ پوزیٹو ہے اور وہ یہاں سے چلی جائے۔

"لیکن وچن؟" کچن سے اٹھا کر بندگی کے ہاتھ کی بنی کھچڑی پروسنے لگی اور بند کر دی۔فریج میں بھی بندگی کے ہاتھ سے بنا ہوا بہت سا سالن تھا جو وہ اٹھاتی گئی اور گاڑی میں رکھ کر آئی۔

”سنو تو۔“

”کیا سنوں؟“

”کیسی لڑکی ہو۔ چائے کا بھی نہیں پوچھتی؟“

”پانی چڑھا دیا ہے۔ دودھ بھی نکال دیا ہے۔“

”کچھ کپ چائے بنادو۔“

”لیکن تم تو صرف دو لوگ ہو۔“

”ہاں تو پھر کیا ہوا۔ تین کپ میرے اور تین کپ ندا کے۔“

”میں چائے نہیں پیتی۔“ ندا نے رنگ میں بھنگ ڈالنے کے لیے دانہ ڈالتے ہوئے کہا۔

”چائے is good for covid۔ بناؤ بناؤ، پی لے گی۔“ بندگی کے سر میں درد تھا۔ اس نے بھی چائے بنانا شروع کی۔ وچن اس کے گھر کی بتیاں بند کرنے لگی۔ فریج بھی آف کر لی۔ کھانے کا سارا سامان نکال کر گاڑی میں رکھ آئی۔ بندگی کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ وچن کام کرتے ہوئے کچن میں آئی، قہوا تیار تھا، خوشبو بھی اٹھ رہی تھی۔ اس نے جتنا دودھ پڑا تھا سارے کا سارا پتیلے میں ڈالا تھا اور پھر سے کام کرنے لگی تھی۔ وہ گھنٹوں کا کام منٹوں میں کر دیتی تھی۔ اس نے پرندوں کے پنجرے اٹھائے، ایک دوسری گاڑی میں رکھ دیے۔

”ان پرندوں کو گھر لے جاؤ۔ یوں بھی اماں پاپڑوں کا کام ٹھپ ہونے کی وجہ سے پریشان ہیں۔ ان کی سیوا کرے گی تو خوش رہے گی۔“ اس نے پیسے دے کر پرندے روانہ کیے۔ اور پھر گھر کب آئی اب صحن پر پڑی دھول پر متعدد پیروں کے نشان تھے۔ چائے جوش کھا کھا کے گر رہی تھی اور بندگی سونے چلی گئی تھی۔ اس نے چائے تھرماس میں ڈالی اور ندا سے کہا۔

”گاڑی میں رکھ آؤ۔“

کمرے میں اندھیرا تھا۔

”کپڑے کہاں ہیں؟“

''کیوں...... کیوں کیا۔ تم میرے ساتھ چل رہی ہو۔''

''کیوں۔'' اس نے بمشکل پوچھا تھا۔

''عافی کو کرونا ہوا ہے۔ وہ کچھ نہیں کھا پی رہا۔ اب تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔''

وہ سن رہی تھی۔ وچن اس کے کپڑے شاپروں میں ڈال رہی تھی۔ پتا نہیں وہ بیگ کہاں رکھتی تھی۔

کام ختم ہونے پر وہ بندگی کے سامنے آئی۔

''تم جا کیوں نہیں رہی وچن؟''

''عافی بیمار ہے...... میں بھی بیمار ہوں۔''

''اچھا کچھ دیر پہلے تو کھانا بنا رہی تھی۔''

''میں سچ میں بیمار ہوں۔''

''کیا ہوا ہے تمہیں۔ کرونا تو نہیں ہو گیا'' اس نے مستی سے کہا تھا اور اس نے معصومیت سے ہاں کہہ دیا تھا۔

''ہا ہا ہا۔ کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔ چلو چلو۔ پہلے کھچڑی کھا رہی تھی اب کہتی ہو کرونا ہے۔ چلو جلدی۔'' اس نے ساڑھی کے پلو کو کمر میں کس کر کہا اور اسے ہاتھ سے پکڑ کر گاڑی تک لے آئی۔

''مجھے کرونا ہے، ہاتھ مت لگاؤ۔ دور رہو۔''

''ہاں ہاں پتا ہے۔ عافی کی بیماری کا سن کر تم ایکٹنگ کر رہی ہو۔ ڈرو مت وہ آئسولیشن میں ہے۔''

''نہیں نہیں سنو تو......''

''ہینڈ بیگ وغیرہ ہے تمہارا کیا۔ یا پھر کوئی ضروری سامان۔ ویسے میں تے تمہارا تولیہ، تمہارا ٹوتھ برش، سب اٹھایا ہے۔''

''چلو ہینڈ بیگ بھی لے آتی ہوں۔'' وچن یہ کہہ کر یوں اندر گئی اور باہر بھی چلی آئی۔ ندا اس کی پھرتی دیکھ کر حیران تھی۔ اس نے چٹ پٹ کام نپٹا لیا اور اب وہ راولپنڈی سے بالاکوٹ کی جانب روانہ تھے۔

''میری بات سنو!''

وچن ڈرائیونگ کر رہی تھی۔ بندگی اور ندا فاصلے سے پیچھے بیٹھی تھیں۔ وہ اپنی بات وچن سے کہہ کہہ کر تھک گئی تھی۔ اب ندا سامنے تھی اس سے کہہ رہی تھی۔

"مجھ سے دور رہو۔ مجھے مت لے جاؤ۔ مجھے کرونا ہے۔"

"میڈل دل! آپ سے ایسی امید نہ تھی۔ وہاں عافی بھائی زندگی اور موت کے درمیان میں ہیں اور آپ جھوٹ بول رہی ہیں۔ چھی چھی چھی کیسے کر سکتی ہیں آپ ایسا۔ کیسے؟"

"لیکن میری بات تو سنو۔"

"مت بات کرو آپ مجھ سے۔ آپ کی شاگرد ہوں۔ آپ نے کام سکھایا ہے تو میں نے بھی گل پارلر میں بہت محنت کی ہے۔ میں آپ کی ایک نہیں سنوں گی۔" ندا نے کہا اور چلتی گاڑی میں ناراض ہو کر فرنٹ والی سیٹ پر پیچھے سے اچھل کر آئی۔ وچن نے اسے تھم سلیوٹ کیا اور آگے دیکھنے لگی۔ وہ بہت اچھی ڈرائیور تھی۔

☆......☆......☆

فری اور دوری پریشان لگ رہی تھی۔ وچن کا بھی کچھ پتا نہ تھا۔ گیتی ڈر سے بھاگ گئی تھی۔ ندا کو بھی وہ اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ اف کتنی ٹینشن تھی۔ انہوں نے ٹینشن ٹیشن میں کُرکُرے کے چار پیکٹ اٹھا لیے تھے۔ اب وہ سر جوڑ کر بھی نہ بیٹھتی تھی۔

"اپنا اور اپنے بچوں کا خیال جو رکھنا تھا۔"

عافی کے بڑے سے آنگن والے گھر کی جب بیل بجی تو شام ہو چکی تھی۔ وہ دونوں بنا جوتے پہنے دروازہ کھولنے کو دوڑتی چلی آئیں۔ دونوں نے بالوں کا اونچا اور گول رفلی ٹائپ کا جوڑا بنایا تھا اور کانوں کے بالکل پاس سے لمبی لمبی موٹی لٹیں چھوڑی تھیں۔

وچن اور ندا کے ساتھ بندگی کو دیکھ کر وہ جیسے خوشی سے اچھلی تھی۔ ندا نے اسے تھاما تھا۔ وہ خود کو اور ان کو بچانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"دور رہو مجھ سے۔"

''یہ ڈری ہوئی لگتی ہیں۔ جیسے صبح گیتی ڈر گئی تھی۔''

''ہاں مت لگاؤ مجھے۔ فاصلے سے رہو۔'' وہ خود اندر آئی اور ایک کونے میں بیٹھ گئی۔ اسے تو یہ بھی معلوم نہ ہو سکا۔ وہ اپنے گھر میں آئی ہے۔ کونے میں پڑی چیئر پر بیٹھتے ہی اس پر غنودگی چھانے لگی تھی۔

''دوری! یہ ڈری ہوئی نہیں بہت ہی زیادہ ڈری ہوئی ہیں۔'' وہ تسلی دینے اس کے پاس گئے۔

''دیکھو! اتنا ڈرو مت۔ عافی بھائی آسولیشن میں ہیں۔''

''میں آسولیشن میں نہیں ہوں۔ مجھے اسولیشن کی ضرورت ہے۔'' بندگی نے چیخ کے کہا تھا اور ان سے دور جانے کے لیے اٹھتی تھی۔ فری اور دوری کو کچھ سمجھ نہ آیا تھا۔ وچن نے آتے ہی عافی کے لیے بندگی کی بنائی ہوئی چائے گرم کی اور اس کے ہاتھ کا بنایا ہوا کھانا بھی گرم کیا۔

وچن کا تیر نشانے پر لگا تھا۔ بندگی کے آتے ہی وہ خوشگوار سا محسوس کر رہا تھا۔

وچن نے کال کی تو اٹھا بھی لی۔

''عافی! بندگی آئی ہے۔ یہ دیکھو۔'' اس نے وڈیو کال پر اسے دیکھا تھا۔ اس نے رخ موڑ لیا تھا لیکن عافی اسے پہچان چکا تھا۔

''ناراض ہے۔'' عافی نے بمشکل کہا تھا۔

''ایسے ہی تمہاری بندگی نخرے کرتی ہے تمہارے آگے ورنہ یہ دیکھو تمہارے لیے کیا کچھ بنایا ہے۔ میں کھانا لا رہی ہوں۔ تم کھا لینا۔ ورنہ وہ ناراض ہو کے چلی نہ جائے۔''

عافی نے ہاں کہتے ہوئے آنکھیں جھپکائی تھیں۔ وہ بہت کمزور لگ رہا تھا۔ سب کرونا کو بھول کے موبائل اسکرین کے پاس آ گئے تھے اور بہت خوش تھے۔ سب نے وچن کی مدد کرنی شروع کی اور خوشی خوشی کھانا ٹرالی میں سجا کر دروازہ کھول کر ٹرالی سرکائی تھی جو سرک کر سیدھا عافی کے بیڈ کے پاس آئی تھی۔ چار کپ کیتلی میں چائے موجود تھی۔ اور کچھ کھانے کے لیے بھی تھا۔

یہ خوشبو اور لذیز کھانا۔ وہ اپنی ایک بے وفائی کے بدلے کیسی کیسی نعمتوں سے محروم رہا تھا۔

''میں تمہارا گنہگار ہوں، مجرم ہوں تمہارا۔ میں کیسے کہوں میں کیسے کیسے سزا پا تا رہا ہوں۔ کیا

کچھ جھیلتا رہا ہوں۔ کیا کچھ سہا ہے میں نے۔"

اس کی آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے تھے۔ یادوں میں سمائے سارے منظر دل بہلا رہے تھے۔ یہ یادیں کس قدر انمول خزانہ ہوتی ہیں؟ اس نے چائے کے چاروں کپ پی لیے۔ وچن کھڑکی سے باہر تھی۔

عافی نے اس پر ستائشی سی نظر ڈالی تھی۔ بندگی کو یہاں لانے کا کام ایک وہ ہی کر سکتی تھی ورنہ ندا اور اس کے گروپ کے ساتھ مل کر کیسے کیسے جتن کیے تھے عافی نے۔ اس نے ویل ڈن کہا تھا وچن عافی کو خوش دیکھ کر خوش تھی۔ بلکہ سب خوش تھے۔ سوائے بندگی کے۔ جب سب چلے گئے تو اس نے ہمت جتا کر آنکھیں کھولیں۔ یہاں کچھ اپنا اپنا سا محسوس ہو رہا تھا۔ اور پھر آگے بڑھی تو دنگ رہ گئی۔ یہ اس کا گھر تھا، اسی کا گھر۔ بالکل پہلے جیسا...... اس کا گھر...... ہر ایک چیز بالکل ویسی تھی۔ وہی پرانے ماڈل کی ٹی وی اور ویسی ہی ٹرالی۔ سائیڈ میں رکھے پھول اور گل دان الگ تھے لیکن کلر وہی پرانا تھا۔ ویسا ہی لکڑی کا صوفہ بس اس پر چڑھے شنیل کے کپڑے کے کشن کا رنگ نیا تھا اور ڈیزائن کے اعتبار سے پھول بڑے بڑے تھے۔ پردے تو سیم ٹو سیم ویسے تھے اور دادا جی کی کرسی بھی ویسی ہی تھی۔ یہ گھر نیا تھا مگر اس کا ہر کونا اس کے پرانے گھر کی طرح سجا تھا۔ اس نے سارا گھر دیکھنا تھا۔ وہ اضطرابی سے پورے گھر کو دیکھ رہی تھی۔ یادوں کے جنگل میں جیسے تنہا بھٹک رہی تھی۔ وہ آج جہاں بھی تھی کیا پتا تھا وہ کہاں تھی؟ لیکن جہاں وہ پہلے تھی وہیں آج بھی تھی۔ یہاں سب کے ساتھ، زندگی، اماں، دادا جی، چاچی، چاچا، بچے اور عافی...... پرانی بیٹھک...... اس کا دل جیسے نچوڑ سا رہا تھا، اپنے اپنوں کے لیے تڑپ رہا تھا۔ جانے والے لوٹ کے نہیں آتے، ان کے جانے کے بعد بس ان کے نہ ہونے کا درد ہی واپس آتا ہے۔ وہ شدتِ غم سے ناچاری رونے لگی۔

وچی، فری اور دوری اس کے پیچھے کچن سے آئے تھے۔ فری اور دوری اس کے آنسو پونچھنے کے لیے جوں ہی آگے بڑھے، وچی نے انھیں روک لیا۔

"وچی! وہ بہت زیادہ رو رہی ہے اس کے آنسو نکلتے ہی جا رہے ہیں۔"

کئی بار آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کے بہانے، دل میں چھپی محبتیں باہر نکل آتی ہیں اور کئی بار ایک غم کے بہانے کئی غم رلانے چلے آتے ہیں اسے رونے دو۔

''لیکن وچی؟ اتنے سارے غم کہیں اس کے دل پر گراں نہ گزرے۔ کیوں فری؟''

''ہاں دوری، وہ بہت ہی زیادہ روئے جارہی ہے۔''

''کچھ نہیں ہوگا۔ غموں کے اس جمگھٹے میں اس کی محبت آج بھی اس کے ساتھ ہوگی۔ اس کے رونے سے اس کا دل صاف ہو جائے گا۔''

وچن آج اپنی اور بس اپنی کر رہی تھی۔ وہ اس گھر کی کہانی کے ہیرو کی ہر حالت میں بس جیت چاہتی تھی۔ یہ سوچے بنا کہ ماحول وبا کے زیرِ اثر ہے اور بندگی چیخ چیخ کر کہہ چکی تھی وہ اس موذی مرض میں مبتلا ہے لیکن وچن اس پر یقین نہیں کر رہی تھی جو اس کے اپنے لیے بھی خطرے کی بات تھی اور دوسروں کے لیے بھی۔

بندگی نے خود کو ان سے اور ان کو خود سے محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کی لیکن وہ بار بار نزدیک آ جاتے تھے۔

یادوں کے ذخیرے وسیع ہتے ہیں۔ اکتوبر 2005ء تا جولائی 2020ء

کتنا وقت ہو گیا۔ ایسے جیسے زمانے گزر گئے۔ وہ آج پھر سے یہاں تھی، تنہا تھی۔ آج ان میں سے کوئی بھی نہیں تھا جن کے بنا جینے کا تصور بھی وہ نہ کر سکتی تھی لیکن وہ آج بھی زندہ تھی۔ اسے یہ سوچ کر اور زیادہ رونا آ گیا تھا۔

''دادا جی! دادا جی۔'' اس نے رو رو کر پکارا تھا۔ جیسے وہ آج بھی یہاں ہوا اور اس کے آواز دینے پر وہ اپنے دست شفقت اس پر رکھنے کے لیے چلے آئیں گے۔

''دادا جی! زندگی چلی گئی دادا جی...... مجھ سے دور چلی گئی۔''

ایک تو یہ غم اس کے دل سے نہ جاتا تھا۔ زندگی اس سے دو سال بڑی تھی، وہ اس کے پیدا ہونے کے بعد اس دنیا میں آئی تھی وہ اس کے شعور ولاشعور کا اول دن سے حصہ بن چکی تھی۔

''وہ چلی گئی، داداجی وہ چلی گئی۔ میں بھی چلی آئی، جا نہ سکی، نہ جا سکی۔'' بندگی نے جہاں بہن کی سنگ دلی کا تذکرہ کیا وہی خود کی کمزوری بھی بیان کی۔ وہ اب بھی رو رہی تھی۔ زار و قطار رو رہی تھی۔ روتے روتے اس نے ذرا سا دم بھرا تو اپنے اردگرد نظر دوڑائی اور پرانی بیٹھک کو دیکھا۔ ''عافی'' اس کی جگہ کا واسی، مہران، مخلتی، داداجی کا بیٹا اور اس کی محبت۔

وہ کھلی آنکھوں سے خیالوں میں یادیں سجا بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں میں محبت کی تڑپ ابھری تھی۔ وہ محبت جو کبھی تازہ پھولوں کی پنکھڑیوں کی مانند، رعنائی کا پیکر سی دل کی مکمل حساسیت سے لبریز سی اس کے وجود کے آس پاس یا پھر جیسے اس کے وجود کے اندر اور باہر روح سی شامل ہوا کرتی تھی۔ اس کے اندر جسم کی ملکیت کے لیے اس کے خدا نے اس میں روح پھونکی تھی مگر اس کی جان اس کی آنکھوں کے سامنے چلنے پھرنے والے ایک اور روح جسم میں تھی جسے اس کا دل ''عافی'' کہتا تھا۔

کہا جاتا ہے، انسان کے جسم میں دو روحیں ہوتی ہیں۔ ایک میلانی سو سونے کے بعد نکل جاتی ہے اور پھر بیدار ہوتے ہی واپس آ جاتی ہے۔ دوسری مقامی! جس کے نکل جانے سے انسان مر جاتا ہے۔ عافی اس کے لیے اس کی مقامی روح سا تھا اور اس کی اپنی روح بس میلانی سی تھی۔ بلکہ وہ بھی نہ تھی۔ اس کی نیندیں کہاں عافی کے خوابوں سے آزاد ہوتی تھیں؟

''عافی۔'' اس نے رو رو کے پکارا تھا۔ دل کی محبت دل میں پرانے وار کرنے لگی تھی لیکن اب کہ دل کہاں وہ زور آور ٹھہرا، اب کہاں وہ مستحکم پن، کہاں وہ توانائی، اب تو دل مت ہوئے چھلنی ہوا، لاغر و کمزور، تن تنہا، بے ثباتی و کم ہمتی کا شکار۔

''اب کہاں؟ وہ پہلے سی بات؟ اب اس محبت کے وار دل پہ پڑے تو کہیں دل، دھڑکنے سے ہی نہ چلا جائے۔

اس نے پکارا ہی تھا۔ عافی نے سنا تھا، دیکھا تھا اس نے پکارا تھا۔ یہ کیسی خوشی تھی۔ ذرا سی جان لیوا، ذرا سی بے رحم، آنکھوں سے آنسو، دل سے سو سو پچھتاوے دھوتی خوشی۔

وہ پکار رہی تھی لیکن وہ کیسے جاتا؟ یہ مرض جو اس کی رگوں میں پنپ رہا تھا۔ اسے وہ کیسے اس

میں منتقل کر سکتا تھا جس کی محبت میں وہ زندہ تھی، یہ درد سہہ رہا تھا اور نا جانے کتنے درد سہتا رہا تھا، خود کو سزائیں دیتا رہا تھا۔

کہ کب وہ سچے دربار کی جانب سے بخش دیا جائے، اس پر وہ رحمت وان، دیاوان رحم فرمائے اور اس سے بچھڑی اس کی سانسوں سی محبت اسے پکارے۔

''عافی!''

یہ پرانی بیٹھک...... جہاں اس کی محبت کے جنم کے کئی آثار تھے۔ لیکن یہی وہ جگہ بھی تھی جہاں اس نے اپنی محبت کو پل پل مرتے دیکھا تھا۔

''عافی!'' اب کے اس نے مایوس ہو کر پکارا تھا۔

اس کی آنکھوں میں جیسے زمانہ قدیم کے سوئی آن چبھی تھی۔ دل میں جو محبت کا خوشگوار احساس پھر سے اترا تو اس محبت کا درد بھی بے دردی سے جیسے اترا۔

''عافی! ہاں عافی۔''

اس کے عافی نے اسے ایسا محبت بھرا زہر سا پلا لیا کہ وہ نہ جی سکی نہ مر سکی۔ بس ایک احساس جرم، ایک ندامت، ایک شرمندگی میں زندہ رہی۔ اس کا دل یک دم سخت ہو گیا۔ حقیقت آج بھی وہی تھی، عافی نے خوشی خوشی زندگی سے شادی کی اور بندگی کی محبت کو رسوا، رسوا، بہت رسوا کیا۔ اس کی نیک نامی قائم رہے اور عافی کی بدنامی نہ ہو اس لیے اس کے جسم سے اس ننھی جان کو جدا کیا گیا تھا۔

''اُف عافی......''

''اُف...... اُف...... تم نے جو درد دیا...... توبہ توبہ...... خدا دشمن کو بھی ایسے درد نہ دے۔ محبت ایسی ہوتی ہے تو اللہ کرے یہ مر جائے۔ محبت مر جائے۔ تم مر جاؤ، میں مر جاؤں عافی۔''

''سن رہے ہو اور بے وفا عافی۔ سن رہے ہو؟ او بے رحم عافی۔'' وہ روتے روتے دل کی بھڑاس نکال رہی تھی۔ یہ شکوہ نہ تھا، گزرے ہوئے سالوں کی چنگاریاں تھیں جسے اس نے اپنے دل میں بجا بجا کے رکھنا چاہا مگر وہ راکھ نہ بن سکی۔

''تم نے اچھا نہیں کیا عافی۔ نہ میرے ساتھ، نہ زندگی کے ساتھ۔'' وہ اوپر دیکھ کر چلاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ جہاں عافی زندگی کے کمرے کی کھڑکی سے اسے اپنے بیمار اور کمزور بدن کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ وہ غصے میں تھی، اسے کوس رہی تھی۔ عافی نے درد بھری سانس لی تھی اور آنکھیں موند لیں۔

''تمہیں مجھ سے لڑنے کا اختیار ہے لیکن مجھ سے لڑتے لڑتے کہیں خود سے دشمنی نہ مول لو۔''

اس نے آسولیشن والے بند کمرے سے آواز دی تھی، جو اس نے سنی تھی یا نہیں لیکن عافی کے گلے سے یہ آواز کیسے نکلی تھی، یہ وہ ہی جانتا تھا۔ وہ اس مرض میں مبتلا تھا جو جان لیوا سے بھی جان لیوا تھا۔ بے علاج، بے سمجھ تھا، اس وقت انسانی عقل حیران تھی، نہ کوئی مخصوص میڈیسن تھی نہ کوئی ویکسین۔

وچن، دوری، فری اور ندا سن رہی تھی۔ کاش تم اس کی تڑپ کو سمجھتی بندگی۔ اس نے آہ بھر کر مجبوری میں کہا تھا لیکن اس کے پاس نہ آئی تھی۔ شاید اسے اب بھی امید تھی کہ وہ دل کی بھڑاس آج نکال ہی لے گی اور پھر......

''تمہیں میں کبھی نہیں معاف کروں گی تم نے ہم دونوں بہنوں کے دلوں سے کھیلا ہے عافی۔ تم مکار ہو عافی، مکار...... میں...... میں...... تمہیں قیامت تک معاف نہیں کروں گی۔''

جہاں عافی میں بیماری کے باعث کھڑکی کے سامنے کھڑے ہونے کی ہمت ختم ہو رہی تھی، وہاں بندگی کی ہمت بھی وبا کے زیر اثر جواب دے رہی تھی۔ وہ نفرت بھرے انداز میں عافی کو کوستے اور غصے سے دیکھتے ہوئے فرش پر آن گری۔

''بندگی......'' عافی مجبور تھا، بہت مجبور...... کتنے عرصے بعد وہ دل کھول کر شکوہ کر رہی تھی اور وہ اس کا شکوہ براہ راست سن بھی نہ سکتا تھا۔ وہ غصے و کمزوری کے باعث گر گئی تھی۔ وہ اسے تھامنے کے لیے بڑھ نہ سکتا تھا۔

وچی بھاگی چلی آئی تھی۔ ندا بھی پیچھے تھی، فری اور دوری چھوٹے ایریئے میں بھاگ نہ سکتی تھی پھر بھی عجلت میں وہاں پہنچی تھی۔ عافی نے کھڑکی کھول کر پوچھا تھا۔

''کیا ہوا اسے؟ وہ ٹھیک تو ہے؟''

عافی کا اتنا پوچھنا تھا کہ وچن کی آنکھوں میں سارا منظر لہرانے لگا۔ اس کا خود کو ڈھانپ کر رکھنا، ان سے دور دور رہنا، آنکھوں پر بنے ہلکے، سوکھے لب، پسینے سے شرابور تپتا بدن۔

بندگی نے کہا تھا، ایک بار نہیں کئی بار کہا تھا۔ ''مجھ سے دور رہو۔ مجھے کرونا ہے۔''

''ہے بھگوان! یہ میں نے کیا کر دیا۔'' وچن نے تڑپ کر پیشانی پر ہاتھ ملتے ہوئے کہا تھا۔

''کیا ہوا ہے اسے؟ بتاؤ کیا ہوا؟'' عافی پوچھ پوچھ کے نڈھال ہوا تھا اور اب پوچھ نہ رہا تھا۔ بس سمجھ گیا تھا۔ جس درد کو وہ جھیل رہا تھا بندگی بھی اسی درد سے گزر رہی تھی۔

☆......☆......☆

پریشانی کا ایسا عالم کس نے سوچا تھا؟ ایک گھر میں دو بندے جدا جدا کمروں میں بند پڑے زور زور سے کھانستے رہتے تھے۔ دونوں پر سیکنڈری افیکٹ ہوا تھا۔

گیتی ڈری ہوئی تھی، اب یہاں تو ہرگز نہ آتی۔ کلثوم اور مہر کا تو گھر ہی بہت دور تھا لیکن ملٹی میڈیا کے زمانے کا یہ ہی تو بڑا فائدہ ہے کہ وہ موبائلز کے ذریعے ایک دوجے سے جڑے تھے۔

گیتی اور سب ایک ساتھ گروپ میں موجود تھے۔ فری اور دوری وچی کو بتا رہی تھی کہ عافی اور بندگی دونوں اب ایکٹو فیز میں ہیں۔ یہ ڈینجرس فیز ہے۔ انہیں اس فیز میں مختلف تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا۔ عافی بھائی جو تھوڑے بہت ٹھیک ہوئے تھے، بندگی کی بیماری کا سن کر پہلے سے بھی زیادہ بیمار ہو گئے ہیں۔

''ہاں دوری...... کاش بندگی بیمار نہ ہوتی تو جیسے فلموں میں ہوتا ہے ویسا تو کچھ ہوتا۔''

''ہاں فری! بندگی سے ہم اتنی خدمت عافی بھائی کی کرواتے کہ انھیں ٹھیک ہونا ہی ہوتا۔''

''چھوڑو یہ فلمی باتیں یارو۔ اب یہ سوچو ہم کیا کر سکتے ہیں۔'' وچی پریشان تھی۔

''ہم تو جو کر سکتے تھے کر چکے۔ اب بس دعا کر سکتے ہیں۔''

''کیا مطلب؟'' گیتی کی آواز میں شدید خوف تھا۔

''کیا وہ مر جائیں گے؟'' وچی اس سوال پر اپنی بڑی بڑی آنکھوں میں غصہ سمو کر ندا کی جانب دیکھنے لگی۔

"نہیں۔ اللہ نہ کرے۔" ندا نے ٹوکا تھا۔

"ہاں گیتی۔ ایسا تو مت کہو۔"

"کیوں دوری؟"

"ہاں فری، ایسا مت کہو۔"

دونوں نے شدید برا منایا تھا۔

"لیکن آپ سب برا کیوں منا رہی ہیں۔ یہاں ہمارے پڑوس میں صبح صبح ڈیڈ باڈیز آئی ہیں۔"

"ہاں! میرے کزن کے فادر بھی۔" مہر نے درد بھرے انداز میں کہا تو سب پھر زم پڑ گئے۔ گیتی کا سوال اپنی جگہ درست تھا، ان سب کو بھی تو ایسا ہی ایک ان دیکھا خوف ہر وقت کھائے جا رہا تھا۔

اور پھر فری کہتی: "نہیں نہیں۔ ڈرنا نہیں لڑنا ہے۔ کیوں دوری؟"

"ہاں فری۔ ڈرنا نہیں ہے۔"

پر ڈر تو تھا۔ وائرس کے وجود کے ساتھ ہی ڈر کا جنم ہو چکا تھا۔ اور سچ تو یہی تھا کہ سب ڈرے ہوئے تھے۔ فری اور دوری بھی، وچن اور ندا بھی، اور سب ہی۔

حالت ہی ایسی تھی دونوں کی۔

دونوں ہونق بھر بھر کے کھانستے...... بخار سے تپتے رہتے۔ ان کے چہرے زرد تھے۔ آنکھیں تک نہ کھول پاتے۔ گلے میں جو درد تھا وہ ناقابل برداشت تھا اور اس پر یہ خبریں۔ یہ جاں بحق، وہ جاں بحق۔ ہزاروں مریض، ہزاروں مردے۔

وچن کی موٹی موٹی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ دعا کو کھڑکی سے دیکھ رہی تھی۔

"سچے پاتشاہ! مہر کر۔" اس نے دعا مانگی تھی۔ فری اور دوسری اور سب ان دونوں کے لیے دعا گو تھے۔ سب فکر مند تھے۔ بے چین تھے۔ بے تاب تھے۔ ان کے اپنے ان کے ساتھ تو تھے مگر پاس نہیں۔

☆......☆......☆

وہ دعا گو اب اب خاموش ہوگئے تھے۔ اس نے ہمت ہار لی تھی۔ بندگی جان چکی تھی اب اس کا وقت آچکا ہے۔ دل میں اب بھی کہیں اللہ اللہ یا اللہ چلتا رہتا۔ یہ سب اس کی کی ہوئی عبادتوں کا صلہ تھا جو اسے اللہ یاد رہتا ہر حال میں۔ اس نے اس پکار کو اس قدر طول دی تھی کہ بھیڑ اور تنہائی دونوں میں ہی اب یہ نام اس سے نہ چھوٹتا تھا۔ لوگوں پر ان کے ناموں کا کچھ اثر ہوتا ہے اور اس پر تو پورا ہی اثر ہوا تھا۔ وہ بندگی تھی اور بس بندگی کرتی رہتی۔ وچن نے اسے اللہ، اللہ کرتے سنا تھا۔

''بندگی! کھانا کھالو۔'' اس نے کال کی تھی جو اس نے کانپتے ہاتھوں سے لے لی۔

''میں زندگی......'' اس نے بمشکل زندگی کے متعلق کچھ کہنا چاہا تھا۔

''زندگی......'' اس نے پھر سے ایک بار پھر اس کا نام لیا اور پھر جیسے مدہوش ہوگئی۔ وچن مسلسل اس سے بات کر رہی تھی۔

''بندگی! کہو...... کیا کہنا ہے۔'' وہ آنکھیں موندے سوئی سی تھی۔

''بندگی...... بندگی! تم زندگی کے متعلق بات کر رہی تھی۔ کیا تم اس سے ملنا چاہتی ہو؟'' وہ اسے بے سکت لڑکی کو باتیں کرنے پر اکسانا چاہتی تھی۔

''بندگی! تم زندگی سے ملنا چاہتی ہو، ہاں بتاؤ مجھے۔ بتاؤ۔ بتاؤ تم ملنا چاہتی ہو۔'' اس نے بہت بار پوچھا تو اسے جیسے ہوش آیا۔ اس نے اپنی بوجھل آنکھیں کھولیں اور بمشکل کہا۔ ''میں زندگی...... کو...... ناراض...... کر کے...... مرنا...... مرنا نہیں...... چاہتی۔'' اس نے بمشکل کہا۔

وچن ششدر سی رہ گئی۔ یہ ان کے درمیان کیسی بونڈنگ تھی۔ اس نے اپنا سب کچھ تو اپنی بہن پر قربان کر دیا تھا۔ اب او کیا؟ وچن کے ماتھے پر بے شمار بل پڑ گئے۔ بندگی اتنا کہہ کر سو چکی تھی۔ اس نے کھانا نہ کھایا تھا۔ اب کے تو وچن اسے زندہ رہنے کی امید بھی نہ دے سکی۔ یہ نہ کہہ سکی کہ تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ نا جانے وہ کن سوچوں، کن خدشات میں پڑ گئی تھی۔ رہ رہ کے اسے بندگی کی بات یاد آتی۔ وہ عبادت و انسانیت کے اس درجے پر تھی جہاں وہ تکلیف میں بھی اس انسان کے متعلق سوچ رہی تھی، جس کا دل اس کی وجہ سے جانے انجانے ٹوٹا تھا۔ اس نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ زندگی نے اس کی قربانی

کو نہ سمجھا بلکہ وہ خود کو اپنا قصوروار سمجھتی تھی۔
یہ جو بندگی جیسے لوگ ہوتے ہیں۔ ان کی جو محبتیں ہوتی ہیں وہ ان کنڈیشنل ہوتی ہیں، کوئی شرط نہیں، کوئی رول نہیں، کوئی اصول نہیں۔ وہ سوچ رہی تھی یا پھر یہ کہنا چاہیے کہ وہ بری طرح سوچ میں ڈوبی تھی۔
''عافی بھاء، یاور بندگی دونوں کا آکسیجن سیچوریشن کم ہے۔'' فری نے پریشان کن حالت میں بتایا۔ وہ خود کو مکمل طور پر ڈھانپے ہوئے تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں آکسی میٹر اور دوسرے ہاتھ میں تھرما میٹر تھا۔ وچن کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔ وہ وینٹی لیٹر کا انتظام نہ کر پا رہی تھی۔
اگر وینٹی لیٹر کا انتظام نہ ہو سکا تو ان کی جان کو خطرہ ہوگا۔ وچن نے دیپک سے ہیلپ مانگی تھی۔ وہ کب سے اس کوشش میں لگا تھا مگر مسلسل ناکام ہو رہا تھا۔ فری اور دوری کی بات سن کر وچن نے پھر سے دیپک کے پاس میسج کیا اور دیپک نے سوری لکھا تھا۔
''کیا مطلب دیپک؟ تم پنڈی کی مرکزی بازار میں کاروبار چلاتے ہو، نا جانے کتنے بڑے بڑے ڈاکٹرز تمہارے کسٹمر ہیں۔ تم ایسا کیسے کہہ سکتے ہو؟'' وچن جذباتی ہو رہی تھی۔ اس کی سمجھ کچھ کام نہ کر رہی تھی۔ اس نے زندگی کا نمبر کہیں سے حاصل کیا تھا۔ اس سے بھی ریکوئسٹ کی تھی کہ اگر وہ کہیں سے وینٹی لیٹر کا انتظام کر سکتی ہے تو پلیز کر دے لیکن اس کا نمبر بند تھا۔ وچن نے جہاں جہاں ہاتھ مارنے تھے مار لیے اور جب ہر جگہ سے وہ مایوس ہو کر بیٹھی تو اسے پھر سے بندگی کی بات یاد آئی۔
''وہ زندگی کو ناراض کر کے مرنا نہیں چاہتی تھی۔'' سوچ کے وہی دھاگے سمجھ کی لڑیاں پرونے لگے۔ وہ ناراض کر کے مرنا نہیں چاہتی تو ناراض ہو کر کیسے مر سکتی تھی؟ محبت کرنے والے ایک دھوکا کھا کر کہاں سدھرتے ہیں۔ دل دینے اور دل لینے کا جو یہ دھندہ ہوتا ہے یہ کون سا نفع بخش ہوتا ہے۔ یہ سودا تو نقصان کا سودا ہے، گھاٹے کا سودا ہے۔ یہ بیوپار ہی ایسا بیوپار ہے جہاں ترازو کا کوئی پلڑا برابری کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔ آج وہ اس سوچ کو ذہن میں سما بیٹھی تھی۔ عافی دھوکہ کر کے اسے چھوڑ کر بھی اسے چھوڑ نہ پایا تو وہ کیسے اسے بھول پائی ہوگی؟ یادوں کے مراسم بھی تو ہوتے ہیں۔ کوئی تو بندھن باندھتی ہوں گی یہ یادیں۔

نہیں بندگی، تم عافی کو نہیں بھول سکتی۔ وہ تمہاری محبت فقص نہیں تھا تمہارا سول میٹ تھا اور ہے بھی۔ انسان جس سے محبت کرتا ہے وہ اس کے سو سو دھوکے بھی کھا لیتا ہے۔ یہی تو محبت کی کم بختی ہے، یہی تو محبت کی خاصیت تھی۔ وچن یہ سوچ کر اٹھ بیٹھی اور سیدھا عافی کے کمرے کی جانب جانے لگی۔ اس کے پاس صرف ماسک اور گلور تھے اور کچھ نہیں۔

''وچی! رکو۔ تم اندر نہیں جاؤ گی۔'' فری اور دوری سامنے آئی تھیں۔ ان میں سے صرف فری کے پاس مکمل حفاظتی ڈریس اور دیگر اشیاء تھیں۔

''مجھے جانا ہوگا فری، میں ان کو نہیں مرنے دے سکتی۔ یوں ہاتھ پر ہاتھ نہیں رکھ سکتی۔''

''لیکن اس طرح تم اپنی جان کو خطرے میں ڈال رہی ہو۔''

''جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ ایسی محبتیں نہیں مر سکتیں۔''

''تم کیا کرنا چاہتی ہو؟''

''میں ان کو ساتھ کرنا چاہتی ہوں۔''

''وچی! وہ لاسٹ اسٹیج میں ہیں۔ تم خود سمجھ دار ہو۔'' فری اور دوسری سمجھاتی رہیں۔ وہ دو دوستوں کو اس حال میں دیکھ کر دکھی تھیں اور اب تیسری۔ کرونا میں سب سے مشکل ترین یہی فیز تھا یا یہ کہا جائے کہ سب سے تکلیف دہ یہ مرحلہ تھا۔ کسی چاہنے والے کو کسی چاہنے والے سے دور رکھنا۔ فری اور دوری یہ سب ہسپتالوں میں دیکھ چکی تھیں اور اب ان کو یہ مسئلہ یہاں درپیش تھا۔

وچی بہت ضدی تھی۔ وہ اب تک اسے سمجھا تک نہ پائے تھے کہ وہ عافی کے کمرے میں پہنچ گئی اور اس کے بخار سے تپتے وجود کو ہلا کر کہنے لگی۔

''تم مر رہے ہو کافی۔ شرم کرو تم مر رہے ہو۔ ایسے کیسے مر سکتے ہو؟ کہاں گئی تمہاری وہ محبت جو جینا سکھاتی تھی۔ تم نہیں مر سکتے، سمجھے۔ تم نہیں مر سکتے۔ اٹھو بندگی کچھ نہیں کھا رہی۔ وہ بھی مر رہی ہے۔ اسے بچاؤ اور خود کو بھی۔''

''تم جاؤ...... یہاں...... سے۔'' عافی نے کھانستے کھانستے اشارہ کیا تھا۔ وہ درد سہہ سہہ کر

دردوں کی زبان سمجھنے لگا تھا۔ اس نامساعد حالت جس میں وہ اپنے اندر ہی اندر خوف پال بیٹھا تھا۔ قوت مدافعت گنوا بیٹھا تھا۔ ساری طاقتیں جسم سے رخصت لے گئی تھیں۔ وہاں آج بھی اس کا ذہن بیدار تھا۔ وہاں آج بھی وہ خود سے پرے اس معصوم دوست کی بے لوث دوستی اور بے غرض فطرت پر ترس کھا کے اس کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اسے جانے کو کہہ رہا تھا۔ خود سے دور رہنے کہ کہہ رہا تھا اور وہ اسے ڈانٹ رہی تھی۔ اتنی بڑی بڑی بنا کاجل لگائی آنکھیں دکھا رہی تھی۔

"اٹھو عافی۔ اگر تم مر گئے تو میں تمہیں معاف نہیں کروں گی۔" وہ اس کے سامنے ٹیلی کاسٹ ہونے والی کہانی کے ہیرو کو مرتے ہوئے نہ دیکھ سکتی تھی۔ اس نے عافی کو اٹھایا تھا۔ اسے اپنی بالکل بھی پروا نہیں تھی۔ فری اور دوری تو پریشان تھیں اور اب ندا بھی پریشان ہونے لگی تھی۔ ندا کو جب زیادہ ٹینشن ہوئی تو وہ گروپ کالنگ کر لیتی اور پھر گیتی، ندا، مہر اور کلثوم پھر سے ساتھ ہوتیں۔ آج تو میڈم گل بھی ساتھ تھی کیونکہ گیتی ان کے پارلر میں تھی۔

وچی نے عافی کو بندگی کے روم میں منتقل کیا تھا۔ وہ اسے وہیل چیئر پر یہاں لے آئی تھی اور سیدھا بندگی کے پاس لے گئی تھی۔

"دیکھو عافی۔ دیکھو۔ اپنی بندگی کو دیکھو۔ وہ مر رہی ہے۔ اسے بچا لو وہ تمہاری محبت ہے۔"

عافی کا سانس اکھڑ رہا تھا۔

"یا اللہ! وچی کو کیا ہو گیا ہے۔ یہ آج کیسی بے وقوفیاں کر رہی ہے۔" فری نے پریشانی سے کہا تھا۔

"یہ تو شروع سے بے وقوف لگتی ہے۔ نا جانے تم لوگ اس کی اتنی تعریفیں کیوں کرتی ہو۔ میڈم دل نے اتنی بار کہا کہ اسے کرونا ہے لیکن پھر بھی یہ وچن صاحبہ میڈم دل کو سفر کروا کر یہاں لے آئی اور اب دیکھو یہ کیا کر رہی ہے۔" ندا کو غصہ آ رہا تھا۔

تم چپ کرو۔" فری اور دوری کو ندا پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ وچی کو جانتی تھیں اور اس کے متعلق ایک لفظ بھی نہ سن سکتی تھیں۔

"تم سب مرنے والے ہو۔ پہلے فری کو کرونا ہوا، پھر عافی بھائی کو، یہ موٹی کھا کھا کے بچ گئی

لیکن عای بھائی نہیں بچیں گے۔ اور میڈم دل بھی مر جائے گی۔ اور تو اور اس وقت یہ ساڑھی والی عورت بھی کرونا کا شکار ہوئی ہو گی۔ اب اسے بھی وائرس آ گیا ہو گا اور اب جب یہ باہر آئے گی تو ہم سب کو بھی وائرس لگ جائے گا۔" ندا بے حد ڈری ہوئی تھی۔ صرف وہ ہی نہیں، اسے بہت سے لوگ تھے جو وائرس کے خوف میں بری طرح گھر چکے تھے۔ کچھ تو اونچے درجے کے وہمی تھے۔ جنہیں بار بار یہ لگتا کہ اس چیز سے اس چیز سے بلکہ ہر ایک چیز سے وائرس ان میں منتقل ہو جائے گا۔ جب کہ کچھ تو ایسے بر ہم بھی تھے کہ ہاتھ دھو دھو کے ہاتھ ہی لگا دیئے تھے، کچھ لاپروا، کچھ سمجھ دار، کچھ برہمی، کچھ وہمی۔ وائرس کو سب نے اپنے اپنے طور پر سمجھا تھا۔

ندا بھاگ گئی تھی۔ وہ اس گھر میں نہیں رہ سکتی تھی جہاں دو مریض مر رہے تھے اور ایک دن ان کے پیچھے مرنے جا رہی تھی۔ فری اور دوری نے ندا کو نہیں روکا۔ وہ جانا چاہتی تھی اسے جانے دیا مگر وچی؟

"باہر آ جاؤ وچی۔ ان کی حالت خراب ہے۔ ہمیں وینٹی لیٹر کا انتظام کرنا ہے۔" وہ دونوں بضد تھیں اور وچی کی پھر اپنی ضد۔

"یہ دونوں ایک دوسرے کی آکسیجن ہیں ان کو ایک دوسرے کو دیکھ کر سانس لینی ہو گی۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ لیکن تم تو باہر آؤ۔" فری اسے کھینچ کر باہر لائی تھی۔ فری اور دوسری کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ آتے ہی وچن کو اس گھر کے دادا، وادی کے کمرے میں ڈال دیا۔

"اچھی طرح غسل لے لو۔ اب تم بھی......" فری نے بات مکمل نہ کی بس غصے سے کہا تھا۔ ان کے پاس ڈاکٹر کی ڈگری تو نامکمل تھی لیکن کرونا کے مریضوں کے ساتھ ہمدردی دکھاتے دکھاتے دونوں کے تجربے میں خاطر خواہ اضافہ ہوا تھا۔ اب شاید ان کے پاس تین مریض تھے۔ وہ سمجھ چکے تھے۔

☆......☆......☆

وچن کا فارمولا کام آ گیا تھا۔ عافی بندگی کو مرتے ہوئے نہ دیکھ سکتا تھا۔ اسے ہمت جتانی تھی اور وہ ہمت دکھا بھی رہا تھا۔ عافی کا جسم شدید سردی محسوس کر رہا تھا۔ شدید کمزوری، کھانسی تو جان بھی نہ چھوڑ رہی تھی۔ اس کا رنگ پیلا اور ہونٹ نیلے نیلے پڑنے لگے تھے۔ لیکن بندگی کو دیکھ کر اس نے وہیل

چیئر کو بندگی کی جانب گھمایا۔اس کام کو کرنے کے لیے اسے بے حد توانائی کی ضرورت تھی۔اتنی توانائی کا اخراج ہوا تو وہ ہانپنے لگا۔کمزوری سے اس کی آنکھیں بند ہونے کو تھیں کہ وچن کے الفاظ اس کے کانوں میں پڑے۔

''تم کوئی کمزور عافی نہیں ہو۔تم نے اتنے دن زلزلے کے ملبے تلے گزارے ہیں۔تم زندہ رہے تھے عافی۔'' وچن کمرے سے آوازیں بلند کر رہی تھی تاکہ عافی کو ہمت دے سکے۔دونوں کمروں میں ایک دیوار کا فاصلہ تھا۔وچن کی آواز آسانی سے دوسرے کمرے تک گشت کر سکتی تھی۔

''بندگی کو اٹھاؤ اور پھر سے اسے اس کی محبت یاد دلواؤ عافی۔وہ تم سے آج بھی محبت کرتی ہے۔پوچھو اس سے۔'' یہ سب تو وہ بھی سن رہی تھیں۔آنکھوں میں آنسو تھے۔کمرے میں پرانے زمانے کا بلب لگا تھا جس کی روشنی چبھ سی رہی تھی۔عافی نے اس کے رخ پر اپنا سایہ کر لیا وہ اب بھی وہیل چیئر پر بیٹھا تھا۔اس کو سانس لینے میں دقت ہو رہی تھی۔وہ کھانس بھی رہا تھا جبکہ بندگی کھانس کھانس کے تھک چکی تھی۔وہ نڈھال سی پلنگ پر سوئی تھی۔عافی نے کھانستے ہوئے چائے بنانے کا کہا تھا۔اسے کھاتے پیتے رہنا تھا جسم کو کمزوری کے جوکھم سے نکالنا تھا اور بندگی کو بھی کھلانا پلانا تھا۔فری اور دوری مشکلوں سے اس کے وائس لوڈ کو سمجھ تھیں اور جیسے ہی سمجھی تھیں دونوں چائے بنانے کو دوڑی تھیں۔

''تم سن رہی ہو۔بندگی..... وچن کیا..... کہہ رہی ہے؟'' اس نے بمشکل کہا تھا۔اس نے آنکھیں تک نہ کھولی تھی۔ہاں سن تو وہ رہی تھی۔ساری آوازیں کانوں میں پڑ رہی تھیں۔وچن اب بھی بند کمرے سے اونچی آواز میں صدائیں بلند کر رہی تھی۔

''تمہیں لگتا ہے عافی وہ تم سے نفرت کرتی ہے۔تمہیں دیکھنا تک گوارا نہیں کرتی تو بندگی نے جو کبھی تم سے محبت کا دعویٰ کیا تھا وہ جھوٹا ہوگا۔''

عافی اس حال میں بھی مسکرایا۔وہ وچن کو سمجھتا تھا اب بھی سمجھ سکتا تھا اس کے دل پر کیا گزر رہی ہو گی۔کبھی کبھی اسے لگتا اس نے وچن کو اپنا ہم راز بنا کر اس کی معصومیت کو زندگی کے تلخ تجربوں کے سپرد کر دیا جیسے کہ آج.....اس نے مردہ جسموں میں ہمت کی روح پھونکنے کا جیسے ذمہ اپنے سر لے لیا تھا۔

''عافی! پوچھو۔ پوچھو اس سے کیا اس کا ہر دعویٰ جھوٹا تھا۔ کیا وہ جھوٹی تھی۔ اگر تمہاری یاد اس کے لبوں پر ہنسی نہیں لے آسکتی تو وہ جھوٹی تھی۔ اگر تمہاری ایک نگاہ اس کے دل کا قرار نہیں تو وہ جھوٹی تھی۔ اگر وہ تمہیں معاف نہیں کر سکتی تو وہ جھوٹی تھی۔ اگر آج بھی تمہیں دیکھ کر اس کا دل نہیں دھڑکتا تو وہ جھوٹی تھی۔ محبت کوئی رت نہیں جو آئے اور چلی جائے۔ محبت کا آفتاب ڈوبنا نہیں جانتا۔ خواہ اس سے اس کی ساری روشنائی چھین لی جائے۔''

بندگی نے بمشکل آنکھیں کھولیں۔ عافی بھی پوچھ بیٹھا۔

''کیا تم جھوٹی تھی۔ کیا تم نے مجھ سے کبھی محبت نہیں کی؟''

بندگی نے آنکھیں بند کیں اور ہاں میں سر ہلا دیا۔

عافی بمشکل مسکرایا تھا۔

''ہم مر رہے ہیں بندگی۔ مرتے مرتے سچ بول جاؤ۔''

یہ سن کر اس نے آنکھیں کھولی تھیں۔ وہ بھی مرتے مرتے کہاں جھوٹ بول سکتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بیماری کا خمار تھا۔ ماضی کی مسافت کی تھکن، تن تنہا سی زندگی کا وہ بوجھل پن تھا۔ بے سہاروں میں پناہوں کے سوسو غم تھے اور آج بھی کہیں اب بھی کہیں نہ کہیں عافی کی محبت بھی تھی۔ وہ چاہ کر بھی سامنے جھوٹ نہ بول سکتی تھی۔

''پوچھو عافی۔ عافی پوچھو۔'' وچن میں کمال کی ہمت تھی کب سے اونچی آواز میں چیخ رہی تھی اور مجال ہے کہ تھکتی۔ یہ قدرتی خاصیت تھی یا دوستی نبھانے کا ایک فن وہ تھک نہ رہی تھی۔ تاکہ ان کے بیمار بدن کو طاقت فراہم کی جائے۔ فری اور دوری بھی یہ سب سن رہے تھے۔ چائے بھی بن گئی تھی۔

''پوچھو عافی! کیا اس کا دل تمہیں معاف کرنے کو نہیں کرتا۔ کیا محبت یوں رخصت ہو جاتی ہے دل سے؟''

آج اچھا موقع تھا۔ عافی کو بھی کچھ دیر جیسے اپنی بیماری بھول گئی تھی۔ کہتے ہیں خدا کی ہر چیز میں بہت طاقت ہوتی ہے۔ جیسے پانی۔ اپنی ضد پر آجائے تو کیا نہیں بہا لے جاتا۔ جیسے آگ، کیا نہیں جلا

سکتی۔ ویسے ہی محبت۔ اس کی بھی اپنی ایک طاقت ہوتی ہے۔ کمزوریوں دلیر بن کے سامنے آتے ہیں کہ عقل حیران ہو جاتی ہے۔ ان کی محبت بھی اب ان کے روبرو تھی۔ فری چائے کی ٹرالی سرکا گئی تھی۔ عافی نے کانپتے ہاتھوں سے چائے کپوں میں انڈیلی، ایک کپ اپنے پاس رکھا اور دوسری بندگی کو تھمایا۔ وہ بھی محبت کی تڑپ میں بستر چھوڑ کر اٹھ بیٹھی تھی۔ دونوں نے خاموشی سے چائے پی تھی۔ وچن کو اب ان کے کھانسنے کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ اس کے دل نے گواہی دی تھی کہ اس نے میان سے جو تیر نکال کے چھوڑا ہے وہ عین نشانے پر لگا ہے۔

یہ وفا وہ وفا، رشتے داری، ذمے داری، اپنے اپنے فرائض، سب کے سب ٹھیک لیکن محبت کے بھی اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔ ٹھیک ہے محبت میں جفا مقدر نے لکھ لی لیکن کیا یہ کم ہے کہ اس کے باوجود محبت کی شدت اپنی جگہ برقرار ہے۔

”پوچھو عافی اس سے کہ وہ شدت محبت کہاں گئی۔ وہ احساس کہاں گئے۔ وہ دعائیں کہاں گئیں۔ پوچھو اس سے کیا یہ اب بھی تمہارے لیے دعائیں نہیں کرتی۔ کیا رب سے خوشیاں مانگتے وقت تمہارے لیے تڑپ مانگ سکتی ہے؟ تمہارے لیے درد مانگ سکتی ہے؟“ وہ تھک نہ رہی تھی لیکن فری اور دوی ڈری ہوئی تھیں۔ وچن نے ابھی تک نہ سیفی ٹائز ریوز کیا نہ غسل لینے گئی تھی۔

اب تو دیپک بھائی ہی کچھ کر سکتے ہیں اور انھوں نے ہی کیا۔ وچن کے موبائل پر کال آ رہی تھی۔ شاید دیپک کو سب پتا چل گیا تھا کہ وہ خود کا خیال نہیں رکھ رہی۔

”یہ فری اور دوری بھی نا، اپنے دیپک بھائی کی چمچیاں ہیں۔“ وچن چپ کر کے پتی دیو کی ڈانٹ سن رہی تھی۔

اور یہاں اسی دیوار کے اس پار دبی چھپی محبت سر اٹھا رہی تھی۔ دونوں کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ چائے پیالوں میں جھول رہی تھی۔ کمزوری سے بدن ٹوٹ رہا تھا۔ سانس اکھڑ رہی تھی لیکن وہ ساتھ تھے۔ گئے دنوں کی یادیں، گزری تمام باتیں۔

وہ ایک کپ چائے پی چکے تھے۔ دو دن سے کچھ نہ کھا پی سکے تھے تو ذرا ا زبی حلق سے جیسے

اتری تھی۔ دونوں کس حسرت سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ قسمت بھی کیسے کیسے مذاق کرتی تھی۔ بچھڑنے کے بعد آج پہلی بار وہ اسے محبت بھری نگاہ سے دیکھ رہی تھی اور آج یہ گمان بھی تھا کہ ٹوٹتی ہوئی سانسیں کسی بھی وقت ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر سکتی تھیں۔ بندگی کھانس رہی تھی، مسلسل اتنا زیادہ کہ دوسرا چائے کا کپ وہ سنبھال نہ سکی۔ کپ اس کے ہاتھوں سے گر کر ٹوٹ گیا تھا۔

بندگی، وہ پاس آبیٹھا تھا۔ وہ اپنی زندگی میں اسے تکلیف میں نہ دیکھ سکتا تھا اس کے کھانسنے سے اسے چاچے کا کھانسنا یاد آیا تھا۔ اس نے اسے پھر سے چائے پلانے کی کوشش کی تھی۔ بندگی نے ابھی آدھا کپ ہی چائے پی تھی کہ اسے قے آ گئی۔

"لگتا ہے...... میں...... نہیں...... بچوں گی...... عافی۔" وہ اپنے بیسٹ فرینڈ عافی سے جیسے اپنے دل کی بات کہہ رہی تھی۔

"اب...... تمہیں...... کچھ نہیں...... ہوگا بندگی۔" ٹوٹے الفاظ۔

وہ اس حال میں مسکرائی اور اپنے پھٹے پھٹے ہونٹوں سے کہا۔

"تم بھی...... مرنے...... والے ہو...... عافی۔"

"تو مرنے...... والے کی...... آخری تمنا...... پوری کر دو بندگی۔" پھر بے ربط سی گلے میں دھنستی ہوئی کھانسی اور بڑی مشکل سے ادا ہونے والے الفاظ۔ "مجھے...... معاف کر...... دو۔"

"میں...... تمہیں...... معاف...... کر...... چکی ہوں۔" اس نے تھکن سے چور لہجے میں کہا تھا۔

عافی کے تن بدن میں قرار سا اترا تھا۔ کچھ جملے، چند الفاظ مرہم سے ہوتے ہیں۔ بندگی کے الفاظ اس کی ٹوٹتی سانسوں کا تسلسل تھام چکے تھے۔ اس نے ہمت جتائی اور فوراً پوچھا۔

"وچن کہتی ہے اب بھی...... تم...... مجھ سے محبت کرتی ہو۔" بندگی نے عافی کی بات سن تھی۔ لیکن اس نے آنکھیں بند کی تھیں۔ اب اس میں آنکھیں کھولنے کی سکت باقی نہ تھی۔ عافی پریشان سا ہونے لگا۔ اس کا ہاتھ تھام کر مسلنے لگا۔ اسے آکسیجن کی ضرورت تھی۔ اس کی سانس بھاری ہو رہی تھی۔

عافی کو اپنے اپنوں کی اس قید میں آخری لمحات یاد آنے لگے۔ واداجی، دادی، چاچا۔

"یا اللہ! یہ نہ دیکھوں میں...... مجھے یہ نہ دکھانا۔ میں اسے مرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔ رحم فرما، مدد فرما۔" اس نے دعا مانگی۔ اور بندگی کی ہتھیلیوں کو رگڑنے لگا۔ اس کے اپنے ہاتھوں میں بھی سکت نہ تھی۔ بندگی یہ دیکھ رہی تھی کوئی اس کی تڑپ میں تڑپ رہا تھا۔ اس کا عافی اسے مرنے نہیں دے رہا تھا۔ جبکہ وہ خود بھی۔

"عافی۔" بندگی نے جیسے بمشکل پکارا تھا اور قوت جمع کر کے دونوں ہاتھوں کو پاس لے آئی تھی۔ پھر بمشکل کہا تھا۔

"مجھے معاف کرنا۔" تیز کھانسی۔ "میں سب...... جانتی تھی...... تم نے بہت...... بہت...... محبت کی ہے مجھ......" آگے نہ بول سکی۔ بس کھانستی رہی۔ اور پھر چند لمحے بعد اس نے عافی کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھاما۔ اس کی تکلیف بڑھ رہی تھی۔

"تمہیں کچھ نہیں ہوگا بندگی۔ تمہیں جینا ہوگا۔" وہ خود بھی کھانس رہا تھا۔ درد بھرے کانٹے سے چبھ رہے تھے گلے میں۔ وہ اپنی لگ بھگ بجھتی سرخ آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ یہ راز اب دل میں اور نہ دبا سکتی تھی۔ وہ جانتی تھی سب جانتی تھی۔ عافی کا وہ فیصلہ جس میں اس کی عقل شامل تھی۔ اس فیصلے پر بہت جلد اس کی محبت حاوی ہو جائے گی دل کی مار پڑ جائے گی۔ وہ جانتی تھی ازل سے جانتی تھی۔ عافی کے دل میں صرف اور صرف بندگی ہے۔ جب جب بارش ہوتی تھی، یہ جو ہوائیں اسے چھو چھو کے آتی تھیں، بتاتی تھیں، دکھاتی تھیں جس تڑپ سے وہ گزر رہا تھا، اسے سب پتا تھا۔ محبت کے ناطے کمزور نہیں ہوتے وہ جس شدت سے اسے شاد کرتا جس شدت سے اسے اپنے رب سے مانگتا یہاں شدت کا ان دیکھا طلسم تھا جو اس نے عافی کو خوابوں میں دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے وہ سارے منظر خوابوں میں دیکھے تھے جو عافی پر اس کی محبت میں بیتے تھے۔ اگر ان کے درمیان میں زندگی نہ آتی تو شاید وہ کب کا عافی کی ضد کے سامنے جھک جاتی۔ وچن ٹھیک ہی کہتی تھی۔ محبت وہ واحد میدان ہے جہاں سو سو بار گھائل ہو کر بھی دل اسی عزائم سے کھڑا ہوتا ہے جن عزائم کے ساتھ وہ اس میدان میں اترا تھا۔ محبت میں سو سو گناہ معاف ہوتے ہیں۔ یہ محبت کی طاقت ہے اور یہی سچ بھی ہے۔

وہ سامنے تھا اور موت پاس...... کیا پتا اگلے پل میں کیا ہو جائے۔ ان میں کون جیے کون مرے۔ اس نے آنکھیں بند کیں او عافی کا ہاتھ تھاما۔ اسے اب درد ہو رہا تھا بہت زیادہ درد۔ اور اس درد کے باوجود اس نے کہہ دیا تھا۔

”عافی! وچن...... سب...... سچ...... کہتی ہے۔“

عافی نے کھانستے کھانستے گردن اٹھائی۔ یہ کیسا وقت تھا یہ کیسی گھڑی تھی۔ نا امیدی میں امید کی کرنیں بدن میں پھوٹنے لگیں۔ مرتے مرتے بدن میں زندگیاں اڈنے لگیں۔ اگر وہ مرتا تو اس کے اظہار محبت سے مرتا لیکن وہ زندہ تھا تو اب زندہ رہنا تھا۔ اب وہ نہیں مر سکتا تھا اور یہ وائرس اب اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ اس نے رب سے فریاد کی۔ وہ جیسے دل کی بات کہہ کر ہلکی پھلکی سی ہو گئی تھی۔ آنکھیں نہ کھول پا رہی تھی۔ بخار سے تپ رہی تھی۔ مانو مر رہی تھی لیکن عافی پر امید تھا۔

وچن بھی اب وینٹی لیٹر کے انتظام میں مصروف تھی او اب نا امید سی بیٹھ کر دعائیں کر رہی تھی۔ وہ تیزی سے واہیگرو، واہیگرو پڑھ رہی تھی۔ باہر فری اودوری بھی نم آنکھوں سے دعا گو تھیں۔ ندا اور اس کا گروپ بھی ان کے لیے دعا گو تھا۔ سب کو ایک ان جانا، ان دیکھا سا خوف تو تھا لیکن ایک امید باقی بھی تھی۔ ان کے بچنے کی امید، پھر سے ایک ہونے کی امید۔ اس بھیانک وقت سے نکل آنے کی امید۔ اس خوف سے چھوٹنے کی امید، پھر سے ساتھ ہنسنے، کھانے، گانے، رہنے کی امید۔ امید ہی تو باقی تھی۔ وہ سب دعا گو تھے انھیں ان کی دعاؤں پر یقین تھا اور یہی ہوا تھا ان کی امید بر آئی تھی۔ ان کے یقین کی جیت ہوئی تھی۔ یہ معجزہ تھا یا حقیقت۔ لیکن سب کے سب شکر کرنے لگے۔

ڈاکٹروں کی ایک پوری ٹیم کے ساتھ عزت بی بی سامنے کھڑی تھی۔

”دل کو کچھ نہیں ہو سکتا، کچھ نہیں۔“

☆......☆......☆

بندگی کو وینٹی لیٹر پر کھا گیا۔ کچھ انجکشن بھی دیئے گئے۔ اس کی سانسیں جیسے بہتے بہتے ٹھہرنے لگی تھیں۔ وہ متواتر عافی کی جانب دیکھ رہی تھی۔ بڑی ہی وقت درپیش تھی اس حالت زار میں آنکھیں کھلی

رکھنا، بار باراس کی آنکھیں بند ہوتی تھیں۔ عافی کی بھی نگاہ اس سے کہاں ہٹ رہی تھی۔ ڈاکٹرز اپنا اپنا کام کررہے تھے اوردودل اپنی اپنی زندگی سے کچھ اور جی لینے کی فرمائش کررہے تھے۔ انسان جس قدر سختیوں کا مظاہرہ کرلے یہ دنیا ایک نہ ایک دن اس سے اس کی ساری سختیاں چھین لیتی ہے، نرم کردیتی ہے، ہرایک کواپنی اپنی غلطی کا ادراک ایک نہ ایک دن ہوتا ہے۔ ہرکوئی ایک نہ ایک دن مقدر میں لکھے کو مان ہی جاتا ہے۔ وہ بھی دل کی اس جنگ میں چاروں شانے چت کربیٹھی تھی اورسچ تو یہ تھا کہ عافی اس کی شکست خوردگی میں بھی ہاراہی تھا لیکن خوشی خوشی۔

یہ خوشی اتنی زیادہ تھی کہ بیان مشکل تھا۔ وہ اس کونہارتے نہارتے تھکنے لگی تھی۔ اس نے آنکھیں موندلیں تو جیسے وہ تڑپ اٹھا۔ ڈاکٹروں نے اسے تسلی دی تھی۔ اس نے غور سے دیکھا۔ وہ رفتہ رفتہ دم بھر رہی تھی۔ اس پر سکون چھانے لگا تھا۔ وہ سکون میں تھی تو عافی کوبھی سکون میسر آیا۔ عافی کا علاج ٹھیک ہوا تھا۔ فری اوردوسری سب سنبھال رہی تھی۔ اس سے ہیلپ لائن پر جڑے ڈاکٹر قابل تھے اور اس کا سیکنڈری انفیکشن بھی صرف گلے کی حد تک ایکٹو ہوا تھا جبکہ بندگی کوڈبل سیکنڈری انفیکشن ہوئے تھے۔ اسے بھی Pharyns infaction ہوا تھا لیکن ساتھ میں Stomach انفیکشن بھی تھا۔ جس کی تفصیل وہ ہیلپ لائن ڈاکٹر کونہ بتاسکے تھے اوراس کی حالت بے حد خراب ہوگئی تھی۔

عافی کواب آکسیجن کی ضرورت نہ تھی، وچن نے ٹھیک کہا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے آکسیجن تھے اورپھر بندگی کا اظہارِ محبت، اس کا اسے معاف کردینا۔ وہ خوش آہنگ ماحول میں رسم بیاری نہ نبھا سکتا تھا۔ خواہ دشمن ایک وبا تھی اوراس کا دل اب تو جیسے زندہ ہوا تھا۔ اسے سامنا تو کرنا تھا اس سب کا سامنا اسے ڈرنا نہیں لڑنا تھا وہ لڑبھی رہا تھا۔ جیت اس کا مقدر تھی کہ بات دل کی تھی۔ اوربساط دل تو ہوتی ہی عجیب شے ہے۔ ہزار خواہشیں، ہزار ماتیں۔

☆......☆......☆

وچن نے دس درجن ناریل مندر میں چڑھائے تھے۔ چھوٹی بچیوں کو دو دو جوڑے دلوائے تھے۔ ساتھ میں کانچ کی چوڑیاں بھی دان کی تھی۔ مٹھائیوں کے کئی ڈبے بانٹ چکی تھی۔ دل کی مراد بر

آئی تھی۔آج اسے کملا کے دل کی حالت سمجھ آرہی تھی۔جتنی اموشنل وہ فلمیں دیکھ کر ہوتی تھی یا جتنی خوشی وہ ہیپی اینڈنگ پہ ہوتی تھی، اتنی ہی خوشی یا پھر اس سے بھی کئی سوگنا زیادہ کی خوشی وچن کو ہوئی تھی۔

بندگی نے بالآخر عافی کی محبت کے آگے اپنی تمام تر ضدیں، تمام تر خدشات چھوڑے تھے اور خود کو اسی سانچے میں پرو دیا تھا، جیسی وہ تھی۔آج ان کا نکاح تھا اور وہ سب جیسے خوشی سے پاگل ہو رہی تھی۔ایک قدرتی آفت کی ضد میں آئے، دو دل یوں جدا ہوئے کہ پھر ایک قدرتی آفت میں ہی آن ملے۔کرونا وائرس کا شمار بھی تو قدرتی آفت میں ہونا چاہیے نا۔اس میں بھی تو انسانی بے بسی بدرجہ اتم نظر آئی تھی۔

یہ سال 2020ء تھا۔اس سال میں جہاں بہتوں نے اپنے کھوئے تھے، یہ سال عافی کو بندگی کا تحفہ دے رہا تھا۔قسمت کے امتحان اس پر سے ختم ہوئے تھے۔وشکرا نے کی سانسیں لینے لگا تھا۔

وہ سادہ سے سفید لباس زیب تن کرنا چاہتے تھے لیکن دیپک نے اپنی دکان سے جگمگاتے چمکیلے مہنگے لباس لا کر گفٹ کر دیئے تھے۔دونوں بے حد پیارے لگ رہے تھے۔فری اور دوری وڈیو بنا رہی تھی۔فوٹو گرافی کا کام نوٹی کر رہا تھا۔کملا آنٹی شام کے فنکشن کے لیے پاپڑ بیل رہی تھی جب کہ کمل انسٹا گرام پر مصروف تھا۔

ندا اور اس کا گروپ بھی یہی تھا۔اب سب ٹھیک تھا تو سب بے خوف تھیں۔آج بھی دل میڈم کا حسن اور وچن کا فگر اس کی ساڑھی زیرِ بحث ٹاپک تھے۔

میڈم گل اپنی ہمدرد عزت بی بی کا انتظار رہی تھی۔اب وہ جہاں بھی جاتی سادہ ہو کر آتی۔نہ کوئی کنیز ساتھ میں نہ کوئی خادمہ آس پاس۔سکی اور شانی بھی ساتھ آئے تھے جنہیں دیکھ کر فری اور دوری بچوں کی مانند ان کی طرف دوڑی اور جیسے ان کا سینڈوچ بن گیا تھا۔اب سب ساتھ تھے۔ وچی، سکی، شانی، فری، دوری، کمی آنٹی۔ان کا گروپ کمپلیٹ تھا۔سکی کے پیرنٹس اور شان کی ماں بھی آئی تھی۔سب کو خوش دیکھ کر اب وہ بھی خوش تھے۔

سب کو آج رات تک یہیں رہنا تھا۔وہ سب ساتھ تھے۔بس بندگی کی آنکھوں کو جس کا انتظار تھا وہ کہیں نہیں تھی۔زندگی کہیں نہیں تھی۔اس کی بہن اس کی اپنی بہن۔

یوں دیکھتے ہی دیکھتے شام اتر آئی۔ مہمانوں کے نام پر بس بیس سے پچیس لوگ تھے۔ کرونا کے بادل اب بھی ملک پر چھائے تھے۔ شادی ہال بند تھے۔ فنکشن عافی کے گھر میں ہی تھا۔ دیپک نے بہت ہی کم وقت میں عافی کے لیے نیا کمرہ سجایا تھا اور گھر کی سجاوٹ بھی اسی نے نوٹی کے ساتھ مل کر کی تھی۔

سب بہت خوش تھے، خوشیاں منا رہے تھے۔ کمی آنٹی کا کلاسک رقص دیکھنے کے لائق تھا۔ سکی کے والدین تو دیکھتے ہی رہ گئے۔ وہ بچپن میں بچپن کی مانند کمر لچکا سکتی تھی۔

سب مگن تھے۔ وچن نے ادھر ادھر دیکھا۔ عافی کہیں نہیں تھا۔ وہ جانتی تھی وہ کہاں ہو گا۔ اس لیے وہ فنکشن سے اٹھ کر پرانی بیٹھک کی طرف آئی اور اسے پکارا۔

"عافی۔"

"آجاؤ وچن! یہاں کیا کر رہے ہو۔ اکیلے کیوں بیٹھے ہو۔ وہاں سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

"اُف اتنے سوال وچن۔ تم سوال بہت کرتی ہو۔"

"ہاں۔" اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں میں سوال دھر کر حیرت سے پوچھا۔ جو آج پہلے سے بھی زیادہ بڑی لگ رہی تھی۔ ندا نے مہارت دکھائی تھی۔ آنکھوں کا جو آج اس کا میک اپ کیا تھا وہ گل پارلر کے لیے اعزاز تھا۔ اس نے ڈارک جامنی اور بلیک کلر کی ساڑھی پہنی تھی۔ اسی کے مطابق آئی میک اپ بھی کیا تھا۔

"تم کہہ رہے ہو میں بہت سوال کرتی ہوں۔"

"ہاں تم بے وقوف جو ہو۔"

"بے وقوف؟ میں...... مجھ جیسا ذہین بندہ تو پورے پاکستان میں پیدا نہیں ہوا۔"

"زیادہ نہیں ہو رہا یہ بے وقوف لڑکی۔"

"تم بار بار مجھے بے وقوف مت کہو۔ اچھا۔"

"ہاں اگر بے وقوف نہ ہوتی تو یوں خود کی پروا کیے بنا، آسولیشن روم میں چلی آتی۔"

"میں نے ٹیسٹ کروایا ہے۔ مجھے کچھ نہیں ہوا تھا۔ یہ سب تو تم جیسے لوزر کو ہوتا ہے۔ خوامخواہ

دیپک سے ڈانٹ کھلوائی مجھے۔ اور یہ دیپک بھی نا بہت ڈانٹتے ہیں مجھے۔"

"ہاہاہا" اس نے ادا سے کہا کہ عافی ہنس دیا۔ یہی تو تھی اس کی وچن۔ جو اس کے پاس بیٹھ کر دل کی ساری بھڑاس نکالتی تھی۔

"تم ہنس رہے ہو؟"

"نہیں خوش ہوں۔ بہت خوش ہوں اور تمہارا شکر گزار ہوں۔ تم نہ ہوتی تو آج میں نہ ہوتا تو یہ خوشی نہ ہوتی۔"

"تمہیں میرا آئی میک اپ نہیں دکھا کیا۔" اس نے پلکیں جھپکا کر پوچھا۔

"دیکھ رہا ہوں۔"

"تو کیوں رلا کر خراب کرنا چاہتے ہو۔ چلو سب ویٹ کر رہے ہوں گے۔ بندگی کو عزت بی بی تیار کر رہی ہے۔ تم خود کو سنبھالو کہیں ہوش نہ اڑ جائیں تمہارے۔"

"ہاہاہا۔" عافی نے ہنستے ہوئے محبت سے اپنی معصوم سی دوست کو دیکھا۔ یہ دوستی اس کے لیے بے حد عزیز تھی۔ قیمتی سے بھی قیمتی۔ جسے وہ کبھی نہیں گنوا سکتا تھا۔

☆......☆......☆

وہ حسن کی دیوی تھی، جسے حسن کی جادوگرنی نے چھو کر اس دنیا سے پرے کسی اپسرا کا حسن پھونک دیا تھا۔ یہ میک اپ میری نیو کلیکشن میں سے ہے، جیل میں خیال آیا تھا کہ جب بھی کام چھوڑنے کا ارادہ کیا تو آخری اپنے ہاتھوں سے سجائی دلہن کو اس انداز میں ریڈی کروں گی۔"

عزت بی بی کی بات سن کر دل کا دل جیسے کھٹکا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ عزت آپا۔"

"بس تھک گئی ہوں۔ اب باقی کی زندگی ایسا کچھ کرنا چاہتی ہوں کہ آگے کچھ کام آئے۔ میں اپنی ذات سے کسی اور انسان کو فائدہ پہنچانا چاہتی ہوں۔ کسی کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہوں، ٹرسٹ چلانا چاہتی ہوں۔"

''میں بھی اب سکون سے جینا چاہتی ہوں عزت آپا۔اچھا میں تو سوچ رہی تھی ساری ذمے داریاں تمہیں سونپ دوں لیکن لگتا ہے اب کچھ اور سوچنا ہوگا۔''

''آپ گل میڈم کے متعلق سوچ سکتی ہیں۔''

عزت نے مسکرا کر ہاں کہہ دی۔شاید گل میڈم کے مسائل حل ہونے کا وقت آگیا تھا۔اور ندا اوراس کے گروپ کی بھی تقدیر بدلنے والی تھی۔

''آپ گل میڈم کے متعلق سوچ سکتی ہیں۔''

عزت نے مسکرا کر ہاں کہہ دی۔شاید گل میڈم کے مسائل حل ہونے کا وقت آگیا تھااور ندا اور اس کے گروپ کی بھی تقدیر بدلنے والی تھی۔

''یہ عافی بھائی سچ میں لکی ثابت ہوا تھا۔آتے ہی ہزار روپے کا فائدہ دیا تھا۔ایسے گجنی تو ملنے ہی چاہئیں۔''

چاروں نے یہ بات سن کر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے مزے سے کہا تھا۔

''زندگی یوں بھی بھرپور ہو کے ملتی ہے؟''

''ہاں ملتی ہے۔''

''جو زندگی میں، سختیوں میں سچے رشتوں کو چنتے ہیں

ان کو زندگی یوں بھرپور ہو کے ملتی ہے۔

ہاں ملتی ہے۔''

وچن نے کویتا کہی تھی۔دیپک اس کے ساتھ تھا۔

وہ سب اب اپنے اپنے گھروں کو جانے لگے تھے۔بندگی کو دیپک نے اس کے سارے پرندے لوٹائے تھے اس نے اب تک ان کو آزاد کرنے کا نہ سوچا تھا۔سب بائے بائے کہہ رہے تھے۔دیپک، کملا، وچن گاڑی میں بیٹھے تھے۔کمل، فری اور دوری کو اپنی لیٹس وڈیو دکھا کے آیا تھا۔

''چلو جی۔کمل آگیا۔ہماری فیملی کمپلیٹ ہوگئی۔'' دیپک نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا تھا۔

"پوری کہاں ہوئی ہے پھیملی شیملی۔کمل اب بڑا ہو گیا ہے تم دونوں کو اپنی گرہستی آگے بڑھانے کا سوچنا چاہیے۔" کملا نے سخت لہجے میں کچھ ایسے کہا کہ دیپک نے بھی بھنویں اٹھا کے وچن سے یہی سوال پوچھا۔

"ماں جی آپ بھی۔" اس نے شرمسار ہوتے ہوئے کہا۔اس کے گال گلابی گلابی سے ہو گئے تھے۔

"ماں جی، آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔" دیپک نے آہستہ سے اس طرح کہا کہ صرف وچن سن سکے۔

☆......☆......☆

2021ء تک کرونا وائرس کی شکل پہلے جتنی ڈراونی نہیں رہی تھی۔ ویکسین اب موجود تھی۔ کاروبار اب پھر سے رواں تھے۔ملک کو مہنگائی کا سامنا تھا۔سیاسی سرگرمیاں شدید گرما گرم تھیں۔

کملا کی ایجنسی پھر رواں تھی۔اب یہ ایجنسی عافی سنبھالتا تھا۔

وچن اور بندگی امید سے تھیں۔شافی اسکالرشپ پہ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے لیے انگلینڈ گیا تھا۔سکی نے اس کے جانے کے بعد اس کی ماں کو تنہا کبھی نہ چھوڑا تھا۔

عزت بی بی بے سہارا بچوں کی دیکھ بھال میں لگی تھی۔گل میڈم اب ان کی جگہ تھی۔کنیز اور خادمہ اب ان کے ساتھ رہتی۔ندا، گیتی، مہر اور کلثوم کے بھی مزے ہی مزے تھے۔فری اور دوری کا ایم بی بی ایس کمپلیٹ ہونے والا تھا۔وہ بہت خوش تھیں اور اپنے خاندانوں میں مرکزی عنوان سی تھیں۔ان کی فیملی میں چھوٹے بچے، بچوں کو ان کی طرح بننے کی تلقین کی جاتی۔

"کوئی ہماری طرح ڈاکٹر بنے نہ بنے، ہماری طرح موٹا ضرور بنے گا۔کیوں فری۔"

"ہاں دوری۔"

"پھر میری اور تمہاری فیملی موٹے لوگوں کی فیملی کے نام سے پہچانی جائے گی۔کیوں فری؟"

"ہاں دوری۔"

"ہم تو ہر طرح سے اپنی فیملی کا نام روشن کر دیا۔ہاہاہا۔"

"جب کہ شکلیں تو ایسی نہیں تھیں۔ہاہاہا۔"

"کیوں دوری؟"

"ہاں فری۔ ہاہاہاہا۔"

وہ خود پر خود ہی طنز کر رہی تھیں۔

☆......☆......☆

"یہ 22 جون 2022 کا دن ہے۔ جیو نیوز سے نیوز ٹیلی کاسٹ ہو رہی ہے۔ پڑوسی ملک افغانستان میں گزشتہ روز آنے والے زلزلے نے تباہی مچادی۔ جس کے نتیجے میں اب تک ایک ہزار سے زائد ہلاکتوں کی تصدیق ہو چکی ہے جبکہ چھ سو لوگوں کے زخمی ہونے کی اطلاعات ہیں۔"

عافی ایجنسی چھوڑ کر اٹھ بیٹھا۔

"کہاں جارہے ہو عافی؟"

"افغانستان۔"

وچن حیران ہوئی اور ریموٹ سے ایل ای ڈی آن کی۔ اس کے ایک ہاتھ میں ریموٹ اور دوسرے ہاتھ میں نومولودہ بچی تھی جس کا نام پریت تھا۔

"تمہیں پتا ہے پریت، عافی بھائی کہاں گئے ہیں؟"

"نہیں نا۔"

"مجھے پتا ہے، وہ انسانی ہمدردی کی مثال قائم کرنے گئے ہیں۔ عافی تم کبھی نہیں بدلو گے۔"

اس نے دل ہی دل میں کہا تھا۔

☆......☆......☆

ابھی بات صرف پڑوسی ملک کی چل رہی تھی۔ کچھ ہی دن بعد اپنے ملک میں بھی طوفانی بارشوں نے سخت تباہی مچائی تھی۔

عافی ہم وطنوں کی مدد کے بعد ذرا سا زخمی حالت میں گھر آیا تھا۔ یہاں دو دن ہی گزرے تھے۔ لائٹ کے آنے جانے کی وجہ سے پانی کی موٹر خراب ہو چکی تھی۔ موسم اب بھی بھیگا تھا اور تو اور کچھ لوگوں

کا کہنا تھا کہ ہم aphelion phenomenon کے اثرات کا تجربہ کر رہے ہیں جو کہ زمین اور سورج کا درمیانی فاصلہ بڑھ جانے کی وجہ سے درپیش آ رہا ہے۔

جولائی کے اس ماہ میں پہاڑوں کے بدن سے جو ٹھنڈی ہوائیں پھوٹتی وہ من وتن کو ٹھنڈا کر جاتیں۔ عافی کے گھر اور باہر کے تمام سبزہ زار کسی لے پر لہرا رہے تھے۔ گھر کے باہر والی سڑک پکی اور مضبوط تھی۔ اور آس پاس کے سارے گھروں کا منظر بھی بدل گیا تھا۔ ایک عافی کا گھر زلزلے کے بعد بس اسی حالت میں تعمیر ہوا تھا۔ وگرنہ سارے محلے کا نقشہ بدل گیا تھا۔ محلے والے بھی تقریباً سب کے سب نئے تھے لیکن ان میں کچھ پرانے چہرے بھی نظر آ رہے تھے۔

ان تنگ گلیوں سے گاڑی گزارنا ایک مہارت کی بات تھی لیکن زندگی کا ڈرائیور اپنے کام میں ماہر تھا۔ اس نے وائٹ کلر کا آفس سوٹ زیب تن کیا تھا جس کی شرٹ براؤن تھی۔ اور وائٹ کوٹ کا اوپری بٹن کھلا تھا۔ جو اس نے کار سے اپنے مخصوص شاہانہ انداز میں اترتے ہوئے بند کیا تھا اور کار سے آگے اس سڑک پر قدم بڑھائے تھے جس کے دائیں جانب اس کا وہی کرائے والا مکان تھا جس میں اس نے بچپن سے جوانی تک کی عمر گزاری تھی۔

محلے میں رہنے والے لوگ اس حسینہ کو دیکھتے ہی پہچان گئے تھے۔ یہ زندگی تھی۔ زندگی......

ان کے محلے میں نہ پہلے اس جیسا کوئی تھا اور نہ اب۔ زندگی کے چلنے سے اس کے ہیلنگ ایئر رنگ ہل رہے تھے۔ اب وہ بنا کسی سہارے کے چل رہی تھی۔ اس میں اس کی سابقہ بیوی کے آثار نمایاں نہ تھے۔ ہاں بس غور سے دیکھنے پر اس کی چال میں ذرا ابھرا اب نورمل پن نظر آ رہا تھا لیکن یہ نقص کون دیکھتا جب دیکھنے کو اس کا مکمل وجود سامنے تھا۔ اسے دیکھ کر اس کے ہم عمروں کو ان کی جوانی کی پہلی محبت یاد آ گئی تھی۔ سب اسے ایسے دیکھ رہے تھے جیسے وہ کوئی بیش قیمت شے تھی اور عرصہ دراز کھوئے رہنے کے بعد ملی ہو۔

موٹر کا نقص بڑھ گیا تھا، عافی موٹر بناتے بناتے اپنے سفید بنیان خراب کر چکا تھا لیکن موٹر پانی نہ کھینچ رہی تھی۔ اب وہ اندر کے سارے پارٹ کھولنے ہی لگا تھا کہ دروازے پر بھاری ہاتھوں سے

دستک ہوئی۔ بندگی کی گود میں اس کا بیٹا تھا جو اس زوردار آواز کو سن کر جاگ گیا تھا۔

"ارے کون آیا ہے؟" وہ دوپٹہ درست کر کے مرکزی دروازہ کھولنے گئی تھی۔

گھر کے سامنے چار پانچ ہٹے کٹے نوجوان کھڑے تھے جنہیں دیکھ کر بندگی پہلے گھبرائی اور پھر خوشی سے لگ بھگ چیخ مارتے ہوئے کہا تھا۔

"باجی! زندگی باجی۔"

"باجی! تم کب مجھے اس حرف باجی سے چھٹکارہ دوگی؟ کتنی بار کہا ہے باجی مت کہو مجھے، صرف دو سال ہی تو بڑی ہوں۔ میری پرسنالٹی کا تو لحاظ کرلو۔"

"اوہ سوری۔ سوری باجی۔ نہیں زندگی۔ آؤ اندر اندر آؤ۔" بندگی خفا بہن کو یوں اچانک دیکھ کر بوکھلا سی گئی تھی۔

زندگی نے ایک ہی نگاہ میں پورا گھر دیکھ لیا۔ اسے پتا چل گیا سب کچھ پہلے جیسا ہی ہے۔ سب کچھ۔ عافی موٹر ٹھیک کر رہا تھا۔ وہ اس کے پاس سے گزر گئی۔ عافی نے پہلے کی طرح آنکھیں نیچی رکھی تھیں۔ وہ آج بھی ان کے گھر کا ملازم لگ رہا تھا زندگی طنزاً مسکرائی اور اندر آئی۔ بندگی اسے سامنے صوفے پر بٹھا کر گئی تھی۔ ساتھ میں اپنے نومولود کو بھی پالنے میں سلا دیا تھا۔ زندگی بچے کے پاس آئی تھی۔ بچہ مسکرا رہا تھا۔ زندگی سے بدلے میں مسکرایا نہ گیا۔ بچے کو دیکھ کر اس نے بھانجے والی فیلنگ کہیں پیدا نہیں ہو رہی تھی اور نہ ہی اس کے اپنے اندر خالہ کی سی علامت کی کوئی رمق بھی تھی۔ یہ بچہ بالکل عافی پہ گیا تھا۔

بندگی کی تو سمجھ میں نہ آ رہا تھا وہ کیا کرے۔ چائے بنالی تھی۔ جلدی جلدی کباب بنالے گی تھی۔ جبکہ زندگی کی پسند ناپسند سے اچھی طرح واقف تھی۔ پھر بھی نا جانے کیسی جھجک تھی۔ شاید وہ آج بھی اس کے دل کی بستی اجاڑنے کے لیے خود کو قصوروار سمجھتی تھی۔

بندگی نے جلد از جلد چند لوازمات کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے کباب اور چائے اسے پیش کی۔ زندگی نے صرف بسکٹ اور چائے لی۔

"کباب بھی لو نا؟"

"بہت آئی ہیں مجھ سے نہیں کھائے جائیں گے بندگی۔"

"اچھا چلو ٹھیک ہے۔ چلو میں آپ کو گھر دکھا لوں۔" اس نے زندگی کا ہاتھ تھاما اور دادا، دادی کے کمرے میں لے آئی اور خوشی سے بتایا۔

"عافی نے ہر ایک چیز کا خاص خیال رکھا ہے۔ سب کچھ پہلے جیسا ہے۔"

"وہی تو۔ جب گھر بنانا ہی تھا تو یہی کیوں؟ کون سا یہ ہمارا اپنا مکان تھا۔ اور ایسے آثار قدیمہ گھر کی ضرورت کیا تھی۔ جدید دور میں قدیم گھر؟"

بندگی خاموش ہوگئی۔ زندگی ایسی ہی تو تھی۔ اپنے آج میں رہنے والی ایک پریکٹیکل لڑکی۔ اسے یادوں سے کب کہاں کوئی واسطہ رہا تھا۔

"چلیں آرام کر لیں۔"

"ہوں۔" وہ بے ساختہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ آئی تھی اور یہاں آ کر جیسے ششدر سی رہ گئی تھی۔ سارا گھر یادوں کی بارات جیسا تھا اور اس کا یہ کمرہ بالکل مختلف تھا۔ جدید ساز و سامان سے آراستہ۔ جدید پینٹ، جدید فرنیچر اور دیگر سامان۔

"آپ کو پرانا کچھ پسند نہیں آتا نا؟" بندگی نے جلدی جلدی ہلکی پھلکی دھول اڑاتے ہوئے کہا تھا۔ وہ آج بھی پہلے جیسی خدمت، اپنایت اور تابعداری کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ زندگی کا انداز بھی پہلے کی مانند حکمانہ تھا لیکن پھر بھی ایک ان کہا سا فاصلہ تھا جو ان کے درمیان حائل تھا۔ شاید اس فاصلے کا نام عافی تھا۔ ہاں عافی جو اس کا ہو کر بھی کبھی اس کا نہ ہوا تھا۔

بچہ رونے لگا تھا، بندگی اس کی جانب بھاگی تھی۔ زندگی نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ وہ کچھ دیر تنہا رہنا چاہتی تھی۔ وہ ٹہل کر اپنے کمرے کی کھڑکی کی جانب آئی۔ جہاں سیپ رانی بیٹھک نظر آتی تھی۔ وہ بے تاثر سی کھڑکی کے اس پار دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے مڑ کر دیکھا، بالکل پہلے جیسا میوزک سسٹم سامنے رکھا تھا اور احمد جہانزیب کے گانوں کی کیسٹ بھی پڑی تھی۔ اس نے جوں ہی ٹیپ آن کیا۔ یادوں کے میلوں میں در بدر بھٹکتی یادیں۔ یادیں اور بس یادیں۔

"برسوں کے بعد دیکھا ایک شخص دلربا سا، اب ذہن میں نہیں ہے۔ پر نام تھا بھلا سا
آبرو کھچے کھچے سے، آنکھیں جھکی جھکی سی، باتیں رکی رکی سی، لہجہ تھکا تھکا سا
اب ذہن میں نہیں ہے۔ پر نام تھا بھلا سا۔"
برسوں کے بعد......
پہلے بھی لوگ آئے، جلتے ہی زندگی میں، وہ ہر طرح سے لیکن۔ اوروں سے تھا جدا سا
اب ذہن میں نہیں ہے۔ پر نام تھا بھلا سا"

وہ اس سونگ کے مکھڑے، انترے میں دھیان لگا کر آنکھیں موند کر بیڈ پر آن بیٹھی تھی۔ یہ آواز، یہ سُر، یہ تال، یہ لے، جیسے اس کی روح تک پہنچ کر اس کے اندر کی روح کھینچ کر اس کے پاس لے آئی، یادوں میں عیاں ہوتے ہوئے چہرے خیال بن کر آنکھوں کی پوروں سے گزرے تو اس نے درد آمیز لہجے میں دہرایا۔

"پر نام تھا بھلا سا" اور وہ نام تھا "عافی"۔

اس نے پھر سے سونگ ری پلے کیا۔ پہلے یادوں کی گٹھریاں سی تھیں۔ جس میں سب کے چہرے نمودار ہو ہو کے دھندلے ہوتے لیکن اب صرف ایک چہرہ تھا، جو ایک شخص تا دلربا سا۔

آبرو کھچے کھچے سے، آنکھیں جھکی جھکی سی، باتیں رکی رکی سی، لہجہ تھکا تھکا سا

ماضی تو گزر جانے کا نام ہے نا؟ تو یہ ذہنوں کی تہوں میں کیوں امر سا رہتا ہے۔ خاص طور پر جس سے محبت ہو۔ وہ گزری ہوئی یادیں، وہ باتیں، وہ لمحوں کی بازگشت، وہ سوچیں، محبت کا وہ دور، وہ بے کلیاں، دل کی وہ ہرزہ گردی، وہ بے تابی، ملنے و بچھڑنے کی تڑپ، کھو کر پانے، پا کر کھونے کے وہ اندیشے، وہ سلسل، وہ آزمائشیں، کیسے فراموش ہو سکتی ہیں۔ محبت اس آزمائش کا نام ہے جس میں نہ صرف دل کھونے کا خطرہ ہوتا ہے بلکہ یہ خودی چھین لیتی ہے۔

ہاں! وہ ایسی تھی ایسی ہی تھی۔ بے پردہ، بے تعلق، آزاد، بے فکر...... لیکن اب؟ لیکن وہ کہاں پہلے سے تھی۔ وہ خود خود سی نہ تھی۔ بس خود سی بنتی تھی۔ بولڈ، ذہین، بے فکر، من موجی، اسٹائلش، لیکن خود

سے خود کی یہ کیسی اجنبیت، دوسرا جنم لینے کا کلیہ اگر کوئی ہے تو وہ کہہ سکتی تھی اس نے ایک ہی زندگی میں دوسرا جنم لے لیا۔

نیا جنم......اس نئے جنم میں وہ پہلے سی بے فکر لگنے کی کوشش کرتی تھی لیکن سچ اس سے مختلف تھا۔ وہ پہلے سی نہیں تھی بالکل نہیں تھی۔اس کو بہت سی فکریں لاحق تھیں۔ماضی وحال کے ملال والی فکریں۔

اس نے خود کو خود سوچا تو احساس ہوا اس کی آنکھوں سے بے آواز آنسو بہہ نکلے تھے۔ایسے آنسو، بے آواز آنسو۔

جب انسان سسک سسک کے، بلک بلک کے روتا ہے تو کہیں نہ کہیں کوئی امید کی کرن ہوتی ہے جو روشن ہوتی ہے۔ہم خدا کے آگے بھی جھولی پھیلا کے رو لیتے ہیں، سسک لیتے ہیں، ایک احساس عبادت ہوتا ہے۔سنا رہے ہیں تو پتا ہوتا ہے وہ سننے والا اور وہ سن رہا ہے، رو رہے ہوتے ہیں کیونکہ جانتے ہیں وہ دیکھ رہا ہوتا ہے لیکن بے آواز آنسو۔ایسی بے احساسی کا احساس سے ہوتے ہیں جہاں امید کی کوئی کرن باقی نہیں ہوتی۔جہاں ہاتھ اٹھا کر کچھ مانگا نہیں جا سکتا۔کسی کو مانگا نہیں جا سکتا۔

کاش کہ تم نے محبت کر کے بے وفائی کی ہوتی عافی تو میں تمہاری وفا مانگ لیتی۔تم نے وفا نبھائی، مجھے خوش بھی رکھا، میرا خیال بھی رکھا تمہیں۔ہر فرض نبھایا بھی تم نے پر محبت نہ کر سکے۔

تم محبت کرتے تو؟ یوں خاموش نہ ہو جاتے۔میں نے چھوڑنا چاہا تو تم بھی چلے گئے، برباد کرنا چاہا تو برباد ہو گئے۔کیوں اتنا مان دیتے ہو؟ کیوں میرے سامنے ہار جاتے ہو؟

"تمہیں پتا ہے مجھے تم جو عزت دیتے ہو، مجھے تم جو مان دیتے ہو زہر سا لگتا ہے۔مجھ سے لڑو عافی۔میں تم سے لڑنا چاہتی ہوں۔تم پر وار کرنا چاہتی ہوں، تم پر وہ تیر چلانا چاہتی کہ تم چھلنی چھلنی ہو جاؤ۔"

لیکن اس نے درد بھری سانس لی۔ذرا سا بستر پر سوئی، اس کے بن آواز، بنا کسی تاثیر کے نکلتے چند آنسو تکیہ بھگونے لگے تھے۔وہ خود کی تلاش میں دور نکل آئی تھی سوچوں کے بھنور سے بنے تھے، کہ زندگی نمودار ہوئی۔اسے لگا اس کی باجی سو گئی ہے اس نے ہمیشہ کی طرح اس پر چادر ڈالی۔کمرے کا فین آن کیا، لائٹ آف کی، پیار سے بہن کو دیکھا اور جانے لگی۔

وہ چلی گئی تھی لیکن احساس کی ایک نئی پھوار پلٹ آئی تھی۔

"باجی...... باجی...... او باجی۔" زندگی کے کانوں پر بندگی کی آوازیں پڑنے لگیں۔ وہ ماضی میں جھانک رہی تھی۔

کس قدر مشکل تھا اس کے لیے بے سروسامانی میں کسی کی معذوری کا ٹھیکا لینا۔ مشکل تھا بہت مشکل تھا۔ خود پر چھت تک نہ ہو، اور اس پر یہ ظلم کہ سر سے کبھی ایک انچ بھی دوپٹہ اترا نہ ہو۔ اس نے کیسے ڈیپ گلے پہن لیے۔ بنا آستین کے کپڑے، کبھی ٹخنے بلند تو کبھی مرجھا نکلتے چاک۔

اس نے خود کی معصومیت فروخت کر کے زندگی کو زندہ رکھا، خود پر میک اپ کے سائیڈ ڈفیکٹ جھیلے جس نے کبھی گھر کی ہلدی تک رگڑنے کا ٹوٹکا نہ جھیلا تھا۔

کام کوئی بھی ہو وہ آسان نہیں ہوتا اور اس نازک صنف لڑکی کے لیے تو یہ ہر وقت سجے سنورے رہنا کبھی بھی آسان نہ تھا۔ یہ رنگ جن میں وہ ہر نئے دن خود کو رنگتی تھی، کبھی کبھی چبھتے تھے۔ نا جانے کتنے کیمیکل ریکشن ہو جاتا تھا، کبھی ریشس تو کبھی جلد جلنا، پھوڑے نکلنا، پیپ رسنا، اف۔ اف کرنا، جل جل جانا۔

زندگی نے آنسو پونچھے۔ اس کے موبائل پر ذیشان کی کئی کالز آ چکی تھیں۔ میسج بھی تھے۔ وہ اس کے لیے پریشان تھا۔

"کہاں ہیں آپ۔" ریپلائے۔

زندگی سویٹ ہارٹ۔

وہ پریشان تھا۔ کیوں پریشان تھا؟ زندگی نے سوچا تھا۔ وہ جو کسی اور کے مقدر کا ستارہ بن کر چمکنے والا تھا، جس کے حصول کو کوئی اور دعا گو تھا، اس کا نام کسی اور سے جڑنے والا تھا۔ وہ نہ ہوتی تو وہ آج رخسار کا ہوتا۔ وہ تو اس نے عقل آزمائی، اپنی معذوری، تنہائی، ذہانت سب کا استعمال کیا تو تب جا کر ذیشان کا دل بدلا تھا لیکن یہ سوال تو سوال رہ گیا، ان دونوں کے رشتے میں کشش کی اگر کوئی وجہ تھی تو تھی کیا؟ نہ ان کا کوئی افیئر تھا، نہ ہی محبت جیسا کچھ۔ بس ایک جیت کا رشتہ...... زندگی نے رخسار سے بدلہ لیا، اپنا تیر آزمایا اور اس کی قسمت اچھی تھی کہ تیر نشانے پر جا لگا تھا۔ تو یہ سب کیا تھا؟ وہ کیوں اس

کے لیے پریشان تھا۔ خیر اس نے جواب دے ہی دیا۔

"میں بندگی سے ملنے آئی ہوں۔"

"کون بندگی؟ اوہ یور سسٹر...... وہ مل گئی۔ اٹ از گریٹ۔ بٹ سویٹ ہارٹ۔ آپ کو مجھے بتانا تو چاہیے تھا، میں بہت زیادہ پریشان ہو گیا تھا۔"

"آپ کیوں پریشان تھے؟"

"اوہو! اگر میں کہیں اس طرح بنا بتائے چلا جاتا تو کیا آپ پریشان نہ ہوتی؟" ذیشان نے ایسا سوال کر دیا جس کا جواب اس کے دل کے بہت سے سوالوں کا جواب دے گیا۔

"ہاں! اگر ذیشان یوں کہیں چلا جاتا تو وہ بھی پریشان ہوتی۔ اس نے لمحے دو لمحے کو ذیشان کو سوچا۔ اس کو سوچا جو اس کا تھا۔ جو اس ک پاس تھا۔

اس کے ساتھ گزارے سب ہی لمحے خوش گوار تھے۔ وہ کیئرنگ اور اچھے دل کا مالک تھا اس پر وہ قابل رشک تھا۔ باس کے روپ میں وہ ایک خوش شکل، محنتی، باوقار، قابل، نیک شخص تھا، اس کے پاس وہ سب تھا جسے پا کر کوئی بھی عورت مطمئن ہو سکتی تھی۔ وہ جب جب اس کے سنگ کہیں بھی رہی ہے خواہ وہ آفس ہو، کوئی محفل ہو یا گھر کی تنہائی ہو اس نے اسے ہمیشہ اپنی سوچ سے زیادہ بلند تر محسوس کیا۔ ہاں وہ قابل رشک تھا، تو آپ کا حصول؟ میرے اندر کی ضدوں اور نفرت کا حصوص نہ تھا۔ یہ تو کسی کی دعاؤں کی مرادوں سا تھا۔ خدا کی مصلحت سا تھا۔

"سچ ہے وہ رب دینے والا ہے۔ اس نے وہ لے لیا جو میرے لیے بنا ہی نہیں تھا اور اس کے بدلے اسے دے دیا جو صرف اس کا ہے۔"

زندگی نے ذیشان کا میسج پھر سے پڑھا۔

"اہو! اگر میں کہیں اس طرح بنا بتائے چلا جاتا تو کیا آپ پریشان نہ ہوتی؟"

"ہاں میں پریشان، بہت پریشان ہوتی۔" اس نے ریپلائے کیا تھا۔

ذیشان کو خوشی ہوئی تھی اس کا میسج پڑھ کر۔ زندگی نے جو بھی چالیں چلی تھیں لیکن ذیشان اس کی

ہمت و حوصلے کا قائل تھا۔ اس نے اپنی مکمل لائف میں ایسی جرأت مند عورت نہ دیکھی تھی۔ وہ جس برگر سوسائٹی سے واقف تھا وہاں خواتین کی گفتگو فقط نت نئے برینڈز، شاپنگ، فیشن پر ہی ہوتی۔ اس نے جب زندگی کو دیکھا تو حیران رہ گیا۔ کوئی عورت بیماری، تنہائی، معذوری کے باوجود اس بزنس کو ایسے سیدھے راستے پر چلا رہی تھی جہاں بس کامیابیاں تھیں۔ ایسی سوچ کی باریکیاں، دور اندیشی تو اس میں خود بھی ناپید تھی۔ جو جو صفات اس نے زندگی میں دیکھے وہ سب قابلِ تعریف تھے۔ زندگی اس کی انس پائیریشن تھی جو اسے کہہ رہی تھی۔ ''وہ کہیں اگر بنا بتائے چلا جاتے تو وہ پریشان ہو گی۔''

''اچھا تو آپ پریشان ہوں گی۔ تو کیوں پریشان ہوں؟''

زندگی کی بات ہو یا زندگی سے بات ہو وہ ذرا بے تاب و بے چین سا ہو جاتا تھا، تھوڑی بہت بوکھلاہٹ بھی محسوس ہوتی تھی۔ دل دکھ دکھ بھی کرتا تھا۔ اس نے ہمیشہ خود سے اپنی شریکِ حیات کو ثابت قدم و ذہین اور مستقل مزاج پایا تھا۔

''آپ کے سوا میرا ہے ہی کون؟ اب جو بھی ہے وہ آپ ہیں اور آپ کے دم سے ہے۔''

''یا اللہ۔'' وہ بہت خوش ہوا تھا۔ اسے آج پہلی بار احساس ہوا اس نے زندگی کے دل میں گھر کر لیا تھا۔

اور ایسا ہی ایک احساس زندگی کے پاس بھی تھا۔ ''محبت کے زخم محبت سے ہی بھرتے ہیں۔'' ذیشان کے ہر انداز میں اپنے لیے بے پناہ محبت دیکھ کر اس کے ماضی کی چوٹیں بھری تھیں۔ کبھی کبھی محسوس ہوتا تھا، اس کا دل اس سے کہتا تھا، اس نے غلط کیا جو کیا۔ عافی کے معاملے میں تو اس نے دانستاً خود کو ہر الزام سے بری رکھا اور قصور و خطاؤں کی ساری وزنی گٹھڑیاں عاف کے سر ل دیں۔ یوں بھی اپنی کہانی سناتے ہوئے انسان بے ساختہ بھی خود کو بری الزام رکھتا ہی ہے۔

ذیشان تو اس کے بے سروسامانی، بنا کسی آسرے کے زلزلے کے بعد مفلوج زندگی کی کہانی سن کر دنگ ہی رہ گیا تھا۔ جو سو فیصد سچ تھی۔ وہ بالکل اکیلی تھی، پھر اسے اس کی بہن ملی اور آس لگ گئی کہ ایک دن اس سے عافی بھی یوں ملے گا اور یہی ہوا۔ اسے مروہ سمجھنے والا بھی ایک دن اس کے سامنے آ

کھڑا ہوا۔ اسے لگا اب حیاتی خوشگوار گزرے گی لیکن اب یہ نشہ پوری طرح چڑھا ہی نہ تھا کہ پتا چلا وہ تو اس کی تلاش میں آیا ہی نہ تھا۔ جس کے انتظار میں وہ ٹک ٹکی باندھے بیٹھی تھی۔ اس نے کہا اس نے عافی سے کوئی شکایت نہ کی بلکہ اسے آزاد کر دیا۔ جس کے بدلے میں وہ ترس کھا کر اسے اپنا سب کچھ دے گیا تھا یعنی اپنی کہانی سناتے وقت خود کو بری الزام رکھا۔ ذیشان زندگی کے ہر کہے کو دل سے سنا اور من ہار بیٹھا۔ یہ سب کیوں ہوا، وہ سوچ رہی تھی اور پھر ٹیپ ریکارڈر میں سے احمد جہانزیب کی آواز گونجی۔

"پہلے سوچا گیا، پھر اسے بنایا گیا، ایک ایک نقش سنوارا گیا، پھر نکھارا گیا
دلری اور حسن دیا، پھر نوازا گیا، پھر میرا دل بنایا گیا، اس میں اس کو بسایا گیا۔
سنتے آئے ہیں جوڑے بنتے ہیں آسمانوں میں
آسمانوں میں
جو چہرہ ابنا میرے لیے، اسی سے ہمیں چھپایا گیا
جو ادا مجھے لبھانے کے لیے، اسی سے ہمیں تڑپایا گیا
حسن دوجیا، پرستش کے لیے، اسی سے ہمیں جلایا گیا۔
آخر ہمارا ہونا ہی تھا تو پھر کیوں اتنا ترسایا گیا؟
سنتے آئے ہیں جوڑے بنتے ہیں آسمانوں میں
آسمانوں میں......"

زندگی کے چہرے پر عجیب سا اطمینان اتر آیا تھا۔ دل میں کھلی کھلی سی کوئی کیفیت بیدار ہوئی تھی۔ اس سونگ کو اسے سمجھ آ گیا تھا۔ قدرت یہی چاہتی تھی ان کا جوڑا آسمانوں پر بنا تھا اور جو ہوا وہ سب ان کے ایک ہونے کی ہی ایک فطری شکایت تھی ان کو ایسے ہی ملنا تھا۔ وہ ایسے ہی ملے۔ نا آسودہ حالتوں میں یوں آسودگیاں بھی جنم لیتی ہیں وقسمت کے کیے پر حیران تھی۔ اسے اب اس کی قسمت سے کوئی شکایت نہ تھی۔

"باجی کھانا کھانے آجائیں۔"

بندگی کا بیٹا رو رہا تھا۔ اسے چپ کراتے کراتے وہ پھر اسے باجی کہہ بیٹھی تھی اور پھر غلطی جان کر اپنی زبان دانتوں تلے بھی دبائی تھی لیکن اس بار زندگی نے کچھ نہیں کہا۔ اس کے چہرے پر دبی دبی سی مسکراہٹ تھی۔

”ادھر آؤ۔“

”لیکن کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا۔“

”ابھی تو چائے پلائی تھی اور کباب بھی بنائے تھے تم نے۔“

”لگتا ہے آپ سو گئی تھی۔ اس لیے آپ کو وقت کا اندازہ نہیں ہوا۔ رات ہو چکی ہے۔“

اس نے وال کلاک کی جانب دیکھا وہ بند تھا۔ پھر موبائل دیکھا تو سوا نو بجے تھے۔

”ہاں وقت تو بہت آگے بڑھ گیا ہے۔“

”ہاں وہی تو۔“ بندگی کو دیکھ کر ذرا سا بھی احساس نہ ہوتا تھا کہ وہ اتنا کچھ جھیل آئی تھی۔ یا پھر وہ دونوں بہنیں ایک ان تھک مسافت کے سفر میں کھو کر واپس آن ملی تھیں۔ پھر سے پرانے روپ میں۔

بندگی بالکل سادہ سی تھی جیسے وہ تھی اور اس لباس کے اڑتے ہی سالوں پہلے اس کے چہرے سے بچھڑی جو معصومیت تھی، وہ معصومیت جیسے پھر سے آن ملی تھی۔ زندگی اسے سر تا پا دیکھ رہی تھی۔

”ایسے کیا دیکھ رہی ہیں آپ؟“

”تم بالکل نہیں بدلی بندگی۔ بالکل ویسی کی ویسی ہو۔“

”اب تو آپ بھی مجھے بدلی بدلی نہیں لگ رہی۔ بالکل ویسی کی ویسی ہیں۔“

”ہش پگلی۔“ اس نے اس کے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔

وہ ہمیشہ کی طرح گھبرا گئی تھی۔ زندگی کو کب کیا برا لگ جائے، کیا پتا تھا۔ لیکن وہ مسکرا رہی تھی اور اسی انداز میں پاس آ کر اس نے اپنی باہیں بندگی کے شانوں کے گرد لپیٹ لی اور کہا۔

”او میری ماں، میری بہن! چپ کر جا۔ میں پہلے کی طرح بالکل نہیں رہی۔“

”کیوں کیا ہوا آپ کو؟“

''ہوا نہیں ہے مجھے کچھ۔''

''نہیں کچھ تو ہوا ہے۔''

''پتا نہیں کچھ نہیں ہوا۔ بس اچانک سے سب اچھا لگنے لگا ہے۔'' اس نے کہا اور ذرا آگے بڑھ آئی۔ وہ خوش نظر آ رہی تھی تو بندگی کے لبوں پر تبسم بکھرنا ہی تھا نا۔ بندگی دل کی خوشی ہونٹوں پر سجائے بہن کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ زندگی اپنے دل کے راز کو جیسے ابھی ابھی الفاظ مہیا کر رہی تھی۔

''میں کہیں چلی جاؤں تو وہ پریشان ہو جاتا ہے بندگی۔ تمہیں پتا ہے وہ کیسا ہے۔ جب تم اسے دیکھو گی اور اس سے ملو گی نا دیکھتی رہ جاؤ گی۔ سب کی طرح۔ جو بھی اس دیکھتا ہے دیکھتے ہی رہ جاتا ہے۔ وہ ہے ہی ایسا، پروقار، بھرپور سا۔ اور اس کا چہرہ اتنا صاف، اتنا خوب صورت جیسے چہرہ نہ ہوئی کوئی...... '' وہ تشبیہات ہی بھول گئی تھی اور بس اتنا کہا۔

''ایسا چہرہ جس سے نظر نہ ہٹتی ہو۔ ایسی پرسنالٹی اسے تو فلم اسٹار ہونا چاہیے تھا اور تم جانتی نہیں بندگی۔ اس میں کتنا دم ہے۔ وہ اپنے قول کا پکا ہے۔ دل سے بہت نرم ہے۔ لہجہ بھی نرم ہے۔ بس بھی کبھی جان بوجھ والا غصہ کرتا ہے باس ہے نہ کرنا پڑتا ہے لیکن سچ کہوں اس کا غصہ اس کی ایکٹنگ سا لگ رہا ہوتا ہے اور اسے غصہ کرنا بالکل نہیں آتا۔''

وہ اتنا کہہ کر اپنی ہی بات پر ہنس دی تو بندگی بھی اس کے ساتھ ہنس دی۔ وہ جانتی تھی وہ ذیشان کے متعلق بول رہی تھی۔ اس کی دعائیں رد نہیں جاتی تھیں۔ وہ دن رات زندگی کی خوشی کے لیے دعائیں کرتی رہی تھی۔ اسے عافی کا ساتھ کبھی اتنا خوش نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بس اس رشتے کی آڑ میں دھوکے میں ہی رہی تھی۔ خوشی بھی دھوکا تھا، ساتھ رہنا بھی فریب تھا۔

خوشی تو اسے اب راس آئی تھی۔ اس لیے تو وہ آج خاموش تھی اور زندگی بولے جا رہی تھی۔

''دو لوگوں کے ساتھ رہنے میں خوشی تب ہی میسر آتی ہے جب دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں۔ ایک طرف بھی محبت نہ ہو اور باقی سب کچھ ہو جیسے عزت، دولت وغیرہ، غرض کہ دنیا کی تمام آسائشیں مہیا کی جائیں لیکن اس طرح ایک انسان دوسرے انسان کو خوش نہیں رکھ سکتا۔ خوشی تو کسی کا

مکمل ہو جانے میں ہے اور کسی کو اپنے برتاؤ سے مکمل اپنا بنانے میں ہے۔ ایسی جیت، ایسی فتح روح جیت لیتی ہے۔ پھر دو لوگ ساتھ نہیں رہتے مانو دو روحیں ساتھ رہنے لگتی ہیں۔ جن کا ایک دوسرے سے ایسا ناطہ ہوتا ہے کہ پھر آپسی تعلق میں فرق ہی باقی نہیں رہتا۔ پھر روح کا اپنے جسم سے اور روح کا اپنے ساتھی کے وجود سے ایک سا ناطہ ہو جاتا ہے۔ محبت اسی کو کہتے ہیں محبت اسی کا نام ہے۔ جب دل کا تعلق روح کے تعلق سا ہونے لگے تو سمجھو محبت کی ہے اور محبت ہوئی ہے ورنہ جو بھی درمیان ہوا اسے دل لگی ہی سمجھو۔"

بندگی نے مسکرا کر ہامی بھری تھی۔ اس کا بے بی سو چکا تھا۔ وہ زندگی کی باتیں سنتے اسے تھپکی بھی دے رہی تھی۔

اس نے اپنا نظریہ خوشی بیان کیا تھا اور اب نظریہ غم بتا رہی تھی۔

"غم، دکھ و رنج اصل میں تو ان کا کوئی وجود ہی نہیں ہوتا۔ یہ تو ہمارے دل کی خود ساختہ مجبوریاں ہیں۔ ہمارے اللہ نے ہم سب کو اتنا دے رکھا ہے، جتنی ہم سب کو ضرورت ہے۔ ہم اپنی وجہ سے دکھی ہیں۔ ہم خواہشات کے حصول میں دل سے خوش رہنے والی بصارت ہی چھین لیتے ہیں۔ ہمارا دل یہ نہیں ملا وہ نہیں مل سکا میں لگا رہتا ہے۔ ہم حال میں رہتے ہی نہیں ہیں۔ حال میں ہماری زندگی فقط فزیکل ہے مینٹلی ہم ہر وقت یا تو ماضی کی یادوں میں بھٹکتے ہیں یا پھر مستقبل کے خوابوں خیالوں میں۔ ہمارے پاس ہر وقت شکر خدا کے لیے بہت کچھ رہتا ہے اور اب تو مجھے لگتا ہے، مجھے شکر خدا کر ہی لینا چاہیے۔"

بندگی حیرت سے منہ تک رہی تھی۔ زندگی اپنے رب کی بندگی کر رہی تھی۔ بندگی کو یاد ہے اس نے کبھی زندگی کو یاد خدا میں مشغول ہوتے ہوئے نہ دیکھا تھا۔ زلزلے کے بعد بھی، جب ایسا لگتا جسے وہ آخری سانس لے رہی ہے اور ہر موڑ پر، وہ بس رسماً خدا خدا کرتی یا پھر جب شکایتیں کرنی ہوں۔ اس نے سنا تھا وہ خدا سے کہتی۔

"ہم ہی ملے تھے۔ ہمارے ہی مکان ملے تھے زلزلے سے سرکانے کے لیے۔ کہیں اور بھی تو زلزلہ لا سکتا تھا نا۔" وہ جب ٹھیک سے بول نہ پاتی تو خدا سے شکایتیں کرتی۔

لیکن آج وہ تہہ دل سے خدا کو یاد کر رہی تھی۔ نماز بھی ادا کی...... اور ہمیشہ کی طرح اس نے اپنا

ہاتھ بندگی کے ہاتھ کے آگے رکھا۔ آج پہلی بار اس کا ہاتھ صاف گورے رنگ کا اور خوب صورت لگ رہا تھا۔ دونوں کو دادی کی بات یاد آئی۔

''جب ہم دل سے عبادت کرتے ہیں تو ہمارے آس پاس موجود خدا کی جتنی بھی مخلوق ہوتی ہیں، وہ ہماری عبادت میں شامل ہو جاتی ہیں جنہیں ہماری آنکھ دیکھ نہیں سکتی۔ جیسے ایک خلوی وجود ہمیں نظر نہیں آتے، ویسے خدا کی دوسری مخلوقات بھی ہمیں نظر نہیں آتی۔ ان میں جن، پریاں اور فرشتے بھی ہوتے ہیں۔ ہر نظر کا طلسم ہوتا ہے۔ عبادتوں گار لوگوں پر ایسی مخلوقات کی نظروں کا طلسم ہوتا ہے جس کی وجہ سے اسے دل سے عبادت کرنے والے چہروں اور وجود پر اپنا ہی نور ہوتا ہے۔''

شاید دادی سچ کہتی تھی۔ مجھے تو یہ بالکل درست لگتا ہے۔ اب کوئی سائنس دان ملے تو بتا دوں کا الین الین alien نہ کریں اور نہ ہی انہیں ڈھونڈنے ادھر ادھر جائیں، وہ ہمارے آس پاس ہیں، بس خوردبین اور دوربین کی ایجادات میں ترقی کی اشد ضرورت ہے۔

اب بندگی اور زندگی کی رنگت میں کوئی کنٹراس نہ بچا تھا۔ زندگی نے اس دن سے عبادت کرنی شروع کی جس دن اسے احساس ہوا اس نے عافی کے ساتھ، رخسار کے ساتھ اور ذیشان کے ساتھ جو کیا وہ غلط تھا۔ اور پھر اپنی غلطی پر روتے روتے معافی مانگتے نا جانے اس کی کون سی عبادت رنگ لے آئی کہ پھر جیسے نام خدا کی سوغات مل گئی۔

''باجی! آپ......'' بندگی خوش ہو گئی تھی۔ ''آپ تو بالکل بدل گئی ہیں۔''

''ششش۔ پگلی، کوئی سن لے گا۔'' اس نے اس انداز میں چپ کروایا کہ دونوں کو ہنسی آ گئی اور وہ ماں جائی کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔

☆......☆......☆

وہ دونوں آنگن میں ہی تھے۔ دونوں اپنے صاحبزادے کے ساتھ کھیلنے میں اتنے مگن تھے کہ انہیں گمان تک نہ ہوا کہ زندگی تیار ہو کر کچن میں آئی تھی۔ یوں تو وہ تیار ہو کر کچھ کھانے آئی تھی مگر ان دونوں کو خوش دیکھ کر سب کچھ بھول گئی۔ اس نے کل والا لباس ہی پہنا تھا۔ موسم آج بھی ابر آلود تھا،

سورج کی شفاف روشنی سے آج کے سارے منظر محروم تھے۔

''اک عام سی لڑکی ہوں

اک عام سا سپنا ہے

گھر ہو، گھرانا ہو، اس گھر میں

ایک پیارا سا بچہ ہو۔''

اس نے زیر لب شعر پڑھا، ہاں بندگی ایسی ہی تھی اور ماشاء اللہ ایسی ہی رہے ہمیشہ۔ اس نے ایک سلائس پر جیم لگایا، اس دوران بندگی کی بھی نظر اس پر پڑی۔ وہ ہمیشہ کی طرح بھاگ کر اپنی بہن کے پاس آئی۔

''آپ...... آپ یہ کیوں کھا رہی ہیں؟ میں نے آپ کے لیے عمدہ سا ناشتہ تیار کیا ہے۔''

''ارے نہیں، میں جا رہی ہوں۔ میں پہلے سے ہی لیٹ اٹھی ہوں، کل ساری رات تم نے باتیں کر کے میرا دماغ کھایا، اب جانے دو مجھے۔ وہ کچن سے نکل آئی۔ عافی اسے دیکھ کر پہلے کی طرح ہی ایک طرف ہو گیا۔ وہ اپنے بھانجے کے پاس آئی۔ اسے بڑی حسرت اور چاؤ سے دیکھا اور پھر بندگی کو بلایا۔

''جلدی آؤ نا۔ پھر کن کاموں میں لگ گئی کام والی ماسی۔'' اس نے پہلے کی طرح ہی اسے ٹوکا اور بڑی بہن کی صدا سن کر فوراً سامنے آئی۔

''اسے میری گود میں اٹھا کر دو۔''

بندگی مسکرائی۔

''آپ بھی نا باجی۔''

''اف...... سوری ہاں۔ یہ لیں اسے۔''

وہ اس کی گود میں آ کر کھلکھلانے لگا۔ زندگی کچھ دیر کھیلتی رہی اس کے۔ عورت فطری طور پر ممتا کا ساگر ہوتی ہے۔ وہ اس کے ساتھ کھیلنے لگی تو جیسے کھو سی گئی۔ اسے احساس تک نہ ہوا۔ اسے جانا بھی تھا، اس کی اپنی دنیا اس کی منتظر تھی۔

کافی دیر بے بی کے ساتھ کھیلنے کے بعد اس نے اپنے گلے سے سونے کی چین اتاری اور بے بی کے گلے میں ڈال دی۔

''خالہ! اگلی بار آئیں تی تو آپ کے لیے بہت سی چیزیں لائیں گی۔ ابھی کے لیے بائے۔ بندگی کو بہت تنگ کرنا اور ہم مل کر بہت سی شرارتیں کریں گے۔'' اس نے جلدی جلدی کہا اور گھر سے نکل پڑی۔ اس نے جاتے جاتے بھی عافی سے بات نہ کی۔ جب کہ ایک بات تو کرنی تھی۔ اس نے معافی تو مانگنی تھی۔ اس نے اس کا سب کچھ چھین کر اسے تنہا کر دیا تھا۔

لیکن وہ بھی تو چلا گیا تھا۔ مانگتا تو دے دیتی۔ اسے اب موہ مایا کہاں رہا تھا۔ اس نہج پر پہنچ کر وہ بس آگے کی زندگی اپنے رب کی عبادت کرنی چاہتی تھی۔ پر عافی نے کچھ نہ واپس مانگا تھا۔ شاید اسے بھی مایا کا موہ نہ رہا تھا۔ وہ لالچ کے چنگل سے آزاد ہو کر اپنے حال میں زندہ تھا جہاں اس کے پاس اس کی بندگی تھی۔ گھر تھا، بچہ تھا اور وچن کی وجہ سے چلتا پھرتا کاروبار بھی تھا۔

ہاں، عافی کے پاس سب کچھ تھا۔ زندگی بھی مکمل سی تھی۔ آج بھی اس محلے کے لوگ اسے دیکھنے کے لیے جمع ہوئے تھے وہ آج بھی اپنی پرانی پرستائش ادا سے جانے لگی تھی۔ اس کا دل بے حد خلاصہ سا ہو گیا تھا جیسے اس کی من کی تمام مرادیں برآئی ہوں۔

☆......☆......☆

زندگی کے آنے اور خوش اسلوبی سے واپس چلے جانے سے عافی کے دل پر جو اس کا دل دکھانے کا بوجھ تھا وہ جیسے اتر ہی گیا تھا۔ بندگی بھی بہت ہلکا ہلکا محسوس کر رہی تھی۔ وہ دونوں بنا کہے ایک دوسرے کے دل میں جھانک کر ایک دوسرے کے دل کی بات جان سکتے تھے۔

''تم خوش ہو نا اب؟''

''بہت۔'' بندگی نے آنکھیں میچ کر کہا تھا۔

''تم بھی خوش ہو نا عافی؟''

''آج دل سے بوجھ اتر گیا۔'' اس نے لمبی سانس لیتے ہوئے کہا اور اسے خود سے پاس کرنے لگا۔

"عافی! کوئی شرارت نہیں چلے گی۔" اس نے عافی کا ہاتھ اپنے شانے سے ہٹاتے ہوئے کہا اور کچن میں چلی آئی۔ عافی بھی اس کے پیچھے کچن میں آیا تھا اس کے آتے ہی اس نے چائے کا کپ آگے بڑھایا۔

"آں! بہت عمدہ...... زبردست چائے۔ یہ میرے لیے آبِ حیات ہے زندگی۔" اس نے چائے کی چسکی لے کر مزے سے کہا تھا۔

"آبِ حیات پی کر بھی پینے والے پچھتائے تھے۔" عافی نے سر ہلایا اور کہا۔ "انہوں نے زندگی میں زندگی کا آبِ حیات پیا تھا اور میں نے زندگی میں محبت کا آبِ حیات پیا ہے میں کبھی پچھتا نہیں سکتا اور تمہیں بھی پلایا ہے۔" عافی نے اپنا چائے کا کپ اس کے لبوں کے پاس رکھا تھا کہ اچانک ان کے کانوں نے سنی سنائی آواز سنی۔

"اولو پیئر...... کہاں گئے ہو تم دونوں؟"

دروازہ کھلا تھا وچن بنا دستک کے اندر چلی آئی تھی۔

"کہاں ہو۔" اس کے ہاتھ میں اس کی بیٹی تھی۔ اور کندھے پر بی بے کراس بیگ۔ اس نے بچی کو چارپائی پر لٹایا۔ اور کچھ قدم آگے بڑھ کر پھر پکارا۔

"عافی...... عافی...... عافی! کہاں ہو تم؟"

وہ جلدی سے کچن سے دوڑتا ہوا برآمدے کی طرف آیا۔

"وچن! تم یہاں۔ اتنی صبح صبح خیریت تو ہے؟"

"نہیں خیریت نہیں ہے۔ باپو جی بیمار پڑ گئے ہیں۔ مجھے جانا ہوگا گاؤں۔ بندگی کہاں ہے؟"

وہ بھی عافی کے پیچھے ہی آئی تھی لیکن شاید وچن پریشان تھی اس لیے اس کی موجودگی میں اس کا پوچھ بیٹھی۔

"لیکن تم کیسے جاؤ گی؟ ملک میں ہونے والی بارشوں نے کئی مسئلے کھڑے کر دیے ہیں۔"

"ہاں معلوم ہے۔ پل ٹوٹے ہیں۔ پانی نے تباہی مچائی ہوئی ہے۔ گاؤں میں لائٹ نہیں ہوتی۔

اور گیس پائپ بھی پانی کے تیز بہاؤ سے بہہ گئے ہیں لیکن پھر بھی مجھے جانا تو ہوگا نا باپو جی بیمار ہیں۔"

"ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو وچن۔ تمہیں جانا چاہیے۔ تم چلی جاؤ۔ بچی کو یہاں میرے پاس چھوڑ جاؤ۔ بلکہ کمل کو بھی بھجوا دو۔"

بندگی کی ترکیب سودمند تھی۔ وچن کا تو دل ہی خوش ہوگیا۔

"اب تو میں آرام سے جا سکتی ہوں۔ تمہیں پتا ہے بندگی جب میری ماں کو کہیں سے ضروری کام سے جانا ہوتا ہے تو وہ مجھے مس اختر کے گھر چھوڑ آتی تھی۔" ماضی کی یاد اس کے چہرے پر ابھری، وہ شفیق سی مس اختر کو یاد کر کے مسکرائی جو اس کی ماں کی غیر موجودگی میں اس کی ماں بن جاتی تھی۔

"ہائے! وہ بھی کیا دور تھے جب ساتھ میں رہتے تھے۔ کوئی بید بھاؤ نہ تھا، کوئی تفریق نہ تھی۔ جب سارے بچے سانجھے سے لگتے تھے۔" وچن نے آہ بھرتے ہوئے کہا تھا۔

"اچھا۔ کچھ کھاؤ تو۔"

"کیا بنا ہے۔"

"ناشتہ تیار ہے۔"

"تو پوچھ کیوں رہے ہو لے آؤ نا مسٹر عافی اور جلدی آؤ تمہارے لیے ایک گڈ نیوز ہے۔"

"میں لاتی ہوں۔"

"دیپک نے ایک سپر مارکیٹ کا آغاز کرنے کا سوچا ہے۔ اور تم اس کے پارٹنر ہو گے۔" وچن اونچا اونچا بول رہی تھی۔ بندگی ناشتہ لگاتے ہوئے سن سکتی تھی۔

"بس کرو وچن۔ تم دونوں میاں بیوی تو مجھ پر احسانات کا بوجھ بڑھاتے جا رہے ہو۔ میں خوش ہوں۔ کملا فرائیڈ ایجنسی کے ساتھ۔"

"تم سے پوچھا کس نے ہے درزیوں کے ملازم۔ اور سچ تو یہ ہے کہ میں تم پر نہیں خود پر احسان کر رہی ہوں کیونکہ میں سچ میں چاہتی ہوں کہ تمہیں جب میں دیکھوں تو تم مجھے پہلے کی طرح درزیوں کے ملازم ہی لگو۔"

"ہاہاہا۔" عافی مسکرایا تھا۔

"وچن! اب ہم بھی بہت خوش ہیں۔"

بندگی ناشتہ لائی تھی اور تکلف بھرے کلمات اس کے لبوں پر تھے۔ لہجہ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔

"دیکھو بندگی! تمہیں عافی ایسے پسند ہے لیکن مجھے نہیں ایسے پسند آتا۔ تو میں کیا کروں۔ مجھے تو اسے پھر سے اسی مقام پر دیکھنا ہے۔ اور میں دیکھوں گی۔ مجھے عافی کی محنت، لگن، ایمانداری پر پورا بھروسہ ہے۔" اس نے پراٹھے کا بڑا سا بائٹ لیتے ہوئے کہا تھا۔

بندگی خاموش ہوگئی تھی۔ عافی بھی خاموش تھا۔ کیا کہتے وچن کس کی سنتی کہاں تھی۔ وہ بولتی تو بولتی جاتی، اسی نے بات شروع کی اور اسی نے ختم کرنی بھی تھی۔ وہ جلدی جلدی ناشتہ ختم کر کے اٹھی، ساڑھی کا پلو درست کیا، اپنی بیٹی اور عافی کے بیٹے کو پیار سے چوما اور بندگی کے حوالے اپنے بچے کر کے گاؤں چلی گئی۔

وہ دو الگ تھلگ سے لوگ، یوں ایک ساتھ کام کرتے، یوں ایک ساتھ رہتے کہ تفریق کا گمان دل و دماغ میں نہ مچلتا۔ اس کے جانے کے بعد بندگی نے وچن کی بیٹی کو اٹھایا۔ وہ بالکل چھوٹی وچن تھی۔

"بڑے ہو کر یہ بھی مجھے اپنی ماں کی طرح ورزیوں کا ملازم کہے گی۔" عافی نے اسے اپنی گود میں لیا۔ "اور یہ میری بیوی ہے مسز ورزیوں کا ملازم۔" وہ کھل کھلا کر ہنس دے تو بچی بھی ہنسنے لگی۔

بندگی نے اپنے بیٹے کو گود میں لیا اور عافی کے شانے پر سر رکھ کر خدا کا شکر ادا کیا۔

☆......☆......☆

وچن کچھ دن کے بعد واپس آئی۔ باپو جی اب ٹھیک تھے بس حالات ٹھیک نہ تھے۔ ملک بھر میں سیلابی صورت حال تھی۔ اللہ معاف کرے۔

پھر ہم وطنوں کے سر سے چھتیں غائب تھیں۔ پھر اپنے پرائے روتے تھے۔ ہر آنکھ نم تھی، ہر آنکھ نم۔ پانی ہی پانی تھا جو سب کچھ بہا کے لے جا رہا تھا۔ گھر، مال، مویشی، جمع پونجیاں، اپنے پرائے سب کے سب تنکے کی مانند بہہ رہے تھے۔

دیکھتے ہی دیکھتے مکانوں کی نچلی زمینوں کو پانی بہا لے جاتا اور عمارت تو عمارت اس عمارت کا

ملبہ تک نظر نہ آتا۔ لوگ بے آسرا ہو کر کھلے آسمانوں تلے زندہ تھے۔ کہاں کچھ بچا تھا کہ بچاتے۔ ایسا تیز بہاؤ پانی کا کہ جیسے حال، ماضی، مستقبل سب بہا گیا۔

جڑواں شہروں میں ہونے والی موسلا دھار بارشوں کی وجہ سے کئی علاقے زیرِ آب آئے، ایسا معلوم ہوتا تھا یہ کوئی رہائش علاقے نہ ہو بلکہ کوئی ڈیم، ندی یا دریا ہو۔

صادق آباد، ڈھوک کالا خانہ، شکریالا اور گرجا روڈ سمیت راولپنڈی کے کئی علاقوں میں پانی کھڑا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے ٹریفک میں خلل۔ دیواریں ٹوٹنے، لوگوں کے زخمی ہونے کی اطلاعات آئیں۔ کئی گھروں میں پانی داخل ہوا تھا۔

تاہم بارش تھمنے اور دھوپ نکلنے کے ساتھ ساتھ حکام نے کئی علاقوں سے پانی کی نکاسی کے لیے اقدامات کیے جس کے بعد صورت حال کچھ حد تک قابو میں نظر آ رہی تھی۔

کمی آنٹی کے گھر کے آنگن میں آج پھر سب دوست موجود تھے۔ آج سب نے یہاں آنگن میں پکانا اور کھانا تھا۔ ملک بھر میں سیلابی ریلوں کی وجہ سے گیس پائپ لائن تباہ و برباد ہو چکی تھی۔ دوری اور فری سب کے لیے بریانی بنا رہی تھیں، اب تو سکی نے بھی سب سیکھ لیا تھا۔ کملا ان سب کے لیے سویا بین اور کھمبیوں کی سبزی بنا رہی تھی۔

"ماں جی احتیاط سے سلنڈر استعمال کرنا، ملک بھر میں گیس کی قلت ہو گئی ہے۔"

کملا نے دیپک کی بات سن کر ایک درد بھری سانس کھینچی۔ نہ فقط گیس ملک بھر میں الیکٹرک سٹی کا سارا انظام درہم برہم ہوا تھا۔ گیس سلنڈر بھروانے کے لیے مخصوص جگہوں پر گھنٹوں لائن میں کھڑا ہونا پڑتا۔ اسکول، کالجز بھی بند تھے۔ راستے، سڑکیں، پل، سب کی سب راہیں ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں۔ جس کے مذموم اثرات ذرائع آمد و رفت پر پڑے تھے۔ پہلے سیلاب اور پھر سیلابی پانی کی وجہ سے پیدا ہونے والی بیماریاں۔ عذاب ہی عذاب تھا جو ہمارے ہم وطن جھیل رہے تھے۔

جو سیلاب سے بچ گئے تھے وہ بیمار بدقسمت لوگ راستے صاف ہونے کے انتظار میں مر رہے تھے۔ پھر بچوں کو نا جانے کیسے پلاسٹک کی تھیلیوں میں کھانے دیئے جا رہے تھے۔ اور وہ حیرانی سے تکتے

تھے۔ دل نہ کرتا کچھ کھانے کو۔ لیکن بھوک بھی تو برداشت سے بڑھ رہی تھی۔ جہاں ان کے گھر تھے وہاں پانی ہی پانی تھا۔ جن میدانوں میں وہ کھیلتے تھے وہاں بھی بس پانی ہی پانی تھا۔ گندہ، مٹیلا پانی۔

وطن عزیز کے چاروں صوبے سیلاب کی زد میں تھے۔ تازہ ترین رپورٹ کے مطابق 27 اگست 2022ء ملک کا ایک تہائی حصہ پانی کے اندر تھا، جس سے 33 ملین لوگ متاثر ہوئے۔ حکومت پاکستان نے ملک بھر میں سیلاب سے اب تک 10 بلین امریکی ڈالر کے نقصان کا تخمینہ لگایا ہے۔

وہ سیلاب سب کی تباہی کا چرچا کر رہے تھے لیکن عافی چپ چاپ کونے میں بیٹھا تھا۔ اسے دیکھ کے لگتا تھا وہ جڑواں شہروں کے سفر کے دوران جہاں کہاں اس کی مدد کی ضرورت تھی واں وہاں ہو آیا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہو عافی؟'' وچن نے آ کر پوچھا تھا۔

''ہم یہاں ہاتھ پر ہاتھ باندھے کیسے بیٹھ سکتے ہیں؟ پہلے وہ انڈسٹریل عافی تھا، پرائیویٹ طیاروں کا انتظام کر کے ہم وطنوں کے دکھوں میں شریک ہونے کے لیے چلا جاتا تھا لیکن اب حالات بدلے تھے۔ راستے بند تھے، آنا جانا مشکل تھا دیہاتی آبادیاں، شہروں سے کٹ چکی تھیں وہ کیسے ان تک پہنچ سکتا تھا؟''

وچن نے سن کر سرد آہ بھر لی۔ اب تو بس دعاؤں کا آسرا تھا۔

ممی آنٹی نے آنگن میں لکڑیاں جلائی تھیں۔ فری اور دو یر ماضی کے طریقہ کار سے کلکنگ کر کے بہت خوش تھیں۔ سِن کی بھی اب کلکنگ سیکھ رہی تھیں۔

اس کھلے آنگن میں دھواں ہی دھواں تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ سب تو یہاں موجود تھے پھر کون آ سکتا تھا؟ سب دروازے کی جانب دیکھ رہے تھے۔ دیپک نے اپنے گھر کا دروازہ کھولا، کمل کا ہاتھ زندگی کے ہاتھ میں تھا۔

''باجی آپ؟'' بندگی نے پانی جگہ سے اٹھ کر کہا تھا۔

''ہم وطنوں کو ہماری مدد کی ضرورت ہے اور تم سب ہو کہ خود ہی پکا کر خود ہی کھا رہے ہو۔'' اس کی آواز میں کرب سا تھا۔ لباس ہمیشہ کی طرح شان دار تھا۔ سر پر خوب صورت اسکارف تھا۔ وہ اسی شان بے نیازی کے ساتھ اندر آئی اور آتے ہی بندگی کو ڈانٹا۔

"کتنی بار کہا ہے مجھے باجی مت کہا کرو۔" اس نے بے بی کو اپنی گود میں لیتے ہوئے کہا تھا۔ وہ نیند میں تھا۔

"وچن! تم بھی اپنے دونوں بچے میرے سپرد کر سکتی ہو۔ میں نے تم سب کے جانے کا انتظام کر لیا ہے۔ جو جو جانا چاہتا ہے چلا جائے۔"

عافی اور سب کی مورو شکر سی نظریں اس کی جانب اٹھی تھیں۔

"زندگی باجی...... تھینک یووووو......" فری اور دوری نے انہیں گلے سے لگاتے ہوئے کہا تھا۔

"تھینک یو تو ٹھیک ہے لیکن باجی ٹھیک نہیں تھا۔ اچھا۔"

"اچھا۔" فری اور دوری نے خوشی سے کہا تھا۔ اب وہ سب زندگی کے سپاس گزار ہو کر وطن مالوف کے پیاروں کی مدد کرنے جا سکتے تھے۔

☆......☆......☆

یہاں تک وہ طیارے کی مدد سے آئے تھے، آگے وہ سب کبھی چل کے، کبھی گاڑیوں کے ذریعے سیلاب میں گرے علاقے تک پہنچے تھے۔ ہر کسی کی سمت مختلف تھی۔ عافی، بندگی، سکی اور شان کی ممارا جن پور کی تحصیل فاضل پور سے ہوتے ہوئے کوہِ سلیمان کے پہاڑوں کی جانب سفر کر رہے تھے۔ سرحدی علاقوں کی طرف جانے کے لیے کچا راستہ تھا۔ جہاں کہیں کہیں گاڑی پھنسنے کا خطرہ ہوتا تھا۔

کوہِ سلیمان کے پہاڑ اس سیلاب کو جنم دیتے ہیں، جو صوبہ پنجاب کے جنوبی اضلاع میں تباہی مچاتا ہے اور ان پہاڑوں سے نکلنے والا پانی میلوں پر پھیلے علاقوں کے لوگوں کے گھر، مویشی، فصلیں بہا کر لے جاتا ہوا دریائے سندھ میں جا گرتا ہے۔

فاضل پور کا بہت بڑا علاقہ پانی میں ڈوب گیا تھا۔ سینکڑوں کی تعداد میں مکان گر گئے تھے۔ راجن پور شہر کے پاس سے گزرتی انڈس ہائی وے کچھ حد تک سلامت تھی لیکن شہر سے جوں ہی پار ہوئے تو سڑک کے اس پار اور اس پار جہاں تک نظر جاتی پانی ہی پانی تھا۔

سڑک کنارے ریسکیو 1122 نے اپنا کیمپ لگا رکھا تھا جہاں دو تین موٹر والی کشتیاں اور ایک

ایمبولینس کھڑی تھی، جن کی مدد سے قریب کے دیہاتوں میں سیلاب میں پھنسے لوگوں کو محفوظ جگہوں پر لایا گیا تھا۔ عافی، بندگی، سکی اور آنٹی سب دلیری سے بداقبالی میں پھنسے لوگوں کی مدد کر رہے تھے۔ عزت بی بی، میڈم گل، ندا، کلثوم، گیتی اور مہر راجن پور سے آگے کوہ سلیمان سے نکل کر بلوچستان کے علاقے ڈیرہ غازی خان کے آس پاس سیلاب میں پھنسے لوگوں کو راشن اور دیگر اشیا فراہم کر رہے تھے۔

لوگ ہیلی کاپٹر کا شور سن کر دیوانہ وار بھاگنا شروع کرتے، انھیں راشن چاہیے تھا، خیمے چاہئیں تھے۔ وہ ننگے پاؤں بھاگتے کہ کہیں کچھ ختم نہ ہو جائے اور وہ اور ان کے بچے بھوکے نہ رہ جائیں۔

ہیلی کاپٹر کے اردگرد تقریباً پچاس فٹ تک ہوا اتنی تیز ہوتی ہے کہ کھڑا رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسی ہی صورت حال اس وقت وہاں دیکھی جا سکتی تھی۔ جب ہیلی کاپٹر زمین سے تقریباً بیس فٹ کی بلندی پر رک گیا۔ پروں کی تیز ہوا کے باعث لوگوں نے درختوں کی اوٹ لے لی۔ وہ ننگے پاؤں تھے۔ ان کے پیر کیچڑ سے لدے تھے۔ گیلی مٹی کی خوشبو میں عجیب سی گھٹن اور حبس سا تھا۔ عزت بی بی کا دل کٹ سا رہا تھا۔ ایک خاتون نے اپنی بیٹی دکھائی اور کہا۔

"دو دن کے بعد اس کی شادی تھی او یہ جب سے پیدا ہوئی تھی اس کی ماں اس کے لیے جہیز بناتی رہی تھی۔ گاؤں والے اس کی عقل مندی پر اسے شاباشی دیتے تھے۔ لیکن اب......" وہ منہ میں دوپٹے کا پلو اور آنکھوں میں آنسو سمائے کہتے کہتے رک گئی۔ شاید دل بھر آیا تھا۔ عزت نے ہمدردی سے اس عورت کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ خود کو سنبھال کر بولی۔

"سارا جہیز! میری بیٹی کی شادی کا سارا سامان بہہ گیا۔" اس کے چہرے پر کرب ہی کرب تھا۔ آنکھوں میں برسات کا پانی۔

عزت نے اپنے ہاتھ سے ایک ہیرے جڑی انگوٹھی نوچی اور چپکے سے اس عورت کو تھما دی اور کہا۔

"بیٹی کی شادی کی تیاری کر لینا۔"

یہاں تو چلو ذرا سی دل جائی ہوگئی لیکن دوسری خاتون نے پہلی خاتون کی طرح ہی اپنی آپ بیتی سنائی تو وہ سب اور روہانسی ہوگئے۔ خیموں کے طلب گار یہ لوگ جو سکون سے گھروں میں بیٹھے تھے، اب

بے سکونی سے کھلے آسمان تلے بیٹھے تھے۔ان میں ایک عورت جسے اپنا نام بھی اب یاد نہیں تھا اس نے بتایا کہ اس کی بیٹی کی بھی شادی تھی۔

عزت بی بی کے یہ سن کر ہاتھ اپنے کانوں کے جھمکوں تک گئے۔لیکن اگلے ہی پل اس عورت نے درد بھری بھنکاری بھری اور مشکلوں سے کہا۔

"میری دھی مرگئی۔پانی میں بہہ گئی۔"

عزت کے ہاتھ جھمکا اتارتے اتارتے تھم گئے۔وہ سب مبہم اور لاچاری کی سی کیفیت میں عورت کو دیکھتے رہے۔درد کے واقعات سننا آسان نہیں ہوتا۔ان سب کے دلوں پر پڑا بوجھ سو گنا بڑھا تھا۔وہ اب کسی سے کچھ کہہ یا پوچھ نہ رہے تھے بس چپکے سے راشن اور دیگر ضرورت کی اشیاء بانٹ رہے تھے۔سیلاب کی وجہ سے بیماریاں پھیل رہی تھیں۔بچے طرح طرح کی عارضوں کا شکار ہو رہے تھے اور ماؤں کے پاس دعا کے سوا کوئی دوا نہ تھی۔

دیپک، وچن، کملا، فری، دوری ذرا اور آگے بلوچستان کے کچی کے علاقے کی تباہ کاریوں کا جائزہ لے رہے تھے۔

کملا کو پتا تھا یہاں آس پاس ایک مندر تھا۔مادھو داس سائیں کا مندر۔

ناڑی، بولان، لہڑی میں سیلابی صورت حال کی وجہ سے اس چھوٹے سے گاؤں "جلال خان" کا رابطہ باقی صوبے سے منقطع ہو گیا تھا۔ایسے کٹھن وقت میں مقامی ہندو برادری نے سیلاب سے متاثرہ افراد اور مویشیوں کے لیے بابا مادھو داس مندر کے دروازے کھول دیئے۔اونچائی پر بنا یہ مندر سیلاب کے نقصان سے محفوظ رہا تھا جہاں سپیکرز کے ذریعے لوگوں کو بلایا جا رہا تھا۔

یہاں انہیں کھانے، پینے کی سہولیات میسر تھیں۔اور متاثرین میں زیادہ تر کی تعداد مسلم تھی۔جو اس مشکل وقت میں خوراک اور رہائش کے مقامی برادری کے مقروض تھے۔

یہ عبادت گاہ کنکریٹ سے بنی ہے اور ایک بڑے علاقے پر محیط ہے۔جس میں سو سے زیادہ کمرے ہیں۔

یہاں مندر کے آس پاس خیمے لگے تھے لوگوں کی پریشانی ان کے چہروں سے عیاں تھی۔
فری، دوری، چند مقامی لوگوں سے ان کی کہانیاں سن آئی تھیں۔
"دیکھا فری۔ اس آدمی نے بتایا جب سیلاب آیا تھا تو وہ ایک اونچے درخت پر دو دن تک بھوکا پیاسا رہا۔
"ہاں دوری۔ اس نے بتایا کہ بارش مسلسل برستی رہی اور پانی مسلسل بڑھتا رہا حتیٰ کہ اس کا آدھا جسم پانی میں اور آدھا درخت کی سب سے اونچی چوٹی پر کانٹوں سے چپکا تھا۔"
"ہاں فری۔ اس نے بتایا کہ دو دن بعد جب پانی کی سطح کچھ کم ہوئی تو وہ نیچے اترا۔"
وہ دونوں روہانسی سی تھیں۔
"لوگوں سیان کی داستان مت پوچھو دستو۔ ماں جی کمزور دل کی ہیں۔" وچن نے انہیں سمجھایا۔
لیکن ماں جی تو بیٹھی تھیں ایک درد بھری آنکھوں کہ نہارتی مورت سے آس پاس۔
وہ بتا رہی تھی۔ اس کے دو بچے تھے۔ اور اس مشکل گھڑی میں وہ اپنے شوہر اور دو بچوں کے ہوتے ہوئے بھی بے آسرا سی تھی۔ بارش تھمنے کا نام نہ لیتی تھی۔ اس نے اپنی بیٹی کو تھاما تھا جبکہ بیٹا اپنے والد کے پاس تھا۔ وہ بچوں کو مضبوطی سے تھامے پورے دو دن تک سیلاب کے پانی میں چلتے رہے۔ کملا نے یہ سن کر ہاتھ دل پر رکھا اور خوف وہراس کا سوچ کر بھنویں چڑھا دیں۔
"ماں جی آجائیں آپ۔" وچن کو ان کی فکر ہونے لگی۔
"ایک منٹ بہو۔ دو دن تک سیلاب کے پانی میں آگے بڑھتے رہے۔ کیا تم لوگ تھکے نہیں۔ بچے کیسے سہہ گئے یہ سب۔ دو دن تک کیسے رہ سکے۔"
"ماں جی......"
"رک رک بہو۔"
"ہاں بتاؤ نا، کیسے چلتے رہے۔" کملا کا تجسس بڑھا تھا۔ دوری اور فری بھی اسی طرف آئی تھیں۔
دیپک کچھ لوگوں کے خیمے گاڑنے میں مدد کر رہا تھا۔

"جی تھکے تو بہت تھے۔ایسا لگ رہا تھا جو پانی آج تک زندہ رہنے کے لیے پیتے آئے ہیں وہ پانی زحمت بن گیا ہو جیسے۔ایک جنگ سی تھی جو لڑ رہے تھے۔خود کو سنبھالتے تو بچے ہاتھوں سے چھوٹنے لگتے، پانی تھا کیا ایسا ضدی پانی۔ایسا طاقت ور پانی کہ روح تک سہی ہوئی تھی۔کبھی کمر سے اونچا ہو جاتا کبھی سروں تک آجاتا۔ساری خدا کی زمین جیسے نگل گیا ہو۔ہمارے چاروں طرف بس پانی تھا اور کچھ نہیں۔دور ایک پہاڑ تھا ہم اسی کی جانب چل رہے تھے۔میں بہت بار پانی میں گر جاتی تھی، تھک جاتی تھی، پاؤں جیسے چل چل کر سن ہو گئے تھے۔پانی کا تیز بہاؤ ہمارے پیروں سے ہماری جلد کے چھلکے اتار رہا تھا۔کاٹ رہا تھا۔میرا مرد مجھے تسلی دیتا، کہتا ہم بڑے ہیں بس بچوں کو سنبھالو۔ہم آگے چلے جائیں گے زمین مل جائے گی اور......وہ کہتے کہتے رک گئی۔اس کے چہرے پر بہت دکھ تھا۔

فری نے اس کا دکھ دور کرنے کے لیے اور کمی آنٹی کو مطمئن کرنے کے لیے ذرا سا خوش کن لہجے میں پوچھا۔

"جب آپ نے پانی میں چلتے چلتے خشکی کو ڈھونڈ لیا تو بہت خوش ہوئے ہوں گے نا؟"

"ہماری آنکھوں میں پانی ہی پانی بسا تھا، سامنے سڑک تھی، بہت بھیڑ تھی، لوگ ہی لوگ تھے لیکن آنکھیں اتنی تھکی تھیں کہ شاید ہم سمت بھٹک جاتے۔ہماری سماعتیں بھی پانی کا شور سن کر تھک گئی تھیں۔ہم کچھ دیکھ نہیں پا رہے تھے۔سمجھ نہیں پا رہے تھے لیکن لوگوں نے ہمیں دیکھ لیا تھا۔موٹر والی کشتی زوں زوں کرتی ہماری طرف آئی۔میں نے میری بیٹی کے ساتھ کشتی میں قدم رکھا تو دم میں جیسے دم آیا۔پھر میرے شوہر سوار ہوئے تو میرے تین سالہ بیٹے نے سر ایک جانب کر لیا۔"

یہاں سب ساکن کھڑے تھے۔جیسے اب ان کا دم گھٹنے لگا ہو۔دل بے تاب سا اس عورت کے درد کی لے پر دھڑکنے لگا ہو۔

"میرا بیٹا۔آہ میرا حمید۔وہ......وہ مر گیا۔"

فری اور دوری سے تو ایک دوسرے کو دیکھا ہی نہ گیا۔بس وہ اسی جگہ لگی کھاٹ پر سر جوڑ کر بیٹھ گئیں۔دونوں بے آواز آنسو آنکھوں میں چھپائے درد سے لب کاٹ رہی تھیں۔وچن فوراً ماں جی کی

جانب لپکی۔ لیکن وہ کملا کا یہ روپ دیکھ کر حیران تھی۔ کملا فلمیں دیکھ کر رونے والی عورت آج اس بہادری سے اس عورت کو سمجھا رہی تھی کہ سب حیران تھے۔

"اب اتنا کیوں روتی ہو۔ رب کی چیز تھی رب نے لے لی، شکر کرو تمہارا شوہر سلامت ہے۔ تم اپنے خدا پر یقین رکھو، جو تمہیں دو دن تک چلنے کی ہمت فراہم کرتا رہا۔ وہ پھر سے تمہاری گود بھر دے گا۔ ہم میں ایک کہاوت ہے، سر سلامت ہے تو ٹوپیاں بہت آ جاتی ہیں۔" یہ جملہ اس نے ایک آنکھ دبا کر شرارت سے کہا تھا اور مسکرا بھی رہی تھی۔

وہ عورت بھی پھٹے ہونٹوں سے مسکرا دی تھی۔ تو فری اور دوری بھی نم آنکھوں سے مسکرا دی۔

ماں جی کا دل اب بہت بڑا ہو گیا تھا۔ ان سب کا دل اب پکا سا ہو گیا تھا سب سے بڑھ چڑھ کر عافی کی طرح سیلاب زدگان کی مدد کر رہے تھے۔ کسی کو قے نہیں آئی، کسی کا جبس سے دل گھٹا نہیں، لاشیں دیکھ کر کسی کے قدم ڈگمگائے نہیں۔ بیماریاں دیکھ کر کوئی گھبرایا نہیں۔ یہاں بچوں کے جسموں پر طرح طرح کے دانوں کی بیماریاں نظر آ رہی تھیں۔

سیلابی پانی کا رنگ اب بدل گیا تھا۔ یہ پانی اب بڑے بڑے جوہروں کا روپ دھار چکا تھا۔ جہاں مچھروں مکھیوں کی بہتات تھی۔ ان سب کو بھی مچھر کاٹتے تھے۔ مکھیاں تنگ کرتی تھیں۔ حشرات چمٹ جاتے تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی نہ تھکا نہ بھاگا۔

دل سے سب وطن عزیز کے پیاروں کی مشکل میں جتنی بن پائے اتنی مدد کیے جا رہے تھے۔

عافی کو کبھی کبھی لگتا اپنے غم میں وچن کو شامل کر کے اس نے ناانصافی کی تھی اس نادان سی لڑکی کے ساتھ۔

لیکن آج ندا، کلثوم، مہر، گیتی، دوری، فری، سکی جیسی نوجوان لڑکیوں کو لوگوں کی خدمت کرتے دیکھ کر عافی کو بہت خوشی ہو رہی تھی۔ عافی کی آنکھوں میں جہاں تشکر تھا وہاں پہچان کی ایک کرن ابھری تھی۔

"اچھے اچھے نوجوانوں اتھے کسی نوں مدد کی ضرورت ہے۔" وہ اس آواز اور اس چہرے کو کبھی نہیں بھول پایا تھا۔ یہ وہی سکھ تھا جس نے 2005ء کے زلزلے میں پتھروں و ملبے میں دبے، دھنسے

عافی کو باہر نکالا تھا۔

عافی ان کی طرف آیا۔ مسکرایا اور ان کے گلے لگ کر انہیں تھینکس کہا تھا۔

”ارے او، رب بچاتا ہے سب نوں۔ ہم تو بس اس کے ہاتھوں کی کٹھ پتلیاں ہیں۔ بس اسی طرح خدمت خلق کرتے رہو۔“

عافی حیران رہ گیا۔ وہ بنا کسی لفظی تعارف کے اسے پہچان گیا تھا۔ وہ بھی اتنے برس گزر جانے کے باوجود؟

ابھی وہ ان ہی موصوف کے متعلق سوچ رہے تھے کہ ایک بندہ آنکھوں میں پہچان کی چمک سمائے ہوئے، ہمارے ملک کی مسیحی برادری کے لوگوں کی طرف سے عافی کی جانب تیز تیز قدم بڑھاتا بڑھتا چلا آیا۔ اس شخص کے چہرے پہ بے پناہ سی خوشی تھی جیسے وہ عافی کو دیکھ کر نہال سا ہو گیا تھا۔ گلے میں صلیب کے نشان والا لاکٹ تھا۔

اس پکی عمر کے آدمی نے عافی کے پاس آتے ہی اسے گلے سے لگالیا۔ عافی حیران تھا، انجان شخص کا رویہ غیر متوقع تھا۔ اس نے تین بار عافی کو اپنے سینے سے لگایا اور اب وہ اس کے ہاتھوں کو چوم رہا تھا۔

”شکریہ میرے مسیحا...... آپ نہ ہوتے تو شاید میں نہ ہوتا۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ نے مجھے مرنے نہیں دیا، بچالیا تھا۔“

ناجانے وہ کب اور کس قدرتی آفات کا ذکر فرما رہا تھا۔ لیکن عافی مسکرایا اور اسی شخص کے الفاظ دہرائے جس نے اسے 2005ء کے زلزلے کے ملبے سے بچایا تھا۔

”خدا بچاتا ہے سب کو۔ ہم تو بس اس کے ہاتھوں کی کٹھ پتلیاں ہیں۔ بس اسی طرح خدمت خلق کرتے رہو۔“

عافی یہ کہہ کر چلا گیا۔ وہ پکی عمر کا ہمارے ملک کا مسیحی مہربان بندہ بھی عافی کی طرح حیران تھا کہ بنا کسی تعارف کے یہ موصوف انہیں پہچان کیسے گئے؟

لیکن اگر وہ اسی طرح خدمت خلق میں مصروف رہا تو ایک دن کوئی نہ کوئی آئے گا، اسے بھی آغوش

میں لے کر معانقہ کرے گا، اس کا ہاتھ چوم کر اسے رحمدلی، ہمدردی، اخوف، بھائی چارے کا لفظی انعام دے گا۔ اور پھر وہ بھی وہی کہے گا۔ "خدا بچاتا ہے سب کو، ہم تو بس اس کے ہاتھوں کی کٹھ پتلیاں ہیں۔"

☆......☆......☆

زندگی اپنی موجودہ حالت کی بناء پر کسی کی مدد کرنے نہ جا سکی تھی لیکن وہ گھر میں تھی اور مدد کرنے والوں کی مدد کر رہی تھی۔ وچن کی بیٹی اور بندگی کا بیٹا اس کے پاس بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ وہ ان ہی بچوں کے ساتھ کھیل رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

وہاں ذیشان تھا۔

"آپ؟"

"آپ کو مس کر رہا تھا لیکن آپ ہیں کہ......" وہ کوٹ کی جیب میں دونوں ہاتھ دبائے شکوہ کر رہا تھا۔

"ناراض لگتے ہو۔" اس بار اس نے منہ موڑ لیا کچھ کہا نہیں۔

زندگی اس کے پاس آئی اور ہاتھ پکڑ کر بچوں کے پاس لے آئی۔

"اس سے ملو۔ یہ وچن کی بیٹی ہے۔ اور یہ یہاں...... یہ میرا بھانجا ہے۔"

"آپ ان کی مدر بننے کی کوشش کر رہی ہیں؟" ذیشان نے بچوں کو پیار سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"نہیں۔ ماں بننے کی پریکٹس کر رہی ہوں۔"

ذیشان پہلے اس کی بات نہ سمجھا اور پھر جب سمجھا تو حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اس کے روبرو آیا اور جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں تصدیق کی۔

زندگی نے اس کے ہاتھ کو تھام کے شرما کر ہاں کہا تھا۔ ذیشان کی تو جیسے خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا تھا۔ اس نے وچن کی بیٹی کو پالنے سے اٹھایا اور گلے سے لگایا۔ اور زندگی کی جانب دیکھ کر خوشی سے کہا۔

"مجھے ایسی بیٹی چاہیے۔"

زندگی مسکرا دی اور کہا۔ "اور مجھے بس آپ کا ساتھ چاہیے۔"

"ہم تو ہیں ہی آپ کے۔" ذیشان نے سر خم کرتے ہوئے کہا۔

"خیال کرو، بچی کو گرا نہ دو۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو۔ ہمیں بچے سنبھالنے کی پریکٹس کرنی چاہیے۔"

"آپ کو یہاں رہنے کا بہانہ چاہیے تھا بس۔"

"میری مسز مجھے بہت اچھے سے سمجھتی ہے۔"

زندگی اس کی شرارت بھری آنکھوں سے بچنے کے لیے ذرا اس طرف ہٹی تو اس کا ہاتھ ٹیپ کے پلے بٹن پر لگ گیا۔ جہاں احمد جہانزیب صاحب کا سونگ چلنے لگا۔

"کوئی جانے نا

کوئی مانے نا

کہ دل میرا کہتا رہا

بس ایک بار کہہ دو ذرا

کہ دل میرا

جانِ جاں تجھے

دیکھوں میں جب سامنے میرے

کوئی اور بھاتا ہی نہیں۔

پاگل میں ہوا کیوں؟

کوئی جانے نا، کوئی مانے نا

جانتا ہوں میں کہ جتنی دور تو رہے

اتنا میں چاہوں گا تجھے

کوئی تو بتائے مجھے سمجھائے ذرا

کوئی جانے نا، کوئی مانے نا......

میرا دل کہے کہ میرے پاس تو رہے

بس ہوش کوئی نہ رہے

دونوں کا جہاں ہو

نہ کوئی وہاں ہو

کوئی جانے نہ

کوئی مانے نہ

کہ دل میرا کہتا رہا

بس ایک بار کہہ دو ذرا

کہہ دو ذرا......"

"آئی لو یو زندگی۔" ذیشان نے کہہ ہی دیا تھا۔

"آئی لو یو ٹو۔ بہت خوش قسمت ہو تم ذیشان۔" اس نے باآواز بلند کہا۔

"اور بہت خوش قسمت ہو تم بھی مسز ذیشان۔" زندگی نے شرارتاً اسی کے انداز میں کہا تو وہ کھلکھلا کے مسکرا دیا۔

☆......☆......☆

وچن نے عافی کو تنہا نہیں چھوڑا تھا۔ دیپک کے پیسے اور عافی کے تجربے نے مل کر کمال کر دکھایا تھا۔ دیپک بہت بڑے شوپ کا مالک تو تھا ہی، اب وہی شوپ صرف شوپ نہیں بلکہ شوپنگ مال میں بدلی تھی۔ جس میں چار منزلہ عمارت میں تقریباً پچاس شوپ، دس گودام اور کئی اسٹالز تھے۔ عافی نے آج پھر سے باس والا لباس پہنا تھا اور وچن کے پاس آ کر پوچھا تھا۔

"کیسا لگ رہا ہوں؟"

وچن نے ہاتھ سے زبردست کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "بالکل درزیوں کا ملازم۔"

"ہاہاہا۔" عافی دل سے مسکرایا۔

"اور میں کیسا لگ رہا ہوں پارٹنر؟" دیپک نے انٹر ہوتے ہوئے پوچھا تھا۔ دیپک او عافی

دونوں کے لباس سیم ٹو سیم تھے۔

''ہائے میں مرجاواں۔دیپک! یہ تم ہو؟''

''بالکل میں ہی ہوں......لگ رہا ہوں ناپڑھا لکھا باس۔''

''صدقے تمہارے وچن......'' وچن نے نظر اتارنے کے اسٹائل میں کہا تھا۔

''پہلے ایک میں تھا، درزیوں کا ملازم۔اب میرا ایک پارٹنر بھی ہے درزیوں کا ملازم۔''

''ویسے میرے دادا جی درزی تھے۔''

''سچ دیپک۔مجھے تو نہیں پتا تھا۔''

''مجھے بھی نہیں پتا نہیں۔میں تو مذاق کر رہا تھا۔'' وہ اپنی بات پر خود ہی ہنسنے لگا تو عافی اور وچن بھی مسکرائے۔

☆......☆......☆

دیپک کے انویسٹ منٹ اور عافی کی محنت رنگ لائی تھی۔عافی کے دن پھر سے بدلے تھے۔لیکن وہ آج بھی اسی گھر میں رہتے تھے۔فری اور دوری اب مکمل ڈاکٹر بن چکی تھی۔اگلے سال شان بھی اپنی پڑھائی ختم کرکے ہمیشہ کے لیے سکی کے پاس واپس آرہا تھا۔رخسار کی دو شادیاں ٹوٹی تھیں۔اب اس نے کسی باس کی تلاش چھوڑ دی تھی کیونکہ اب اس کی لاٹری لگی تھی اور وہ ایک چھوٹی سی کمپنی کی خود باس تھی۔

ٹوٹی ابھی تک سنگل ہے۔اور عزت بی بی کے پارلر کا واحد چراغ بنا پھرتا ہے۔عزت نے اسے بھی اپنا ہنر سکھایا۔اب وہ عزت بی بی کے سیلون کا مالک ہے۔

وچن کے باپو جی اب بہت بوڑھے ہوگئے ہیں۔اور گاؤں کی بچیاں انہیں اپنے لیے دعا کرنے کو کہنے آتی ہیں۔اس سال وچن کی بھتیجی نے پورے ضلع میں اول پوزیشن لی تھی۔

ندا، گیتی، کلثوم، مہر اور گل میڈم میں جیسے نہ ٹوٹنے والا کوئی کیمیکل بانڈ بن گیا تھا۔وہ پنجابی سونگ سننے کی بجائے طارق جمیل صاحب کی وڈیوز سنتی، اب واہیات نغموں کی بجائے ان کی زبان نعت خوانی کرتی۔

سب اپنی زندگی میں خوش تھے۔ وچن اور سکینہ کی تعلیمی سزا کی مدت بھی مکمل ہوگئی تھی۔ وچن ایم فل کر رہی تھی اور سکینہ بی ایس کے ہر سمسٹر میں اپنی محبت سے شاندار کامیابیاں حاصل کر رہی تھی۔ کملا چشمہ پہن کر کمل اور اپنی پوتی کی وڈیوز بناتی اور دیکھنے والوں کو کہتی۔

''پلیز! لائیک کریں۔ شیئر کریں۔ سبسکرائب کریں۔ ہماری دعا ہے کہ سب ساتھ رہیں، آباد رہیں۔ ملتے ہیں اگلی وڈیو میں بچوں کی نئی شرارتوں کے ساتھ۔''

بس دادی بس، پانچ منٹ کی وڈیو میں، میں آپ کی دعاؤں کی لسٹ شامل نہیں کرسکتا۔''

''ہاں ہاں بس۔ گڈ نائٹ۔ شب خیر اور شوب راتری۔''

ملک بھر میں ان کی وڈیوز دیکھی جاتی۔ فری اور دوری نے تو کمی آنٹی کے ٹھمکوں کو مشہور کر دیا تھا۔ اتنے سارے لائیک...... کملا بہت خوش تھی۔

''آئی لولو پاکستان۔''

''آئی لولو نہیں دادی...... آئی لویو پاکستان۔''

''بس کمل بس۔ پاکستانی سمجھ جاتے ہیں مجھے۔'' اس نے کالا چشمہ درست کرتے ہوئے کہا تھا۔ اور فری اور دوری کے اسٹائل میں پوچھا تھا۔

''کیوں پاکستانی سمجھتے ہو نا مجھے؟''

''ہاں ہاں سب سمجھتے ہیں آپ کو دادی۔ چھوٹے نہیں، تھوڑے سے بڑے۔'' کمل نے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا تھا۔

☆......☆......☆

ہاں سچ میں پاکستانی سمجھ جاتے تھے۔ جب جب کملا اپنی اور بچوں کی انوکھی وڈیوز میں نظر آتی۔ پاکستانی کمنٹ میں لکھتے۔

''لُو لُو کملا۔''

''میں مانتی ہوں ہمارے ملک میں مذہبی تعصب و مذہبی فساد پائے جاتے ہیں، یہاں ایک نہیں

کئی اقسام کے مذہبی مسائل دریافت ہوتے رہتے ہیں، لیکن ان سب پیچ وتاب کے باوجود، یہاں ہم ساتھ رہتے بھی ہیں۔اور یہ ساتھ آج کا نہیں یہ روایت صدیوں پرانی ہے۔یہاں جزولازم سی دوستیاں بھی ہیں۔اٹوٹ تعلق بھی ہیں، رکھ رکھاؤ، عید ملن پارٹیاں، ہولی، دیوالیاں، کرسمس ساتھ ساتھ منائے بھی جاتے تھے۔آج بھی ایسی وچن جیسی کئی بچیاں ہیں جو اپنی ماں کی غیر موجودگی میں مس اختیر جیسی ماں کو دیکھتی ہیں۔آج بھی ہیں...... ہاں آج بھی ہم دوست ہیں۔آج بھی ہمدردی، اخوت، بھائی چارے کی سینکڑوں مثالیں ڈھونڈ و تو ملتی ہیں، یہاں مل جل کر کام کرنے کی ہمت بھی ہے، ساتھ نبھانے کا حوصلہ بھی ہے، افصل سی برداشتیں بھی ہیں، بے پناہ صبر بھی ہے کہ ہم سب پاکستانی ہیں۔

پاکستان......زندہ باد

✽ ✽

ختم شد

منعم ملک کا بہت خوبصورت نیا ناول

طائرِ آشیاں

ہر ماہ باقاعدگی سے کتاب گھر پر پیش کیا جارہا ہے
نئی اقساط پڑھنے کیلئے وزٹ کریں

kitaabghar.com

ثریلہ ظفر کا بہت خوبصورت نیا ناول

نخل

ہر ماہ باقاعدگی سے کتاب گھر پر پیش کیا جارہا ہے
نئی اقساط پڑھنے کیلئے وزٹ کریں

kitaabghar.com